

مکتبہ الشیخ
اساتذات کے ساتھ

اللَّهُ الْمُنِضُّونَ

علی

سُئِنَا بِكَ اَوْ

الجزء الثانی

افادات درسیہ

مولانا محمد ماقول صاحب عبداللہ مدین مظاہر علوم

تلمیذ رشید

شیخ الحدیث حضرت مولانا محمد و گریا صاحب قدس سرہ

ناشر

مکتبہ الشیخ

۳/۴۴۵ - بہادر آباد - کراچی ۵

فہرست مضامین الدر المنصوہ علی سنن ابی داؤد (تقریر البوراد شریف) جلد ثانی

صفحہ	مضمون	صفحہ	مضمون	صفحہ	مضمون
۲۰	جمعة کا وقت سبب اور اس میں {	۲۴	باب فی وقت صلوٰۃ العصر	۱	کتاب الصلوٰۃ
"	اختلاف علماء	۲۵	{ کان یصلی العصر والشمس	۵	صلوٰۃ سے متعلق ابحاث ثمانہ مفیدہ
۳۱	تحقیق صنایع	۲۶	فی حجر تھا اور اس کی شرح {	۶	یُسبِح دوی صوتہ اور اس کی تشریح
۳۲	وجوب وتر کی دلیل	۲۷	باب فی الصلوٰۃ الوسطی	۷	قال لا الا ان تطوع پر فقہی {
۳۳	عن القائم بن غنم عن بعض اہلہ الخ	۲۸	غزوہ خندق میں فائزہ {	۸	کلام و اختلاف ائمہ
"	وقت اول کی فضیلت اور اس پر کلام	۲۹	نمازوں کی تعداد {	۹	واللہ لا ازید علی ہذا ولا انقص
"	افضل الاعمال کا مصداق اور {	۳۰	باب من ادرك رکعة من	۱۰	باب فی المواقیت
۳۴	اس میں اختلاف علماء	۳۱	الصلوٰۃ فقد ادركھا اور {	۱۱	صلوات خمسہ کے اوقات {
۳۵	قلت ان ہذہ ساعات فیہا اشغال الخ	۳۲	اچھیں مسلک حنن کی تحقیق {	۱۲	کی تفصیل مع اختلاف علماء
۳۶	باب اذا اخضر الامام {	۳۳	فکانت بین قرنی شیطان {	۱۳	حدیث امامت جبریل کی شرح
۳۷	الصلوٰۃ من الوقت {	۳۴	اور اس کی شرح {	۱۴	وقت مغرب میں شافعیہ کے {
۳۸	اعادۃ صلوٰۃ سے متعلق مسائل خلاف فقہیہ	۳۵	باب فی وقت المغرب	۱۵	مذہب کی تحقیق
۳۹	فصلوا معہم ما صلوا القبلة	۳۶	الی ان تشبک الجہنم اور {	۱۶	عمر بن عبد العزیز آخر العصر شیئاً
۴۰	باب فی من نام عن صلوٰۃ اولیئہا	۳۷	اہل شیخ کا استدلال {	۱۷	باب فی وقت صلوٰۃ النبی صلی اللہ علیہ وسلم
"	واقعة لیلة القریس کی بحث	۳۸	باب فی وقت العشاء الخضرۃ	۱۸	لزم قبل العشاء اور حدیث {
۵۱	فقال انظر فقلت ہذا اکب عذان {	۳۹	یصلیہا سقوط القرین لئلا	۱۹	بعد العشاء کی تفصیل {
۵۲	راکبان الخ اور اس کی شرح {	۴۰	تاخیر عشاء اور اس کی تقدیم کی بحث	۲۰	وکان یصلی الصبح وما یفرح احدنا بلیسہ
۵۳	ومن الغد للوقت اور اس کی تشریح	۴۱	باب فی وقت الصبح	۲۱	باب فی وقت صلوٰۃ الظہر
۵۴	میش الامرء کا مصداق	۴۲	ما یعرف من الغلس اور اس کی شرح	۲۲	فی الصیف ثلثہ اقسام الی خمسۃ اقسام
۵۵	واقعة لیلة القریس اور تعلیم نعلی	۴۳	اسفار کے دلائل	۲۳	حتی رأینا فی التلول اور {
"	باب فی بناء المساجد	۴۴	باب فی المحافظة علی الصلوات	۲۴	وقت نہر الی شلیل کی بحث {
۵۶	ترتیب مساجد کا حکم شرعی	۴۵	صلوات خمسہ کے اوقات مستحبہ {	۲۵	ان شدۃ الحر من یحج جہنم اور اس کی تشریح

۵۸	شرح حدیث میں امام نووی اور	۹۸	احیلت الصیام ثلاثہ احوال
۵۹	قاضی عیاض کا اختصار	۹۹	تحويل قبلہ سے متعلق دو بحثیں
۶۰	اسطوانہ محلّۃ	۱۰۰	باب فی الاقامۃ
۶۱	باب ماجاء فی المشرک	۱۰۱	تثنیۃ اقامۃ میں حنفیہ کے دلائل
۶۲	یدخل المسجد	۱۰۲	باب الرجل یؤذن ویقیم آخر
۶۳	نقال قد اجبتک اس کلام کی شرح	۱۰۵	باب سرفخ الصوت بالاذان
۶۴	ایک ہی حدیث پر مصنف اور	۱۰۷	باب ما یجب علی المؤذن
۶۵	امام بخاری کے دو مختلف ترجمے	۱۰۷	من تعاهد الوقت
۶۶	باب فی المواضع الی التجوز	۱۰۸	باب الاذان فوق المنائر
۶۷	فیہا الصلوۃ	۱۰۸	باب فی المؤذن یستدیر فی اذانه
۶۸	وجعلت لی الارض سجداً وطمونا	۱۱۰	باب ما یقول اذا سمع المؤذن
۶۹	وہ مواضع مسجد جن میں نماز لموسوع	۱۱۱	اذان خطبہ کی اجابت
۷۰	باب الذہبی عن الصلوۃ فی	۱۱۳	باب ما یقول اذا سمع الاقامۃ
۷۱	مبارک الابل	۱۱۳	باب ماجاء فی الدعاء عند الاذان
۷۲	باب من یؤمر من الغلام بالصلوۃ	۱۱۴	باب اخذ الاجر علی التاذین
۷۳	کیا تارک صلوۃ کی سزا قتل ہے	۱۱۵	استیجار علی الطاعات میں اختلاف علماء
۷۴	وفز قوا بینہم فی المضایع	۱۱۶	باب فی الاذان قبل دخول الوقت
۷۵	باب بدأ الاذان	۱۱۸	باب الاذان للاعشی
۷۶	مباحث سہ متعلقہ باذان	۱۱۹	باب فی الخروج من المسجد
۷۷	باب کیف الاذان	۱۱۹	بعد الاذان
۷۸	ترجیع فی الاذان کی بحث	۱۲۰	اعادہ صلوۃ سے متعلق متعدد ابواب
۷۹	صحیح کی اذان میں الصلوۃ غیر من النوم	۱۲۱	باب فی المؤذن ینتظر الامام
۸۰	عن ابن ابی محذورۃ عن امیہ	۱۲۱	باب فی التثویب
۸۱	عن ہدہ اس سند کی تشریح	۱۲۲	باب فی الصلوۃ تقام ولہم
۸۲	احیلت الصلوۃ ثلاثہ احوال	۱۲۲	یات الامام
۸۳	ان یعمل مسجد الطائف حیث کان طوافیہم		
۸۴	و غیرہ عثمان وسقف بالساج		
۸۵	فزل فی علو المدینۃ		
۸۶	تبور مشرکین کانہش		
۸۷	باب اتخاذ المساجد فی الدور		
۸۸	صحیفہ سمرہ کی پہلی حدیث		
۸۹	باب فی السرج فی المساجد		
۹۰	باب فی حصی المسجد		
۹۱	باب فی کنس المساجد		
۹۲	نسیان قرآن کا حکم		
۹۳	باب فی اعتزال النساء		
۹۴	فی المساجد عن الرجال		
۹۵	باب فی ما یقول الرجل		
۹۶	عند دخوله المسجد		
۹۷	خود بنی کو اپنی نبوت پر ایمان لانا واجب		
۹۸	باب ماجاء فی الصلوۃ		
۹۹	عند دخول المسجد		
۱۰۰	اذا جاء احدکم المسجد		
۱۰۱	اس حدیث سے متعلق مباحث خمسہ		
۱۰۲	باب فی فضل القعود فی المسجد		
۱۰۳	قولہ بالمحدث اور اخراج یدک		
۱۰۴	فی المسجد کا حکم		
۱۰۵	باب فی کراہیۃ التشاد		
۱۰۶	الصنایۃ فی المسجد		
۱۰۷	باب فی کراہیۃ البزاق فی المسجد		

۱۵۹	ان جدتہ ملیکہ کی شرح	۱۳۳	باب فی جماع الامامة	۱۳۳	مستی یقوم الناس فی الصف
۱۶۰	مسائل ثابۃ بالمحدث	"	باب فی کل ھیۃ التذاع	"	مستی کبر الامام للتحریمۃ
۱۶۱	باب الامام یتخرف بعد التسلیم	"	عن الامامة	۱۳۴	اقامت اور تکبیر تحریمہ کے درمیان فصل
۱۶۳	باب الامام یتطوع فی مکانہ	۱۳۴	باب من احق بالامامة	۱۳۵	باب فی التشدید فی تولد الجماعة
"	باب الامام یحدث بعد	۱۳۵	امامت میں مع اختلاف المہ	۱۳۶	حکم جماعت میں مذاہب علماء
"	ما یرفع رأسہ	۱۳۶	باب امامۃ النساء	۱۳۸	اعلیٰ کیلئے ترک جماعت کی اجازت
۱۶۳	باب ماجاء ما یؤمر بہ	۱۳۸	باب الرجل یؤم القوم	۱۳۹	باب فی فضل صلوۃ الجماعة
"	المأموم من اتباع الامام	۱۳۹	وہم لہ کارھون	۱۴۱	باب ماجاء فی فضل المشی الی الصلوۃ
"	تقدم علی الامام فی ادار الارکان	"	باب امامۃ البر والفاجر	"	کیا دار بیدہ من المسجد افضل تقریبہ
"	کی تفصیل مع اختلاف المہ	"	باب امامۃ الاعمی	۱۳۲	بخاری شریف کے ایک ترجمہ الباب کی توجہ
۱۶۶	بل السنن من اوصائہ علی اللہ علیہ وسلم	۱۵۰	باب امامۃ الزائر	۱۳۳	فاجرم کا جہز الحاج المحرم
۱۶۷	باب ماجاء فی التشدید فیمن	"	باب الامام یقوم مکانا	۱۳۵	ثواب جماعت کے بارے میں
"	یرفع قبل الامام	"	ارفع من مکان القوم	"	اختلاف روایات
۱۶۸	باب جماع الثواب ما یصلی فیہ	۱۵۱	باب امامۃ من صلی یقوم	۱۳۶	باب ماجاء فی الھدی
۱۶۹	هذا انورۃ میں اختلاف علماء	"	وقد صلی تلك الصلوۃ	"	فی المشی الی الصلوۃ
۱۷۰	انکشاف غورت میں اختلاف علماء	۱۵۲	باب الامام یصلی من قعود	۱۳۷	تشبیک فی الصلوۃ
"	صلوۃ فی الثوب الواحد	۱۵۵	واذا قرأ فانصتوا لکے ثبوت کی بحث	۱۳۷	باب ماجاء فی خروج
۱۷۱	باب الرجل یعقد الثوب فی قفلاۃ	۱۵۶	باب الرجلین یؤم احدهما	"	النساء الی المسجد
"	ثوب واحد کے اقسام ثلاثہ اور	"	صاحبہ کیف یقومان	۱۳۸	باب السعی الی الصلوۃ
"	ہر ایک کا طریق استعمال	۱۵۷	محض اور ام حرام کے درمیان	۱۳۹	ما اور کم فصل اور ما فاکم فاکموا
۱۷۲	لو وقع نظر المصلی علی عورتہ	۱۵۷	علاقہ محرمیۃ کی بحث	۱۴۰	باب فی الجمع فی المسجد مرتین
۱۷۳	باب الاسباب فی الصلوۃ	"	تنفل بالجماعۃ میں اختلاف المہ	"	باب فیمن صلی فی منزله
۱۷۴	اشتمال الیہود اور اشتمال النصارى	۱۵۸	مسئلہ محاذۃ میں حنفیہ کی دلیل	۱۴۱	ثم ادرك الجماعة
"	کی تفسیر	"	باب اذا کالوا ثلاثۃ	۱۴۲	باب اذا صلی فی جماعۃ
۱۷۵	باب فی کم تصلی المرأة	۱۵۹	کیف یقومون	"	ثم ادرك الجماعة

۲۱۵	حنفیہ کے نزدیک رفع یدین کا نسخ { اور اس میں مولانا نور شاہ کی رائے {	۱۹۲	باب مایستر المصلیٰ	۱۷۵	باب فی المرأة تعلیٰ بنیر خمار
۲۱۶	حضرت سہارن پوری اور حضرت { گنگوہی کی رائے {	۱۹۴	سترے متعلق ابحاث عشرہ	۱۷۷	باب ماجاء فی السد فی الصلوٰۃ
۲۱۷	صاحب المانی الاحبار کا تبصرہ	۱۹۷	باب الغلط اذا لم یجد عصا	۱۷۸	باب الرجل یصلیٰ عاقصا شعلیٰ
۲۱۸	حضرت عمرہ اور حضرت علی کا مسلک { کوفہ کا علی مقام اور اہل کوفہ کا { عدم رفع یدین پر اتفاق	۱۹۸	باب الصلوٰۃ الی الراحۃ	۱۷۹	باب الصلوٰۃ فی النعل
۲۱۹	اہل مکہ مکرمہ کا طرز عمل	۲۰۰	باب مایؤمر المصلیٰ ان یدبر	۱۸۰	صحبت صلوٰۃ کیلئے ہمارے عن النجاست { کے شرط ہونے میں اختلاف
۲۲۰	رواۃ رفع کے تعدد و تکرار کی بحث	۲۰۲	باب ماینبیٰ عنہ من المروء { بین یدی المصلیٰ	۱۸۱	باب الصلوٰۃ علی الخمرۃ
۲۲۱	مولانا نور شاہ صاحب کا بیان کردہ نکتہ	۲۰۳	باب مایقطع الصلوٰۃ	۱۸۲	بلا حائل زمین پر سجود میں اختلاف
۲۲۲	رفع یدین کی روایات صحیحین میں	۲۰۴	اللہم اقطع الشرا	۱۸۳	باب الصلوٰۃ علی العصیر
۲۲۳	حدیث ابن عمرؓ پر کلام { حدیث ابن عمرؓ کا نسخ اور { شافعیہ کا اس پر نفی	۲۰۵	ستوۃ الامام ستوۃ لمن خلفہ	۱۸۴	باب الرجل یسجد علی ثوبہ
۲۲۴	کیا عبد الجبار کی ولادت اپنے { والد کے انتقال کے بعد ہوئی {	۲۰۶	مسئلۃ الباب میں اختلاف { مع شرہ اختلاف	۱۸۵	باب تسویۃ الصفوف
۲۲۵	واکن بن جبرہ کی حدیث پر کلام	۲۰۷	باب من قال المرأة { لا یقطع الصلوٰۃ	۱۸۶	وکعبہ بکعبہ کی شرح
۲۲۶	دومدرفہ الامین علی فخذہ الیمینی کی تشریح	۲۰۸	باب من قال الحماس { لا یقطع الصلوٰۃ	۱۸۷	صف اول کا مصداق
۲۲۷	باب اختلاص الصلوٰۃ	۲۰۹	باب تفزیح { استفتاح الصلوٰۃ	۱۸۸	تسویۃ صفوف کس وقت ہونا چاہئے
۲۲۸	حدیث ابو حمید ساعدی کی تخریج { اور حنفیہ کی طرف سے اسکا جواب {	۲۱۰	باب رفع الیدین	۱۸۹	باب الصفوف بین السواری
۲۲۹	قعدہ میں اقرار اش اور تورک { کے بار میں علماء کا اختلاف {	۲۱۱	رفع یدین سے متعلق مباحث خمس	۱۹۰	باب من یتسحب ان یری الامام
۲۳۰	تورک کی مختلف شکلیں	۲۱۲	رفع یدین میں امام مالک کے { مسلک کی تحقیق	۱۹۱	باب مقام الصبیان من الصف
۲۳۱		۲۱۳	رفع یدین عند الحنفیہ مذکور ہے { یا خلاف اولیٰ	۱۹۲	باب صف النساء الخ
			رفع یدین کے وقت تفزیح اصاب { اولیٰ ہے یا غیر	۱۹۳	باب مقام الامام من الصف
				۱۹۴	باب الرجل یصلیٰ وحده { خلف الصف
					باب الرجل یرکع { دون الصف

۲۶۲	باب من جہر بہا	۲۳۲	عدم رفع کے سلسلہ کی مزید دوسری روایات	۲۳۲	رکوع سے سجدہ میں جانے اور پھر سجدہ سے کھڑے ہونے کی کیفیت میں اختلاف علماء
۲۶۳	قلت لعثمان بن عفان ما حکمکم فی شرح	۲۳۳	حدیث، لا ترفع الایدی الا فی سبع مواطن، پر بحث	۲۳۳	سجدہ سے کھڑے ہوئے ہوئے اعتماد دیدین کا زمین پر ہو گیا رکبتین پر
۲۶۵	باب تخفیف الصلوۃ للامریحدث	۲۳۴	باب وضع الیمین علی الیسری	۲۳۴	حدیث ابن عمر: بطریق نافع
"	اطالہ الركوع للجائی	۲۳۵	تحت السرہ اور تحت الصدر میں دلائل فریقین	۲۳۵	رفع یدین میں حدیث علیؑ اور انکے جوابات
۲۶۶	باب ما جاء فی نقصان الصلوۃ	۲۳۶	باب ما یستفتح بہ الصلوۃ من الدعاء	۲۳۶	صحیحین میں رفع یدین کی روایات کی تعداد
"	شرع فی الصلوۃ کا حکم	۲۳۷	اس سلسلہ میں مختارات المہ الشریس الیک، کی شرح	۲۳۷	عبداللہ بن مسعودؓ کی حدیث کی وجہ ترجیح
۲۶۷	باب فی تخفیف الصلوۃ	۲۳۸	دعاء فی حال الصلوۃ میں امام مالک کا مسلک	۲۳۸	باب من لم ینذکر لرفع عند الركوع
۲۶۸	باب الفترۃ فی الظهر	۲۳۹	نماز کی حالت میں حمد عا طس	"	عبداللہ بن مسعودؓ کی حدیث پر اعتراضات اور انکے جوابات
"	قراءة فی الصلوۃ کے حکم میں اختلاف	۲۴۰	باب من رأى الاستفتاح بسبحانک اللهم	۲۴۰	حفظ راوی کو اس کی کتاب پر ترجیح ہے یا برعکس
"	محل قراۃ کوئی رکعتیں ہیں	۲۴۱	مصنف کا حدیث الباب پر نقد اور اس کی تحقیق	۲۴۱	قصۃ الادراعی مع ابن حنیفہ
۲۶۹	تطویل القراءة فی الادائی	۲۴۲	باب المسکتۃ عند الافتتاح	۲۴۲	حدیث البراء بن محمدؓ میں کام کلام اور اس کا رد
۲۷۰	باب تخفیف الاخریین	"	نماز کے مسکات میں اختلاف روایات	۲۴۳	سند میں ایک غلطی اور اس کی اصلاح
"	ضم سورت میں اختلاف علماء	۲۴۴	باب من لم یر الجہر بیسم اللہ الرحمن الرحیم	۲۴۴	حدیث البراءؓ پر حکم کا نقد اور اس کا جواب
"	قد شکاک الناس فی ک شیء کی تشریح	۲۴۵	کلام علی دلائل الباب		
۲۷۱	ضم سورت فی الاخریین	۲۴۶	کلام علی دلائل الباب		
۲۷۲	باب قدر القراءة فی الظهر				
"	قراءة مستحبه کے بارے میں اثر عمرہ				
"	صلوات خمسہ میں قراۃ مستحبه				
۲۷۳	باب قدر القراءة فی المغرب				
۲۷۴	آخر ما صلی رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے بارے میں اختلاف روایات				
"	کیا مغرب کی نماز میں تطویل قراۃ کا ثبوت ہے				
۲۷۵	قراءة مستحبه میں جواب بدائع کی رائے				

باب الرجل یعید سورۃ واحدۃ فی الرکعتین	۲۷۷	مصنف کے قول کی شرح	۲۹۴	جمہور کے استدلال کا حنفیہ کی طرف سے جواب	۳۰۷
باب القراءة فی الفجر	۲۷۸	سند کی شرح	۲۹۵	حضرت ابو ہریرہ کی عادت ارسال کی	۳۰۸
باب من ترک القراءة	۲۷۹	تادیل حدیث	۲۹۶	باب قول النبی صلی اللہ علیہ وسلم	۳۰۹
رکعت فاتحہ میں اختلاف ائمہ	۲۷۹	باب کیف یضع رکبتہ قبل یدہ	۲۹۷	کل صلوۃ لایتمہا صاحبہا الخ	۳۱۰
فاتحہ خلف الامام میں مذاہب ائمہ	۲۸۰	باب النہوض فی الفرد	۲۹۸	زیاد اور عبید اللہ بن زیاد کا مختصر حال	۳۱۱
اقرأ بہایا فارسی فی نفسک	۲۸۱	باب الاستراحت کی بحث	۲۹۹	اول ما یحاسب کے بارے میں	۳۱۲
حدیث عبادہ کے جوابات	۲۸۲	باب الاتقاء بین السجدتین	۳۰۰	دو مختلف حدیثیں	۳۱۳
فاتحہ خلف الامام کے بارے میں	۲۸۳	باب ما یقول اذا رفع	۳۰۱	باب تفریع البواب الرکوع	۳۱۴
حضرت گنگوہی کی مقتدر	۲۸۴	باب ما یقول اذا رقع	۳۰۲	والسجود	۳۱۵
من کان لہ امام فقرأۃ الامام	۲۸۵	باب ما یقول اذا رقع	۳۰۳	تطبیق فی الرکوع	۳۱۶
لہ قرأۃ پر بحث	۲۸۶	شرح السند	۳۰۴	باب ما یقول الرجل فی رکوعہ الخ	۳۱۷
امام اعظم کی سند سے حدیث	۲۸۷	مترجم الحدیث	۳۰۵	رکوع وسجود کی تسبیح میں وجمہ کے زیادتی	۳۱۸
اور دارقطنی کا اس پر نقد	۲۸۸	باب الدعاء بین السجدتین	۳۰۶	تطویل قیام افضل ہے یا تکثیر رکوع وسجود	۳۱۹
واذا قرأ فاصتوا، پر بحث	۲۸۹	باب رفع النساء اذا کن	۳۰۷	لم یبق من مبشرات النبوة الا الروایا	۳۲۰
واذا قرأ فی القرآن فاستمعوا لہ پر کلام	۲۹۰	باب رفع النساء اذا کن	۳۰۸	الصالحۃ کی تشریح	۳۲۱
اس سلسلہ میں آثار صحابہ	۲۹۱	باب رفع النساء اذا کن	۳۰۹	باب الدعاء فی الصلوۃ	۳۲۲
شافیہ کے نزدیک مقتدی فاتحہ	۲۹۲	باب رفع النساء اذا کن	۳۱۰	قال احمد یعینی فی الفریضۃ ان یدعو	۳۲۳
خلف الامام کس وقت کرے	۲۹۳	باب رفع النساء اذا کن	۳۱۱	بما فی القرآن کی شرح	۳۲۴
باب من کونہ القراءة	۲۹۴	باب رفع النساء اذا کن	۳۱۲	باب مقدار الرکوع والسجود	۳۲۵
اذا جہر الامام	۲۹۵	باب رفع النساء اذا کن	۳۱۳	قوت حافظہ کی ایک عجیب مثال	۳۲۶
باب ما یجزی الامی والاعمی	۲۹۶	باب رفع النساء اذا کن	۳۱۴	باب الرجل یدرک الامام	۳۲۷
مسئلہ الباب میں مذاہب ائمہ	۲۹۷	باب رفع النساء اذا کن	۳۱۵	ساجداً کیسے یصنع	۳۲۸
باب تنہام التکبیر	۲۹۸	باب رفع النساء اذا کن	۳۱۶	ادرک رکوع سے ادرک رکعت	۳۲۹
تکثیرات انتقال میں اختلاف علماء	۲۹۹	باب رفع النساء اذا کن	۳۱۷	صرف ایک سجدہ کی فضیلت	۳۳۰

باب فی اعضاء السجود	۳۱۹	امام بخاری کے استدلالات	۳۲۲	باب الصلوۃ علی النبی صلی اللہ	۳۶۲
باب السجود علی الالف والجمہ	۳۲۰	حنفیہ کے دلائل	"	علیہ وسلم بعد الشہد	"
باب صفۃ السجود	۳۲۱	لا تسبقن بآمین کی شرح	۳۲۶	مباحث اربعہ متعلقہ بدرود شریف	"
باب الرخصة فی ذلك	۳۲۳	لفظ المقرئی کی تحقیق	"	باب ما یقول بعد الشہد	۳۶۶
باب فی التخصر	۳۲۴	باب التصفیق فی الصلوۃ	۳۲۷	اللہم انی ظلمت نفسی ظلماً کثیراً الخ	۳۶۷
باب البکاء فی الصلوۃ	۳۲۵	نماز کی حالت میں استخلاف امام	۳۲۸	کی تشریح	"
باب الفتح علی الامام	۳۲۶	کب جائز ہے	"	باب الاشارة فی الشہد	"
باب الالتفات فی الصلوۃ	۳۲۷	باب الاشارة فی الصلوۃ	"	اشارہ بالسجود سے متعلق مباحث اربعہ	۳۶۸
باب النظر فی الصلوۃ	"	باب مسح العصى فی الصلوۃ	۳۲۹	نماز میں نظر مصلیٰ کس طرف ہونی چاہئے	۳۷۰
باب فی العمل فی الصلوۃ	۳۳۱	باب الرجل یعتمد فی الصلوۃ	۳۵۰	باب کراهیۃ الاعتماد	"
حمل العصى فی الصلوۃ	"	علی عصاً	"	باب فی تخفیف القعود	۳۷۱
ایک قوی اشکال اور اس کی	۳۳۳	باب النهی عن الكلام فی الصلوۃ	۳۵۱	شرح حدیث میں دو قول	"
تشریح وتوجیہ	"	باب فی صلوۃ القاعد	"	باب فی السلام	"
باب سلام فی الصلوۃ	۳۳۴	وصلوۃ ناٹھا علی النصف	۳۵۲	تیسرے واحدہ اور تسلیمتین کی بحث	۳۷۲
مذہب ائمہ	"	من صلوۃ قاعداً کی شرح	"	شرح السند	۳۷۳
شرح حدیث میں دو قول اور	۳۳۵	باب کیف الجلوس فی الشہد	۳۵۶	نماز کے سلام میں وبرکاتہ کی زیادتی	۳۷۴
اس کا منشا	"	باب الشہد	۳۵۷	اور دوسرے اختلافات	"
باب تشمیت العاطس	۳۳۶	ابحاث ثلاثہ	"	باب الرد علی الامام	۳۷۵
فی الصلوۃ	"	حضور اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کی	۳۵۹	باب التکید بعد السلام	۳۷۶
باب التامین وراء الامام	۳۳۷	کمال فصاحت	"	باب حذف السلام	"
مباحث خمسہ	"	لطیفۃ التیمات	۳۶۰	باب اذا حدث فی الصلوۃ	۳۷۷
شافیہ کا اہم مسئلہ	۳۴۰	شہد کے اخیر میں دعاء اور نماز	۳۶۱	باب الرجل یتطوع فی مکانہ	"
حضرت امام بخاری کے نقد کا جواب	۳۴۱	میں دو رد کا حکم شرعی	"	الذی صلی فیہ المکتوبۃ	"
حق لیس من یلیہ من الصف الاول	۳۴۲	واذا قرأ فانصتوا	۳۶۲	البواب السہو	"
کا جواب	"	سماع الحسن عن عمرہ کی بحث	۳۶۳	باب السہو فی السجدتین	۳۷۸

۳۰۵	باب من تجب علیہ الجمعة	۳۹۲	باب کیف الانصراف من الصلوة	۳۷۹	سجدہ ہوئے متعلق اختلافی مسائل
"	حدیث سے حنفیہ کے خلاف استدلال { اور اس کی تردید	۳۹۳	ایک ہی نوع کے دو ترجمہ الباب	"	حدیث ذوالیدین کا مضمون
۳۰۶	شرح حدیث اور محل حدیث من الخفیہ	"	باب صلوة الرجل المقطوع	۳۸۰	اور اس سے متعلق بعض ضروری مباحث
۳۰۷	باب الجمعة فی الیوم المطیر	"	فی بیتہ	"	حدیث ذوالیدین کی توجیہ عند المناہلہ
۳۰۸	باب التخلف عن الجماعة الخ	"	مذاهب علماء	۳۸۱	حنفیہ کی توجیہ و تقریر
"	مناسبة الحديث للترجمة	۳۹۵	باب من صلی لغير القبلة	"	جمہور کی طرف سے اس کی تردید
۳۰۹	باب الجمعة للمملوك المرأة	"	ثم علم	۳۸۲	حنفیہ کی تحقیق، ذوالیدین {
"	وجوب سجدة کے شرائط	"	تحويل قبلہ کے بارے میں {	"	وذوالشمالین ایک میں {
۳۱۰	باب الجمعة فی الفسری	"	دو مختلف حدیثیں	"	ابن الاثیر کون کون میں {
"	محل اقامہ جمعہ اور اس میں مذاہب ائمہ	۳۹۶	حدیث الباب سے متعلق {	"	(حاشیہ)
"	نماز جمعہ میں کتنے افراد کی شرکت ضروری	۳۹۸	مباحث عشرہ طویہ مفیدہ	۳۸۳	سجدہ سہو کیلئے تکبیر تحریر
۳۱۱	جمہور کا حدیث جوائی سے استدلال { اور حنفیہ کی طرف سے جواب	۳۹۹	باب تفریع ابواب الجمعہ	۳۸۴	حدیث عمر ابن حصین فی قسۃ السہو
۳۱۲	جواب الخفیہ عن الحدیث الثانی	"	چند مفید علمی بحثیں	"	آپ سے نماز میں کس کس نوع {
۳۱۳	دلائل الاخوان اور قبا میں { آپ کی مدت اقامت	۴۰۱	افضل الايام	۳۸۵	کا سہو ثابت ہے
۳۱۴	باب اذا وافق یوم الجمعة یوم عید	"	شرح حدیث میں شرح کے دو قول	"	باب اذا صلی خمساً
۳۱۵	اس مسئلہ میں مذاہب ائمہ	"	شرح حدیث اور عدد لغات {	"	مذاہب ائمہ
۳۱۶	باب ما یقر فی صلوة الصبح یوم الجمعة	۴۰۳	باب الاجابة اية ساعة هي	۳۸۶	کیا حدیث الباب جمہور کی دلیل ہے؟
"	سجدہ تلاوت والی سورت کا فرض نماز میں پڑھنا	۴۰۴	اس میں قول راجح کی تعیین { مع وجہ ترجیح	۳۸۷	باب اذا شکی فی الفتنین الخ
۳۱۷	باب اللبس للجمعة	"	باب فضل الجمعة	"	مذاہب ائمہ کی تفصیل
"		"	باب التشديد فی ترک الجمعة	۳۸۸	استیناف کی دلیل
"		"	شرح حدیث	۳۸۹	باب من قال یتیم علی اکثر ظنہ
"		"	باب كفارة من ترکها	۳۹۰	باب من نسی ان یتشهد الخ
"		"	قول مصنف کی تشریح	"	الفرق بین الترتیبین
"		"		"	جابر جعفی کی جرح و تعدیل
"		"		۳۹۱	مسئل حنفیہ اور امام بیہقی کا نقد

۲۵۲	باب وقت الخروج الى العيد	۲۳۲	بِسْمِ الْخُطِيبِ اَنْتَ كِ تَوْجِیْهَات	۲۱۸	العزائم الحاصل من الحديث
۲۵۳	باب خروج النساء في العيد	۲۳۳	باب الامام يقصر الخطبة {	"	شرح السنه
۲۵۴	مسئلة الباب میں مذاہب ائمہ	۲۳۴	للاصر	۲۱۹	باب التعلق يوم الجمعة ۱/۲
۲۵۵	باب لخطبة يوم العيد	۲۳۸	باب الاحتباء والامام يخطب	"	انشاء الشعر في المسجد بحث
"	اول من قدم الخطبة	۲۳۹	باب الكلام والامام يخطب	۲۲۰	قصيده بانت سعاد {
۲۵۶	وجوب تبليغ اور تبليغ کس کس پر {	۲۴۰	باب استيذان المحدث {	۲۲۱	باب اتخاذ المنبر
"	واجب ہے؟	۲۴۱	باب اذا دخل الرجل {	۲۲۲	شرح حديث
۲۵۸	باب التكبیر في العيدین	۲۴۱	والامام يعظب {	۲۲۳	واقعة حنين الجذع
"	تکبیرات عیدین سے متعلق {	۲۴۲	باب تخطي رقاب الناس {	"	باب الصلوة يوم الجمعة {
۲۶۰	باب ما يقرأ في الاضحية والقطر	۲۴۲	يوم الجمعة	"	قبل الزوال
"	باب الخروج الى العيد في طريق ويرجع في طريق	۲۴۳	باب الامام يتكلم بعد {	"	مذاہب ائمہ
۲۶۱	باب اذا لم يخرج الامام للعيد من يومه يخرج من الغد {	۲۴۳	ما ينزل من المنبر {	۲۲۵	باب في وقت الجمعة
۲۶۲	باب الصلوة بعد صلوة العيد	"	باب من ادرك من الجمعة ركعة	۲۲۶	نماز جمعہ قبل الزوال میں اختلاف
"	باب يصلي بالناس في المسجد اذا كان يوم مطر	۲۲۵	باب ما يقرأ به في الجمعة	۲۲۷	باب النداء يوم الجمعة
۲۶۳	ابواب الاستسقاء	۲۲۶	باب الرجل ياتم بالامام {	۲۲۸	اذان ثانی کے محل کی تعیین
۲۶۴	مباحث ثمانية عليه مفيدة	۲۲۶	وبينهما جدار	۲۲۹	باب الامام يكلم الرجل في خطبته {
۲۶۵	استسقاء کے لئے نماز کا ثبوت	۲۲۷	اختلاف مکان یا حیولت {	۲۳۰	تسليم الخطيب میں اختلاف علماء
"	صلوة الاستسقاء کا طریقہ {	۲۲۷	محت اقتداء سے کہا جاتا ہے {	"	باب الجلوس اذا {
۲۶۵	حنفية اور شافعية کے نزدیک {	۲۲۸	باب الصلوة بعد الجمعة	"	صعد المنبر {
"	باب رفع الیدين {	۲۳۱	جمعہ کی سنن قبلہ میں مذاہب ائمہ {	۲۳۱	باب الخطبة قاضيا
۲۶۶	في الاستسقاء	۲۳۲	باب صلوة العيدین	"	متعلقہ مسائل
"	"	۲۳۳	شرح حديث اور کفار کے {	۲۳۲	باب الرجل يعظب على قوم
"	"	۲۳۳	تہواروں میں شرکت {	۲۳۳	مذاہب ائمہ کی تفصیل

۴۶۷	باب متى يقصر المسافر	۴۸۲	باب صلوة الخوف	۴۹۶
۴۶۹	ترجمة الباب کی تشریح	"	صلوة الخوف سے متعلق مباحث سے	
۴۷۰	مسافت قصر میں ائمہ اربعہ کے مذاہب	۴۸۳	عزوة خندق میں صلوة الخوف کیوں نہیں پڑھی گئی	۴۹۷
۴۷۱	باب الاذان فی السفر	۴۸۴	ایک تاریخی مسئلہ کا حل	
"	باب الجمع بین الصلوئین	۴۸۵	صلوة الخوف میں مختارات ائمہ	۴۹۹
۴۷۵	اختلاف روایات کے وقت		فائدہ اولیٰ	۵۰۰
۴۷۶	ادنیٰ بالقرآن کی ترجیح		فائدہ ثانیہ	
"	جمع فی الحضر اور اس میں اختلاف علماء	۴۸۶	ایک اشکال و جواب	۵۰۱
"	جمع تقدیم و جمع تاخیر پر بحث	۴۸۷	حدیث کی ترجمہ الباب سے	۵۰۲
۴۷۷	حنفیہ کے مسلک کی واضح دلیل	۴۸۸	مطابقت میں دشواری اور اس کا حل	
	جمع فی الحضر	۴۸۹	ائمہ ثلاثہ کی اختیار کردہ صورت	۵۰۳
"	جمع بین الصلوئین کی ایک لطیف توجیہ	۴۹۰	باب فاس و سادس میں فرق	۵۰۶
	جمع تقدیم کی نفی		حدیث ابن عمر کس کا استدلال ہے	"
۴۷۸	باب التطوع فی السفر	۴۹۱	حنفیہ کی اختیار کردہ صورت کی دلیل	۵۰۷
	روایات متعارضہ میں تطبیق		مغرب کی نماز میں صلوة الخوف کا طریقہ	۵۰۸
	باب التطوع علی الرحلہ والوتر		صحیح مسلم میں صلوة الخوف کی روایات کی تسنیں اور ان پر اجمالی کلام	
۴۷۹	تفریع ابواب صلوة السفر	۴۹۲	باب صلوة الطالب	
	باب صلوة المسافر	۴۹۳	ابواب التطوع	۵۱۲
"	مباحث خمسہ		وسرکعات السنۃ	
۴۸۰	قصر و اتمام میں مذاہب ائمہ کی تفصیل و تحقیق	۴۹۴	روایت کے بارے میں مالکیہ کا اختلاف	
۴۸۱	وجوب قصر میں حنفیہ کے دلائل	۴۹۵	باب رکعتی الفجر	۵۱۳
"	شرح السند		باب فی تخفیفہما	

۵۲۳	باب وقت قیام النبی ﷺ صلی اللہ علیہ وسلم	باب صلوٰۃ الضحیٰ لنوی تحقیق	۵۱۶	اس میں امام طحاوی کا مسلک اور طرز عمل
۵۲۴	باب افتتاح صلوٰۃ اللیل برکعتین	۴۳۰	۵۱۷	باب الاضطجاع بعدها مذہب ائمہ
۵۲۵	باب صلوٰۃ اللیل مثنیٰ مثنیٰ باب رفع الصوت بالقراءة	۵۱۸	۵۱۹	باب اذا ادرك الامام ولم يصل ركعتي الفجر
"	باب فی صلوٰۃ اللیل	۵۲۰	۵۲۱	باب من فاتته صتی یقفینہا سننوں کی قضاء میں اختلاف ائمہ
۵۲۶	قول ابوداؤد کی صحیح تشریح و تحقیق	۵۲۱		لفظ حدیث میں اختلاف نسخ اور نسخہ سمیمہ کی تعیین
۵۲۷	الترجیح بین الجہر بالقراءة والسرہا			باب الاربع قبل الظهر وبعده صلوٰۃ الزوال کا ثبوت اور فضیلت
"	باب فی صلوٰۃ اللیل			باب الصلوٰۃ قبل العصر
۵۲۸	تعداد رکعات تہجد اور وتر			باب الصلوٰۃ بعد العصر
۵۲۹	وتر کے بارے میں دو مشکل روایتیں اور ان کا حل			اوقات نہیہ میں اختلاف علماء
۵۳۰	شافعیہ و حنابلہ کے نزدیک اداء وتر کے طریقے			باب من رخص فیہما اذ كانت الشمس مرتفعة
۵۳۱	تعبہ بالسجدة المفردة			حدیث الباب کا محل عند الفقہاء شرح حدیث
۵۳۲	تسلیمہ و امدہ میں امام مالک کی دلیل			باب الصلوٰۃ قبل المغرب رکعتیں قبل صلوٰۃ المغرب
"	شرح البند			کاروایتی حیثیت سے ثبوت
۵۳۳	سند کی تصحیح و تحقیق اور اختلاف نسخ			اس نماز کے بارے میں فقہاء کے اقوال
۵۳۴	فاصلیت فی عرض السادة کی شرح			المثبت اونی من النافی قاعدہ مطلق نہیں بلکہ مقید ہے
۵۳۵	باب مایومرہ من العقد فی الصلوٰۃ			
۵۳۶	باب فی قیام شہر رمضان			
۵۳۷	عدد رکعات تراویح کی بحث			
۵۳۸	عدد رکعات فی العید النبوی			
۵۳۹				

۵۹۴	مصنف کے فقہ کا جواب	۵۷۰	ابواب السجود	۵۶۰	مولانا نور شاہ کشمیری کی رائے
"	باب فی الدعاء بعد الوتر	"	ابحاث اربعہ	۵۶۱	عدد رکعات فی العبد الفاروقی
۵۹۵	وتر کی تعداد کب تک ہے	۵۷۹	باب من لم یز السجود	۵۶۲	مولانا عبدالحی صاحب کی رائے
"	باب فی الوتر قبل النوم	"	فی المفصل	۵۶۳	فائدہ
۵۹۶	مصنف کی ایک حادث	۵۸۱	سجود مشرکین کا منشا اور	۵۶۴	ایک اشکال و جواب
"	باب فی نقص الوتر	"	قصۃ الغرائق کی تحقیق	"	باب فی لیلۃ القدر
۵۹۷	جمہور کی دلیل	۵۸۲	باب السجود فی ص	۵۶۵	قطار لیلۃ القدر کا سبب
"	باب لقنوت فی الصلوات	۵۸۳	باب فی الرجل یمسح السجدة	۵۶۶	اس شب کی تعیین میں اقوال علماء
۵۹۸	شافعیہ کے دلائل اور ان کا جواب	"	وہو رکب	"	علامات
"	خفیہ کے دلائل	۵۸۵	باب ما یقول اذا سجد	۵۶۸	فی تاسعة تبقى و فی سابعة تبقى الخ
۶۰۰	باب فی فضل التطوع فی البیت	"	عمل بالروایا کی مثال	"	کی شرح
۶۰۱	باب فی ثواب قراءۃ القرآن	"	باب فیمن یقرأ السجدة	۵۶۹	باب فیمن قال لیلۃ احدی
"	تفصیل بعض القرآن علی بعض	"	بعد الصبح	"	وعشرین
۶۰۲	خیر کم من تعلم القرآن وعلمہ کی شرح	۵۸۶	اوقات منہیہ میں سجدہ تلاوت	"	ایک اشکال و جواب
"	وان ثلاث ثلاث مثل اعداد من	"	باب استعجاب الوتر	۵۷۰	باب من روى فی السبع الاواخر
۶۰۳	من الابل	۵۸۷	وجوب وتر کی دلیل	۵۷۱	باب من قال ہی فی کل صلیب
"	باب فاتحۃ الكتاب	"	باب کم الوتر	"	باب فی کم یقرأ القرآن
۶۰۵	اجاہۃ النبی فی الصلوۃ کا حکم شرعی	"	باب ما یقرأ فی الوتر	"	ختم قرآن میں حضور صلی اللہ علیہ وسلم
"	باب من قال ہی من الطول	۵۸۸	باب القنوت فی الوتر	"	کا معمول
"	ترجمۃ الباب کی تشریح	۵۸۹	قنوت میں مسائل خمسہ خلا فیہ	۵۷۲	سلف کا معمول
۶۰۷	باب ما جاء فی آیۃ الکسری	۵۹۰	قنوت فی الوتر کے بارے میں	"	باب تعجب من القرآن
"	باب فی سورۃ الصمد	"	محدثین کا طرز عمل	۵۷۳	تخریب فی بشوق کی تشریح
۶۰۸	باب فی المعوذتین	۵۹۱	شرح السند	۵۷۴	حدیث النظائر
"	باب کیف یستحب لتزیل	"	حدیث ابی بن کعب تعلیقاً	۵۷۵	ہمارے اکابر کے عمل بالاسۃ کی مثال
"	فی القراءۃ	۵۹۲	حدیث ابی پر مصنف کا نقد	۵۷۶	باب فی عدد الآی

صفحہ	مضمون	صفحہ	مضمون	صفحہ	مضمون
۶۲۳	حضرت امام بخاری کی رائے	۶۲۳	دعاء افضل ہے یا ترک دعا و قولیں		صاحب قرآن کا مصداق اور
"	باب الدعاء بظہر الغیب	۶۲۳	عارفین کی دعا عبادت کا مغز ہے	۶۰۹	درجات جنت
۶۲۳	اپنے لئے ملکہ سے دعا کرانے کی شکل	"	لا تسروا الجدر الحدیث کی شرح	۶۱۱	حدیث ام سلمہ کی تحقیق
"	حضور اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کی شجاعت	۶۲۶	اہم اعظم کی بحث	۶۱۲	زیو القرآن باصواتکم کی شرح
۶۲۵	باب الاستغفار	۶۲۸	باب التبییح بالحصی		لیس مناسن لم یتفق بالقرآن
"	امور ثمانیہ متعلقہ باستغفار	۶۲۹	باب ما یعقل الرجل اذا سلم	۶۱۳	کی شرح میں اقوال علماء
۶۲۷	باب فی الاستعاذہ	"	فرض نماز کے بعد دعا سے	۶۱۴	قراءۃ بالالمان کی تحقیق
۶۲۸	سب سے زیادہ دعاؤں کا ذخیرہ	۶۲۵	متعلق ابجاث اربعہ		داخل علماء
"	کس کتاب میں؟	۶۲۶	باب فی الاستغفار	۶۱۵	باب التشدید فہم
"	ایک زین نصیحت	۶۲۸	انہ لیغان علی قلبی کی تشریح		حفظ القرآن ثم نسیہ
"	شرح حدیث	۶۲۸	صلوۃ التوبہ وصلوۃ الحاجۃ		باب انزل القرآن علی
	تمت بالخیر	"	الحدیث السلسل اور اس کی تفرین	۶۱۶	سبعة احرف
		۶۲۰	ذکر بالجبر کا ثبوت	"	شرح حدیث پر تفصیلی کلام
		۶۲۱	باب الصلوۃ علی خیر النبی	۶۲۰	باب الدعاء
			اور اس مسئلہ پر تحقیق کلام	۶۲۲	ماہ ترین دو ماہ اور دعائیں

و یتلوہ الجزء الثالث اولہ کتاب الزکوۃ

ان شاء اللہ تعالیٰ



MAKTABA KHALILIA. MOHALLA- MUFTI, SAHARANPUR- (U.P.) Pin- 247 001.

تاریخ: ۱۲/۱۱/۴۰ء Date

محرم الحرام

مکرم بن حضرت مولانا اجماع الحق صاحب مدنی دامت برکاتہم

السلام علیہ و آلہ و سلم - ایدہم از الخیر و عافیت برکات

بجانب ہی جملہ مذکور ہو رہے ہیں۔

واللہ المستودع کہ نام جملہ لوگ متعلق الگ الگ کچھ اصلاً و اخلاقاً ہیں

انے لکھے ہیں یہ سب چیزیں لکھ کر اپنے لئے تو اصل کا بیون کو کر کے

اور آپ کے الگ توڑ آف بیٹ کا بیان کر رہی ہیں جو تعداد میں

مناظر چار ہیں۔ ہزاروں جہری ڈاک آجکے صدف میں اس کے

جو صاحب ان امور کے ذمہ دار ہیں آپ اجماع لکھ رہی ہیں اس نام کو انے

کراہیں۔ سابق نگینوں کے یہ مسمیات نکو اور اس اور انکی جگہ ان

اور ان کے نگینوں تیار کر کے انہیں لگوادیں۔ ان اصلاً و اخلاقاً کے بندہ نے

خود ہاتھ دھو کر پس بیٹھ کر کیا ہے۔ خدا کو یہ جہری صبیح سالم خاتون

پہنچ گئے۔ اور تکلیف فرم کر وہو لیلیٰ کی اطلاع ہی بندہ لکھ کر ادیں جس کا اللہ تعالیٰ

جس کا اللہ تعالیٰ اور ان کا نام و اصلاً و اخلاقاً لکھ کر ان کے بیون کو کر کے

ان کے بیون کو کر کے ان کے بیون کو کر کے ان کے بیون کو کر کے

بِسْمِ اللَّهِ الرَّحْمَنِ الرَّحِيمِ

الْحَمْدُ لِلَّهِ الْعَلِيِّمِ الْعَلِيمِ وَالصَّلَاةُ وَالسَّلَامُ عَلَى سَيِّدِ الْمُرْسَلِينَ مُحَمَّدٍ وَآلِهِ وَاصْحَابِهِ أَجْمَعِينَ
اللَّهُمَّ إِنِّي أَعُوذُ بِكَ وَأَسْتَعِينُكَ

کتاب الصلوة

طہارت جو کہ نماز کے اہم شرائط میں سے ہے اس کے بیان سے فارغ ہونے کے بعد اب یہاں سے مصنف مشروط جو کہ مقصود ہے اس کو بیان فرماتے ہیں اس مقام کے مناسب چند بحثیں ہیں جن کا شروع میں جانتا مناسب ہے۔
البحث الاول۔ صلوٰۃ کے لغوی معنی کہا گیا ہے کہ اس کے اصل معنی دعار کے ہیں، قال تعالیٰ وصل علیہم ارحمہم اور حدیث میں ہے وان کان صائماً فلیصل، یعنی اگر کوئی شخص روزہ دار ہو (اور کوئی اس کی دعوت کرے) تو اس کو چاہئے کہ دائمی کے مکان پر جا کر دعار سے کر چلا آئے اس کے بعد اس عبادت مشہورہ کا نام رکھا گیا اس مناسبت سے کہ وہ دعار پر مشتمل ہوتی ہے اور کہا گیا ہے کہ لفظ صلوٰۃ مشترک ہے دعار، تعظیم، رحمت اور برکت کے درمیان یعنی صلوٰۃ کے یہ سب معنی آتے ہیں، اور بعض نے کہا کہ اس کے اصل معنی تعظیم کے ہیں اور عبادت مقصودہ کو اس لئے صلوٰۃ کہا جاتا ہے کہ اس میں الشریعت العالمین کی تعظیم ہے۔

البحث الثانی۔ لفظ صلوٰۃ کا مأخذ اشتقاق، اس میں چند قول ہیں، کہا گیا ہے کہ یہ مشتق ہے صلوٰۃ سے اس لئے کہ نماز بندے کو اللہ تعالیٰ اور اس کی رحمت سے جوڑتی اور قریب کرتی ہے اصل میں یہ لفظ وَصَلَةٌ تھا، اولاً اس کے اندر قلب مکانی ہوا یعنی وَصَلَةٌ کو مَصْلُوۃً کیا، پھر قاعدۂ اعلال یعنی داؤ متحرک، قبل مفتوح پائے جانے کی وجہ سے داؤ کو الف سے بدل دیا گیا مَصْلُوۃً ہو گیا، اور اس کو داؤ کے ساتھ اسی لئے لکھا جاتا ہے کہ اس کے اصل کی طرف اشارہ ہو جائے، اور کہا گیا کہ یہ صِلَۃ سے ماخوذ ہے جس کے معنی ہیں۔ العظم الذی علیہ الالیتان، یعنی سرین سے اوپر کی ہڈی، نماز کی حالت میں چونکہ متحرک مصلوٰین ہوتا ہے اس لئے اس کو صلوٰۃ کہا گیا، اور کہا گیا ہے کہ یہ ماخوذ ہے مصلیٰ سے، میدان گھوڑ دوڑ میں جو گھوڑا دوسرے درجہ میں ہوتا ہے اس کو مصلیٰ کہا جاتا ہے اور جو سب سے آگے ہو اس کو مَجْلٰی کہتے ہیں اور جو تیسرے درجہ میں ہو اس کو

مُسکَلہ چونکہ ارکان اسلام میں شہادتین کے بعد دوسرا درجہ نماز ہی کا ہے اس لئے اس کو مصلوۃ کہا گیا، چوتھا قول یہ ہے کہ یہ ماخوذ ہے صلیت العود علی الناس سے یہ اس وقت کہا جاتا ہے جب لکڑی کی کچی کو آگ کی حرارت کے ذریعہ درست کیا جائے، نماز کے ذریعہ بھی چونکہ انسان کی باطنی کچی دور ہوتی ہے اس لئے اس کو مصلوۃ کہا جاتا ہے لیکن اس آخری قول پر امام نوویؒ نے یہ اعتراض کیا ہے کہ مصلوۃ میں لام کلمہ واحد ہے اور صلیت میں یاء ہے، فکیف صح الاشتقاق، اشتقاق کے لئے حروف اصلہ میں اشتراک ضرور کیسہ، لیکن علماء نے اس اعتراض کی تغلیط کی ہے کہ جملہ حروف اصلہ میں اشتراک صرف اشتقاقِ صغیر میں شرط ہے، اشتقاقِ کبیر میں شرط نہیں، اشتقاق کی کئی قسمیں ہیں جن کو ابتدائی کتابِ مراح الارواح اور انتہائی بیضاوی شریف میں دیکھ لیا جائے۔

البحث الثالث - ابتداء مشروعیت مصلوۃ اس پر تو سب کا اتفاق ہے کہ اس کی مشروعیت قبل ہجرت قبل البجۃ لیلة الاسراء میں ہوئی چنانچہ امام بخاریؒ نے باب قائم کیا ہے باب کیف فرضت المصلوۃ فی الاسراء، لیلة الاسراء کے سنہ اور ماہ اور تاریخ تینوں میں اختلاف ہے، پہلے سنہ کا اختلاف سینے۔

امام نوویؒ نے شرح مسلم میں اس سلسلہ میں تین قول ذکر کئے ہیں ۱۔ نبوت کے پندرہ ماہ بعد ۲۔ نبوت کے پانچ سال بعد ۳۔ ہجرت سے ایک سال قبل، اور حافظ ابن حجرؒ نے فتح الباری میں اس سلسلہ میں دس سے زائد قول لکھے ہیں، سب سے پہلے انہوں نے قبل البجۃ بسنہ ہی کو ذکر کیا ہے اور لکھا ہے کہ اسی کے قائل ہیں ابن سعد وغیرہ اور اسی پر جزم کیا ہے امام نوویؒ نے اور ابن حزم نے تو یہاں تک کہدیا کہ اس پر علماء کا اجماع ہے، حافظ کہتے ہیں اجماع نقل کرنا صحیح نہیں، اس لئے کہ اس میں اختلاف کثیر ہے دس سے زائد اقوال ہیں، پھر حافظ نے ان اقوال کو ذکر کیا جن میں ایک ہجرت سے تین سال قبل اور ایک ہجرت سے پانچ سال قبل بھی ہے۔ لہذا اس پر اجماع نقل کرنا تو صحیح نہیں لیکن قول اکثر کہہ سکتے ہیں چنانچہ علامہ قسطلانیؒ نے اسی قبل البجۃ بسنہ والے قول کو اکثر علماء کی طرف منسوب کیا ہے اس کے علاوہ قسطلانیؒ نے دو قول اور لکھے ہیں ہجرت سے ایک سال اور پانچ ماہ قبل، ہجرت سے ایک سال اور تین ماہ قبل۔

جو علماء یہ کہتے ہیں کہ لیلة الاسراء ہجرت سے ایک سال قبل نہیں بلکہ تین یا پانچ سال قبل ہوئی وہ اس کی وجہ یہ بتلاتے ہیں کہ مروی ہے کہ حضرت خدیجہؓ نے فرضیت مصلوۃ کے بعد حضور کے ساتھ نماز پڑھی ہے اور مشہور قول کی بناء پر حضرت خدیجہؓ کی وفات ہجرت سے پانچ یا تین سال قبل ہوئی تو یہ ان کا نماز پڑھنا حضور صلی اللہ علیہ وسلم کے ساتھ اسی وقت درست ہو سکتا ہے جب لیلة الاسراء کو ہجرت سے چند سال قبل مانا جائے، لیکن حافظ کہتے ہیں کہ اس میں بھی روایات مختلف ہیں کہ خدیجہؓ نے فرضیت مصلوۃ کے بعد آپ کے ساتھ نماز پڑھی یا نہیں، اگر مان لیا جائے کہ پڑھی ہے تو ہو سکتا ہے کہ مصلواتِ خمسہ کی فرضیت سے پہلے جو دو نمازیں (جن کا ذکر اگلی بحث میں آ رہا ہے) آپ پڑھا کرتے تھے وہ مراد ہوں۔

ماہ اور تاریخ میں یہ اختلاف ہے، ۲۷ ربیع الآخر، ۲۷ ربیع الاول، ۲۷ رجب اور مہینہ کے سلسلہ میں شوال

اور رمضان المبارک بھی کہا گیا ہے، امام نوویؒ نے ۲۷ رجب کو رائج قرار دیا ہے، وہو المشہور فیما بین العوام، اس کے علاوہ تاریخ میں اور بھی اقوال ہیں، ۲۷، ۲۸، اور ۲۹، نیز دن میں بھی اختلاف ہے، لیلة الجمعة، لیلة السبت، لیلة یوم الاثنين، اس تیسرے قول کی بناء پر آپ صلی اللہ علیہ وسلم کا یوم ولادت، یوم بعثت، یوم معراج، یوم ہجرت اور یوم وفات سب مستفق ہو جاتے ہیں، کذا فیصل۔

البحث الرابع: کیا صلوٰۃ خمسہ کی فرضیت سے پہلے کوئی نماز فرض تھی؟ کہا گیا ہے کہ ہاں! دو نمازیں تھیں، صلوٰۃ قبل طلوع الشمس و صلوٰۃ قبل غروب، یعنی عصر و فجر، پھر یہ دو نمازیں کہا گیا ہے کہ آپ فرضا پڑھتے تھے اور کہا گیا ہے کہ نفل اور ایک قول یہ ہے کہ شروع میں کوئی نماز نہ تھی سوائے صلوٰۃ اللیل کے جس کی فرضیت سورۃ نزل میں مذکور ہے جس کا حکم صرف ایک سال تک باقی رہا اس کے بعد امت کے حق میں اس کی فرضیت بالاتفاق منسوخ ہو گئی سوائے عبیدہ سلمانی کے کہ ان سے تہجد کا وجوب منقول ہے ولو قدر حلۃ مشاق، البتہ آپ صلی اللہ علیہ وسلم کے حق میں اختلاف ہے، ایک جماعت کہتی ہے آپ صلی اللہ علیہ وسلم کے حق میں بھی یہ حکم منسوخ ہو گیا، دوسری جماعت یہ کہتی ہے کہ آپ صلی اللہ علیہ وسلم کے حق میں منسوخ نہ تھا ہر دو فریق کا استدلال ومن اللیل فہجد بہ نافلۃ، لہ سے ہے ایک فریق نے نافلۃ کو مشہور معنی یعنی نفل پر محمول کیا، اور دوسرے فریق نے نفوی معنی پر یعنی فرضیتہ ذائقۃ لہ۔

البحث الخامس: امامت جبرئیل کا واقعہ لیلة الاسراء کی صبح میں ظہر کے وقت پیش آیا اور نزول جبرئیل زوال کے بعد ہوا فرضیت صلوٰۃ کے بعد سب سے پہلے ہی نماز ادا کی گئی اسی لئے اس کو صلوٰۃ الاولیٰ کہا جاتا ہے اور ایک ضعیف روایت میں ہے کہ نزول جبرئیل عند الفجر ہوا تھا جب انھوں نے حضور صلی اللہ علیہ وسلم کو نائم پایا تو آپ کو بیدار نہیں کیا، لوٹ گئے یہ روایت صحیح نہیں ہے، غالباً کسی راوی کو لیلة التعرین و لیلة الاسراء میں اشتباہ واقع ہوا، ایسے ہی نسائی کی ایک روایت سے معلوم ہوتا ہے کہ امامت جبرئیل کی ابتداء صلوٰۃ فجر سے ہوئی یہ بھی شاذ اور غلاب مشہور ہے۔

البحث السادس: مجموعہ صلوٰۃ خمسہ کی فرضیت اس امت کے خصائص میں سے ہے، عشاء کے علاوہ باقی چار نمازیں امام سابقہ میں متفرق طور پر پائی جاتی تھیں اور صلوٰۃ العشاء صرف اس امت کے ساتھ خاص ہے، چنانچہ حضرتؑ نے بذل میں طہادی کی روایت میں حدیث مائتہ و نقل کی ہے کہ حضرت آدم علیہ السلام کی تو بہ جب صبح صادق صادق کے وقت قبول ہوئی تو انھوں نے دو رکعت پڑھی اس پر صبح کی نماز شروع ہوئی، اور حضرت اسحق یا اسماعیل علیہما السلام (علی اختلاف الروایتین) کا فدیہ ظہر کے وقت آیا تھا جس پر انھوں نے چار رکعت بطہ شکرانہ کے پڑھیں اس وقت سے ظہر کی نماز شروع ہوئی اور حضرت عزیر علیہ السلام کو نوم طویل سے سو برس بعد عصر کے وقت بیدار کیا گیا، اس پر انھوں نے چار رکعت ادا کیں اس پر عصر کی نماز شروع ہوئی، اور حضرت داؤد علیہ السلام کی لغزش بوقت غروب معاف ہوئی تو وہ چار رکعت پڑھنے کی نیت سے کھڑے ہوئے لیکن شدت حزن اور تعب کی وجہ سے

تیسری رکعت پر بیٹھ گئے اور چوتھی رکعت نہ پڑھ سکے اس وقت سے مغرب کی تین رکعات شروع ہوئیں اور عشاء کی نماز سب سے پہلے ہمارے نبی صلی اللہ علیہ وسلم اور آپ کی امت نے پڑھی۔

البحث السابع :- نماز کی فرضیت کتاب، سنت اور اجماع سے ثابت ہے، قال اللہ تعالیٰ وَاَمْرًا اَلَّا يَعْْبُدُوا اللّٰهَ مَغْلَصِينَ لَهُ الدِّينَ، حِفْظًا وَيَقْبِلُوا الصَّلٰوةَ اَلَا اِنَّ اِسَى طَرَحَ بَنِي الْاِسْلَامِ عَلَى خَمْسِ شَهَادَاتٍ اِنَّ لَا اِلٰهَ اِلَّا اللّٰهُ وَانَّ مُحَمَّدًا رَّسُوْلُ اللّٰهِ وَاقَامَ الصَّلٰوةَ وَاتَّامَ الزَّكٰوةَ، الحدیث (متفق علیہ) اور اس کے علاوہ بے شمار آیات و احادیث ہیں جو شخص فرضیت صلوٰۃ کا منکر ہو اس کے کفر پر علماء کا اتفاق ہے اور جو فرضیت کا قائل ہونے کے ساتھ صرف عملاً اس کو ترک کرے تو جمہور علماء جس میں امام مالکؒ اور امام شافعیؒ بھی ہیں، کا مسلک یہ ہے کہ وہ فاسق ہے اور اس کی سزا قتل ہے، حدّ الاکفر، اور امام ابوحنیفہؒ کے نزدیک اس کی سزا تعزیر اور جس دامن ہے یہاں تک کہ تائب ہو جائے، اور ایک جماعت کی رائے یہ ہے کہ تارک صلوٰۃ کافر ہے امام احمدؒ کی بھی ایک روایت یہی ہے اور یہی رائے ہے عبد اللہ بن مبارک واسحق بن راہویہؒ کی، دوسری روایت امام احمدؒ کی مثل جمہور کے ہے، جمہور کی دلیل آیت کریمہ اِنَّ اللّٰهَ لَا يَغْفِرُ لِمَن يَشْرِكْ بِهِ وَيَغْفِرُ مَا دُوْنَ ذٰلِكَ لِمَن يَشَاءُ ہے۔

شافعیہ وغیرہ نے تارک صلوٰۃ کے قتل پر استدلال امرت ان اقاتل الناس حتی يقولوا لا اله الا الله، وبقبول الصلوٰۃ واداء الزکوٰۃ، الحدیث، (متفق علیہ) سے کیا ہے، اور حنفیہ کا استدلال لا یعقل دم امری مسلم الا باحدى ثلاث، الحدیث (رماء ابو داؤد) سے ہے اور دلیل شافعیہ کا وہ جواب یہ دیتے ہیں کہ آپ نے جو حدیث پیش کی ہے اس میں قتال کا حکم ہے اور قتال و قتل میں فرق ہے، قتال نام ہے محاربہ من الجانین کا، لہذا مطلب یہ ہوا کہ اگر تارکین صلوٰۃ کے ساتھ ترک صلوٰۃ کی وجہ سے قتال کی نوبت آئے تو اس کی اجازت ہے جس طرح حضرت صدیق اکبرؓ نے مانعین زکوٰۃ کے ساتھ قتال کیا تھا چنانچہ حنفیہ کا مسلک بھی یہی ہے کہ تارک فرض کے ساتھ قتال کیا جائے جب کہ اس طرف سے محاربہ پایا جائے۔

البحث الثامن :- اہمیت صلوٰۃ، نماز کی اہمیت کے لئے اول تو بحث سابقہ ہی کافی ہے کہ علماء اہل سنت و الجماعہ میں سے ایک گروہ کی رائے یہ ہے کہ تارک صلوٰۃ کافر ہے جبکہ نماز کے علاوہ کسی اور تارک فرض کے بارے میں ان کی یہ رائے نہیں ہے، اسی طرح ترمذی شریف کتاب الایمان باب ما جاء فی ترک الصلوٰۃ کے ذیل میں ہے عن عبد اللہ بن شعیب العقیلی قال کان اصحاب محمد صلی اللہ علیہ وسلم لا یرون شیئاً من الاعمال ترکہ کفر غیر الصلوٰۃ اور ایسے ہی ابو داؤد شریف کتاب الخراج میں ایک حدیث آرہی ہے جو حضرت جابرؓ سے منقول ہے وہ فرماتے ہیں کہ وفد ثقیف جب اسلام لانے کے لئے حضورؐ کی خدمت میں حاضر ہوا تو بوقت بیعت علی الاسلام انھوں نے چند شرطیں لگائیں ان لا یُعْشَرُوا وَا لَا یُعْشَرُوا وَلَا یَجُوزُ اَدْلُ شَرْطٍ کہ انہیں جہاد میں جانی کا مطالبہ نہ کیا جائے، دوسری یہ کہ زکوٰۃ اور عشرہ نہ وصول کیا جائے، تیسری یہ کہ وہ رکوع کے لئے جھکیں گے نہیں یعنی نماز نہیں پڑھیں گے تو اس پر آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے ارشاد فرمایا لَکُمْ اَنْ لَا تُعْشَرُوا وَلَا تُعْشَرُوا

یعنی جہاد اور عشر کے بارے میں تمہاری شرط منظور کی جاتی ہے لیکن تیسری شرط کے بارے میں آپ نے ارشاد فرمایا، ولا خیر فی دین لیس فیہ رکوع، کہ یہ شرط منظور نہیں اس لئے کہ وہ اسلام ہی کیا جس میں رکوع نہ ہو اور آدمی نماز نہ پڑھے، اسی طرح مؤطا مالک کی روایت میں ہے کہ جس شب یعنی صبح کی نماز میں حضرت عمرؓ پر حملہ کیا گیا اور ان پر غشی طاری ہو گئی تو افاقہ ہونے پر نماز کے لئے عرض کیا گیا تو آپ نے کہنے والے کی تائید کی اور فرمایا نعم ولا حظ فی الاسلام لمن ترک الصلوۃ، ہاں ضرور (اسی حال میں ہم نماز پڑھتے ہیں) اس شخص کا اسلام میں کوئی حصہ نہیں جو نماز نہ پڑھے، چنانچہ آپ نے اسی حالت میں نماز پڑھی جبکہ خون بہہ رہا تھا رضی اللہ عنہ۔

حدثنا عبد الله بن مسلمة — قوله يقول جاء رجل، اس حدیث کے راوی طلحہ بن عبید اللہ ہیں جو کہ مشہور صحابی اور عشرہ مبشرہ میں سے ہیں جنگ جمل ۳۶ء میں شہید ہوئے مردان کے تیرے۔

اس رجل کے بارے میں اکثر شراح کی رائے یہ ہے کہ یہ ضمام بن ثعلبہ ہیں جو قبیلہ بنو سعد بن بکر کے واد تھے جیسا کہ صحیحین کی ایک روایت میں اس نام کی تصریح ہے اور ہمارے یہاں ابوداؤد میں ابواب المساجد میں باب المشرک یدخل المسجد کے ذیل میں بھی آ رہا ہے اس میں بھی ضمام بن ثعلبہ کی تصریح ہے، بذل اور منہل دونوں میں بھی یہی لکھا ہے لیکن ابوزہر میں اس پر تفصیلی کلام کیا ہے اور لکھا ہے کہ علامہ قرطبی کی رائے اس کے خلاف ہے وہ فرماتے ہیں کہ جس روایت میں ضمام بن ثعلبہ کی تصریح ہے وہ روایت اور قصہ دوسرا ہے، دونوں روایتوں کے سیاق اور سوالات میں جو آئیوں والے شخص نے کئے تھے فرق ہے، حضرت امام مسلمؒ نے ان دونوں روایتوں کو اپنی معراج میں ایک دوسرے کے قریب ذکر کر دیا ہے، تو اب چونکہ ایک روایت میں رجل کے نام کی تصریح تھی اس لئے بہت سے شراح نے یہ سمجھا کہ اس روایت میں بھی رجل کا مصداق وہی ہے اور ان دونوں قصوں کو ایک سمجھتے ہوئے رجل کا مصداق ضمام ہی کو قرار دیا حالانکہ ایسا نہ تھا، حافظ ابن حجرؒ نے قرطبی کی رائے کی تائید فرمائی ہے لہذا یہ کوئی اور شخص ہیں جن کا نام معلوم نہیں۔

من اهل نجد نجد کہتے ہیں ارض مرتفعہ کو اور یہ نام ہے بلاد عرب کے اس حصہ کا جو حجاز اور عراق کے درمیان ہے یسج دینی مصوتہ، یعنی آپ کی خدمت میں ایک اعرابی آئے جن کے بال منتشر تھے اور جن کی آواز کی بھنبناہٹ سننے میں آ رہی تھی اور بات سمجھ میں نہیں آ رہی تھی کہ کیا کہہ رہے ہیں، دوی وہ مصوتہ ہے جو سنائی تو دے لیکن مفہوم سمجھ میں نہ آئے ان کی بات سمجھ میں کیوں نہیں آ رہی تھی اس کی وجہ شراح نے یہ لکھی ہے کہ انھوں نے قریب آنے سے پہلے ہی سوال شروع کر دیا تھا تو بعد کی وجہ سے بات سمجھ میں نہیں آ رہی تھی، ہاں جب قریب آ گئے تب پتہ چلا کہ کیا سوال کر رہے ہیں یہاں پر حضرت شیخ کے والد صاحب کی رائے دوسری ہے وہ یہ کہ جب کوئی معمولی آدمی کسی بڑے شخص کی خدمت میں کسی بات کے لئے جاتا ہے تو جو بات کہنی ہوتی ہے اس کو آہستہ آہستہ زبان سے ادا کرتا ہوا اور مٹا ہوا چلا جاتا ہے تاکہ جو بات اس کو وہاں جا کر کہنی ہے اس کو صحیح کہہ سکے، اسی طرح یہ اعرابی بھی جب حضور کی خدمت میں آ رہے تھے۔

جو جو باتیں ان کو حضور سے دریافت کرنی تھیں ان کو رٹتے ہوئے آرہے تھے۔ یہی مراد ہے دوی موت سے جس کو مباحہ سمجھ نہ سکے تھے۔

يسأل عن الاسلام، اسلام سے مراد شرائع اسلام ہیں اور قرینہ اس پر آپ صلی اللہ علیہ وسلم کا جواب ہے، اس لئے کہ جواب میں حقیقت اسلام یعنی شہادتین مذکور نہیں ہیں، یا یہ کہا جائے کہ سوال حقیقت اسلام ہی سے ہے لیکن شہادتین کا ذکر اس لئے آپ نے ترک فرمادیا کہ سائل اس کے ساتھ پہلے سے متعفن تھا، یا یہ کہ راوی نے اختصاراً ذکر نہ کیا ہو، واللہ تعالیٰ اعلم۔

خمس صلوات الخ اس حدیث میں وتر مذکور نہیں، شافعیہ وغیرہ کو استدلال کا موقع مل گیا کہ وتر واجب نہیں ہماری طرف سے کہا گیا ہو سکتا ہے کہ اس وقت تک وتر کا وجوب نہ ہوا ہو یا یہ کہا جائے کہ وتر کی نماز تابع ہے عشاء کے اسی لئے اس کو مستقلاً ذکر نہیں کیا اور صلوٰۃ عید کے بارے میں یہ کہا جائے کہ یہاں پر مذکور فرائض یومیہ ہیں اور صلوٰۃ عید واجبات سنویہ میں سے ہے یعنی وہ سالانہ نماز ہے نہ کی روزانہ کی۔

الا ان تطوع، یہاں پر ایک مشہور اختلافی مسئلہ ہے وہ یہ کہ نفل نماز شروع کرنے کے بعد حنفیہ مالکیہ کے یہاں واجب ہو جاتی ہے اس کا پورا کرنا ضروری ہے اگر پورا نہ کرے تو قضا واجب ہے حنفیہ

تطوعات کا شروع کرنے سے واجب ہونا اور اس میں اختلاف انکم

کے یہاں مطلقاً اور مالکیہ کے یہاں اس صورت میں جبکہ بلا عذر کے اس کو توڑ دے ورنہ نہیں اور شافعیہ حنابلہ کے نزدیک نفل نماز کا حکم جو شروع کرنے سے پہلے ہے وہی بعد میں اس کا اتمام واجب نہیں، یہ حدیث ہماری دلیل ہے اس لئے کہ اصل استثنائے افعال ہے اور مستثنیٰ متصل وہ ہے جو ماقبل کی جنس سے ہو، اور یہاں ماقبل میں واجبات و فرائض کا ذکر ہے لہذا معلوم ہوا کہ تطوع شروع کرنے کے بعد واجب ہو جاتا ہے، شافعیہ حنابلہ اپنے مسلک کے پیش نظر اس استثناء کو منقطع مانتے ہیں، استثناء منقطع ماقبل کی جنس سے نہیں ہوتا، لہذا مطلب یہ ہوا کہ صلوات خمس کے علاوہ جو نماز بھی پڑھی جائے گی وہ واجب نہ ہوگی بلکہ مستحب ہوگی، ماقبل میں فرض کا ذکر تھا اور یہاں مستحب کا اس لئے یہ استثناء منقطع ہوا، ہم اسے علامہ نے کہا کہ اصل استثناء میں افعال ہے لہذا وہی مراد ہونا چاہئے لیکن شافعیہ کی جانب سے یہ کہا جاسکتا ہے کہ اس استثناء کو افعال پر کیسے محمول کیا جاسکتا ہے جبکہ آپ صلی اللہ علیہ وسلم صلوات خمس کے علاوہ پر تطوع کا اطلاق فرما رہے ہیں اس لئے کہ آپ فرما رہے ہیں الا ان تطوع معلوم ہوا کہ باقی سب نمازیں تطوع ہیں، ہماری طرف سے اس کا جواب دیا گیا کہ استثناء متصل ہی ہے اور الا ان تطوع کا مطلب یہ ہے کہ الا ان تشرع فی التطوع، تو تطوع سے مراد حدیث میں شروع فی التطوع ہے، لہذا یہ نہیں کہہ سکتے کہ صلوات خمس کے علاوہ باقی سب نمازیں تطوع ہیں حدیث میں ان کو تطوع کہا جا رہا ہے، فلا اشکال، حنفیہ مالکیہ کے مسلک کی تائید آیت کریمہ لا تبطلوا اعمالکم

سے بھی ہوتی ہے اس لئے کہ نفل کو شروع کرنے کے بعد اگر پورا نہ کیا جائے گا تو یقیناً اس میں ابطال عمل ہے جس سے احتراز ضروری ہے، لہذا اتمام واجب ہوا۔

نفل نماز میں اختیار ابتداء اور شروع کرنے کے اعتبار سے ہے کہ اس کے شروع کرنے اور نہ کرنے کا آدمی کو اختیار ہے، شروع کرنے کے بعد یعنی انتہاء اختیار نہیں یہی اختلاف صوم طوع میں بھی ہے لیکن واضح رہے کہ حج نفل شروع کرنے سے بالاتفاق واجب ہو جاتا ہے، یہاں اگر شافعیہ ہمارے ساتھ ہو گئے ہیں، و ذکرہ لیس منقولاً علیہ صلی اللہ علیہ وسلم الصلۃ راوی کو چونکہ روایت کے اصل الفاظ یاد نہ رہے تھے اس لئے اس طرح کہہ رہے ہیں۔ اختیاراً تعبیر کو بدل دیا، قولہ فقال لا الا ان تطوع، بظاہر معلوم ہو رہا ہے کہ سالانہ زکوٰۃ جو مال میں سے دی جاتی ہے بس وہی واجب ہے مالا کہ صدقۃ الفطر اور نفقۃ العیال بھی تو واجب ہے، جواب یہ ہے کہ اس حدیث میں ذکر حقوق مالیہ اصلہ کا ہے یعنی جو حق براہ راست بلا واسطہ کسی اور شئی کے مال سے مستحق ہوتا ہے، سودہ صرف زکوٰۃ ہی ہے اور صدقۃ الفطر مال کے حقوق اصلہ میں سے نہیں ہے بلکہ اس کا سبب وجوب جیسا کہ آپ نے اصول فقہ میں پڑھا ہوگا، رأس بلونہ ویلی علیہا ہے، اسی لئے صرف ایک نصاب والے شخص کو صدقۃ الفطر اپنی ذات کے علاوہ تمام عیال کی طرف دینا پڑتا ہے، اس لئے کہ رؤس میں تعدد ہے ورنہ مال یعنی نصاب تو ایک ہی ہے، چند اشخاص کی طرف سے کیوں دینا واجب ہے علی ہذا نفقۃ العیال کہ اس کا وجوب بھی انسان پر عدد رؤس کے توسط سے ہوا ہے، لہذا یہ حقوق اور واجبات براہ راست یعنی بلا واسطہ مال سے متعلق نہیں ہیں۔

فائدہ :- اس حدیث میں ارکان اسلام کے ذیل میں حج کو ذکر نہیں کیا گیا اس میں چند احتمال ہیں ہو سکتا ہے کہ اس وقت تک حج فرض ہی نہ ہوا ہو یا یہ کہ فرض تو ہو گیا تھا لیکن سال کا مقصود سوال سے یہ تھا کہ مجھ پر کون سے احکام فرض ہیں اور وہ شخص ان میں سے ہو گا جن پر حج فرض ہوتا ہے اس لئے آپ نے اس کو بیان نہیں فرمایا اور یہ بھی کہا جاسکتا ہے بطریق احتمال عقلی ہو سکتا ہے کہ حج کا فرض ہونا سائل کو پہلے سے معلوم ہو اس لئے اس کے ذکر کی حاجت نہ ہوئی۔

ایک مشہور اشکال اور اس کا جواب واللہ لا انزید علی ہذا ولا انقص، یہاں پر ایک سوال ہے وہ یہ کہ اس شخص نے قسم کھا کر کہا کہ میں اس پر نہ زیادتی کروں گا اور نہ کمی، لا انقص، کہنا تو ٹھیک ہے لیکن لا انزید کہہ رہا ہے کہ میں ان فرائض پر زیادتی نہیں کروں گا گو اگر ترکِ نوافل پر قسم کھا رہا ہے اور پھر بھی آپ صلی اللہ علیہ وسلم اس کے ہارے میں فرما رہے ہیں افلح الرجل ان صدت جواب یہ ہے کہ یہ شخص اپنی قوم کا ایچی تھا تو مراد اس کی یہ ہے لا انزید فی الابلاغ کہ میں آپ کی بات پہنچانے میں کمی زیادتی نہیں کروں گا عمل میں کمی زیادتی کی نفی مراد نہیں، یا نفی زیادتی کی من حیث الاعتقاد و الغرضیت ہے، یعنی پانچ نمازوں پر نہ یعنی تپ سکتا۔

فرض ہونے کی حیثیت سے زیادتی نہیں کروں گا، مثلاً پانچ نمازوں کے بجائے چھ کو فرض سمجھوں یا چار رکعت کے بجائے پانچ پڑھوں ایسا نہیں کروں گا یہ سب کچھ شرح فرماتے ہیں اور میں جواب میں یہ کہا کرتا ہوں کہ نقصان اور زیادتی کا تعلق شئی محدود و معین سے ہوا کرتا ہے اور محدود و معین صرف فرائض ہیں، تطوعات تو محدود ہی نہیں ان کی تعداد متعین ہی نہیں تو اس میں کمی زیادتی نہ کرنے کا کیا مطلب، حاصل یہ کہ اس نفعی کا تعلق فرائض ہی سے ہے۔ تطوعات سے اس کا تعلق ہی نہیں لہذا نوافل کے کرنے نہ کرنے کا اعرابی کے کلام میں کوئی ذکر ہی نہیں ہے، فلاشکال اصلاً۔

افلح ان صدق، اس روایت میں آپ علی اللہ علیہ وسلم نے اس شخص کے فلاح کو ان صدق کے ساتھ مقید فرمایا ہے اور ایک دوسری روایت میں یہ ہے من سوا ان یستظاری رجل من اهل الجنة فلینظر الی هذا یعنی آپ نے فرمایا کہ جس شخص کو کسی جنتی کو دیکھنا ہو تو اس کو دیکھ لے، یہاں پر آپ نے اس حکم کو صدق کے ساتھ معلق نہیں فرمایا اس کی کیا وجہ ہے؟ اس کے مختلف — جواب دئے گئے ہیں، ۱۔ اس کی موجودگی میں آپ نے مصلحت تعلیق فرمایا تاکہ اس میں گھمنڈ پیدا نہ ہو اور پھر بعد میں اس کے مجلس سے جانے کے بعد بلا تعلیق اور بالجزم اس کے جنتی ہونے کی بشارت دی، اور یہ بھی کہا گیا ہے شروع میں آپ کو اس کی صدق نیت کا علم نہ تھا اس لئے اس کو مقید فرمایا اور بعد میں آپ کو اس کے صدق نیت کی اطلاع ہو گئی تب آپ نے بلا تعلیق فرمایا، ایک جواب یہ بھی دیا گیا ہے کہ ایک جگہ جنتی ہونے کا ذکر ہے اور ایک جگہ فلاح پانے کا، جنتی ہونا زیادہ خاص بات نہیں کیونکہ ہر مسلم جنتی ہے اور فلاح اس سے ادنیٰ درجہ ہے اس لئے اس کو صدق کے ساتھ معلق کیا کیونکہ فلاح اعلیٰ درجہ کی کامیابی کو کہتے ہیں جس میں ہر طرح کا امن اور عافیت ہو۔

۲۔ قولہ افلح وابیہ، یہ باب کی دوسری حدیث ہے پہلی حدیث میں ابو ہبیل سے روایت کرنے والے مالک تھے اور اس میں اسماعیل بن جعفر ہیں، اس روایت میں وابیہ کی زیادتی ہے جو پہلی روایت میں نہیں تھی اس میں یہ ہے کہ آپ نے اس سائل کے باپ کی قسم کھائی حالانکہ حلف بالآباء کی حدیث میں ممانعت وارد ہے لا تعلقوا بالآباءکم جواب یہ ہے کہ ممکن ہے یہ واقعہ نبی سے پہلے کا ہو، اور یہ بھی کہا گیا ہے کہ یہاں پر مضاف حمز و فہ ہے یعنی ذریت ابیہ اور یہ بھی کہا گیا ہے ممکن ہے کہ کراہت صرف امت کے حق میں ہو شارح علیہ السلام کے لئے نہ ہو، نیز کہا گیا ہے کہ یہ لفظ وابیہ نہیں ہے بلکہ دراصل واللہ تھا کہنے میں غلطی ہوئی اگر اسی لفظ کے دونوں شوشے بڑھادئے جائیں تو یہی واللہ ہو جائے گا ففظوں کو حذف کرنے کے بعد۔

باب فی المواقیت

مواقیت میقات کی جمع ہے جیسے میزان کی جمع موازن، میقات کے معنی ہیں وقت معین جو کسی کام کے لئے مقرر

کیا جائے اور اس کا اطلاق مکان معین پر بھی ہوتا ہے جو کسی کام کے لئے تجویز کیا جائے اسی لئے کہتے ہیں کہ میقات کی دو قسمیں ہیں، میقات زمانی، میقات مکانی، کتاب الحج میں احرام کے بیان میں جن مواقیت کا ذکر آتا ہے وہ میقات مکانی ہیں یعنی وہ مخصوص جگہیں جو احرام باندھنے کے لئے معین کی گئی ہیں، اور کتاب الصلوٰۃ میں مواقیت سے میقات زمانی مراد ہیں، ویسے نماز کے لئے میقات مکانی بھی ہیں مگر ان کو مواقیت سے تعبیر نہیں کیا جاتا بلکہ مساجد سے، چنانچہ مصنفؒ مواقیت کے بیان سے فارغ ہونے کے بعد ابواب المساجد کو بیان فرمائیں گے یعنی میقات زمانی سے فارغ ہو کر میقات مکانی کو بیان کریں گے مگر چونکہ نماز مسجد کے ساتھ خاص نہیں ہے، غیر مسجد میں بھی صحیح ہے اسلئے مساجد کو مواقیت نہیں کہا جاتا۔

مصنفؒ نے کتاب الصلوٰۃ کے شروع میں حدیث اعرابی کو ذکر کیا جس میں صلوٰۃ خمسہ کی فرضیت مذکور ہے، تو گویا اولاً مصنفؒ نے نماز کی فرضیت کو ثابت کیا اس کے بعد اب یہاں سے نماز کے اوقات بیان فرمانا چاہتے ہیں اس لئے کہ نماز کے اوقات ہی نماز کا سبب وجوب ہیں، ظہر کی نماز کا وقت ظہر کی نماز کے وجوب کا سبب ہے اور عصر کی نماز کا وقت صلوٰۃ عصر کے وجوب کا سبب ہے و لہذا جس شخص پر جس نماز کا وقت ہی نہ آئے وہ نماز اس پر واجب نہیں جیسا کہ کہا گیا ہے کہ بعض ملکوں میں وقت عشر پایا ہی نہیں جاتا وہاں غروب اور طلوع کے درمیان اتنا فصل ہی نہیں ہے کہ عشر کا وقت آئے اس لئے وہاں والوں کے حق میں عشر کی نماز فرض ہی نہ ہوگی، سبب کے لئے سبب کا تحقق ضروری ہے، غرضیکہ نمازوں کے اوقات ان کے لئے اسباب ہیں اسی کو مصنفؒ یہاں اولاً بیان فرما رہے ہیں۔

خاتمہ کا: امام بخاریؒ اور امام نسائیؒ نے کتاب الصلوٰۃ کے شروع میں بجائے حدیث اعرابی کے حدیث الاسرار یعنی حدیث المعراج کو ذکر فرمایا ہے، کیونکہ نماز کی فرضیت معراج ہی میں ہوئی ہے اور حدیث المعراج میں فرضیت صلوٰۃ کی بھی تصریح ہے، امام ابو داؤدؒ کی عادت شریفہ اس سنن میں مختصر فقہی احادیث کو لانے کی ہے طویل طویل حدیثیں جن میں واقعات اور قصے مذکور ہوں ان کو اپنی سنن میں ذکر نہیں فرماتے بس خالص اور ٹھوس احادیث احکام کو لیتے ہیں۔

اس باب میں مصنفؒ نے مطلق اوقات صلوٰۃ کی روایات کو ذکر فرمایا ہے یعنی جن کا تعلق سب نمازوں سے ہے اور اس کے بعد پھر آگے چل کر ہر نماز کے وقت کے لئے الگ الگ باب بھی قائم کئے ہیں۔

پھر جانتا چاہئے کہ مصنفؒ نے اس باب میں دو حدیثیں ذکر فرمائی ہیں اولاً حدیث امامت جبریلؑ اس کے بعد ایک دوسری حدیث جو سوال سائل کے جواب میں ہے، وہ یہ کہ ایک شخص حضور صلی اللہ علیہ وسلم کی خدمت میں حاضر ہوئے اور اوقات صلوٰۃ آپ سے دریافت کئے اس پر آپ نے فرمایا کہ تم دو روز تک یہاں مدینہ میں میرے پاس ٹھہرو اور پھر آپ نے ہر نماز پہلے دن اول وقت میں اور دوسرے دن ہر نماز کو اس کے آخر وقت میں پڑھا، تاکہ وقت نماز کا اول و آخر معلوم ہو جائے، جیسا کہ امامت جبریلؑ میں بھی ایسا ہی ہوا کہ حضرت جبریلؑ علیہ السلام نے آپ کو لیلۃ الاسراء کی صبح میں پہلے دن ہر نماز اول وقت میں اور دوسرے دن ہر نماز کو اسکے آخر وقت میں پڑھایا، میری عادت ہے کہ تمام نمازوں کے اوقات

مع اختلاف علماء اس باب کے شروع میں بیان کر دیا کرتا ہوں تاکہ آنیوالی احادیث کے سمجھنے میں بعیرت ہو۔
مأمور بہ کی دو قسمیں | جانتا چاہئے کہ مأمور بہ کی اولاد دو قسمیں ہیں جیسا کہ تم اصول فقہ میں پڑھ چکے ہو، موقت اور غیر موقت، پھر موقت کی دو قسمیں ہیں ایک وہ جہاں وقت اس مأمور بہ کے لئے معیار ہو،

اور ایک وہ جہاں وقت ظرف ہو، وقت کے معیار ہونیکا مطلب یہ ہے کہ تمام وقت کو مأمور بہ کے ادا کرنے میں صرف کرنا ضروری ہے جیسے وقت صوم، صوم کا جو وقت معین ہے صوم کا اس پورے وقت میں پایا جانا ضروری ہے، اور وقت کے ظرف ہونے کا مطلب یہ ہے کہ اس وقت کو پورا مأمور بہ کے ادا کرنے میں صرف کرنا ضروری نہیں بلکہ مأمور بہ ادا کرنے کے بعد وقت بچے جیسے اوقات صلوة، مثلاً ظہر کے تمام وقت کو ظہر کی نماز پڑھنے میں خرچ کرنا ضروری نہیں، ہر نماز کے وقت کے دوسرے ہیں ایک پہلا ایک اخیر کا یعنی ابتداء وقت اور انتہاء وقت، لہذا اب آپ نمازوں کے اوقات کی ابتداء و انتہاء اور اس میں اختلاف علماء سنئے۔

صلوات خمسہ کے اوقات کی تفصیل مع اختلاف علماء | ظہر کے وقت کی ابتداء باجماع فقہاء زوال کے بعد سے ہوتی ہے، البتہ بعض صحابہ سے اس میں اختلاف

منقول ہے ان کے نزدیک زوال سے پہلے شروع ہو جاتا ہے البتہ جمعہ میں امام احمد اور اسحق بن راہویہ کا اختلاف ہے ان دونوں کے نزدیک صلوة جمعہ قبل الزوال جائز ہے اور آخر وقت ظہر میں ائمہ کا اختلاف ہے، جمہور علماء اور صاحبین کے نزدیک الی مثل ہے۔ ہی ایک روایت امام صاحبین سے بھی ہے اور امام صاحب سے ظاہر الروایۃ یہ ہے کہ آخر وقت ظہر الی مثلین ہے، امام مالک اور ایک طائفہ کے نزدیک ایک مثل کے بعد چار رکعات کے بعد وقت مشترک ہے اس میں ظہر بھی پڑھی جاسکتی ہے ادائر اور عصر بھی، بعض شافعیہ داؤد ظاہری ایک مثل کے بعد فاصلہ کے قائل ہیں یعنی ایک مثل کے بعد ستور اس وقت ایسا ہے جو نہ وقت ظہر ہے اور نہ ہی وقت عصر، بلکہ عصر کے وقت کی ابتداء ایک مثل کے بعد کچھ وقفہ سے ہوتی ہے لیکن جمہور علماء نہ اشتراک کے قائل ہیں نہ فصل کے، اور اول وقت عصر میں وہی اختلاف ہے جو آخر وقت ظہر میں ہے یعنی جمہور علماء اور صاحبین کے نزدیک اس کی ابتداء ایک مثل سے ہو جاتی ہے اور امام صاحب کے نزدیک مثلین کے بعد سے، اور آخر وقت عصر عند الأئمۃ الاربعۃ والجمہور غروب تک ہے، اور ابو سعید اصطخری کے نزدیک الی مثلین، مثلین کے بعد ان کے نزدیک وقت قصار ہے، وعند البعض آخر وقت العصر الی الاصفر، اور وقت مغرب کی ابتداء بالاجماع غروب سے ہوتی ہے انتہاء میں اختلاف ہے حنفیہ اور حنابلہ کے نزدیک الی غروب اشفق ہے اور یہی ایک روایت امام مالک و شافعی سے بھی ہے، اور دوسری روایت ان دونوں سے یہ ہے کہ لیس لہا الا وقت واحد بقدر الطہارۃ وثلاث رکعات او خمس رکعات اور وقت عشاء کی ابتداء بالاجماع غروب اشفق سے ہوتی ہے، انتہاء میں اختلاف ہے، حنفیہ اور حنابلہ کے یہاں الی طلوع الفجر اور امام شافعی و مالک سے مختلف روایتیں ہیں، الی ثلث الیل، الی نصف اللیل، لیکن اصح قول ان دونوں

کا یہ ہے کہ الی ثلث الليل وقت اختیار واستحباب ہے اور اس کے بعد طلوع فجر تک وقت جواز اور ابو سعید اصغرؓ سے من الشافعیہ کے نزدیک الی نصف الليل، اور صبح کی نماز کی ابتداء بالاتفاق فجر ثانی یعنی صبح صادق کے طلوع سے ہے ابتداء وقت میں اختلاف ہے، حنفیہ کے نزدیک الی طلوع الشمس، اور عند الجہور الی الاسفار وقت اختیار ہے اور الی طلوع الشمس وقت جواز اور ابو سعید اصغرؓ سے من الشافعیہ کے نزدیک الی تیسعی الاسفار، یعنی جب خوب اچھی طرح چاندنی اور روشنی ہو جائے اس پر اگر ان کے نزدیک فجر کا وقت ادا ختم ہو جاتا ہے، یہ مذکورہ بالا اختلاف علماء فی الادوات حضرت شیخؒ نے اجزی میں اور حضرت سہارنپوریؒ نے بذل میں اور خود میں نے الغیض السمانی میں اسی طرح لکھا ہے۔ — اس میں زیادہ اہم اور مشہور اختلاف آخر وقت ظہر اور اول وقت عصر میں ہے یعنی مثل واحد اور مثلیں کا اختلاف، اور دوسرا اہم اختلاف آخر وقت مغرب میں ہے، شافعیہ مالکیہ کے ایک قول میں یس لها الا وقت واحد — ان سب اختلافات کے دلائل انشاء اللہ آئندہ احادیث کے ذیل میں آرہے ہیں۔

حدیث امامت جبریلؑ کی شرح

حدیث ثناء مسدد — قولہ عن ابن عباس قال قال رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم امنی جبریل، یہ امامت جبریلؑ والی حدیث ہے جس کا ذکر

ہمارے یہاں اوپر آچکا ہے یہ حدیث گو مجہون میں بھی ہے لیکن اس میں اوقات کی تفصیل مذکور نہیں بلکہ صرف اس طرح ہے فصلی ثم فصلی ثم فصلی خمس صلوات بخلاف ابو داؤد وغیرہ سنن کی کتابوں کے کہ ان میں اوقات کی تفصیل بھی موجود ہے، یہ امامت جبریلؑ کا قصہ کہ مکر میں پیش آیا شب معراج کے بعد آیا والے دن میں اس میں نماز کی ابتداء صلوة ظہر سے کی گئی اسی لئے ظہر کو الصلوة الاولیٰ کہتے ہیں اس واقعہ سے نماز کی اہمیت ظاہر ہو رہی ہے کہ نمازوں کے اوقات اور ادا کرنے کا طریقہ عملی طور سے بیان کرنے کے لئے اللہ تعالیٰ شانہ نے اس مقصد کے لئے جبریلؑ علیہ السلام کو آسمان سے بھیجا چنانچہ حضرت جبریلؑ نے مسجد حرام میں باب کعبہ کے سامنے حضور صلی اللہ علیہ وسلم اور دوسرے لوگوں کو نماز پڑھائی اور چونکہ نمازوں کے اوقات میں گنجائش اور وسعت ہے اس لئے یہ امامت کا عمل دو دن کیا گیا تاکہ ہر نماز پہلے دن اول وقت میں اور دوسرے دن آخر وقت میں پڑھ کر نماز کا اول وقت اور آخر بتلادیا جائے۔

یہاں پر ایک مشہور اشکال ہے وہ یہ کہ صلوات خمسہ کی فرضیت جو آدم کے حق میں ہے ملائکہ کے حق میں نہیں، لہذا اس امامت میں حضرت جبریلؑ منتقل اور حضور و صحابہ کرام مفترض ہوئے صلوة المفترض خلفنا لمتقل شافعیہ حنابلہ کے نزدیک جائز ہے، حنفیہ مالکیہ کے نزدیک جائز نہیں اور یہی ایک روایت امام احمدؒ کی بھی ہے، اس کے دو جواب ہیں ایک یہ کہ جبریلؑ کی امامت حقیقتاً نہ تھی امام دراصل حضور ہی تھے اور جبریلؑ سامنے مسلم کی طرح موجود تھے جو اشارہ وغیرہ سے سمجھاتے رہے ہوں گے، دوسرا جواب یہ ہے کہ اگر صلوات خمسہ کے ملائکہ مکلف نہیں لیکن اس وقت میں چونکہ جبریلؑ اس تعلیم کے امور من اللہ تعالیٰ تھے اس لئے فی الوقت یہ نمازیں ان کے حق میں بھی فرض ہو گئی تھیں، اور ایک جواب یہ بھی دیا گیا ہے کہ چونکہ

ابھی تک نماز کی تفصیل کا علم اچھی طرح نہیں ہوا تھا اس لئے وہ آپ کے حق میں بھی فرض نہیں تھی، اور اس جواب سے ایک اور سوال بھی حل ہو جاتا ہے وہ یہ کہ صلوات خمسہ کی فرسیت تورات میں ہو چکی تھی، پھر فجر کی نماز آپ نے کیوں نہیں پڑھی۔

فصلی بی الظهر حیث زالت الشمس وكانت قدر الشرائع، یعنی پہلے دن ظہر کی نماز پڑھائی زوال شمس کے فوراً بعد، و كانت قدر الشرائع کا مطلب یہ ہے کہ ظل اصلی ہر شی کا جو نصف النہار کے وقت ہوتا ہے جب اس میں شرقی جانب اضافہ ہونا شروع ہو جائے تب ظہر کے وقت کی ابتداء ہوتی ہے، خواہ وہ اضافہ شرکاء کے بقدر ہی ہو، شرکاء (جو تے کا تسمہ) سے مراد مقدار قلیل ہے۔

جانتا چاہئے کہ نصف النہار سے قبل ہر چیز کا سایہ بجانب مغرب پڑتا ہے اور عین نصف النہار کے وقت قدموں کے برابر میں ہوتا ہے اور سورج کے وسط سمار سے ڈھلنے کے وقت جس کو زوال کہتے ہیں ظل اصلی میں بجانب مشرق اضافہ شروع ہو جاتا ہے اسی ظل اصلی میں اضافہ سے ظہر کے وقت کی ابتداء ہوتی ہے خواہ وہ اضافہ کتنا ہی مقدار قلیل میں ہو، یہ بھی واضح ہے کہ بعض ملکوں میں (کا مجاز علی قول) نصف النہار کے وقت سایہ جس کو ظل اصلی کہتے ہیں وہ پایا ہی نہیں جاتا، ایسے ملکوں میں ظہر کے وقت کی ابتداء نصف النہار کے بعد ظہور ظل الی جانب الشرق سے ہوگی، اور جہاں ظل اصلی پایا جاتا ہے وہاں زوال اور وقت ظہر کا تحقق ظل اصلی میں اضافہ سے معلوم ہوگا، و صلی بی العصر حیث کان ظل مثلاً، یعنی پہلے دن عصر کی نماز ایک مثل پر پڑھائی یہ صاحبین اور جمہور کی دلیل ہے آخر وقت ظہر اور اول وقت عصر کے بارے میں امام صاحب سے بھی یہی ایک روایت ہے، کما تقدم۔ حضرت گسنگو ہی نور الشہر قدہ نے تقریر ترمذی (الکوکب الدرری) میں اسی قول کو من حیث الدلیل ترجیح دی ہے، اور امام صاحب کی دلیل باب فی وقت ملة الظهر میں آرہی ہے حين غاب الشفق ائمہ ثلاث و صاحبین کے نزدیک شفق سے احمر مراد ہے، اور امام صاحب کے نزدیک شفق ابیض جس کا تحقق احمر کے بعد ہوتا ہے مشہور اختلاف ہے فلما کان الغد صلی بی الظهر حیث کان ظل مثلاً یعنی دوسرے دن ظہر کی نماز ایک مثل پر پڑھائی، اس سے مالکیہ نے اشتراک پر استدلال کیا ہے کہ ایک مثل کے بعد چار رکعت کے بقدر وقت مشترک ہے جیسا کہ بیان اوقات میں گذر چکا اس لئے کہ اسی حدیث میں اس سے پہلے مذکور ہے کہ پہلے روز عصر کی نماز ایک مثل پر پڑھائی اور یہاں یہ کہہ رہے ہیں کہ دوسرے روز ظہر کی نماز ایک مثل پر پڑھائی، اب ظاہر ہے کہ اس سے وقت کا اشتراک سمجھ میں آرہا ہے جمہور کی جانب سے اس کا جواب یہ ہے کہ پہلی جگہ مراد یہ ہے کہ عصر کی نماز ایک مثل پر پڑھنی شروع کی اور یہاں مراد

لہ المراد به نفس الزیادة علی الظل الاصلی من غیر تقیید بقدر الشراک ای ادنی المقدار ولو بقدر الشراک وهذا اذا کان الظل الاصلی موجوداً اذ ذاک هناک ای بمکة، ولو فرض انه لم یکن الظل الاصلی اذ ذاک بمکة فمعینہ معنی الحدیث ظہور الظل بعد ان لم یکن فظہور الظل ہو علامۃ الزوال و علی التقدير الاول الزیادة فی الظل الاصلی ہو علامۃ الزوال۔ افادہ فی الکوکب الدرری۔

یہ ہے کہ دوسرے روز ایک مثل پر ظہر کی نماز پڑھ کر فارغ ہوئے۔ ایک جگہ شروع کرنا مراد ہے اور دوسری جگہ فراغ
فلا اشتراک، جمہور کی دلیل عدم اشتراک میں حدیث مسلم ہے جو اس کتاب میں بھی آگے آرہی ہے۔ وقت الظہر الم یحضر العصر
معلوم ہوا کہ عصر کا وقت آنے پر ظہر کا وقت باقی نہیں رہتا۔

وصلیٰ بنی المغرب حین اظھر الصائم، یہ شافعیہ و مالکیہ کے ایک قول کی دلیل ہے کہ مغرب کے لئے بس ایک ہی وقت
ہے وہی ابتداء اور وہی انتہا، تین یا پانچ رکعات کے بقدر اس لئے کہ اس حدیث میں یہ ہے کہ آپ نے مغرب کی نماز
دونوں دن ایک ہی وقت میں ادا فرمائی۔

امام نووی فرماتے ہیں کہ شافعیہ کے یہاں مشہور قول یہی ہے ان المغرب
لیس لها الا وقت واحد، وہ فرماتے ہیں لیکن محققین شافعیہ کے نزدیک دوسرا
قول رائج ہے کہ مغرب کا وقت غروب شفق تک ہے، محدث عبد اللہ بن
عمر بن العاص (عند مسلم و ابی داؤد) وقت صلوٰۃ المغرب الم یسقط فوراً شفق، اور حدیث امامت جبریل کے انھوں نے
تین جواب دیئے ۱۔ وہ حدیث محمول ہے وقت اختیار و استحباب پر ۲۔ حدیث امامت جبریل مقدم ہے، مکہ مکرمہ
کا واقعہ ہے اور یہ دوسری احادیث جن سے وقت مغرب میں امتداد معلوم ہوتا ہے یہ بعد کی ہیں یعنی مدینہ کی اور عمل
مؤخر پر ہوتا ہے نہ کہ مقدم پر ۳۔ امتداد وقت والی روایات سنداً صحیح ہیں حدیث امامت جبریل سے۔

وقت مغرب میں شافعیہ کے
مذہب کی تحقیق و تفصیل

فقال یا معتد، حضرت جبریل علیہ السلام نے حضور صلی اللہ علیہ وسلم کا نام لیا جو لا تجعلوا حکم الرسول بینکم و کدعاء
بعضکم بعضاً کے خلاف ہے جواب یہ ہے کہ ممکن ہے ملائکہ اس حکم کے مخاطب نہ ہوں، یا یہ کہ اس آیت کا نزول اس واقعہ
کے بعد ہوا ہو ایک جواب یہ بھی دیا گیا ہے کہ محمد سے علم مراد نہیں بلکہ معنی وصفی مراد ہیں لکن خلاف الظاہر
هذا وقت الانبیاء من قبلک، صنا کا اشارہ عشا کے ملاوہ باقی نمازوں کی طرف ہے اس لئے کہ عشا کی نماز اس امت
کے ساتھ خاص ہے اور باقی چار نمازیں بھی گذشتہ انبیاء میں متفرق طور پر پائی گئی ہیں نہ کہ مجتمعاً۔

چنانچہ صلوٰۃ فجر کی ابتداء حضرت آدم علیہ السلام سے ہوئی جب صبح صادق کے وقت ان کی توبہ قبول ہوئی تو انھوں نے
دو رکعت بطور شکریہ ادا کی اور حضرت اسماعیل یا اسحاق علی اختلاف القولین کا فدیہ جو جنت سے لایا گیا تھا ظہر کے وقت
میں دیا گیا اس کے شکر یہ میں انھوں نے چار رکعت ادا کی اسی سے ظہر کی نماز مشروع ہوئی اور حضرت عزیزؑ کو نوم طویل سے
سو برس کے بعد عصر کے وقت بیدار کیا گیا اس وقت انھوں نے چار رکعت پڑھیں اس سے عصر کی نماز مشروع ہوئی اور حضرت
داؤد علیہ السلام کی معافی غروب کے وقت ہوئی پس وہ چار رکعت پڑھنے کے لئے کھڑے ہوئے لیکن شدت تعب و ہکار
کی وجہ سے چوتھی رکعت نہ پڑھ سکے، اس پر مغرب کی تین رکعات مشروع ہوئیں، اور عشا کی نماز سب سے پہلے ہمارے
نبی محمد صلی اللہ علیہ وسلم نے پڑھی، یہ ایک روایت کا مضمون ہے جس کو حضرت نے بذل میں امام طحاویؒ کے حوالہ سے

نقل فرمایا ہے۔

والوقت ما بین ہذین الوقتین، چونکہ ہر وقت صلوٰۃ کے دوسرے میں ایک اول اور آخر، ان دوسروں کا وقت ہونا اس دو دن کے عمل امامت سے ثابت ہو گیا، اور درمیانی حصہ کا وقت ہونا اس قول سے ثابت ہوا پس بعض وقت کا ثبوت عمل سے اور بعض کا قول سے ہوا۔

مضمون حدیث

۲۔ حدیث معتد بن مسلمۃ المرادی — قولہ ان عمرو بن عبد العزیز کان قاعداً علی المنبر فاخرا العصر شیئاً الخ مضمون حدیث یہ ہے کہ ایک مرتبہ حضرت عمر بن عبد العزیز منبر پر بیٹھے تھے ظاہرات ہے کہ منبر پر بیٹھنا لوگوں کے خطاب یا اور کسی خاص کام کی وجہ سے ہو گا اسی لئے اس روز اتفاقاً ان سے نماز عصر میں تاخیر ہو گئی، یہ روایت حدیث کی دوسری کتاب میں بھی وغیرہ میں بھی ہے لیکن اس میں منبر پر ہونے کی تصریح موجود نہیں، ابو داؤد کی اس روایت سے وجہ تاخیر کی طرف اشارہ مل رہا ہے، ورنہ شراح نے اپنے خیال کے مطابق وجہ تاخیر مختلف لکھی ہیں، مثلاً یہ کہ وہ جواز تاخیر کے قائل تھے جیسا کہ نووی کی شرح مسلم میں ہے، باقی یہ بات متعین ہے کہ یہ تاخیر زائد نہیں تھی معمولی سی تھی جیسا کہ روایت میں لفظ شیئاً سے معلوم ہو رہا ہے، نیز بعض روایات میں یونہی لفظ ہے جیسا کہ بخاری میں ہے جس میں اشارہ ہے اس طرف کہ ان کی عادت تاخیر کی نہ تھی بلکہ ایک روز کسی وجہ سے ایسا ہو گیا تھا، گوان کے خاندان کے لوگ یعنی بنو امیہ تاخیر صلوٰۃ کے عادی تھے جیسا کہ شروح حدیث وغیرہ سے معلوم ہوتا ہے حتیٰ کہ حجاج اور اس کا امیر ولید بن عبد الملک کے بارے میں منقول ہے کہ وہ تو نماز کو قضا ہی کر دیتے تھے، (کمافی الضیق السائی)

فقال لعمرو ما تقول، اس میں دو احتمال ہیں، اول اعلم میثد امر حاضر علم سے دوسرے اعلم میثد امر اعلام سے تیسرا احتمال یہ کہ اعلم میثد واحد متکلم، لیکن یہ احتمال غیر ظاہر ہے، ظاہر یہی ہے کہ یہ میثد امر ہے علم سے یا اعلام سے، اگر علم سے ہے تو مطلب یہ ہو گا کہ سوچ سمجھ کر کہو کیا کہہ رہے ہو، وجہ اس کی یہ ہے کہ حضرت عمر بن عبد العزیز کو دراصل امامت جبریل

لہ واضح رہے کہ حضرت عمر بن عبد العزیز خاندان اموی کے ایسے ہونہار اور سعید فرزند تھے جو اپنے اخلاق حمیدہ اور اعمال حسنہ کی وجہ سے پورے خاندان میں ممتاز تھے ان کا زہد و تقویٰ اور بزرگی مشہور ہے قرن اول کے مجدد ہیں، ابو داؤد کی ایک روایت میں ہے جو آگے آئیگی حضرت انس فرماتے ہیں کہ میں نے کسی کی نماز کو حضور صلی اللہ علیہ وسلم کی نماز کیساتھ زیادہ مشابہ اس نوجوان کی نماز سے نہیں دیکھا۔

فَرَأَيْتَ رَسُولَ اللَّهِ صَلَّى اللَّهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ إِذَا قَبَلَ فِي مَجْلَدٍ بَاطِنٍ خَازِنٍ كَأَنَّهُ بِلَا تَعْيِينَ أَوْقَاتٍ كَمَا كُنَ سَيَّ
خَازِنُ كَسْ وَقْتُ فِيهِ يَرْحَمُ أَبَ يَهَا سَعَى مَحَابِي أَوْقَاتٍ كِي تَفْصِيلُ بَيَانٍ كَمَا رَهَبَ هِيَ . هَمْ لَمْ شُرُوعٍ فِي بَيَانٍ كَمَا تَحَا كَمَا أَمَامَتُ جَبْرِيَلُ
وَالِي حَدِيثٍ كَوَيْحِينَ مِي سَعَى لَكِنِ وَهَالِ أَوْقَاتٍ كِي تَفْصِيلُ مَذْكَورُ نَهَيْسَ . أَوْقَاتٍ كِي تَفْصِيلُ سُنَنِ كِي رَوَايَتٍ مِي سَعَى هَيْسَا كِي يَهَا
أَبُو أَوْدٍ مِي مَذْكَورُ سَعَى جِسْ كَوَاوِي فَرَأَيْتَ سَعَى بَيَانٍ كَمَا رَهَبَ ، يَعْطَى الْعَصَى وَالشَّمْسُ مَوْقِفَتُهُ بَيْضَاءُ إِذَا اسْ بِرَ كَلَامِ الشَّارِ الثَّر
بَابِ وَقْتُ الْعَصْرِ مِي آئِي كَا شَرُ كَانَتْ صَفْوَتُهُ بَعْدَ ذَلِكَ التَّغْلِيصِ . اسْ بِرَ كَلَامِ الشَّارِ الثَّر بَابِ فِي وَقْتُ الصُّبْحِ مِي
آئِي كَا ، كَرِ تَغْلِيصِ اُوْتِي هَ جِسْ كَا اُتْمَةُ ثَلَاثَةِ قَاطِلٍ هِيَ يَا اسْفَازِ جَوِ كَرِ اَحْنَافُ كِي يَهَا سَعَى -

قال ابو داؤد روى هذا الحديث عن الزهرى الخ. او پر سند میں ابن شہاب کے شاگرد اور ان سے روایت کرنے والے اسامہ بن زید تھے ان کی روایت میں اوقات کی تفصیل پائی جاتی ہے، یہاں مصنف فرما رہے ہیں کہ اسامہ کے علاوہ زہری کے دوسرے تلامذہ معمر اور مالک اور سفیان بن عیینہ وغیرہ نے جب اس حدیث کو زہری سے نقل کیا تو ان حضرات نے اپنی روایت میں تفصیل اوقات کو ذکر نہیں کیا، گویا اکثر حضرات نے نہیں کیا بس صرف اسامہ نے کیا، لہذا اس حدیث میں ذکر اوقات کا ثبوت سنداً ضعیف ہوا لہذا ہر اسی لئے اس کو امام بخاری و مسلم نے صحیحین میں نہیں لیا۔

قال ابو داود وروى وهب بن كيسان ، اس قول ابو داود کا مطلب سمجھنے کے

قول ابوداؤد کی تشریح

لئے اولاً غور سے سنئے، امام ابو داؤد نے اس باب میں دو حدیثیں ذکر کی ہیں، ایک

حدیث امامت جبرئیل جو ابھی چل رہی ہے اور دوسری سوال سائل والی جو ابھی آگے حدیث امامت سے شروع ہو رہی ہے جس میں یہ ہے کہ ایک صحابی آپ کی خدمت میں حاضر ہوئے اور انہوں نے آپ سے نمازوں کے اوقات دریافت کئے تو آپ نے ان کو زبانی بتانے کے بجائے دور وزیکہ اپنے پاس مدینہ میں ٹھہرنے کا حکم فرمایا کہ یہاں ٹھہر کر دیکھو کہ میں کس نماز کو کس وقت میں پڑھتا ہوں، جتنا پھر آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے پہلے دن ہر نماز کو اول وقت میں اور دوسرے دن ہر نماز کو اس کے آخر وقت میں پڑھ کر دکھایا یعنی وہی صورت جو امامت جبرئیل میں ہوئی تھی لیکن فرق ان دونوں روایتوں میں یہ ہے کہ حدیث امامت جبرئیل کے تمام طرق میں یہ ہے کہ مغرب کی نماز دونوں دن وقت واحد میں پڑھی گئی یعنی غروب شمس کے فوراً بعد، اور سوال سائل والی حدیث میں روایات مختلف ہیں اکثر میں تعدد وقت مذکور ہے کہ پہلے دن آپ نے مغرب

کی نماز غروب کے فوراً پڑھائی اور دوسرے دن آخر وقت میں اور بعض طرق میں اتحاد وقت مذکور ہے یعنی دونوں دن وقت واحد میں پڑھائی، امام بیہقیؒ فرماتے ہیں کہ اس کو ذہن میں رکھنا چاہئے کہ یہ دو حدیثیں الگ الگ ہیں ایک حدیث امامت جبرئیل اور دوسری سوال سائل والی ان دونوں کو ایک سمجھ کر اضطراب اور اختلاف پر محمول نہ کیا جائے، دروی و ذهب بن کیسان عن جابو سے مصنفؒ یہی فرما رہے ہیں کہ یہ حدیث امامت جبرئیل جس طرح ابو مسعودؓ انصاری سے مروی ہے جو ابھی اوپر گزری اسی طرح بعض دوسرے صحابہ جیسے حضرت جابر اور ابو ہریرہ اور عبداللہ بن عمرو بن العاصؓ سے بھی مروی ہے اور ان سب میں وقت مغرب میں اتحاد مذکور ہے۔

تنبیہ: مصنفؒ کے سیاق کلام سے بظاہر معلوم ہوتا ہے کہ عبداللہ بن عمرو بن العاصؓ کی حدیث بھی امامت جبرئیل کے سلسلہ میں ہے لیکن بیہقیؒ کی روایت سے معلوم ہوتا ہے جس کو حضرت نے بذل میں ذکر کیا ہے کہ ان کی حدیث سوال سائل والی حدیث ہے نہ کہ امامت جبرئیل والی۔ قائل

۲۔ حدیثنا مسنداً، قوله ان سائلًا سأل النبی صلی اللہ علیہ وسلم۔ یہ باب کی وہ دوسری حدیث ہے جو سوال سائل سے متعلق ہے جس کا ذکر ہمارے یہاں اوپر آچکا۔

شرح حدیث قولہ، حتی قال القائل انتصف النهار وهو اعلو مطلب یہ ہے کہ پہلے روز آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے ظہر کی نماز زوال کے فوراً بعد بالکل ہی اول وقت میں ادا فرمائی ایسے وقت میں جبکہ بعض لوگوں کو اس بات کا بھی شبہ ہوا کہ پتہ نہیں نصف النہار اور زوال کا وقت ہو گیا یا نہیں، وهو اعلو میں دو احتمال ہیں ایک یہ کہ اس سے مراد حضور صلی اللہ علیہ وسلم ہیں اور مطلب یہ ہے کہ بعض لوگوں کو تو بیشک تردد تھا زوال میں کہ ہوا یا نہیں لیکن حضور صلی اللہ علیہ وسلم خوب جانتے تھے کہ زوال ہو چکا، دوسرا احتمال اس میں یہ ہے کہ فمیر، جو قائل ہی کی طرف راجع ہو اس صورت میں مطلب یہ ہو گا کہ بعض کہنے والے کہتے تھے ازراہ تعجب کہ ظہر کا وقت ہو بھی گیا یا نہیں لیکن وہ کہنے والا جانتا تھا اس بات کو کہ نماز کا وقت ہو گیا، لیکن اس کا یہ کہنا کہ وقت ہو بھی گیا یا نہیں اظہار تعجب کیلئے تھا کہ دیکھئے کتنی جلدی پڑھ رہے ہیں، نیز واضح رہے کہ مسئلہ یہ ہے کہ جب تک آدمی کو نماز کے وقت ہو جانے کا یقین نہ ہو جائے اس وقت تک نماز شروع کرنا جائز نہیں، اور یہاں بعض لوگوں کو گویا ایک قسم کا شک تھا لیکن اصل امام جو ذمہ دار ہے یعنی حضور صلی اللہ علیہ وسلم ان کو وقت ہو جانے کا یقین تھا، لہذا کچھ اشکال نہیں مقتدی امام کے تابع ہوتے ہیں، فاقام الظہر فی وقت العصر الذی کان قبلہ، یعنی دوسرے دن ظہر کی نماز آپ نے اس وقت میں پڑھائی جس وقت پہلے دن عمر پڑھی تھی اس قسم کے الفاظ پہلے بھی آچکے ہیں اور یہ کہ اس سے مالکیہ نے اشتراک وقت پر استدلال کیا ہے اس کا جواب بھی وہاں گزر چکا ہے کہ ایک جگہ شروع کرنا مراد ہے اور ایک جگہ فراغ۔

قال ابو داود وروى سليمان بن موسى عن عطاء عن جابر الخ

کلام مصنف کی تشریح | اوپر جو روایت ابو موسیٰ اشعریؓ کی گزری ہے اس میں وقت مغرب میں اتنا
مذکور تھا یعنی یہ کہ پہلے دن آپ نے اس کو اول وقت میں اور دوسرے دن اس کو
آخر وقت میں پڑھا، مصنف فرماتے ہیں کہ جس طرح اس روایت میں تعدد وقت مذکور تھا اسی طرح حضرت جابرؓ
کی وہ روایت جس کے راوی عطاء بن ابی رباح ہیں اس میں بھی ایسا ہی ہے یعنی تعدد ہے غرض کہ ایک ہی مطلب ہے
قتیبہؒ نے جابرؓ کی ایک روایت تعلیقاً مصنف کے کلام میں اس سے تقریباً آٹھ دس سطر پہلے بھی گزرجی ہے
اس میں جابرؓ سے روایت کرنا والے وہب بن کیسان تھے وہ روایت روایت عطاء عن جابر کے خلاف ہے اس لئے کہ اس
میں بجائے اختلاف کے اتحاد وقت مذکور ہے تو حاصل یہ ہوا کہ جابرؓ سے روایت کرنے والے دو ہیں ایک عطاء دوسرے
وہب بن کیسان، عطاء نے ان سے اختلاف وقت ذکر کیا اور وہب نے اتحاد وقت، لیکن جابرؓ کی گذشتہ روایت
قصہ امامت جبریل میں تھی اور جابرؓ کی یہ روایت سوال سائل والی روایت سے متعلق ہے جیسا کہ پہلے ہی کی روایت
میں اس کی تصریح ہے جس کو حضرت نے بذل میں ذکر کیا ہے یہ مقام ذرا نازک اور تحقیق طلب تھا جو بعد الشرح ہو گئی
وکنہ للک وروی ابن جریرۃ الخ یعنی اختلاف فی وقت المغرب۔

۳۔ حدثنا عبد الله بن معاذ، وقت الظهر والوقت حتى العصر، معلوم ہوا کہ ظہر اور عصر کے وقت کے کسی
جزء میں اشتراک نہیں ہے جس کے مالکیہ قائل ہیں، فہذا دلیل الجہور، ووقت المغرب مالک یسقط فوراً الشفق، اور
مغرب کا وقت اس وقت تک باقی رہتا ہے جب تک شفق کی چمک باقی رہے، بمصادق شفق میں اختلاف پہلے گذر
چکا، ووقت العشاء الی نصف الليل اس سے مراد وقت اختیار و استحباب ہے اور شافعیہ مالکیہ کی ایک روایت
میں عشاء کا وقت نصف لیل تک ہی ہے، کما تقدم، اور ابو سعید اصمغری کا مذہب بھی یہی ہے۔

باب فی وقت صلوٰۃ النبی صلی اللہ علیہ وسلم

نماز کے وقت کی چونکہ ایک ابتداء ہے اور ایک انتہا اس لئے مقصود یہ بیان کرنا ہے کہ آپ صلی اللہ علیہ وسلم
اجزاء وقت میں کسے کس جزء اور حصہ میں نماز پڑھتے تھے آپ کا معمول بیان کرنا مقصود ہے۔

۱۔ حدثنا مسلم بن ابراہیم — قوله کان یصلی الظهر بالمہاجرۃ، آپ صلی اللہ علیہ وسلم ظہر کی نماز دو پہر میں
یعنی اول وقت میں پڑھتے تھے اس کو یا تو معمول کیا جائے زمانہ شتا پر یا بیان جواز پر کہ کبھی آپ ایسا بھی کرتے
تھے اور یا اس کو منسوخ مانا جائے، وجران توجیہات کی یہ ہے تاکہ یہ حدیث حدیث الابراء کے خلاف نہ ہو، ویسے شافعیہ

کے یہاں نماز ظہر اول وقت میں ہی پڑھنا دلی ہے اس کی تفصیل انشاء اللہ باب وقت الظہر میں آئے گی۔ والعمی
والشمس حقیقۃً، آپ صلی اللہ علیہ وسلم عصر ایسے وقت میں پڑھتے تھے کہ سورج کی شعائیں یعنی دھوپ زندہ ہو یعنی
تیزی پر ہو۔ اور یا حیات شمس سے مراد صفار لون ہے والصبح بغلیس، غلے کہتے ہیں اخیر شب کی تاریکی کو جس میں صبح
کی روشنی کی آمیزش ہو اس کی مستقل بحث اختلاف وغیرہ باب وقت الصبح میں آئے گی۔

۲۔ حدثنا حفص بن عمر — قوله عن ابی ہریرۃ، یہ ابو ہریرۃ الاسلمی ہیں نام فضلۃ بن عبیدہ ہے۔

شرح حدیث

ويعلى العمودان احدنا، یعنی آپ عصر کی نماز ایسے وقت میں پڑھتے تھے کہ آدمی آپ کے
ساتھ نماز پڑھ کر اپنے گھر جو شہائے مدینہ یعنی بستی کے آخر میں ہے وہاں چلا جائے اور پھر لوٹ کر دوبارہ
مسجد کی طرف آجائے اس حال میں کہ سورج کی تپش اور تیزی باقی ہو۔ ابوداؤد کی اس حدیث میں جانا اور آنا دونوں مذکور
ہے کہ آدمی اپنے گھر جا کر واپس بھی آجائے تب بھی دھوپ میں تیزی باقی ہو یہ روایت بخاری شریف کی روایت کے خلاف
ہے اس لئے کہ اس میں صرف جانا مذکور ہے واپسی کا ذکر نہیں، ہمارے یہاں امامت جبریل میں جو روایت گزری ہے اس
میں بھی صرف جانا ہی مذکور ہے واپسی کا ذکر نہیں جس کے لفظ یہ ہیں فینصوف الرجل من الصلوة فيأق ذالحليفة
قبل غروب الشمس، لہذا ابوداؤد کی اس روایت کی تاویل کی جائے گی وہ یہ کہ ورجع تفسیر ہے یذهب کی کہ جانے
سے مراد گھر کی طرف واپسی ہے جانا اور آنا دونوں مراد نہیں، یا رجوع کو مال قرار دیا جاتے۔ اسی مذہب راجعاً الی المدینۃ۔

نوم قبل العشاء اور حدیث بعد العشاء کی تفصیل

وكان يَكُونُ النُّومُ قَبْلَهَا، امام ترمذی فرماتے
ہیں اکثر اہل علم کے نزدیک نوم قبل العشاء مکروہ ہے
اور بعضوں کے نزدیک اس میں رخصت ہے اور بعض علماء نے صرف رمضان میں اجازت دی ہے ابن سید الناس فرماتے
ہیں کہ بعض حضرات اس میں تشدد ہیں جیسے عمر، ابن عمر، ابن عباس، اور اسی کو اختیار کیا ہے امام مالک نے، اور بعض
نے اس میں گنجائش رکھی ہے جیسے حضرت علی اور ابو موسیٰ اشعریؓ اور یہی مذہب ہے کوفیین کا، اور امام طحاوی
وغیرہ بعض علماء نے جواز نوم کے لئے شرط لگائی ہے کہ اگر بیدار کرنے کے لئے کسی کو متعین کر دے تب جائز ہے
امام نوویؒ نے امام مالک اور شافعیہ دونوں کا مسلک کراہت لکھا ہے والحدیث بعدها، یعنی عشاء کی
نازکے بعد بات کرنے کو آپ مکروہ سمجھتے تھے، امام نوویؒ نے علماء کا حدیث بعد العشاء کی کراہت پر اتفاق نقل
کیا ہے الایہ کہ کسی امر خیر میں ہو، سعید بن المسیب سے منقول ہے لان انام عن العشاء احادیث من اللغو
بعدها، کہ میں بغیر عشاء پڑھے سو جہاؤں اس کو بہتر سمجھتا ہوں اس سے کہ نماز عشاء کے بعد فضول باتیں کروں،
حضرت عمرؓ بعد عشاء پر لوگوں کی پٹائی کیا کرتے تھے اور فرماتے تھے اَسْمُوْا اَوَّلَ اللَّيْلِ وَنَوْمًا اَخْرَجًا، کہ
شروع رات میں باتیں کر رہے ہو اس کا نتیجہ یہ ہوگا کہ اخیر شب میں سوتے رہ جاؤ گے تہذوف ہوگا۔

لیکن واضح رہے کہ علماء نے اس کراہت کو مقید کیا ہے بیکار اور فضول بات پر، مفید بات جس میں کوئی دینی مصلحت ہو یا علمی مذاکرہ وغیرہ وہ اس میں داخل نہیں، امام ترمذیؒ نے سمر بعد العشاء میں علماء کا اختلاف نقل کیا ہے اور یہ بھی فرمایا ہے کہ اکثر احادیث سے رخصت معلوم ہوتی ہے، اور انہوں نے اس سلسلہ کی ایک حدیث مرفوعہ بھی نقل کی ہے لا سمرا لا یصل اور مسافر، یعنی جو شخص نفلیں پڑھنے کے لئے جاگ رہا ہو اس کو اگر نیند آنے لگے تو اپنے ساتھی سے باتیں کر سکتا ہے ایسے ہی مسافر حالت سفر میں قطع مسافت کی سہولت کے لئے بات کر سکتا ہے، نیز ایک روایت میں معلیٰ اور مسافر کے ساتھ عروس کا بھی اضافہ ہے کہ اپنی دہن کے ساتھ اس کی دل بستگی کے لئے سمر بعد العشاء کی اجازت ہے اسی طرح حضور معلیٰ اللہ علیہ وسلم اور صدیق اکبرؓ دونوں کا سمر بعد العشاء روایات میں موجود ہے امام بخاریؒ نے بھی "باب السمر فی العلم" ترجمہ قائم کیا ہے، غرض کہ منہج کی روایات کو غیر مفید اور غیر ضروری بات کے ساتھ مقید ماننا پڑیگا۔

وكان یصلی الصبح وما یعرف احدنا جلیسة فی یہاں پر نسخے مختلف ہیں بعض نسخوں میں وما یعرف ہے حرف نفی کے ساتھ اور بعض میں ولیرف ہے اور وہی نسخہ زیادہ صحیح ہے جس میں حرف نفی نہیں ہے اسلئے کہ وہ بخاری اور مسلم کی روایات کے موافق ہے، بہر حال مطلب یہ ہے کہ آپ صلی اللہ علیہ وسلم صبح کی نماز ایسے وقت میں پڑھتے تھے کہ آدمی اپنے پاس بیٹھنے والے کی صورت کو دیکھ کر اس کو پہچان سکے اور مانا فیه ہونے کی صورت میں ظاہر ہے کہ اس میں معرفت کی نفی ہوگی کہ نہ پہچان سکے، نسخہ صحیحہ مسلک احناف کے زیادہ قریب ہے جو صبح میں اسفار کے قائل ہیں، ہاں البتہ نماز کے بارے میں آتا ہے ما یعرفن من الغلس، جس پر کلام ہمارے یہاں انشاء اللہ آگے آئے گا، اور اگر یہاں پر نسخہ ما یعرف کو بھی صحیح مانا جائے تو دونوں نسخوں میں تطبیق کی شکل یہ ہوگی کہ عدم معرفت کو نماز شروع کرنے کے وقت پر معمول کیا جائے اور معرفت کی روایت کو نماز سے فارغ ہونے پر۔

باب فی وقت صلوٰۃ الظهر

سردی کے زمانہ میں ظہر کی نماز میں تعمیل بالاتفاق اولیٰ و افضل ہے اور گرمی میں جمہور علماء ائمہ ثلاث جس میں حنفیہ بھی ہیں کے نزدیک تاخیر اولیٰ ہے امام شافعیؒ اس میں جمہور کے ساتھ نہیں ان کے نزدیک گرمی میں استحباب تاخیر چند شرطوں کے ساتھ مقید ہے اول یہ کہ شدت حرارت ہو، و حرارة البلد و جماعت کی نماز ہو منفرد کے لئے نہیں و اتیان من بعد یعنی مسجد فاصلہ پر ہو اس کے لئے لمبی مسافت طے کرنی پڑتی ہو مسجد قریب میں نہیں ان کے نزدیک ان چار شرطوں میں سے ایک بھی مفقود ہو تو پھر تاخیر اولیٰ نہیں۔

امام ترمذی کا مسلک شافعی پر نقد | امام ترمذی مسلک شافعی ہیں کسی مسئلہ میں ان کے خلاف نہیں
بولے لیکن یہاں امام شافعی کی ان شرائط پر انہوں نے جامع
ترمذی میں اعراض کیا ہے کہ یہ شرائط خلاف حدیث ہیں۔

۱۔ حدثنا احمد بن حنبل — قوله كنت اُصلي الظهر..... وأخذ قبضة من العصي الا حضرت جابر فرماتے ہیں
کہ جب میں حضور صلی اللہ علیہ وسلم کے ساتھ ظہر کی نماز پڑھتا تھا تو سٹی میں کنکریاں دبالتا تھا تاکہ وہ ٹھنڈی رہیں اور پھر
جب سجدہ میں جاتا تو ان پر سجدہ کرنے کے لئے ان کو سجدہ کی جگہ رکھ دیتا زمین کی تپش سے بچنے کے لئے، خطاب فرماتے
ہیں کہ اس حدیث سے چند مسئلے معلوم ہوئے، ایک یہ کہ أخذ قبضۃ من الحصى عمل قلیل ہے جو مفید صلوٰۃ نہیں ہے یہ
معلوم ہوا کہ مصلیٰ کو ٹوبہ بلوس پر سجدہ کرنا جائز نہیں اس لئے کہ اگر جائز ہوتا تو پھر اس تکلف یعنی تبرید حصى کی ضرورت
نہوتی، جاننا چاہئے کہ ٹوبہ متصل پر سجدہ کرنا شافعیہ کے یہاں ناجائز اور مفید صلوٰۃ ہے حنفیہ کے یہاں جائز ہے زائد
سے زائد مکروہ ہے، تو خطاب اس حدیث سے اپنے مسلک کو ثابت کرنا چاہ رہے ہیں، ہماری طرف سے جواب یہ
ہے کہ روایات سے سجود علی ٹوبہ المصلی ثابت ہے، لیکن شافعیہ ان روایات کی تاویل یہ کرتے ہیں کہ اس ٹوبہ سے
ٹوبہ متصل اور بلوس مراد نہیں بلکہ ٹوبہ منفصل ہے، ہم کہتے ہیں کہ یہ خلاف ظاہر ہے، صحابہ کرام کے پاس اتنے کپڑے کہاں
تھے پہننے کے لئے الگ بچانے کے لئے الگ، اَوَيْلَكُمْ ذُؤْبَانٌ حدیث یاد کیجئے

شرح حدیث

۲ حدثنا عثمان بن ابی شیبۃ — قوله، فی الصیف ثلاثۃ اقسام الی خمسۃ اقسام
وفی الشتاء خمسۃ اقسام الی سبعۃ اقسام، اس حدیث سے مقصود ظہر کی نماز کے وقت کو
بیان کرنا ہے، پہلے زمانہ میں مروجہ ٹھنڈیاں اور گھنٹے تو تھے نہیں اوقات کا حساب اور ان کی معرفت و تعیین طلوع اور
غروب اور دھوپ و سایہ کے لحاظ سے کرتے تھے، چنانچہ اس حدیث پاک میں ان صحابی نے بھی ظہر کی نماز کے وقت کو
سایہ کی مقدار کے اعتبار سے سمجھایا ہے اور وہ یہ کہ آپ صلی اللہ علیہ وسلم ادا ل صیف (گرمی کی ابتداء) میں نماز ظہر اس وقت
ادا فرماتے تھے جب کہ سایہ تین قدم کے بقدر ہوتا تھا اور شدت صیف میں تاخیر سے پڑھتے تھے یعنی جبکہ سایہ پانچ قدم
کے بقدر ہوتا تھا، یہ بات ایک بدیہی سی ہے جتنی تاخیر ہوگی اتنا ہی سایہ میں اضافہ ہوگا۔

پھر جاننا چاہئے کہ ظل کی دو قسمیں ہیں، ظل اصلی اور ظل زائد، عین نصف النہار کے وقت جو سایہ ہوتا ہے وہ ظل
اصلی کہلاتا ہے اور زوال شمس کے بعد سے جو سایہ بڑھنا شروع ہوتا ہے وہ ظل زائد کہلاتا ہے، دراصل تعمیل و تاخیر کا مدار اسی
ظل زائد پر ہے اس کا زائد ہونا تاخیر پر دلالت کرتا ہے اور کم ہونا تعمیل پر، لیکن اس حدیث میں جو ظل مذکور ہے وہ مطلقاً
ہے اس میں زائد یا اصلی کی قید نہیں، بلکہ مجہول ظل مراد ہے۔

لہذا یہ دیکھا جائیگا کہ اس حدیث میں سایہ کی جو مقدار مذکور ہے اس میں ظل اصلی کتنا ہے اور ظل زائد کتنا تب تعجیل یا تاخیر کا صحیح علم ہو سکے گا۔ لہذا آگے سینے۔

امام خطابی اور سبکی کی رائے کا اختلاف | اس میں علماء کا اختلاف ہے۔ امام خطابیؒ کی رائے یہ ہے کہ حجاز مقدس میں گرمی کے زمانہ میں ظل اصلی تین قدم کے قریب ہوتا ہے لہذا معلوم ہوا کہ اول صیف میں۔ آپ صلی اللہ علیہ وسلم نماز اول وقت میں پڑھتے تھے اور پھر بعد میں شدت حر کے زمانہ میں دو قدم کے بقدر تاخیر فرما کر کل پانچ قدم پڑھتے تھے لاجل الابرار۔

اور اس کے بالمقابل تقی الدین سبکی فرماتے ہیں جیسا کہ شارح ابن رسلان نے ان سے نقل کیا ہے کہ حجاز میں گرمی کے زمانہ میں نصف النہار کے وقت ظل اصلی مطلقاً ہوتا ہی نہیں، لہذا ان کے اس قول کے پیش نظر آپ صلی اللہ علیہ وسلم کا تین قدم کے بقدر سایہ پر نماز پڑھنا یہ تاخیر اور ابرار کے لئے تھا اور پھر بعد میں جب ظل اصلی دو قدم کے بقدر ہونے لگتا تھا تو اس وقت پانچ قدم پر ظہر پڑھتے تھے یعنی ظل زائد اس وقت بھی تین ہی قدم ہوتا تھا حاصل یہ کہ سبکی کے نزدیک آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے ظہر کی نماز مطلقاً اول صیف و آخر صیف میں تین قدم سایہ پر پڑھی اور تین قدم سایہ تقریباً نصف مثل ہوتا ہے (کیونکہ مشہور ہے کہ آدمی کا قد اس کے سات قدم کے بقدر ہوتا ہے) لہذا اس کا مطلب یہ ہوا کہ گرمی میں آپ ظہر کا تقریباً نصف وقت گزار کر نماز پڑھتے تھے (کیونکہ جمہور کے نزدیک ظہر کا وقت ایک ہی مثل پر آ کر ختم ہو جاتا ہے) اور خطابی کی رائے کا تقاضا جو اوپر ہم بیان کر چکے ہیں یہ ہے کہ گرمی کے شروع زمانہ میں آپ ظہر اول وقت میں پڑھتے تھے بدون ابرار کے اور پھر آگے چل کر گرمی کی شدت کے زمانہ میں صرف دو قدم سایہ کے بقدر تاخیر فرماتے، ان شارحین کا یہ اختلاف اس بات پر مبنی ہے کہ ان میں سے ایک کے نزدیک حجاز میں موسم گرما میں ظل اصلی نصف النہار کے وقت تین قدم کے قریب ہوتا ہے اور دوسرے شارح کے نزدیک ہوتا ہی نہیں و ہذا غایۃ التعلیق والتوضیح لہذا المقام واللہ ولی المرام و بیدہ حسن الختام، یہ جو کچھ بیان کیا گیا حدیث کے جزر اول سے متعلق ہے یعنی ظہر کی نماز زمانہ صیف میں، اور حدیث کا جزر ثانی جو شتاء سے متعلق ہے اس میں شارح کا کوئی اختلاف نہیں، حجاز مقدس میں اول شتاء میں ظل اصلی پانچ قدم اور پھر آگے چل کر سات قدم ہو جاتا ہے، اس لئے آپ کی ظہر سردی کے زمانہ میں مطلقاً اول وقت ہوئی اور مسئلہ بھی یہی ہے کہ سردی کے زمانہ میں ظہر کو بالاتفاق اول وقت پڑھنا اولیٰ ہے۔

۳۔ حدثنا ابو داؤد الطیالسی — قوله فاراد المؤذن ان يؤذن الظهر فقال ابو داؤد یہ سفر کا واقعہ ہے حضرت بلالؓ نے ظہر کے لئے اذان کا ارادہ کیا تو آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے ابرار کا حکم فرمایا کہ ابھی ٹھہرو گرمی کی تیزی کم ہونے دو۔ یہاں یہ سوال ہوتا ہے کہ بلالؓ نے تو اذان کا ارادہ کیا تھا اور ابرار یعنی شدت حرارت سے بچنا نماز کے اعتبار

سے ہے نہ کہ اذان کے پھر اذان سے کیوں روکا گیا اس پر حافظہ لکھتے ہیں کہ دراصل علماء کا اس میں اختلاف ہے کہ اذان وقت کے لئے ہوتی ہے یا نماز کے لئے، اور اس حدیث سے تائید ہو رہی ہے ان کی جو کہتے ہیں کہ نماز کے لئے ہے، کرمائی فرماتے ہیں کہ نہیں اذان تو وقت ہی کے لئے ہوتی ہے لیکن چونکہ اس زمانہ میں حضرات صحابہ کی عادت یہ تھی کہ اذان سننے کے بعد پھر حضور للصلوة میں دیر نہیں کرتے تھے اس لئے اذان میں ابراد کا آپ نے حکم دیا، مرتین اوٹلافا حضرت بلالؓ نے کچھ دیر بعد دوبارہ اذان دینے کا ارادہ فرمایا پھر آپ نے وہی فرمایا ابرو پھر آگے شک را دی ہے کہ تیسری مرتبہ بھی آپ کو ابرو فرمانے کی نوبت آئی یا نہیں۔

حتی رأینا فی التلویٰ تلویٰ جمع تلّٰی کی ہے اس کا اطلاق ٹیلے پر ہوتا ہے تو مطلب یہ ہوا کہ پھر حضرت بلالؓ نے اتنی تاخیر کی کہ ہم لوگوں کو ٹیلوں کا سایہ نظر آنے لگا، ٹیلہ منسلج و منسلج چیز ہوتی ہے یعنی پھیلی ہوئی اور دراز اور ایسی چیز کا سایہ زمین پر جلدی پڑنا شروع نہیں ہوتا جیسا کہ مشاہد ہے بلکہ کافی دیر سے ہوتا ہے اور بخاری کی ایک روایت میں تو آتا ہے حتیٰ سادى الظلّ التلویٰ کہ ٹیلوں کا سایہ خود ٹیلوں کے برابر ہو گیا اس سے تو بہت ہی زائد تاخیر معلوم ہوئی ہے جو یقیناً مثیلین کو پہنچ جائے گی جیسا کہ امام اعظمؒ کا مذہب ہے اور جمہور کے یہاں تو ایک ہی مثل پر ظہر کا وقت ختم ہو جاتا ہے، لہذا یہ حدیث وقت ظہر کے بارے میں امام صاحبؒ کی دلیل ہوئی۔

حدیث الباب کی شافعیہ کی طرف سے توجیہات | اسی لئے حضرت شافعیہ اس کی تاویل میں متفکر ہیں خصوصاً روایت بخاری کے لفظ میں، چنانچہ

ما فظ ابن جریر فرماتے ہیں کہ مسادات کا مطلب یہ نہیں کہ ٹیلوں کا سایہ مقدار میں ان کے برابر ہو گیا یعنی مسادات فی المقدار مراد نہیں، بلکہ مسادات فی التحقق والظہور مراد ہے یعنی جیسے ٹیلے موجود تھے اسی طور پر ان کا سایہ بھی پایا جا رہا تھا اور دوسری تاویل حافظ نے یہ کی کہ اس کو جمع بین الصلواتین پر محمول کیا جائے کیونکہ یہ سفر کا واقعہ ہے، لہذا آپ صلی اللہ علیہ وسلم کا قصد ظہر کو وقت عصر میں پڑھنا تھا، انتہی کلام الحافظ، دیکھئے حافظ صاحبؒ کیا فرما رہے ہیں! اسی لئے تو ہم نے کہا تھا کہ یہ امام صاحبؒ کی دلیل ہے ورنہ اس تاویل کی کیا حاجت تھی۔

وقت ظہر الی مثیلین کے بارے میں امام اعظمؒ کے دلائل | امام صاحبؒ کے پاس اور بھی بعض دلائل ہیں مثلاً یہی حدیث الابراد اس لئے کہ ابراد ایک

مثل کے بعد ہی حاصل ہوتا ہے خصوصاً عرب میں (کمافی تقریر شیخ البند) اور اسی طرح وہ مشہور حدیث جو مشکوٰۃ کے اخیر میں باب ثواب ہذہ الامۃ کے ذیل میں مذکور ہے کہ اس امت کی مثال قلت عمل اور کثرت اجر کے بارے میں یہود و نصاریٰ کے مقابلہ میں ایسی ہے جیسے کوئی شخص کام کرانے کے لئے مزدور طلب کرے بعض مزدور کام کریں صبح سے لیکر ظہر تک اور بعض ظہر سے عصر تک اور دونوں کے لئے اجرت ایک ایک دینار تجویز کرے اور بعض مزدوروں کو عصر سے

غروب تک کے لئے بلائے اور ان کے لئے اجرت دو، دو دینار تجویز کرے تو اس سے وہ دونوں گروہ مالک پر ناراض ہوئے کہ یہ کیا بات ہے کہ ہم دونوں کا عمل زائد اور اجرت کم اور تیسرے گروہ کا عمل کم اور اجرت زائد۔ اس کے بعد آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا کہ پہلے دو گروہ مثال ہیں یہود و نصاریٰ کی اور تیسرا گروہ مثال ہے امت محمدیہ کی، اس حدیث سے استدلال اس طور پر ہے کہ عمل کی کمی اور اجرت کی زیادتی جیسی ہو سکتی ہے جب عصر کا وقت مثلیں سے مانا جائے اور اگر ایک مثل سے مانیں تب نہیں، اس کا جواب بعض نے جہور کی طرف سے یہ دیا ہے کہ اگر عصر کے وقت کی ابتداء ایک مثل سے مانی جائے تب بھی عصر کا وقت ظہر کے وقت سے کم ہی رہتا ہے گو معمولی سا ہی فرق ہو، جواب یہ ہے کہ یہ کچھ نہیں، یہ حدیث امثال کے قبیلہ سے ہے مثالیں بہت واضح اور نمایاں ہو کر تھیں، میں ایسا باریک فرق ان میں نہیں چلتا، ان شدۃ الحرور فی جہنم گرمی کی شدت حرارت جہنم کی وسعت اور اس کے انتشار کی وجہ سے ہے اس حدیث کو بعض علماء نے مجاز تشبیہ پر محمول کیا ہے، یعنی یہ سمجھئے کہ موسم گرما میں جو گرمی کی شدت ہوتی ہے وہ جہنم کی حرارت کی طرح ہے لیکن ظاہر یہ ہے کہ یہ کلام اپنی حقیقت پر محمول ہے۔

لما قال المحافظ وغيره من الشراح، اس لئے کہ ایک روایت میں تصریح ہے اشتكت النار الى رحما فاذا ن لها بنفسين الحديث اس سے معلوم ہو رہا ہے کہ جہنم جب باہر کا سانس لیتی ہے تو یہ گرمی اس سے پیدا ہوتی ہے، اور گویا جب اندر کا سانس لیتی ہے تو دنیا میں حرارت کے بجائے برودت پیدا ہوتی ہے یا یہ کہا جائے کہ جہنم کا ایک طبقہ طبقہ زہرہر بھی ہے جس میں شدید قسم کی برودت اور ٹھنڈک ہے، اس طبقہ کے سانس کی وجہ سے دنیا میں سردی ہو جاتی ہے، لہذا قالوا

ایک اشکال و جواب لیکن یہاں پر ایک سوال ہے کہ اگر موسم گرما کی گرمی جہنم کے اثر سے ہے تو وہ بیک وقت تمام عالم کو محیط ہونی چاہئے یہ کیا کہ ایک ہی زمانہ میں کسی اقلیم میں گرمی ہے اور کسی میں سردی

جواب یہ ہے کہ ہر چیز پہلے اپنے مرکز میں پہنچتی ہے، پھر وہاں سے دوسری جگہ پہنچتی ہے تو دنیا میں حرارت کا مرکز جہنم ہے لہذا جہنم کی حرارت جب دنیا کی طرف آتی ہے تو اسکو سورج اپنے اندر پہنچ لیتا ہے اور سورج کو چونکہ زمانہ واحد میں بعض اکثرت سے قریب اور بعض سے بعد ہوتا ہے تو اس سورج کے قریب و بعد کی وجہ سے ایسا ہوتا ہے کہ کہیں گرمی ہے اور کہیں نہیں و اذا اشتد الحر فأبردوا بالصلاة، جو لوگ مطلقاً ابراد کے قائل نہیں وہ حدیث الابراد کی تاویل یہ کرتے ہیں کہ برد النہار کہتے ہیں اول النہار کو، لہذا ابردوا کے معنی یہ ہوئے کہ برد الوقت یعنی اول وقت میں نماز پڑھو، لیکن چونکہ حدیث میں اذا اشتد الحر موجود ہے پھر یہ تاویل کیسے صحیح ہو سکتی ہے اور ایسے ہی قصہ بلال جو اوپر گزرا اس سے صاف معلوم ہو رہا ہے کہ ابراد سے مراد تاخیر ہے۔

۴۔ ان ہلاک کان یؤذن الظہر اذا حضرت الشمس، دحض کے معنی زلزل اور پھٹنے کے ہیں مراد یہاں سورج کا وسط سارے منقول اور زائل ہونا ہے مطلب یہ ہے کہ وہ زوال کے فوراً بعد اذان کہتے تھے اور مسلم کی روایت میں ہے

كان يصلي الظهر اذا حضرت الشمس، امام نودئ فرماتے ہیں اس سے معلوم ہوا کہ ظہر کی نماز میں تقدیم و تعجیل مستحب ہے وہ قال الشافعی والمجہور، میں کہتا ہوں اس مسئلہ میں مجہور اور امام شافعی ہی کا تو اختلاف ہے پھر مجہور کی طرف نسبت کیسے کر دی اس لئے کہ مجہور سردی میں تعجیل اور گرمی میں تاخیر کے قائل ہیں امام شافعی کے یہاں گرمی میں بھی تعجیل ہے الا بشرائط، لہذا مجہور کی جانب سے توجیہ یہ ہوگی یا تو یہ کہا جائے کہ دوام مراد نہیں بلکہ احیانا لبیان الجواز یا یہ کہا جائے ممکن ہے کہ یہ امر بالابراء سے پہلے کا واقعہ ہو، یا زمن شتاء پر محمول کیا جائے، اور علامہ عینی نے اس کا جواب یہ دیا ہے کہ جو شخص ظہر ابراد کے ساتھ پڑھتا ہے اس پر بھی تو یہ بات صادق آتی ہے کہ اس نے زوال شمس کے بعد نماز پڑھی، عینی کی مراد یہ ہے کہ اسکو علی الفور پر محمول نہ کیا جائے بلکہ بعد الفصل تاکہ حدیث ابراد کے خلاف نہ ہو۔

باب فی وقت صلوة العصر

مجہور علماء ائمہ ثلاثہ کے نزدیک عصر میں تعجیل اولیٰ ہے اور حنفیہ کے یہاں تاخیر (قالہ ابن العربی فی شرح الترمذی)

۱۔ حدثنا قتيبة بن سعيد، - قوله وذهب الناهب
الى العوالی والشمس مرتفعة یعنی عوالی مدینہ میں رہنے والے
صحابہ آپ صلی اللہ علیہ وسلم کے ساتھ عصر کی نماز پڑھ کر اپنے

مجہور کا حدیث سے تعجیل عصر پر استدلال
اور حنفیہ کی طرف سے اس کا جواب

گھروں کو واپس ہوتے تھے اور وہاں پہنچنے کے بعد بھی سورج بلند ہوتا تھا اور اس سے اگلی روایت میں آرہا ہے کہ امام زہریؒ فرماتے ہیں کہ عوالی مدینہ سے دو یا تین یا چار میل کی مسافت پر واقع ہے بظاہر مطلب یہ ہے کہ بعض عوالی مدینہ سے دو میل کی مسافت پر ہیں اور بعض چار میل کی جیسا کہ بخاری کی ایک روایت میں اس کی تصریح ہے اور حافظ بعض روایات کے پیش نظر لکھتے ہیں کہ ابعد العوالی چھ میل پر ہے مگر اس روایت کے ثبوت میں حافظ کو تردد ہے کیونکہ بخاری کی روایت کے خلاف ہے، اور مدونہ میں تو امام مالک سے یہ مروی ہے کہ ابعد العوالی تین میل کی مسافت پر ہیں، اور بعض روایات سے یہ بھی معلوم ہوتا ہے کہ زائد سے زائد مسافت آٹھ میل کی ہے (کنانی البذل) اب بخاری کی روایت کو اگر سامنے رکھا جائے تو چار میل سے زائد فاصلہ نہیں تو مطلب یہ ہوا کہ آپ صلی اللہ علیہ وسلم کے ساتھ عصر پڑھنے والے اپنے گھر چار میل پہنچ جاتے تھے پھر بھی سورج کی حرارت، ارتفاع اور بلندی باقی رہتی اس سے یہ سب حضرات یعنی مجہور علماء تعجیل عصر پر استدلال کر رہے ہیں اور یہ کہ عصر کا وقت ایک مثل سے شروع ہو جاتا ہے، ساری طرف سے اس کا جواب لامع میں حضرت گنگوہی نور اللہ مرقدہ سے نقل کیا گیا ہے کہ اس حدیث سے وقت کی تعیین پر استدلال صحیح نہیں اس لئے کہ لوگ اپنی چال اور رفتار میں مختلف ہوتے ہیں، بعض

سربیع السیر اور بعض بطی السیر نیز عوالی کی مقدار بھی بعد کے اعتبار سے مختلف ہے بعض عوالی دو میل پر ہیں اور بعض تین اور بعض چار پر تو ایسی صورت میں کیا استدلال ہو سکتا ہے، حضرت شیخ حاشیہ لامع میں تحریر فرماتے ہیں کہ میرے والد صاحب نور الشرم قدہ فرماتے تھے کہ وہ اپنی طالب علمی کے زمانہ میں جب ان کا قیام نظام الدین میں تھا تو روزانہ دو وقت پڑھنے کے لئے وہاں سے مدرسہ حسین بخش دہلی میں آتے جاتے تھے پیدل آنا جانا ہوتا تھا تو وہ فرماتے تھے کہ میں بستی نظام الدین سے مدرسہ حسین بخش آدھ پون گھنٹے کے درمیان پہنچ جاتا تھا حالانکہ ان دونوں جگہوں کے درمیان مسافت تقریباً ساڑھے تین میل ہے معلوم ہوا کہ سربیع السیر شخص عوالی جتنی مسافت تقریباً نصف گھنٹے میں طے کر لیتا ہے تو اگر عصر کی نماز دو مثل کے بعد پڑھی جائے اور پھر اسپر مزید آدھ گھنٹہ گزر جائے تو بظاہر اربع تفاع شمس پایا جائے گا یہی بات حدیث میں مذکور ہے، کم از کم اتنا تو کہہ ہی سکتے ہیں کہ اس حدیث کا مفید تعمیل ہونا متیقن نہیں یہی بات امام ابو بکر جصاص رازی نے بھی احکام القرآن میں لکھی ہے چنانچہ حضرت شیخ ادرجزیہ میں لکھتے ہیں وقال الرازی فی الاحکام لایکن الوقوف منہ علی مقدار معلوم من الوقت لانہ علی المسافۃ والسرعة فی المشی۔

حدیث کی شرح اور طریق استدلال قوله کان یصلی العصر والشمس فی حجب تھا قبل ان تظہر، حضرت عائشہ فرماتی ہیں کہ آپ صلی اللہ علیہ وسلم عصر کی نماز پڑھتے تھے ایسے وقت میں کہ دھوپ ان کے حجرے کے صحن میں موجود ہوتی تھی قبل اس کے کہ دھوپ دیواروں پر چڑھے تظہر ظہور سے ہے جس کے معنی یہاں صعود اور علو کے ہیں، کمافی قولہ تعالیٰ، وَمَتَّاعِجَ غُلَیْہَا یَظْہَرُونَ یہ حدیث متفق علیہ ہے اور بظاہر تعمیل عصر بہر دلالت کر رہی ہے اور یہ کہ عصر کا وقت ایک مثل سے شروع ہو جاتا ہے بھی تو دھوپ حجرے کے اندر ہوتی تھی ورنہ تاخیر سے پڑھنے کی صورت میں حجرے میں دھوپ کیسے ہو سکتی ہے، امام طحاوی اس پر فرماتے ہیں کہ اس حدیث سے تعمیل پر استدلال صحیح نہیں اس لئے کہ حجرے کی دیواریں قصیر چھوٹی اور انچی تھیں اور جس مکان کی دیواریں چھوٹی چھوٹی اور پست ہوں اس میں تو سورج کی دھوپ شام تک رہتی ہی ہے۔ ہاں دیواروں کے بلند ہونے کی صورت میں دھوپ کا مکان کے صحن میں ہونا یقیناً تعمیل کو مقتضی ہے اور یہاں ایسا نہ تھا، الحاصل یہ کہ اس حدیث سے تعمیل پر استدلال طول مدراں پر موقوف ہے اور ایسا ہے، نہیں، اور یہی بات صاحب بدائع نے بھی فرمائی ہے کمافی الاوجز اس پر جمہور نے کہا کہ صرف دیواروں کا پست ہونا تاخیر کے لئے کافی نہیں ہے جب تک اس کے ساتھ دوسری چیز نہ پائی جائے یعنی اتساع صحن (صحن کا کشادہ ہونا) اور وہ یہاں مفقود ہے جیسے دیواریں اونچی نہیں تھیں ایسے ہی صحن حجرہ وسیع بھی نہ تھا، فمیسئدہ لادلالۃ فیہ علی التأخیر، جانتا چاہئے کہ حضرت شیخ ادرجزیہ میں لکھتے ہیں کہ یہ سب قیل وقال تو اس صورت میں ہے جبکہ حدیث میں دھوپ سے مراد وہ دھوپ لیجائے جو چھتوں کے اوپر سے آرہی ہو اور اگر اس سے مراد وہ دھوپ لیجائے جو حجرہ شریفہ کے دروازے کی

جانب سے آرہی ہو اس لئے کہ باب حجرہ غربی تھا تو پھر اس ساری بحث کی حاجت ہی نہ ہوگی اور اس صورت میں حدیث کی دلالت بجائے تعجیل کے تاخیر پر اظہر ہوگی۔

۳۔ عن علی بن شیبان فكان يؤخر العصر ما دامت الشمس بيضاء نقية، علی بن شیبان کی یہ حدیث تاخیر عصر کے بارے میں مرجح ہے حنفیہ کے پاس اور بھی دلائل ہیں جو کتب فقہیہ اور شروح حدیث میں مذکور ہیں، حضرت نے بھی بدل میں اس جگہ لکھے ہیں حضرت شیخ نے اپنی تصنیفات میں لکھا ہے اور درس میں بھی فرمایا کرتے تھے کہ حنفیہ کی اول نظر قرآن پر جاتی ہے وہ اختلاف روایات کے وقت اس روایت کو لیتے ہیں جو اوفق بالقرآن ہو اور تاخیر عصر کی روایات اوفق بالقرآن ہیں فَصَبَّحَ بِحَمْدِ رَبِّكَ قَبْلَ طُلُوعِ الشَّمْسِ وَقَبْلَ غُرُوبِهَا، حضرت فرماتے تھے کہ اس آیت کا مقتضی تاخیر فی الفجر والعصر ہے جیسا کہ حنفیہ کا مسلک ہے۔ امام محمد مؤطا میں فرماتے ہیں کہ بعض ائمہ سے منقول ہے انہما سمی العصر عصراً لانها تعص وتؤخر صاحب منہل نے حدیث الباب کا جواب چہرہ کی طرف سے التعلیق المحمد (حاشیہ مؤطا محمد) سے یہ نقل کیا ہے کہ یہ حدیث ضعیف ہے اس لئے کہ اس کے راوی یزید بن عبد الرحمن ہیں جو چہرہ کی طرف سے

بَابُ فِي الصَّلَاةِ الْوَسْطَى

۱۔ حدثنا عثمان بن ابي شيبة الزبيدي، بذيال الجهود کے نسخے میں اس جگہ باب نہیں ہے بلکہ اس میں یہ حدیث باب سابق کے تحت میں ہے، عن عبيدة عن علي، یہ عبيدة بن العباس ہے اس سے مراد عبیدہ سلمانی ہیں، سلمان ایک قبیلہ کا نام ہے یہ حضرت علی اور ابن مسعود کے مشہور اصحاب میں سے ہیں قال يوم الغندق حبسونا عن صلاة العصر غزوة خندق ذيقعدہ مشہور میں پیش آیا اور امام بخاری کی رائے ہے کہ شوال ۳۳ھ میں چونکہ اس غزوہ میں مدینہ کے ارد گرد خندق کھودی گئی تھی اس لئے اس کو غزوة الخندق کہتے ہیں اور غزوة الاحزاب بھی اسی کو کہتے ہیں، کیونکہ مشرکین کے بہت سے قبائل جس میں یہود مدینہ بھی شامل ہو گئے تھے مدینہ پر چڑھ آئے تھے، مشرکین کی تعداد دس ہزار اور مسلمانوں کی تین ہزار تھی اس کے باوجود بحمد اللہ مسلمانوں کو کوئی نقصان نہیں پہنچا، انتہائی تیز ہوا پل جس نے کھانے کی ہانڈیوں اور چوہوں میں جو آگ جل رہی تھی سب کو اٹھا کر پھینک دیا اس کے علاوہ اور بھی چیزیں پائی گئیں جس سے مشرکین پریشان ہو کر بھاگ گئے، اس حدیث میں آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم فرما رہے

لہ واضح رہے کہ اہل مدینہ کا قبلہ بجانب جنوب ہے اور حجرہ عائشہ شرقی جانب اور مسجد نبوی غرب میں ہے اسی طرف حجرہ کا دروازہ ہے اس لئے جب حجرہ کا دروازہ کھلا ہوگا تو مسجد کی جانب سے حجرہ میں دھوپ داخل ہوگی۔ ۱۲۔

ہیں کہ مشرکین نے ہم کو صلوٰۃ وسطیٰ یعنی صلوٰۃ عصر پڑھنے سے روک دیا (حتیٰ کہ وہ قضا ہو گئی)

ملا اللہ بیوتہم و قبورہم ناراً۔ اللہ تعالیٰ ان کے گھروں اور قبروں کو آگ سے بھرے، اہل احیاء کے اعتبار سے ہے اور ثانی اموات کے اعتبار سے۔ اس حدیث سے معلوم ہو رہا ہے کہ صلوٰۃ وسطیٰ کا مصداق صلوٰۃ عصر ہے مسئلہ مختلف فیہ ہے اس میں تقریباً بیس قول ہیں بذل میں علامہ عینی کے حوالہ سے مذکور ہیں لیکن زیادہ معروف ان میں تین ہیں جن کو امام ترمذیؒ نے ذکر کیا ہے۔ ۱۔ اس کا مصداق صلوٰۃ العصر ہے۔ یہی حنفیہ حنابلہ کا مشہور قول ہے اسی کو امام نوویؒ اور حافظ ابن حجرؒ نے رائج قرار دیا ہے۔ امام ترمذیؒ فرماتے ہیں وہو قول اکثر العلماء۔ ترمذیؒ میں حضرت سمرہ بن جندب اور عبداللہ بن مسعود دونوں سے مرفوعاً۔ یہی مروی ہے ۲۔ اس کا مصداق صلوٰۃ الفجر ہے اسی کے قائل ہیں ابن عباسؓ اور ابن عمرؓ اور یہی منقول ہے امام شافعیؒ اور مالک سے ۳۔ اس کا مصداق صلوٰۃ ظہر ہے یہ زید بن ثابتؓ اور عائشہؓ سے منقول ہے، وروایت عن الامام الاعظم، علماء کا اس میں بھی اختلاف ہے کہ وسطیٰ، وسط بسکون السین بمعنی درمیان سے ماخوذ ہے یا وسط بفتح السین بمعنی فضیلت سے۔

غزوہ خندق میں فائتہ نمازوں کی تعداد | ابو داؤد کی اس حدیث سے معلوم ہو رہا ہے کہ غزوہ خندق

میں آپؐ کی صرف ایک نماز یعنی عصر فوت ہوئی صحیحین کی روایت سے بھی۔ یہی ثابت ہے لیکن ترمذیؒ اور نسائیؒ وغیرہ سنن کی روایات دو طرح کی ہیں بعض میں صرف عصر کے فوت ہونے کا ذکر ہے اور بعض میں چار نمازوں کے ظہر، عصر، مغرب، عشاء۔ یہ سب نمازیں عشاء کے وقت میں پڑھی گئیں عشاء کی نماز بھی چونکہ معمول سے مؤخر ہو گئی تھی اس لئے راوی نے اس کو بھی قضا کہہ دیا۔ یہ بظاہر تعارض ہے ایک اور چار کا۔ اس کی تطبیق دو طرح کی گئی ہے۔ بعض ترجیح کی طرف مائل ہوئے ہیں جیسے ابن العربیؒ انھوں نے صحیحین کی روایت کو ترجیح دیتے ہوئے کہا کہ آپؐ صلی اللہ علیہ وسلم کی صرف عصر کی نماز فوت ہوئی تھی اور سنن کی روایات کو انھوں نے ضعیف اور منقطع لکھا ہے اور بعض نے جمع بین الروایتین کو اختیار کیا اور یہی رائے حضرت گنگوہیؒ کی کو کتب میں ہے کہ دونوں روایتیں صحیح ہیں کہ کسی دن ایسا ہوا کہ صرف ایک نماز فوت ہوئی اور کسی دن چار نمازیں اس لئے کہ غزوہ خندق میں مقابلہ کئی روز تک چلتا رہا بعض نے چوبیس دن لکھے ہیں۔

ایک سوال یہاں یہ ہوتا ہے کہ آپؐ صلی اللہ علیہ وسلم نے اس موقع پر صلوٰۃ الخوف کیوں نہ پڑھی تاکہ نمازوں کے قضا ہونے کی نوبت نہ آتی اس کے دو جواب دئے گئے ہیں اول یہ کہ اس وقت تک صلوٰۃ الخوف مشروع ہی نہ ہوئی تھی اس لئے کہ صلوٰۃ الخوف کی مشروعیت یوم عسفان میں ہوئی ہے (کہا ہو مصرح فی روایت ابی داؤد) اور غزوہ عسفان بعد الخندق ہے اور دوسرا جواب یہ ہے کہ آپؐ صلی اللہ علیہ وسلم کو صلوٰۃ الخوف پڑھنے کی بھی قدرت نہ ہوئی استیلاء عدو کی وجہ سے کہ کفار جمیع جوانب سے احاطہ کئے ہوئے تھے۔

۲۔ حد ثنا القعنبی — قوله فاملت علی محافظوا علی الصلوات والصلوة الوسطی و صلوة العصى. املت تشدید لام سے بھی ہو سکتا ہے المائل سے اور سکون لام کے ساتھ بھی ہو سکتا ہے المار سے مضمون حدیث یہ ہے کہ ابو یونس جو حضرت عائشہؓ کے غلام تھے کہتے ہیں کہ مجھ کو حضرت عائشہؓ نے حکم دیا کہ میں ان کے لئے ایک مصحف شریف لے کر آؤں اور یہ فرمایا کہ جب لکھتے لکھتے اس آیت پر پہنچو حافظوا علی الصلوات والصلوة الوسطی، تو مجھے خبر کرنا پانچ انھوں نے خبر کی تو عائشہؓ نے فرمایا کہ اس طرح لکھو جس طرح اوپر روایت میں گذرا جس میں صلوة وسطی کے بعد صلوة العصر کا اضافہ ہے۔ اور انھوں نے یہ بھی فرمایا کہ میں نے حضور صلی اللہ علیہ وسلم سے یہ آیت اسی طرح سنی ہے، حضرت عائشہؓ کی اس قرارت میں دو احتمال ہیں ایک یہ کہ یہ عطف مغایرت کے لئے ہو دوسرا احتمال یہ کہ تفسیر کے لئے ہو۔ حضرت عائشہؓ کا مسلک پہلے گذر چکا کہ ان کے نزدیک صلوة وسطی کا مصداق ظہر ہے اس کا تقاضا تو یہی ہے کہ اس عطف کو مغایرت کے لئے مانا جائے، یہاں پر دوسری بات یہ ہے کہ حضرت عائشہؓ نے جو اضافہ کرایا ہے اگر یہ انھوں نے بطور تسرۃ کرایا ہے تو یہ بالاتفاق قرارة شاذہ ہوگی ممکن ہے شروع میں یہ قراۃ رہی ہو جس کے نسخ کا علم عائشہؓ کو نہ ہو سکا، اور یہ بھی ممکن ہے کہ انھوں نے یہ اضافہ بطور تفسیر کرایا ہو اور آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے بھی یہ لفظ بطور تفسیر ہی فرمایا ہو۔ بعض صحابہ الفاظ تفسیر یہ کے مصحف میں لکھنے کے جواز کے قائل تھے ہو سکتا ہے یہ بھی اسی میں سے ہو

۳۔ حد ثنا محمد بن المثنی — قوله عن زید بن ثابت الخ حضرت زید بن ثابت فرماتے ہیں کہ آپ صلی اللہ علیہ وسلم ظہر عین دو پہر اور شدت حر کے وقت پڑھتے تھے، اسی لئے صحابہ کرام پر کوئی نماز اس سے زیادہ شاق نہیں تھی، اس نماز میں ان کو بہت مشقت اٹھان پڑتی تھی اس پر یہ آیت، حافظوا علی الصلوات نازل ہوئی، زید بن ثابت کی اس حدیث سے معلوم ہو رہا ہے کہ صلوة وسطی کا مصداق ظہر ہے۔

وقال ان قبلها صلوٰتین و بعدھا صلوٰتین، حدیث کا یہ ٹکڑا موقوف بھی ہو سکتا ہے اور مرفوع بھی، یعنی قال کی ضمیر ہو سکتا ہے کہ حضور کی طرف راجع ہو، ہو سکتا ہے صحابی کی طرف راجع ہو، ظہر کے صلوة وسطی ہونے کی وجہ تسمیہ بیان کر رہے ہیں وہ یہ کہ یہ پنج کی نماز ہے دو اس سے پہلے ہیں دو اس کے بعد میں لیکن اس پر اشکال ہے کہ یہ بات تو ہر نماز پر صادق آ سکتی ہے جس نماز کو بھی آپ لیں گے دو اس سے پہلے ہوں گی دو اس کے بعد میں کیونکہ کل پانچ نمازیں ہیں جواب یہ ہے کہ مراد انکی یہ ہے کہ بعض نمازیں قبل ہیں اور بعض نہاری ظہر کی نماز پر یہ بات صادق آتی ہے کہ اس سے پہلے ایک نماز لیلی ہے اور ایک نہاری اور ایسے ہی اس کے بعد میں ایک لیلیہ ہے اور ایک نہاری یہ بات کسی اور نماز پر صادق نہیں آتی۔

باب من ادرك ركعة من الصلاة فقد ادركها

بذل المجہود کے نسخے میں یہاں پر یہ باب بھی نہیں ہے بلکہ اس میں یہ تمام احادیث باب سابق یعنی باب فی وقت صلاۃ العصر کے تحت لائی گئی ہیں۔

حدیث کی تشریح اور مسلک احناف کی تحقیق | حدثنا الحسن بن الربیع - قوله من ادرك ركعة من العصر ركعة قبل ان تغرب الشمس الخ یہ حدیث متفق علیہ ہے

بلکہ جملہ صحاح ستہ میں ہے اس حدیث کا بظاہر مقتضی یہ ہے کہ اگر عصر کی نماز کے درمیان غروب شمس اور ایسے ہی صبح کی نماز میں طلوع شمس ہو جائے تو دونوں نمازیں صحیح ہو جاتی چاہیں، چنانچہ جمہور اور ائمہ ثلاث کا مذہب یہی ہے، حنفیہ نماز عصر میں تو اسی کے قائل ہیں کہ وہ صحیح ہو جائے گی لیکن نماز فجر کے بارے میں کہتے ہیں کہ وہ صحیح نہوگی اس لئے جمہور حنفیہ کو عمل بعض الحدیث کا الزام دیتے ہیں کہ آپ بعض حدیث پر عمل کر رہے ہیں اور بعض کو ترک کر رہے ہیں حنفیہ اس کا جواب یہ دیتے ہیں کہ یہ الزام ہم پر اس وقت صحیح ہو سکتا ہے جب حدیث کا مفہوم ہمارے نزدیک بھی وہی ہو جو آپ نے سمجھا، ہمارے نزدیک حدیث وہ مفہوم ہی نہیں واذا لیس فلیس جمہور کے نزدیک تو ادراک سے مراد ادراک من حیث الفعل ہے یعنی نماز پڑھنا مراد ہے، اور ہم یہ کہتے ہیں کہ ادراک سے مراد ادراک من حیث الوقت والوجوب ہے یعنی جس نے ایک رکعت کے بعد عصر یا فجر کا وقت پالیا اس نے وجوب صلوٰۃ کو پالیا اس کے ذمہ میں یہ دونوں نمازیں واجب ہو گئیں، جیسے صبی ایسے وقت میں بالغ ہو یا کافر ایسے وقت میں اسلام لائے یا حاضر ایسے وقت میں حیض سے فارغ ہو کر ظاہر ہو کہ ایک رکعت کے بعد وقت باقی ہو تو ان سب لوگوں پر نماز کا وجوب ہو جائیگا اپنے اپنے وقت میں اس نماز کو ادا کریں، حنفیہ کی طرف سے یہ توجیہ مشہور ہے جس کو امام طحاویؒ نے اختیار کیا ہے اگر کوئی احناف سے یہ سوال کرے کہ آخر آپ یہ معنی کیوں مراد لیتے ہیں حدیث کو اس کے متبادر معنی پر کیوں محمول نہیں کرتے، اس کا ایک جواب تو یہ ہے کہ یہ حدیث اپنے متبادر اور ظاہری معنی

مطابق امام ترمذیؒ فرماتے ہیں یہ حدیث صاحب عذر پر محمول ہے عذر تو م یا نسیان پس اگر کوئی شخص نوم سے ایسے وقت بیدار ہو کہ صبح کی نماز میں صرف ایک رکعت کے بعد وقت باقی رہ گیا تھا ایسے ہی عصر میں اور اس نے اسی حالت میں نماز پڑھ لی تو اس کی نماز درست ہو گئی اھ لیکن اس میں یہ غلطی ہے کہ ایسے شخص کا حکم تو دوسری حدیث میں مذکور ہے من نام عن صلاۃ او نسیہا فلیصلہا اذا ذکرہا، الحدیث پس شخص مذکور کا حکم تو یہ ہے کہ اس کو ہر حال میں نماز پڑھنی ہے ادراک رکعت کی قیاد میں کیوں ہے لہذا اس حدیث کا مطلب وہی صحیح معلوم ہوتا ہے جو امام طحاویؒ نے بیان کیا کہ یہ حدیث اس شخص پر محمول ہے جو ایسے وقت میں اسلام لایا، یا حاضر پاک ہوئی یا صبی بالغ ہوا لہذا ان تینوں پر ادراک رکعت یا ادراک تحریمہ سے نماز میں واجب ہو جائیگی۔ لے اور جس روایت میں فقد ادرك الصلاۃ کے بجائے فلیتصل صلوٰۃ وارد ہے جیسا کہ بخاری شریف کی ایک روایت میں ہے یعنی ایسے شخص کو چاہئے کہ وہ اپنی نماز کو پورا کرے یہ روایت حنفیہ کی توجیہ کے خلاف ہے اس کا جواب یہ ہے کہ اس سے مراد فلیؤدھا علی وجہ التمام ہو یعنی بعد میں اس نماز کو کامل ادا کرے اور اگر یہی مراد ہے کہ اسی وقت پورا کرے تو پھر ہم یہ کہیں گے کہ یہ حدیث احادیث منع عن الصلاۃ عند الطلوع کے خلاف ہے محرم و صبح میں جب تعارض ہوتا ہے تو محرم کو ترجیح ہوتی ہے۔

ہر کسی کے نزدیک بھی محمول نہیں اسلئے کہ ظاہر حدیث کا تقاضا یہ ہے کہ جن شخص نے فجر یا عصر کی ایک رکعت پڑھی اور درمیان میں سورج طلوع یا غروب ہو گیا تو بس اس نے نماز کو پایا گویا آگے باقی رکعات پڑھنے کی ضرورت ہی نہیں لہذا حدیث بالا جماع مؤول ہوئی اس لئے ہم نے حدیث کے وہ معنی لئے جو اوپر مذکور ہوئے تاکہ یہ حدیث حدیث النہی عن الصلوۃ عند الطلوع کے خلاف نہ ہو اگر ہم وہی معنی مراد لیں جو آپ نے لئے تو اس صورت میں واقعی عمل بعض الحدیث ہوگا، سو اس کا جواب ہماری طرف سے اہل اصول نے یہ دیا ہے کہ قاعدہ یہ ہے کہ آیات قرآنیہ کے تعارض کے وقت حدیث کی طرف اور احادیث کے تعارض کے وقت قیاس کی طرف رجوع کیا جاتا ہے اب یہاں چونکہ یہ حدیث، حدیث النہی عن الصلوۃ کے خلاف ہے تو اس لئے ہم قیاس کی طرف رجوع کریں گے اور قیاس کا تقاضا یہ ہے کہ عصر کی نماز تو صحیح ہو جائے اور فجر صحیح ہو فعلنا بالقیاس، اور وہ قیاس یہ ہے کہ نماز کا سبب وجوب وقت ہے لیکن پورا وقت نہیں بلکہ جز متصل بالتحريم، اور نیز قاعدہ کی بات ہے کہ جیسا سبب ہوتا ہے ایسا ہی مسبب، اگر سبب کامل ہے تو مسبب کو بھی علی وجہ الکمال ادا کرنا ضروری ہوگا اور اگر سبب ناقص ہے تو مسبب بھی ناقص ہی واجب ہوگا، اب ہم دیکھتے ہیں کہ عصر کی نماز کا کچھ وقت تو کامل ہے اور کچھ ناقص، آخر وقت یعنی وقت اصفر ناقص ہے تو جو شخص عصر کو اس کے آخری وقت میں شروع کر رہا ہے ظاہر ہے کہ یہاں سبب وجوب ناقص پایا گیا لہذا اس شخص پر مامور بہ ناقص ہی واجب ہوا ایسی صورت میں ادارنا ناقص سے ہی بری الذمہ ہو جائے گا اس کے بالمقابل فجر کا پورا وقت کامل ہے وہاں جس شخص نے فجر کی نماز آخر وقت میں شروع کی تو جو وقت متصل بالتحريم ہے وہ کامل ہے لہذا مامور بہ بھی اسکے ذمہ کامل واجب ہوا اور گویا اس نے اپنے اوپر ادا کر کامل ہی کا التزام کیا حالانکہ درمیان میں طلوع شمس کی وجہ سے مامور بہ میں نقصان واقع ہو گیا، لہذا یہ شخص اس ادارنا ناقص کے ذریعہ عہدہ برآ ہوگا۔

حنفیہ کی توجیہ پر خود ان کے قاعدہ کی مخالفت کا اشکال

یہاں پر یہ غلبان ہوتا ہے کہ اصول منفیہ میں یہ بات ہے کہ نئی فساد منہی عنہ کو مستلزم نہیں، النہی عن الافعال الشرعیۃ یقتضی تقریراً، لہذا صلوۃ عند الطلوع جس پر نہی وارد ہوئی ہے وہ آپ کے نزدیک فاسد ہی نہوتی چاہئے، لیکن مذکورہ

بالا تقریر و تعبیر پر یہ شبہ عائد ہی نہیں ہوتا اس لئے کہ ہم اس نماز کو فاسد نہیں کہہ رہے ہیں بلکہ ناقص یا فاسد من حیث الفرض لا مطلقاً، چنانچہ امام صاحب فرماتے ہیں کہ اس کی فرض نماز ادا نہ ہوگی نفل نماز ہو سکتی ہے اور یہی رائے امام ابو یوسف کی ہے البتہ امام محمد کے نزدیک نماز فاسد ہو جاتی ہے، لکن فی معارف السنن عن البدائع و مبسوط الخسی اسی طرح ایام منہیہ میں صوم گو ہمارے یہاں اسی اصول کے پیش نظر صحیح ہو جاتا ہے لیکن نذر مطلق کا روزہ اگر ایام منہیہ میں رکھے گا تو اس سے بھی عہدہ برآ ہوگا، ہاں اگر ایام منہیہ ہی سے نذر معلق ہو تو اس صورت میں نذر پوری ہو جائیگی غرضیکہ ادارنا مامور بہ حسب التزام مکلف ہونا چاہئے۔

مذکورہ بالا جواب پر جمہور نے یہ کہا کہ آپ کا یہ کہنا کہ حدیث الباب اور حدیث النبی عن الصلوۃ میں تعارض ہے ایسا نہیں۔ حدیث النبی عن الصلوۃ نوافل پر محمول ہے اور یہ حدیث ادراک فرض نماز پر فلا تعارض بین الحدیثین اس کا جواب حضرت سہارنپوریؒ نے بذل میں علامہ عینیؒ سے یہ نقل فرمایا ہے کہ لیلۃ التعلیس کا واقعہ جس میں آپؐ کی فرض نماز قضا ہوئی تھی اس موقع پر آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرض نماز بھی وقت مکروہ میں نہیں پڑھی بلکہ اس دادی سے گزر جانے کے بعد ارتفاع شمس کے بعد پڑھی۔ روایت میں آتا ہے حقاً اذا تعالت الشمس الخ اور ایک روایت میں ہے حقاً استقلت الشمس معلوم ہوا کہ فرض نماز بھی اوقات ہنسیہ میں پڑھنی ممنوع ہے۔ جمہور کہتے ہیں اس دادی سے منتقل ہو کر آگے پہنچ کر نماز پڑھنے کی وجہ یہ نہیں جو آپؐ کہہ رہے ہیں بلکہ اس کی علت وہ ہے جس کی تصریح حدیث مرفوعہ میں ہے ان هذا وادحقضوفیہ الشیطان۔ جواب یہ ہے کہ دونوں علتوں میں تضاد کیا ہے ایک نفل کی متعدد مصالح ہو سکتی ہیں ایک کا ذکر آپؐ کے کلام میں ہے اور دوسری کا صحابی کے کلام میں۔

یہ تمام تقریر حضرت سہارنپوریؒ نے بذل الجہود میں علامہ عینیؒ کے کلام سے نقل فرمائی ہے اور اس پر حضرت نے کوئی غلبان ظاہر نہیں فرمایا البتہ حضرت اقدس گنگوہیؒ قدس سرہ نے الکوکب الدرکی میں احناف کی توجیہات کو قبول نہیں فرمایا لیکن اس کے حاشیہ میں حضرت شیخؒ نے فقہاء احناف کی بات کی طرف ہی اپنا میلان ظاہر فرمایا ہے، دراصل ہمارے فقہاء قبل الشرح مسامحہ میں نے نظر عقل اور قیاس کی مدد سے ان احادیث مختلفہ کے درمیان توجیہ و تطبیق فرما کر عمل بالمحدیث کی محتاط شکل نکالی ہے نہ یہ کہ قیاس کے مقابلہ میں کسی حدیث کو ترک کیا ہے ہمارے مسلک میں احتیاط کا ہونا مذہب جمہور کی نسبت ظاہر ہے یہاں پر ایک بات رہ گئی کہ حدیث میں ہے من ادرك رکعةً تو اگر کسی کو ایک رکعت سے کم ملے اس کا حکم کیا ہے، سو یہ مسئلہ مختلف فیہ ہے، حنفیہ کہتے ہیں کہ اس سے مراد بعض صلوۃ ہے پوری رکعت کی قید نہیں، چنانچہ اگر تکبیر تحریمہ کے بعد بھی وقت پائے تب بھی معتبر ہے ذمہ میں وجوب ہو جائے گا، امام شافعیؒ کے اس میں دو قول ہیں ایک یہ کہ مادون الركعت معتبر نہیں اور اسی کے قائل ہیں امام مالکؒ، اور امام شافعیؒ کا اصح قول یہ ہے کہ معتبر ہے جیسا کہ حنفیہ کے یہاں، گویا یہ قید مالکیہ کے یہاں احترازی ہوئی اور حنفیہ شافعیہ کے یہاں بطور مثال کے۔

شرح حدیث

۲۔ حدثنا القعنبی — قوله دخلنا علی ابن مالک، علامہ ابن عبد الرحمن کہتے ہیں کہ ہم

حضرت انسؓ کی خدمت میں ان کے مکان پر گئے یہ بصرہ کا واقعہ ہے جہاں پر حضرت انسؓ کا قیام تھا یہ حدیث مسلم میں بھی ہے اور اس میں یہ بھی ہے وداعة بجانب المسجد، کہ ان کا مکان مسجد کے قریب ہی تھا بعد الظهر فقام یصلی العصر الخ یعنی ہم ظہر کی نماز پڑھ کر ان کی خدمت میں پہنچے تھے تو ہمارے پہنچنے کے کچھ ہی دیر بعد وہ عصر کی نماز پڑھنے کے لئے کھڑے ہو گئے، مسلم کی ایک روایت میں ہے کہ ہم ظہر کی نماز مسجد میں حضرت عمر بن عبد العزیزؓ کے ساتھ پڑھ کر حضرت انسؓ کی خدمت میں گئے انھوں نے ہم سے پوچھا کہ کیا عصر پڑھ چکے ہو ہم نے عرض کیا کہ ہم تو

ابھی ظہر پڑھ کر آرہے ہیں یعنی عصر ابھی نہیں پڑھی تو انہوں نے فرمایا کہ چلو عصر پڑھیں چنانچہ ہم نے ان کے ساتھ عصر کی نماز ادا کر لی۔

فلما فرغ من صلوٰتہ ذکرنا تعجیل الصلوٰۃ اذ ذکرھا۔ یعنی نماز سے فارغ ہونے کے بعد ہم نے ان سے سوال کیا یا بغیر سوال کے خود انہوں نے ہم سے بیان کیا، (راوی کو اس میں شک ہے) عصر کی نماز اتنی جلدی پڑھنے کے باوجود میں سمعت رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم الخ یعنی آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا کہ یہ جو عصر کی نماز دیر سے پڑھی جاتی ہے منافقوں کی نماز ہے منافق لوگ اس کو وقت سے ٹلا کر پڑھتے ہیں یہ لوگ بیٹھے رہتے ہیں جان بوجھ کر نماز میں دیر کرتے ہیں (کیونکہ بوجہ اتفاق اعتقاد ثواب تو ہے ہی نہیں) یہاں تک کہ جب دھوپ میں صغرت آ جاتی ہے اور وقت مکروہ شروع ہو جاتا ہے تب پڑھتے ہیں۔

حدیث میں دو بحثیں | اس حدیث سے دو باتیں معلوم ہوئیں ایک حضرت عمر بن عبدالعزیز کا ظہر کو تاخیر سے پڑھنا دوسرے حضرت انس کا بجائے مسجد کے اپنے گھر میں عصر اول وقت ادا کرنا، شرح نے لکھا ہے کہ شروع میں عمر بن عبدالعزیز بھی تاخیر سے نماز پڑھتے تھے جیسا کہ اس زمانہ کے امراء بڑا امیہ کی عادت تھی لیکن پھر بعد میں عمر بن عبدالعزیز طریقہ سنت معلوم ہونے کے بعد تقدیم کرنے لگے تھے، نیز لکھا ہے کہ یہ واقعہ ان کے دور خلافت کا نہیں بلکہ اس وقت کا ہے جبکہ وہ ولید کی جانب سے مدینہ منورہ کے نائب امیر اور گورنر تھے اور یہ اس لئے کہ حضرت انس نے ان کی خلافت کا زمانہ پایا ہی نہیں بلکہ حضرت انسؓ ان کے خلیفہ بننے سے آٹھ دس سال پہلے وفات پا چکے تھے اور زمانہ خلافت میں تو ان کا حال انابت الی اللہ اور عبادت میں اہتمام و اہتمام مشہور و معروف ہے اور دوسری بات یعنی حضرت انسؓ کا گھر میں نماز پڑھنا اس کی وجہ بظاہر یہ ہے کہ حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے بعض مہاجر سے — ارشاد فرمایا تھا کہ اگر تمہارے زمانے کے امراء نماز میں تاخیر کرنے لگیں اور وقت مستحب گزار کر پڑھیں تو تم ایسا کرنا کہ اپنی نماز وقت مستحب میں الگ پڑھ لیا کرو اور بعد میں اگر مسجد کی نماز پڑھنے کی نوبت آئے تو وہ بھی پڑھ لیا کرو دوسری نماز نفل ہو جائے گی جیسا کہ اس قسم کی روایات آگے مستقل باب اذا اخرا الامام الصلوٰۃ عن الوقت کے ذیل میں آ رہی ہیں۔

اس حدیث کی مناسبت ترجمۃ الہاب سے بذل الجہود والے نسخے سے (باب وقت صلوٰۃ العصر) بالکل ظاہر ہے اور دوسرے نسخہ کے اعتبار سے کوئی مناسبت نہیں لہذا بذل ہی والا نسخہ بہتر ہے۔

شرح حدیث | فکانت بین قریب شیطان۔ یہاں تک کہ جب سورج شیطان کے دو سینک یعنی اس کے سر کی دو جانبوں کے درمیان ہو جاتا ہے، یہ جملہ یا تو اپنی حقیقت پر محمول ہے کہ شیطان غروب شمس کے قریب سورج کے سامنے جا کر کھڑا ہو جاتا ہے اس لئے کہ اس وقت عہدہ الشمس شمس کی عبادت کرتے ہیں تو ایسا کرنے سے

شیطان اپنے چیلوں کو یہ دکھاتا ہے کہ دیکھو میری عبادت ہو رہی ہے اور دوسرا قول یہ ہے کہ اس سے معنی مجازی مراد ہیں شیطان کے سورج کے قریب پہنچنے سے مراد اس کا عروج اور ترقی ہے اور شیطان کا عروج اور ترقی اس وقت میں اس لئے ہے کہ بہت سے لوگ اس وقت میں شیطان کی منشاء کے مطابق غیر الشریعہ شمس کی پرستش کرتے ہیں قام فنقروا رجاہ یعنی منافق آدمی غروب شمس کے قریب نماز کی نیت باندھ کر کھڑا ہوتا ہے اور جلدی جلدی چار ٹھونگیں سی زمین پر مارتا ہے اس سے مراد اس کے چار سجدے ہیں گو عصر کی نماز میں آٹھ سجدے ہوتے ہیں ہر رکعت میں دو سجدے، لیکن چونکہ اس کے سجدے بہت ناقص اور سرعت کے ساتھ ہوتے ہیں اس لئے دو سجدے مل کر بھی ایک سجدے کے برابر نہیں ہوتے اسی وجہ سے چار کہا۔

۳۔ حدثنا عبد اللہ بن مسلمۃ — قوله الذی تقوتہ صلوۃ العصفیٰ فکانہا وتر اھلہ و مالہ اھلہ و مالہ کو رفع اور نصب دونوں کے ساتھ پڑھا گیا ہے، رفع نائب فاعل ہونے کی بناء پر اور نصب مفعول ثانی ہونے کی بناء پر اور اس صورت میں نائب فاعل و وتر کی ضمیر مستتر ہوگی جو راجع ہے الذی کی طرف، یعنی عصر کی نماز کے فوت ہونے کو ایسا ہی نقصان اور خسارہ سمجھنا چاہئے جیسے مال و اولاد کے مچن جانے کو سمجھا جاتا ہے۔

قال ابو داؤد وقال عبد اللہ بن عمر اُتِیَ عبید اللہ بن النخعی عن شاکر بن ادپر سند میں ان کے شاگرد مالک آئے تھے تو مطلب یہ ہوا کہ نافع سے مالک نے روایت کا لفظ و تر اور عبید اللہ نے بجائے و تر کے اُتِیَ نقل کیا ہے، و اختلف علی ایتوب فیہ ایوب بھی نافع کے شاگرد ہیں اور اختلاف علی ایوب کا مطلب یہ ہے کہ ایوب کے اصحاب و تلامذہ ایوب سے روایت کرنے میں مختلف ہیں بعض نے ان سے و تر اور بعض نے اُتِیَ نقل کیا ہے اصل میں تو یہ لفظ و تر ہی ہے لیکن واؤ کو کبھی ہمزہ سے بدل دیتے ہیں جیسے وجوہ میں اُجُوہ اور وُتَّتْ میں اُتَّتْ و ذلك ان تری ما علی الارض از حدیث میں صلوۃ عصر کے فوت ہونے کا مطلب بیان کر رہے ہیں اور اُتِیَ کی رائے یہ ہے کہ اس سے مراد وقت مستحب کا فوت ہونا ہے کہ اس کو گزار کر وقت مکروہ میں پڑھ لی جائے، اس کی تفسیر میں دو قول اور ہیں، مطلق وقت کا فوت ہونا اور نماز کو قضا کر دینا یا جماعت کا فوت ہونا۔

باب فی وقت المغرب

شرح حدیث | ما حدثنا داؤد بن شیبہ - قوله کتنا نضی المغرب... غری موضع نبلہ یعنی ہم آپ صلی اللہ علیہ وسلم کے ساتھ مغرب کی نماز ایسے وقت میں پڑھتے تھے کہ نماز پڑھ کر جب گھر کی طرف لوٹتے تو راستہ میں مشق کے طور پر نشانہ باندھنے کے لئے تیر چلاتے ہوئے آتے تھے تو اس وقت تک اتنی روشنی باقی ہوتی تھی

کہ تیر جہاں جا کر گرا ہے اس کو دیکھ کر اٹھالیں، مغرب میں بالاتفاق تعمیل ادائی ہے

۲۔ قولہ اذا غاب حاجبہا آپ صلی اللہ علیہ وسلم مغرب کی نماز اس وقت پڑھتے تھے جب سورج کا بالائی سراور کنارہ (جو دیکھنے والوں کی طرف ہوتا ہے) نظروں سے غائب ہو جاتا، حاصل یہ کہ جب سورج کا پورا قرص (ٹکڑی) غائب ہو جاتا تب آپ نماز پڑھتے یعنی کامل غروب کے بعد یہ نہیں کہ غروب آفتاب کے آغاز ہی پر پڑھ لیتے ہوں۔

۳۔ حدیثنا عبید اللہ بن عمر رضی اللہ عنہما مدیث یہ ہے کہ مرثد بن عبد اللہ مصری فرماتے ہیں کہ جب ابوالیوب انصاری مصر میں غازیانہ اور فاتحانہ داخل ہوئے، یاس دقت کی بات ہے جبکہ مصر کے امیر اور گورنر امیر معاویہ کی جانب سے عقبہ بن عامر تھے، ایک روز ایسا ہوا کہ امیر نے مغرب کی نماز دیر سے پڑھا لی تو ابوالیوب انصاری نے کھڑے ہو کر تاخیر کا احوال کیا انہوں نے کسی مشغولی کا مدہ پیش کیا تو اس پر ابوالیوب نے یہ حدیث سنائی کہ آپ صلی اللہ علیہ وسلم فرماتے تھے کہ مسیری امت خیر پر قائم رہے گی جب تک مغرب کی نماز میں تاخیر نہ کرے گی الی ان تشتبک النجوم یہاں تک کہ چمکتے ہوئے ستاروں کا جھوم ہو جائے۔

مغرب کی نماز میں بالاتفاق تعمیل مستحب ہے البتہ بعض تابعین تاخیر کے قائل ہیں جیسے عطار، طاؤس، وہب بن منبہ اور شیعہ لوگ تو یہ کہتے ہیں کہ وقت مغرب داخل ہی نہیں

مغرب کے وقت مستحب میں اہل سنت و اہل تشیع کا اختلاف مع اللیل

ہوتا جب تک کہ اشتباک نجوم نہ ہو، مذکورہ بالا حدیث ان کی تردید کے لئے کافی ہے ان بعض تابعین کا استدلال ابوبسرہ غفاری کی حدیث سے ہے جس کے آخر میں یہ ہے ولا صلوة بعد العصر حتی یطلع الشاهد والشاهد النجم یہ روایت نسائی شریف میں ہے حتی کہ امام نسائی نے اس پر تاخیر المغرب کا باب باندھا ہے، علامہ صنیٰ کہتے ہیں کہ امام طحاوی نے اس کا جواب یہ دیا ہے کہ یہ حدیث ان احادیث شبیرہ کثیرہ متواترہ کے خلاف ہے جن میں یہ وارد ہے کہ آپ صلی اللہ علیہ وسلم مغرب کی نماز غروب شمس پر پڑھتے تھے، اور بندہ کے ذہن میں اس حدیث کا جواب یہ ہے کہ حتی یطلع الشاهد میں طلوع شاہد سے مراد دخول لیل ہے اس لئے کہ رات محل نجوم ہے اور دخول لیل کا تحقق شرعاً غروب سے ہو جاتا ہے پس طلوع نجم کنایہ ہوا غروب شمس سے، واللہ تعالیٰ اعلم بالصواب۔

باب فی وقت العشاء الاخرۃ

عشاء کی صفت آخرہ لائیکي وجہ | عشاء کی صفت الآخرہ جیسا کہ ترجمۃ الباب اور حدیث دونوں میں ہے لائیکي وجہ یہ ہے کہ بعض اعراب عشاء پر عتہ اور مغرب پر عشاء کا اطلاق

کرتے تھے جس پر حدیث میں بھی وارد ہوئی ہے جیسا کہ بخاری شریف میں ہے اور امام بخاریؒ نے دونوں کے سلسلہ میں باب بھی قائم کئے ہیں کہ مغرب کو عشاء اور عشاء کو عتمہ سے موسوم نہ کیا جائے تو چونکہ مغرب پر عشاء کا اطلاق بعض لوگ کرتے تھے اس لئے عشاء کو عشاء آخرہ کہنے کی ضرورت پیش آئی تاکہ وہ مغرب سے ممتاز ہو جائے۔ اسی کی رائے یہ ہے کہ عشاء کو عشاء آخرہ کہنا مکروہ ہے اس لئے کہ وہ مُشعر ہے اس بات کو کہ مغرب عشاء اول ہے حالانکہ حدیث میں مغرب کو عشاء کہنے کی ممانعت آئی ہے مگر حدیث میں عشاء کی صفت آخرہ لائی گئی ہے یا تو اعراب کے اطلاق کے اعتبار سے، یا یہ کہا جائے کہ ممانعت اس سے ہے کہ ہمیشہ عشاء کو عتمہ اور مغرب کو عشاء کہا جائے گا بگاہ کہدینے میں کوئی مضائقہ نہیں (غلبہ اعراب ہونا چاہئے) اسی لحاظ سے عشاء کی صفت آخرہ لائی گئی ہے۔

۱۔ حد ثنائی مسدد۔ قولہ انا اعلیٰ الناس بوقت هذه الصلوة۔ ابن سلمان اس پر لکھتے ہیں وفيه ثناء الرجل على نفسه لمصلحة قبول روايته وانتشار العلم به، یعنی اگر کوئی شخص روایت حدیث کے وقت اپنے حق میں کوئی تعریفی کلمہ اس مصلحت سے کہے تاکہ سامعین اس کی روایت کو توجہ سے سنیں اور قبول کریں تو اس کی اجازت ہے کیونکہ اس خود ستائی میں اپنی کوئی ذاتی مصلحت اور نفسانی غرض نہیں ہے لوگوں کا نفع ہی پیش نظر ہے، بذل میں ملا علی قاریؒ سے نقل کیا ہے کہ ممکن ہے ان کا یہ کہنا اکابر صحابہ کے انتقال کے بعد ہو جو راوی حدیث نعمان بن بشیرؒ سے علم میں بڑے ہوئے تھے اس پر حضرتؒ لکھتے ہیں اور یہ بھی ممکن ہے کہ یہ کہا جائے کہ انھوں نے یہ بات اس لحاظ سے فرمائی ہو کہ وقت عشاء کو اس خاص علامت کے ساتھ ان کے نزدیک کوئی اور نہیں جانتا۔

شرح حیث قولہ۔ یصلیٰ ہا یسقطوا القمر والشیء۔ سقوط سے مراد غائب ہونا اور ثالثہ سے مراد لیلہ ثالثہ ہے، یعنی آپ صلی اللہ علیہ وسلم عشاء کی نماز ہمیشہ ایسے وقت میں پڑھتے تھے جس وقت ہینے کی تیسری تاریخ کو چاند نظروں سے غائب ہوتا ہے اس پر شیخ ابن حجرؒ کی شافعی شارح مشکوٰۃ لکھتے ہیں کہ تیسری تاریخ کو چاند عام طور سے شفقِ احمر کے ساتھ ساتھ غائب ہوتا ہے معلوم ہوا کہ آپ صلی اللہ علیہ وسلم کا معمول عشاء کو اس کے اول وقت میں پڑھنے کا تھا جیسا کہ یہ مذہب امام شافعیؒ کا ہے۔

وقت مذکور فی الحدیث کی تعیین میں ابن حجرؒ کی اور علی قاریؒ کا اختلاف لیکن ملا علی قاریؒ حنفیؒ فرماتے ہیں کہ شیخ ابن حجرؒ کی یہ بات خلاف تحقیق ہے اس لئے کہ چاند کی غیوبت شفق کے ساتھ ساتھ دوسری شب میں ہوتی ہے نہ کہ تیسری شب میں اور یہ امر مشاہد ہے جو چاہے تجربہ کر لے، ملا علی قاریؒ کے کلام کا حاصل یہ ہوا کہ آپ صلی اللہ علیہ وسلم عشاء غروب شفق کے فوراً بعد نہیں پڑھتے تھے بلکہ اس کے کافی بعد پڑھتے تھے، غروب شفق کے وقت تو چاند دوسری رات میں غائب ہوتا ہے نہ کہ تیسری رات میں، اور یقینی بات ہے کہ تیسری رات میں چاند اس کے کافی دیر بعد غائب ہوگا، اور ہمارے حضرت شیخؒ نے

جمع بین القولین اس طرح فسر مایا کہ ممکن ہے یہ اختلاف ان دونوں کی رائے کا اختلافِ رویت پر مبنی ہوا تیس کی رویت ہونے کی صورت میں ایسا ہوتا ہو جو ابن حجر کہہ رہے ہیں اور تیس کی رویت میں وہ ہو جو طاعلی کہہ رہے ہیں احقر کو حضرت کی یہ بات بہت پسند آئی ورنہ اشکال ہوتا کہ یہ حضرات شراحِ حدیث امرِ مشاہدہ میں بھی مختلف ہو رہے ہیں

مضمونِ حدیث ۳۔ حدثنہ عن ابن عباسؓ: مضمون حدیث یہ ہے حضرت معاذؓ فرماتے ہیں کہ ہم لوگ مسجد میں بیٹھے آپ صلی اللہ علیہ وسلم کا

شارح کی نماز کیلئے انتظار کر رہے تھے آپ کو مسجد پہنچنے میں دیر ہو گئی تھی، بعض حاضرین یہ سمجھ رہے تھے کہ شاید آپ صلی اللہ علیہ وسلم تشریف نہیں لائیں گے، کوئی کہتا تھا کہ شاید آپ نے نماز پڑھ لی غرضیکہ ہم اسی تردد میں تھے، کچھ دیر کے بعد آپ صلی اللہ علیہ وسلم جلوہ افروز ہوئے صحابہ نے آپ سے اس تاخیر کا ذکر کیا اور وہی اپنے خیالات ظاہر کئے کہ ہم یہ سمجھ رہے تھے اور یوں سمجھ رہے تھے، اس پر آپ نے فرمایا کہ اس نماز کو تم دیر ہی سے پڑھا کر دو اس لئے کہ یہ نماز صرف تمہاری خصوصیت ہے کبھی اور امت کو یہ فریضہ عطا نہیں ہوا، مطلب یہ کہ یہ نماز صرف تمہارے لئے عطیہ خداوندی ہے اس کے اہتمام میں جتنی بھی مشقت برداشت کیجا سکے وہ کرنی چاہئے، اور اسی اہتمام میں یہ بھی داخل ہے کہ اس کو وقت افضل میں پڑھا جائے اس سے معلوم ہو رہا ہے کہ عشاء میں تاخیر افضل ہے

شرح حدیث ۴۔ حدثنہ اسد د۔ قولہ: فقال ان الناس قد صلوا واخذوا مضاجعهم صحابہ کرام چونکہ نماز کے انتظار میں بہت دیر تک بیٹھے رہے اس لئے آپ صلی اللہ علیہ وسلم ان کے فعل کی تحسین اور انتظار کرنے والوں کی ہمت افزائی فرما رہے ہیں کہ دیکھئے اللہ تعالیٰ کا تم پر انعام ہے اسی کی توفیق سے تم یہاں بیٹھے انتظار کر رہے ہو ورنہ دوسرے لوگ تو اپنی اپنی نماز پڑھ کر سو رہے، ان لوگوں سے کون مراد ہیں یا تو معذور قسم کے لوگ مراد ہوں گے یا نساء و میمان، یا دونوں، یا ممکن ہے دوسرے مساجد والے لوگ مراد ہوں کہ وہ اپنی اپنی نمازیں پڑھ کر فارغ ہو گئے، انہوں نے اول وقت میں جماعت کر لی اس لئے کہ آخریدینہ منورہ میں مسجد نبوی کے علاوہ اور دوسری مساجد بھی تو ہوں گی اس لئے وہاں والے مراد ہو سکتے ہیں، واللہ تعالیٰ اعلم۔

تاخیر عشاء اور اسکی تقدیم میں اختلافِ علماء کا منشاء احادیث الباب سے تاخیر عشاء کی فضیلت معلوم ہو رہی ہے جیسا کہ حنفیہ کا مسلک ہے اور شافعیہ کا قول مشہور افضلیۃ تعمیل ہے ان حضرات کا کہنا یہ ہے کہ آپ صلی اللہ علیہ وسلم کا غالب حال اور معمول اکثری تعمیل عشاء تھا اور تاخیر آپ نے احیاناً فرمائی ہے کسی مذری یا مصلحت کی وجہ سے، اور ہم یہ کہتے ہیں کہ آپ کی احادیث تو لیبہ اور ارشادات تاخیر عشاء کی فضیلت میں واضح اور مرتج ہیں۔ اور اگر یہ بات تسلیم کر لیجائے کہ آپ کا معمول تعمیل کا تھا تو پھر اس کی وجہ مقتدیوں کے حال کی رعایت ہے کہ وہ خیر کا زمانہ تھا لوگ اول وقت

مسجد میں جمع ہو جاتے تھے اس لیے تاخیر میں ان کو مشقت لاحق ہوتی۔

بَابُ فِي وَقْتِ الصَّبْحِ

جمہور علماء ائمہ ثلاثہ کے نزدیک صبح کی نماز میں تعجیل اور اس کو غس میں پڑھنا اولیٰ ہے۔ امام ابو حنیفہ اور ان کے اصحاب اور سفیان ثوری کے نزدیک تاخیر اور اسفار میں پڑھنا اولیٰ ہے۔ امام طحاویؒ کی رائے یہ ہے کہ اواخر غس میں نماز کی ابتداء ہو کر اسفار میں انتہاء ہوتی چاہئے تاکہ دونوں طرح کی روایتوں پر عمل ہو جائے اور اسی کو اختیار کیا ہے حافظ ابن قیمؒ نے۔

مصنف اس باب میں دو حدیثیں لائے ہیں، پہلی حدیث بظاہر جمہور کی موافقت میں ہے اور دوسری حنفیہ کی۔

۱۔ حدثنا القعنبي — قوله فينصرف النساء متلفعات بمسوطهن. یہ لفظ دو طرح مروی ہے متلفعات، تلفت سے اور متلفعات تلفع سے جو ماخوذ ہے، لغاع سے مَرُوط، مَرُوط کی جمع ہے چادر کے معنی میں

یعنی حضور صلی اللہ علیہ وسلم صبح کی نماز ایسے وقت میں پڑھتے تھے کہ جب عورتیں نماز پڑھ کر فارغ ہوتی تھیں یا اپنے گرد لپیٹ لیتی تھیں (الغراف کی یہ دونوں تفسیریں کی جاتی ہیں) اس حال میں کہ وہ چادروں میں لپیٹی ہوئی ہوتی تھیں غس کی وجہ سے پہچانی نہ جاتی تھیں، تلفت اور تلفع کو اکثر شراح نے ہم معنی لکھا ہے اور بعض شراح مؤطآنہ دونوں میں فرق لکھا ہے وہ یہ کہ تلفع بغیر تغطیہ راس کے نہیں ہوتا اور تلفت تغطیہ راس اور کشف راس دونوں کیساتھ ہو سکتا ہے

شرح حدیث میں شرح کی آراء کا اختلاف | شرح کا اس میں اختلاف ہو رہا ہے کہ مایعوض میں عدم معرفت سے کیا مراد ہے، اکثر حضرات کی رائے یہ ہے کہ

معزۃ اعیان کی نفی مقصود ہے یعنی یہ نہیں پتہ چلتا تھا کہ یہ عورت کون سی ہے مثلاً زینب یا خدیجہ، اور امام نوویؒ کی رائے یہ ہے کہ اس سے مراد یہ ہے کہ یہ پتہ نہیں چلتا تھا کہ سامنے جو تصویر اور جُثہ ہے کس کا ہے مرد کا یا عورت کا گویا نفی، معزۃ جنس کے اعتبار سے ہے، حافظ وغیرہ شراح نے اس کی تردید کی ہے اس لئے کہ معرفت کا تعلق اعیان سے ہوتا ہے اور اگر

لہ قلت وقد تقدم ويصلي الصبح ويعرف احد النجليه، واما عدم معرفۃ الرجال النساء كما في هذا الحديث فلا محل بعد من عن الرجال في المسجد ولا مدخل للتلف في عدم المعرفة بل هو بيان الواقع والا فالتلف مانع عن المعرفة مطلقا ولو كان الوقت وقت الاسفار كما لا يخفى، فالسبب لعدم المعرفة هو وجود شيء من الظلمة مع بعد من عن الرجال، واما الرجال فكان يعرف بعضهم بعضا فلا يتوهم التعارض بين الحديثين، هذا ما عني، والله تعالى اعلم

مراد وہ ہوتا جو نوذی کہہ رہے ہیں تو روایت میں بجائے لفظ معرفت کے لفظ علم اختیار کیا جاتا یعنی مَا يُعْلَمُ امام نوذی نے اپنے قول کی وجہ یہ بیان کی کہ معرفت اعیان کا تحقق تو دن میں بھی مشکل ہے۔ عورتوں کے چادروں میں ملفوف و مستور ہونے کی وجہ سے تو پھر اس میں غس کو کیا دخل ہوا لیکن اس کا جواب دوسرے حضرات یہ دیتے ہیں کہ یہ بات نہیں کہ معرفت عین، دن میں بھی نہیں ہوگی اس لئے کہ ہر عورت کے چال ڈھال کی ایک خاص ہیئت ہوتی ہے جس سے وہ پہچان لی جاتی ہے اگرچہ چادر میں مستور ہو، اور علامہ باجی کی رائے جیسا کہ حافظ نے فتح الباری میں لکھا ہے یہ ہے کہ مایعرفن من الغس کا تقاضا یہ ہے کہ وہ عورتیں ساغرات الوجہ ہوں (چہرہ نکلا ہوا) نہ کہ مُتَنَقِّبات اس لئے کہ نقاب والی عورت تو دن میں بھی نہیں پہچانی جائے گی تو پھر اس میں غس کو کیا دخل ہوا، حافظ فرماتے ہیں یہ بھی وہی نوذی والی بات ہوئی۔

جمہور کا حدیث سے تعجیل فخر پر استدلال اور حنفیہ کی طرف سے اس کا جواب

اس حدیث سے جمہور علماء تعجیل فخر پر استدلال کرتے ہیں، ہمساری طرف سے جواب دیا گیا کہ غس سے غس مسجد مراد ہے یعنی مسجد کے اندرونی حصہ میں تاریکی ہوتی تھی اس لئے کہ مسجد نبوی کی چھت نیچی تھی دراصل وہ ایک چیمبر کی شکل میں تھی۔ جیسا کہ سقف مسجد کے بارے میں روایات میں آتا ہے انما هو عریض اور الفراف لنام سے مراد الفراف الی البیت نہیں، دگر در کی طرف جانا بلکہ فراغ عن الصلوۃ مراد ہے، غرضیکہ اس حدیث میں جو کچھ بیان کیا گیا ہے وہ داخل مسجد سے متعلق ہے محض مسجد اور خارج مسجد کا حال بیان نہیں کیا جا رہا ہے۔

دو حدیثوں میں دفع متعارض

اس لئے کہ میمیین کی روایت میں آتا ہے اور ابوداؤد میں بھی گذر چکا و یَعْرِفُ أَحَدُنَا جَلِيسَهُ، کہ آپ صلی اللہ علیہ وسلم صبح کی نماز ایسے وقت میں ادا فرماتے تھے کہ آدمی اپنے پاس بیٹھنے والے کو پہچان سکے، پاس بیٹھنے والے کو پہچانتا جیسا ہو سکتا ہے جبکہ اسفار میں پڑھی جائے، اب رہی یہ بات کہ اس حدیث میں تو معرفت کی نفی ہے مَا يُعْرِفُنَ مِنَ الْغَسِّ سو اس کا جواب یہ ہے کہ مسجد میں عورتیں مردوں کی مجلس کہاں ہوتی تھیں وہ تو مردوں سے فاصلہ پر ہوتی تھیں تو وہاں نہ پہچانتا بعد کی وجہ سے تھا بخلاف مرد کے کہ مرد ایک دوسرے کو بوجہ قریب ہونے کے پہچانتے تھے، بندہ کے نزدیک علامہ باجی کی رائے زیادہ صحیح ہے گو حافظ نے اس کو رد کیا ہے کہ وہ عورتیں ساغرات الوجہ ہوتی تھیں، اور پہلے بعض شراح مؤطا سے گذر ہی چکا ہے کہ تلفت کے مفہوم کے لئے تَغْطِيَةُ رَأْسٍ ضروری نہیں اور اگر ضروری بھی ہو بیساکہ مجمع البحار میں ہے متلفعات ای مغطیات الرؤس، والاجساد تو صرف تَغْطِيَةُ رَأْسٍ اس کے مفہوم میں داخل ہے نہ کہ تَغْطِيَةُ وَجْهِ، علامہ کلام یہ ہے

لہ اس لئے کہ معرفت کا استعمال جزئیات میں اور علم کا کلیات میں ہوتا ہے۔

کہ مرد مرد کو پہچانتا تھا لیکن مرد عورت کو اسلئے نہیں پہچانتا تھا کہ وہ اسکی مجلس نہیں ہے بلکہ فاصلہ پر ہے، اور روشنی بھی اچھی طرح نہیں ہوتی بس اتنی معمولی سی روشنی ہوتی تھی کہ آدمی اپنے مجلس کو پہچان سکے، ہذا ما ظہر لی فی وجہ الجمع بین محدثین و الثمونی

۲۔ حدثنا اسحاق بن اسماعیل — قولہ اصحبوا بالصبح فانه اعظم الاجور کمر۔ یہ رافع بن خدیج

حنفیہ کی دلیل اور شافعیہ کی طرف سے اس کی تاویل

کی روایت ہے جو مختلف الفاظ سے مروی ہے، نسائی کی روایت میں ہے اسفر و اب الفجر اور ترمذی میں اسفر و اب الفجر فارت اعظم للاجور اور نسائی کی ایک دوسری حدیث میں ہے ما اسفر تعربا للصبح فانه اعظم للاجور ایک اور روایت میں ہے اسفر و اب الفجر فكلما اسفر تعربا اعظم للاجور اسی طرح حنفیہ کے دلائل میں عبد اللہ بن مسعود کی متفق علیہ حدیث مَا رَأَيْتُ النَّبِيَّ صَلَّى اللَّهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ صَلَّيْ صَلَوةً يَغِيْرُ مِقَاتَهَا إِلَّا صَلَّيْتُ، اور اس کے اخیر میں ہے وصلی الفجر قبل ميقاتها مزدلفہ میں صبح کی نماز میں تغلیس بالا اجاز مستحب ہے، حضرت عبد اللہ بن مسعود اس کو صلیۃ قبل الوقت فرما رہے ہیں جس سے صاف معلوم ہو رہا ہے کہ حج کے زمانہ کے علاوہ میں آپ کا معمول تغلیس کا نہ تھا، اور اگر تسلیم بھی کر لیا جائے کہ آپ صلی اللہ علیہ وسلم کا عمل تغلیس پر تھا تو پھر روایات قولیہ اسفار پر دال ہیں اور قول و فعل میں تضاد کیوقت قول کو ترجیح ہوتی ہے اور اس سے بھی بہتر توجیہ یہ ہے جس کو اختیار کیا ہے امام طحاوی اور حافی ابن العیم رحمہما اللہ تعالیٰ نے وہ یہ کہ غلص کی روایات ابتداء صلوۃ پر محمول ہیں اور اسفار کی روایات اختتام صلوۃ پر محمول ہیں جیسا کہ حضور صلی اللہ علیہ وسلم اور صحابہ کرام کی شان تھی صبح کی نماز میں قراۃ طویلہ کی نہایت اطمینان کیساتھ۔ لیکن شافعیہ وغیرہ اسفار اور اصباح کی روایت کا ایک جواب دیتے ہیں کہ ممکن ہے بعض صحابہ اول وقت کی فضیلت حاصل کرنے کے شوق میں طلوع فجر سے پہلے ہی پڑھ لیتے ہوں اسلئے آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا اصْبَحُوا بِالصُّبْحِ کہ اتنی بلدی مت کہ دو صبح ہونے دو، یہ تاویل ان کی مشہور ہے اور ہماری طرف سے اس پر اشکال بھی مشہور ہے وہ یہ کہ قبل الوقت تو نماز صبح ہی نہیں ہے اس میں نہ اجر قلیل ہے اور نہ کثیر اور اس حدیث میں قَلْبِ اجر اور کثرتِ اجر کو بیان کیا جا رہا ہے، اسی طرح جمہور نے ایک تاویل اور کی کہ اسفار کی روایات لیالیٰ مغمرہ (چاندنی راتیں) پر محمول ہیں یعنی جن تاریخوں میں چاند صبح تک روشن رہتا ہے کہ ان تاریخوں میں احتیاط کی ضرورت ہے اچھی طرح صبح ہونے دیجائے ایسا نہ ہو کہ روشنی کے اشتباہ میں وقت سے پہلے نماز پڑھ لی جائے۔

بَابُ فِي الْمَحَافِظَةِ عَلَى الصَّلَوَاتِ

صلوات خمسہ میں سے ہر ایک کے لئے الگ الگ باب قائم کرنے کے بعد مصنف نے یہ ایسا جامع باب قائم کیا ہے جس کا تعلق سب نمازوں سے ہے محافظت یعنی نگرانی، یا تو نماز کے سنن و مستحبات اور خشوع و خضوع کے اعتبار

صلوات خمسہ کے اوقات مستحبہ
کی تفصیل عند الأئمة الاربعہ

سے مراد ہے یا اوقات مستحب کے اعتبار سے کہ تمام نمازوں کو ان کے اوقات مستحب میں پڑھنے کا اہتمام کرنا چاہئے مناسب معلوم ہوتا ہے کہ یہاں پر صلوٰۃ خمسہ کے اوقات مستحب مع اختلاف ائمہ بیان کر دئے جائیں۔

جاننا چاہئے کہ ائمہ اربعہ مغرب میں اس کی تعمیل کے استحباب پر متفق ہیں اس میں ائمہ کا کوئی اختلاف نہیں البتہ دوسری نمازوں میں اختلاف ہے، فجر اور عصر میں جمہور علماء اور ائمہ ثلاث تعمیل کے قائل ہیں۔ اور امام ابو حنیفہؒ ان دونوں کی تاخیر کے، اور صلوٰۃ ظہر میں سردی کے زمانہ میں اس کی تعمیل پر اور زمانہ صیف میں تاخیر پر ائمہ اربعہ کا اتفاق ہے بجز امام شافعیؒ کے کہ ان کے نزدیک تاخیر ظہر مقید ہے چار شرطوں کے ساتھ جن کا ذکر پہلے آچکا، رہ گئی صلوٰۃ عشاء سوا اس کے باسے میں اقادیل مختلف ہیں جس کو ہم باب صلوٰۃ العشاء میں ذکر کر چکے ہیں اور اسی طرح لَوْلَا اَنْ اَشُقَّ عَلٰی اُمَّتِيْ لَا مَرْتَعِبُ بِالسَّوَالِفِ وَبِتَاخِيرِ الْعِشَاءِ۔ حدیث کے ذیل میں بھی، حاصل یہ کہ حنفیہ کے اس میں دو قول ہیں مطلقاً تاخیر اولیٰ ہے مگر زمانہ شتا جس میں راتیں لمبی ہوتی ہیں اس میں تاخیر اور گرمی کے زمانہ میں تعمیل، امام شافعیؒ کا ایک قول تاخیر عشاء کے استحباب کا ہے اور مشہور قول ان کا اولویت تعمیل ہے امام مالکؒ کے بھی اس میں دونوں قول ہیں۔ اور ایک قول مالکیہ کا یہ ہے کہ اس کا مدار لوگوں کے اجتماع پر ہے اگر لوگ

سویرے جمع ہو جائیں تو تعمیل اولیٰ ہے ورنہ تاخیر، اور ابنِ رسلان نے امام احمدؒ سے یہ نقل کیا ہے کہ انھوں نے فرمایا اول الاوقات اعجب الی الا فی الاثنین صلوٰۃ العشاء وصلوٰۃ الظهر، اس سے معلوم ہوا کہ امام احمدؒ کے نزدیک بھی عشاء اور ظہر میں تاخیر اولیٰ ہے اور باقی میں تعمیل۔ اسی طرح امام ترمذیؒ نے بھی امام احمدؒ کا مسلک تاخیر عشاء لکھا ہے۔

جمعہ کے وقت مستحب میں اختلاف علماء اب رہ گیا مسئلہ صلوٰۃ جمعہ کا سوا سلسلہ میں امام بخاریؒ نے ایک باب قائم کیا، اذا اشتت العریوم الجمعة اس پر شرح بخاری لکھتے ہیں کہ امام بخاریؒ کا میلان جمعہ کے بارے میں ظہر کی طرح مشرعیّت ابراد کی طرف ہے کہ جس طرح گرمی کے زمانہ میں ظہر کی تاخیر اولیٰ ہے اسی طرح جمعہ کی بھی حضرت شیخؒ نے ماشیۃ لایع میں جمہور علماء ائمہ ثلاث شافعیہ مالکیہ حنابلہ کا مسلک ان کی کتابوں سے عدم ابراد نقل فرمایا ہے اس لئے کہ جمعہ کے بارے میں احادیث میں تکمیر کا حکم وارد ہے اس کے لئے لوگ اول وقت میں مجتمع ہو جاتے ہیں اب اگر اس میں تاخیر کیجائے تو لوگوں پر شاق گذرے گی لہذا جمعہ کو ظہر پر قیاس نہیں کیا جائے گا اور حنفیہ کا مذہب در مختار میں تو یہ لکھا ہے کہ جمعہ مثل ظہر کے ہے اصل وقت اور وقت مستحب دونوں کے اعتبار سے گرمی اور سردی میں اس لئے کہ جمعہ ظہر کا بدلہ اور اس کا نائب ہے لیکن علامہ شامیؒ کی تحقیق اس کے خلاف ہے کہ جمعہ کے اندر مطلقاً تقدیم اولیٰ ہے، لہذا ہو مسلک الجمہور۔

تحقیق صنابچی ۱۔ حدیثنا محمد بن حروب — قوله عن عبد الله بن الصنا بخی، یہاں پر بعض نسخوں میں اور نسخہ بڈل میں بھی عن عبد الله بن الصنا بخی ہے، عبد الله اور الصنا بخی کے درمیان لفظ بن یہ بالکل

غلط ہے صحیح نسخوں میں عن عبداللہ الصناجی ہے۔

جانتا چاہئے کہ عبداللہ الصناجی کے بارے میں حضرات محدثین کی دو جماعتیں ہیں ایک جماعت جس میں امام بخاریؒ اور ان کے استاد علی بن مدینیؒ ہیں ان کی رائے یہ ہے کہ صحیح ابو عبداللہ الصناجی ہے جو کہ کنیت ہے عبدالرحمن بن عسید کی اور وہ تابعی ہیں حضور اقدس صلی اللہ علیہ وسلم کے زمانہ میں موجود تھے آپ کی خدمت میں حاضری کے ارادہ سے اپنے وطن سے روانہ ہوئے لیکن ابھی یہ راستہ ہی میں تھے کہ آپ صلی اللہ علیہ وسلم کا وصال ہو گیا، اور عبداللہ الصناجی جیسا کہ یہاں متن میں ہے امام بخاریؒ کو غیرہ کے نزدیک یہ وہم راوی ہے ان کے نزدیک اس نام کے کسی صحابی کا وجود نہیں اور ان حضرات کا گمان ہے کہ یہ وہم امام مالکؒ کو ہوا ہے انہوں نے اولاً مؤطا میں اس راوی کا نام اسی طرح ذکر کیا ہے اور پھر اسی طرح یہ غلط نقل ہوتا چلا گیا، اور دوسری جماعت جس میں ابن السکون امام ترمذیؒ اور حافظ ابن حجر وغیرہ حضرات ہیں وہ یہ کہتے ہیں کہ عبداللہ الصناجی صحیح ہے اور یہ صحابی ہیں (علی قول) اور ابو عبداللہ الصناجی راوی الگ ہیں جو تابعی ہیں جن کا نام عبدالرحمن بن عسید ہے امام ترمذیؒ نے اپنی رائے جامع ترمذی کے بالکل شروع میں پہلے ہی صفحہ پر بیان کی ہے حضرت نے بذل میں تہذیب التہذیب سے نقل کیا ہے کہ امام ترمذی نے فرمایا کہ میں نے اس راوی کے بارے میں امام بخاری سے دریافت کیا تو انہوں نے فرمایا وہم فیہما مالک والصحیح ابو عبداللہ، اس سے معلوم ہوا کہ اس مسئلہ میں امام ترمذیؒ امام بخاریؒ کی رائے سے اتفاق نہیں رکھتے، ولہذا نظر امام ترمذیؒ نے جامع ترمذی میں ایک تیسرے صناجی کا بھی اعتراف کیا ہے لیکن وہ فی الواقع صناجی نہیں بلکہ ان کا صحیح نام صناج بن الاعصرامسی ہے ان کو صناجی کہنا غلط ہے، لیجئے ترمذی شریف کا بھی یہ مقام مل ہو گیا، فالحمد للہ۔

وجوب وتر کی دلیل

قال زعم ابو محمد ان الوتر واجب ابو محمد ایک صحابی ہیں جن کے نام کے تعین میں اختلاف ہے بذل میں ان کے کئی نام ذکر کئے ہیں قیل مسعود بن اوس وقیل قیس ابن عامر وقیل سعد بن اوس مضمون حدیث یہ ہے کہ ایک مرتبہ ابو محمد صحابیؒ نے فرمایا الوتر واجب تو اس پر عبادۃ بن الصامتؓ بولے کذاب ابو محمد کہ ابو محمد غلط کہتے ہیں اس لئے کہ میں نے حضور صلی اللہ علیہ وسلم سے سنا آپ فرماتے تھے کہ پانچ نمازیں ہیں جن کو اللہ تعالیٰ نے فرض کیا ہے جو ان کے لئے وضو اچھی طرح کرے گا اور ان نمازوں کو ان کے اوقات میں کامل طریقہ سے پڑھے گا تو اللہ تعالیٰ کا ایسے شخص سے عہد یعنی پختہ وعدہ ہے کہ اس کی مغفرت کرے گا اور جو ایسا نہ کرے تو اس کے لئے کوئی وعدہ نہیں چاہیں گے مغفرت فرمادیں گے اور چاہیں گے تو عذاب دیں گے یہ آپ کو معلوم ہی ہے کہ وجوب وتر میں اختلاف ہے، امام صاحبؒ اس کو واجب اور جمہور و صاحبین سنت مانتے ہیں ابو محمد کا قول امام صاحبؒ کے موافق ہے، اور حضرت عبادہ نے جو وجوب کی نفی کی ہے وہ کسی مرتجع حدیث کی وجہ سے نہیں بلکہ اپنے اجتہاد سے اس لئے کہ انہوں نے حضور صلی اللہ علیہ وسلم سے سنا تھا کہ نمازیں پانچ فرض ہیں

تو وہ اس سے وتر کے واجب نہونے پر استدلال فرما رہے ہیں یہ استدلال صحیح کہاں ہوا واجب اور فرض میں تو زمین و آسمان کا فرق ہے، نمازیں فرض امام صاحب کے یہاں بھی پانچ ہی ہیں اور اس کے باوجود وہ وتر کو واجب مانتے ہیں، حضرت شیخؒ نے ماشیہ بذل میں لکھا ہے کہ محمد بن نصر (مشہور محدث) نے اپنی کتاب قیام اللیل میں ایک واقعہ نقل کیا ہے کہ ایک صاحب امام اعظمؒ کی خدمت میں آئے اور ان سے سوال کیا کہ فرض نمازیں کتنی ہیں انھوں نے جواب دیا پانچ سال نے سوال کیا کہ وتر کیا ہے، انھوں نے فرمایا بھی فربیعتہ اس نے پھر سوال کیا کہ فرض نمازیں کتنی ہیں، امام صاحب نے پھر وہی جواب دیا کہ پانچ اس نے پھر سوال کیا کہ وتر کیا ہے تو انھوں نے فرمایا فربیعتہ اس نے حیرت زدہ ہو کر تیسری مرتبہ پھر سوال کیا کہ فرض نمازیں کتنی ہیں انھوں نے وہی جواب دیا وہ شخص اس پر بگڑا اور یہ کہتا ہوا واپس چلا گیا اَنْتَ لَا تَحْسُنُ الْحِسَابَ کہ آپ کو دو اور چار کا بھی حساب نہیں آتا امام صاحب کی مراد فربیعتہ سے واجب تھی اور فرض و واجب میں فرق ظاہر ہے جس کو سائل سمجھا نہیں اسی لئے بار بار سوال و جواب ہوتا رہا یہی بات حضرت عبادہؒ کو پیش آئی کہ انھوں نے بھی فرض اور واجب کے درمیان فرق نہیں کیا اور ابو محمدؒ نے جوابات کہی تھی الوتر واجب تو یہ قول صحابی غیر مدرك بار اُسے مسئلہ میں ہونے کی وجہ سے حکم میں مرفوع ہے اور حضرت عبادہؒ کی بات ان کے اجتہاد پر مبنی ہے، فالحمد للہ علی صمتہ منہب الی صیفتہ۔

یہاں پر ایک اشکال ہوتا ہے کہ عبادہؒ نے کذب ابو محمدؒ کیسے کہہ دیا کذب تو عام باتوں میں بھی حرام ہے چہ جائگہ امر دین میں تو اشکال یہ ہے کہ ایک صحابی نے دوسرے صحابی کے بارے میں ایسی سخت بات کیسے فرمائی، جواب یہ ہے کہ کذب کی دو قسمیں ہیں ایک عمداً اور ایک بلا عمد اصل کذب تو وہی ہے جو عمداً ہو وہ یہاں مراد نہیں کذب بغیر عمدہ جس کی مشہور تفسیر خطا ہے یہاں مراد ہے اور محاورہ عرب میں ایسا بہت ہوتا ہے کہ کذب کو خطا کے معنی میں استعمال کرتے ہیں یہاں کذب سمعی و کذب بصری یعنی مجھ سے سننے میں اور دیکھنے میں غلطی ہوئی، قال اللہ تعالیٰ مَا كَذَبَ الْفُؤَادُ مَا رَأَى

۲۔ حدثنا محمد بن عبد اللہ — قولہ عن القاسم بن غفام عن بعض اہلہ عن ام فروة عن بعض اہلہات مجہول ہے کچھ پتہ نہیں کہ کون ہے کیا نام ہے اور یہ ام فروہ قاسم کی عمدہ (بھوپتی) ہیں، کہا گیا ہے کہ یہ ام فروہ انفارہ ہیں اور کہا گیا ہے کہ یہ بنت ابی قحافہ ہیں ابو بکر صدیقؓ کی بہن۔

قال الخزاز فی حدیث عن عتبہؒ لہذا یقال لہا ام فروة ابو مصنف کے دو استاذ ہیں، محمد بن عبد اللہ اور عبد اللہ بن مسلمہ، مصنف ان دونوں کی سند کا اختلاف بیان کر رہے ہیں، ادھر جو سند کے الفاظ آئے ہیں وہ عبد اللہ بن مسلمہ کے ہیں اور یہ الفاظ دوسرے استاذ کے ہیں۔

سند حدیث میں اختلاف | اس کلام کی شرح میں دو احتمال ہیں ۱۔ سند میں صرف لفظ عمر کے اضافہ کو بیان کرنا ہے کہ خزاعی کی سند میں ام فروہ کی صفت عمر ہونا ذکر کی گئی ہے نیز ایک اور صفت بھی قد با یعتہ النبی صلی اللہ علیہ وسلم اور ام فروہ کی یہ دو صفتیں عبداللہ بن مسعود نے ذکر نہیں کیں۔ ۲۔ احتمال ثانی یہ ہے کہ خزاعی کی روایت میں قاسم بن غنم کے بعد عن بعض اصحابہ مذکور نہیں بلکہ قاسم براہ راست ام فروہ سے روایت کرتے ہیں دونوں سندوں میں ذکر واسطہ وعدم ذکر واسطہ کا فرق ہے اس حدیث کی ایک تیسری سند اور ہے جو مسند احمد میں ہے وہ اس طرح ہے عن القاسم بن غنم عن جدته الدنیا عن ام فروة یعنی قاسم اور ام فروہ کے درمیان واسطہ بجائے عن بعض اصحابہ کے عن جدته الدنیا ہے اب تین سندیں اس طرح ہو گئیں ۱۔ عن القاسم بن غنم عن بعض اصحابہ عن ام فروة۔ ۲۔ عن القاسم بن غنم عن ام فروة۔ ۳۔ عن جدته الدنیا عن ام فروة۔

وقت اول کی فضیلت اور اس پر کلام | اے الاعمال افضل قال الصلوة فی اول وقتہا، آپ صلی اللہ علیہ وسلم سے افضل الاعمال کے بارے میں سوال کیا گیا کہ وہ کون سا ہے تو آپ نے ارشاد فرمایا فرض نماز کو اس کے اول وقت میں ادا کرنا، اس حدیث سے جمہور خصوصاً شافعیہ نے اپنے مسلک پر استدلال کیا ہے کہ تقریباً تمام نمازوں کو ان کے اول وقت میں پڑھنا اولیٰ ہے نمازوں کے اوقات مستحبہ میں اختلاف پہلے گذر چکا، حنفیہ کی جانب سے اس کا جواب یہ ہے کہ اول وقت سے مراد اول وقت جواز نہیں بلکہ اول وقت استحباب ہے یعنی جس نماز کا جو وقت مستحب ہے اس نماز کو اسی میں پڑھنا اور یہ یہ کہا جائے کہ یہ عام مخصوص عند البعض ہے لہذا جن نمازوں کے تاخیر کی ترغیب وارد ہوئی ہے وہ اس سے مستثنیٰ ہیں اسی طرح شافعیہ نے ابن عمر کی حدیث جس کو امام ترمذیؒ نے ”باب ما جاز فی الوقت الاول من الفضل“ میں ذکر کیا ہے سے استدلال کیا ہے الوقت الاول من الصلوة رضوان اللہ والوقت الاخر عفو اللہ، اس حدیث سے معلوم ہو رہا ہے کہ نماز میں تاخیر سراسر تفسیر ہے لیکن یہ حدیث بالاتفاق ضعیف ہے اس کی سند میں ایک راوی ہے یعقوب بن الولید جس کی امام احمد اور دیگر حفاظ حدیث نے تکذیب کی ہے یہ بھی کہتے ہیں کہ یہ حدیث اپنے تمام طرق کے اعتبار سے ضعیف ہے۔

افضل الاعمال کا مصداق اور اس میں اختلاف علماء | حدیث الباب میں فرمایا گیا ہے کہ نماز کو اول وقت مستحب میں پڑھنا یہ افضل الاعمال ہے چنانچہ علماء کا اس بات پر اتفاق ہے کہ فرض نمازوں کو ان کے اوقات میں اچھی طرح ادا کرنا تمام اعمال میں سب سے افضل ہے، پھر اس کے بعد جمہور کی رائے یہ ہے کہ علم دین میں اشتغال افضل ہے اشتغال بالانوار غل سے لیکن

اس میں اختلاف ہو رہا ہے کہ اشتغال بالعلم اور جہاد میں کون افضل ہے جہور کی رائے یہ ہے کہ شغل علم ہی افضل ہے جہاد سے اور امام احمدؒ فرماتے ہیں کہ جہاد افضل ہے لیکن اختلاف جہاد و نفل میں ہے اور جہاد فرض بالاتفاق اشتغال علم سے افضل ہے، افضل الاعمال میں اختلاف اور اس پر بحث حضرت شیخؒ نے لامع الدراری جلد ثانی کتاب الجہاد کے شروع میں تحریر فرمائی ہے نیز اس میں لکھا ہے کہ وہ احادیث جو فضیلت علم میں وارد ہیں اکثر ہیں ان سے جو وارد ہیں فضیلت جہاد میں۔

نیز واضح رہے کہ چونکہ بعض احادیث میں ایمان کو افضل الاعمال قرار دیا ہے اس لئے علماء نے لکھا ہے کہ ان احادیث میں اعمال سے اعمال بدنیہ مراد ہیں، لہذا اعمال قلبیہ میں سب سے افضل ایمان اور اعمال بدنیہ میں صلوة ہے۔

۳۔ حدثنا عمرو بن عرب — قوله وحافظ على الصلوات الخمس قال قلت إن هذا سَاعَاتٌ لِي فِيهَا أَشْغَالٌ مضمون حدیث یہ ہے فضالہ لیسٹ فرماتے ہیں کہ جب میں آپ صلی اللہ علیہ وسلم کی خدمت میں (بظاہر بیعت علی الاسلام کے لئے) حاضر ہوا تو آپ نے مجھے احکام دین کی تعلیم فرمائی، نیز صلوات خمسہ کی محافظت کا حکم فرمایا یعنی سب نمازوں کو ان کے اوقات میں پڑھنا انھوں نے اس پر عرض کیا کہ یا رسول اللہ یہ جو نمازوں کے اوقات ہیں مجھ سے فارغ نہیں ہیں بلکہ ان میں مجھے بہت سے کام ہوتے ہیں، لہذا مجھے کوئی ایسا جامع عمل بتلا دیجئے جو میرے لئے کافی ہو جائے اس پر آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا حَافِظٌ عَلَى الْعَصِيِّ، وہ کہتے ہیں کہ میں عمر بن کے معنی نہیں جانتا تھا اس لئے میں نے پوچھا کہ عمر بن سے کیا مراد ہے تو آپ نے فرمایا صبح کی نماز اور عصر کی نماز یعنی تم ان دو نمازوں کا اہتمام کر لیا کرو۔

حدیث پر اشکال اور اس کی تاویل | اس حدیث پر قوی اشکال ہے کیونکہ اس سے بظاہر معلوم ہو رہا ہے کہ اس شخص کے لئے صرف دو نمازیں پڑھ لینا کافی ہیں، اس کی علماء نے دو طرح تاویل کی ہے، پہلی فرماتے ہیں کہ آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے ان صحابی کو فرمایا تھا کہ صلوات خمسہ کو ان کے اوقات مستحب کی رعایت کر کے پڑھیں انھوں نے عذر کو دیا کہ میرے یہ اوقات خالی نہیں تو بعد میں آپ نے ارشاد فرمایا کہ اچھا کم از کم دو نمازوں کو ان کے خاص وقت میں پڑھ لیا کریں باقی نمازوں کو جب وقت ملے پڑھ لیں اور یہ مطلب نہیں کہ صرف دو نماز پڑھنا کافی ہے، اور دوسری تاویل اس حدیث کی وہ ہے جو علامہ سیوطیؒ نے اختیار کی وہ یہ کہ حضور صلی اللہ علیہ وسلم کے خصوصیات میں سے ہے یہ بات کہ آپ جس امتی کے حق میں چاہیں اس کے فرائض میں تخفیف فرما سکتے ہیں اسی لئے سیوطی نے اس حدیث کو اپنی مشہور تالیف المحضات الکبریٰ میں ذکر کیا ہے انھوں نے اس سلسلہ میں مسند احمد کی ایک مرتبہ ردایت ذکر کی ہے جس میں یہ ہے ایک شخص آپ صلی اللہ علیہ وسلم کے ہاتھ پر اسلام لایا اس شرط پر کہ دو نمازوں کے علاوہ نہ پڑھے گا آپ نے اس شرط کو قبول فرمایا۔ واللہ تعالیٰ اعلم۔

باقی یہ ظاہر ہے کہ اس حدیث سے فجر و عصر کی بڑی اہمیت معلوم ہو رہی ہے ایسے ہی بخاری شریف کی ایک روایت میں ہے مَنْ صَلَّى الْبَرْدَيْنِ دَخَلَ الْجَنَّةَ بر دین سے مراد بھی یہی دو نمازیں ہیں۔

بَابُ إِذَا اخْرَأَ الْإِمَامُ الصَّلَاةَ عَنِ الْوَقْتِ

ترجمہ الباب کی تشریح

یعنی اگر امام نماز کو وقت مستحب کے نکل جانے کے بعد تاخیر سے پڑھے تو لوگوں کو کیا کرنا چاہئے حدیث میں یہ بتلایا گیا ہے کہ ایسی صورت میں آدمی کو چاہئے کہ اپنی نماز عیلمدہ وقت مستحب میں پڑھ لے تو بہتر ہے اور اس کے بعد اگر مسجد پر گزرے ہو تو مخالفت امام سے بچنے کے لئے مسجد میں بھی جماعت سے نماز پڑھ لے، یہ دوسری نماز نفل ہو جائے گی غرضیکہ امام پر نیکر اور اس کی مخالفت نہ کرے، دراصل نماز پڑھانا منصب ہے امام المسلمین کا یا جس کو وہ متعین کرے، نیز اسلامی ممالک میں مساجد کا انتظام حکومت کی طرف سے ہوتا ہے تو ایسی ہی صورت کے لئے حدیث میں یہ حکم فرمایا گیا ہے، اور ائمہ پر اعراض کرنے سے منع کیا گیا ہے تاکہ ملکی نظام صحیح قائم رہ سکے اور فتنہ برپا نہ ہو اور اگر صورت حال یہ ہو کہ مساجد کا انتظام نصب امام وغیرہ اہل محلہ اپنے اختیار سے خود کرتے ہوں جیسا کہ آج کل ہمارے زمانہ میں تو پھر ظاہر ہے کہ اس کے لئے یہ حکم نہیں ہے،

۱- حدیثنا مسند — قوله يا ابا ذر كيف انت اذا كانت عليك امراء يمينتون الصلوة الخ حضور صلی اللہ علیہ وسلم حضرت ابو ذر سے وہی بات ارشاد فرما رہے ہیں جو اوپر ترجمہ الباب میں مذکور ہے کہ اگر تم پر ایسے امراء مسلط و مقرر ہو جائیں، تو تم ایسی صورت میں کیا کرو گے۔

شرح حدیث یسمیتون الصلوة کے بظاہر معنی نماز قضا کر دینے کے ہیں لیکن امام نوویؒ لکھتے ہیں کہ اس سے مراد قضا کر دینا نہیں بلکہ غیر وقت مستحب میں پڑھنا مراد ہے انھوں نے یہ بھی فرمایا کہ امراء سے نمازوں کا قضا کرنا منقول نہیں ہے لیکن حافظ ابن حجر اور علامہ عینی فرماتے ہیں کہ امامت مصلوۃ کے ظاہری معنی نماز قضا کر کے ہیں اور نیز بہت سے امراء بزمانہ سے نماز کا قضا کرنا بلکہ ترک کرنا ثابت ہے چنانچہ حجاج بن یوسف اور اس کا امیر ولید بن عبد الملک نماز کو قضا کر دیتے تھے، (کنزانی الفیض السامی)

قلت يا رسول الله كما تأمرني حضرت ابو ذرؓ نے عرض کیا کہ مجھے ایسے وقت میں کیا کرنا چاہئے آپ نے اسکے بارے میں ان کو ہدایت فرمادی لیکن واضح رہے کہ ابو ذر غفاری رضی اللہ عنہ کو اس کی نوبت نہیں آئی اس لئے کہ ان کی وفات حضرت عثمان کے دور خلافت مسند میں ہوئی ہے اس قسم کے امراء کے دور تک وہ زندہ نہیں رہے اس سے معلوم ہوا کہ آپ صلی اللہ علیہ وسلم کو یہ تو معلوم تھا کہ آئندہ آنے والے زمانے میں اس قسم کے امراء پیدا ہوں گے لیکن وقت کی

محکم تعیین آپ کے علم میں نہیں تھی۔ اسی طرح احادیث افتقار میں بہت سی چیزیں ایسی مذکور ہیں جن کی آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے پیشین گوئی فرمائی، لیکن وقت کی محکم تعیین آپ نہ فرما سکے کیونکہ علم غیب آپ کو نہیں تھا جن امور کا علم اللہ تعالیٰ نے آپ کو عطا فرمایا وہ چیزیں آپ کے علم میں آگئیں اور جن چیزوں کی اطلاع آپ کو نہیں کی گئی آپ ان سے ناواقف رہے۔
فانھا لك نافلة۔ یعنی یہ دوسری نماز جو جماعت سے پڑھی جائے گی تمہارے لئے نفل ہو جائے گی۔ یہاں پر چند بحثیں اور مسائل ہیں جن کا جانا ضروری ہے۔

حدیث سے متعلق مسائل فقہیہ | **البحث الاول**۔ اعادہ صلوٰۃ کی روایات جس طرح مصنف نے یہاں بیان کی ہیں اس سطر کے روایات آگے ابواب الامامة والجماعة میں بھی آرہی ہیں۔ یہ تکرار کیوں؟ جواب یہ ہے کہ اعادہ صلوٰۃ کی نوعیت دونوں جگہ کی مختلف ہے آئندہ جو اعادہ کی روایات آرہی ہیں اس کی نوعیت یہ ہے کہ کسی شخص نے یہ سمجھ کر کہ مسجد میں جماعت ہو چکی اپنے گھر اور منزل میں منفرداً نماز پڑھ لی، لیکن بعد میں جب مسجد پر کو گزر ہوا تو معلوم ہوا کہ نماز ابھی تک نہیں ہوئی، لہذا ان دونوں قسم کی روایات والی ابواب میں تکرار نہیں۔ **البحث الثاني**۔ اعادہ تمام نمازوں کا ہو گا یا بعض کا مسئلہ مختلف فیہ ہے امام شافعی و احمد کے نزدیک تمام نمازوں کا اعادہ ہو گا البتہ امام احمد فرماتے ہیں کہ مغرب کی نماز میں ایک رکعت کا اضافہ کیا جائے اور امام مالک کے نزدیک مغرب کے علاوہ باقی چار نمازوں کا اعادہ کر سکتے ہیں اور حنفیہ کے نزدیک اصولاً اعادہ صرف دو نمازوں کا ہے ظہر اور عشاء اس لئے کہ یہ دوسری نماز نفل ہوگی اور نفل نماز فجر اور عصر کے بعد مکروہ ہے اور نماز مغرب کا اعادہ اس لئے نہیں کہ نفل نماز ثلاثی نہیں ہوتی بلکہ ثنائی ہوتی ہے یا رباعی، اور ایک رکعت کا اضافہ کرتے ہیں تو مخالف امام لازم آتی ہے، لہذا ان کے یہاں صرف دو نمازوں کا اعادہ رہ گیا ظہر اور عشاء۔

البحث الثالث۔ ان دونوں نمازوں میں سے کون سی نماز فرض ہوگی اور کون سی نفل، ائمہ ثلاثہ جس میں حنفیہ بھی ہیں کے نزدیک پہلی نماز فرض اور دوسری نفل ہوگی و عند المالکیہ اعدادہا لا علی التبعین والتبعین، مفوض الی اللہ تعالیٰ ایسے ہی بعض شافعیہ کی رائے یہ ہے کہ جو نسی نماز زیادہ عمدہ اور کامل ہو وہ فرض ہے اور دوسری نفل، الفرض اکملہما۔ اور امام اوزاعی کے نزدیک جہور کے مسلک کے برعکس ہے اول نماز نفل اور ثانی فرض، اور شعبی کا مسلک عجیب ہے کہ دونوں نمازیں فرض شمار ہوں گی۔

اس مسئلہ میں جہور کی دلیل حدیث الباب ہے فانھا لك نافلة نیز اس سے اگلی روایت میں آرہا ہے واجعل صلوٰۃک معہ وسبحة کہ جماعت سے جو نماز پڑھی اس کو نفل قرار دے اور امام اوزاعی کی دلیل ابواب الجماعة میں جو روایات آرہی ہیں وہاں ایک روایت میں ہے تکن لك نافلة وھذا مکتوبہ۔ اس روایت میں بعد والی نماز کو فرض کہا جا رہا ہے، امام نووی دیکھنے لگے اس کا جواب یہ دیا ہے ھذا روایۃ شاذۃ مخالفة للثقات، اور یہ کہا

جائے کہ ہذہ کا اشارہ بجائے اقرب کے البیعنی صلوٰۃ اول کی طرف ہے۔

حدیث الباب بظاہر حنفیہ کے خلاف ہے | اس کے بعد جانتا چاہئے کہ احادیث الباب میں مطلقاً اعادۃ صلوٰۃ کا حکم ہے جبکہ احناف کے نزدیک صرف دو نمازوں کا

اعادہ ہو سکتا ہے کما سبق لہذا یہ روایت حنفیہ کے خلاف ہے، جواب مل ہو سکتا ہے کہ یہ روایات نہی عن الصلوٰۃ فی الاوقات المکرہہ سے پہلے کی ہوں، جواب علی نقل کی مخالفت ان اوقات میں جب ہے جبکہ نماز پڑھنا اپنے اختیار سے ہو اور یہاں جو دوسری نماز نقل پڑھی جا رہی ہے صلوٰۃ و ضرورۃ ہے والفرورات بیع المحظورات، (قالہ علی القاری رحمہ اللہ تعالیٰ) الحمد للہ متعلقہ مباحث پورے ہو گئے۔

مضمون حدیث ۲۔ حد ثنا عبد الرحمن بن ابراہیم — قوله قدیم علینا معاذ بن جبل الخ مضمون حدیث یہ ہے کہ عمرو بن میمون کہتے ہیں کہ ہمارے یہاں یمن میں معاذ بن جبل تشریف لائے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے فرستادہ، حضرت معاذ یمن میں صبح کے وقت جب داخل ہو رہے تھے تو ذرا بلند آواز سے تکبیر اللہ اکبر کہتے ہوئے داخل ہوئے ان کی یہ صدا صبح کے وقت میں میں نے اپنے کان سے سنی حضرت معاذ کی آواز میں ذرا غصہ پایا جاتا تھا اپنی اسی آواز سے انھوں نے اللہ اکبر کہا اس آواز تکبیر کے سننے کا مجھ پر ایسا اثر ہوا کہ میرے قلب میں ان کی محبت واقع ہو گئی اور میں ان کا گردیدہ ہو گیا اور ہمیشہ ان کی صحبت میں رہا ان سے کبھی جدائی اختیار نہیں کی تا آنکہ میں نے ان کو اپنے ہاتھوں سے ملک شام میں دفن کیا، پھر میں نے سوچا کہ یہ تو پہلے اب کسی اور نفعیہ صحابی کی محبت اختیار کرنی چاہئے تاکہ باقی زندگی ان کے ساتھ رہ کر گذاری جاسکے تو میں نے محبت کے لئے حضرت عبد اللہ بن مسعود کا انتخاب کیا اور میں انھیں سے چٹا رہا یہاں تک کہ ان کا بھی وصال ہو گیا، رضی اللہ تعالیٰ عنہ

۳۔ حد ثنا محمد بن قدامة — قوله عن ابن اخت عبادۃ۔ یہ غلط ہے صحیح وہ ہے جو آگے آ رہا ہے، عن ابن امرأة عبادۃ۔

۴۔ حد ثنا ابو الولید الطیالسی — قوله فہی لکھ۔ یعنی جو امر اتنا خیر سے نماز پڑھیں گے تو تمہارا اس میں کچھ حرج نہیں بلکہ تمہارے حق میں تو ان کے ساتھ پڑھنا ہی بہتر ہے (اس لئے کہ ہماری طرف سے تم کو ہدایت ہی ہے) وہی علیہم اور یہ تاخیر والی نماز ان کے حق میں سراسر مضر ہے اس لئے کہ ان کی یہ تاخیر اپنے اختیار اور غفلت سے ہے۔ فَعَلُوا مَعَهُمْ مَا صَلَّوْا الْقَبْلَةَ۔ یعنی تم ان کی اطاعت کرتے رہو ان کے ساتھ نمازیں پڑھتے رہو ان کی مخالفت علم بغاوت بلند مت کرو جب تک یہ امر ار مسلمانوں کے قبلے کی طرف نماز پڑھتے رہیں یعنی جب تک ان میں علامات اسلام پائی جائیں اور دائرۃ اسلام سے خارج نہ ہوں۔

بَابُ فِي مَنْ نَامَ عَنْ صَلَاةٍ أَوْ نَسِيَهَا

یعنی نماز کے وقت کوئی شخص سوتا رہ جائے یا نماز کو اس کے وقت میں پڑھنا بھول جائے تو ایسی صورت میں کیا حکم ہے نسیان یا نوم سے نماز ساقط ہوتی ہے یا نہیں۔

واقعہ لیلۃ التفریس کے تعدد میں اختلاف علماء

اس باب میں مصنف نے لیلۃ التفریس کا واقعہ متعدد صحابہ کی روایات اور مختلف فرق سے تفصیل کے ساتھ ذکر فرمایا ہے حضرات محدثین کے درمیان اس میں اختلاف ہو رہا ہے کہ یہ واقعہ صرف ایک بار پیش آیا یا متعدد بار، اُمّیئہ ایک محدث ہیں ان کی رائے یہ ہے کہ اس میں تعدد نہیں صرف ایک مرتبہ پیش آیا جبکہ آپ صلی اللہ علیہ وسلم غزوہ حنین سے واپس ہو رہے تھے، اور اکثر محدثین جس میں قاضی عیاضؒ، حافظ ابن حجرؒ، سیوطیؒ وغیرہ حضرات ہیں تعدد کے قائل ہیں ابن العربیؒ کی رائے یہ ہے کہ یہ واقعہ تین بار پیش آیا، ظاہر احادیث سے بھی تعدد ہی سمجھ میں آتا ہے اس لئے کہ بعض روایات سے معلوم ہوتا ہے کہ یہ واقعہ غزوہ خیبر کے سفر میں پیش آیا اور بعض میں حدیبیہ کا ذکر ہے اور بعض میں طریق تبوک اور بعض میں حنین کا، اور یہ سب روایات اسی کتاب سنن ابوداؤد میں آرہی ہیں، اسی طرح بعض روایات میں ہے کہ سب سے پہلے بیدار ہونے والے ابو بکرؓ تھے اور بعض میں ہے کہ حضور صلی اللہ علیہ وسلم تھے اور بعض میں ہے کہ ذو نجر صحابی تھے، لہذا بغیر تعدد واقعہ تسلیم کئے جمع بین الروایات مشکل ہے۔

۱۔ حدثنا احمد بن صالح۔ قولہ حتی اذا ادرکنا الکروی، ادرکنا جمع متکلم کا صیغہ نہیں ہے بلکہ واحد مذکر کا صیغہ ہے اور نا ضمیر منصوب متعلق ہے جیسے حدثنا واخبرنا اور الکروی ترکیب میں فاعل ہے کروی کی تفسیر آگے خود کتاب میں لناس آرہی ہے یعنی جب ہمیں نیند آنے لگی عتومتس تفریس کہتے ہیں مسافر کا چلتے چلتے آخر شب میں استراحت کے لئے نزل یعنی کسی منزل پر پڑاؤ ڈالنا تاکہ نماز کے وقت سے پہلے تھوڑی دیر آرام پالے اور پھر نشاط کے ساتھ نماز ادا کر کے اسی کا نام تفریس ہے وقال لبلال اکلا لئلا لللیل آپ صلی اللہ علیہ وسلم کا معمول تھا کہ جب آپ سفر میں کسی جگہ تفریس فرماتے تو در فقار سفر میں سے کسی ایک کو جاگتے رہنے پر مامور فرما دیتے تاکہ وہ جاگ کر پورے قافلہ کی حفاظت و نگہبانی کرتا رہے اور صبح ہونے پر نماز کے لئے دوسروں کو بیدار کر دے، آگے یہاں روایت میں یہ ہے کہ حضرت بلالؓ نے چونکہ بیدار رہنے کی ذمہ داری لی تھی تو انھوں نے یہ کیا کہ اپنی سواری کو بٹھا کر اس پر ٹیک لگا کر مشرق کی جانب اپنا رخ کر کے بیٹھ گئے تاکہ صبح صادق کی روشنی جو جانب مشرق سے نمودار ہوتی ہے وہ آنکھوں کے سامنے رہے، لیکن ہوا یہ کہ اتفاق سے ان کی بھی آنکھ لگ گئی یہاں تک کی صبح صادق ہو کر نماز کا وقت بھی ختم ہو گیا اور

سورج نکل آیا اس روایت میں یہ ہے کہ سب سے پہلے حضور صلی اللہ علیہ وسلم بیدار ہوئے اور آپ نے بلالؓ کو آواز دے کر فرمایا یا بلال صرنا اتنا ہی فرمایا مطلب ظاہر تھا کہ یہ تم نے کیا کیا اس پر انہوں نے عرض کیا یا رسول اللہ میرے ماں باپ آپ پر قربان مجھے بھی اسی نے سلا دیا جس ذات نے آپ کو سلا یا، اور بخاری کی روایت میں یہ بھی ہے کہ انہوں نے عرض کیا کہ ایسی غیر اختیاری نیند مجھے کبھی نہیں آئی، سبحان اللہ کیا خوب کیا کہ جواب میں کہاں نیاز مندی و جاں نثاری کے ساتھ صاف اور بے تکلف اپنا مذر پیش کر دیا ان کو یہ کہتے ہوئے کہ جس ذات نے آپ کو سلا یا اسی نے مجھ کو بھی سلا یا کوئی تا ئل اور آپ کے ناراض ہونے کا اندیشہ ہوا کیونکہ وہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کے فرائض مبارک اور اخلاق عالیہ حق گوئی و حق پسندی کو خوب جانتے تھے کہ اس دربار میں حق ہی بات کہی جاتی ہے اور وہی سنی جاتی ہے بخاری شریف کی ایک روایت میں یہ بھی ہے کہ آپ نے مرتب الفاظ میں حضرت بلالؓ کا مذر قبول فرمایا ان اللہ قبض اور احوک و حیث نشاء و ردہا علیکم عین شام اس پر بندہ کو محمود و ایاز کا قصہ یاد آجاتا ہے گراں قیمت جو ہر کے توڑ دینے کا جو ایاز نے بادشاہ سلامت کے حکم پر فوراً توڑ دیا تھا اور پھر جب انہوں نے سوال کیا کہ تم نے یہ کیا کیا تو اس پر ایاز نے آداب شاہی کے مناسب دست بستہ ہو کر عرض کیا کہ مجھ سے قصور ہو گیا معافی چاہتا ہوں اس واقعہ کو لوگ اگر چہ ایاز کے مناقب میں شمار کرتے ہیں لیکن حضرت بلالؓ کے طرز عمل میں جو صداقت و صفائی ہے وہ اس میں کہاں کما لایعنی، یہی وہ واقعہ ہے جو لیلۃ التعلیس کے نام سے مشہور ہے جس میں حضور صلی اللہ علیہ وسلم اور پورے قافلے کی صبح کی نماز قضا ہو گئی تھی و امر بلا الا فقام لہم الصلوۃ۔ اس موقع پر آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے صبح کی نماز باجماعت اور فرمائی اذان و اقامت کے بارے میں روایات مختلف ہیں بعض میں دونوں کا ذکر ہے جیسا کہ آگے روایت میں آ رہا ہے اور بعض میں صرف اقامت کا جیسا کہ اس حدیث میں اور مسئلہ بھی مختلف فیہ ہے۔

قضا نماز کے لئے جماعت اور اذان و اقامت میں اختلاف

حنفیہ اور حنابلہ کے نزدیک فائتہ نماز کے لئے اذان و اقامت دونوں ہیں اور امام شافعی کا قول قدیم بھی یہی ہے اور وہی ان کے اصحاب کے نزدیک رائج ہے اور ان کا قول جدید یہ ہے کہ فائتہ کیلئے صرف اقامت ہے اذان نہیں اور یہی مذہب ہے امام مالک کا نیز اس واقعہ سے معلوم ہوا کہ قضا نماز کے لئے بھی جماعت مسنون ہے جیسا کہ جمہور اور ائمہ اربعہ کا مذہب ہے اس میں لیث بن سعد کا اختلاف ہے وہ اس کے قائل نہیں، امام بخاری نے قضا نماز کے لئے جماعت کا مستقل باب باندھا ہے اور اس میں یہی حدیث ذکر فرمائی ہے، من نسی صلوۃ فلیصلہا اذا ذکرہا فان اللہ قال اقم الصلوۃ للذکر، یعنی جو شخص نماز کو بھول جائے تو اس کو چاہئے کہ جہوقت نماز یاد آئے اسی وقت اس کو پڑھے اس لئے کہ اللہ تعالیٰ نے فرمایا ہے کہ نماز قائم کرو اس کے یاد آنیکے وقت، یہاں پر دو قرائتیں ہیں ایک لید کرئی یا رستکم کے ساتھ دوسری للذکرئی، ذکرئی دراصل مصدر ہے اور

الف لام اس میں مضاف ایسکے عوض میں بنے اور لام بمعنی وقت ہے لہذا للذکرئی کے معنی ہوئے وقت ذکر الصلوٰۃ کہ جس وقت نماز یاد آئے، یہاں پر روایت میں ہیں دوسری قرأت منقول ہے اور اسی سے قریٹ بھی تام ہو سکتی ہے، پہلی قرأت یہاں منطبق نہیں ہوتی جیسا کہ ظاہر ہے۔

حدیث سے متعلق مسائل فقہیہ و اختلاف علماء | اس حدیث میں چند مسئلے ہیں جس میں سے بعض ابھی گذرے اور بعض باقی ہیں عطاء الصلوٰۃ فی الاوقات

المنہیۃ، ائمہ ثلاثہ کے نزدیک جائز ہے اور حنفیہ کے یہاں اس میں تفصیل ہے وہ یہ کہ اوقات منہیہ دو قسم کے ہیں ایک وہ جن میں مطلقاً نماز پڑھنا جائز نہیں نہ قضا نہ نفل وہ تین ہیں، طلوع، غروب، وقت الاستواء اور دو وقت ایسے ہیں جن میں نوافل ممنوع اور قضا نماز جائز ہے یعنی بعد العصر والعصر دوسرا مسئلہ ترتیب بین الوقتیہ والغائۃ ہے چنانچہ ائمہ ثلاثہ کے نزدیک یہ ترتیب واجب ہے کہ پہلے قضا نماز پڑھی جائے اس کے بعد وقتیہ، امام شافعیؒ اور ظاہریہ کا اس میں اختلاف ہے ان کے یہاں یہ ترتیب واجب نہیں لیکن جہور کے نزدیک یہ ترتیب کثرت فوائد سے ساقط ہو جاتی ہے اور کثرت کے مصداق میں اختلاف ہے بعض علماء کے نزدیک حد قلت چار نمازوں تک ہے اگر پانچ ہو جائیں تو وہ کثیر ہیں اور حنفیہ کا مسلک یہ ہے کہ پانچ تک قلیل ہیں اس سے زائد کثیر ہیں، نیز اس میں بھی اختلاف ہے کہ فتن وقت سے ترتیب ساقط ہو جاتی ہے یا نہیں اکثر کے نزدیک ساقط ہو جاتی ہے اور مالکیہ کے یہاں نہیں البتہ نسیان سے سب کے یہاں ساقط ہو جاتی ہے جہور علماء جو وجوب ترتیب کے قائل ہیں وہ دلیل میں پیش کرتے ہیں کہ حضور صلی اللہ علیہ وسلم کی غزوہ خندق میں چار نمازیں فوت ہوئی تھیں تو آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے ان کو ترتیب کے ساتھ ادا فرمایا تھا، نیز ایک دوسرے موقع پر آپ نے ارشاد فرمایا ہے صَلُّوا کَمَا رَأَیْتُمُوْنِیْ اُمَسِّیْ عَآءِیْہَاں ایک مسئلہ اور ہے وہ یہ کہ حدیث الباب قویہ ہے من لیسَی صلوٰۃً لیکن اگر کوئی قصداً نماز کو اسکے وقت میں نہ پڑھے تو اس صورت میں بھی قضا واجب ہے یا نہیں، جہور علماء ائمہ اربعہ کہتے ہیں کہ اس صورت میں قضا بطریق اولیٰ واجب ہے جب نسیان سے نماز ساقط نہیں ہوتی جو کہ اکثر مسائل میں عذر شرعی قرار دیا گیا ہے تو پھر عدا ترک کی صورت میں تو کوئی عذر بھی نہیں اس میں قضا کیوں واجب نہوگی اور یہ وجوب بطریق دلالت النقص ہوگا نہ بطریق قیاس، ظاہر یہ کہ اس میں اختلاف ہے اور شیخ ابن تیمیہ کا میلان بھی اسی طرف ہے وہ فرماتے ہیں کہ حدیث میں نسیان کی قید ہے لہذا عدا ترک کی صورت میں قضا واجب نہوگی گویا عدا ترک کرنا ایسا شدید جرم ہے جس کی تلافی ممکن نہیں مہل میں لکھا ہے کہ بعض صحابہ بھی اسی کے قائل تھے جیسے عمر اور عبداللہ بن عمر، سعد ابن ابی وقاص

ابن مسعود، سلمان فارسی رضی اللہ عنہم۔

۲۔ حدثنا موسى بن اسماعيل — قوله: تحوّلوا عن مكانكم الذي أصابكم فيه الغفلة۔ یعنی آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا کہ اس وادی سے نکلو کہ جس میں تم کو غفلت لاحق ہوئی اور مسلم شریف کی ایک روایت میں ہے فان هذا منزل حفص بن غنيم الشيطان کہ اس منزل میں ہمارے پاس شیطان آگیا۔

اس وادی سے تحوّل و انتقال کا سبب | جہور علماء یہ کہتے ہیں کہ اس وادی سے منتقل ہونے کی وجہ یہ تھی جو اس حدیث میں مذکور ہے اور وہ وجہ نہیں تھی

جو حنفیہ بتاتے ہیں کہ طلوع شمس کے وقت قضاء نماز جائز نہیں اس لئے آپ صلی اللہ علیہ وسلم آگے بڑھے تھے، لیکن ہم یہ کہتے ہیں کہ ایک فعل کی مختلف مصلحتیں ہو سکتی ہیں اس سلسلہ کی روایات کے الفاظ کو دیکھنا چاہئے، چنانچہ بعض روایات میں ہے فلما ارتفعت الشمس وابتضت قام فضلي (رواہ البخاری) اور ایک روایت میں ہے (کافی البیہقی) فامروا بالاذان وعلی رکعتین ثم انتظر حتى استعلت الشمس ثم امروا فقام فضلي بهو اب آپ ان الفاظ میں غور فرمائیے کہ جوابات ہم کہہ رہے ہیں وہ ہے کہ نہیں، یہ مضمون ہم من ادرك رکعة من الفجر فقد ادرك الصبح حدیث کے ذیل میں بھی بیان کر چکے ہیں، قال فامروا بالاذان واقام۔ اس روایت میں اذان واقامت دونوں مذکور ہیں جیسا کہ حنفیہ و غنابلہ کا مذہب ہے اور اس سے پہلی روایت میں صرف اقامت کا ذکر تھا۔

شرح السند | قال أبو داود ورواه مالك ابو معنف اسی اذان واقامت کے اختلاف کو بیان کر رہے ہیں کہ زہری کے اکثر تلامذہ نے اس روایت میں زہری سے صرف اقامت کو ذکر کیا ہے جیسے مالک، سفیان بن عیینہ، اوزاعی، معمر، ابن اسحاق، لہذا راجع اس روایت میں عدم ذکر اذان ہے۔

واضح رہے کہ اوپر جو زہری کی روایت گزری ہے جس میں اذان واقامت دونوں مذکور ہیں اس میں زہری سے روایت کرنے والے معمر ہیں اور معمر کا نام معنف نے ان لوگوں کے ساتھ بھی ذکر کیا جن کی روایت میں ذکر اذان نہیں اس کا جواب یہ ہے کہ دراصل معمر کی روایتیں دو ہیں ایک میں ان کے شاگرد ابان ہیں اور دوسری میں عبدالرزاق، ابان کی روایت جو معمر سے ہے اس میں ذکر اذان ہے اور عبدالرزاق کی روایت میں اذان کا ذکر نہیں اسی لئے معنف نے فرمایا عبد الرزاق عن معمر، خوب سمجھ لیجئے۔

ولو بسنداه منہوا حدیث ابو یہاں سے دوسرا اختلاف بیان کر رہے ہیں وہ یہ کہ بعض رواۃ اس حدیث کو مرسلًا بغیر ذکر ابو ہریرہ کے اور بعض مسندًا ذکر ابو ہریرہ کے ساتھ بیان کرتے ہیں اور مسندًا روایت کرنے والوں میں سے ایک معمر ہیں جن کی روایت اوپر متن میں گزری، دوسرے اوزاعی ہیں۔

مستدل خفیہ پر مصنف کا نقد اور اس کا جواب

در اصل مصنف کا مقصد یہ ہے کہ یہ حدیث جس میں اقامت کے ساتھ اذان مذکور ہے یہ ضعیف

اور مضطرب ہے چنانچہ پہلے کہہ چکے ہیں کہ زہری کے اکثر تلامذہ نے اذان کو ذکر نہیں کیا اور دوسرا اختلاف یہ بیان کر رہے ہیں کہ اس حدیث کو بعض نے مرسل اور بعض نے مسنداً ذکر کیا، لہذا یہ حدیث مضطرب ہوئی اس کا جواب اصولاً ہماری طرف سے یہ ہے کہ حدیث کا رفع ارسال کے مقابلہ میں بمنزلہ زیادہ کے ہے اور قاعدہ یہ ہے کہ زیادہ ثقہ معتبر ہے اور اس حدیث کو مسنداً نقل کرنے والے جو راوی ہیں وہ ثقہ ہیں (قال الزرقانی) واللتی تعالیٰ اعلم

۳۔ حدیثنا موسیٰ بن اسماعیل فاحصاً آپ کو شاید یاد ہو اوائلی کتب میں جب اسی قسم کی سند آئی تھی تو ہم نے بتایا تھا کہ موسیٰ بن اسماعیل جب حماد سے روایت کرتے ہیں تو اکثر دہشتہ اس سے حماد بن سلمہ مراد ہوتے ہیں، موسیٰ بن اسماعیل حماد بن زید سے قلیل الروایۃ ہیں یہاں پر حماد سے حماد بن زید ہی مراد ہیں جیسا کہ بعض نسخوں میں اس کی تصریح بھی ہے دیلے فی نفسه یہ روایت حماد بن سلمہ اور زید دونوں ہی سے ہے، کما فی البذل۔ فقال النبی صلی اللہ علیہ وسلم

وملت معن اس کی شرح کی اگرچہ یہاں حاجت نہیں اس لئے کہ اس طرح کا لفظ باب المسح علی الخنثین کی روایت میں آچکا جس کے لفظ یہ تھے، عَدَلَ رَسُولُ اللَّهِ صَلَّى اللَّهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ وَعَدَلَتْ مَعَهُ۔ اسکی توضیح ہم وہاں کر چکے ہیں

شرح حدیث جس کا حاصل یہ ہے کہ پہلے زمانہ میں اونٹ سوار مسافروں کے جو قافلے چلتے تھے وہ قطار باندھ کر چلتے تھے اگر کسی شخص کو ان میں سے استیجار وغیرہ کی ضرورت پیش آتی تو وہ اپنی ضرورت کو پورا کرنے کے لئے قطار اور لائن سے باہر نکل آتا دوسرے قافلے والے بدستور چلتے رہتے پھر وہ شخص اپنی ضرورت سے فارغ ہو کر یا تو کوشش کر کے آگے بڑھ کر اسی قافلہ میں شامل ہو جاتا یا اگر کچھ ساتھی پیچھے آ رہے ہوں تو ان کا انتظار کر کے ان میں مل جاتا، چنانچہ یہاں آگے روایت میں آ رہا ہے فقال انظر فقلت هذا راكب

هذان راكبان الخ یعنی آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے ابو قتادہ سے فرمایا کہ دیکھو پیچھے سے کچھ ساتھی آ رہے ہیں یا نہیں تو یہ غور سے دیکھنے لگے تو ان کو دوسرے آتا ہوا ایک سوار نظر آیا انھوں نے کہا ہاں یا رسول اللہ ایک ساتھی آ رہا ہے پھر ایک اور نظر آیا تو یہ کہنے لگے کہ اب آئیوے دو ہو گئے اس طرح ہوتے ہوتے کل سات نفر ہو گئے بذل میں اس کلام کی تشریح اسی طرح کی ہے لیکن ابن رسلان نے دوسری طرح کی ہے غرضیکہ آپ صلی اللہ علیہ وسلم

لہ شارح ابن رسلان نے اس کلام کی شرح مسلم کی روایت مفصلہ کے پیش نظر اس طرح نہیں کی بلکہ انھوں نے اسکی معنی یہ بیان کئے ہیں کہ حضور صلی اللہ علیہ وسلم جبکہ سواری پر سوار ہو کر چل رہے تھے تو آپ کو ادنگھ آنے لگی جبکہ دوسرے آپ سواری پر بیٹھے بیٹھے ایک طرف کو جھکنے لگے میسے گر رہے ہوں ابو قتادہ آپ کے ہم جو ساتھ تھے وہ فرماتے ہیں کہ میں نے آپ کو اپنی کہنی سے روک لیا جس سے آپ سواری پر سیدھے ہو گئے۔

نے اسی جگہ پڑاؤ ڈالنے کا ارادہ فرمایا اور فرمایا کہ نماز کا خیال رکھنا ایسا ہو کہ سوتے رہ جائیں فَصَبَّ عَلَىٰ اَذَانِهِمْ اَوْ
یہ لفظ گناہ ہے نوم سے یعنی وہ سب نماز کے وقت سوتے رہ گئے لفظی ترجمہ تو اس کا یہ ہے کہ ان کے کانوں پر پردے
ڈال دیئے گئے جس سے وہ کان آوازیں نہ سن سکیں اور یہ کیفیت آدمی کی نیند ہی میں ہوتی ہے کہ کسی کی آواز نہیں سنتا
اسی طرح قرآن کریم میں بھی ہے فَصَبَّ عَلَىٰ اَذَانِهِمْ فِي الْكَهْفِ مِائِينَ عَشْرًا فَصَلُّوا رُكْعَتَيِ الْغَيْبِ اس سے
معلوم ہوا کہ صبح کی سنتوں کی تفصیل ہے چنانچہ امام محمدؒ اور شافعیہ وغیرہ کے نزدیک قضا مطلباً ہے اور شیعین (الوصیفہ والبولہ)
کے نزدیک صبح کی سنتوں کی قضا مستقلاً نہیں بلکہ تبعاً للفرض ہے منہل میں لکھا ہے کہ امام مالکؒ کے نزدیک تو قضا نہیں
لیکن علماء مالکیہ کے نزدیک ہے۔

انہ لا تغریط فی النوم وانما التغریط فی البغلة نماز کے قضا ہونے کی بنا پر صحابہ افسوس کرنے لگے
اور آپس میں کہنے لگے کہ ہم سے نماز کے بارے میں بڑی تعمیر اور کوتاہی ہوئی اپراپ صلی اللہ علیہ وسلم نے ان حضرات
کی تسلی کے لئے ارشاد فرمایا۔

شرح حدیث کہ حالت نوم میں تغریط نہیں ہوتی، تغریط بیداری کی حالت میں ہوتی ہے کہ باوجود آدمی بیدار
ہونے کے نماز کو قضا کر دے ہاں البتہ اسباب نوم کے اعتبار سے تغریط فی النوم ہو سکتی ہے
مثلاً کوئی شخص نماز کے وقت کے قریب لیٹ کر ارادۂ سوجائے اور کسی بیدار کرنے والے کا بھی بندوبست نہ کرے
اس صورت میں یقیناً اس کی طرف سے تغریط پائی گئی ایسے ہی کسی شخص کو اپنی عادت معلوم ہے کہ بغیر دوسرے کے بیدار
کئے وہ نماز کے وقت اٹھ نہیں سکتا تو اس کو چاہئے کہ اپنے بیدار ہونیکا نظم کرے ورنہ یہ اس کی طرف سے تغریط
ہوگی خوب سمجھ لیجئے۔

حدیث کی تشریح اور تاویل ومن الغد للوقت اس جملہ کے دو مطلب ہو سکتے ہیں ایک وہ جو
من حیث الاصول صحیح ہے اور دوسرا وہ جو غلط ہے صحیح مطلب یہ ہے کہ اگر کسی دن
آدمی کی نماز نسیان یا نوم کی وجہ سے قضا ہو جائے تو جس وقت یاد آئے اس کو فوراً پڑھ لے لیکن ایسا ہو کہ کل آئندہ
بھی اسی طرح نماز قضا کر دے بلکہ اگلے روز اس نماز کو وقت پر پڑھے گویا مطلب یہ ہے کہ روز روز نماز قضا نہیں
ہونی چاہئے کسی روز اتفاقاً ہو گئی تو کوئی حرج نہیں، اور دوسرا مطلب جو غلط ہے وہ یہ ہے کہ آج جو نماز قضا
ہو جانے کی وجہ سے بے وقت پڑھی ہے آئندہ کل اس کو دوبارہ اس کے وقت میں پڑھے، اس مطلب کی تائید
اگلی روایت سے ہوتی ہے جس کے لفظ یہ ہیں فلیقض معہا مثلہا لیکن یہ روایت ثانیہ وہم ہے اس کی سند میں ایک
راوی ہیں خالد بن سیران سے یہ وہم ہوا ہے اسی لئے امام بخاریؒ نے باب باندھا ہے باب من یسئ مسلکاً
فلیقض اذا ذکر ولا یحید الا تلك الصلوة، امام بخاریؒ نے اس ترجمۃ الباب میں تصریح فرمائی ہے کہ نماز کا

اعادہ نہیں ہوگا، شراح بخاری لکھتے ہیں کہ امام بخاری کی غرض ابو داؤد کی اس روایت کے رد کی طرف اشارہ ہے جس میں اعادہ مصلوٰۃ کا امر ہے بلکہ لسانی کی ایک حدیث میں بروایت عمران بن حصین یہ ہے کہ بعض صحابہ نے آپ صلی اللہ علیہ وسلم سے دریافت کیا الا نفضیہا لوقتہا من الغد کہ کیا اس نماز کو دوبارہ آئندہ کل اس کے وقت میں نہ پڑھ لیں اس پر آپ نے فرمایا لا۔ یہنا کو اللہ عن الیوم ویاخذہ منکون۔ نہیں، اللہ تعالیٰ سود سے بندوں کو تو منع کرتے ہیں اور تم سے سود کیسے گے نیز خود ابو داؤد کی ایک روایت میں آگے آ رہا ہے فلیصلہا اذا ذکرھا لا کفار قالہا الا ذلک، اس سب سے یہ بات معلوم ہوئی کہ پہلا ہی مطلب صحیح ہے، امام خطابؒ نے اس جملہ سے پریشان ہو کر یہ فرمادیا تھا کہ شاید اعادہ کا حکم استحباب کے طور پر ہو لیکن یہ بھی درست نہیں اول تو اس لئے کہ دوسری روایات کے خلاف ہے، دوسرے اسلئے کہ اہل علم میں سے کوئی اعادہ کے استحباب کا قائل نہیں ہے۔

۴۔ حدثننا علی بن زبیر قال۔ قال رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم جیش الامر ما یبذلہ القتۃ

ای حدیث الراوی بہذہ القتۃ کہ راوی نے مذکورہ بالا قصہ بیان کیا۔

جیش الامر کا مصداق جانتا چاہئے کہ جیش الامر کا اطلاق غزوہ موتہ پر ہوتا ہے جو ایک مشہور جنگ ہے دراصل یہ ایک سریہ تھا جس میں حضور صلی اللہ علیہ وسلم شریک نہیں تھے، آپ نے

اس سریہ کا امیر زید بن حارثہ کو متعین فرمایا تھا اور ہدایت فرمائی تھی ان اصیب زید فجعفر بن اصیب جعفر بن عبد اللہ بن رواحہ، کہ اگر زید بن حارثہ شہید ہو جائیں تو پھر امیر جعفر بن ابی طالب ہوں گے اور وہ بھی اگر شہید ہو جائیں تو امیر عبد اللہ بن رواحہ ہوں گے چنانچہ ایسا ہی ہوا کہ یکے بعد دیگرے یہ تینوں حضرات شہید ہو گئے اور بعد میں مشورہ سے صحابہ نے خالد بن الولید کو امیر بنایا، غرضیکہ جیش الامر غزوہ موتہ کا نام ہے جس میں حضور بالاتفاق شریک نہیں تھے اور یہاں حدیث میں جو واقعہ مل رہا ہے وہ لیلۃ التعلیس کا واقعہ ہے جس میں آپ صلی اللہ علیہ وسلم شریک تھے تو اب بعض شراح کی رائے یہ ہے کہ یہ لفظ یہاں وہم راوی ہے اور بعض نے اس کی توجیہ یہ کی کہ اس سے مراد غزوہ خیبر ہے اور غزوہ خیبر کو جیش الامر اس لئے کہا گیا ہے کہ غزوہ خیبر میں ایک روز ایسا ہوا کہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کسی عذر کی وجہ سے قتال میں شریک نہ ہو سکے تو پہلے دن آپ کی نیابت ابو بکر صدیقؓ نے کی تھی اور جھنڈا انہی کے ہاتھ میں رہا اور اس کے بعد حضرت عمرؓ نے اور پھر حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے یہ فرمایا تھا کہ آئندہ کل یہ جھنڈا میں اس شخص کے ہاتھ میں دوں گا جو اللہ اور اس کے رسول سے محبت کرتا ہے اور اللہ و رسول اس سے محبت کرتے ہیں چنانچہ آپ نے اگلے روز وہ جھنڈا حضرت علیؓ کے ہاتھ میں دیا، حاصل یہ کہ اس مناسبت سے غزوہ خیبر کو بھی جیش الامر کہا جاسکتا ہے۔

من کان منکم یرکع رکعتی الفجر فلیبرکھما جو شخص تم میں سے سفر میں صبح کی سنتیں پڑھا کرتا ہو اس کو چاہئے

کہ سنت فجر پڑھ لے آپ کے اس ارشاد پر سبھی لوگ سنت پڑھنے کے لئے کھڑے ہو گئے جو پڑھا کرتے تھے وہ بھی اور جو نہیں پڑھتے تھے وہ بھی۔

۵۔ حدثنا ابراهيم بن الحسن الخ فقله، فتومنا يعني النبي صلى الله عليه وسلم وضوء لعريكث من التراب يعني آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے ایسا مختصر وضوء فرمایا جس میں پانی بہت کم استعمال کیا اس طور پر کہ جس جگہ بیٹھ کر وضوء فرمایا تھا اس جگہ کی مٹی بھی اچھی طرح تر نہیں ہوئی، یہ ماخوذ ہے لشی یلیثی مثل خشبی یخشی سے جس کے معنی تر ہونیکے ہیں۔ اس لفظ کو دوسری طرح بھی پڑھا گیا ہے لعريكث بجائے ثار کے تار کے ساتھ، جس کے معنی ہیں لہر مختلف یہ ماخوذ ہے لت اسویق بالمار سے یعنی ستو کو پانی میں ملایا اس صورت میں ترجمہ یہ ہوگا، ایسی وضوء کہ جس سے مٹی پانی سے نہیں ملی یعنی اس جگہ کارا نہیں ہوا، آگے اس روایت میں اذان و اقامت دونوں کا ذکر ہے، نیز یہ سہ کہ آپ نے صبح کی سنتیں بہت اطمینان سے پڑھیں غیر عجیل۔

اس حدیث کی سند میں ایک راوی آئے ہیں یزید بن صالح، اس نام میں اختلاف ہے بعض ابن صالح کہتے ہیں اور بعض یزید بن صالح اور بعض یزید بن صلیح اور بعض یزید بن صلیح اور بعض یزید بن صلیح بزل میں لکھا ہے کہ امام بخاری فرماتے ہیں کہ صلیح اس میں ابن صلیح ہے، نیز لکھا ہے کہ یہ راوی مجہول ہے۔

۶۔ حدثنا محمد بن المثنی الخ فقله من يكلون افعال بلال انا، یہ پہلے بھی آچکا ہے کہ آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے لیلۃ التمریس میں فرمایا تھا کہ کون ہماری نگرانی کرے گا تو اس پر حضرت بلال رضی اللہ عنہ نے فرمایا انا بعض مشائخ سے ایک عبرت کی بات سنتے ہیں آئی وہ یہ کہ حضرت بلال رضی اللہ عنہ نے اس موقع پر لفظ انا کہ کر ذمہ داری قبول کر لی اور انشاء اللہ وغیرہ بھی نہیں کہا چنانچہ پھر وہی ہوا جو ہونا تھا، اسی قسم کا واقعہ بخاری شریف میں حضرت سلیمان علی نبینا وعلیہ الصلوٰۃ والسلام کا بھی مردی ہے کہ انھوں نے ایک مرتبہ فرمایا تھا کہ آج کی شب میں اپنی تمام ازدواج کے پاس پہونچ کر صحبت کر دوں گا اور پھر اس صحبت سے ہر ایک سے ایک مرد مجاہد شہسوار پیدا ہوگا، اس موقع پر وہ بھی انشاء اللہ نہ کہہ سکے تھے باوجود فرشتہ کے توجہ دلانے کے، روایت میں آتا ہے کہ اس شب کی صحبت سے ایک بھی بیوی سے بچہ پیدا نہیں ہوا صرف ایک سے پیدا ہوا وہ بھی ولد نا تمام، حضرت گسگو ہی کی تقریر میں ہے کہ یہ ایک بچہ بھی شاید اس وجہ سے پیدا ہو گیا کہ انشاء اللہ کہنے کا ارادہ کیا ہوگا ورنہ یہ بھی نہ ہوتا واللہ تعالیٰ اعلم۔

یہ باب بحمد اللہ پورا ہوا جو کافی طویل تھا جس میں مصنف نے متعدد صحابہ سے متعدد روایات لیلۃ التمریس سے متعلق ذکر فرمائی ہیں غالباً مصنف کا رجحان لیلۃ التمریس کے تعدد کی طرف ہے، نیز اس سے مصنف کا اس واقعہ کے ساتھ اہتمام و اعتبار معلوم ہو رہا ہے ورنہ مصنف کی عادت تکثیر روایات کی نہیں ہے

واقعہ لیلۃ التعریس اور تعلیم فعلی | یہاں ایک چیز قابل تنبیہ ہے جس کو ہمارے حضرت شیخ بھی اہتمام سے بیان فرمایا کرتے تھے وہ یہ کہ سرور کوئین صلی اللہ علیہ وسلم کی بشت تعلیم قولی اور تعلیم فعلی، یعنی عملی مشق (نمونہ پیش کرنا) دونوں کے لئے تھی یہ نماز قضا ہونے کا واقعہ کب کوئی طور پر اتنی لئے پیش آیا کہ قضا نماز پڑھنے کا طریقہ بھی آپ صلی اللہ علیہ وسلم کے ذریعہ عملی طور پر مشاہدہ میں آجائے۔ چنانچہ اس سے معلوم ہوا کہ ادارہ کی طرح قضا نماز کے لئے بھی جماعت مشرودع ہے نیز صبح کی سنتوں کی قضا۔ اور قضا نماز کے لئے اذان و اقامت کا مسئلہ وغیرہ آپ خود فرماتے ہیں اِنِّی لَا اَسْنِیْ وَلٰكِنْ اَنْتَسِیْ لِاَسْنِیْ (مؤلف) کہ میں بھولتا نہیں بھلایا جاتا ہوں تاکہ امت کو احکام نسیان کا علم ہو۔ چنانچہ سہو فی الصلوٰۃ آپ کو چند بار پیش آیا۔ اس طرح یہ واقعہ لیلۃ التعریس کا بھی عند الاکثر دو تین بار پیش آیا ورنہ حضور اقدس صلی اللہ علیہ وسلم کی شان تو بہت اعلیٰ دارفع ہے آپ کے غلاموں کے غلاموں کا مال یہ منقول ہے کہ ان میں سے بعض نے چالیس سال تک عشاء کے وضو سے صبح کی نماز ادا فرمائی جیسے امام اعظمؒ کے بارے میں مشہور ہے اور بعض حضرات کے بارے میں پچاس سال تک عشاء کی وضو سے صبح کی نماز پڑھنا منقول ہے، اس تعلیم فعلی میں جو کام منصب نبوت کے خلاف نہ تھے وہ خود آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کو پیش آئے مثلاً نماز قضا ہو جانا نماز میں سہو پیش آنا اور خانگی و معاشرتی امور و حالات میں ازدواج مطہرات کے ساتھ بعض ناگوار امور کا پیش آنا جیسے ترک کلام اور اسی طرح طلاق کا وقوع وغیرہ وغیرہ اور جو امور منصب نبوت کے خلاف تھے آپ سے ان کا مدد و نشان نبوت کے خلاف تھا تو ایسے امور میں تعلیم کی تکمیل کے لئے حق تعالیٰ شانہ نے آپ کے صحابہ کرام کا انتخاب فرمایا صحابہؓ نے بخوشی اپنے آپ کو اس خدمت کے لئے پیش کیا خواہ اس میں صورۃ ان کی ذلت ہی کیوں ہو۔ چنانچہ بعض صحابہ کے ساتھ زنا و حد زنا وغیرہ کے واقعات پیش آئے اور اس طور پر ان مسائل کی تکمیل ہوئی ان حضرات کے لئے ان واقعات میں بھی سرخرو دی ہے۔

اَجِدُ السَّلَامَةَ فِیْ هَؤُلَاءِ لَذِیْدَةٍ

حَسْبًا لِّذِکْرِكَ فَلِیْسَ لِمَنْیَ اللّٰوَمِ

بَابُ فِیْ بِنَاءِ الْمَسَاجِدِ

بعض نسخوں میں اس کے بجائے تفریح ابواب المساجد ہے تفریح کا لفظ مصنف اکثر استعمال فرماتے ہیں

لہ شاعر اپنے معشوق کو خطاب کرتے ہوئے کہہ رہا ہے کہ لوگ جو مجھ کو تیری محبت کے بارے میں ملامت کرتے ہیں مجھے اس ملامت میں لذت آتی ہے اس لئے کہ ملائکہ بوقت ملامت محبوب کا نام بار بار لیتے ہیں۔

تفریع کے معنی میں تجزیہ اور تفصیل جو فرع سے مشتق ہے بمعنی شاخ، ابواب المواقیت کے بعد اب یہاں سے مصنف
ابواب المساجد شروع فرما رہے ہیں۔ ان ابواب کی ماقبل سے مناسبت ظاہر ہے وہ یہ کہ اب تک بیان ہو رہا تھا
ازمنہ صلوٰۃ کا اب یہاں سے امكنہ صلوٰۃ کو بیان کر رہے ہیں مسجد کے لغوی معنی موضع السجود ہیں اور حرف میں اس بقعد
کا نام ہے جو عبادت کے لئے مخصوص ہو۔

۱- حدثنا محمد بن القباہ . حدثنا عن یزید بن الاصم . یہ ام المؤمنین حضرت میمونہ کے بھانجے ہیں۔ یہ
روایت کر رہے ہیں حضرت ابن عباسؓ سے اتفاق سے وہ بھی حضرت میمونہ کے بھانجے ہیں۔ میمونہ ان دونوں کی خالہ ہیں
ما امرت بتشید المساجد تشید کے دو معنی آتے ہیں ریع البناء و تطویلہ یعنی مکان کی عمارت کو بلند کرنا اور دوسرے
معنی اس کے تخصیص البناء کے ہیں۔ شید بمعنی جس (چونہ) سے ماخوذ ہے یعنی عمارت کو چونہ سے پختہ بنانا۔ باری تعالیٰ کا
قول وَقَصِّرْ مَشْرِيدَہ کی تفسیر میں بھی یہ دونوں قول مروی ہیں۔ ابن سلمان فرماتے ہیں کہ مشہور اس حدیث میں پہلے معنی ہیں
کما قال النور و غیرہ، حضور صلی اللہ علیہ وسلم فرما رہے ہیں کہ مجھے اللہ تعالیٰ کی طرف سے اس بات کا امر نہیں کیا گیا
کہ میں مسجد کی بناء کو بلند و بالا بناؤں اس لئے کہ یہ اسراف ہے لیکن واضح رہے کہ عدم امر عدم جواز کو مستلزم نہیں لہذا
نیک نیتی کے ساتھ مثلاً تعظیم مسجد کی نیت سے اگر بلند کیا جائے تو یقیناً جائز ہوگا قال ابن عباس لئن خرفتمہا کما زخرفت
اليہود والنصارى، اس جملہ کے قائل حضرت ابن عباسؓ ہیں اس لئے حدیث کا یہ حکم موقوف ہوا لیکن یہ ایسا موقوف
ہے جو حکم میں مرفوع ہے اس لئے کہ یہ مضمون اخبار بالنیب کے قبیلہ سے ہے جو منصب ہے صاحب رسالت کا
زَخْرَفَہ ماخوذ ہے زُخْرِفَہ سے، زخرف کے اصل معنی ذہب کے ہیں لہذا زخرفہ کے معنی ہوئے سونے کا پانی پھیرنا
لمع کارى۔ بعد میں اس لفظ کا استعمال مطلق تزیین کے معنی میں ہونے لگا یعنی جس طرح یہود و نصاریٰ نے اپنے معابد کو
آراستہ و مزین کیا اسی طرح یہ امت بھی اپنی مساجد کو مزین کرنے لگی، علماء نے لکھا ہے اول من زخرف المساجد
ولید بن عبد الملك بن مروان مگر اس زمانہ کے صحابہ نے اس پر سکوت فرمایا، لاجل خوف الفتنہ۔

تزیین مساجد کا حکم | شرح حدیث حافظ ابن حجر وغیرہ نے لکھا ہے کہ جمہور کے نزدیک تزیین المساجد بدعت
اور مکروہ ہے اور حنفیہ کے نزدیک اس میں رخصت ہے انھوں نے اس کو جائز قرار دیا
ہے جبکہ تعظیماً للمسجد ہونہ کہ مباہاتہ اور فخر کے طور پر حنفیہ کا مسلک درمختار میں یہ لکھا ہے کہ تنقیش مساجد میں کچھ مضائقہ
نہیں بجز محراب مسجد کے کہ اس کی تنقیش مکروہ ہے اس لئے کہ اس کے سامنے ہو نیکی و جبر سے نماز کے شروع میں فرق آتا
ہے نیز وہ آگے لکھتے ہیں کہ گو نفس تنقیش جائز ہے لیکن تکلف بدقائق النقوش مکروہ ہے خصوصاً جدار قبلہ میں چنانچہ
ایک قول یہ ہے کہ سقف مسجد میں جائز ہے علامہ شامی لکھتے ہیں کہ تنقیش حنفیہ کے نزدیک صرف جائز اور لا بأس ہے کے
درجہ میں ہے موجب ثواب اور مستحب نہیں اس لئے تصدق بالمال اولیٰ ہے تزیین مسجد میں مال خرچ کرنے سے

نیز جواز بھی اس صورت میں ہے جبکہ آدمی اپنا ذاتی مال خرچ کرے مال وقف سے ایسا کرنا حرام ہے۔ البتہ احکام مسجد بائیس پہنچتے بنانا بلاشبہ جائز ہے۔ ابن النیر مشہور شارح حدیث کی رائے بھی جواز تنقیش کی ہے وہ فرماتے ہیں کہ چونکہ لوگوں کی عادت جب اپنے گھر کو آراستہ کرنے کی ہو گئی تو مناسب ہے کہ مساجد کو بھی آراستہ رکھا جائے ان کو بے حرمتی سے بچانے کے لئے۔ چنانچہ حضرت عثمان غنیؓ نے اپنے زمانہ خلافت میں مسجد نبویؐ کی تعمیر از سر نو کرائی تھی جیسا کہ آگے کتاب میں آ رہا ہے اور محکمین میں بھی موجود ہے انھوں نے اس کی عمارت کو چونے کے ذریعہ سے بچتہ بنوایا تھا جبکہ حضور صلی اللہ علیہ وسلم اور شیخینؓ کے زمانہ میں اس کی بنا رکھی اینٹوں اور چیر کی تھی صحابہ نے جب ان کے ان تغیرات پر اعتراض کیا تو انھوں نے جواب میں حدیث مرفوعہ پیش فرمائی من بنی لثہ مسجداً بنی اللہ لہ۔ مثلاً بیثانی الجنة لیکن حضرت عثمان غنیؓ نے جو کچھ کرایا تھا وہ احکام بنامہ کے قبیل سے تھا ترمین مقصود بالذات نہیں تھی۔ شراح نے لکھا ہے کہ وہ نقشین پتھر جن کے ستون بنائے گئے تھے وہ ان کو ایسے ہی بنے بنائے بعض ولایات سے مل گئے تھے خود انھوں نے ان کی تنقیش نہیں کرائی تھی۔

فائدہ ۱: اس حدیث کا جو حصہ موقوف علی ابن عباس ہے اس کو امام بخاریؒ نے بھی تغیراً ذکر فرمایا ہے گواصل حدیث کو انھوں نے نہیں لیا جس کی وجہ حافظ ابن حجرؒ نے یہ لکھی ہے کہ اس حدیث کی سندیں اضطراب سے بعض رواۃ نے اس کو موصولاً اور بعض نے مرسلأ ذکر کیا ہے۔ نیز جانتا چاہئے کہ تَشْرِيفُهَا فَتَحَ لَام کے ساتھ ہے اور یہ لام لَام القسم ہے گویا ابن عباسؓ قسم کھا کر فرما رہے ہیں کہ تم لوگ ایسا ضرور کرو گے اس میں علامہ طیبی شارح مشکوٰۃ کو وہم ہو گیا انھوں نے اس لام کو لام چارہ سمجھ کر اس جملہ کو ماقبل سے متعلق قرار دیدیا اور اس سب کو انھوں نے ایک ہی حدیث سمجھا اور مطلب حدیث یہ بیان کیا کہ آپ صلی اللہ علیہ وسلم فرما رہے ہیں کہ مجھ کو مساجد کے بلند کرنے کا حکم نہیں دیا گیا تاکہ تم اس کے ذریعہ ان کو مُرْتَفَعُونَ و مُزْنُونَ کرو۔

۲۔ حَدَّثَنَا مُحَمَّدُ بْنُ عَبْدِ اللَّهِ عَنْ قَتَادَةَ عَنْ النَّسِی، قَتَادَةَ كَاعُطْفِ ابْنِ قَتَادَةَ بِرَبِّهِ یَعْنِی ابْنِ اس حدیث کو ابوالقلاہ اذ قنادہ دونوں سے روایت کرتے ہیں اور پھر یہ دونوں روایت کرتے ہیں انس سے۔ لَا تَقُومُ السَّاعَةُ حَتَّى يَتَبَاهَى النَّاسُ فِي الْمَسَاجِدِ، یعنی قیامت سے پہلے اس بات کا پایا جانا ضروری ہے کہ لوگ اپنی اپنی مسجدوں کے بارے میں فخر کریں گے کہ ہماری مسجد فلاں قوم کی مسجد سے اونچی اور اچھی ہے اس حدیث کے متبادر معنی یہی ہیں اس کا ایک دوسرا مطلب بھی ہو سکتا ہے وہ یہ کہ لوگ مسجدوں میں بیٹھ کر فخر و مباہلہ کی مجلسیں قائم کریں گے حالانکہ مسجدیں اس لئے نہیں ہیں کہ ان میں بیٹھ کر فخر و دریا کی باتیں کی جائیں۔

۳۔ حَدَّثَنَا رِجَاءُ بْنُ الْمُرَجَّى قَوْلُهُ إِنَّ يَجْعَلُ مَسْجِدَ الْمَطَائِفِ حَيْثُ كَانَ طَوْلُ غِيَاثِهِمْ، حضرت عثمان بن ابی ارماس جو کہ آپ صلی اللہ علیہ وسلم کی طرف سے طائف کے عامل اور حاکم تھے ان کو آپؐ نے حکم فرمایا کہ شہر طائف

میں خاص اس جگہ مسجد بنائیں جہاں پہلے کفار کے اصنام رکھے ہوئے تھے یعنی بتخانہ کو منہدم کر کے اس کی جگہ مسجد تعمیر کریں تاکہ جس جگہ غیر اللہ کی عبادت ہوتی تھی وہاں اب معبود حقیقی کی عبادت کی جائے اور آثار کفر کا خاتمہ اور ان کی اہانت ہو، طاغوت کا اطلاق شیطان اور صنم دونوں پر ہوتا ہے۔

۴۔ حدیثنا محمد بن یحییٰ بن فارس الخ قال ان المسجد کان علی عهد رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم مبنیاً باللبن والجرید۔ یعنی مسجد نبوی آپ صلی اللہ علیہ وسلم کے زمانہ میں کچی اینٹوں سے بنی ہوئی تھی اور اس کی چھت کھجور کی شاخوں سے، جیسے ہمارے یہاں گھاس پھوس کا چھپر ہوتا ہے اور اس کے ستون کھجور کے تنے تھے، لفظ عَمَد بفتح مین اور عَمَد بضم مین دونوں طرح مروی ہے جو کہ جمع ہے عمود بمعنی ستون کی فخر یرد فیہ ابو بکر ششیثاً، یعنی صدیق اکبر کے زمانے میں جب مسجد کی بنا ضعیف ہو گئی تو انھوں نے بلا کسی ترمیم اور زیادتی کے پہلے ہی جیسے سامان سے اس کی دوبارہ تعمیر کرائی اور حضرت عمرؓ نے اپنے زمانہ میں بنایا تو اس کو اسی طرح کے سامان سے، لیکن انھوں نے مسجد کے رقبہ میں زیادتی اور توسیع بھی فرمائی۔

وقال مجاہد عَمَدٌ خَشْبٌ۔ مصنف کے یہاں دو استاذ ہیں محمد بن یحییٰ اور مجاہد دونوں کے لفظوں میں منسرق بیان کر رہے ہیں، فرق یا تو یہ ہے کہ ایک استاذ نے لفظ عَمَد کو بضم مین ذکر کیا دوسرے نے بفتح مین اور ہو سکتا ہے کہ مراد یہ ہو کہ ایک استاذ نے لفظ خَشْباً کہا اور دوسرے نے نہیں، حضرت سہارنپوریؒ نے بدل میں یہ لکھا ہے کہ حضرت عمرؓ نے مسجد میں اضافہ قبلہ کی جانب کیا تھا اور منہل میں لکھا ہے کہ انھوں نے زیادتی مسجد کے طول و عرض دونوں میں کی تھی، اور پھر صاحب منہل نے اس پر تفصیل سے کلام کیا ہے، وَغَيْرَ ذَلِكَ، حضرت عثمانؓ نے مسجد میں نہ صرف توسیع بلکہ مسجد کی تعمیر پختہ کرائی چونے اور پچی اینٹوں سے اور اس کی چھت کو بھی بدل دیا، بجائے کھجور کی شاخوں کے اس کی کڑیاں ساگون کی لکڑی کی بنوائیں، ساگون ایک شہور درخت ہے جو ہندوستان میں ہوتا ہے جو بہت لمبا اور موٹا ہوتا ہے جس کے پتے بھی بہت بڑے بڑے ہوتے ہیں۔

وَسَقَفَهُ بِالسَّاجِ۔ یہ لفظ مجرد اور مزید دونوں سے ہو سکتا ہے سَقَفٌ، سَقْفٌ، ایک استاذ نے بالسَّاج کہا بار بارہ کے ساتھ اور دوسرے نے بغیر حرف جر کے۔ بنا عثمان کا ذکر کسی قدر تفصیل سے باب کی پہلی حدیث کے ذیل میں گذر چکا۔

۵۔ حدیثنا محمد بن حاتم الخ قال لَمَّا شَرَأَتْهَا بَنُو قُرَیْشٍ خِلَافَةَ عُثْمَانَ فَبْنَاهَا بِاللَّجَرِ، أَجْرٌ، بَنَتْهُ اِیْنُ لَیْنِ کا مقابل، اس روایت سے معلوم ہو رہا ہے کہ مسجد نبوی کے ستونوں کو حضرت عثمانؓ نے بخرہ اینٹوں سے بنوایا تھا اور اس سے پہلے گذر چکا بالعجاردۃ المنقوشۃ، لیکن یہ حدیث پہلی حدیث کے مقابلہ میں ضعیف ہے اس کی سند میں عطیہ بن سعد العونی، میں جو ضعیف ہیں، یا یہ کہا جائے کہ بعض اساطین حجارہ منقوشہ سے اور بعض

۱. بیٹوں سے بنوائے تھے۔

شرح حدیث ۶۔ حدیث نامہ ۱۰۰ قولہ فنزل فی علو المدینۃ علو میں عین کا ضمہ اور کسرہ دونوں جائز ہیں علو المدینہ کو عالیہ بھی کہتے ہیں جس کی جمع عوالی آتی ہے اور یہ مدینہ کا وہ حصہ ہے جو نجد (بلندی) کی طرف ہے اور مدینہ کا وہ حصہ جو تہامہ کی جانب ہے جس طرف مکہ ہے اس کو سافلہ کہتے ہیں یہاں علو المدینہ سے مراد قبا ہے جو کہ عوالی مدینہ سے ہے یہ مدینہ منورہ سے تقریباً تین میل کے فاصلہ پر ایک بستی ہے جس میں انصار کے کچھ خاندان آباد تھے سب سے زیادہ ممتاز عمر بن عوف کا خاندان تھا آپ صلی اللہ علیہ وسلم کا نزول قبا میں انھیں کے یہاں ہوا بتاریخ آٹھ یا بارہ ربیع الاول علی اختلاف القولین، آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے دخول مدینہ کے لئے بلندی والا راستہ اختیار فرمایا، اس سے علمائے آپ صلی اللہ علیہ وسلم اور آپ کے دین کی بلندی کی نیک فال نکالی ہے کہ آپ صلی اللہ علیہ وسلم اور آپ کے دیوانے کے لئے سر بلندی ہوگی، چنانچہ ایسا ہی ہوا، نا محمد لہ علی ذلک۔

فانما فیہم اربعۃ عشر لیلۃ۔ قبا میں آپ کی مدت قیام میں روایات مختلف ہیں بخاری شریف کی ایک روایت میں چودہ روز اور ایک میں چوبیس روز مذکور ہیں اور تیسرا قول مرت چار روز قیام کا ہے اس کی تفصیل انشاء اللہ باب الحجۃ فی القرۃ کی بحث میں آجائے گی۔

روایت میں اختصار شعرا رسل الی بنی النجار، یہاں روایت میں اختصار ہے آپ چند روز قبا میں قیام فرما کر جمعہ کے روز وہاں سے روانہ ہوئے مدینہ کے راستہ میں محلہ بنو سالم پڑتا تھا وہاں پہنچتے پہنچتے جمعہ کا وقت آگیا اس لئے آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے مسجد بنو سالم میں جمعہ کی نماز ادا فرمائی، یہ اسلام میں جمعہ کی سب سے پہلی نماز تھی جو مسجد بنو سالم میں آپ نے قائم فرمائی، نماز سے فارغ ہو کر آپ صلی اللہ علیہ وسلم ناقہ پر سوار ہوئے اور صدیق اکبرؓ کو آپ نے اپنی ہی سواری پر بٹھالیا، ہجرت کے وقت میں آپ اور صدیق اکبرؓ الگ الگ سواری پر سوار تھے، غالباً یہاں حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے معاملہ لوگوں پر صدیق اکبرؓ کی علوشان ظاہر کرنے کے لئے اپنی ہی سواری پر ان کو ردیف بنالیا، یہاں کی روانگی سے پہلے آپ نے ایک قاصد قبیلہ بنو نجار جو آپ کے نہالی قرابت دار تھے اس لئے کہ عبدالمطلب کی والدہ سلمیٰ انھیں میں سے تھیں، ان کے پاس بھیجا کہ آپ کا ارادہ انھیں کے یہاں قیام کا تھا، چنانچہ وہ آپ کے استقبال کے لئے ہتھیار لگائے ہوئے حاضر ہوئے اور آپ کے دائیں بائیں آگے پیچھے ساتھ چلتے رہے، ہر شخص کی خواہش اور درخواست آپ سے یہ تھی کہ آپ صلی اللہ علیہ وسلم کا قیام اس کے یہاں ہو آپ ان کو دعا دیتے اور یہ فرماتے کہ یہ ناقہ منجانب الشرا مور ہے جہاں بیٹھ جائے گی میں میرا قیام ہوگا بالآخر آپ کی ناقہ محلہ بنو نجار میں پہنچ کر خود بخود

اس مقام پر رک گئی جہاں اس وقت مسجد نبوی ہے سیرت کی کتابوں میں لکھا ہے کہ لیکن آپ صلی اللہ علیہ وسلم ناقہ سے نہ اترے کچھ دیر بعد ناقہ خود بخود اٹھی اور ابوالیوب انصاریؓ کے دروازے پر جو سامنے ہی تھا جا کر بیٹھی اس وقت حضور صلی اللہ علیہ وسلم ناقہ سے اترے اور ابوالیوب انصاریؓ آپ کا سامان اٹھا کر اپنے گھر لے گئے، رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کا طبعی میلان بھی یہی تھا کہ آپ کسی طرح بنو نجار میں اتریں جو احوال عبدالمطلب یعنی آپ کے دادا کے نہالی ہیں، اللہ تعالیٰ نے آپ کی اس خواہش کو اس معجزانہ طریقہ سے پورا فرمایا کہ خود بخود ناقہ وہیں جا کر ٹھہری تاکہ دوسرے حضرات جو آپ کے قیام کے خواہش مند تھے ان میں سے کسی کو یہ تاثر نہ ہو کہ ہمیں چھوڑ کر فلاں کو ترجیح دی۔

وكان رسول الله صلى الله عليه وسلم يقضي الخ مسجد نبوی کی بناء سے پہلے آپ صلی اللہ علیہ وسلم جس جگہ بھی نماز کا وقت ہو جاتا وہیں (غیر مسجد میں) پڑھ لیتے، اب کیونکہ یہاں کہیں آس پاس مسجد نہ تھی اس لئے آپ نے مسجد بنانے کا اور اس کے لئے جگہ خریدنے کا ارادہ فرمایا جس کا ذکر آگے روایت میں آ رہا ہے، چنانچہ آپ کی ناقہ جب جگہ آکر بیٹھی تھی وہ بنو نجار کے دو تیمیوں کا مربد یعنی کھجور خشک کرنے کی جگہ تھی جیسا کہ بعض روایات میں ہے اور ابوداؤد کی روایت میں اس کو حائط کہا گیا ہے یعنی باغ، ممکن ہے کہ وہ باغ ہو اور پھر اس کے ویران ہونے کے بعد اس کو مربد بنالیا گیا ہو، یا بعض حصہ باغ ہو اور بعض حصہ مربد، غرضیکہ آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے اس زمین کے خریدنے کی بات چیت فرمائی ان لوگوں نے عرض کیا کہ ہم بلا عوض کے اس کو دینا چاہتے ہیں مگر حضورؐ اس کے لئے تیار نہ ہوئے بلکہ آپ نے اس کو ثمن دے کر خریدا، ایک روایت میں ہے کہ مقدار ثمن دس دینار دی گئی، ظاہر یہ ہے کہ خریداری کا معاملہ تینوں سے ان کے ولی کے توسط سے ہی ہوا ہوگا، آگے روایت میں یہ ہے کہ اس زمین میں کچھ مشرکین کی قبریں تھیں جن کو اکھاڑ دیا گیا۔

قبور مشرکین کا نبش جس سے معلوم ہوا کہ قبور مشرکین کا نبش جائز ہے، امام بخاریؒ نے اسی لئے اس حدیث پر محل ینبش قبور المشرکین باب قائم کیا ہے اور امام ابوداؤدؒ نے بھی کتاب الخراج کے بالکل اخیر میں ایک باب باندھا ہے باب نبش القبور العادیۃ جس میں انہوں نے ابو ہفال کی قبر اور اس کے نبش کا واقعہ ذکر کیا ہے، شامی میں بھی اس مسئلہ کی تصریح ہے کہ قبور مشرکین کا نبش بلا کراہت جائز ہے وکانث فیہ خرب، خرب بروزن کلمہ جو جمع ہے خربۃ بروزن کلمۃ کی، بمعنی غار غرضیکہ قبور مشرکین کو تو اکھاڑ دیا گیا

۱۔ جن کا نام ایک روایت کے مطابق سہل اور سہیل تھا جو اسعد بن زرارہ کی تربیت میں تھے، دیئے ان دونوں کی تعین میں علماء رجال کا اختلاف ہے جس کو ابن الاثیر جزری وغیرہ نے ذکر کیا ہے (بامش بدل)

اور جو اس زمین میں غار وغیرہ تھے ان کو مٹی بھر کر ہموار کر دیا گیا اور جو وہاں کھجور کے درخت تھے ان کے تنوں کو مسجد کی تعمیر کے کام میں لایا گیا۔

فَصُفِّتِ النَّحْلَ قِبْلَةَ الْمَسْجِدِ، یعنی مسجد میں قبلہ کی جانب کھجوروں کے تنوں کو بطور ستون قائم کر دیا گیا اور باب مسجد کی دونوں جانبوں میں چوکھٹ کے طور پر پتھر نصب کر دیئے گئے، وَهَؤُلَاءِ تَجْزُونَ، جب صحابہ کرام مسجد کی تعمیر کے لئے پتھر اٹھا اٹھا کر لا رہے تھے تو ذوق و شوق میں یہ رجز پڑھ رہے تھے اللَّهُمَّ لَا خَيْرَ إِلَّا خَيْرُ الْأَخْزَةِ رَجَزِ شَعْرٍ كَيْفَ قَسَمَ، اور کہا گیا ہے کہ وہ باقاعدہ شعر نہیں ہوتا بلکہ وہ کلام موزوں کی ایک قسم ہے جیسے ترانہ ہوتا ہے ۷۔ حَدَّثَنَا مُوسَى بْنُ إِسْمَاعِيلَ قَالَ سَمِعْتُ سَاقَ بْنَ سَاقٍ، کی فمیر حماد بن سلمہ کی طرف راجع ہے جو ابوالتیاح کے شاگرد ہیں، اس سے پہلی سند میں ان کے شاگرد عبدالوارث تھے اور یہ بات یاد رکھنے کی ہے کہ جب سند میں اس طرح کی عبارت آئے تو فمیر اس راوی کی طرف راجع ہوگی جو نیا راوی اس دوسری سند میں آئے اور وہ یہاں حماد بن سلمہ ہیں، حماد کی روایت میں فاضل الانصار کے بجائے فاعنوالانصار ہے نیز اس دوسری روایت میں بجائے لَفْظِ خَرْبٍ کے خَرْبٌ ہے۔ (کھیتی)

شرح السند وَهَؤُلَاءِ عِبْدُ الْوَارِثِ ابْنُهُ إِذَا خَمَّازَ هَذَا الْعَدِثِ اس جملہ کی تشریح یہ ہے کہ اس دوسری سند میں حماد براہ راست روایت کر رہے ہیں ابوالتیاح سے اور پہلی سند میں ابوالتیاح سے روایت کرنے والے عبدالوارث تھے جس سے یہ بات ثابت ہو رہی ہے کہ عبدالوارث اور حماد دونوں رفیق ہیں اور ایک ہی استاد کے شاگرد ہیں، لیکن عبدالوارث یہ کہہ رہے ہیں کہ شروع میں یہ حدیث حماد نے مجھ سے ہی حاصل کی تھی لہذا حماد عبدالوارث کے شاگرد ہوئے نہ کہ رفیق، لیکن پھر بعد میں یہ ہوا کہ حماد نے ترقی کر کے حدیث اپنے استاد یعنی ابوالتیاح سے حاصل کر لی اس لئے حماد اس حدیث کو براہ راست ابوالتیاح سے روایت کرنے لگے اسی ترقی کا نام مقلوہ سند ہے۔

باب اتخاذ المساجد فی الدور

۱۔ حَدَّثَنَا مُحَمَّدُ بْنُ الْعَلَاءِ قَالَ قَالَ أَمْرُ رَسُولِ اللَّهِ صَلَّى اللَّهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ بِنَاءَ الْمَسَاجِدِ فِي الدُّوَرِ دور، دار کی جمع ہے جس کے معنی بیت اور منزل کے بھی آتے ہیں اور محلہ و قبیلہ کے بھی، ظاہر یہ ہے کہ یہاں دوسرے معنی مراد ہیں، یعنی ہر محلہ میں مسجدیں بنانی چاہئیں اس لئے کہ اگر ایسا ہوگا تو ایک محلہ والے دوسرے محلہ کی مسجد میں نماز پڑھنے کے لئے جائیں گے اور فاصلہ کی وجہ سے جماعت کے فوت ہونے کا اندیشہ رہے گا، لہذا

سب فردت ہر ہر محلہ میں مسجدیں ہونی چاہئیں اور اگر حدیث میں دار سے پہلے معنی مراد لئے جائیں تو مطلب یہ ہوگا کہ ہر گھر میں ایک مخصوص جگہ نماز کے لئے بھی ہونی چاہئے، مثلاً کوئی چوتری یا چوکی، آدمی جس طرح مکان میں اپنی دوسری فردت کی چیزیں تعمیر کرتا ہے، غسل خانہ، بادوچی خانہ وغیرہ، تو نماز کے لئے بھی کوئی خاص جگہ ہونی چاہئے جس کو نماز ہی پڑھنے کے لئے صاف اور ستھرا رکھا جائے، لیکن اس صورت میں مسجد سے مسجد شرعی مراد نہ ہوگی، بخلاف پہلی صورت کے کہ اس میں مسجد شرعی مراد ہے۔

صحیفہ سمرہ کی پہلی حدیث ۲۔ حَدَّثَنَا مُحَمَّدُ بْنُ دَاوُدَ قَالَ قَوْلُهُ إِنَّهُ كَتَبَ إِلَى بَنِيهِ أَمَّا بَعْدُ اس

حدیث کو غیب اپنے باب سلیمان سے اور سلیمان اپنے باب سمرہ بن جندب صحابی سے روایت کرتے ہیں اس کتاب میں اسی سند سے اور اسی طرز پر کل چھ حدیثیں ہیں اور سند ہزار میں اس طرح کی تقریباً سو حدیثیں ہیں، دراصل یہ ایک صحیفہ ہے، صحیفہ سمرہ کے نام سے جس میں انہوں نے بہت سی حدیثیں جمع کر کے اپنے بیٹوں کے پاس بھیجی تھیں، اس کی جملہ احادیث ایک ہی سند سے مروی ہیں اسی لئے وہ سند صحیفہ کے شروع میں لکھ دی گئی ہے صحیفہ کے شروع میں سند کے ساتھ لفظ اما بعد بھی ہے، اب جو مصنف اس صحیفہ سے کوئی سی حدیث لیتا ہے تو شروع میں جو سند ہے اس کو لے لیتا ہے اسی لئے ہر جگہ اس صحیفہ کی حدیث میں لفظ اما بعد ملتا ہے۔ یہ بات مقدمہ الکتاب میں بھی آگئی ہے کتاب حدیث کی بحث میں، لیکن یہ بھی واضح رہے کہ محدثین کے یہاں یہ سند ضعیف شمار ہوتی ہے کیونکہ اس کی سند کے راوی سب مجہول اور غیر معروف ہیں، بدل میں لکھا ہے، قال ابن القطن ما من هؤلاء من يعرف حاله۔

بَابُ فِي السُّرُجِ فِي الْمَسَاجِدِ

مساجد میں چراغ روشن کرنا: ابن رسلان شارح ابی داؤد لکھتے ہیں واول من (سرج فی المساجد تميم اللادي قالت يا رسول الله صلى الله عليه وسلم اذنتنا في بيت المقدس، ایک عورت نے آپ سے سوال کیا کہ بیت المقدس کے بارے میں ہیں حکم شرعی سے آگاہ کیجئے، یعنی یہ کہ ہم وہاں سفر کر کے جا سکتے ہیں اور اس میں نماز وغیرہ پڑھ سکتے ہیں یا نہیں تو آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا کہ ہاں، وہاں تم جا سکتی ہو اور اس میں نماز پڑھ سکتی ہو آگے راوی کہتا ہے وَكَانَتْ الْبِلَادُ أَذْذًا لِحَرَّتِهَا یعنی اس وقت تک اہل اسلام اور اہل شام کے درمیان حرب قائم تھی، ملک شام جہاں بیت المقدس ہے مسلمانوں نے فتح نہیں کیا تھا کسی مسلمان کا وہاں جانا دشوار تھا اسی لئے آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے ارشاد فرمایا فان لم تاتوا فموتوا وتصلوا فيه الا کہ اگر تم وہاں نہ جا سکو تو السا کرو کہ کسی ذریعہ

سے وہاں ردغن ریتوں بیکھدو جو بیت المقدس کے قنادیل اور چراغوں میں ملایا جائے، اس حدیث سے مسجد میں چراغ روشن کرنے کی مشروعیت ثابت ہو رہی ہے، نیز اس سے مساجد میں تیل بجھنے کی اصلیت بھی ثابت ہوئی جیسا کہ عام طور سے عورتیں مساجد میں تیل بجھدیا کرتی ہیں معلوم ہوا کہ یہ بے اصل نہیں ہے۔

باب فی حصی المسجد

حصی جمع ہے حصاة کی الاحجار الصغار (کنکریاں) مطلب یہ ہے کہ مسجد میں کنکریاں بچھا سکتے ہیں اس میں کچھ حرج نہیں جیسا کہ حدیث الباب سے معلوم ہو رہا ہے۔

قوله سألت ابن عمر عن الحصی الذی فی المسجد، مسجد نبوی کے معنی میں کنکریاں بھی ہوئی تھیں چٹائیوں اور صفوں کا تو اس وقت دستور نہ تھا اس کے بارے میں ایک تابعی نے ابن عمر سے دریافت کیا کہ یہ جو مسجد نبوی میں کنکریاں بھی ہوئی ہیں یہ کب سے بھی ہیں اور اس کا کیا منشا ہوا تھا تو انھوں نے جواب دیا کہ ایک مرتبہ کی بات ہے کہ مدینہ منورہ میں رات میں بارش ہوئی مسجد کا سارا صحن پانی سے تر ہو گیا تو لوگوں نے یہ کیا کہ اپنے پلوں میں کنکریاں بھر کر مسجد میں ساتھ لے گئے اور ہر شخص نے اپنے نماز پڑھنے کی جگہ میں ان کو پھیلا کر ان پر نماز پڑھی تاکہ کپڑے نہ بھیگیں حضور صلی اللہ علیہ وسلم تے نماز سے فراغ پر جب ان کنکریوں کو دیکھا تو فرمایا مَا أَحْسَنَ هَذَا، کہ یہ تم نے کیا ہی اچھا کیا، غرضیکہ اس وقت سے یہ کنکریاں بھی چلی آرہی ہیں، میں کہتا ہوں کہ ﷺ میں جب ہم پہلی بار حج کے لئے حاضر ہوئے اس وقت تک یہ کنکریوں کا سلسلہ قائم رہا مسجد حرام میں بھی اور مسجد نبوی میں بھی لیکن پورے صحن میں نہیں بلکہ اس کے بعض حصوں میں، گویا یہ قدیم یادگار چلی آرہی تھی، لیکن چند سال بعد جب ہماری پھر حاضری ہوئی تو دیکھا وہاں سے ان کنکریوں کو اٹھا دیا گیا تھا اور اس کے بجائے پختہ فرش بنادیا گیا، وہ اس کی یہ سننے میں آئی تھی کہ عورتیں اپنے ساتھ گود کے بچوں کو نماز کے وقت جب حرم لیجاتی تھیں تو بچوں کی نجاست پیشاب وغیرہ وہ کنکریوں کے اندر دبا دیتی تھیں اس لئے وہاں کے منتظمین نے یہ کنکریوں کا سلسلہ ہی ختم کر دیا، انا لله وانا اليه راجعون۔ خالی اللہ المشتکی، حضور صلی اللہ علیہ وسلم کے زمانہ کی ایک نشانی ختم ہو گئی۔

قوله ان الرجل اذا اخرج من المسجد ثابثاً، اگر کوئی شخص مسجد سے کنکری باہر نکالتا ہے یعنی اس کو اٹھا کر باہر پھینک دیتا ہے یا اٹھا کر اپنے ساتھ مسجد سے باہر لے آتا ہے تو وہ کنکری اس سے اللہ کا واسطہ دے کر سوال کرتی ہے کہ تو مجھے یہاں سے مت نکال، کنکری کا یہ سوال کرنا یا تو اس لئے ہے کہ مسجد

پاک اور صاف ستھری جگہ ہے اسلئے وہاں سے نکلنا نہیں چاہتی، یا اسلئے کہ مسجد رحمت و برکت اور عبادت کی جگہ ہے لوگ اس پر نماز پڑھتے ہیں اور باہر جانے کے بعد وہ ان سب چیزوں سے محروم ہو جائے گی، نیز یہ کنکری کا سوال کرنا ہو سکتا ہے بلسان قال اور حقیقہ ہو جس کی کیفیت سے ہم ناواقف ہیں، چنانچہ جمہور سلف کی رائے جمادات اور حیوانات کی تسبیح کے بارے میں یہی ہے جس کا ذکر اس آیت میں ہے وَإِنْ مِنْ شَيْءٍ إِلَّا يُسَبِّحُ بِحَمْدِهِ اور یہ بھی احتمال ہے کہ یہ سوال بلسان حال ہو گویا کنکری کی موجودہ حالت مسجد میں پڑے ہوئے ہونے کی اس بات کو معترضی ہے کہ وہ یہ چاہتی ہے کہ اس کو وہیں رہنے دیا جائے گویا بان سے وہ نہ کہہ سکے، یہاں پر روایت میں یہ ہے کَانَ يُقَالُ یعنی صحابہ آپس میں یہ کہتے تھے کہ جب کوئی کنکری کو مسجد سے نکالتا ہے تو وہ یوں کہتی ہے لیکن ظاہر بات ہے کہ صحابہ کرام یہ بات قیاس سے تو کہہ نہیں سکتے انھوں نے آپ صلی اللہ علیہ وسلم ہی سے سنا ہوگا، لہذا یہ حدیث حکم میں مرفوع کے ہے اس سے آگے جو حدیث آرہی ہے اس میں بھی اس حدیث کے مرفوع ہونے کا ذکر ہے گو تردد کے ساتھ۔

باب فی کنسل لمساجد

یعنی مسجد میں جھاڑو دینا لیکن آلہ کنس یعنی جھاڑو۔

قوله عُرِضَتْ عَلَيَّ اجْتُرَا مَتَى حَتَّى الْقَذَاةِ اِی اجْتُرَا اَعْمَالِ اِمْتِی، بخذف مضمت اور مسلم شریف کی روایت میں ہے عُرِضَتْ عَلَيَّ اَعْمَالِ اِمْتِی اب دونوں میں کوئی منافات نہیں جس طرح اجور پیش ہو سکتے ہیں اسی طرح اعمال بھی۔

شرح حدیث | اور عرض سے مراد یا تو احاطہ علمی ہے کہ ان چیزوں کو آپ کے علم میں لایا گیا، اور یہ عرض اپنی حقیقت پر بھی محمول ہو سکتا ہے اس طور پر کہ اعمال حسنہ کو اچھی صورت شکل میں پیش کیا گیا ہو اور اعمال سیئہ کو گھٹیا صورت میں جیسا کہ وزن اعمال میں بھی ایک قول یہی ہے اب رہی یہ بات کہ یہ عرض کب ہوا اور کہاں ہوا، ہو سکتا ہے کہ لیلۃ المعراج میں ہوا ہو یا کسی اور موقع پر، واللہ تعالیٰ اعلم۔

حتى القذاة، قذاة اس خس و غاشاک کو کہتے ہیں جو آنکھ یا پانی یا کسی پینے کی چیز میں گرجاتا ہے جو بہت معمولی سا ہوتا ہے، اس میں بڑا مبالغہ ہے مساجد کو صاف رکھنے میں، کہ جب اتنی ذرا سی چیز کے دور کرنے میں ثواب ہے تو اس سے زائد میں بطریق ادلی ہوگا۔

فلما رَدُّنَا اَعْظَمَ مِنْ سُورَةِ الْقُرْآنِ اِی یعنی مجھ پر میری امت کے گناہ بھی پیش کئے گئے تو میں نے اس

سے بڑا کوئی گناہ نہیں دیکھا کہ کسی شخص نے قرآن کی کوئی سورت یا آیت یاد کی ہو اور پھر اس کو بھول گیا ہو۔

بعض اشکال وجواب | یہاں پر یہ شبہ ہوتا ہے کہ ایک دوسری حدیث میں اعظم الذنوب شرک بالشہ

ای الذنوب اعظم عند اللہ تعالیٰ تو آپ نے فرمایا ان تجعل لک ذنبا و هو خلقک اس کے مختلف جوابات دیئے گئے ہیں، ایک یہ کہ اس حدیث میں تمام گناہوں سے اعظم مراد نہیں بلکہ بالنسبۃ الی الصغائر یعنی صغیرہ گناہوں میں سب سے بڑا یہ ہے، یا یہ کہا جائے مراد یہ ہے کہ نسیان علم پر مرتب ہونے والے گناہوں میں سب سے بڑا گناہ نسیان قرآن ہے، ایک دوسرا اشکال یہاں یہ ہوتا ہے کہ نسیان تو شریعت میں معاف ہے پھر اس پر مواخذہ کیوں؟ جواب یہ ہے کہ دو چیزیں ہیں ایک بھول جانا اور ایک بھلا دینا، یہاں ثانی مراد ہے اور مطلب شوکیہما کا یہ ہے شہرت کہہا حتی نسیہما، اور ایک جواب یہ بھی دیا گیا ہے کہ نسیان سے مراد عدم الایمان بھا ہے جیسا کہ اس آیت کی تفسیر میں کہا گیا ہے کَذٰلِکَ اَتَتْکَ آيَاتُنَا فَنَسِیَہَا، پھر جانتا چاہئے کہ اس میں فقہاء کا اختلاف ہو رہا ہے کہ نسیان آیت کیسا ہے منہل میں لکھا ہے کہ جمہور علماء اور ائمہ ثلاثہ کے یہاں حرام اور گناہ کبیرہ ہے، البتہ امام مالک کے نزدیک مانع بر الصلوۃ سے زائد یاد کرنا مستحب ہے ابتداء بھی اور دواماً بھی، لہذا اس کا نسیان ان کے یہاں مرف مکر وہ ہے۔

باب فی اعتزال النساء فی المساجد عن الرجال

حضور صلی اللہ علیہ وسلم کے زمانہ میں چونکہ عورتیں مسجد میں مردوں کی جماعت کے ساتھ نماز پڑھا کرتی تھیں اس لئے اس سے متعلق یہ باب ہے کہ عورتوں کو چاہئے کہ ان کا مردوں کے ساتھ اختلاط نہ ہونے پائے۔

لہ کتاب الصلوۃ کے اواخر میں ایک باب آرہا ہے باب التشدید فی من حفظ القرآن ثم نسیہ اور اس کے ذیل میں مصنف سعد بن عبادہ کی یہ حدیث مرفوعہ لائے ہیں ما من امرئ یقرأ القرآن ثم ینساہ الا لقی اللہ یوم القیامۃ انجذم اس پر حضرت شیخ نے لکھا ہے کہ شانفہ کے نزدیک نسیان سے مراد یہ ہے کہ اس کو بالنیب یعنی حفظ نہ پڑھ سکے اور حنفیہ کے نزدیک مراد یہ ہے کہ اتنا بھلا دے کہ بالنظر بھی نہ پڑھ سکے۔ واللہ تعالیٰ اعلم۔

قوله لو تركنا هذا الباب للبناء الخ حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے مسجد نبوی کے ایک دروازے کی کیطرف اشارہ کر کے فرمایا کہ اگر اس دروازے کو ہم عورتوں کے لئے چھوڑ دیں تو کیا ہی اچھا ہو یعنی اس دروازے سے مسجد میں آنا جانا صرف عورتوں کا ہومرد اپنا آنا جانا دوسرے دروازے سے رکھیں۔ اس وقت تو مسجد نبوی میں باب کئی ہیں تقریباً سات آٹھ ہوں گے۔ لیکن اس حدیث سے معلوم ہو رہا ہے کہ اس وقت کم از کم دو دروازے تھے نہیل میں لکھا ہے کہ جس دروازے کیطرف اس حدیث میں اشارہ ہے یہ وہ دروازہ ہے جو تحویل قبلہ کے بعد شمالی جانب جس طرف بیت المقدس ہے کھولا گیا تھا کیونکہ پہلے تو اس طرف قبلہ تھا، اب جب قبلہ مکہ کی جانب ہو گیا جو کہ مدینہ سے جانب جنوب میں ہے تو اس کی جانب مقابل شمال میں دروازہ کھولا گیا تھا، قال نافع الخ نافع ابن عمر کے شاگرد فرماتے ہیں کہ اس حدیث کو سننے کے بعد ابن عمر مرتے دم تک کبھی اس دروازے سے مسجد میں داخل نہیں ہوئے حضرت ابن عمر کے بارے میں مشہور ہے کہ وہ شدید الاتباع بالستہ تھے، اس سے بطور مفہوم مخالف کے یہ سمجھ میں آتا ہے کہ غیر ابن عمر اس دروازے سے داخل ہوتے تھے سوا دل تو یہ کوئی ضروری نہیں تفصیل ذکر کی تفصیل حکم کو مستلزم نہیں اور اگر مان بھی لیں تو ہو سکتا ہے کہ دوسرے صحابہ غیر اوقات صلوة میں اس دروازے سے داخل ہوتے ہوں اور یہ بھی کہا جاسکتا ہے کہ چونکہ ابن عمر کے علاوہ دوسرے صحابہ نے حضور سے اس سلسلہ میں منع عن الدخول کی کوئی مزاح مخالفت نہیں سنی تھی اس لئے داخل ہوتے تھے۔

وقال غیر عبد الوارث قال عمرو دھواسج، اس حدیث میں جو رواۃ کا اختلاف ہے، مصنف اس کو بیان کر رہے ہیں۔

مصنف کی رائے اور اس پر نقد وہ یہ کہ اس حدیث میں ایوب کے دو شاگرد ہیں، ایک عبد الوارث جو پہلی سند میں ہیں دوسرے اسماعیل جو دوسری سند میں آ رہے ہیں اول الذکر نے اس حدیث کو مرفوع قرار دیا اور ثانی الذکر نے موقوف مصنف فرماتے ہیں کہ اس حدیث کا موقوف علی عمر ہونا زیادہ صحیح ہے نسبت مرفوع ہونے کے اس کے بعد مصنف نے وہ دوسری روایت ذکر کی جو موقوف ہے اس کے بعد پھر ایک اور روایت ذکر کی ان عمر بن الخطاب کان ینہی الخ مصنف کی غرض ان دونوں روایتوں کو ذکر کرنے سے وقف کو رفع پر ترجیح دینا ہے، لیکن اس میں اشکال ہے اس لئے کہ اسماعیل کی روایت منقطع ہے نافع کا سماع عمر سے ثابت نہیں، نیز عمر کے منع کرنے سے یہ لازم نہیں آتا کہ حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے اس سے منع نہ فرمایا، ہونیز عبد الوارث جو اس کو مرفوعاً نقل کر رہے ہیں وہ ثقہ ہیں ان کی سند بھی متصل ہے، تکلیف ترجیح الوقف (من البذل)

بَابُ فِي مَا يَقُولُ الرَّجُلُ عِنْدَ دُخُولِهِ الْمَسْجِدَ

دخول مسجد کے وقت جو دعا پڑھنا چاہئے اس کا بیان۔

قولہ سمعت اباحمید او ابواسمید اسی طرح شک کے ساتھ مسلم کی روایت میں ہے، بظاہر یہ شک خود عبدالملک کو اپنے بارے میں ہو رہا ہے کہ میں نے ان دونوں میں سے کسی ایک سے یہ حدیث سنی اور ابن ماجہ کی ایک روایت میں صرف عن ابی حمید ہے اور ایک روایت میں دونوں سے روایت ہے عن ابی حمید و ابی اسمید یقولان (منہل) یہ ابو حمید الساعدی مشہور صحابی ہیں ان کے نام میں اختلاف ہے اور ابواسمید کا نام مالک بن ربیع ہے، ابواسمید بفتح الهمزة مصغر ہے یہ بھی ساعدی ہیں، ملا علی قاری لکھتے ہیں وقیل بفتح الهمزة، احقر کہتا ہے کہ ابواسمید بفتح الهمزة دوسرے صحابی ہیں ابواسمید بن ثابت الانصاری جن کا نام عبداللہ ہے اور ایک اور راوی ہیں عطاء بن اسمید یہ بھی بفتح الهمزة ہے (کذا فی الفیض السامی)

اذا دخل احدكم المسجد الا جب آدمی مسجد میں داخل ہو تو اولاً حضور صلی اللہ علیہ وسلم پر سلام بھیجے اور پھر یہ دعا پڑھے اللھم افتح لی ابواب رحمتک ابن السنی نے بروایت انس نقل کیا ہے کہ آپ صلی اللہ علیہ وسلم جب مسجد میں داخل ہوتے تھے قال بسم اللہ اللھم وصل علی محمد اسی طرح جب مسجد سے باہر آتے تو یہی پڑھتے، مسند احمد اور ابن ماجہ کی ایک حدیث میں فاطمة الزہراء سے روایت ہے کہ جب آپ مسجد میں داخل ہوتے تو پڑھتے بسم اللہ والسلام علی رسول اللہ اللھم واغفر لی ذنوبی وافتح لی ابواب رحمتک اور اسی طرح مسجد سے باہر آنے کے وقت بھی یہی پڑھتے اور بجائے ابواب رحمتک کے ابواب فضلک پڑھتے، نیز ابن ماجہ کی ایک روایت میں ہے کہ مسجد سے باہر آنے کے وقت حضور پر سلام بھیجنے کے بعد یہ پڑھے اللھم اعصمی من الشیطان الرجیم۔

فائدہ ۱۵۔ ان روایات سے معلوم ہوا کہ خود جناب رسالت مآب صلی اللہ علیہ وسلم اپنے اوپر سلام بھیجتے تھے آس کے بارے میں شراح نے تو یہاں کچھ نہیں لکھا، بظاہر اس کی وجہ ہو سکتی ہیں مگر آپ قلیلاً للامة ایسا کرتے تھے بلکہ خود نبی کو اپنی نبوت اور رسالت پر ایمان لانا واجب ہے بلکہ سب سے پہلے تو وہی اس بات کا مکلف ہوتا ہے کہ وہ اپنی نبوت پر ایمان لائے اور اس پر یقین رکھے، علیٰ ہذا القیاس دوسری چیزیں بھی اسی میں آگئیں اپنے مقام رسالت کی تعظیم و تکریم اور صلوة و سلام بھیجنا وغیرہ اور یہ اس لئے کہ رسول میں وصف نبوت و رسالت کے علاوہ ایک حیثیت بشر اور ابن آدم ہونے کی ہے، تو نبی اپنی اس دوسری حیثیت کے لحاظ

سے اپنی ذات کے ساتھ وہ معاملہ کرتا ہے جو ایک امتی کو اپنے نبی کے ساتھ کرنا چاہیے۔

قوله نقلت لہ بلغنی انک حدثت الخ حیوة بن شریح کہتے ہیں کہ میں نے عقبہ بن مسلم سے کہا کہ مجھے یہ بات پہنچی ہے کہ آپ عبداللہ بن عمرو بن العاص سے ایک حدیث مرفوع بیان کرتے ہیں وہ یہ کہ حضور صلی اللہ علیہ وسلم کا معمول تھا کہ جب مسجد میں داخل ہوتے تو یہ دعا پڑھتے (جو کتاب میں مذکور ہے) تو انہوں نے اس کی تصدیق کی لیکن انہوں نے ساتھ میں یہ بھی فرمایا کہ کیا تمہیں بس اتنی ہی حدیث پہنچی ہے؟ میں نے کہا ہاں اس پر انہوں نے فرمایا کہ نہیں اس میں آگے کچھ اور بھی ہے وہ یہ کہ فاذا قال ذلك قال الشیطان الخ یعنی جب کوئی شخص مسجد میں داخل ہونے کے وقت دعا مذکور پڑھتا ہے تو شیطان کہتا ہے کہ یہ شخص پورے دن کے لئے مجھ سے محفوظ ہو گیا۔

ادعیہ مالورہ کا اہتمام | سبحان اللہ کیا اچھی دعا ہے، لہذا اس دعا کو مسجد میں داخل ہونے کے ہر وقت ضرور پڑھنا چاہئے بلکہ تمام ہی ادعیہ مالورہ کا انکے معانی اور فوائد کے استحضار کے ساتھ ہمیشہ یاد رکھنے اور پڑھنے کا اہتمام کرنا چاہئے۔

باب مَا جَاءَ فِي الصَّلَاةِ عِنْدَ دُخُولِ الْمَسْجِدِ

قوله۔ اِذَا جَاءَ أَحَدُكُمْ الْمَسْجِدَ الخ اس باب اور حدیث سے مصنف نے تحیۃ المسجد کو ثابت کیا اس حدیث میں پانچ بحثیں ہیں۔

حدیث سے متعلق مباحث خمسہ | ۱۔ تحیۃ المسجد کا حکم ۲۔ تحیۃ المسجد کس شخص کے لئے ہے ۳۔ مسجد میں داخل ہونے کے بعد تحیۃ المسجد پڑھنے سے پہلے اگر بیٹھ جائے تو اس

جلوس سے تحیۃ المسجد فوت ہوتی ہے یا نہیں ۴۔ کیا یہ نماز اوقات مکروہہ میں بھی پڑھی جائے گی یا نہیں ۵۔ جن علماء کے یہاں تنفل برکعتہ جائز ہے تو کیا ان کے نزدیک ایک رکعت سے تحیۃ المسجد ادا ہوگی یا نہیں۔

بحث اول۔ تحیۃ المسجد عند الجمهور مستحب ہے اور عند الظاہریہ واجب لیکن ابن حزم اس میں جمہور کیساتھ ہیں، وہ نہایت کے قائل ہیں ظاہریہ میذہب سے استدلال کرتے ہیں اور جمہور نے حدیث اعرابی ہَلْ عَلَيَّ غَيْرُ مَحْتٍ قَالَ لَا اِلَّا اَنْ تَطْوَعَ، وغیرہ، احادیث سے استدلال کیا، نیز طحاوی شریف میں ایک روایت ہے عبداللہ بن بسر صحابی سے کہ ایک مرتبہ جمعہ کے دن ایک شخص مسجد میں داخل ہوا اور تخطی رقاب کرتا ہوا آگے بڑھ رہا تھا تو اس پر آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے اس سے فرمایا اِخْلُسْ فَقَدْ اَذِيتْ حالانکہ اس نے ابھی تک تحیۃ المسجد نہیں پڑھی تھی۔

بحث ثانی :- امام مالکؒ فرماتے ہیں کہ تحیۃ المسجد کا حکم اس شخص کے لئے ہے جو مسجد میں داخل ہو بقصد جلوس، اور جس شخص کا ارادہ بیٹھنے کا ہو بلکہ صرف عبور و مرور مقصود ہو تو اس کے لئے نہیں، بظاہر انہوں نے یہ قید جلوس لفظ حدیث قبل ان یجلس سے مستنبط کی ہے، اور جمہور علماء ائمہ ثلاثہ کے نزدیک تحیۃ المسجد کا حکم ہر شخص کے لئے ہے چاہے مسجد میں بیٹھنے کے ارادے سے داخل ہوا ہو یا دیئے ہی۔

بحث ثالث :- خاتمہ کے نزدیک جلوس طویل سے فوت ہوتی ہے قصیر سے نہیں اگرچہ عمداً ہو اور شافعیہ کے نزدیک جلوس طویل سے نیز جلوس قصیر سے بھی اگر عمداً ہو اور حنفیہ و مالکیہ کے نزدیک مطلقاً فوت نہیں ہوتی بیٹھنے کے بعد بھی پڑھ سکتے ہیں۔

بحث رابع :- امام شافعیؒ کے نزدیک اوقات مکروہہ اور غیر مکروہہ سب میں پڑھی جائے گی باقی ائمہ ثلاثہ کے نزدیک صرف اوقات غیر مکروہہ میں، لہذا جو شخص مسجد میں اوقات منہیہ میں داخل ہو تو اس کے لئے تحیۃ المسجد کا بدل ذکر اللہ ہے۔

بحث خامس :- امام شافعیؒ و احمدؒ کے نزدیک اگرچہ تنفل برکتہ جائز ہے لیکن ان کے اصح قول میں تحیۃ المسجد برکتہ کافی نہیں اس لئے کہ حدیث میں رکعتیں کی قید مذکور ہے۔

ضائدہ :- تحیۃ المسجد کے حکم سے مسجد حرام مستثنیٰ ہے اس لئے کہ اس مسجد کا تحیۃ نماز نہیں بلکہ طواف ہے جیسا کہ فقہائے اس کی تصریح کی ہے الا یہ کہ کسی شخص کا ارادہ داخل ہوتے ہی فوراً طواف کا ہو بلکہ بیٹھنے کا ہو تو اس کو چاہئے کہ بیٹھنے سے پہلے رکعتیں پڑھ لے۔

قولہ وزاد شرعاً بعد ان شاء۔ یہ حدیث بھی ابو قتادہؓ ہی کی ہے لیکن دوسرے طریق سے پہلے طریق میں عام بن عبد اللہ سے روایت کرنے والے مالکؒ اور اس میں اس نے روایت کرنے والے ابو عیسیٰ میں زاد کی ضمیر انھیں کی طرف راجع ہے، اس روایت میں زیادتی ہے کہ تحیۃ المسجد پڑھنے کے بعد اگر جمعی چاہے تو بیٹھے یا جس کام کے لئے آیا ہے اس کے لئے جائے، اس سے بظاہر مذہب مالک کی تردید ہوتی ہے جو یہ کہنے میں کہ تحیۃ المسجد اس شخص کے لئے ہے جو مسجد میں بیٹھنے کے لئے آیا ہو۔

باب فی فضل القعود فی المسجد

یہ باب قعود فی المسجد کی فضیلت کے بیان میں ہے، امام بخاریؒ نے بھی یہی باب باندھا ہے لیکن انھوں نے اس میں ایک قید لگائی ہے، من جلس فی المسجد یتظر الصلوۃ، فرق یہ ہوا کہ مصنفؒ کی رائے میں قعود فی المسجد کی

فضیلت مطلقاً ہے اور امام بخاری کے ترجمہ سے معلوم ہوتا ہے کہ یہ فضیلت اس وقت ہے جب یہ بیٹھا انتظار صلوٰۃ یا کسی اور عبادت کے لئے ہو لیکن مضمون نے اس باب میں دونوں طرح کی روایتیں ذکر کی ہیں۔ چنانچہ باب کی پہلی حدیث سے مطلق جلوس فی المسجد کی فضیلت معلوم ہوتی ہے لیکن اس میں ایک دوسری قید ہے وہ یہ کہ جب تک اسی جگہ بیٹھا ہے جہاں فرض نماز پڑھی ہے اور دوسری حدیث سے اس جلوس کی فضیلت معلوم ہو رہی ہے جو انتظار صلوٰۃ کے لئے ہو۔

قولہ ما لم یحدث اذ یقوم، یعنی ملائکہ ایسے شخص کے لئے استغفار اس وقت تک کرتے رہتے ہیں جب تک وہ با وضو رہے اس کو حدیث لاحق نہ ہو اور جب تک وہ اپنی مجلس سے کھڑا نہ ہو، معلوم ہوا کہ استغفار وضو سے دُعا ملائکہ منقطع ہو جاتی ہے۔

اشکال وجواب یہاں پر یہ اشکال ہوتا ہے کہ استغفار ملائکہ میں منتظر صلوٰۃ کی کیا تخصیص ہے جبکہ قرآن شریف میں ملائکہ حمله العرش کے بارے میں ہے وَیَسْتَغْفِرُونَ لِلَّذِینَ اٰمَنُوا جس سے معلوم ہو رہا ہے کہ ملائکہ تمام مومنین کے لئے استغفار کرتے ہیں ابن رسلان نے اس کا جواب یہ دیا کہ حمله العرش کی دُعا جو تمام مومنین کے لئے عام ہوتی ہے وہ صرف استغفار ہے اور منتظر صلوٰۃ کے لئے استغفار اور دُعا رحمت دونوں ہیں جیسا کہ حدیث میں اس کی تصریح ہے، اللّٰهُمَّ اغْفِرْ لَهُ وَارْحَمْہ اور مغفرت و رحمت میں فرق ہے، مغفرت صرف گناہوں کی معافی کا نام ہے اور رحمت مزید لطف و احسان کا۔

فقیل وما یحدث الخ حضرت ابو ہریرہؓ سے کسی نے دریافت کیا کہ حدیث میں یحدث سے کیا مراد ہے تو انہوں نے فرمایا خروج ریح، فضاء کہتے ہیں اس ریح کو جو بلا آواز ہو اور ضیاط وہ جو آواز کے ساتھ ہو۔ راوی نے یحدث کے معنی اس لئے دریافت کئے کہ احداث کے ایک دوسرے معنی احداث فی الدین یعنی بدعت کے بھی آتے ہیں **اخراج ریح فی المسجد کا حکم** جانتا چاہئے کہ ظاہر حدیث سے معلوم ہو رہا ہے کہ اخراج ریح فی المسجد جائز ہے چنانچہ امام بخاریؒ نے اس حدیث پر "الحدث فی المسجد" باب قائم کیا ہے۔ امام نوویؒ فرماتے ہیں کہ ایسا کرنا حرام تو نہیں لیکن مکروہ ہے، علامہ درویر مالکیؒ نے بھی اسکو منوع

لہ اسی طرح بخاری کی ایک روایت میں ما دام فی مجلسہ کی قید ہے، حضرت گنگوہیؒ فرماتے ہیں جیسا کہ لایع میں ہے ظاہر یہ ہے کہ تمام مسجد حکم میں مجلس ہی کے ہے خاص وہی جگہ جہاں نماز پڑھی ہے مراد نہیں حاشیہ لایع میں حضرت شیخؒ نے ملاحظہ ابن حجر سے بھی یہی نقل کیا ہے اس لئے کہ ایک روایت میں مطلقاً منتظر صلوٰۃ کے بارے میں یہ آیا ہے کہ وہ حکم میں نماز کے ہے لایزال فی صلوٰۃ ما انتظر الصلوٰۃ اس حدیث میں منتظر صلوٰۃ کو معمولی کے حکم میں قرار دیا گیا ہے تو اسی طرح کہہ سکتے ہیں کہ فی مجلس سے مطلق موضع صلوٰۃ پر

انشاد کے کہ اس کے معنی صرف تعریف کے ہیں چونکہ گندہ چیز کی تعریف یا طلب بلند آواز سے ہوتی ہے جو کہ احترام مسجد کے خلاف ہے اس لئے حدیث میں اس کی ممانعت آئی ہے حتیٰ کہ امام مالک اور بعض علماء کے نزدیک مسجد میں تعلیم و تعلم کے لئے بھی آواز بلند کرنا مکروہ ہے لیکن امام ابو حنیفہ نے اس کو جائز قرار دیا ہے، قولہ لا اذاکھا اللہ الیک اس جملہ میں دو احوال مشہور ہیں علیہ کہ یہ ایک جملہ ہے اور مطلب یہ ہے خدا تجھ تک تیری چیز نہ پہنچائے علیہ یہ دو جملے ہیں اور حرف لا کا مدخل محذوف ہے یعنی لا تشد، اور دوسرا جملہ اذاکھا اللہ الیک یعنی اولاً اس کو مسجد میں آواز بلند کرنے سے روکا پھر اس کے لئے دعا کی اللہ تعالیٰ تیری چیز ملادے۔

فان المساجد لم تبین لہذا۔ یا تو یہ بھی منجملہ مقول کے ہے کہ یہ ساری بات اس سے کہے اور یا یہ حکم مذکور کی علت ہے، یہ مطلب نہیں کہ یہ بھی ساتھ میں کہے

باب فی کراہیۃ البزاق فی المسجد

بزاق اور بصاق اور بساق تینوں طرح ہے یعنی ماراغم (رختوک) منہ سے باہر آنے کے بعد اور جب تک منہ کے اندر ہے تو اس کو رقی کہتے ہیں، یہ ابواب المساجد چلی رہے ہیں ان ابواب میں مصفٰء احکام و آداب مساجد کو بیان فرما رہے ہیں منجملہ ان کے یہ ہے جو اس باب میں مذکور ہے۔

۱۔ حدیثنا مسلم بن ابی ابراہیم قالہ الثقل فی المسجد خطیئۃ و کفارتہ ان یوارئہ، یعنی مسجد میں تھوکرنا خطا ہے لہذا ایسا نہیں کرنا چاہئے لیکن اگر کرے تو اس کا کفارہ اور تلافی یہ ہے کہ اس کو پاؤں سے مٹی میں چھپا دے، اس حدیث سے بظاہر معلوم ہو رہا ہے کہ ثقل فی المسجد مطلقاً خطا ہے یہی رائے امام نوویؒ کی ہے۔

شرح حدیث میں نوویؒ اور قاضی عیاضؒ کا اختلاف مشہور ہے، قاضی صاحب یہ فرماتے ہیں کہ ثقل فی المسجد اس وقت خطا ہے جبکہ اس کو دفن نہ کرے اور اگر دفن کے ارادے سے مسجد میں تھوکرے تب جائز ہے، امام نوویؒ نے شرح مسلم میں اس رائے کی شدت سے تردید کی ہے کہ یہ رائے بالکل باطل ہے، حافظ ابن حجرؒ نے اس اختلاف کی توضیح اس طرح فرمائی ہے کہ یہاں پر دو حدیثیں ہیں الثقل فی المسجد خطیئۃ اور دوسری حدیث ہے لیصتی عن یسارۃ او تحت قدمہ، یعنی جو شخص نماز پڑھ رہا ہو اور کھانسی کی وجہ سے بلغم اس کے منہ میں آجائے تو اس کو چاہئے کہ نہ دائیں طرف تھوکرے اور نہ سامنے، بلکہ بائیں طرف یا قدم

شَرِّقْلُ بَہ۔ یہاں پر قِیْلُ یَفْعَلُ کے معنی میں ہے۔ آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے اشارے سے سمجھایا کہ پھر اس طرح کرے یعنی اس کو مٹی میں دفن کر دے۔ عرب لوگ قول کو مختلف معنی میں استعمال کرتے ہیں۔ قال بیدہ قال برجلہ، یعنی ہاتھ سے پلٹا پاؤں سے چلا وغیرہ وغیرہ۔

۳۔ حدثنای حبی بن حبیب الخ قولہ ان النبی صلی اللہ علیہ وسلم کان یحب العراحب الخ
مضمون حدیث مضمون حدیث یہ ہے کہ آپ صلی اللہ علیہ وسلم اپنے دست مبارک میں درخت کی شاخ (چھڑی) رکھنا پسند فرماتے تھے جب کہیں تشریف لیجائے تو ہاتھ میں چھڑی ہوتی، ایک مرتبہ آپ مسجد میں داخل ہوئے تو سامنے جدار قبلہ میں آپ نے بلغم لگا ہوا دیکھا تو آپ نے اس کو اس چھڑی سے کھینچ دیا اور لوگوں کی طرف ناراضگی کے ساتھ متوجہ ہوئے، آگے مضمون حدیث واضح ہے فان عجل بہ امر، یعنی اگر کسی کو ایک دم تھوکنے کی ضرورت پیش آجائے تو اپنے کپڑے کے کونے پر تھوک کو لیلے اور پھر اس کو مل دے تاکہ جذب ہو جائے۔

یہ حدیث طہارت براق پر دلالت کرتی ہے جیسا کہ جمہور علماء کا مسلک ہے البتہ ابراہیم نخعی نجاست براق کے قائل ہیں (ابن رسلان)

۴۔ حدثنای یحییٰ بن الفضل الخ قولہ رونی یدہ عرجون ابن طاب۔ عبادہ کہتے ہیں کہ ایک مرتبہ ہم حضرت جابرؓ کی خدمت میں گئے جب کہ وہ اپنی مسجد میں تھے۔ اس سے مراد مسجد بنو سلمہ ہے جس کو مسجد بنی حرام بھی کہتے ہیں رکمانی وفار الوفار) تو انہوں نے فرمایا کہ ایک مرتبہ کا واقعہ ہے کہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم ہماری اس مسجد میں تشریف لائے اس وقت آپ کے دست مبارک میں ابن طاب کی ایک چھڑی تھی۔ ابن طاب کعبہ کی ایک خاص قسم کا نام ہے، دراصل مدینہ میں یہ ایک شخص تھا جس کی طرف یہ کعبہ منسوب ہے آگے مضمون حدیث واضح ہے۔ اور پھر آخر حدیث میں یہ ہے ثوقال اردونی عبداً یعنی آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے اس چھڑی کے ذریعہ اس بلغم کو اولاً صاف کیا اور فرمایا کہ اگر کسی کے پاس عبیر ہو تو لے آؤ عبیر کی تفسیر زعفران کے ساتھ کرتے ہیں اور بعض نے لکھا ہے کہ یہ ایک مرکب خوشبو ہے جس میں زعفران بھی ہوتی ہے، عبیر کا ذکر گھستال کے ایک شعر میں بھی ہے۔

بدو گھستم کہ مشکى یا عبیری

کہ از بوسے دلاویزے توستم

اس پر ایک نوجوان انصاری دوڑے ہوئے اپنے گھر گئے اور اپنی ہتھیلی پر غلوں جو کہ ایک خوشبو کا نام ہے لے کر آئے آپ نے وہ خوشبو اپنی چھڑی کے سرے پر لگا کر اس کو بلغم کی جگہ پھیر دیا۔

قال جابر فمن ههنا جعلتم الخوف فی مساجدکم لینی آپ لوگ اپنی مساجد میں جو خوشبو وغیرہ

لگاتے ہو رخواہ دھونی دیکر یا عطر پاشی سے) اس کی اصل یہی حضور صلی اللہ علیہ وسلم کا عمل ہے۔ میں کہتا ہوں کہ امام نسائی نے اس پر مستقل باب باندھا ہے باب تخلیق المساجد اور امام ترمذی نے باب تطیب المساجد اور مسجد نبوی کے اساطین میں ایک اسطوانہ الاسطوانۃ المخلقة کے نام سے مشہور ہے اسطوانۃ مخلقة بظاہر اس پر خاص طور سے خوشبو لگائی جاتی ہوگی۔ مسجد نبوی کے بعض ستون ایسے ہیں جو کی خاص وصف اور نام کے ساتھ موسوم ہیں بلکہ ان پر ان کا نام بڑا خوشخط لکھا ہوا ہے جن کی تفصیل دُفار الوفا میں بھی ہے بحمد اللہ تعالیٰ ہم نے بھی ان اساطین مبارکہ کی زیارت کی ہے۔

تنبیہ :- ان احادیث میں یہ ہے کہ آپ نے چھڑی کے ذریعہ اپنے دست مبارک سے خوشبو لگائی اور نسائی کی روایت میں یہ ہے فقامت امرأة؛ کہ ایک عورت کھڑی ہوئی اور اس نے یہ خوشبو لگائی ابن ماجہ کی روایت میں بھی اسی طرح ہے۔ اب یا تو اس کو تعدد واقعہ پر محمول کیا جائے اور یا یہ کہا جائے کہ ابو داؤد کی روایت میں حضور صلی اللہ علیہ وسلم کی طرف نسبت مجازی ہے امر ہونے کی حیثیت سے (الفیض السامی)

۵۔ حد ثنا احمد بن صالح الخ قولہ انک اذیت اللہ ورسولہ، جس شخص نے نماز پڑھتے وقت قبلہ کی جانب تھوکا تھا اس کے بارے میں آپ نے فرمایا کہ تو نے اللہ اور اس کے رسول کو اذیت پہنچائی یہ بڑی سخت وعید ہے قبلہ کی جانب تھوکنے کے بارے میں خصوصاً نماز کی حالت میں۔

اشکال و جواب | یہاں پر ایک اشکال بھی ہوتا ہے کہ قرآن پاک میں اللہ اور اس کے رسول کو اذیت پہنچانے والوں کو ملعون فی الدنیا والاخرہ کہا گیا ہے، اور یہ شخص مسلمان بلکہ صحابی تھے، جواب یہ

ہے کہ قرآن والی وعید یہاں صادق نہیں آتی اس لئے کہ قرآن میں ایذا سے ایذا را بقصد مراد ہے اور یہاں حدیث میں ایذا رخطا ورجلاً مراد ہے اور یہ بھی امکان ہے کہ یہ شخص منافق ہو پھر تو کوئی اشکال ہی نہیں (بذل)

۶۔ حد ثنا موسیٰ بن اسماعیل الخ قولہ وهو یصلی فیزق تحت قدّمہ الیسری، امام نووی کی رائے کا تقاضا یہ ہے کہ واقعہ غیر مسجد کا ہو اور قاضی عیاض کی رائے کے پیش نظر تخصیص کی حاجت نہیں۔

قولہ عن ابی سعید قال رایت واثلۃ بن الاسقع الخ، ابو سعید کہتے ہیں کہ میں نے حضرت واثلہ کو دیکھا کہ دمشق کی مسجد میں (نماز پڑھتے ہوئے) پورے پر تھوکا اور پھر اس کو پاؤں سے مل دیا ان سے کہا گیا کہ یہ آپ نے کیا کیا تو انھوں نے جواب دیا کہ میں نے حضور صلی اللہ علیہ وسلم کو ایسا کرتے ہوئے دیکھا ہے، یہ حدیث ضعیف ہے کیونکہ اس میں فرج بن فضالہ ضعیف ہے اور ان کے استاذ ابو سعید مجہول ہیں لہذا مسجد کی صف پر تھوکنا جائز ہوگا للحدیث الصحیح، الثقل فی المسجد خطیۃ وکفار تہاد کتہا، دفن کا تحقق کچی زمین میں ہی ہو سکتا ہے بختم فرش یا صف پر رگڑنے سے مزید تلویث لازم آئے گی لہذا یہ حدیث قابل عمل نہیں۔

بَاب مَا جَاءَ فِي الْمَشْرُوكِ يَدْخُلُ الْمَسْجِدَ

و دخول مشرک فی المسجد مختلف فیہ ہے۔

مسئلہ مترجم بہا میں مذاہب ائمہ | صحیح یہ ہے کہ دخول مشرک فی المسجد عندا الخفیہ مطلقاً جائز ہے خواہ کافر حربی ہو یا ذمی اور کتابی، اور اس کے بالمقابل امام مالک کے نزدیک مطلقاً ناجائز ہے اور امام شافعی کے نزدیک مسجد حرام میں ناجائز اور دوسری مساجد میں جائز ہے اور امام احمد بھی امام شافعی کی طرح مسجد حرام میں تو ناجائز فرماتے ہیں اور غیر مسجد حرام میں ان کی دو روایتیں ہیں علامہ ابوجوز مطلقاً ابوجوز باذن الامام، اس مسئلہ کی تفصیل امامانی الاحبار میں مذکور ہے، ہمارے فقہاء کی عبارات سے یہ معلوم ہوتا ہے کہ جواز دخول صرف ذمی کے لئے ہے کو کب میں بھی اسی طرح لکھا ہے لیکن شامی باب الجوزیہ میں علامہ سرخسی سے نقل کیا ہے کہ عندا الخفیہ جواز دخول میں کتابی اور حربی برابر ہیں اور امامانی الاحبار میں بھی اسی طرح ہے اور حنفیہ کی طرف سے آیت کریمہ اَشْمَاءُ الْمُشْرِکُوْنَ یَجْسُ فَلَیَعْرِضُوا الْمَسْجِدَ الْحَرَامَ کا جواب یہ ہے کہ اس سے مراد دخول لاجل الحج ہے، لکن فی الکوکب

۱- حدیثنا عیسیٰ بن حماد الخ قوله دخل رجل علی جمیل فاناحت فی المسجد، اس رجل سے مراد ضام بن ثعلبہ ہے جیسا کہ اگلی روایت میں اس کی تصریح ہے اور یہ بنو سعد بن بحر کی جانب سے قاصد بنکر آئے تھے ان کا قدم ۹۹ میں تھا، اس روایت میں ہے فاناحت فی المسجد، لیکن مراد عند باب المسجد ہے جیسا کہ ابن عباس کی روایت میں آرہا ہے اور بھی بعض روایات میں اس کی تصریح ہے۔

ابن بطل مالکی کا حدیث سے استدلال | لہذا ابن بطل مالکی نے مالکیہ کے مسلک کے پیش نظر ظاہر لفظ حدیث سے جو استدلال کیا ہے کہ ماکول اللحم جانوروں کے اہوال وادواظ ظاہر ہیں اس لئے کہ اونٹ جب تک مسجد میں رہے گا تو اس کے وہاں پیشاب وغیرہ کرنے کا احتمال یقیناً ہے اور آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے مسجد میں اونٹ داخل کرنے سے منع نہیں فرمایا یہ استدلال صحیح نہیں ہے۔

شرح قال ایتکم محمد، روایات میں آتا ہے کہ ابتداء میں حضور صلی اللہ علیہ وسلم صحابہ کرام کی مجلس میں بل جمل کر بلا کسی امتیاز کے بیٹھتے تھے جس کی وجہ سے نو وارد کو آپ کے بارے میں دریافت کرنا پڑتا تھا بعد میں صحابہ کرام نے آپ کی خدمت میں عرض کیا کہ اگر اجازت ہو تو ہم جناب کے بیٹھنے کے لئے مجلس میں جگہ ادنیٰ بنادیں

تاکہ آیہ مولے کو دریافت نہ کرنا پڑے، آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے اس کی اجازت مرحمت فرمادی، ابوداؤد وغیرہ کی روایات میں آئے گا قَبْتِیْنَالہ دُکَّانَا کہ ہم نے آپ کے لئے ایک اونچی سی جگہ بنادی جس پر آپ مجلس کیوقت تشریف فرما ہونے لگے۔

فَقَدْنَا هَذَا الْاَبِیْضَ الْمُنْکَی، یہ جو تکبہ لگائے گورے گورے بیٹھے ہیں ضمام بن ثعلبہ کو جب معلوم ہو گیا کہ محمد آپ ہیں تو اس نے قریب حاضر ہو کر عرض کیا یا ابن عبد المطلب تو اس پر آپ نے فرمایا
اس کلام کی شرح اَصْلٌ اَجْبَتْکَ اصل میں جب کوئی شخص کسی سے خطاب یا بات کرنا چاہتا ہے تو عرب لوگوں کی عادت ہے اس وقت کہتے ہیں نَعَمْ، جس کا مطلب یہ ہوتا ہے کہ ہاں کہئے کیا کہنا ہے، مگر یہاں آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے عام طریقے کے خلاف بجائے نَعَمْ کے لفظ قَدْ اَجْبَتْکَ فرمایا، شرح لکھتے ہیں کہ یہاں اس اسلوب کے بدلنے میں ناگواری کی طرف اشارہ ہے کیونکہ اس لفظ کا ترجمہ یہ ہے کہ ہاں سن تو رہا ہوں کہہ کیا کہنا ہے اور ناگواری اس لئے تھی کہ جس طرح آپ کو خطاب کرنا آپ کی شان کے مناسب تھا اس اعرابی نے اس طرح نہیں کیا تھا، چنانچہ اول تو شروع میں اس نے آپ صلی اللہ علیہ وسلم کا نام لیا، ثانیاً آپ کو آپ کے جد کا فرعیہ المطلب کی طرف منسوب کیا (قالہ الخطابی) لیکن اس پر اشکال ہوتا ہے کہ آپ نے تو خود غزوہ حنین میں ایک موقع پر اپنا انتساب عبد المطلب کی طرف کیا ہے اَنَا النَّبِیُّ لَا کَذِبَ اَنَا ابْنُ عَبْدِ الْمَطْلَبِ اس کا جواب یہ دیا گیا کہ وہ انتساب ضرورہ اور اس مقام کے مناسب تھا اس لئے کہ اس کے مخاطب کفار و مشرکین تھے جو عبد المطلب کی سیادت اور وجاہت تسلیم کرتے تھے اس لئے آپ نے فرمایا کہ میں اس کا بیٹا ہوں جس کو تم بھی جانتے ہو۔

یہ حدیث بخاری اور مسلم میں مفصلاً مروی ہے جس میں یہ ہے کہ اس شخص نے آپ صلی اللہ علیہ وسلم سے عرض کیا کہ اے محمد مجھے آپ سے چند سوال کرنے ہیں اور خوب ٹھوک بجا کر گردن گالنا مجھ پر ناراض نہ ہونا اس پر آپ نے فرمایا سل عما بدلتک، جو تیرا جی چاہے سوال کر، اس نے سب سے پہلے آپ سے آپ کی رسالت کے

لے یہاں پر سوال ہوتا ہے کہ آپ نے تو ابھی تک اس اعرابی سے کوئی کلام ہی نہیں فرمایا تھا تو پھر قَدْ اَجْبَتْکَ کہنا کہاں صحیح ہوا اس کی توجیہ ایک تو یہ کی گئی ہے کہ اجابت سے مراد بیان سنا ہے یعنی اشارہ سنا کہ ہاں میں تیری بات سن رہا ہوں پوچھ کیا پوچھنا چاہتا ہے، دوسری توجیہ یہ کی گئی ہے کہ گو آپ نے اس سے ابھی تک کوئی کلام نہیں فرمایا تھا لیکن صحابہ حاضرین مجلس نے تو اس کی بات، جواب دیا تھا اور اس کو بتا دیا تھا کہ حضور آپ ہی ہیں، لہذا صحابہ کا جواب دینا گویا آپ ہی کا جواب دینا ہے۔

کے بارے میں سوال کیا اللہ اسلک انی الناس کھٹھ، اس پر آپ نے فرمایا اللہم نحر، اور اس کے بعد پھر صلوات خمسہ کے بارے میں سوال کیا کہ کیا اللہ تعالیٰ نے آپ کو دن و رات میں پانچ نمازیں ادا کرنے کا حکم دیا ہے اس پر بھی آپ نے فرمایا اللہم نعم، اور اس کے بعد پھر زکوٰۃ و صوم کے بارے میں اسی طرح سوال و جواب ہوا پھر اخیر میں اس نے کہا امنت بکما جئت بہ، حدیث کی ترجمہ الباب سے مطابقت ظاہر ہے کہ یہاں دخول مشرک فی المسجد پایا گیا۔

ایک ہی حدیث پر مصنف اور امام بخاری نے اس حدیث پر کتاب العلم میں ایک دوسرا ترجمہ قائم کیا باب العرض علی المحدث، وہ یہ کہ حدیث حاصل کرنیکا ایک طریقہ یہ ہے کہ شاگرد استاذ پر پیش کرے جس طرح یہاں اس اعرابی نے آپ پر چند مضامین بصورت سوال پیش کئے آپ نے ان کی تصدیق اور اقرار فرمایا پھر وہ مضامین اس اعرابی نے اپنی قوم کو جا کر سنائے، یہاں پر وہ اعرابی شاگرد اور حضور محدث و استاذ ہوئے، امام بخاری کے ترجمہ کا مقتضی یہ ہے کہ سائل بوقت سوال و جواب کافر ہو بلکہ مسلم ہو اس لئے کہ ظاہر ہے، روایت حدیث میں عرض مسلم ہی معتبر ہو سکتا ہے نہ کہ عرض کافر۔

اس سے معلوم ہوا کہ امام بخاری اور امام ابو داؤد کی رائے اس شخص کے بارے میں مختلف ہے، منشاء اس اختلاف رائے کا یہ ہے کہ امام بخاری کے نزدیک امنت بکما جئت بہ میں اخبار عن المذنی ہے کہ میں پہلے سے ایمان لائے ہوئے ہوں، اور امام ابو داؤد کے نزدیک یہ اخبار نہیں ہے بلکہ اس سے مقصود انشاء ایمان ہے کہ میں اب ایمان لاتا ہوں اور یہ بھی ممکن ہے کہ یوں کہا جائے کہ اس جملہ کا مطلب امام ابو داؤد کے نزدیک بھی وہی ہے جو امام بخاری کے نزدیک ہے، لیکن امام ابو داؤد کا استدلال اس حدیث سے دخول مشرک فی المسجد پر اس اعتبار سے ہے کہ ظاہر ہے صحابہ کرام کو اس شخص کا اسلام لانا معلوم نہیں تھا اور پھر بھی انھوں نے اس کو مسجد میں داخل ہونے سے نہیں روکا اور نہ اس کے اسلام کے بارے میں کوئی استفسار کیا اور آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے بھی صحابہ کرام کے اس طرز عمل پر سکوت فرمایا جس سے معلوم ہوا کہ دخول مشرک فی المسجد جائز ہے۔

۲۔ حدیثنا محمد بن یحییٰ بن فارس عن حماد بن ثعلبہ کی حدیث کو دو طریق سے ذکر کرنے کے بعد اب مصنف اس باب میں یہ دوسری حدیث لا رہے ہیں، یہ حدیث کتاب الحمد و مدی میں مفصلاً آئے گی جس میں ایک یہودی اور یہودیہ کے زنا کا قصہ مذکور ہے یہ لوگ زنا کا حکم شریعت محمدیہ میں معلوم کرنے کے لئے آپ صلی اللہ علیہ وسلم کی خدمت میں حاضر ہوئے تھے جبکہ آپ مسجد میں تشریف فرما تھے اس سے معلوم ہوا کہ غیر مسلم کا دخول مسجد میں جائز ہے اور کافر عربی کا حکم باب کی حدیث اول سے معلوم ہو گیا۔

بَابُ فِي الْمَوَاضِعِ الَّتِي لَا تَجُوزُ فِيهَا الصَّلَاةُ

ترجمہ الباب کی عبارت میں اختصار ہے اور مراد یہ ہے، فی الموضع التي تجوز والتي لا تجوز فيها الصلوة، لہذا اب باب کی حدیث اول ترجمہ الباب کے مطابق ہو گئی۔

۱- حکم شحاتان بن ابی شیبہ الخ قوله جعلت لی الارض مسجداً وطهوراً۔ یہ حدیث مشہور ہے کہ اکثر صحاح ستہ اور صحیحین میں موجود ہے لیکن مصنف نے اس کو مختصر کر دیا، اصل روایت اس طرح ہے، اُعْطِيتُ خَمْلًا لَمْ يُعْطَ لِي قَبْلُ لِيُفَرِّتَ بِالرَّعْبِ مَسِيرَةَ شَهْرٍ وَجُعِلَتْ لِي الْاَرْضُ مَسْجِدًا وَطَهُورًا وَأُعْطِيتُ لِي الْفَنَاءُ وَلَمْ تَحُلْ لِي لَحْدٌ قَبْلِي وَأُعْطِيتُ الشَّفَاعَةَ وَكَانَ الْبَنِي يُبْعَثُ اِلَى قَوْمِهِ فَاصْنَعْ وَبُنْتُ اِلَى النَّاسِ عَامَةً، اس حدیث سے معلوم ہو رہا ہے کہ امت محمدیہ کے حق میں تمام روئے زمین مسجد اور نماز پڑھنے کی جگہ ہے بخلاف امم سابقہ کے کہ ان کے لئے نماز پڑھنا جائز نہیں تھا بجز خاص اپنے عبادت خانہ کینسہ و میدہ کے لیکن یہاں پر یہ اشکال ہوتا ہے کہ عیسیٰ علیہ السلام کے بارے میں وارد ہے کہ وہ روئے زمین کی سیاحت فرمایا کرتے تھے، کان یسیح فی الارض ویصلی حیث ادرکتہ الصلوة، اور جہاں نماز کا وقت آجاتا تھا وہیں نماز پڑھ لیتے تھے، اس کا جواب حاذق ابن حجر عسینی نے یہ دیا ہے کہ یہ خصیصہ تیمم کے اعتبار سے ہے کہ مٹی مٹھ کر دی گئی، مسجد کے اعتبار سے نہیں، یا اس طرح کہنے کہ خصوصیت ان دونوں کی من حیث المجموع ہے لامن حیث کل فرد، اور یا یہ کہا جائے کہ خصوصیت تو ہر ایک ہی کی ہے لیکن امم کے لحاظ سے نہ کہ انبیاء کے اعتبار سے۔

۲- حدیثنا سلیمان بن داؤد الخ قوله ان علیاً مرّ ببابل وھولیسین

شرح حدیث | یعنی حضرت علیؑ کا اپنے کسی سفر میں ارض بابل پر گذر ہوا، ابن رسلان نے لکھا ہے، لعلہ فی مسیرہ الی البصرہ یعنی حضرت علیؑ کا جو سفر مدینہ منورہ سے عراق کی جانب ہوا تھا، اس لئے کہ یہ وہی شہر بابل ہے جس کا ذکر قرآن کریم میں ہے جہاں کے ساحر مشہور ہیں یہ عراق کا ایک قدیم شہر ہے۔ حضرت علیؑ نے وہاں نماز ادا نہیں فرمائی اور جب اس شہر سے گذر گئے تب نماز ادا فرمائی اور پھر اس کی وجہ بیان کی۔ ان جنتی علیہ السلام نہائی الخ کہ مجھ کو میرے محبوب حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے منع فرمایا تھا

لہ اسلئے کہ انھوں نے اپنا دار الخلافہ بجائے مدینہ کے عراق کو بنایا تھا جیسا کہ حضرت سداویہ نے ملک شام کو اور باقی خلفاء راشدین نے مدینہ کو۔

ارض بابل میں نماز پڑھنے سے اس لئے کہ وہاں کی سرزمین ملعون ہے، اس زمین کو ملعون بظاہر اس لئے فرمایا کہ اس میں خفت واقع ہوا تھا، عمرو بن کنعان کیساتھ جو اپنے زمانے کا مشہور بادشاہ تھا ابراہیم علیہ السلام کے زمانہ میں اس نے اس شہر میں ایک بہت اونچا محل بنایا تھا تاکہ اس کے ذریعہ آسمان والوں سے قتال کرے، اس واقعہ کا ذکر مفسرین نے جند مکر الذین من قبلہم خاتی اللہ بنیکہم وقین الفتوا عین کے ذیل میں کیا ہے۔ (منہل)

ما استفاد من الحدیث | اس حدیث سے بظاہر معلوم ہو رہا ہے کہ ارض بابل میں نماز پڑھنا ممنوع ہے، خطابی کہتے ہیں کہ یہ کسی کا مذہب نہیں ہے اس حدیث کی سندیں مقال ہے اور حدیث صحیح اس کے معارض ہے یعنی باب کی پہلی حدیث، اور یایہ کہا جائے کہ یہ بنی حضرت علیؑ کے ساتھ خاص ہے جیسا کہ تھانی ربیعہ متکلم کے ظاہر سے ترشح ہوتا ہے۔

۳۔ حدیثنا موسیٰ بن اسماعیل قوله الارض کلھا مسجدا الا الحمام والمقبرة، صلوۃ فی الحمام یعنی فی المغتسل عند الجہور ومنہم ائمة الثلاثة جائز مع الکراہت ہے اور وجہ کراہت کونہ محلًا للنجاسة والشیطان ہے، اور امام احمد و ظاہریہ کے نزدیک جائز ہی نہیں، غالباً اس لئے کہ ان کے نزدیک نبی فساد نہیں عنہ کو مقتضی ہے، اور صلوۃ فی المقبرہ بھی مختلف فیہ ہے، ظاہریہ اور حنابلہ کے یہاں یہ بھی مطلقاً جائز نہیں، اور امام شافعیؒ کے نزدیک مقبرہ منبوشہ وغیرہ منبوشہ کا فرق ہے، یعنی جس مقبرہ میں قبریں پراگندہ اور منتشر ہوں، عظام موتی وغیرہ کی گندگی پھیلی ہوئی ہو اس میں تو ناجائز ہے اور جس مقبرہ کی قبریں درست ہوں اس میں نماز جائز مع الکراہت ہے، اور امام مالکؒ کے نزدیک ہر مقبرہ میں نماز جائز ہے بشرط طہارۃ المكان اور عند الخفیہ مقبرہ کے اس حصہ میں جو متحدہ للصلوۃ ہے (نماز کے لئے بنایا گیا ہے) بلا کراہت جائز ہے ورنہ مکروہ ہے۔

وہ مواضع جن میں نماز پڑھنا منع ہے | حمام اور مقبرہ کے علاوہ بھی بعض مواضع ایسے ہیں جن میں نماز پڑھنے کی حدیث میں ممانعت وارد ہوئی ہے، چنانچہ ترمذی

وابن ماجہ کی حدیث میں بروایت ابن عمر یہ ہے کہ آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے سات مواضع میں نماز پڑھنے سے منع فرمایا حی المریکۃ یعنی وہ جگہ جہاں پر زبل یعنی سرقین (دگوہر) وغیرہ نجاست ڈالی جاتی ہوں والمخزومۃ، مذبح کیوں کہ وہاں خون وغیرہ نجاست ہوتی ہے والمقبرۃ اس کا ذکر اوپر آچکا، وقارعة الطویق یعنی سڑک کے بیچ میں، دفی الحمام اس کا حکم گذر چکا، ومحاطن الابل اس کا باب آگے مستقل آ رہا ہے، وفوق ظہور بیت اللہ امام احمد کے نزدیک بیت اللہ کی چھت پر نماز صحیح نہیں، اور حنفیہ کے یہاں گو صحیح ہے لیکن خلاف ادب ہے اور امام شافعیؒ کے نزدیک ایک شرط کے ساتھ جائز ہے وہ یہ کہ بیت اللہ کی کسی قدر بنا یعنی بقدر ذراع مصلی کے سامنے ہو اور اگر بالکل کھلی چھت ہو تو اس صورت میں صحیح نہیں، کیونکہ اس صورت میں یہ صلوۃ علی البیت ہوگی۔

نہ کہ الی البیت، اور حنفیہ کے یہاں یہ قید نہیں اس لئے کہ بیت اللہ کی حقیقت اس کی عمارت اور بنار نہیں بلکہ وہ عرصہ مخصوصہ و بقیعہ مبارکہ ہے جو زمین سے لے کر آسمان تک ہے۔ اور مزید و مجزرہ میں اختلاف کی کوئی تصریح نہیں ملی بظاہر مزید و مجزرہ کا وہ حصہ جس میں نماز پڑھا جائے اگر نجس نہیں ہے تو نماز قرب نجاست کی وجہ سے مع الکراہت جائز ہوگی اور اگر جگہ ناپاک ہے تو صحیح ہونگی اسی طرح داخل بیت اللہ میں نماز کی صحت مختلف فیہ ہے۔ حنفیہ شافعیہ کے یہاں مطلقاً صحیح ہے امام مالک و احمد کے نزدیک فرض صحیح نہیں نفل صحیح ہے کیونکہ آپ صلی اللہ علیہ وسلم سے داخل بیت مرن نفل نماز پڑھنا ثابت ہے اور قیاس کا تقاضا بھی یہی ہے کہ صحیح ہو کیونکہ داخل بیت نماز پڑھنے کی صورت میں کعبہ کے بعض ہستہ لازم آتا ہے، اور ابن جریر طبری کے نزدیک داخل بیت مطلقاً کوئی سی بھی نماز صحیح نہیں، واللہ تعالیٰ اعلم۔

بَابُ النَّهْيِ عَنِ الصَّلَاةِ فِي مَبَارِكِ الْاَبْلِ

مبارک جمع ہے مبرک بروزن جعفر کی اونٹوں کا بارہ جس میں وہ رہتے ہیں، صلوة فی مبارک الابل مختلف فیہ بین الامم ہے۔ اختلاف باب الوضوء من حوم الابل میں گذر چکا وہ یہ کہ اس پر تو سب کا اتفاق ہے کہ مبارک ابل میں نماز پڑھنا مکروہ ہے لیکن صحت میں اختلاف ہے، حنفیہ شافعیہ کے یہاں صحیح ہے اور ظاہر یہ و حنابلہ کے یہاں صحیح ہونگی، امام مالک سے دو روایتیں ہیں علی الاعادة فی الوقت علی الاعادة مطلقاً، نیز جو حضرات فساد نماز کے قائل ہیں ان کے یہاں فساد ہر حال میں ہے خواہ محل ظاہر ہی کیوں نہ ہو، اس باب میں مصنف جو حدیث لائے ہیں وہ بعینہ اسی سند و متن کے ساتھ باب مذکور میں مع شرح کے گذر چکی۔

بَابُ مَتَى يَوْمُ مَرِّ الْغُلَامِ بِالصَّلَاةِ

غلام یعنی نابالغ لڑکا، لغتاً اس کا اطلاق کب سے کب تک ہوتا ہے مختلف فیہ ہے۔

۱۔ حدیث امام محمد بن موسیٰ **قَوْلُهُ مُرُّوا الصَّبِيَّ بِالصَّلَاةِ اِذَا بَلَغَ سَبْعَ سَنِينَ** یعنی بچہ کے اولیاء

لہ غلام یعنی لڑکا، اس کا اطلاق فطام سے لیکر سات سال کی عمر والے بچے پر ہوتا ہے اور دوسرا قول یہ ہے کہ ولادت سے لے کر بلوغ تک، اور ایک قول یہ ہے کہ حد التجار تک یعنی جب تک دائرہ می نہ آگے۔

باپ دادا وصی وغیرہ کو چاہئے کہ جب بچہ سات سال کا ہو جائے خواہ وہ لڑکا ہو یا لڑکی اس کو نماز پڑھنے کا حکم کریں اسی طرح نماز پڑھنے کا طریقہ اس کے ارکان و واجبات وغیرہ اس کو سکھائیں، فقہار نے لکھا ہے کہ اس تعلیم صلوٰۃ میں اگر اجسرت دینے کی نوبت آئے تو وہ مال صبی سے دی جائے اگر اس کے پاس مال ہو، ورنہ باپ کے مال سے اور اگر اس کے پاس بھی نہ ہو تو بچے کی ماں کے مال سے۔

سات سال سن تیز ہے عام طور سے سات سال کا بچہ میسر ہو جاتا ہے اس کو دائیں بائیں وغیرہ کی تیز ہو جاتی ہے اسی لئے سات سال کی قید ہے اور اگر بالفرض میسر نہ ہو تو پھر نہیں اس لئے کہ غیر میسر بچے کی نماز صحیح نہیں۔

کیا صبی شرعاً مامور بالصلوٰۃ ہے؟

پہلے ہی اس کو نماز کی عادت ہو جائے جو کام عیناً اہم ہوتا ہے اس کی اتنے ہی پہلے سے تیاری کی جاتی ہے، مال لڑکی کی شادی کے لئے چیز کی تیاری برسوں پہلے سے شروع کر دیتی ہے، کفن بچہ اقرب الی النظرة ہوتا ہے اور پھر عمر بڑھنے کے ساتھ نفس امارہ کا عمل دخل شروع ہو جاتا ہے پھر بڑے ہونے کے بعد اس کا قابو میں آنا مشکل ہوتا ہے، آگے حدیث میں یہ ہے واذ بلغ عشر سنین فاضی بوجہ علیہا کہ جب بچہ دس سال کا ہو جائے یا دسویں سال میں لگ جائے (فیہ قولان) اور وہ نماز نہ پڑھے تو اس کی پٹائی کی جائے لیکن قریب سے ضرب غیر مبرح یعنی غیر شدید مراد ہے شراح لکھتے ہیں کہ دس سال کا بچہ قریب البلوغ ہو جاتا ہے اور نیز اس میں ضرب کا تحمل بھی ہو جاتا ہے اس لئے ضرب کا حکم دیا گیا، نیز واضح رہے کہ اس حدیث میں امر بالصلوٰۃ کے مخاطب اولیاء صبی ہیں خود صبی نہیں کیونکہ وہ

غیر مکلف ہے، لحدیث، رفع القلم عن ثلاثہ عن المجنون حتی یسیراً وعن النائم حتی یتقیظ وعن الصبی حتی یحتضر (رواہ ابوداؤد و احمد) اکثر علماء کی رائے یہ ہے کہ اولیاء کو یہ امر بطریق وجوب ہے، وقیل للندب، اس حدیث میں امر بالصلوٰۃ کا امر مذکور ہے اور اہل اصول نے لکھا ہے الامر بالامر بالشیء لیس (امراً بذلک الشئی) یعنی کسی شخص کو امر کرنے کا حکم کرنا یہ براہ راست اس شخص کو امر نہیں ہے یہی مجبور کی رائے ہے لہذا امر و الصبی بالصلوٰۃ سے صبی کا مامور من الشارع ہونا لازم نہیں آتا بلکہ وہ مامور من الولی ہے، صاحب منہل لکھتے ہیں کہ اس میں مالکیہ کا اختلاف ہے وہ کہتے ہیں کہ الامر بالامر بالشیء امر بذلک الشئی، لہذا ان کے نزدیک صبی شارع کی طرف سے مامور بالصلوٰۃ ہوا لیکن استحباباً نہ کہ وجوباً۔

لے یعنی اگر کسی شخص سے یہ کہا جائے کہ فلاں کو اس بات کا امر کر دو تو اس صورت میں یہ فلاں، اول شخص کے طرف سے مامور ہوگا بلکہ مامور کی طرف سے مامور ہوگا، لہذا یہ صبی والدین کی طرف سے مامور ہوا نہ کہ شارع علیہ السلام کی طرف سے۔

میں سات سال کہا گیا ہے۔

باب بدأ الاذان

اب یہاں سے مستقل مضمون شروع ہو رہا ہے بخاری اور نسائی میں اس طرح ہے، کتاب الاذان اور اس کے بعد باب بدأ الاذان۔

یہاں چند بحثیں ہیں جنکا شروع میں بیان کر دینا بہت مفید ہے علی المداستہ بما قبلہ علی الاذان لفقہ و شرعاً علی مبنی شرع الاذان علی کیفیۃ المشرعیۃ و ما یرد علیہ من الایراد و الجواب علی حکم الاذان و اختلافات العلماء فیہ علی حکمتہ الاذان۔

مباحثہ متعلقہ باذان | بحث اول، جب مصنفؒ موافقت صلوٰۃ اور مساجد کے بیان سے فارغ ہوئے تو اب جماعت اور اذان کا بیان شروع کرتے ہیں، جماعت کی نماز کے لئے چونکہ لوگوں کے اجتماع کی ضرورت ہے اس لئے مصنفؒ ابواب الجماعۃ سے قبل ابواب الاذان بیان کر رہے ہیں، کیونکہ اذان لوگوں کے جمع کرنے کا ذریعہ ہے۔

بحث ثانی: اذان کے لغوی معنی اعلان و اطلاع کے ہیں، قَالَ اللّٰهُ تَعَالٰی، وَ اَذِّنْ مِنَ اللّٰهِ وَرَسُولِهِ، دراصل یہ اذان (بفتحین) سے مشتق ہے جس کے معنی استماع کے ہیں، اور شرعاً اذان کہتے ہیں الاعلام بوقت الصلوٰۃ بالفاظ مخصوصہ یعنی وقت صلوٰۃ کی مخصوص الفاظ کے ذریعہ اطلاع کرنا۔

بحث ثالث: بعض غیر صحاح کی روایات سے معلوم ہوتا ہے کہ اذان کی مشروعیت فرضیت صلوٰۃ کے ساتھ لیلۃ الاسرار میں ہوئی، حافظ ابن حجرؒ فرماتے ہیں کہ یہ روایات صحیح نہیں صحاح کی روایات سے یہ ثابت ہے کہ آپ صلی اللہ علیہ وسلم مکہ مکرمہ میں نماز بدون اذان و اقامت ادا فرماتے تھے یہاں تک کہ جب آپ نے ہجرت الی المدینہ فرمائی تو اولاً آپ نے سلسلہ میں مسجد نبویؐ کی تعمیر فرمائی اس کے بعد اذان کے سلسلے میں مشورہ ہوا اور سلسلہ وقیل سلسلہ میں اذان شروع ہوئی۔

بحث رابع: جانتا چاہئے کہ مشروعیت اذان کے بارے میں دو حدیثیں ہیں علی حدیث ابن عمرؓ جو متفق علیہ ہے بخاری و مسلم دونوں میں ہے علی عبد اللہ بن زید کی حدیث خواب والی جس کی تخریج اصحاب السنن امام ابو داؤد و ترمذی وغیرہ نے کی ہے، امام ترمذیؒ نے باب بدأ الاذان میں یہ دونوں حدیثیں ذکر فرمائی ہیں امام ابو داؤد نے صرف ثانی حدیث ذکر کی ہے۔ حافظ ابن حجرؒ فرماتے ہیں عبد اللہ بن زید کی حدیث کی تخریج امام بخاریؒ نے نہیں کی، لہذا ہم یکن علی شرط۔

مضمون حدیث عبد اللہ بن زید | اس کے بعد جانتا چاہئے کہ عبد اللہ بن زید کی حدیث کا مضمون جس کو مصنفؒ نے باب کے شروع میں بیان کیا یہ ہے وہ فرماتے ہیں کہ حضور صلی اللہ علیہ وسلم کو نماز

کے لئے لوگوں کو جمع کرنے کا فکر لاحق ہوا کہ کیسے جمع کیا جائے بعض صحابہ نے مشورہ دیا انصیب راجیۃ کہ جب نماز کا وقت آئے تو ایک جھنڈا کھڑا کر دیا جائے کہ لوگ اس کو دیکھ کر ایک دوسرے کو اطلاع کر دیا کریں گے اور بعض نے آپ کو شبّور کا مشورہ دیا جو سینک کی شکل کی ایک چیز ہوتی ہے جس کے ذریعہ سے آواز بلند ہو جاتی ہے اور بعضوں نے ناقوس کا مشورہ دیا جو ایک خاص قسم کی لکڑی ہوتی ہے ایک چھوٹی ہوتی ہے اور ایک بڑی بڑی کو ناقوس اور چھوٹی کو وسیلہ کہتے ہیں ایک کو دوسری پر مارنے سے آواز پیدا ہوتی ہے آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے ان دونوں مشوروں کو رد فرمایا یہود و نصاریٰ کی مشابہت کی وجہ سے۔

فانصرف عبد اللہ بن زید وھو ہتّم الزیہ مجلس ویسے ہی بغیر فیصلہ کے درخواست ہو گئی اور اہل مجلس میں سب سے زیادہ اس کا فکر عبد اللہ بن زید لے کر آئے وادی الاذان فی منامہ اللہ تعالیٰ نے انکو اس اہتمام اور فکر کی بدولت یہ سعادت نصیب فرمائی کہ خواب میں ان کو اذان دکھائی گئی جن کی اطلاع انھوں نے حضور صلی اللہ علیہ وسلم کو کی اس پر آپ نے اذان کی مشروعیت کا فیصلہ فرمادیا اور حضرت بلالؓ کو حکم دیا یا بلال قرو فانظروا مایا ممرک بہ عبد اللہ بن زید۔

اور حدیث ابن عمر جو بخاری شریف میں ہے اس کا مضمون یہ ہے کہ مشروعیت اذان سے پہلے حضور صلی اللہ علیہ وسلم صحابہ کرام سے مشورہ فرما رہے تھے تو بعض نے ناقوس نصاریٰ کا مشورہ دیا اور بعض نے قرآن یہود کا یہ مشورہ چل رہا تھا کہ حضرت عمرؓ مجلس سے بولے اَوَلَا تَبْعَثُونَ رَجُلًا یُنَادِی بِالصَّلَاةِ فَقَالَ رَسُولُ اللَّهِ صَلَّى اللَّهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ يَا بِلَالُ قَرُ فَنَادَا بِالصَّلَاةِ

مشروعیت اذان کے بارے میں حدیث بخاری و حدیث سنن میں تعارض اور اس کا جواب یہ حدیث بظاہر پہلی حدیث کے خلاف ہے اس لئے کہ اس سے معلوم ہو رہا ہے کہ اذان کی مشروعیت حضرت عمرؓ کی رائے پر ہوئی اب ان دونوں حدیثوں میں تعارض ہو گیا، امام نوویؒ

نے شرح مسلم میں قاضی عیاض سے اس کی یہ تاویل نقل کی ہے کہ حضرت عمرؓ کے کلام میں نداء کا مصداق اذان معبود نہیں بلکہ مطلق نداء بالصلوۃ مراد ہے الصلوۃ جامعۃ وغیرہ الفاظ جو مشروعیت اذان سے پہلے کہے جاتے تھے، دوسرا جواب یہ بھی دیا گیا ہے جس کو حافظ نے فتح الباری میں اور علامہ سندھی نے حاشیہ نسائی میں نقل کیا ہے کہ یوں کہا جائے کہ اس حدیث ابن عمرؓ میں حذف و اختصار واقع ہوا جس کی وجہ سے فہم مراد میں خلل واقع ہو گیا اور وہ اختصار اس میں یہ ہوا کہ کہنا یہ

لہ حضرت شیخ کی تقریر میں ہے کہ شبّور یہود کے بانجوں میں سے ایک باجہ ہوتا ہے اس کی صورت ایسی ہوتی ہے جیسے چاروں میں بیابا شادی کے موقع پر ایک طویل عنق کا باجہ استعمال کرتے ہیں جسے نرسنگھا کہا جاتا ہے۔ ۱۲۰

چاہتے ہیں کہ اس وقت یہ مجلس ویسے ہی بغیر کسی فیصلہ کے برخاست ہو گئی اس کے بعد عبداللہ بن زید نے خواب دیکھا اور پھر آکر حضور صلی اللہ علیہ وسلم کی خدمت میں اپنے اس خواب کو بیان کیا جس پر حضرت عمرؓ نے فرمایا **أَوَلَا تَتَّبِعُونَ رَجُلًا ينادي بالصلاة**۔ اس صورت میں حضرت عمرؓ کے کلام میں نذار سے اذان مہود ہی مراد ہوگی۔

غریب | امام ترمذی نے اس حدیث ابن عمرؓ پر جب محنت کا حکم لگایا تو اس پر قاضی ابو بکر بن العربی نے شرح ترمذی میں اشکال کیا و **عجب لابی عسی** کیفیت حکم علیہ بالفتۃ الامام ترمذیؒ پر تعجب ہے کہ انھوں نے اس حدیث پر کیے محنت کا حکم لگایا جبکہ یہ حدیث عبداللہ بن زید کی حدیث مشہور کے خلاف ہے اس پر شیخ احمد شاہ حاشیہ ترمذی میں لکھتے ہیں کہ **ولعل القاضی نسى ان الحدیث فی الصمیمین**، یعنی کیا ابن العربی کے ذہن میں یہ بات نہیں رہی کہ یہ حدیث صرف ترمذی ہی میں نہیں ہے بلکہ یہ تو متفق علیہ حدیث ہے۔ غرضیکہ ابن العربی کی رائے یہ ہے کہ حدیث ابن عمرؓ صحیح نہیں ہے، بظاہر احمد شاہ کرنے صحیح کہا کہ ابن العربی کے ذہن میں یہ نہ ہو گا کہ یہ حدیث بخاری میں بھی ہے ورنہ وہ ایسی جرأت نہ کرتے واللہ تعالیٰ اعلم۔

مشروعیہ اذان پر ایک مشہور اشکال و جواب | جانا چاہئے کہ مشروعیت اذان کی اس کیفیت پر یہ اشکال ہے کہ غیر بنی کا خواب نجت نہیں تو پھر یہاں اس حکم شرعی کا مدار اس پر کیسے رکھا گیا، اس کا مشہور جواب یہ ہے کہ ممکن ہے اس روایہ کے ساتھ وحی کی مقارنت ہو گئی ہو، چنانچہ مصنف عبدالرزاق اور مر اسیلابی داؤد کی ایک روایت میں ہے کہ حضرت عمرؓ نے جب خواب میں اذان کو دیکھا تھا تو انھوں نے اس کی اطلاع حضور صلی اللہ علیہ وسلم کو کی، فوجہ الوحی قد ورد بن لطف تو عمرؓ کو وہاں پہنچ کر معلوم ہوا کہ اس سلسلے میں آپؐ پر وحی آچکی ہے، اور میں اس کا جواب یہ دیا کرتا ہوں کہ سنن ابوداؤد و ترمذی میں یہ ہے کہ آپؐ نے عبداللہ بن زیدؓ کا خواب سن کر ان سے فرمایا **استہارو یا حی** کہ تمہارا یہ خواب برحق ہے اور اس کے بعد آپؐ نے حضرت بلالؓ سے اذان دلائی، لہذا اب وہ خواب تصدیق بنی کی وجہ سے حجت شرعیہ بن گیا، اس کی حیثیت محض ایک خواب کی نہیں رہی، اب آگے اس میں دو احتمال ہیں ہو سکتا ہے یہ تصدیق آپؐ نے اپنے اجتہاد سے فرمائی ہو اس لئے کہ آپ صلی اللہ علیہ وسلم کے لئے جمہور علماء کے نزدیک حق اجتہاد حاصل تھا، اور یہ بھی ممکن ہے کہ یہ تصدیق آپؐ نے بذریعہ وحی فرمائی ہو۔

روایہ عمر بن الخطابؓ | نیز یہ بھی واضح رہے کہ اذان کے بارے میں جس طرح خواب حضرت عبداللہ بن زیدؓ نے دیکھا تھا اسی طرح جیسا کہ آئندہ روایت میں آرہا ہے، حضرت عمرؓ نے بھی دیکھا تھا بلکہ انھوں نے عبداللہ بن زیدؓ سے بیس روز پہلے دیکھا تھا مگر وہ اس کا ذکر حضور صلی اللہ علیہ وسلم سے نہ کر سکے تھے پھر جب کچھ دن بعد عبداللہ بن زیدؓ کے خواب پر آپؐ نے حضرت بلالؓ سے اذان کہلائی اور اس کی آواز حضرت عمرؓ تک پہنچی تو اس پر ان کو اپنا گزشتہ خواب یاد آیا اور درود پڑھے ہوئے آپؐ کی خدمت میں حاضر ہوئے اور اپنا خواب بھی حضورؐ سے ذکر کیا

لیکن حضور اذان کی شریعت کا فیصلہ عبداللہ بن زید کے رویا پر فرما چکے تھے۔

شرح حدیث سے معلوم ہوتا ہے کہ ان دو کے علاوہ اور بھی بعض صحابہ نے اذان کے بارے میں خواب دیکھا۔ چنانچہ طبرانی کی ایک روایت میں حضرت ابو بکرؓ کے رویا کا ذکر ہے اور امام غزالیؒ نے لکھا ہے کہ اس سلسلہ میں خواب دس سے زائد صحابہ کرام نے دیکھا تھا۔ لیکن حافظ ابن حجرؒ فرماتے ہیں: لم یثبت شیء من ذلك الا ما جاء من قصة عمرو بن ہما۔ یہاں یہ سوال ہو سکتا ہے کہ کیا اذان کے علاوہ بھی کوئی ایسی چیز ہے جس کا فیصلہ آپؐ نے خواب پر فرمایا ہو۔ جواب ہاں ہمارے ذہن میں اس کی

روایا پر فیصلہ کی ایک اور مثال

ایک مثال ہے۔ نسائی شریف مشہد ۱۹ میں زید بن ثابتؓ سے روایت ہے کہ حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے اس بات کا حکم فرمایا تھا کہ فرض نماز کے بعد تینتیس مرتبہ سبحان اللہ اور تینتیس مرتبہ الحمد للہ اور چونتیس مرتبہ اللہ اکبر پڑھا کریں تو ایک نصاریٰ صحابی نے خوب میں دیکھا کہ کوئی کہنے والا ان سے کہہ رہا ہے کہ کیا تم کو رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے یہ ورد مذکور پڑھنے کا حکم کیا ہے تو انہوں نے کہا ہاں۔ تو اس نے کہا کہ بجائے تین کلمات کے چار پڑھا کرو اور اس میں تہلیل کو بھی شامل کرو اور ان اذکار کے عدد کو تینتیس کے بجائے پچیس پچیس کر دو تو ان صحابیؓ نے صبح کو حضورؐ کی خدمت میں حاضر ہو کر اپنے اس خواب کا تذکرہ کیا۔ اس پر آپؐ نے فرمایا اجعلوا کذلک کہ اسی طرح کر لیا کرو۔

بحث خامس :- اذان عند الجہود والائتہ الثلاثہ اور ایسے ہی حنفیہ کے قول راجح میں سنت مؤکدہ ہے، حنفیہ کے یہاں دوسرا قول وجوب کا ہے۔ نیز فقہار نے لکھا ہے کہ اذان گو سنت مؤکدہ ہے واجب نہیں لیکن شعائر اسلام میں سے ہے لہذا اگر کسی بستی والے اس کے ترک پر اتفاق کر لیں تو امام ان کے ساتھ قتال کرے گا۔ اور داؤد ظاہری اور اہل عطاء کے نزدیک فرض ہے، عطاء اس کے بھی قائل ہیں کہ اگر کوئی شخص بغیر اذان کے نماز پڑھے تو اس پر عادیہ واجب ہے، نیز اذان حنفیہ اور حنابلہ کے نزدیک منہجہ کے لئے مستحب ہے اور شافعیہ و مالکیہ کے نزدیک بھی قول راجح میں اور اس میں ایک قول یہ ہے لایستحب لانه لا استدعاء للجماعة، وقیل یستحب لمن یرجو حضورا للجماعة والا فلا۔

بحث سادس :- امام نوویؒ فرماتے ہیں کہ علماء نے حکمت اذان میں چار چیزیں ذکر فرمائی ہیں۔ اس میں شعائر اسلام اور کلمۃ التوحید کا اظہار ہے۔ دخول وقت صلوٰۃ کی اطلاع۔ مکان صلوٰۃ کی نشاندہی۔ نماز باجماعت کے لئے دعوت۔ نیز علماء نے لکھا ہے کہ اذان اپنے اختصار اور قلیل الفاظ کے باوجود ائمہات مسائل دین کے اہم بنیادی مسائل پر مشتمل ہے۔

۱۔ حد ثناء عبد بن موسیٰ از اس حدیث کے بہت سے اجزاء پر کلام اوپر ابتدائی مباحث کے ضمن میں آچکا۔ قولہ فقال یا رسول اللہ! الخ لبین ناشد و یقظان عبداللہ بن زید اپنا خواب بیان فرما رہے ہیں کہ یا رسول اللہ میں بین النہوم والیقظہ کی حالت میں تھا۔ شرح لکھتے ہیں کہ اس سے مراد نوم خفیف ہے کہ اس وقت تک مجھ کو گہری نیند

نہیں آئی تھی، اور حضرت شیخؒ آدھریں لکھتے ہیں کہ میرے نزدیک آدھ وہ ہے جس کو علامہ سیوطیؒ نے اختیار کیا دھو
الحالۃ التي تعتري ارباب الاحوال والصعابة رؤس ارباب الاحوال یعنی اس سے وہ حالت مراد ہے جو ارباب باطن اور اہل کشوف
کو پیش آتی ہے یعنی یہ خواب نہیں تھا بلکہ بیداری کی حالت کا مکاشفہ تھا۔

قولہ اذا اتاني اب فلاراني الاذان۔ اس خواب کی تفصیل آئندہ باب کی پہلی حدیث میں آ رہی ہے، حکمتہ
عشرین یوما یعنی عبد اللہ بن زید سے پہلے اسی قسم کا خواب حضرت عمرؓ بھی دیکھ چکے تھے اس کا ذکر ہمارے یہاں پہلے
آچکا ہے، فاستجیت، بظاہر حضرت عمرؓ نے اپنا خواب یاد آنے پر فوراً حضورؐ سے بیان نہیں کیا اس لئے کہ مجلس میں
عبد اللہ بن زید کے خواب پر بات چل رہی تھی عمرؓ کو اس وقت اپنا خواب بیان کرتے ہوئے شرم آئی اس لئے انہوں نے
اس کا ذکر حضور صلی اللہ علیہ وسلم سے بعد میں کیا۔

سب سے پہلے اذان دینے کی سعادت | یا بلال قحراً، مشروعیۃ اذان کا سہرا اگر عبد اللہ بن زید کے سر
ہے تو سب سے پہلے اذان دینے کی سعادت حضرت بلال کے حصہ
میں آئی اس لئے کہ وہ اس سے پہلے مکہ مکرمہ میں اسلام لانے کی سڑ میں گرم ریت پر احجار کے زیر بار ہونے کے ساتھ آئندہ آمد
کی نذر توحید بلند کر چکے تھے۔

لولا ان کان یوم عینی مریضاً انما، عبد اللہ بن زید انصاری میں سے ہیں، انصار کی خواہش تھی کہ جس طرح مشروعیۃ
اذان کی سعادت ہمارے خاندان کے ایک فرد کو حاصل ہوئی اسی طرح اذان کہنے کی فضیلت بھی اسی کو حاصل ہوگی، لیکن
خدا کو اس طرح منظور نہ تھا اس لئے انصار اپنی تسلی کے لئے اس کا ایک عذر بیان کر رہے ہیں وہ یہ کہ عبد اللہ بن زید ان
دنوں مریض تھے منعف کی وجہ سے آواز بلند نہیں کر سکتے تھے اس لئے حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے اذان بلال حبشیؓ سے
دوائی کیونکہ وہ بلند آواز تھے چنانچہ آگے روایت میں آرہا ہے فانہ اندی مسکو تامنک۔

یہاں اس روایت میں تو آتا ہی ہے آگے باب الرجل یؤذن ولقیم آخرہ میں اس روایت کا تکملہ آرہا ہے۔
وہ یہ کہ جب آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے حضرت بلالؓ کو اذان دینے کا حکم فرمایا تو اس پر عبد اللہ بن زید نے حضورؐ سے
عرض کیا کہ اذان میں نے دیکھی تھی، میں یہ چاہتا تھا کہ اذان دینے کا عمل بھی مجھ سے ہی لیا جاتا اس پر آپ صلی اللہ
علیہ وسلم نے فرمایا فاقترانت کہ اچھا اقامت تم کہنا۔

باب کیف الاذان

اس باب سے مصنفؒ کا مقصود الفاظ اذان اور اس میں جو اختلاف روایات ہے اس کو بیان کرنا ہے۔

کلمات اذان کی تعداد میں اختلاف ائمہ | جانتا چاہئے کہ اذان میں دو جگہ اختلاف ہے۔ ایک شروع اذان میں تکبیر کے بارے میں کہ وہ کتنی مرتبہ ہے، دوسرا شہادتین کے بارے

میں کہ اس میں ترجیح ہے یا نہیں۔ پہلے مسئلہ میں صرف امام مالک کا اختلاف ہے ان کے نزدیک اذان کے شروع میں الشراکر صرف دو مرتبہ ہے اور باقی ائمہ ثلاثہ کے نزدیک چار مرتبہ۔ اور مسئلہ ثانیہ یعنی ترجیح میں دو امام ایک طرف ہیں اور دو ایک طرف، شافعیہ و مالکیہ ترجیح کے قائل ہیں حنفیہ و حنابلہ کے نزدیک کلمات اذان کل پندرہ ہیں اور شافعیہ کے نزدیک انیس اور مالکیہ کے نزدیک سترہ۔ شافعیہ و مالکیہ گو دو وزن ترجیح کے قائل ہیں لیکن مالکیہ کے نزدیک چونکہ شروع میں تکبیر صرف دو بار ہے اس لئے ان کے یہاں کلمات اذان سترہ رہ گئے۔

نیز جانتا چاہئے کہ اقامت کا باب اگرچہ آگے مستقلاً آ رہا ہے لیکن احادیث الباب میں چونکہ اذان کے ساتھ اقامت بھی مذکور ہے اس لئے اقامت میں جو اختلاف ائمہ ہے وہ بھی یہیں معلوم ہو جائے تو بہتر ہے۔ دلائل پر کلام تو وہاں آجائے گا۔ یہاں صرف اتنا جان لینا کافی ہے کہ جہور علماء ائمہ ثلاثہ افراد اقامت کے قائل ہیں کہ کلمات اقامت کو ایک ایک بار کہا جائے اور حنفیہ تشبیہ اقامت کے ان کے نزدیک اذان کی طرح اقامت بھی شفعاً شفعاً ہے۔
۱۔ حدیث امام محمد بن منصور۔ قولہ حدیثی ابی عبد اللہ بن زید۔ یہاں پر راوی عبد اللہ بن زید کے بیٹے محمد ہیں وہ اپنے باب عبد اللہ بن زید سے روایت کرتے ہیں، لہذا ابی سے مراد والدی ہے یہ کینت نہیں بلکہ یہ یا یا یا شکم ہے ترکیب میں مبدل منہ ہے اور آگے عبد اللہ بن زید بدل واقع ہو رہا ہے۔ یعنی بیان کیا مجھ سے میرے باپ عبد اللہ بن زید نے۔

شرح حیثہ | قولہ لما امر رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم بالاقامۃ من الخ ظاہر یہ ہے کہ لفظ امر صیغہ مجہول ہے اور مطلب یہ ہے کہ جب حضور صلی اللہ علیہ وسلم کو ناقوس کا مشورہ دیا گیا اور یہ بھی احتمال ہے کہ لفظ امر بصیغہ معروف ہو لیکن اس پر اشکال ہوگا کہ حضور نے ناقوس بنانے کا کہاں حکم دیا تھا۔ کہا جائے گا کہ مراد امر سے ارادہ امر ہے۔ سو ہو سکتا ہے کہ آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے ناقوس کا ارادہ فرمایا ہو بنا بریں کہ نصاریٰ نسبت یہود کے مسلمانوں سے زیادہ قریب ہیں، قال اللہ تعالیٰ وَكَذَٰبَتْ أَقْصَبُ يَهُودَؤُا۟ وَلِلَّذِیْنَ آمَنُوا۟ الذِّیْنَ قَالُوا۟ اِنَّا نَصَارٰی۔

احادیث الباب کا تجزیہ اور ان پر کلام | اس باب میں مصنف نے اولاً عبد اللہ بن زید کی حدیث دو طریق سے روایت کی، دونوں طریق ترجیح سے خالی ہیں بلکہ

عبد اللہ بن زید کی حدیث کے تمام طرق ترجیح سے خالی ہیں۔ ہاں البتہ ان کی حدیث کے اس طریق میں افراد اقامت مذکور ہے جو حنفیہ کے خلاف ہے۔ ثانیاً، مصنف نے حدیث ابو محذورہ کو متعدد طرق سے ذکر کیا جس میں ترجیح

کا ثبوت ہے جیسا کہ شافعیہ وغیرہ کا مسلک ہے لیکن اس حدیث میں بجائے افراد اقامت کے تشنیہ اقامت ہے جیسا کہ خنفیہ کا مسلک ہے۔

عبداللہ بن زید کی روایات اقامتہ کے بارے میں | نیز جانتا چاہئے کہ عبداللہ بن زید کی حدیث اقامت کے بارے میں مختلف ہے اس کے بعض طرق میں افراد اقامت

ہے جیسا کہ باب کی پہلی حدیث میں اور اس کے بعض طرق تشنیہ اقامت پر دلالت کرتے ہیں جیسا کہ اس باب کی حدیث ۱۷ میں ابن ابی لیلیٰ کی روایت میں آرہا ہے، اُحِلَّتِ الصَّلَاةُ ثَلَاثَةَ أَحْوَاجٍ چنانچہ اس روایت میں ہے فقام علی المسجد ثم تعدّ تعدّ شرفاً ثم قعداً فقال مثلها، اس روایت میں اقامت کو مثل اذان کے قرار دیا گیا ہے اور اذان میں بالاتفاق تشنیہ ہے، حاصل یہ کہ اس سلسلے میں اصل عبداللہ بن زید میں ان کی کسی روایت میں ترجیح نہیں، البتہ اقامت کے بارے میں ان کی روایات دو نون طرح کی ہیں، اقامت کے بارے میں دلائل پر کلام اس کے باب میں آئے گا۔ یہاں اذان کے بارے میں گفتگو ہو رہی ہے۔

اذان میں ترجیح کی بحث | ہمارے علماء نے لکھا ہے کہ ملک منزل من السماء کی اذان میں بھی ترجیح ہنسین سی

طرح سعد قرظ مؤذن مسجد قبار کی اذان میں ترجیح نہیں ہے اور سب سے بڑھ کر یہ کہ سید المؤذنین حضرت بلالؓ کی اذان میں ترجیح نہیں ہے، شافعیہ حضرات حدیث ابو محذورہ سے استدلال فرماتے ہیں جس کے تقریباً تمام طرق میں ترجیح موجود ہے، اس کے بارے میں ہمارے صاحب ہدایہ فرماتے ہیں کہ وہ وارد اہل کان تعلیمًا فظنّہ ترجیحًا، اس کی وضاحت آگے حدیث ابو محذورہ کے ذیل میں آرہی ہے، وہ حضرات حدیث ابو محذورہ کی ترجیح ثابت کرتے ہیں، چنانچہ امام نوویؒ فرماتے ہیں کہ حدیث ابو محذورہ عبداللہ بن زید کی حدیث سے متاخر ہے اس لئے کہ ابو محذورہ کی اذان کا قصہ ۳۷ھ میں غزوہ حنین کے بعد پیش آیا اور عبداللہ بن زید کی حدیث ابتداء امر کہ ہے اس کا جواب حضرت نے بذل الجہود میں یہ دیا ہے کہ کسی نے حضرت امام احمد بن حنبل سے یہی سوال کیا کہ کیا حدیث ابو محذورہ عبداللہ بن زید کی حدیث سے مؤخر نہیں ہے؟ انھوں نے برجستہ فرمایا ایسی قد رجح رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم الی المدینۃ فاقرب الی اذان عبد اللہ بن زید، یعنی اگرچہ یہ صحیح ہے کہ ابو محذورہ کی حدیث عبداللہ بن زید کی حدیث سے مؤخر ہے لیکن یہ تو سوچئے کہ ابو محذورہ کی اذان کے واقعہ کے بعد کیا حضورؐ اپنے

۱۷ اس پر کہا گیا ہے کہ طبرانی کی ایک روایت میں اذان بلال میں ترجیح موجود ہے، ہماری طرف سے جواب دیا گیا کہ طبرانی کی ایک روایت میں حدیث ابو محذورہ بھی ترجیح سے خالی ہے، مآھر جواب کو فہم ہو جاتا۔

سفر سے لوٹ کر مدینہ منورہ نہیں گئے تھے اور وہاں جا کر پھر وہی اذان بلال جو عبد اللہ بن زید کی اذان کے مطابق تھی اس کو برقرار نہیں رکھا تو پھر بتلائیے کوئی اذان مؤخر ہوئی۔

شیخ ابن الہمام کی رائے | اور شیخ ابن الہمام نے حدیث ابو محذورہ کا ایک اور جواب دیا وہ یہ کہ طرانی کی ایک روایت میں ابو محذورہ کی حدیث میں ترجیع نہیں ہے لہذا حدیث ابو محذورہ مضطرب ہوئی۔ بخلاف حدیث عبد اللہ بن زید کے کہ اس کے کسی طریق میں ترجیع نہیں ہے۔

قال ابو داؤد وھکذا رواۃ الزھری الخ، مصنف یہ فرما رہے ہیں کہ عبد اللہ بن زید کی حدیث کے دو طریق ہیں طریق ۱۔ محمد بن ابراہیم عن محمد بن عبد اللہ بن زید (کما تقدم) اور طریق ۲۔ زہری عن سعید بن المسیب، وقال فیہ بن اسحاق عن الزھری الخ، مصنف محمد بن ابراہیم اور زہری کی روایت میں جو فرق ہے اس کو بیان کر رہے ہیں۔

ابتداء اذان میں عدد تکبیر میں اختلاف روایات | وہ یہ کہ محمد بن ابراہیم کی روایت میں ترجیع تجلیج ہے (شروع اذان میں اللہ اکبر چار مرتبہ) اور زہری کی روایت میں ان کے

شاگرد مختلف ہیں ابن اسحاق نے زہری سے اللہ اکبر چار مرتبہ اور معمر دیولس نے اسے اللہ اکبر صرف دو مرتبہ نقل کیا ہے میں کہتا ہوں کہ اسی طرح حدیث ابو محذورہ میں بھی روایات مختلف ہیں اس کے بعض طرق میں تکبیر چار مرتبہ ہے اور بعض میں دو مرتبہ، اور ادھر آبی چکا کہ مالکیہ دو مرتبہ کے قائل ہیں، لکن یثبت یعنی معمر دیولس نے زہری سے لفظ اللہ اکبر تثنیہ کے ساتھ ذکر نہیں کیا بلکہ افراد کے ساتھ، یہاں پر اشکال ہوتا ہے، کہ معمر دیولس نے تو اللہ اکبر دو مرتبہ ذکر کیا ہے پھر تثنیہ کی نفی کیسے صحیح ہے، جواب یہ ہے کہ دو مرتبہ اللہ اکبر بل کر ایک شمار ہوتا ہے کیونکہ ایک ہی سانس میں دو مرتبہ کہا جاتا ہے۔

۲ حدثنا مسدد بن حوالہ عن ابیہ عن جدہ، ابیہ سے مراد عبد الملک بن ابی محذورہ ہیں، اور جدہ سے مراد ابو محذورہ ہیں، یہ باب کی دوسری حدیث ہے ابو محذورہ والی جس میں ترجیع ہے، مصنف نے اس کو محضراً ذکر کیا ہے۔

اذان ابو محذورہ کا واقعہ | روایت مفصلہ نسائی شریف میں ہے اس کو دیکھا جائے، نیز دارقطنی کی روایت میں بھی تفصیل ہے جسکو حضرت نے بذل میں ذکر فرمایا ہے، جس کا مضمون یہ ہے، ابو محذورہ

کہتے ہیں کہ جب حضور صلی اللہ علیہ وسلم فتح مکہ کے بعد حنین کی طرف روانہ ہوئے تو ہم دس نوجوان لڑکے اہل مکہ میں سے آپ کے تعاقب میں نکلے وہ کہتے ہیں کہ ہماری ملاقات رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم اور آپ کے اصحاب سے راستہ میں اسوقت ہوئی جبکہ آپ حنین سے واپس ہو رہے تھے، جسکی شکل یہ ہوئی کہ راستہ میں ایک جگہ رسول اللہ کے مؤذن نے اذان دی جسکی آواز دور سے ہم نے سنی اسوقت تک چونکہ ہم ممرض عن الاسلام تھے، اسلئے ہم سب لڑکے بھی

اس مؤذن کے اذان کی نقل اتارنے لگے (استنزا) ہماری اذان کی آواز حضور صلی اللہ علیہ وسلم تک بھی پہنچ گئی آپ نے کچھ لوگوں کو ہمیں پکار کر لانے کیلئے بھیجا چنانچہ ہم کو آپ کی خدمت میں حاضر کر دیا گیا آپ نے دریافت فرمایا کہ تم میں سے وہ کون سا لڑکا ہے جسکی آواز کو میں نے سنا تھا اور اسکی آواز سب سے بلند تھی تو میرے ساتھیوں نے میرے بارے میں اشارہ کیا اور ان کا اشارہ کرنا صحیح تھا، آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے میرے سب ساتھیوں کو تو جھوڑ دیا اور مجھے روک لیا اور مجھ سے فرمایا کہ اب میرے سامنے اذان کہہ، اسوقت میرے نزدیک آپ سے زیادہ کوئی منکروہ و مبغوض نہیں تھا، میں نے آپ کے سامنے کھڑے ہو کر اذان دینی شروع کر دی، کلمات اذان کا القاء خود حضور مجھ پر فرماتے رہے اس روایت میں پھر یہ ہے کہ آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے شہادتین کا القاء انکو مکر فرمایا۔

امام طحاوی کی رائے | امام طحاوی فرماتے ہیں ہو سکتا ہے کہ ابو محمد وہ جب شہادتین پر پہنچے ہوں تو اسکو کما حقہ مد و شد کے ساتھ نہ پڑھا ہو اسلئے حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے اسکا تکرار کرایا، میں کہتا ہوں وجہ اسکی ظاہر ہے وہ یہ کہ یا تو وہ اسوقت تک اسلام ہی نہیں لائے تھے جیسا کہ ظاہر الفاظ روایات سے معلوم ہوتا ہے، یا کم از کم اسلام انکے قلب میں راسخ نہیں ہوا تھا، حدیث ابو محمد وہ پر کلام مزید باب کی پہلی حدیث کے ذیل میں گزر چکا۔

صبح کی اذان میں الصلوٰۃ خیر من النوم سے متعلق کلام | قولہ فان کان صلوٰۃ الصبح قلت الصلوٰۃ خیر من النوم، اس سے معلوم ہوا کہ صبح کی اذان میں اس لفظ کی زیادتی مرفوعاً ثابت ہے، ائمہ ثلاثہ حسین حنفیہ بھی ہیں کے نزدیک صبح کی اذان میں اس کی زیادتی مستحب ہے اور امام شافعی کا قول قدیم بھی یہی ہے اور وہی ان کے یہاں مفتی بہ ہے، اور ان کے قول جدید میں غیر مستحب ہے، بعض علماء جیسے ابن قدامہ حنبلی اور شیخ ابن حجر مکی نے اس میں حنفیہ کا بھی اختلاف لکھا ہے کہ ان کے نزدیک بھی یہ غیر مستحب ہے لیکن یہ صحیح نہیں، ملا علی قاری اسکا رد کرتے ہوئے فرماتے ہیں لان ذلک نشأ من قلة الاطلاع علی مذہبنا۔

یہ اوپر گزر چکا کہ اس جملہ کا ثبوت مرفوعاً ہے، اور مؤطا مالک کی روایت سے معلوم ہوتا ہے کہ مرفوعاً نہیں بلکہ حضرت عمر کے زمانہ سے ہے، چنانچہ امام مالک نے مؤطایں بلا غار وایت کیا ہے، کہ ایک مرتبہ حضرت عمر کا مؤذن ان کو صبح کی نماز کی اطلاع کرنے گیا فوجدنا شافعا قال الصلوٰۃ خیر من النوم یا امیر المؤمنین فامروا عمران بمجعله فی اذان الصبح

لیکن بعض روایات سے معلوم ہوتا ہے کہ آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے ابو محمد وہ کو اذان کے اندر اول شہادتین کو ذکر اپنست آواز سے پڑھنے کو خود فرمایا اور دوبارہ پھر بلند آواز کیا تھا، اسکی توجیہ بھی یہی ہے کہ شروع میں آپ نے شہادتین کو سر ا کہنے کا حکم فرمایا ایمان اور توحید کی طرف لانے کیلئے اور ثانیاً جہر اذان کی نیت سے۔

حضرت شیخؒ اور جن میں لکھتے ہیں کہ ہمیں اشکال یہ ہے کہ اس کلمہ کا اذان صبح میں ہونا روایت مرفوعہ سے ثابت ہے، لہذا یہ کہنا تو مشکل ہے کہ حضرت عمرؓ کو اسکا علم نہ ہوگا اس لئے علماء نے اسکی توجیہ یہ کی ہے کہ حضرت عمرؓ کی مراد یہ ہے کہ اس کلمہ کا محل صرف اذانِ صبح ہے نہ کہ بابِ امیر، گویا انھوں نے اس بات پر ٹیکر فرمائی کہ بابِ امیر ہر جا کر یہ کہا جائے اور فرمایا کہ اسکو صرف اذان میں کہا کرو، اور شاہ ولی اللہ صاحبؒ نے نوٹ طاک کی شرح مصنفی میں لکھا ہے کہ ہو سکتا ہے حضرت عمرؓ کے مؤذن نے اسکو اذان صبح میں کہنا ترک کر دیا ہو اور بعد میں کہا کرتا ہو اس پر حضرت عمرؓ نے اس کو فرمایا کہ اسکو اثناء اذان میں کہا کرو۔ (الفضل السامی)

۳۔ حدیثنا الحسن بن علی الزہری فی الاوّلی من الصبح، اور بعض نسخوں میں ہے فی الاول یعنی العسلوة
خیر من النوم صبح کی اذان اول میں کہا جائے، اذان کو اقامت کے اعتبار سے اذان اول کہا گیا ہے گویا اقامت
اذان ثانی ہے۔

قال ابو داؤد وحديث مسدد ابين، یہ حدیث حسن بن علی کی ہے اور حدیث مسدد سے مراد اس سے پہلی حدیث ہے۔ حدیث مسدد حسن بن علی کی حدیث سے زیادہ واضح الفاظ اذان کے اعتبار سے ہے اس میں تمام الفاظ اذان بالتفصیل مذکور ہیں اگرچہ حدیث مسدد میں ایک کمی ہے وہ یہ کہ اس میں اقامت مذکور نہیں، بخلاف حدیث حسن بن علی کے کہ اسکے اندر اقامت کا اضافہ ہے جسکو مصنف آگے بیان کر رہے ہیں قال فیہ وعلمنی الاقامۃ مرتین، اقامت کا ذکر صرف حسن بن علی کی روایت میں ہے۔

قال ابو داود وقال عبد الرزاق - اس حدیث میں ابن جریر سے روایت کرنے والے دو ہیں، ابو حاتم، اور عبد الرزاق، مصنف ان دونوں کا فرق بیان کرنا چاہتے ہیں، وہ یہ کہ ابو حاتم کی بیان کردہ اقامت میں لفظ قد قامت الصلوة نہیں ہے بخلاف عبد الرزاق کے کہ ان کی روایت میں یہ لفظ مذکور ہے، حوالہ اسمعت اسکو دو طرح پڑھا گیا ہے، مجرد سے اس صورت میں ہمزہ استفہام کے لئے ہوگا حضور صلی اللہ علیہ وسلم ابو محمد رہے پوچھ رہے ہیں، یا کوئی استاذ اپنے شاگرد سے کہ تو نے روایت کے الفاظ سن لئے؟ اور یہ بھی امکان ہے کہ یہ اسماعیل سے ہو اس صورت میں ہمزہ اصلی ہوگا اور مطلب یہ ہوگا کہ جب تو نے کلمات اقامت کہہ لئے تو تو نے جماعت کو سنا دیا، اور اقامت کا حق ادا کر دیا، اور ممکن ہے یہ مطلب ہو کہ الفاظ اقامت اتنے زور سے کہے جائیں جسکو حاضرین سن لیں زیادہ زور سے نہیں۔

جاننا چاہئے کہ حدیث ابو مخذورہ کی اقامت کے کلمات شنی شنی ہیں جیسا کہ حنفیہ کا مسلک ہے، سو یہ حدیث ترجیح میں اگر شافعیہ کی دلیل ہے تو اقامت میں حنفیہ کی دلیل ہے، اقامت کے سلسلہ میں کلام انشاء اللہ اس کے باب میں آگیا۔

سے بلا نام کی تصریح کے روایت کر رہے ہیں، چنانچہ فرماتے ہیں وحدثنا اصحابنا ان رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم قال اذا اصحابنا سے مراد صحابہ کرام ہیں اسلئے کہ طحاوی اور ترمذی کی ایک روایت میں اصحابنا کے بجائے اصحاب محمد ہے لہذا یہ حدیث مستند ہوئی نہ کہ مرسل ہاں اگر اصحابنا سے ابن ابی لیلیٰ کے اصحاب مراد ہوتے تو بیشک یہ حدیث مرسل ہوتی کیونکہ یہ خود تابعی ہیں اور ظاہر ہے کہ اسلئے رفتار بھی تابعی ہوں گے۔

احیلت الصلوۃ ثلاثۃ احوال اب آپ اس حدیث کا مفہوم سمجھئے۔ ابن ابی لیلیٰ فرما رہے ہیں نماز میں تین تغیرات ہوتے اور اس سے اگلی روایت میں یہ بھی آرہا ہے واحیلت الصیام ثلاثۃ احوال۔ یعنی تین ہی قسم کے تغیرات صیام میں ہوتے، نماز کا پہلا تغیر مشروعیت اذان و اقامت ہے، کہ ابتداء میں نماز بلا اذان و اقامت کے ہوتی تھی اور پھر صحابہ کرام کے مشورہ اور عبداللہ بن زید کے خواب کے بعد نماز کے لئے اذان و اقامت مشروع ہوئی۔ دوسرا تفسیر آگے آرہا ہے صلوۃ مسبوق کے بارے میں، ولولا ان یقول الناس ان عبداللہ بن زید فرما رہے ہیں کہ اگر مجھ کو لوگوں کے اعتراضات اور چہ میگوئیوں کا خوف نہ ہوتا تو یہ کہتا کہ اذان کو میں نے خواب میں نہیں دیکھا بلکہ فی الواقع بیداری کی حالت میں دیکھا، آپ کو یاد ہوگا کہ اس سے پہلے روایت میں آیا تھا انی لبین ناشی و یقظان، اس پر کلام وہاں گزر چکا۔

نماز کا دوسرا تغیر قال وحدثنا اصحابنا۔ یہاں سے نماز کا دوسرا تغیر بیان کر رہے ہیں وہ یہ کہ ابتداء میں مسبوق کی نماز کے پورا کرنے کا طریقہ وہ نہیں تھا جو اب ہے بلکہ یہ تھا کہ جو شخص مسجد میں پہنچتا تو اسکو مد رکین اشارہ سے بتلا دیتے کہ ایک رکعت ہوئی یا دو۔ تو یہ معلوم ہونیکے بعد وہ یہ کرتا کہ امام کے پیچھے نیت باندھ کر پہلے جلدی جلدی اپنی فوت شدہ رکعت پڑھ لیتا جب وہ پوری ہو جاتی تو پھر باقی نماز امام کیساتھ اسلئے موافق پڑھتا اس صورت میں سب کی نماز مد رک و مسبوق ایک ساتھ پوری ہو جاتی تھی۔ لیکن شروع میں جماعت کی کیفیت یہ ہوتی کہ ایک ہی وقت میں کوئی قیام میں ہے کوئی رکوع میں کوئی سجود میں، اور کچھ لوگ امام کے ساتھ اس کے موافق پڑھنے والے، اسی کو راوی کہہ رہا ہے من بین قاضی و راکع وقاعد و مصل مع رسول اللہ

لہ دراصل یہ حدیث تشبیہ الاقامۃ میں حنفیہ کی دلیل ہے اسلئے کہ اس میں ایک لفظ آرہا ہے ثم تعد تعدۃ ثم قام فقال مثلہا، اس میں اقامت کو اذان کیساتھ تشبیہ دی گئی ہے لہذا جس طرح اذان کے کلمات میں تکرار ہے اسی طرح اقامت میں بھی ہوا جوہر کہتے ہیں کہ یہ حدیث مرسل ہے اسکا جواب اوپر آچکا کہ اصحاب سے مراد صحابہ ہیں انھوں نے دوسرا اشکال یہ کیا کہ یہ حدیث منقطع ہے، جواب یہ ہے کہ اگر انقطاع ہے تو صرف بعض طرق میں وہ روایت ابن ابی لیلیٰ عن عبداللہ بن زید او عن معاذ بن جبل (و کما سیأتی قریناً) و انما روایت ابن ابی لیلیٰ عن اصحاب محمد کی روایت الطحاوی و الترمذی وغیرہما فلا انقطاع فان عبدالرحمن بن ابی لیلیٰ اور کما نے عشرین صحابہ۔

صلی اللہ علیہ وسلم

حتی جاء معاذ، غنیکه مسبوق کے نماز کی کیفیت اس طرح چل رہی تھی جو اوپر مذکور ہوئی، ایک دن کی بات ہے کہ حضرت معاذ اتفاق سے مسبوق ہو گئے جب وہ مسجد میں داخل ہوئے تو نمازیوں نے حسب معمول سابق انکو بھی اشارے سے سمجھایا مگر انھوں نے یہ فرمایا لا اراہ علی حال الا کنت علیہا۔ کہ میں امام کو جس حال میں پاؤں گا اسی پر رہوں گا یعنی اپنی فوت شدہ رکعت پہلے نہیں پڑھوں گا، چنانچہ انھوں نے جماعت میں شریک ہو کر امام کیساتھ اسکے موافق نماز پڑھی اور امام کے فارغ ہونے کے بعد اپنی باقی نماز پوری کر کے سلام پھیرا، ظاہر ہے کہ حضرت معاذ نے ایسا اپنے اجتہاد سے کیا جسکی جناب رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے تصویب فرمائی اور فرمایا، ان معاذ اقد سن لکم سنة کذلک فافعلوا، یعنی معاذ نے تمہارے لئے اچھا طریقہ نکالا ہے لہذا ایسا ہی کیا کرو۔

قال ابن المثنی قال عمرو حدثنی بہا حصین عن ابن ابی لیلی

شرح السند

مصنف مذکورہ بالا حدیث کو دو سندوں سے روایت کر رہے ہیں پہلی سند میں ان کے اساتذہ عروبن مزوق ہیں اور دوسری میں جوہر تحویل سے شروع ہو رہی ہے اساتذہ ابن المثنی ہیں اور عمرو بن مرہ ہر دو سند کے مشترک راوی ہیں، قال ابن المثنی سے مصنف جو اختلاف رواۃ بیان کر رہے ہیں اسکا تعلق میرے نزدیک تغیر ثانی جو صلوۃ مسبوق سے متعلق ہے اس سے ہے، اختلاف مصنف نے یہ بیان کیا کہ ابن المثنی کی روایت میں یہ ہے کہ عمرو بن مرہ کہتے ہیں کہ جس طرح یہ روایت میں نے براہ راست ابن ابی لیلی سے سنی ہے اسی طرح بواسطہ حصین بھی ابن ابی لیلی سے سنی ہے بذل میں اس عبارت کا مطلب یہی لکھا ہے، اور یہ بھی احتمال ہے کہ عمرو بن مرہ کی مراد یہ ہو کہ اس حدیث کا پہلا حصہ یعنی تغیر اول تو میں نے ابن ابی لیلی سے براہ راست سنا (جیسا کہ اوپر سند میں گذر چکا) اور حدیث کا یہ دوسرا حصہ میں نے ان سے بواسطہ حصین سنا، حتی جاء معاذ، اسکا تعلق ماقبل کی

لہ وفي بعض التقارير هكذا، قوله قال ابن المثنی قال عمرو الخ، میرے نزدیک یہاں سے مصنف نے جو اختلاف طرق بیان کیلئے اسکا متعلق پوری حدیث سے نہیں بلکہ صرف تغیر ثانی جو صلوۃ مسبوق کے بارے میں ہے اس سے ہے، چنانچہ ابن المثنی کے بیان کے مطابق اس حدیث کو عمرو بن مرہ جس طرح ابن ابی لیلی سے روایت کرتے ہیں اسی طرح بواسطہ حصین بھی ابن ابی لیلی سے روایت کرتے ہیں، آگے چل کر شعبہ بھی یہی کہہ رہے ہیں کہ یہ حدیث میں نے جس طرح عمرو بن مرہ سے سنی اسی طرح اپنے شیخ الشیخ حصین سے بھی سنی ہے اور محض یہ بھی ہے کہ مطلب یہ ہو، عمرو کہتے ہیں کہ یہ روایت میں نے صرف حصین سے سنی ابن ابی لیلی سے نہیں، وهكذا قال شعبہ واشر اعلم، واختار فی البذل المعنی الاول۔

عمرو بن مزوق نے یہ اختلاف طرق بیان نہیں کیا، صرف ایک جملہ کے بارے میں شعبہ کا قول نقل کیا ہے کہ یہ میں نے عمرو بن مرہ سے نہیں سنا صرف حصین سے سنا ہے۔

عبارت۔ کان الرّجل اذا جارى سئل۔ سے ہے۔

قال شعبۃ وقد سمعتہما من حصین، او پر سند میں دیکھئے معلوم ہوگا کہ شعبہ شاگرد ہیں عمر بن مرہ کے۔ تو یہاں شعبہ یہ کہہ رہے ہیں کہ شروع کا حصہ تو میں نے عمر بن مرہ سے سنا تھا اور یہ دوسرا حصہ حدیث کا میں نے جسطرح عمر بن مرہ سے سنا تھا اسی طرح عمر بن مرہ کے استاذ حصین سے بھی سنا۔ اس عبارت کے مطلب میں بھی وہ دوسرا احتمال جاری ہوگا جو پہلے بیان کیا گیا۔ یعنی یہ کہ یہ حصہ میں نے صرف حصین سے سنا عمر بن مرہ سے نہیں۔ (واللہ تعالیٰ اعلم) شرر جمعۃ الی حدیث ابن مروزق، در اصل مصنف شروع سے اپنے استاذ عمر بن مروزق کی حدیث کے الفاظ نقل کرتے چلے آ رہے تھے درمیان میں بطور جملہ مقررہ کے ابن المثنیٰ کی روایت میں جو اختلاف رواۃ تھا اسکو بیان کیا تھا اس لئے مصنف فرما رہے ہیں کہ اب میں پھر اپنے استاذ عمر بن مروزق کی روایت کے الفاظ نقل کر رہا ہوں قال شعبۃ وھذا سمعتہما من حصین، ھذا کا اشارہ جملہ سابقہ فاشادوا الیہ کی طرف ہے۔ شعبہ کہتے ہیں کہ یہ جملہ میں نے صرف حصین سے سنا ہے اپنے دوسرے استاذ عمر بن مرہ سے نہیں سنا۔ اس کتاب کا یہ مقام مشکل مواقع میں سے ہے جو بحمد اللہ حل ہو گیا، واقعہ یہ ہے کہ اس کتاب میں مصنف جو اختلافات رواۃ بیان کرتے ہیں جنکے شروع میں کبھی قال ابو داؤد لکھتے ہیں اور کبھی نہیں یہ مواقع ادران کا حل اس کتاب میں خاص اہمیت رکھتا ہے، جو آج کل طلباء و مدرسین کے درمیان قال ابو داؤد کے عنوان سے مشہور ہے کہتے ہیں کہ اس کتاب میں قال ابو داؤد کا سمجھنا بہت اہم ہے۔

قال وحدثننا اصحابنا انہ یہاں سے راوی میام سے متعلق تغیرات ثلاثہ کو بیان کر رہا ہے، حالانکہ نماز کا ابھی ایک تغیر باقی ہے۔ اس سے معلوم ہوا کہ اس روایت میں اختصار ہے، وہ تیسرا تغیر اگلی روایت میں آ رہا ہے۔

صوم کے تغیرات ثلاثہ صوم کے تغیرات ثلاثہ یہ ہیں، ۱۔ حضور صلی اللہ علیہ وسلم جب مدینہ تشریف لائے تو اس وقت ہر ماہ تین روزے اور صوم عاشوراء فرض ہوئے (صوم عاشوراء کا ذکر آگے روایت

میں آ رہا ہے) کچھ دن بعد اس حکم میں تغیر تبدیلی واقع ہوئی اور نزول رمضان ہوا یعنی صیام رمضان شروع ہوئے تو پہلا تغیر یہ ہوا کہ ہر ماہ تین روزوں کے بجائے سال میں رمضان کے تیس روزے فرض ہوئے مگر اس طور پر کہ باوجود روزے پر قدرت کے ہر شخص کو اختیار تھا کہ خواہ روزہ رکھے یا اسکے بجائے فدیہ ادا کرے، کچھ روز بعد اس حکم میں بھی تغیر واقع ہوا اور آیت کریمہ **مَنْ شَهِدَ مِنْكُمُ الشَّهْرَ فَلْيَصُمْهُ**، نازل ہوئی اور فدیہ کا حکم صرف مریض اور مسافر کیلئے باقی رہ گیا اور مستطیع کے لئے صوم متعین ہو گیا یہ دوسرا تغیر ہوا، یعنی رخصت افطار میں تیمم کے بعد تخصیص، پھر تیسرا تغیر یہ ہوا کہ شروع میں حکم یہ تھا کہ صائم افطار کر لینے کے بعد سونے سے پہلے پہلے اکل و شرب و جماع کر سکتا تھا، اور جہاں سویا آنکھ لگی اسکے بعد اگر بیدار ہو تو کھانا پینا جماع ناجائز تھا بہت روز تک ایسا ہی چلتا رہا لیکن پھر اس میں

تغیر ہوا اس طرح کہ ایک مرتبہ کا واقعہ ہے حضرت عمرؓ نے رات کی وقت میں اپنی بیوی سے صحبت کا ارادہ فرمایا اس نے کہا کہ میں تو سو گئی تھی حضرت عمرؓ نے سمجھا کہ ویسے ہی بہانہ کر رہی ہے کیونکہ اس کی عادت اس قسم کی تھی اس لئے انھوں نے اس سے صحبت کر لی۔

دوسرا واقعہ یہ پیش آیا کہ ایک انصاری صحابی جنکا نام صرمتہ بن قیس ہے جو کاشتکار قسم کے آدمی تھے رمضان کے مہینے میں دن بھر تو وہ کھیت پر رہے روزے کی حالت میں محنت و مشقت کے کام کرتے رہے شام کو جب گرم پہنچے اور روزہ افطار کرنے کا وقت ہو گیا تو انھوں نے گرم والوں سے کھانا طلب کیا فقالوا حتی تسجن لك شيئاً گرم والوں نے کہا کہ ذرا ٹھہریے کھانا ابھی گرم کر کے لاتے ہیں، اتنے وہ کھانا گرم ہوتا رہا ادھر ان کی آنکھ لگ گئی گرم والے کھانا گرم کر کے جب لائے تو دیکھا کہ ان کی آنکھ لگی ہوئی ہے، اب کھانا نہیں کھا سکتے تھے، بیچاروں کا ضعف کیوجہ سے برا حال ہو گیا تو ان دو واقعوں کے بعد آیت نازل ہوئی اَجَلٌ لَّكُمْ لَيْلَةُ الْيَتَامِ الرِّقْتُ اِلَى نِسَائِكُمْ اور اسی کے آخر میں ہے وَكُلُوا وَاشْرَبُوا حَتَّى يَبَيِّنَ لَكُمْ الْخَيْطُ الْأَبْيَضُ مِنَ الْخَيْطِ الْأَسْوَدِ مِنَ الْفَجْرِ۔ اس آیت کے نزول سے حکم سابق منسوخ ہوا اور ماہ رمضان کی رات میں مطلقاً کھانے پینے اور جماع کی اجازت ہو گئی، یہ روزے کا تغیر ثالث ہوا۔

حدثنا ابن المثنى عن ابن ابى لیلی عن معاذ بن جبل، انک سندوں میں یہ آرہا تھا کہ ابن ابی لیلی فرماتے ہیں حدثنا اصحابنا جس سے مراد صحابہ تھے جیسا کہ پہلے گذر چکا اور یہ روایت متعین طور پر ایک صحابی معاذ بن جبلؓ سے ہے، لیکن محدثین کے نزدیک ابن ابی لیلی کا معاذ سے سماع ثابت نہونکی وجہ سے روایت منقطع ہے۔

قوله الحال الثالث ان رسول الله صلى الله عليه وسلم قدّم المدينة فضلى نحو بيت المقدس ثلاثة عشر شهراً، نماز کے تغیرات ثلاثہ میں جو تغیر ثالث گذشتہ روایت میں رہ گیا تھا۔ وہ یہ ہے

نماز کا تغیر ثالث حضور صلی اللہ علیہ وسلم جب ہجرت فرما کر مدینہ تشریف لائے تو تیرہ ماہ تک بیت المقدس کی طرف نماز پڑھتے رہے لیکن آپؐ کی خواہش یہ تھی کہ آپؐ کا قبلہ وہ ہو جو آپؐ کے باپ ابراہیم علیہ السلام کا تھا جیسا کہ اس آیت میں اسکا ذکر ہے فَذَرْنِي تَقَلُّبَ وَجْهِكَ فِي السَّمَاءِ، الآية، چنانچہ آپؐ کی خواہش کے مطابق مدت مذکورہ فی الحدیث کے بعد تحویل قبلہ ہوا، اور ارشاد ہوا اخَوِي وَجْهَكَ شَطْرَ الْمَسْجِدِ الْخَرَامِ، کہا گیا ہے کہ تحویل قبلہ اول نسخ وقع فی شریعتہ صلی اللہ علیہ وسلم۔

تحویل قبلہ سے متعلق دو بحثیں جانتا چاہئے کہ یہاں پر دو بحثیں ہیں، بحث اول، تحویل قبلہ ہجرت سے کتنی مدت بعد ہوا ایسے روایات مختلف ہیں بخاری کی روایت میں سترہ عشر شہراً اور سببہ عشر شہراً مذکور ہے، اور ابو عوانہ کی روایت میں سولہ ماہ ہے اور مسند احمد میں سترہ ماہ ہے، اور ابن ماجہ میں

اٹھارہ ماہ ہے ابوداؤد کی اس روایت میں تیرہ ماہ ہے اسکے علاوہ بھی روایات ہیں، آپ کا قدم مبارک مدینہ منورہ میں بالاتفاق ماہ ربیع الاول میں ہوا اور تحویل قبلہ صحیح اور مشہور قول کی بنا پر رجب سہم میں ہوا، اب اگر ابتداء و انتہاء دونوں کو مستقل شمار کیا جائے تو سترہ ماہ ہوتے ہیں اور اگر دونوں کو ملا کر ایک کر دیں تو سولہ ماہ ہوتے ہیں، بظاہر اسی کے پیش نظر بخاری کی روایت میں سولہ یا سترہ وارد ہوا ہے۔

بحث ثانی :- آپ ہجرت سے پہلے مکہ مکرمہ میں کس طرف استقبال فرماتے تھے بیت اللہ کی طرف یا بیت المقدس کی طرف سو اس میں تین قول ہیں ۱۔ کہ میں آپ نماز میں بیت اللہ کا استقبال کرتے تھے یہاں تک کہ آپ نے ہجرت فرمائی ۲۔ آپ مکہ مکرمہ میں شروع میں کعبہ کا استقبال فرماتے تھے اور پھر مکہ ہی کے قیام میں قبلہ ہجرت استقبال بیت المقدس کے مامور ہوئے ۳۔ آپ مکہ مکرمہ میں بیت المقدس کا استقبال فرماتے تھے مگر اس طور پر کہ بیت اللہ بھی سامنے رہے، علی القولین الاولین قبلہ کے بارے میں تعدد نسخ ماننا پڑیگا جیسا کہ مشہور ہے، اور قول ثالث پر نسخ قبلہ میں تعدد نہ ہوگا، کچھ احکام ایسے ہیں جن میں تعدد نسخ ہوا اور وہ چار ہیں جن کی تعیین باب الوضوء قدامت النار میں گذر چکی۔

باب فی الاقامۃ

اقامت اصطلاح فقہاء میں ان الفاظ مخصوصہ کا نام ہے جو اعلام حاضرین کے لئے کہے جاتے ہیں۔

۱۔ حدیثنا سلیمان بن حرب الخ قولہ جمیعاً عن ایوب، مصنف نے دو سندیں ذکر فرمائی ہیں پہلی سند سماک پر آکر رک گئی اور دوسری وہیب پر اور یہ دونوں روایت کرتے ہیں ایوب بخیتیانی سے، ایوب ملتقی السندین ہیں ابوقلابہ کا نام عبداللہ بن زید ہے۔

قولہ امیر بلال ان یشفع الاذان ویوتر الاقامۃ، یعنی حضرت بلال اس بات کے مامور تھے کہ کلمات اذان کو شفعاً پڑھائیں اور کلمات اقامۃ کو فرداً پڑھائیں ایک ایک بار۔

زاد حماد فی حدیثہ الاذان والاقامۃ، اس لفظ کی زیادتی سماک کی روایت میں ہے وہیب کی روایت میں نہیں ہے اسکے بعد آپ کہتے ہیں کہ ہمارے یہاں یہ پہلے اُمّہ ثلاث اقامۃ میں ایثار کے قائل ہیں اور حنفیہ مشنہ کے،

اُمّہ اربعۃ کے نزدیک کلمات اقامۃ کی تعداد حنفیہ کے نزدیک کلمات اقامت سترہ ہیں جبکہ اذان کے کلمات ان کے یہاں پندرہ ہیں، لفظ قدامت الصلوۃ

کیوجہ سے دد کا اضافہ ہو گیا اور امام شافعی و احمد کے نزدیک اسکے کل کلمات گیارہ ہیں تکبیر شروع اور آخر دونوں جبکہ

دو در مرتبہ ہے اسی طرح لفظ قد قامت الصلوۃ دو مرتبہ اور باقی تمام کلمات ایک ایک مرتبہ ہیں۔ اور امام مالکؒ کے نزدیک کلمات اقامۃ دس ہیں ان کے نزدیک لفظ قد قامت الصلوۃ بھی ایک مرتبہ ہے۔ وہ کہتے ہیں کہ روایت میں الا اقامۃ ایوب سختیانی کی جانب سے درج ہے۔

حدیث الباب جمہور کی دلیل | یہ ادھر والی حدیث متفق علیہ ہے اور اس لحاظ سے بہت قوی ہے اور افراد اقامۃ میں جمہور علماء کا مستدل ہے۔ علامہ شوکانی فرماتے ہیں کہ افراد اقامۃ کی احادیث اگرچہ زیادہ صحیح ہیں بوجہ اس کے کہ وہ صحیحین کی ہیں لیکن احادیث ثنیۃ ایک زیادتی پر مشتمل ہیں لہذا ان کی طرف مصیر اور رجوع لازم ہے۔ (کذا فی البذل)

حدیث الباب کے خلاف دوسری روایات | اسکے بعد آپ سمجھے کہ اقامۃ بلال کے بارے میں روایات حدیثیہ مختلف ہیں صحیحین میں تو ایثار وارد ہے لیکن دوسری کتب حدیث میں انکی اقامۃ میں بھی ثنیۃ ثابت ہے، چنانچہ حاکم اور بیہقی (فی الخلائیات) اور طحاوی نے مؤید بن غفلہ سے روایت کیا ان بلا لاً کان یثنی الاذان والاقامۃ۔ لیکن حاکم نے اسے انقطاع کا دعویٰ کیا ہے اس پر حافظ ابن حجر نے فرمایا طحاوی کی روایت میں سماع کی تصریح ہے مؤید بن غفلہ کہتے ہیں سمعتُ بلا لاً لہذا انقطاع کا اشکال مرتفع ہو گیا اسی طرح طبرانی کی ایک روایت میں وارد ہے، اگرچہ ضعیف ہے عن بلال انہ کان یجعل الاذان والاقامۃ مثنی مثنی۔ اب جب صورت حال یہ ہے کہ ان روایات سے اقامۃ بلال کا مثنی ہونا معلوم ہوتا ہے تو پھر اُمّ بلال ان یوتر الاقامۃ کی تاویل کیجائے گی تاکہ روایات میں تعارض نہ ہو۔

حدیث الباب کی تاویل | حنفیہ کی طرف سے اسکی ایک مشہور تاویل یہ کیجاتی ہے جیسا کہ شامی میں ہے کہ ایثار سے مراد ایثار الصوت ہے یعنی دو کلموں کو ملا کر ایک سانس میں ادا کرنا اور اسکو حد پر پڑھنا۔ بخلاف اذان کے کہ اسیں ترسیل ہے ٹھہر ٹھہر کر ہر کلمہ کو مستقل سانس میں ادا کرنا۔ اور حضرت شیخؒ اس حدیث کی یہ تاویل فرماتے تھے کہ میرے نزدیک اس کا تعلق ہر اذان سے نہیں بلکہ صرف اذان صبح سے ہے، حضور صلی اللہ علیہ وسلم کے زمانہ میں صبح کے وقت دو مرتبہ اذان ہوتی تھی، ایک اخیر شب میں تہجد کے لئے اور دوسری صبح صادق کے بعد صبح کی نماز کے لئے، ایک مرتبہ بلال کہتے تھے اور ایک مرتبہ ابن ام مکتوم تو اس حدیث میں یہ بتایا گیا ہے کہ اذان تو شفعاً یعنی دو مرتبہ کہی جائے اور اقامۃ صرف ایک بار، کلمات اقامۃ کا ایثار مراد نہیں ہے

ثنیۃ اقامۃ میں حنفیہ کے مزید دلائل | نیز حنفیہ کی دلیل عبداللہ بن زید کی حدیث ہے اسلئے کہ اسکے

لہ لیکن یہ بھی صحیح ہے کہ ان کی حدیث کے بعض طرق میں افراد اقامۃ ہے۔

بعض طرق سے اقامت کا مثنیٰ ہونا معلوم ہوتا ہے، جمہور نے اس پر یہ اعتراض کیا کہ عبد اللہ بن زید کی حدیث منقطع ہے۔ جواب یہ ہے کہ انقطاع اسکے بعض طرق میں ہے سب میں نہیں، اس پر تنبیہ ہمارے یہاں پہلے بھی گذر چکی، نیز امام ترمذی نے اسکو دونوں طریق سے ذکر کر کے طریق متصل کو اصح کہا ہے، اور دوسری دلیل مؤید بن غفلہ کی حدیث ہے۔ ان بلا لا کان یثنی الاذان والاقامة، یہ بھی ہمارے یہاں پہلے گذر چکی، نیز حدیث ابو محمد ورہ چنانچہ حافظ ابن حجر لکھتے ہیں حدیث ابی محمد ودعة فی تثنیة الاقامة مشہور۔

بذل الجمود میں حافظ ابن قیمؒ سے نقل کیا ہے حاصل اختلاف یہ ہے کہ امام شافعیؒ نے اذان ابو محمد ورہ اور اقامت بلال کو اختیار کیا اور امام ابو حنیفہؒ نے اسکے برعکس یعنی اذان بلال اور اقامت ابو محمد ورہ کو، لیکن میں کہتا ہوں ہمیں یہ بات تسلیم نہیں کہ حنفیہ نے اذان بلال کو لیا اور اقامت بلال کو نہیں لیا، بلکہ ہم کہتے ہیں کہ حنفیہ نے اذان بلال و اقامت بلال دونوں کو لیا ہے، جیسا کہ ابھی ہم اوپر ثابت کر چکے ہیں، اور حدیث الباب مؤول ہے، مولنا عبدالحی صاحب لکھتے ہیں، قال اتخنی اول من نقص الاقامة معادیه دقیل بنو امیہ، یعنی امراء بنو امیہ کی یہ حرکت ہے کہ انھوں نے اقامت کو ناقص کر دیا اسکے کلمات پورے نہیں کہتے تھے۔

۲۔ حدثنا حمید بن مسعدة، قال قال اسماعیل فحدثت به ایوب فقال الا الاقامة، پہلی سند میں ابو قتاہب سے روایت کر نیوالے ایوب تھے اور اسمیں ان سے روایت کر نیوالے خالد حذافہ ہیں، اسماعیل کہتے ہیں کہ یہ حدیث مجھ کو شروء میں خالد سے پہنچی تھی پھر میں نے یہ حدیث انکے عدیل ایوب کو جا کر سنائی تو انھوں نے اس حدیث میں الاقامة کا اضافہ کیا۔

امام مالکؒ کے نزدیک لفظ قد قامت الصلوة میں بھی افراد ہے جیسا کہ پہلے گذر چکا، وہ فرماتے ہیں کہ اس استثناء کے ساتھ ایوب متفرذ ہیں لہذا اس حدیث کے ثبوت میں تردد ہے۔

۳۔ حدثنا محمد بن بشار، قال فاذا سمعت ابابجع یحدث عن مسلم بن ابی جعفر کا نام محمد بن ابراہیم بن مسلم ہے ان کی ثقاہت علماء کے درمیان مختلف فیہ ہے اس حدیث کو یہ اپنے دادا مسلم سے روایت کرتے ہیں

لہ چنانچہ انھوں نے اولاً روایت کی تخریج طریق منقطع کیا تھا کہ، عن عبد الرحمن بن ابی لیلی عن عبد اللہ بن زید قال کان اذان رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم شفعا شفعا فی الاذان والاقامة، پھر آگے اختلاف طرق کے ذیل میں فرماتے ہیں وقال شعبۃ عن عمرو بن مرة عن عبد الرحمن بن ابی لیلی قال حدثنا اصحاب رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم ان عبد اللہ بن زید رای الاذان فی المنام، وهذا اصح من حدیث ابن ابی لیلی، وعبد الرحمن بن ابی لیلی لریسم من عبد اللہ بن زید۔

قوله فاذا سمعنا الاقامة توضعنا الى الصلوة، یہ روایت حضرت ابن عمرؓ کی ہے جس میں وہ فرما رہے ہیں کہ جب ہمارے کان میں اقامت کی آواز پڑتی تھی تو جلدی سے کھڑے ہو کر وضو کرتے تھے اور نماز کیلئے چلے جاتے تھے۔

یہاں پر یہ غلجائے ہوئے ہے کہ جب نماز کھڑی ہونے پر وضو نہ کیا کیسی اگر مسبوق نہ ہو تو کم از کم تکبیر اولیٰ تو فوت ہوگی یہی اور یہ کہنے والے صحابی ہیں کہ ہم ایسا کرتے تھے، اس پر شارح ابن

حدیث کی توجیہ

رسلان لکھتے ہیں یعنی فی بعض الاوقات اذ بعض الصلوات، یعنی یہ مطلب نہیں کہ سارے ہی صحابہ اتنی دیر کرتے تھے بلکہ ان میں سے بعض، نیز احیانا (کبھی کبھار) نہ کہ دائما، ابن رسلان کے اس کلام سے کچھ غلجائے میں کمی ہو گئی، اور میرے ذہن میں یہ بات آتی ہے کہ اس کلام کے قائل ابن عمرؓ میں جو عمر کے اعتبار سے صغار صحابہ میں ہیں، غزوہ خندق والا سال ان کے بلوغ کا سال ہے اور ظاہر ہے کہ ابتداء ہجرت میں انکی عمر گیارہ بارہ سال ہوگی، اسی طرح ان کے اور دوسرے ساتھی جو ان کے ہم عمر ہوں گے ان کے بارے میں یہ بات کہی جا رہی ہے، اور حضرت گسگوہیؓ کی تقریر میں اس کی ایک اور تادیل کی گئی ہے وہ یہ کہ فاذا سمعنا الاقامة، اس شرط کی جزاء تو وضو کرنا نہیں ہے بلکہ خجنا الى الصلوة ہے اور درمیان میں تو وضو جملہ حالیہ ہے اور تقدیر عبارت یہ ہے فاذا سمعنا الاقامة وقد تو وضو خجنا الى الصلوة، یعنی جب ہم اقامت کی آواز سنتے اور حال یہ کہ پہلے سے وضو کر کے ہوتے تھے تو فوراً نماز کے لئے چلے جاتے تھے اور حضرت شیخؒ نے حاشیہ بزل میں لکھا ہے کہ مولنا عبدالحی صاحب نے سبایہ میں ابو داؤد کی یہ روایت نقل کی ہے لیکن اس کے الفاظ بجائے تو وضو کے توخینا ہی تھیانا ہیں یعنی جب ہم اقامت کی آواز سنتے تھے تو نماز کے لئے فوراً تیار ہو جلتے تھے۔

۴ حدیث احمد بن یحییٰ، قولہ عن ابی جعفر مؤذن مسجد العریان، یہ وہی ابو جعفر ہیں جو پہلی سند میں آئے تھے یہاں ان کی ایک صفت زائد مذکور ہے مؤذن مسجد العریان اور بعض کتب حدیث (طحاوی) میں اس طرح ہے عن ابی جعفر الفراء، لیکن بعض علماء کہتے ہیں کہ ابو جعفر الفراء اور راوی ہیں اور ابو جعفر مؤذن مسجد العریان دوسرے راوی ہیں واللہ تعالیٰ اعلم۔

بزل میں لکھا ہے کہ مسجد عریان شاید کہ یہ مسجد کوفہ میں ہے اور ابن رسلانؒ لکھتے ہیں کہ شاید یہ مسجد بصرہ میں ہے

۵ ہمارے حضرت شیخؒ رفع یدین کی بحث میں فرمایا کہ تھے ہاتھ کہ شافعیہ کا اس سلسلہ میں نہایت معروف و مشہور مستدل ابن عمرؓ کی حدیث ہے اور حنفیہ کی دلیل عدم رفع میں حضرت عبداللہ بن مسعودؓ کی حدیث ہے جو کبار صحابہ میں سے ہیں اور حضور صلی اللہ علیہ وسلم کے ارشاد مبارک لیلیٰ منکروا لوالا احلام والنہی کا مصداق ہیں، ظاہر ہے کہ وہ اعلیٰ صف میں ہوتے ہوں گے اور حضرت ابن عمرؓ اپنے بارے میں خود فرما رہے ہیں کہ میں اور میرے ساتھی اقامت کی آواز سن کر وضو کے لئے کھڑے ہوتے تھے، اب ظاہر ہے کہ وہ نماز میں پہلی صف میں ہوتے ہوئے تھے تو حضورؐ کی کیفیت سے نماز کے بارے میں اعلیٰ صف والے زیادہ باخبر ہوں گے یا پچھلی صف والے؟

اسلئے کہ ابو جعفر راوی ہماری میں نیز ابن رسلان لکھتے ہیں العویان ضد الکاسی یعنی برہنہ بس اس سے آگے انھوں نے کچھ نہیں لکھا غالباً اسکا ترجمہ یہ ہوا، مسجد الفقراء والمساکین، جیسے ہمارے عرف میں نادار آدمی کو کہہ دیتے ہیں بھوکا ننگا۔
تنبیہ:۔ سنائی شریف میں باب التثویب فی اذان الفجر میں ایک عبارت ہے ولیس بالیٰ مغز الفراء اس پر فیض السامیٰ میں کچھ کلام ہے جو دیکھنا چاہئے وہاں دیکھ لے مناسبت مقام کی وجہ سے اس پر ہم نے تنبیہ کر دی ہے۔
قولہ مؤذن مسجد الاکبر لکھا ہے کہ کوئی میں یہ ایک مسجد ہے۔

باب الرجل یؤذن ویقیم آخر

اذان ایک کہے اور اقامت دوسرا شخص، مسئلہ مختلف فیہ ہے، امام شافعی واحمد کے نزدیک مکروہ ہے اور امام مالک کے یہاں مطلقاً مباح ہے اور حنفیہ کے نزدیک بلا کراہت جائز ہے بشرطیکہ مؤذن اس پر راضی ہو، ورنہ مکروہ ہے

۱- حدیث ثناء عثمان بن ابی شیبہ قولہ عن محمد بن عبد اللہ عن عمہ عبد اللہ بن سید،
یہ محمد بن عبد اللہ بن زید بن عبد ربیع کے بیٹے ہیں لہذا سند میں بجائے عن عمہ کے عن ابیہ ہونا چاہئے جیسا کہ ظاہر ہے لہذا یہ کسی راوی کا وہم ہے اور اس سے اگلی سند میں اس طرح ہے
سمعت عبد اللہ بن محمد قال کان جتہی عبد اللہ بن سید اس سے معلوم ہو رہا ہے کہ راوی محمد بن عبد اللہ نہیں بلکہ انکے بیٹے عبد اللہ بن محمد ہیں یعنی عبد اللہ بن زید کے پوتے۔
حافظ ابن حجر کی تحقیق میں یہی صحیح ہے، باب کی اس پہلی حدیث کا مضمون واضح ہے، اس حدیث سے معلوم ہو رہا ہے کہ اقامت غیر مؤذن کہہ سکتا ہے

۲- حدیث ثناء عبد اللہ بن مسلمۃ، مضمون حدیث یہ ہے، زیاد بن الحارث صدائی فرماتے ہیں (جو حضور صلی اللہ علیہ وسلم کے ساتھ ایک سفر میں تھے) کہ جب صبح کی اذان کا اول وقت ہوا تو مجھ سے آپ نے اذان کہنے کو فرمایا چنانچہ میں نے اذان کہی اور حضور صلی اللہ علیہ وسلم سے عرض کیا کہ اقامت بھی میں ہی کہوں گا، حضور چلتے رہے اور آسمان کے افق شرقی کی جانب دیکھتے رہے اور مجھ سے فرماتے رہے کہ نہیں ابھی نہیں یہاں تک کہ جب صبح اچھی طرح روشن ہو گئی تو آپ سواری پر سے اترے اور استنجاء کے لئے تشریف لے گئے اتنے آپ کے تمام رفقاء سفر بھی جمع ہو گئے جو کہ پیچھے رہ گئے تھے، اب جب نماز مکمل ہوئی لگی تو حضرت بلالؓ نے اقامت کہنے کا ارادہ کیا اس پر آپ نے ان سے فرمایا ان اخصد اذان ومن اذن فهو یقیم، کہ رجل صدائی نے اذان کہی ہے، لہذا اقامت بھی وہی کہیں گے،

لہ یہ ہماری اس سند کے اعتبار سے ہے ورنہ حافظ کی جو تحقیق آگے آ رہی ہے اسکا تقاضا یہ ہے کہ یہاں پر عن جدہ ہونا چاہئے۔ ۱۲۸

زیادہ بن السمارث جو کہ صدائی ہیں اسلئے آپ نے ان کو اغوصہ فرمایا یعنی قبیلہ صمداء والا شخص، چنانچہ پھر اقامت انہی نے کہی۔

حدیث کی حنفیہ کی طرف سے توجیہ | اس حدیث سے شافعیہ و حنابلہ استدلال کرتے ہیں کہ دوسرے شخص کا اقامت کہنا مکروہ ہے، ہماری طرف سے جواب یہ ہے کہ تازی کی شکل میں کراہت کے قائل ہم بھی ہیں اور یہاں وہی شکل تھی، نیز یہ حدیث ضعیف ہے کا قال اتر ندی فی جامعہ، اسلئے کہ اسکی سند میں عبدالرحمن بن زیاد الافریقی ہیں جو اکثر محدثین کے نزدیک ضعیف ہیں، ہاں اگر یہ کہا جائے کہ یہ حدیث مالکیہ کے خلاف ہے تو کہہ سکتے ہیں کیونکہ وہ مطلقاً اباحت کے قائل ہیں، نیز دوسری دلیل حنفیہ کی یہ ہے، مروی ہے یہ بات کہ بسا اوقات ابن ام مکتوم اذان کہتے تھے اور حضرت بلال اقامت اور کبھی اسکے برعکس کہ اذان بلال کہتے اور اقامت ابن ام مکتوم۔

باب رفع الصوت بالاذان

۱۔ حدثنا حفص بن عمر عن موسى بن ابي عائشة، بعض نسخوں میں موسی بن ابی عثمان ہے حضرت نے بذل میں لکھا ہے کہ ثانی صحیح ہے اور اسی طرح نسخہ مجتبیٰ میں ہے اور نسائی و ابن ماجہ میں بھی۔

شرح حدیث | قال المؤذن يغفر له مدى صوته، اذان کی آواز جہاں تک پہنچے اتنی ہی مؤذن کی مغفرت کیجاتی ہے لہذا اس کو اپنی آواز زائد سے زائد بلند کرنی چاہئے تاکہ اتنی ہی لمبی چوڑی اسکی مغفرت ہو، لمبی چوڑی مغفرت سے مراد مغفرت تامہ ہے بطریق مبالغہ فرما رہے ہیں، دوسرا مطلب یہ لکھا ہے کہ اگر مؤذن کے معاصی کو اجسام فرض کیا جائے اور اس سے یہ تمام جگہ زمین کی بھر جائے جہاں تک اسکی آواز جا رہی ہے تو ان سب کو بخش دیا جاتا ہے جہاں تک اذان کی آواز جائیگی زمین کے اس حصہ پر مؤذن نے جو گناہ کئے ہوں گے وہ سب معاف کر دیئے جائیں گے۔ اذان کی آواز جہاں تک پہنچے گی اس حصہ میں جتنے لوگ آباد ہیں مؤذن کی شفاعت پر ان سب کی بخشش کر دی جائے گی۔ یہ بغیر بمعنی یستغفر ہے مؤذن کی آواز جہاں تک پہنچتی ہے وہاں تک جتنی چیزیں ہیں وہ سب مؤذن کے لئے استغفار و عار مغفرت کرتی ہیں ویتشہد کہ کل دطب ویا بس جہاں تک اذان کی آواز پہنچتی ہے اس قطعہ زمین میں جتنے بھی جسم نامی جن و انس و اشجار اور جمادات ہیں وہ سب اسکے لئے بروز قیامت گواہی دیں گے یعنی اسکے ایمان کی یا اس کے اس عمل خیر کی، اور یہ گواہی دینا اپنی حقیقت پر بھی محمول ہو سکتا ہے کہ اللہ تعالیٰ ان سب چیزوں کو گویائی عطا فرمادیں، اور مجاز پر بھی، دولوں قول مشہور ہیں ایک صورت میں گواہی بلسان قال اور دوسری صورت میں بلسان

حال ہوگی، بلسانِ قال اسلئے کہ اللہ تعالیٰ شانہ اس بات پر قادر ہیں کہ ان سب چیزوں میں حیات اور قدرتِ لفظ پیدا فرمادیں اور بلسانِ حال اسلئے کہ علماء نے لکھا ہے جملہ کائنات و موجودات بلسانِ حال اپنے خالق کے جلال اور علو شان کیساتھ ناطق ہیں، و شاهد الصلوٰۃ یکتب لہ جماعت کی نماز میں حاضر ہونے والے کیلئے پچیس نمازوں کا ثواب لکھا جاتا ہے اور دو نمازوں کے درمیانی گناہ معاف کر دیئے جلتے ہیں۔

۲۔ حدثنا القعنبی حوالہ اذ المزدی بالصلوٰۃ لا یؤثر الشیطان ولفیضا، جب اذان دی جاتی ہے (جو کہ نماز کیلئے اعلان ہے) تو اس جگہ سے شیطان بھاگتا ہے گوز مارتا ہوتا کہ اذان کی آواز نہ سن سکے، اور یہ یہ طلب ہے کہ اتنی دور تک بھاگا جاتا ہے جہاں تک اذان کی آواز نہ پہنچ سکے۔

شرح حدیث | اس حدیث کی شرح میں دو قول ہیں ۱۔ حقیقت پر محمول ہے ۲۔ ضرباً بہ فلان کے قبیل سے ہے یعنی جب کوئی کسی کا فراق اڑائے تو اس وقت عرب لوگ کہتے ہیں ضرباً بہ فلان کہ اس نے فلان شخص کا مذاق اڑایا ہے، اس صورت میں ضرباً اپنی حقیقت پر محمول ہونے لگا بلکہ اس سے مراد استہزاء ہوگا کہ اذان کا مذاق اڑاتا ہے، اور اگر حقیقت پر محمول ہو تو یہ بھی درست ہے اسلئے کہ شیطان جسم ہے کھاتا پیتا بھی ہے، حقیقت پر محمول ہونے کی صورت میں احتمال ہے کہ وہ ایسا قصد کرتا ہو تاکہ اذان کی آواز نہ سن سکے اگر اذان کی وقت کوئی نفاذ نہ بجانے لگے تو ظاہر ہے کہ کوئی اذان کی آواز نہ سن سکے گا اور یہ بھی احتمال ہے کہ بغیر قصد کے ایسا ہوتا ہو دوڑنے کی وجہ سے۔

فاذا قضیٰ التداء اقبل۔ اذان پوری ہونے پر پھر آ جاتا ہے اور جب تہویب ہوتی ہے تو پھر بھاگتا ہے اس کے پورے ہونے پر پھر آ جاتا ہے اور نمازیوں کے اندر و سوسہ ڈالتا ہے، اور کبھی کبھی کی مختلف باتیں انکو نماز میں یاد دلاتا ہے یہاں پر ایک مشہور طالب علمانہ سوال ہے کہ شیطان اذان سے تو اتنا ڈرتا اور بھاگتا ہے **ایک اشکال و جواب** | ہے اور نماز جو اصل مقصود ہے جس میں تلاوت قرآن ہوتی ہے اس سے کیوں ڈر کر نہیں بھاگتا اس کا جواب ہم نے اساتذہ سے یہ سنا ہے کہ یہ تاثیر بالخاصہ کے قبیل سے ہے، حق تعالیٰ شانہ نے اشیاء میں آثار و خواص رکھے ہیں ہر چیز کی ایک تاثیر ہوتی ہے، اللہ تعالیٰ نے اذان میں یہ تاثیر پیدا فرمادی ہے کہ اس سے شیطان ڈرتا اور گھبراتا ہے اسی لئے علماء نے لکھا ہے کہ جس گھر میں جنات کا اثر ہو وہاں کثرت سے اذان دی جائے

لہ صاحب منہل لکھتے ہیں صحیح یہ ہے کہ بیشک جمادات و نباتات و حیوانات کے لئے علم و ادراک اور ایسے ہی تسبیح و تہلیل ثابت ہے کہ ایلیم من قولہ تعالیٰ و ان من شئ الا کسبہ بحمدہ، قال النبی و ہذا مذہب اہل السنۃ و یدل علیہ قضیۃ کلام الذہب و البقر و غیرہما۔

تاکر وہ بھاگ جائیں، الحاصل یہ تاثیر بالخاصہ ہے، لہذا اس سے افضلیت اذان علی تلاوت القرآن کا شبہ نہ کیا جائے، اور ایک وجہ یہ بھی سمجھ میں آتی ہے کہ مؤذن کے بارے میں یہ وارد ہے کہ جو چیز بھی اسکی آواز کو سننے کی اسکو بروز قیامت مؤذن کے حق میں گواہی دینی ہوگی اور ظاہر بات ہے کہ شیطان گواہ بننا نہیں چاہتا اسلئے وہ ایسا کرتا ہے۔

بَاب مَا يَجِبُ عَلَى الْمُؤْذِنِ مِنْ تَعَاهُدِ الْوَقْتِ

تعاهد یعنی اہتمام اور نگرانی اور اسکا خیال رکھنا۔

قوله الامام صَامِنٌ وَالْمُؤْذِنُ مُؤْتَمِنٌ. یعنی امام مقتدیوں کی نماز کے صحت و فساد کا ذمہ دار ہے، وہ مقتدیوں کی نماز کو سنبھالے ہوئے ہے مقتدیوں کی نماز اسکی نماز کے تابع ہے ملا علی قاری فرماتے ہیں کہ ضمان یہاں غرامت اور تاوان کے معنی میں نہیں ہے بلکہ اس سے مراد صرف حفظ اور رعایت ہے اور بعض شراح نے لکھا ہے کہ امام مشغول ہوتا ہے مقتدیوں کی نماز کے امور کا، چنانچہ ان کی جانب سے قراءت کا تحمل ہوتا ہے (یہ ان لوگوں کے نزدیک ہے جو قراءت خلف الامام کے قائل نہیں ہیں) خصوصاً مسبوق کے حق میں ترسن و مستجاب نماز اور عدد رکعات کا۔

اللهم ارحمنا وارضنا للامام وارضنا للمؤذن مساجد کے ائمہ اور مؤذنین کو آپ صلی اللہ علیہ وسلم دعا سے نواز رہے ہیں، ائمہ کے لئے یہ دعا فرمائی کہ اے اللہ ان کو رشد و ہدایت کے اعلیٰ مقام پر پہنچا، اور مؤذنین کیلئے بخشش اور مغفرت کی دعا فرمائی، ائمہ کے حق میں دعدہ انکی شان کے موافق رشد و ہدایت کی فرمائی اور مؤذنین کے حق میں انکے مناسب یعنی انکی لغزشوں سے درگزر اسلئے کہ مؤذن بلند جگہ پر چڑھ کر اذان دیتا ہے جو سکتا ہے کہ بے محل اس کی نظر پڑے یا اسی قسم کی دئی اور کمی اور کوتاہی سرزد ہو۔

امامت اور اذان کا مرتبہ | اس لئے معلوم ہوا کہ امامت افضل ہے اذان سے جیسا کہ حنفیہ کا اور شافعیہ کی ایک جماعت کا مسلک ہے، حضرت امام شافعیؒ نے کتاب الام میں تصریح فرمائی ہے

اسلئے کہ امام کی ذمہ داریاں زیادہ ادبجی ہیں وہ بعض ارکان صلوٰۃ کا مشغل ہوتا ہے بخلاف مؤذن کے کہ وہ صرف اوقات صلوٰۃ کا مشغل ہے اور نیز امام رسول اللہؐ کا خلیفہ ہے اور مؤذن خلیفہ بلالؓ ہے لیکن شارح ابن رسلان نے اس حدیث سے افضلیت اذان پر استدلال کیا اور کہا اسلئے کہ امین افضل ہوتا ہے ضمین سے، لیکن اسکا جواب یہ ہے کہ یہ قاعدہ کلیہ نہیں ہے بلکہ دیکھا جائیگا کہ وہ ضمین کس قسم کے امور کا ضامن ہے اگر وہ چیزیں اہم ہوں گی جیسا کہ یہاں امامت میں تو پھر وہی افضل ہوگا۔

افضلیت اذان کی اور ابن قدامہ لکھتے ہیں کہ امام احمد سے اس میں دونوں روایتیں ہیں، اور کہا گیا ہے کہ دونوں برابر ہیں اور ایک قول یہ ہے کہ اگر آدمی کو اپنے اوپر حقوق امامت کے ادا کر نیک اعتماد ہو تو اس کے حق میں امامت افضل ہے ورنہ اذان، یہاں پر یہ اشکال ہوتا ہے کہ خلیفہ ثانی حضرت عمرؓ سے منقول ہے لولا الخلافۃ لأذنت، اگر یہ خلافت کی ذمہ داری میرے سپرد نہ ہوتی تو میں اذان دیا کرتا۔ اسکا جواب یہ دیا گیا ہے کہ انکی مراد یہ ہے کہ لأذنت اسی مع الامامۃ، اور یہ مطلب نہیں کہ امامت کو چھوڑ کر اذان کہا کرتا (مخطوطی)

باب الاذان فوق المنارۃ

منارہ اور منار اس بناء مرتفع کو کہتے ہیں جو مسجد میں اذان کے لئے بنائی جاتی ہے، اصل میں یہ منورہ تھا یعنی موضع النور روشنی کی جگہ اور روشنی چلنے والے مسافروں کے لئے بلند ہی جگہ پر کی جاتی تھی اسکو منیرۃ بھی کہتے ہیں۔ ترجمۃ الباب کی غرض یہ ہے کہ اذان بلند جگہ پر ہونی چاہئے، حضور صلی اللہ علیہ وسلم کے زمانہ میں مسجد میں یہ منارت منار نہیں تھے، اس باب میں مصنفؒ نے ایک ہی حدیث ذکر فرمائی ہے، مفسرین حدیث یہ ہے کہ ایک صحابیہ (نامعلوم الاسم) فرماتی ہیں کہ مسجد نبوی کے ارد گرد جو مکانات تھے ان میں میرا گھر سب سے اونچا تھا اسلئے حضرت بلالؓ صبح کی اذان اسکی چھت پر جا کر دیا کرتے تھے۔

حضرت بلالؓ کا اہتمام | بہت پہلے سے وہاں پہنچ جاتے اور صبح صادق کے انتظار میں بیٹھ رہتے جب صبح کی روشنی نمودار ہو جاتی تو کھڑے ہو کر انگڑائی لیتے اور اذان سے پہلے یہ دعا پڑھتے اللہم اِنِّیْ اَحْمَدُکَ وَاسْتَغْنِیْکَ عَلٰی قَرِیْشٍ اِذَا اس کے بعد پھر اذان دیتے وہ تقسیم ہوتی ہیں کہ انھوں نے کبھی یہ کلمات دعائیہ اذان سے پہلے ترک نہیں کئے یہ چیز قابل عبرت ہے اس سے اندازہ لگایا جائے کہ انکایہ عمل اذان کس درد اور فکر کیساتھ ہوتا تھا ہمیشہ اذان سے پہلے قریش کے لئے جو کہ حضور صلی اللہ علیہ وسلم کا قبیلہ ہے، ہدایت کی دعا کرتے تھے کہ وہ کسی طرح اس دین کو لے کر کھڑے ہو جائیں۔

کافی عرصہ سے بندہ کا یہ معمول ہے کہ سہن کے شروع میں یہ حضرت بلالؓ والے کلمات اللہم اِنِّیْ اَحْمَدُکَ وَاسْتَغْنِیْکَ عَلٰی الدِّیْنِ پڑھ لیا کرتا ہے۔

بَابُ فِی الْمَوْذُنِ یَسْتَدِیْرُ فِیْ اِذَا نَہِ

اذان میں حیلین کیوقت جو دائیں بائیں جانب التفات کیا جاتا ہے اس کو بیان کر رہے ہیں اس میں بھی مصنفؒ

نے ایک ہی حدیث ذکر کی ہے جس کا مضمون یہ ہے۔

مضمون حدیث | ابو جعفر فرماتے ہیں کہ میں حضور صلی اللہ علیہ وسلم کی خدمت میں مکہ میں حاضر ہوا آپ اس وقت باہر آئے اور آکر اذان دی تو میں ان کے چہرے کو دیکھتا تھا اس طرف اور اس طرف یعنی جب حیلتین میں چہرہ دائیں بائیں جانب پھرتے تھے تو میں ان کے اس عمل کو دیکھتا تھا اور خود بھی ان کے اتباع میں ایسا کرتا تھا، پھر حضور صلی اللہ علیہ وسلم خود بھی خیمہ سے باہر تشریف لائے اس وقت آپ کے جم مبارک پر سرخ دھاری داریمنی جوڑا تھا مقام شطرا کا قولہ **فدخل فخرج العنزة**، پھر حضرت بلالؓ قبہ میں سے ایک چھوٹا سا نیزہ لائے سترہ قائم کرنے کیلئے حدیث الباب سے معلوم ہوا کہ حی علی الصلوۃ اور حی علی الفلاح کی وقت دائیں بائیں جانب التفات کرنا چاہئے۔
نفس التفات کے تو سبھی قائل ہیں بجز ابن سیرین کے کہ وہ اسکو مکروہ کہتے ہیں، لیکن اختلاف استدارہ میں ہے یعنی بالکل گوم جانا۔

استدارہ کے سلسلہ میں اختلاف روایات | دراصل اس سلسلہ میں روایات مختلف ہیں بعض میں اثبات ہے اور بعض میں نفی، اب یا تو یہ کہا جائے کہ اثبات کی روایات صرف تحویل راس پر محمول ہیں اور نفی کی استدارہ بجمیع البدن پر، اور ایک دوسری وجہ یہ بھی ہے وہ یہ کہ اثبات کی روایات کو محمول کیا جائے عند الضرورت پر اور نفی کی روایات کو عند عدم الحاح تہ پر، یعنی اگر بغیر سینہ پھرے کام چل جائے اور مقصود حاصل ہو جائے تب تو استدارہ نہ کیا جائے اور اگر بغیر اس کے کام نہ چلتا ہو تو پھر اسکی گنجائش ہے، جیسے کہ اگر منارہ غیر وسیع ہے تب تو وہاں سینہ پھرنے کی حاجت نہوگی کیونکہ اسکی کمرکیاں مؤذن کے قریب ہوں گی اور آواز باہر کیطرت پہنچ جائیگی، اور اگر منارہ وسیع ہوگا تو اس صورت میں چونکہ اسکی کمرکیاں فاصلہ پر ہوں گی اسلئے وہاں گھومنے کی ضرورت پیش آئیگی تاکہ آواز باہر جاسکے نقبہ اسنے یہی تفصیل لکھی ہے۔

پھر جاتا چاہئے کہ اس حدیث میں ہے **لَوِئِيْ عُنُقَهُ يَمِيْنًا وَشِمَالًا**۔

کیفیت تحویل میں اقوال | امام نوویؒ لکھتے ہیں کہ کیفیت تحویل میں تین قول ہیں **عَا دِلًا حَى عَلِی الصَّلٰوۃ** کے وقت اپنا چہرہ دائیں طرف کرے اور دوسرے اسکو کہے، **ثَانِيًا** اپنا چہرہ بائیں طرف کرے اور دوسرے **حَى عَلِی الصَّلٰوۃ** دائیں طرف کہہ کر چہرہ کو قبہ کی طرف لے آئے اور پھر دوسری مرتبہ اسی طرح کرے، **ثَانِيًا** بائیں طرف چہرہ کرے اور **حَى عَلِی الصَّلٰوۃ** کہے پھر چہرہ کو قبہ کی طرف لے آئے اور دوبارہ اسی طرح کرے، **ثَانِيًا** اپنا چہرہ دائیں طرف کر کے ایک مرتبہ **حَى عَلِی الصَّلٰوۃ** کہے پھر دوسری مرتبہ یہی کلمہ بائیں طرف کہے، **ثَانِيًا** اپنا چہرہ دائیں طرف کر کے ایک مرتبہ **حَى عَلِی الصَّلٰوۃ** کہے اور دوسری مرتبہ یہی

کلمہ بائیں طرف کہے تاکہ دونوں جانب والوں کے حصہ میں دونوں کلمے آجائیں، نیز نوذی نے لکھا ہے کہ ہمارے یہاں پہلا طریقہ صبح ہے، اور میں کہتا ہوں کہ حنفیہ کے نزدیک دوسرا طریقہ مختار ہے۔

باب ماجاء فی الدعاء بین الاذان والاقامة

اذان اقامت کے درمیان کا وقت بہت مبارک اور قبولیت کا ہے اس میں دُعا رد نہیں ہوتی جیسا کہ حدیث میں وارد ہے لایُرد الدعاء بین الاذان والاقامة اسکے مطلب میں بدل میں دو احتمال لکھے ہیں ۱۔ اذان اذان میں دُعا رد نہیں ہوتی یعنی ابتداء اذان سے لیکر انتہاء اذان تک اور ایسے ہی اقامت کے دوران ۲۔ ابتداء اذان سے انتہاء اقامت تک اس پورے وقت میں دُعا رد نہیں ہوتی، تیسرا مطلب یہ بھی ہو سکتا ہے کہ اذان ختم ہونیکے بعد سے لیکر ابتداء اقامت تک جو درمیانی وقت ہے اسی میں دُعا رد نہیں ہوتی احتمال اول کی تائید اس روایت سے ہوتی ہے جسکو علامہ زرقانی نے دیلمی سے نقل کیا ہے جسکے لفظ یہ ہیں وحین یؤذن المؤذن حتی یسکت۔

باب ما یقول اذا سمع المؤذن

۱۔ قوله اذا سمعتم النداء فقولوا مثل ما یقول المؤذن، اس حدیث میں آجابت اذان کا حکم دیا گیا ہے۔
اجابت اذان کا حکم | اجابت کی دو قسمیں ہیں، آجابت بالقول آجابت بالاقدام، آجابت بالقول جمہور علماء ائمہ ثلاثہ کے نزدیک مستحب ہے اور مشائخ حنفیہ کے اس میں دو قول ہیں جیسا کہ شامی میں ہے وجوب اور استحباب لیکن رائج عدم وجوب ہے اسلئے کہ متون اسکے ذکر سے خالی ہیں، وقیل الواجب الاجابة بالاقدام۔ بلکہ میں کہتا ہوں کہ اجابت بالاقدام کا واجب ہونا تو ظاہر ہے، البتہ اجابة بالقول ظاہر یہ کے نزدیک واجب ہے اور امام طحاوی نے بھی بعض سلف سے اسکا وجوب نقل کیا ہے۔
 جمہور علماء نے عدم وجوب پر مسلم کی روایت پیش کی ہے کہ آپ نے ایک مؤذن کی اذان کی آواز سنی جب اس نے اللہ اکبر کہا تو آپ نے فرمایا علی الفطرة اور جب شہادتین پر پہنچا تو آپ نے فرمایا خرج من النار،

۲۔ ابن رسلان لکھتے ہیں کہ ظاہر الفاظ حدیث سے معلوم ہو رہا ہے کہ آجابت اذان موقوف ہے سماع پر لہذا اگر کوئی شخص مؤذن کو دور سے دیکھے اور اسکی آواز نہ سنے بعد کبوجہ سے یا بہرے بن کبوجہ سے تو اس پر آجابت اذان نہیں ہے۔

اس روایت میں اجابۃ اذان کا ذکر نہیں اس سے معلوم ہوا کہ اجابۃ اذان واجب نہیں۔

اسکے بعد جانتا چاہئے کہ اس روایت میں ہوش مال یقول المؤذن ہے جس سے معلوم ہوتا ہے کہ حی علی الصلوٰۃ اور حی علی الفلاح میں بھی اسی طرح کہا جائے اور بعض روایات میں اسکی تصریح بھی ہے، لیکن اسی باب کی آخری حدیث میں اس بات کی تصریح ہے کہ حیدلہ کی وقت میں حوقلہ یعنی لاحول ولاقوۃ الا بالشر کہا جائے اور مسلم کی بھی ایک روایت میں اس کی تصریح ہے اور یہی مختار عند الجہور ہے وچرا سکی یہ ہے کہ حیدلہ میں اگر وہی لفظ کہا جائے تو استہزاء کا شبہ ہوگا اور ہمارے بعض مشائخ کی رائے یہ ہے کہ دونوں کو جمع کرنا اداوی ہے تاکہ دونوں قسم کی روایات پر عمل ہو جائے اور حی علی الصلوٰۃ والفلاح میں اپنے نفس کو خطاب کی نیت کر لے۔

اذان خطبہ کی اجابۃ یہاں پر ایک بات رہ گئی وہ یہ کہ اذان خطبہ کی بھی اجابۃ مستحب ہے یا نہیں، درمختار میں لکھا ہے لاجیب اور علامہ رشامی لکھتے ہیں بحیب بقلیہ عند الامام وبعد الفراغ عند محمد ولایرد مطلقاً عند ابی یوسف۔ وہو الیمح۔

۲۔ قوله صَلُّوا عَلٰی خَاتَمٍ مِنْ صَلَی عَلٰی صَلَوةٍ صَلَی اللہ علیہا عشرًا یہ حدیث پہلی حدیث سے زیادہ جامع ہے اس میں اجابت اذان کے علاوہ اذان کے بعد صلوٰۃ و سلام اور دعاء وسیلہ کی بھی تلقین مذکور ہے

اس روایت میں یہ ہے کہ آپ نے فرمایا جو مجھ پر ایک مرتبہ صلوٰۃ بھیجتا ہے تو اس پر اللہ تعالیٰ دس بار رحمت بھیجتے ہیں، اشکال یہ ہے کہ اس میں صلوٰۃ کی کیا خصوصیت ہے تمام ہی حسنات کیلئے یہی قاعدہ ہے من جاء بالحسنة فله عشر مثائلہا، اسکا جواب ابن العربی نے یہ دیا کہ اشکال اس صورت میں تھا کہ اگر حدیث میں یہ ہوتا کہ ایک مرتبہ صلوٰۃ بھیجنے والے کیلئے دس صلوات کا ثواب ملتا ہے، بلکہ حدیث میں یہ ہے کہ ایک مرتبہ صلوٰۃ بھیجنے پر اللہ تعالیٰ دس صلوات نازل فرماتے ہیں، اللہ تعالیٰ کی تو ایک ہی صلوٰۃ بندہ کی صلوٰۃ سے بدرجہا افضل واکمل ہے چر جائیکہ دس صلوات۔

اور حافظ عراقی نے یہ جواب دیا کہ اللہ تعالیٰ کی طرف سے دس صلوات کے علاوہ دس درجات کا بلند ہونا اور دس گنا ہوں کا معاف ہونا مزید برآں ہے جیسا کہ بعض روایات میں وارد ہے۔

۳۔ ابن رسلان لکھتے ہیں کہ اس سے معلوم ہوا کہ افراد الصلوٰۃ عن السلام جائز ہے یعنی صرف صلوٰۃ بدون سلام کے، لیکن امام نوویؒ نے کتاب الاذکار میں لکھا ہے کہ یہ مکروہ ہے، میں کہتا ہوں کہ امام مسلم نے بھی خطبہ مسلم میں صرف صلوٰۃ بغیر سلام کے ذکر فرمایا ہے اس پر بھی امام نوویؒ نے شرح مسلم میں اعتراض کیا ہے، لیکن دوسرے حضرات نے امام نوویؒ کے قول پر تعقب کیا ہے کہ جہور علماء کے نزدیک یہ بلا کراہت جائز ہے۔

وسیلہ کی تفسیر

قوله فانها منزلة في الجنة، اس حدیث میں وسیلہ کی تفسیر یہ کی گئی ہے کہ وہ جنت کا ایک خاص درجہ ہے جو تمام درجات سے اعلیٰ ہے، اور کہا گیا ہے کہ وسیلہ سے مراد شفاعت کبریٰ ہے جو قیامت کے روز آپ کو حاصل ہوگی، اور ایک قول یہ ہے کہ اعلیٰ علیین میں دو قبے ہیں ایک میں ہمارے حضور صلی اللہ علیہ وسلم سکونت فرمائیں گے اور دوسرے میں ابراہیم علی نبینا وعلیہ الصلوٰۃ والسلام۔

قوله وادخول ان کون انا هو یہ آپ نے یا تو اس وقت فرمایا جب تک آپ کے پاس اسکے بارے میں وحی نازل نہیں ہوئی تھی کہ یہ آپ ہی کا حق ہے، اور ہو سکتا ہے کہ بعد الوحی فرمایا ہو تو اضنا قولہ خلعت علیہ الشفاعة شرح نے لکھا ہے کہ خلعت بمعنی وجبت ہے اور علی لام کے معنی میں ہے ای وجبت لہ، جیسا کہ طحاوی کی روایت میں ہے یا یہ کہا جائے کہ یہ خلعت حلول سے ہے جسکے معنی نزول کے ہیں یعنی اس پر میری شفاعت اثر پڑتی اور واقع ہو جاتی ہے۔

۴- قوله قل كما يقولون، اس حدیث سے اجابۃ اذان کی بڑی فضیلت معلوم ہو رہی ہے اور یہ کہ اجابۃ اذان کی بدولت آدمی تقریباً اذان کا ثواب حاصل کر لیتا ہے اور اذان دینے کا ثواب ظاہر ہے کہ بہت بڑا ہے لہذا اجابۃ اذان کا اہتمام ہونا چاہیے، واللہ الموفق۔

۵- قوله من قال حين يسمع المؤذن وانا اشهد، اس حدیث کی شرح میں دو قول ہیں، ایک یہ کہ جو کچھ یہاں مذکور ہے یہ قسم اذان پر کہا جائے، اور دوسرا قول یہ ہے کہ اذان کے درمیان جب مؤذن شہادتین پر پہنچے تب پڑھے بل میں احتمال ثانی کو اختیار کیا ہے اور دوسرے شرح نے دونوں قول لکھ کر قول اول کو ترجیح دی ہے اسلئے کہ اگر درمیان میں پڑھنا مراد ہو تو اذان کے بعض کلمات کی اجابت میں خلل واقع ہوگا۔

شرح حیث شد

۶- قوله قال وانا وانا، پہلے انا کا تعلق تشہد اول یعنی اشہدان لا الہ الا اللہ سے ہے اور دوسرے انا کا تعلق محمد رسول اللہ سے ہے، تقدیر عبارت یہ ہوگی انت تشہدان لا الہ الا اللہ وانا اشہدان لا الہ الا اللہ انت تشہدان محمد رسول اللہ وانا اشہدان محمد رسول اللہ غرضیکہ انا کی خبر محذوف ہے یہ تو اس صورت میں ہے جبکہ حدیث میں یتشہد سے شہادتین ہی مراد ہوں اور اگر یتشہد سے مراد یؤذن ہو تو یہ بھی محتمل ہے اور اس صورت میں مطلب یہ ہوگا کہ آپ پوری اذان میں اول سے آخر تک مؤذن کے جواب میں وانا فرماتے رہے، جب اس

لہ وفي بعض التقارير هكذا، خلعت کے معنی حلال کے نہیں ہیں اسلئے کہ حرام کب تھی جو آب حلال ہو گئی لیکن میں کہتا ہوں کہ حلال کو اپنے معنی میں بھی لیا جا سکتا ہے وہ اس طور پر کہ اسکے معنی استحقاق کے ہیں، کہ شفاعت تو ہم کریں گے ہی لیکن تم بھی اپنے اندر اسکا استحقاق پیدا کرو نہ کہ حرامی نہ کرو اور اس معنی کی تائید ان روایات سے ہو سکتی ہے جن میں ترک صلوٰۃ پر وعیدیں وارد ہوئی ہیں اور ایسے شخص کو بخیل کہا گیا ہے۔

نے اللہ اکبر کہا تو آپ نے فرمایا وانا یعنی وانا اقول اللہ اکبر وھکذا الی آخر الاذان۔

ایک اشکال وجواب اسکے بعد آپ سمجھئے کہ یہاں پر یہ سوال ہوتا ہے کہ ظاہر حدیث سے معلوم ہو رہا ہے کہ آپ نے صرف لفظ انا پر اکتفا فرمایا پورے کلمات زبان سے ادا نہیں فرمائے۔ لیکن یہ صورت تو لا مثل ما یقول المؤذن کے خلاف ہے تو اب یہ کیا جائے کہ یہ واقعہ تو لا مثل ما یقول المؤذن سے پہلے کا ہے یا یہ کہا جائے کہ تو لا مثل ما یقول میں امر و جواب کے لئے نہیں ہے اور یہ کیا جائے کہ ہو سکتا ہے کہ آپ نے تو پورا کلمہ ادا کیا ہو یعنی وانا اقول اللہ اکبر وانا اقول اشہد ان لا الہ الا اللہ الی آخر الاذان، لیکن راوی نے پورا نقل نہیں کیا مگر اس احتمال کو شرح نے بعید لکھا ہے، اس سب کے لکھنے کے بعد بخاری شریف کی ایک روایت کتاب الجمعہ میں نظر سے گزری جو معاویہ بن ابی سفیان سے مروی ہے جس سے یہ بات مراحۃ معلوم ہوتی ہے کہ حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے شہادتین کے جواب میں تو صرف وانا فرمایا اور باقی کلمات میں پورے الفاظ اپنی زبان سے ادا فرمائے۔

۷۔ قوله دخل الجنة معلوم ہوا کہ اجابۃ اذان کی جزاء جنت ہے۔

باب ما یقول اذا سمع الإقامة

حدیث الباب سے اجابت اقامۃ مستفاد ہو رہی ہے اور یہ کہ قد قامت الصلوۃ میں بجائے اسکے اقامۃ اللہ واداعھا کہا جائے، ملا علی قاریؒ لکھتے ہیں کہ واجعلنی من صالحی اہلبا کی زیادتی بھی اسیں مشہور ہے۔

اجابۃ اقامۃ میں اختلاف صاحب منہل لکھتے ہیں کہ حکایت اقامۃ کے شافعیہ وحنابلہ قائل ہیں اور مالکیہ اجابۃ اقامۃ کے قائل نہیں، لیکن یہ حدیث ان کے خلاف ہے اگرچہ حدیث ضعیف ہے محمد بن ثابت کی وجہ سے جو کہ ضعیف ہیں اور شہر بن حوشب کی وجہ سے جنکی عدالت مختلف فیہ ہے، لیکن فضاہل اعمال میں ضعیف پر عمل ہوتا ہے میں کہتا ہوں کہ حنفیہ کے یہاں بھی اسیں دو قول ہیں چنانچہ در مختار میں لکھا ہے وجیب الاقامۃ کا لا اذان وقیل لا، اگر اقامۃ کا جواب نہیں دیتا تو پھر کیا کرے؟ شامی میں لکھا ہے ولا بأس ان یشغل بالدار۔

باب ما جاء فی الدعاء عند الاذان

اذان کے بعد کی دعاء مشہور ہے جیسا کہ کتاب میں مذکور ہے دعاء کے الفاظ جو حدیث الباب میں منقول ہیں بعینہ

لہ چنانچہ اس جان نے اس حدیث پر باب قائم کیا ہے باب اباحۃ الاقتصار للمراۃ سماع الاذان علی قوله وانا وانا۔

اسی طرح بخاری شریف میں بھی ہیں اور اس میں بھی والدرجۃ الرفیعة نہیں ہے، حافظ ابن حجر نے تلخیص البحر میں اور علامہ سخاوی نے مقاصد حسنہ میں لکھا ہے کہ یہ زیادتی ثابت نہیں، لیکن ابن السنی کی عمل ایوم واللیلة کا ہمارے پاس جو مطبوعہ نسخہ ہے اس میں یہ زیادتی موجود ہے، سنن نسائی میں یہ زیادتی پائی نہیں جاتی حالانکہ سند دونوں کی ایک ہے (الضعیف السامی) فاضل دلاہ مولانا یوسف بنوریؒ نے معارف السنن میں لکھا ہے کہ حضرت شاہ ولی اللہ صاحب نے حجۃ اللہ البالغہ میں اس زیادتی کو ذکر کیا ہے، وهو مثبت فی النقل، وہ لکھتے ہیں کہ اور بھی دوسری روایات میں اس زیادتی کا مضمون پایا جاتا ہے تیر وہ لکھتے ہیں کہ اس دعا کے اخیر میں ۴ اَنْتَ لَا تَخْلُفُ الْمِعَادَ سنن بیہقی میں موجود ہے، کما قال الحافظ ابن حجر والعلامة العینی وغیرہما، اس دعا کے الفاظ کی شرح بذل میں مذکور ہے، دعا کی ابتداء اللہم ربّ هذه الدعوة التامة سے ہے جس سے معلوم ہو رہا ہے کہ اذان بہت بڑی دعوت و تبلیغ ہے اور اس میں کیا شک ہے

بَابُ مَا يَقُولُ عِنْدَ اَذَانِ الْمَغْرِبِ

خاص اذان مغرب کے وقت کی دعا حدیث الباب میں مذکور ہے، ملا علی قاریؒ لکھتے ہیں کہ اگرچہ یہ دعا صبح کی اذان کی وقت منقول نہیں ہے لیکن اسی پر قیاس کرتے ہوئے کہا جاسکتا ہے کہ جب مغرب کی اذان کی وقت اللہم هذا اقبال لیلک وادبار نهارک پڑھا جاتا ہے تو اسکے بالمقابل صبح کی اذان کی وقت یہ پڑھا جائے، اللهم هذا اقبال لیلک وادبار نهارک الی آخرہ، لیکن شیخ ابن حجرؒ کی رائے یہ نہیں ہے وہ کہتے ہیں یہ امور تو قیسی ہیں ان میں قیاس نہیں چلتا لیکن علی قاری نے اس کو رد کیا ہے۔

بَابُ اخْذِ الْجَزْعِ عَلَى التَّأْذِينِ

قولہ عن عثمان بن ابی العاص قلت یا رسول اللہ، یہ عثمان بن ابی العاص طائفی ہیں وفد ثقیف کیساتھ سلسلہ میں آپ کی خدمت میں حاضر ہوئے تھے انکی روایت ابواب المساجد کے سب سے پہلے باب میں گذر چکی ہے جس میں یہ تھا، امرہ ان بمجمل مسجد الطائف حیث کان طواغیتہم، انکو حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے طائف کا

لہ ولیست ہذہ الزیادة فی النسخة التي حققها وعلق عليها عبد الرحمن الكوثر نجل الشيخ مولانا محمد عاشق السمرقانی، ویستفاد من تعلیق ان ہذہ الزیادة لیست فی النسخة الخطیة البندیة ہم توجہ فی النسخة المجدد آبادیة۔

عالم بنا کر بھیجا تھا انھوں نے حضور سے درخواست کی کہ مجھے میری قوم کا امام بنا دیجئے تو آپ نے فرمایا۔ انت
اما مہم ہاں ٹھیک ہے ہم نے تم کو ان کا امام بنا دیا، ان کی قوم کا مصداق اہل طائف ہیں۔

اپنے لئے امامت و تولیت کی طلب | اس حدیث میں ان صحابی کی طرف سے امامت کی طلب پائی
گئی چونکہ یہ اپنی قوم کے حال سے زائد واقف تھے بظاہر انھوں نے

اپنی تولیت و امامت میں انکی بہترائی اور مصلحت سمجھی ہوگی اسلئے حضور صلی اللہ علیہ وسلم سے یہ چیز طلب کی۔
ابن رسلان لکھتے ہیں کہ اس سے معلوم ہوا کہ امامت طلب کرنا اور طلب پر اس کو دیدینا یہ مناسب ہے جبکہ
طلب کرنا اور واقعی اس کا اہل ہو، تندرہ کے ذہن میں ایک اور بات بھی ہے کہ انھوں نے از سر نو عہدہ طلب
کرنے میں پہل نہیں کی بلکہ جیسا کہ پہلے گذر چکا آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے انکو طائف کا عامل تجویز فرمایا تھا تو
یہ عہدہ حاصل ہونیکے بعد انھوں نے آپ صلی اللہ علیہ وسلم سے اپنی قوم کو نماز پڑھانے کی اجازت طلب کی، آپ
نے بلا تاویل اجازت مرحمت فرمادی خصوصیت مقام کی وجہ سے ورنہ واقعہ یہ ہے کہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم عہدہ کی طلب کو پسند نہیں
کرتے تھے اور نہ ہی کسی کو اسکی طلب پر عہدہ عطا فرماتے تھے، واقعتاً باضعفہ یعنی نازیوں میں جو سب
سے زیادہ ضعیف و کمزور ہو اسکی حالت کو پیش نظر رکھ کر نماز پڑھانا، لہذا نہ تو زیادہ لمبی نماز پڑھائی جائے اور
نہ زیادہ مختصر اور تیزی سے، اسلئے کہ کمزور آدمی کو رکوع و سجدہ کرنے میں دیر لگتی ہے انکو زیادہ اختصار اور جلدی
میں بھی وقت لاحق ہوتی ہے، اور دوسرا مطلب اس کا یہ بھی ہو سکتا ہے کہ اگرچہ ہم نے تم کو تمہاری قوم کا امام بنا دیا
ہے لیکن اسکے باوجود اپنے مقتدیوں میں جو بوڑھے اور بزرگ ہیں انکی تعظیم و تکریم کا خیال رکھنا اور ان کے پیچھے
چلنا اور ان پر بیش قدی نہ کرنا، ایک روایت میں آتا ہے کہ اللہ تعالیٰ سفید ریش مسلم سے شرارتے ہیں نیز ایک
روایت میں ہے ان من اجلال اللہ اکرام ذی الشیبة المسلم، کہ بوڑھے آدمی کی تعظیم گویا اللہ کی تعظیم ہے، آضعف
کی تفسیر میں دو قول ہیں، قوت بدنہ کے اعتبار سے ضعیف و کمزور اور دوسری تفسیر اکثر ہم خستہ عا تذلل اللہ تعالیٰ۔
قوله واتخذ مؤذنا لایاخذ علی اذا نہ اجبر، حدیث کا یہی معنی ترجمہ الباب سے متعلق ہے۔

استیجار علی الطاعات میں اختلاف علماء | مسئلہ مختلف فیہ ہے یوں طاعت مجرۃ مشا تلاوت قرآن پر اجرت لینا تو کسی کے
نزدیک بھی جائز نہیں البتہ ضرورت کی چیزوں میں اختلاف ہے چنانچہ امام مالک کے

نزدیک اذان و اقامت تعلیم قرآن وغیرہ امور دینیہ پر اجرت لینا جائز ہے بشافعیہ کا بھی قول صحیح ہے اور حنفیہ و حنابلہ کے نزدیک جائز نہیں لیکن متاخرین
احناف نے ضرورت استیجار علی الطاعات کو جائز قرار دیا ہے، کوکب الدری میں لکھا ہے کہ قرات قرآن فی التراویح پر اجرت لینا جائز نہیں اسی طرح
ایصال ثواب للیت پر ختم قرآن کی اجرت بھی جائز نہیں اسلئے کہ طاعات پر اخذ اجرت کو متاخرین نے دینی ضرورت
و مصلحت کی بنا پر جائز قرار دیا ہے اور یہاں کوئی ضرورت اور مجبوری ہے نہیں اسلئے کہ تراویح میں ختم قرآن کوئی ضروری

نہیں، غیر حافظ بھی بغیر اجرت کے تراویح پڑھا سکتا ہے اور عرف الشذی میں لکھا ہے کہ فتاویٰ قاضیخان میں ہے کہ قدیم زمانے میں اسلامی حکومت میں علماء و موزنین کیلئے بیت المال سے وظائف مقرر تھے بمخلاف اس زمانہ کے، لہذا اذان وغیرہ پر اجرت جائز ہے اور اسی خروج عن المذہب بھی نہیں بمخلاف صاحب ہدایہ کے کہ ان کے کلام سے معلوم ہوتا ہے کہ قول بالجواز خروج عن المذہب ہے، صاحب عرف الشذی کہتے ہیں کہ زیادہ قابل اعتماد بات قاضیخان کی ہے، اسکے بعد جانا چاہئے کہ اس مسئلہ میں حدیث الباب سے حنفیہ کی تائید ہوتی ہے، نیز حنفیہ کا استدلال اس روایت سے ہے جو ابوداؤد میں کتاب الاجارہ باب کسب المعلم کے ذیل میں آئیگی، حضرت عبادۃ بن الصامت نے بعض اہل صفہ کو قرآن کی تعلیم دی انہوں نے انکو اس پر ایک تیر کمان دینا چاہا عبادہ نے اسکی اجازت حضور صلی اللہ علیہ وسلم سے چاہی، آپ نے فرمایا کہ اگر آگ کا طوق گردن میں ڈالنا چاہتا ہے تو قبول کر لے، اسکے بالمقابل شافعیہ نے ابوسعید خدریؓ کے واقعہ سے استدلال کیا، وہ یہ کہ انہوں نے ایک مرتبہ ایک لدیغ پر سورہ فاتحہ تین بار پڑھ کر دم کیا جس سے وہ شفیاب ہو گیا تو انہوں نے ان لوگوں سے اسکی مقول اجرت لی تئیں بکھریاں، یہ قصہ بھی ابوداؤد کی کتاب الاجارہ میں موجود ہے، لیکن یہ استدلال صحیح نہیں اسلئے کہ یہ تو جھاڑ پھونک اور علاج و معالجہ کے قبیل سے ہے نہ کہ تسلیم کے قبیل سے اور اخذ الاجرۃ علی الرقیہ کے ہم بھی قائل ہیں اسی لئے امام ابوداؤد نے اس پر باب قائم کیا ہے، باب اجر الطیب، نیز عرف الشذی میں لکھا ہے کہ ختم قرآن اور ختم بخاری اگر اپنی کسی دینیوی غرض کے لئے ہے تب تو اس پر اجرت لینا جائز ہے البتہ اگر ختم امور دین کیلئے ہو جیسے ایصالِ ثواب وغیرہ تو پھر اجرت لینا جائز نہیں۔

بَابُ فِي الْاِذَانِ قَبْلَ دُخُولِ الْوَقْتِ

اذان چونکہ نماز کے وقت کی اطلاع کا نام ہے اسلئے ظاہر ہے کہ قبل دخول الوقت جائز نہ ہونی چاہئے اور مسئلہ بھی یہی ہے۔

چنانچہ علماء کا اس پر اتفاق ہے کہ فجر کے علاوہ باقی چار نمازوں میں مسئلہ الباب میں مذاہب ائمہ اذان قبل الوقت جائز نہیں، البتہ صلوۃ فجر میں اختلاف ہو رہا ہے،

لہ لفظ حدیث یہ ہے ان کنت تحب ان تطوق طوقاً من نار فاقبلها۔

سک ابن العربی نے مالکیہ کی طرف سے اس حدیث سے استدلال کیا، مارتک بعد نفقۃ نسائی و موتہ عالی فہو صدقہ۔

امام ابو حنیفہ اور محمدؐ کی رائے تو اس میں بھی یہی ہے کہ ناجائز ہے، البتہ ائمہ ثلاث اور ابو یوسفؒ کے نزدیک صبح کی اذان طلوع فجر سے قبل رات کے سدس اخیر میں دینا جائز ہے۔

۱۔ قولہ عن ابن عمر ان بلا الا اذن قبل طلوع الفجر، یعنی حضرت بلالؓ نے ایک مرتبہ طلوع فجر سے پہلے اذان پڑھ دی تو آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے انکو حکم دیا کہ لوٹ کر جائیں اور اعلان کریں الا ان العبد قد نام نوم سے مراد یہاں غفلت اور چوک ہے کہ مجھ سے غلطی ہو گئی اذان طلوع فجر سے پہلے پڑھ دی، یا نوم کو اپنی حقیقت پر محمول کیا جائے اور مطلب یہ لیا جائے کہ میری بیوقوفیت آنکھ لگ گئی تھی بیدار ہونے پر یہ سوچ کر کہ کہیں دیر نہ ہو گئی ہو قبل از وقت اذان کہہ دی، یہ حدیث حنفیہ کی واضح طور پر دلیل ہے۔

حدیث الباب پر محدثین کا نقد | مگر حضرات محدثین اس حدیث کو صحیح نہیں مانتے جنہیں امام احمد، ابو حاتم رازی، امام بخاری، علی بن مدینی، دارقطنی، امام ترمذی اور خود

مضعف شامل ہیں، ان حضرات کا نقد اس حدیث پر یہ ہے جسکو مضعف بیان فرما رہے ہیں، قال ابو ذر و هذا الحديث لعيرة عن ايوب الاحمد بن سلمة، حاصل نقد یہ ہے کہ یہ حدیث مرفوعاً ثابت نہیں بلکہ موقوف ہے یعنی یہ واقعہ حضور صلی اللہ علیہ وسلم کے زمانہ کا نہیں بلکہ حضرت عمرؓ کے زمانہ کا ہے کہ ان کا ایک مؤذن تھا جس کا نام مسروح تھا یا مسعود اس نے ایک مرتبہ صبح کی اذان قبل از وقت کہہ دی تھی تو اس پر حضرت عمرؓ نے اس کو فرمایا تھا کہ جا کر اعلان کرو الا ان العبد قد نام، چنانچہ یہ واقعہ اسی طرح مضعف نے اس باب کی دوسری حدیث میں بیان کیا ہے اور فرمایا ہے وهذا اصح من ذاك۔

امام ترمذیؒ نے جامع ترمذی میں تحریر فرمایا ہے کہ صحیح حدیث میں وارد ہے، ان بلا الا يؤذن بنليل فكلوا واشربوا حتى يؤذن ابن ام مكتوم، یہ حدیث متفق علیہ ہے اس میں یہ بیان کیا گیا ہے کہ حضرت بلالؓ اخیر شب میں صبح صادق سے پہلے اذان کہتے ہیں لہذا روزہ دار انکی اذان پر کھانا پینا ترک نہ کریں جب تک ابن ام مکتوم دوسری اذان نہ کہیں اور جب وہ اذان کہیں اس پر کھانا پینا چھوڑ دینا چاہئے، امام ترمذیؒ فرماتے ہیں اس صحیح حدیث میں خود حضور صلی اللہ علیہ وسلم فرما رہے ہیں کہ بلال رات میں اذان کہتے ہیں، پھر ابن عمر کی روایت یعنی حدیث الباب کیسے صحیح ہو سکتی ہے۔

حنفیہ کی طرف سے جواب نقد | ہماری طرف سے اسکا جواب یہ ہے کہ حضرت بلالؓ اور ابن ام مکتوم دونوں باری باری اذان کہتے تھے یعنی کبھی تہجد کیلئے اذان بلالؓ

کہتے تھے اور دوسری اذان ابن ام مکتوم اور کبھی اسکے برعکس ابن ام مکتوم تہجد کیلئے اور حضرت بلالؓ صبح کی نماز کیلئے تو ایک مرتبہ ایسا ہوا کہ دوسری اذان حضرت بلالؓ کی باری میں تھی، جو طلوع فجر کے بعد ہونی چاہئے تھی مگر

انھوں نے غلطی سے طلوع فجر سے پہلے کہی اسلئے آپ کو اعلان کرنا پڑا لہذا دونوں حدیثوں میں کچھ بھی تعارض نہیں بات بالکل صاف اور واضح ہو گئی، فامحمد اللہ علی ذلک۔ اس کے علاوہ اسکے دو جواب اور ہیں (۱) یہ تو صحیح ہے کہ آپ کے اخیر زمانہ میں صبح کے وقت دو اذانیں ہوتی تھیں لیکن یہ کسی حدیث سے ثابت نہیں کہ اوائل ہجرت سے لیکر اخیر تک ہمیشہ ہی ایسا ہوتا تھا۔ ممکن ہے شروع میں ایک ہی اذان ہوتی ہو صبح صادق کے بعد ایک دن غلطی سے انھوں نے قبل از وقت اذان دیدی جس پر تنبیہ کی گئی۔ (۲) ممکن ہے بلال نے وقت مقررہ سے زیادہ قبل اذان دیدی ہو اسلئے تنبیہ کی گئی اگر یہ توجیہات نہ کی جائیں بلکہ یہی کہا جائے کہ یہ واقعہ حضرت عمرؓ کے زمانہ کا ہے اور حضور کے زمانہ میں اذان قبل الوقت ہی ہوتی تھی تو یہ اشکال کھڑا ہو جائیگا کہ جب حضرت عمرؓ کو معلوم تھا کہ آپ کے زمانہ میں ہمیشہ قبل الوقت اذان ہوتی تھی تو پھر انہوں نے اس اذان کا کیوں عادیہ کر لیا اسکو غیر معتبر کیوں قرار دیا لہذا خیر اسی میں ہے اس واقعہ کو مرفوع ملتے ہوئے اسکی توجیہ کیجائے۔ واللہ اعلم

جمہور کے استدلال کا رد

اسکے بعد آپ سمجھیے کہ جمہور علماء جو قبل الوقت جواز اذان کے قائل ہیں وہ مذکور بالا حدیث "ان بلالاً یؤذن بلیل" سے استدلال کرتے ہیں کہ دیکھیے حضرت بلالؓ صبح صادق کے پہلے اذان کہتے تھے۔ ہمارے علماء نے جواب دیا کہ یہ تو غور فرمائیے کہ وہ پہلی اذان کس لئے ہوتی تھی آیا صبح کی نماز کیلئے ہوتی تھی یا کسی اور غرض سے اسکی تصریح خود روایات میں موجود ہے۔ لیوقظنا ثمکم ویؤذنا ثمکم۔ یعنی یہ پہلی اذان اسلئے ہوتی تھی کہ جو لوگ پہلے سے بیدار ہیں اور تہجد پڑھ رہے ہیں وہ ذرا آرام کر لیں اور جواب تک سو رہے تھے وہ بیدار ہو کر چند رکعات تہجد کی پڑھ لیں پھر یہ کہنا کیسے صحیح ہے کہ صبح کی اذان قبل الوقت جائز ہے اسلئے کہ اول تو یہ بات اس تصریح کے خلاف ہے، دوسرے اسلئے کہ اگر مان لیا جائے کہ وہ صبح ہی کی نماز کیلئے ہوتی تھی تو کبھی تو اس پر اکتفا کر کیا جاتا آخر یہ کیا بات ہے کہ طلوع فجر کے بعد ہمیشہ دوسری اذان کہی جاتی تھی، معلوم ہوا کہ وہ پہلی اذان نہ صبح کی نماز کے لئے کہی جاتی تھی اور نہ ہی اس کے لئے کافی تھی۔

۳۔ قولہ لا تؤذون حتی یستبین لک الفجر اذ یہ حدیث بھی حنفیہ کی دلیل ہے اس میں یہ ہے کہ حضور صلی اللہ علیہ وسلم حضرت بلالؓ سے فرما رہے ہیں کہ صبح کی اذان اس وقت تک نہ کہو جب تک تمہارے لئے صبح اس طرح روشن نہ ہو جائے اور آپ نے دونوں ہاتھوں کو عرضاً پھیلایا، یعنی جب تک صبح کی روشنی افق میں عرضاً نہ ظاہر ہو جائے اس وقت تک اذان نہ کہی جائے، صبح صادق کی علامت یہ ہے کہ وہ افق میں عرضاً ہوتی ہے اور پھیلتی چلی جاتی ہے اور صبح کا زب کا ظہور آسمان میں طولا ہوتا ہے اور پھر تنویر دیر بعد وہ روشنی غائب ہو جاتی ہے، ابو داؤد کے بعض نسخوں میں ایک زیادتی ہے۔ قال ابو داؤد شداد لعید رک بلا لا، مصنف اس حدیث پر نقد فرما رہے ہیں کہ یہ منقطع ہے شداد جو سند کے راوی ہیں ان کا سماع بلال سے ثابت نہیں، ابن رسلان اس حدیث کے بارے میں کہتے ہیں کہ ہمارے اصحاب نے اسکو اقامت پر محمول کیا ہے، عجیب بات ہے کہ اذان کو اقامت پر محمول کر رہے ہیں، بذل الجہود میں حضرت نے مصنف ابن ابی شیبہ سے حضرت عائشہؓ کی حدیث نقل کی ہے قالت ما کانوا یؤذون حتی ینفجر الفجر۔ یہ حدیث مرسل یا منقطع نہیں بلکہ مسند اور صحیح ہے۔

باب الاذان للاعشی

اذان اعشیٰ میں حنفیہ کے تین قول ہیں، جائز ہے بلا کراہت صرح بہ الشافعی، مکرودہ ہے ذکرہ فی المحيط۔
 خلافت اولیٰ نے ذکرہ صاحب البدائع اور امام شافعی کا مذہب کہا قال النووی یہ ہے کہ اگر اعشیٰ کے ساتھ لیسیر ہو جو اسکی رہنمائی کرے تب مکرودہ نہیں جیسا کہ ابن ام مکتوم کیساتھ بلال ہوتے تھے ورنہ مکرودہ ہے، مہنل میں ابن عبد البر مالکی سے وہی نقل کیا ہے جو امام نووی نے فرمایا،
 ابن ام مکتوم جو مسجد نبوی کے مؤذن تھے انکے نام میں اختلاف ہے قیل عبد اللہ، قیل عمر، وادام مکتوم انکی والدہ ہیں جنکا نام عاتکہ ہے یہ مہاجرین اولین میں سے تھے حضور صلی اللہ علیہ وسلم سے قبل ہی، ہجرت فرما کر مدینہ آگئے تھے، روایات میں آتا ہے کہ آپ نے غزوات کے سفر میں جاتے وقت تیرہ مرتبہ انکو نماز پڑھانے کیلئے اپنا نائب بنایا اور یہی وہ صحابی ہیں جنکے بارے میں عبس و توکی آیات نازل ہوئیں رضی اللہ تعالیٰ عنہ۔

باب الخروج من المسجد بعد الاذان

قوله كما مع ابی هريرة في المسجد فخرج رجل حين اذن المؤذن للعصر یعنی ایک شخص جو پہلے سے مسجد میں تھا اذان شروع ہونیکے بعد مسجد سے باہر چلا گیا تو اس پر ابو ہریرہؓ نے فرمایا کہ اس شخص نے حضور صلی اللہ علیہ وسلم کی نافرمانی کی، لفظ اما تفصیل کیلئے آتا ہے، تفصیل کیلئے کم از کم دو چیزیں ہونی چاہئیں اور یہاں عبارت میں صرف ایک ہی مذکور ہے لہذا اسکا مقابل محذوف ماننا پڑیگا یعنی اتان سن ثبت فی المسجد فقد اطاع ابا القاسم صلی اللہ علیہ وسلم اور اسکا مقابل خبر ثانی روایت میں مذکور ہے، ابن ماجہ وغیرہ کی بعض روایات میں اذان کے بعد مسجد سے نکلنے والے کو منافق کہا گیا ہے مگر اس روایت میں اس بات کی تصریح ہے بشرطیکہ وہ بلا کسی حاجت کے نکلا ہو اور واپسی کا بھی ارادہ نہ ہو، اسی طرح فقہار نے اور بھی بعض کا استثناء کیا ہے، مثلاً وہ شخص جو کسی دوسری مسجد میں امامت یا اذان یا نظم جماعت کا ذمہ دار ہوا اسکے لئے خروج جائز ہے۔

مسئلة الباب میں تفصیل اختلاف

اس تفصیل کے جاننے کے بعد ایک دوسری تفصیل سنئے جو مختلف فیہ بین الامم ہے، وہ یہ کہ خارج من المسجد بعد الاذان کی تین قسمیں ہیں ۱۔ من لم یصل، جس نے ابھی تک نماز نہیں پڑھی ۲۔ من صلی منفرداً جو نماز پڑھ چکا لیکن منفرداً ۳۔ من صلی بجماعة، وہ شخص جو بجماعت نماز پڑھ چکا ہو اب ہر ایک کا حکم سنئے حنفیہ کے نزدیک یہ منافقت صرف قسم اول کیلئے ہے، قسمین اخیر میں کے لئے نہیں، البتہ اگر آدمی کے مسجد میں ہوتے ہوئے اقامت صلوٰۃ بھی ہونے لگے تو پھر باوجود نماز پڑھ لینے کے بھی۔

خروج من المسجد مکروہ ہے لیکن صرف ظہر اور عشاء میں کیونکہ ان دو نمازوں کے بعد نفل پڑھنا جائز ہے، اور باقی تین نمازوں میں نہیں، فجر اور عصر میں اسلئے نہیں کہ ان دو وقتوں میں نفل نماز مکروہ ہے اور مغرب میں اسلئے نہیں کہ نفل کی تین رکعات نہیں ہوتیں، یہ مذہب تو ہوا حنفیہ کا، اور شافعیہ مالکیہ کے نزدیک کراہت خروج کا حکم قسم اول اور ثانی دونوں کیلئے ہے اور امام احمد کے نزدیک یہ حکم اول ثانی ثالث تینوں کیلئے ہے، دوسرا اختلاف یہاں پر یہ ہے کہ اعادہ کی شکل میں شافعیہ و حنابلہ کے نزدیک اعادہ تمام نمازوں کا ہوگا، البتہ امام احمد فرماتے ہیں کہ مغرب میں ایک رکعت کا اعادہ کر لے اور امام مالک کے نزدیک اعادہ مغرب کے علاوہ باقی چار نمازوں کا ہے۔

اعادۃ صلوٰۃ سے متعلق | نیز اعادۃ صلوٰۃ کا مسئلہ ایک دوسری نوع کا ابواب المواقیات میں "باب اذا اخر الامام الصلوٰۃ عن الوقت" کے تحت بھی گذر چکا ہے اسی طرح آگے بھی آرہا ہے "باب من صلی فی منزلاً ثم ادرک الجماعة" لہذا اس مسئلہ سے متعلق کچھ کلام وہاں بھی

آئیگا ان تینوں مواقع کو ذہن میں رکھنا چاہئے اور ہر جگہ کے مسئلے کی نوعیت کو بھی۔

حدیث الباب کا محل عند الحنفیہ | مذکورہ بالا مذاہب ائمہ کے پیش نظر کہا جائیگا کہ حدیث الباب حنفیہ کے نزدیک (چونکہ اسکا تعلق عصر سے ہے) اس شخص پر محمول ہے جس نے نماز نہ پڑھی ہو اور دوسرے ائمہ کے نزدیک عام ہے یعنی اگرچہ نماز پڑھ چکا ہو کیونکہ حدیث بظاہر مطلق ہے، اور حنفیہ یہ کہتے ہیں کہ حدیث کو مطلق قرار دینے میں اس حدیث میں اور احادیث النہی عن الصلوٰۃ بعد العصر میں تعارض ہو جائیگا اسلئے اسکو مقید ماننا ضروری ہے اور اگر اس کو مطلق ہی رکھا جائے تو پھر حدیث کا جواب یہ ہوگا کہ قاعدہ یہ ہے کہ جب محرم اور بیع میں تعارض ہوتا ہے تو محرم کو ترجیح ہوتی ہے۔

باب فی المؤذن ینتظر الامام

اور امام ترمذی نے اس مقصد کیلئے اس طرح ترجمہ قائم کیا ہے "باب ما جاء ان الامام اثنى بالاقامة" اور اسکے ذیل میں انھوں نے حدیث بھی وہی ذکر کی ہے جسکو امام ابو داؤد یہاں لائے ہیں، مطلب یہ ہے کہ مؤذن کو اذان کہنے کا تو پورا اختیار ہے جب وقت آئے گئے لیکن اقامت میں اسکو امام کا انتظار کرنا چاہئے، جب امام نماز پڑھانے کے لئے مسجد میں داخل ہو جائے تب اسکو اقامت کہنی چاہئے، چنانچہ حدیث الباب میں ہے کہ حضرت بلال اذان کہہ کر ٹھہر جاتے تھے پھر جب وہ دیکھتے کہ حضور صلی اللہ علیہ وسلم مسجد تشریف لارہے ہیں تب اقامت کہتے، مسجد اجماعی ہے کسی کا اختلاف نہیں امام ترمذی فرماتے ہیں، قال بعض اهل العلم

ان المؤذن أَمَلَكُ بالاذان والا مام أَمَلَكُ بالاقامة، کہ اذان کہنے میں تو مؤذن با اختیار ہے اور اقامت کا مدار امام پر ہے۔ شرح ترمذی میں لکھا ہے کہ یہ ایک حدیث مرفوعہ کے الفاظ میں جسکے راوی ابو ہریرہ ہیں اس کو ابن عدی نے اپنی کتاب میں روایت کیا ہے کذا فی بلوغ المرام للمفاظ۔

بَابُ فِي التَّثْوِيبِ

تثویب کے معنی لغۃ العود الی الاعلام یا یہ کیجئے الاعلام بعد الاعلام ایک بار دعوت دینے کے بعد دوسری مرتبہ دعوت دینا۔
تثویب کے مأخذ اشتقاق میں دو قول ہیں، کہا گیا ہے کہ یہ ثوب سے مشتق ہے جسکی اصل یہ ہے کہ جب کوئی فریاد کر نیوالا چلاتا اور فریاد کرتا ہے تو وہ اپنے کپڑے کو بلند کر کے ہلاتا ہے جیسے جھنڈی ہلاتے ہیں تاکہ لوگ اسکی طرف متوجہ ہو جائیں، دوسرا قول یہ ہے کہ یہ ثابِ ثوب سے ماخوذ ہے جسکے معنی رجوع کے ہیں تثویب میں بھی چونکہ رجوع الی الاعلام ہوتا ہے اسلئے اسکو تثویب کہتے ہیں۔

تثویب کے معانی

عرف شرع میں تثویب کا اطلاق تین معانی پر ہوتا ہے ۱۔ اقامت، جیسا ابھی قریب میں اس حدیث میں گذرا جس میں ضراط الشیطان کا ذکر ہے حتی اذا ثوب بالقلوة اذبر ۲۔ صبح کی اذان میں الصلوة خیر من النوم کہنا ۳۔ اذان و اقامت کے درمیان لوگوں کو نماز کی طرف دوبارہ متوجہ کرنا خواہ قول کے ذریعہ جیسے حی علی الصلوة، حی علی الصلوة وغیرہ الفاظ یا فعل کے ذریعہ جیسے تحیح یا دروازہ کھٹکھٹانا، اور مصنف کی مراد ترجمۃ الباب میں یہ تیسرے معنی ہیں، ان تینوں معانی میں رجوع الی الدعوة اور رجوع الی الاعلام کا پایا جانا ظاہر ہے۔

قوله عن مجاهد قال كنت مع ابن عمر فتثوب رجلان ابن عمر ایک مسجد میں نماز کیلئے تشریف لے گئے ظہر یا عصر کا وقت تھا مسجد میں جا کر بیٹھ گئے کسی شخص نے تثویب کی تو ابن عمر سے برداشت نہ ہوا اور انھوں نے اپنے شاگرد مجاہد سے کہا کہ مجھے اس مسجد سے لے چلو یہاں یہ بدعت ہو رہی ہے، لے چلو اسلئے فرمایا کہ وہ اخیر عمر میں نابینا ہو گئے تھے۔

حکم تثویب میں اختلاف علماء

تثویب بالمعنی الثالث کے جمہور علماء قائل نہیں وہ اس کو بدعت مانتے ہیں، چنانچہ امام ترمذی فرماتے ہیں ہذا ہو التثویب الذی کرہ اہل العلم واحداً (الناس) بعد النبی صلی اللہ علیہ وسلم، اور حنفیہ اسکے قائل ہیں لیکن صرف فجر کی نماز میں (قالہ محمد فی الجامع الضعیف)، اور ہدایہ میں لکھا ہے کہ قدام احناف تو اس کو خاص کرتے ہیں صبح کی نماز کیسا تھا اسلئے کہ وہ نوم و غفلت کا وقت ہے لیکن متاخرین نے باقی نمازوں میں بھی اسکی اجازت دی ہے۔ لظہور التکاسل فی الامور الدینیہ البتہ متقدمین میں سے امام ابو یوسف کی رائے یہ ہے کہ تثویب فجر کی نماز میں تو علی العموم ہے عوام اور خواص

سب کیلئے اور باقی نمازوں میں انھوں نے اسکی اجازت دی ہے صرف خواص کیلئے جیسے امرار اور قضاۃ اور مفتیان کرام کیونکہ یہ حضرات امور مسلمین میں مشغول رہتے ہیں (ذیلی شرح الکتر)
یہ اختلاف وتفصیل متعلق تھی تہیبت بالمعنی الثالث سے اور تہیبت بالمعنی الاول والثانی تہیبت قدیم کہلاتی ہے اور دونوں کو سبھی مانتے ہیں۔ البتہ تہیبت بالمعنی الثانی میں تھوڑا سا اختلاف ہے وہ یہ کہ جمہور علماء ائمہ ثلاث تو اسکے استحباب کے قائل ہیں اور امام شافعیؒ کا قول قدیم بھی یہی ہے اور وہی انکے یہاں معنی یہ ہے اور قول جدید میں انھوں نے اسکا انکار کیا ہے۔

بَابُ فِي الصَّلَاةِ تَقَامٌ وَلَمْ يَأْتِ الْإِمَامُ

یعنی اگر نماز کیلئے اقامت شروع ہو جائے اور حال یہ کہ امام ابھی تک مسجد میں نہیں پہنچا تو مقتدیوں کو چاہئے کہ کھڑے نہ ہوں بلکہ امام کا انتظار بیٹھ کر کریں یہ مسئلہ اجماعی ہے لیکن یہاں پر اشکال یہ ہے کہ اقامت کا تو قاعدہ یہ ہے کہ وہ امام کے آنے ہی پر کھی جائے جیسا کہ گذشتہ باب کی حدیث جابر میں گذر چکا۔ لہذا یہ ترجمہ الباب اسکے خلاف ہوا۔ جواب یہ ہے کہ مصنفؒ نے یہ ترجمہ ظاہر الفاظ حدیث کے مطابق باندھا ہے کیونکہ حدیث الباب میں اسی طرح ہے لہذا اصل اشکال حدیث پر ہوا جسکا جواب ابھی آگے آ رہا ہے۔

۱۔ حدثنا مسلم بن ابراہیم قتولہ اذا اقيمت الصلوة فلا تقوموا حتى تروى. حدیث کا مطلب واضح ہے یہ حدیث اسی طرح بخاری شریف میں بھی ہے، یہاں پر اشکال وہی ہے جو اوپر مذکور ہوا۔

اس اشکال کا جواب علماء نے یہ دیا کہ حضرت بلالؓ کی نظر جسہ شریف دفع تعارض بین الحدیثین پر رہتی تھی وہ غور سے آپ کو دیکھتے رہتے تھے اور جب وہ دیکھ لیتے کہ

حضور مسجد میں آنیکے لئے اپنی جگہ سے چل دیئے ہیں تو حضرت بلالؓ فوراً اقامت شروع کر دیتے تھے حال یہ کہ ابھی سب مسجد والوں نے آپ کو دیکھا نہیں، تو ان لوگوں کے بارے میں حضور فرما رہے ہیں کہ جب تک تم لوگ مجھے مسجد میں آپہنچا نہ دیکھ لو اسوقت تک مت کھڑے ہو، فار توفعوا لتعارض من البین۔

ترجمہ الباب اور حدیث کی تشریح وغیرہ تو ہو گئی لیکن یہاں ابھی ایک مسئلہ اور باقی ہے بلکہ دو، اول یہ کہ مقتدیوں کو نماز کے لئے کب کھڑا ہونا چاہئے اقامت کے شروع میں یا پورا ہونیکے بعد، اور دوسرا مسئلہ یہ ہے مکی بکبر الامام للحریمۃ؟ دونوں مسئلے مختلف فیہ ہیں۔

متی یقوم الناس فی الصف؟

مسئلہ اولیٰ میں تفصیل یہ ہے کہ امام شافعی و امام ابو یوسفؒ کی رائے یہ ہے کہ یقومون بعد الفرائض من الاقامۃ، امام مالکؒ اور اکثر علماء کی رائے یہ ہے کہ مقتدیوں کو ابتداء اقامت ہی میں کھڑے ہو جانا چاہئے (آجکل ہمارا عمل اسی پر ہے) اور امام احمدؒ کے نزدیک قد قامت الصلوٰۃ پر کھڑا ہونا چاہئے اور امام ابو حنیفہؒ و محمدؒ کے نزدیک حی علی الصلوٰۃ پر، اور یہ ساری تفصیل اس صورت میں ہے جبکہ امام پہلے سے مسجد میں ہو اور اگر بالفرض اس وقت تک امام مسجد میں نہ پہنچا ہو تو پھر اسکا حکم ترجمۃ الباب میں آ ہی چکا۔

متی یکبر الامام للصلوٰۃ؟

اور مسئلہ ثانیہ میں اختلاف یہ ہے کہ جمہور علماء ائمہ ثلاث اور امام ابو یوسفؒ کے نزدیک امام کو چاہئے کہ وہ نماز اقامت کے پورا ہونے پر شروع کرے اور امام ابو حنیفہؒ و محمدؒ کے نزدیک قد قامت الصلوٰۃ پر نماز کو شروع کر دینی چاہئے، یہ اختلاف اسی طرح حضرت سہارنپورؒ کا نے بذل میں اور امام نوویؒ نے شرح مسلم میں لکھا ہے فان ابوداؤد و تھکد ارواۃ ایوبؒ اور پر سند میں بھی سے روایت کر نیوالے ابان ہیں انھوں نے اس حدیث کو یحییٰ سے بطریق عنعنہ روایت کیا ہے، مصنفؒ فرما رہے ہیں کہ ایوبؒ اور حجاجؒ نے بھی یحییٰ سے اسی طرح روایت کیا ہے اور یحییٰ کے ایک تیسرے شاگرد ہشامؒ دستوائی ہیں وہ اس کو یحییٰ سے اس طرح روایت نہیں کرتے بلکہ بطریق کتابہ، چنانچہ انھوں نے کہا کتب الی یحییٰ، اور روایت بطریق کتابت کا ظاہر مقتضی یہ ہے کہ انہ لم یسمعه منہ نیز جاننا چاہئے کہ لفظ ہشامؒ دستوائی مرفوع ہے بنا بر مبتدا ہو نیکی اور جملہ قال کتب الی یحییٰ اسکی خبر ہے۔

شرح السند

۲۔ حدیثنا محمود بن خالد الخویہ سے سند محتاج تشریح ہے مصنفؒ نے دو سندیں بیان کیں ایک حار تحویل سے پہلے ایک اسکے بعد، سند اول میں مصنفؒ کے استاد محمود بن خالد ہیں اور سند ثانی میں داؤد بن رشید، اور ان دونوں کے استاد ولید بن مسلم ہیں اور ولید کے استاد اوزاعی ہیں جنکی کنیت ابو عمر وہ ہے، یہاں پر سوال یہ ہے کہ اس سند میں حار تحویل کی کیا حاجت تھی مصنفؒ کے دو استاد ہیں محمود اور داؤد وہ دونوں روایت کرتے ہیں ولید سے اور ولید روایت کرتے ہیں اوزاعی سے لہذا سند اس طرح بیان کر دیتے، حدیثنا محمود بن خالد و داؤد بن رشید قال حدیثنا ولید عن الازاعی، جواب یہ ہے کہ تحویل کی وجہ فرق تعبیر ہے مصنفؒ کے پہلے استاد محمود بن خالد نے اپنے استاد الازاعی کو کنیت کیساتھ تعبیر کیا ہے اور دوسرے استاد داؤد بن رشید نے انکو اوزاعی سے تعبیر کیا ہے نیز ایک نے قال ابو عمر و کہا دوسرے نے عن الازاعی، مصنفؒ بعض مرتبہ صرف فرق تعبیر کی وجہ سے حار تحویل لے آتے ہیں یہ غایت اہتمام کی بات ہے، ہماری اس تشریح سے یہ بھی

معلوم ہو گیا کہ یہاں سند میں ملتی السنین ولید بن مسلم ہیں۔

قولہ - ان الصلوة كانت قمام لرسول الله صلى الله عليه وسلم فياخذ الناس مقامهم الخ اس حدیث سے مستفاد ہو رہا ہے کہ تسویۃ الصفوف اقامت کی وقت ہونا چاہئے، جو وقت اقامت شروع ہو اس وقت سب لوگ کھڑے ہو کر صفیں درست کریں۔ قبل ان یاخذ النبى صلى الله عليه وسلم قبل اسکے کہ حضور اپنی نماز پڑھنے کی جگہ پہنچیں، بظاہر آپ اپنے مقام پر بعد میں اسلئے پہنچے تھے کہ آپ تعدیل صفوں میں شمول ہوتے۔ تھے چنانچہ روایات میں آتا ہے کہ آپ لوگوں کو انکے شانے پکڑ کر آگے پیچھے درست فرماتے تھے، ہذا ما عندی واللہ تعالیٰ اعلم۔ اور یہ کہ اقامت تو آپ کے مسجد میں قدم رکھتے ہی شروع ہو جاتی تھی اور اسی وقت سب مقتدی کھڑے ہو کر اپنی اپنی جگہ درست ہو جاتے تھے حضور صلی اللہ علیہ وسلم کو اپنی جگہ پہنچنے میں کچھ دیر لگتی تھی۔

۳۔ قولہ سألت ثابثا البنانی عن الرجل يتكلم بعد ما تقام الصلوة الخ حاصل سوال یہ ہے کہ اقامت اور تکبیر تحریمہ کے درمیان فصل کی گنجائش ہے یا نہیں اس پر ثابث بنانی نے ایک واقعہ بیان کیا کہ ایک مرتبہ جبکہ اقامت ہو چکی تھی کوئی شخص حضور صلی اللہ علیہ وسلم کے سامنے آکھڑا ہوا اور کسی مسئلہ میں آپ سے دیر تک بات کرتا رہا۔

اسلئے یہ ہے کہ اقامت صلوۃ اور نماز شروع کرنے کے درمیان بلا حاجت و ضرورت کے فصل مکروہ ہے اگر بغیر وقت

ہو تو جائز ہے یہی مذہب حنفیہ کا ہے اور یہی جمہور کا، بعض شراح شافعیہ نے کہا ہے کہ یہ حدیث حنفیہ کے خلاف ہے ان کے یہاں اقامت کے فوراً بعد نماز شروع کرنا واجب ہے لیکن بذل میں لکھا ہے کہ یہ ہمارے بعض فقہاء کا قول ہے قول راجح نہیں، لہذا حدیث ہمارے خلاف نہیں، باقی یہ صحیح ہے جیسا کہ پہلے گذر چکا کہ طرفین کی رائے یہ ہے کہ قدامت الصلوۃ پر امام کو نماز شروع کر دینی چاہئے، اور جمہور یہ کہتے ہیں کہ اتنی جلدی کی ضرورت نہیں، بلکہ بعد الفراغ عن الاقامت۔

۴۔ قولہ قمنا الى الصلوة بمسئ والامام لم يخرج فقع بعضنا الخ

شرح حدیث | مضمون حدیث یہ ہے، کھٹس کہتے ہیں کہ ایک مرتبہ مسجد منیٰ میں ہم نماز کیلئے گئے تو ہم نماز کیلئے کھڑے ہو گئے حالانکہ امام صاحب ابھی تک مسجد میں نہیں آئے تھے تو جب ہم نے یہ دیکھا کہ ابھی امام صاحب نہیں آئے تو ہم بجائے اسکے کہ کھڑے ہو کر انتظار کریں بیٹھ گئے کھٹس کہتے ہیں کہ مجھ سے اہل کوفہ کے ایک شیخ نے کہا کہ تم کیوں بیٹھ گئے میں نے کہا کہ ابن بڑیدہ سے مجھے یہ بات پہنچی ہے کہ امام کا انتظار

کھڑے ہو کر کرنا سمود ہے۔ سمود کے معنی دراصل سینہ تان کر کھڑے ہونے کے ہیں۔ مروی ہے کہ ایک مرتبہ حضرت علیؓ کے زمانہ میں لوگ مسجد میں انکا انتظار کھڑے ہو کر کمر رہے تھے جب حضرت علیؓ تشریف لائے تو انہوں نے لوگوں کو اس طرح کھڑا دیکھ کر فرمایا مالی ادا کر سنا مدین، کھس کی بات سن کر شیخ اہل کوفہ نے انکار د کرتے ہوئے ایک حدیث سنائی جسکا مضمون یہ ہے۔

برابر بن عازبؓ فرماتے ہیں کہ بعض مرتبہ ہم حضور صلی اللہ علیہ وسلم کے زمانہ میں صفوں میں دیر تک کھڑے رہتے تھے امام کے تکبیر تحریمہ کے انتظار میں، شیخ اہل کوفہ کی یہ بات فضول سی ہے اس سے کھس کے قول کی تردید بالکل نہیں ہوتی اسلئے کہ گفتگو تو یہاں اسیں ہو رہی ہے کہ خروج امام سے قبل اسکا انتظار بیٹھ کر کیا جائے یا کھڑے ہو کر، اور ان شیخ کوئی نے جو حدیث پیش کی ہے اسیں گو دیر تک کھڑے ہونیکا ذکر ہے لیکن قبل خروج الامام نہیں بلکہ بعد خروج، جیسا کہ سیاق کلام سے معلوم ہو رہا ہے۔

۵۔ قوله اقيمت الصلوة ورسول الله صلى الله عليه وسلم يجي في جانب المسجد، یعنی ایک مرتبہ جبکہ نماز کیلئے اقامت ہو چکی تھی آپ مسجد کے ایک گوشہ میں کسی صاحب سے دیر تک سرگوشی فرماتے رہے حتیٰ کہ بعض لوگوں کو نیند بھی آنے لگی، معلوم ہوا کہ اقامت اور تحریمہ کے درمیان کسی خاص ضرورت کیوجہ سے خصوصاً جبکہ وہ دینی ضرورت ہو فصل کر سکتے ہیں، لیکن یہ الگ بات ہے کہ اگر فصل زائد ہو جائے تو مسئلہ یہ ہے کہ اقامت کا اعادہ ہونا چاہئے۔

۶۔ قوله اذا رآهم قليلا جلس، یعنی اقامت ہو جانیکے باوجود اگر آپ صلی اللہ علیہ وسلم یہ محسوس کرتے کہ ابھی تک سب نمازی نہیں پہنچے تو تھوڑی دیر بیٹھ کر ان کا انتظار کر لیتے، معلوم ہوا کہ حضورؐ کے زمانہ میں ن کی نماز نہیں ہوتی تھی جیسا کہ ہمارے حضرت شیخ فرمایا کرتے تھے۔

تکبیر جماعت مطلوب ہے | بلکہ نمازیوں پر مدار تھا، معلوم ہوا کہ تکبیر جماعت مطلوب ہے احناف جو صبح کی نماز میں اسفار کے قائل ہیں اسکی ایک وجہ یہ بھی ہے کہ غلغلہ میں تعلیل

جماعت ہے۔

بَابُ فِي التَّشْدِيدِ فِي تَرْكِ الْجَمَاعَةِ

جماعت کے سلسلہ میں بعض روایات تو ایسی ہیں جن سے اسکی بظاہر وجوب مستفاد ہوتا ہے اور بعض ایسی ہیں جو صرف اسکی فضیلت پر دال ہیں اور ان سے بظاہر عدم وجوب مستفاد ہوتا ہے، اسی اعتبار سے مصنفؒ نے جماعت کے بارے میں دو باب قائم کئے، پہلے باب میں نوع اول کی روایات لائے ہیں، اور

دوسرے باب میں دوسری قسم کی روایات۔

حکم جماعت میں مذاہب علماء | حکم جماعت میں مذاہب علماء مختلف ہیں، امام احمدؒ کے نزدیک فرض

میں ہے اور یہی مذہب ہے عطار اور اوزاعی کا، اور ظاہریہ کے نزدیک فرض ہونے کیساتھ شرط محبت صلوٰۃ ہے اور جہوز علماء اور انہم ثلاث کے نزدیک سنت ہو کہ وہ ہے، اور بعض شافعیہ و مالکیہ، اور حنفیہ میں سے امام طحاویؒ اور کرخیؒ کے نزدیک فرض کفایہ ہے، امام نوویؒ بھی یہی فرماتے ہیں المختار انہا فرض کفایہ، اور بعض فقہاء کی رائے یہ ہے کہ پورے شہر کے اعتبار سے فرض علی الکفایہ ہے اور ہر مسجد کے اعتبار سے سنت اور ہر شخص کے لحاظ سے مستحب۔

۱۔ قولہ مامن ثلاثۃ فی حقیرۃ ولا بدواہ | اگر کسی بستی یا جنگل میں تین شخص موجود ہوں اور وہ جماعت سے نماز ادا نہ کریں تو ان پر شیطان کا ظہر رہتا ہے، آگے روایت میں یہ ہے جماعت کو لازم پکڑو اسلئے کہ بھیڑ یا اس بکری کو کھاتا ہے جو اپنے ریلوڈ اور چرواہے سے دور ہو جاتی ہے، قال السائب یعنی بالجماعۃ الصلوٰۃ فی جماعۃ، سائب جو راوی حدیث میں وہ فرما رہے ہیں حدیث میں جماعت سے مراد جماعت کی نماز ہے، یہ تفسیر اسلئے کی کہ بعض مرتبہ جماعت سے اہل حق کی جماعت یا اعتبار عقائد کے مراد ہوتی ہے جو عقائد میں متفق ہوں، سائب کہہ رہے ہیں کہ یہاں حدیث میں وہ مراد نہیں۔

۲۔ لقد هَمَمْتُ ان اُحرم بالصلوٰۃ فقام ابو آپ صلی اللہ علیہ وسلم فرما رہے ہیں کہ میں کبھی ارادہ کرتا ہوں اس بات کا کہ نماز قائم کر نیکاح حکم دوں یعنی لوگوں سے کہوں کہ تم مسجد میں نماز شروع کر دو اور پھر چند لوگوں کیساتھ لکڑی کے گھرنے کر ان لوگوں کے گروں پر پہنچوں جو نماز کیلئے مسجد میں حاضر نہیں ہوتے اور پھر ان کو مع ان کے مال و متاع کے جلادوں، یہ ترک جماعت کے بارے میں بڑی سخت وعید ہے۔

حدیث سے جماعت کی فرضیت پر استدلال اور اس کا جواب | اس سے بعض علماء نے جماعت کی فرضیت پر استدلال کیا ہے کہ اتنی بڑی وعید صرف ترک سنت کی وجہ سے نہیں ہو سکتی، اور بعض علماء نے اسکو منافقین پر محمول کیا ہے اسلئے کہ آگے حدیث

میں آ رہا ہے کہ حضور صلی اللہ علیہ وسلم کے زمانہ میں جماعت کی نماز سے کوئی متخلف نہیں ہوتا تھا، بجز اس شخص کے جو منافق ہو، بین النفاق، بلکہ اس زمانہ کے لوگوں کا عام حال یہ تھا کہ اگر کوئی شخص کسی مرض وغیرہ کی وجہ سے خود مسجد جانے پر قادر نہ ہوتا تو دو آدمیوں کے سہارے سے مسجد پہنچتا تھا، لیکن بعض روایات سے معلوم ہوتا ہے کہ یہ وعید منافقین کیساتھ خاص نہیں، کیونکہ اس روایت میں یہ ہے کہ ان لوگوں کے گھروں کو آگ لگا دوں جو گھروں میں نماز پڑھ لیتے ہیں، ظاہر ہے کہ منافق گھر میں نماز کہاں پڑھتے ہیں وہ اگر نماز

پڑھیں گے تو مسجد ہی میں پڑھیں گے، لوگوں کو دکھانے کیلئے، اور ایک جواب یہ دیا گیا ہے کہ یہ زجر تو بیخ کے قبیل سے ہے اس سے ڈرانا مقصود ہے تعقیقت کلام مراد نہیں، اور بعض نے یہ کہا کہ خود ہی حدیث اس بات پر دال ہے کہ جماعت واجب نہیں اسلئے کہ اگر جماعت کی نماز واجب ہوتی تو آپ اسکو چھوڑ کر لوگوں کے گھروں پر کیوں پہنچتے، لیکن یہ بات ٹھیک نہیں ہے اسلئے کہ احکام کی تبلیغ اور اسکی تکمیل آپکا فرض منصبی ہے اور تیر آپ کا یہ جانا تکمیل امر جماعت کیلئے ہوتا ویسے بھی آپ نے ارادہ اس طور پر کیا کہ چند لوگوں کو اپنے ساتھ لیجائیں تو جب لوگ ساتھ ہوں گے تو بعد میں ان کیساتھ مل کر جماعت ہو سکتی ہے،

ایک جواب یہ بھی دیا گیا ہے کہ آپ نے صرف ارادہ ہی تو ظاہر فرمایا اس پر عملدرآمد تو نہیں فرمایا لیکن یہ بات کمزور سی ہے اسلئے کہ آپ اسی کام کا ارادہ کر سکتے ہیں جس پر عمل کرنا بھی جائز ہو۔

اسکے بعد جاننا چاہئے کہ شراح نے لکھا ہے کہ دو شخصوں کے علاوہ کسی مسلمان کے مال و متاع کی تحریق جائز نہیں بلکہ اسکے عدم جواز پر اتفاق ہے البتہ دو کے بارے میں اختلاف ہے، ایک وہ جو اس حدیث میں مذکور ہے یعنی متخلف عن الجماعة، دوسرے وہ جس کا ذکر کتاب الجہاد میں منانم کے ذیل میں آتا ہے یعنی غالی (مال فہیمت میں غلول کرنا والا) لیکن جمہور علماء کے نزدیک ان میں بھی تحریق متاع جائز نہیں البتہ امام احمدؒ تحریق متاع غالی کے قائل ہیں بندہ کہتا ہے متخلف عن الجماعة کے بارے میں تحریق متاع کے جواز کا کون قائل ہے؟ یہ میرے علم میں نہیں۔

۳۔ قولہ یا ابا عوف الجمعة حتی اوغیہا، یہ وعید شدید سنکر شاگرد نے استاذ سے سوال کیا کہ کیا جمعہ کی نماز مراد ہے؟ اس پر استاذ نے جواب دیا صمتنا اذنا حتی انما کر میرے کان بہرے پٹ ہو جائیں اگر میں نے اس حدیث میں مطلق نماز کا ذکر نہ سنا ہو یعنی میں نے مطلق نماز ہی کے بارے میں یہ وعید سنی ہے میرے استاذ نے جمعہ وغیرہ کی کوئی تخصیص نہیں کی تھی، میں کہتا ہوں لیکن مسلم شریف کی ایک روایت میں جمعہ کی قید ہے جسکے لفظ یہ ہیں انہ قال لقوم يتخلفون عن الجمعة امام نوویؒ اس کی شرح میں لکھتے ہیں کہ بعض روایات میں مشار کی نماز کا ذکر ہے اور بعض میں جمعہ کی نماز کا اور بعض روایات میں مطلق صلوٰۃ وارد ہے، فرماتے ہیں، وکثر حج لساننا فان ذلک

۴۔ قولہ حافظوا علیٰ ہولاء الصلوات الخمس حیث ینادی بہن، یعنی ان پانچوں نمازوں کو اہتمام کے ساتھ اس جگہ پڑھو جہاں ان کیلئے اذان کہی جاتی ہے اور ظاہر ہے کہ اذان مسجد ہی میں کہی جاتی ہے اس سے معلوم ہوا کہ مسجد کی جماعت کو خاص اہمیت حاصل ہے، آگے روایت میں یہ ہے کہ جماعت کی نماز سنسن ہدیٰ سے ہے، سنسن کی دو قسمیں ہیں، سنسن ہدیٰ، سنسن زوائد، جن چیزوں کا مددور آپ سے عادت کے طور پر ہوا ہو وہ

سنن زائد کہلاتی ہیں اور جو کام آپ نے عبادت کے طور پر کئے وہ سنن بدئی کہلاتے ہیں، انکو سنن بدئی اسلئے کہتے ہیں کہ ان کا ترک ضلالت و گمراہی ہے بخلاف قسم اول کے۔

ولو ترکتہ حسنۃ نبیکم و کفر قوی، یہ فرما رہے ہیں کہ اگر تم نمازیں مساجد کے بجائے گروں میں پڑھ لیا کرو گے تو تارک سنت بنو گے اور جب تارک سنت بنو گے تو کافر ہو جاؤ گے۔

حدیث محتاج تاویل ہے | یا تو یہ کہا جائے کہ کفر سے مراد مطلق ضلالت و گمراہی ہے جیسا کہ مسلم کی روایت میں ہے لصللتہ اور اگر کفر سے کفر ہی مراد لیا جائے تو مراد

یہ ہوگا کہ ترک سنت کے وبال میں آہستہ آہستہ دوسری سنتیں چھوٹی چلی جائیں گی اور پھر اسکی نحوست سے واجبات اور فرائض چھوٹتے چلے جائیں گے اور پھر آگے اسکا اندیشہ ہے کہ اسلام ہی سے کہیں خروج نہو جائے، حاصل اس تاویل کا یہ ہے کہ کفر سے کفر بال فعل مراد نہیں بلکہ بالقوہ جس کو مضی الی الکفر سے بھی تعبیر کرتے ہیں، صوفیہ کا مقولہ مشہور ہے من تہادون بالآداب غویب بجران السنن ومن تہادون بالسنن غویب بجران الواجبات ومن تہادون بالواجبات غویب بجران الفرائض ومن تہادون بالفرائض، اس سے آگے کیا ہے؟ وہ ظاہر ہے جو حدیث میں مذکور ہے

۵۔ قول عن ابن ام مکتوم انہ سأل النبی صلی اللہ علیہ وسلم ان ابن ام مکتوم نے آپ صلی اللہ علیہ وسلم کی خدمت میں عرض کیا کہ میں نابینا ہوں مگر مسجد سے فاصلہ پر ہے اور میرا جو قائد ہے رہا تم کچھ کر لے جائیو والا وہ میری پوری پوری موافقت نہیں کرتا، تو کیا میرے لئے اس بات کی رخصت و اجازت ہے کہ میں نماز اپنے گھر میں پڑھ لیا کروں، اس پر آپ نے فرمایا کہ کیا اذان کی آواز سنتے ہو انھوں نے عرض کیا ہاں آپ نے فرمایا پھر تمہارے لئے کوئی گنجائش نہیں۔

اعمالی کیلئے ترک جماعت کی اجازت | یہاں پر ایک اشکال ہے وہ یہ کہ عمی (نابینا ہونا) شرعاً عذر ہے لکن فی قولہ تعالیٰ لیس علی الاعشى حرَج، تو آپ نے انکا اجازت

کیوں مرحمت نہیں فرمائی، حالانکہ ایک دوسرے صحابی جن کا نام عتبان بن مالک ہے انھوں نے بھی آپ صلی اللہ علیہ وسلم سے اسی قسم کے اذار بیان کر کے اپنے گھر میں نماز پڑھنے کی اجازت طلب کی تھی جس پر آپ نے ان کو اجازت دیدی تھی جسکا قصہ صحیح مسلم ۲۳۳ میں مذکور ہے اسکے متعدد جواب دیئے گئے ہیں علیہ واقعہ آیت عذر کے نزول سے پہلے کا ہے ۲ واقعہ حالی لا عموم لہا، کے قبیل سے ہے یعنی یہ انھیں صحابی کیساتھ مخصوص ہے یا آپکی مراد نفی رخصت سے نفی جواز نہیں بلکہ مقصود احراز فضیلت کی نفی ہے، یعنی ان صحابی کا مقصود یہ تھا کہ اگر میں اپنے عذر کی وجہ سے مسجد کی جماعت ترک کر دوں تو چونکہ یہ ترک کرنا عذر کی بنا پر ہوگا تو کیا اس صورت میں بدون جماعت کے فضیلت جماعت حاصل ہوگی یا نہیں، آپ نے انکار فرمادیا، اس آخری جواب کو امام نوویؒ نے شرح مسلم میں

اختیار کیا ہے۔

نیز جانتا چاہئے کہ جماعت خواہ فرض قرار دیجائے کیا عند الحنا بلہ اور خواہ سنت مؤکدہ کیا عند الجمهور اس کا ترک بدون عذر کے کسی کے نزدیک جائز نہیں، علی القول الاول ترک پر معصیت لازم آئیگی جو عذر کی وجہ سے ساقط ہو جائیگی، اور علی القول الثانی عذر کی وجہ سے کراہت ساقط ہو جائیگی، لیکن جماعت کی فضیلت اور اس کا ثواب بہر کیف حاصل نہ ہوگا، نقلہ ابن رسلان عن النووی۔

خود ابن رسلان یہ لکھتے ہیں کہ اگر کوئی شخص ہمیشہ جماعت سے نماز پڑھنے کا عادی ہو اور پھر کسی عذر کی وجہ سے نہ پڑھ سکے تو اس وقت اس کو ثواب جماعت حاصل ہونا چاہئے واللہ تعالیٰ اعلم۔

الا عذار المسقطۃ للجماعۃ | نیز جانتا چاہئے کہ فقہار کرام نے ان اعدار کو جو مسقط جماعت میں شمار کرایا ہے منجملہ ان کے ایک غلطی بھی ہے۔ بدل میں لکھا ہے کہ اگر غلطی کیلئے کوئی قاعدہ نہ ہو تو یہ بالاتفاق عذر ہوگا، اور اگر اسکے لئے قاعدہ ہو تو اس صورت میں امام صاحب اور صاحبین کا اختلاف ہے، امام صاحب کے نزدیک اس صورت میں بھی عذر ہوگا اور صاحبین کے نزدیک نہیں۔

بَابُ فِي فَضْلِ مَمْلُوءَةِ الْجَمَاعَةِ

۱۔ قولہ ان ہاتین الصلوٰتین، واقعہ تو یہ صبح کی نماز کا ہے مگر آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے تثنیہ کا صیغہ استعمال فرمایا، اب اس میں دو احتمال ہیں، ایک یہ کہ اس سے مراد صبح اور عشاء کی نماز ہو اس لئے کہ یہی دونوں وقت ایسے ہیں جو نوم وغفلت کے ہیں، ایک ابتداء نوم کا وقت ہے اور ایک انتہاء نوم کا، اور یا یہ کہا جائے کہ صلوٰتین سے مراد صبح کی نماز کی دونوں رکعت ہیں، یا مملوءۃ فجر اور سنت فجر مراد ہے، اول احتمال زیادہ ظاہر ہے بلکہ صحیح کی ایک روایت میں عشاء اور فجر کی تصریح ہے، و تو تعلمون ما فیہما، سیاق کلام کا تقاضا یہ ہے کہ بجائے خطاب نے قاب کے صیغہ یعلمون، کیساتھ ہو، اب یا تو یہ کہا جائے کہ منافقین تو مراد ہیں ہی، کیونکہ کلام انہی کے بارے میں ہو رہا ہے، مؤمنین مخاطبین کو شامل کرنے کیلئے خطاب کا صیغہ لے آئے، اور یا یہ کہا جائے کہ اس عدول عن الغیبتۃ الی الخطاب میں اس بات کی طرف اشارہ ہے کہ منافقین سے اس چیز کی توقع کم ہے۔

۲۔ علامہ شامی نے بیس اعدار شمار کرائے ہیں اور ان سب کو نظم میں جمع کر دیا ہے اور حضرت شیخ نے اس منظم کو ماضی لامع میں نقل فرمایا ہے۔

دلو حبواً پکوں کی طرح ہاتھوں اور گھٹنوں کے بل چلنا، یا سرین گھیٹ گھیٹ کر چلنا جیسے بعض مرتبہ بچہ چلتا ہے، مگر یہاں یہ دوسرے معنی مراد نہیں اسلئے کہ آگے حدیث میں علی الزکب کی قید ہے، وان الصف الاول علی مثل صف الملائکۃ صف اول کی فضیلت اور مرتبہ کو بتایا جا رہا ہے کہ وہ ملائکہ کی صف کی طرح ہے جیسے ملائکہ کی صف آسمانوں میں عالی مرتبت ہے قرب رحمان کی وجہ سے، ایسے ہی انسانوں کی نماز کی صف اول ہے باعتبار قرب امام کے، وان صلوة الرجل مع الرجل اذکی من صلوة وحده، اذکی یعنی اکثر ثواباً یہ زکوٰۃ سے ماخوذ ہے بمعنی کثرت و زیادت، یعنی تنہا نماز پڑھنے سے اس نماز کا ثواب بہت زائد ہے جو صرف ایک آدمی کو شامل کر کے پڑھی جائے، اور ایک کیساتھ پڑھنے کے مقابلہ میں دو شخصوں کے ساتھ پڑھنے کا ثواب اس سے زائد ہے و لکنہ۔

غرضیکہ نمازیوں کی تعداد جتنی بڑھتی چلی جائیگی اتنا ہی ثواب اور افضلیت زائد ہوگی۔

کثرت جماعت پر، فضیلت کی زیادتی | جمہور علماء کی یہی رائے ہے کہ جماعت کی کثرت پر ثواب بڑھتا چلا جاتا ہے، لیکن علامہ شعرائیؒ نے اسیں مالکیہ کا اختلاف لکھا ہے کہ ان کے نزدیک منفرد کی نماز کے مقابلہ میں جماعت کی نماز کا جو ثواب وارد ہے وہ ہر حال میں ملے گا، جماعت کی کثرت و قلة کو اسیں کوئی دخل نہیں اسلئے کہ حدیث میں مطلق آیا ہے، «صلوة الرجل فی الجماعۃ تعدل فساد عشرین» اب خواہ وہ جماعت کثیر ہو یا قلیل، ابن رسلان نے ان کی طرف سے یہی لکھا ہے، لیکن حضرت شیخ غامشیہ بذل میں لکھتے ہیں کہ اس مسئلہ میں مالکیہ کا اختلاف جو شرح لکھ رہے ہیں یہ مجھے ان کی کتابوں میں نہیں ملا، بلکہ کتب مالکیہ میں تصریح ہے کثرت جماعت کے افضلیت کی۔

۲- فتوہ ومن صلی العشاء والفجر فی جماعۃ کان کقیام لیلۃ، یہی لفظ ترمذی کی روایت کے ہیں، یعنی جو شخص عشاء کی نماز جماعت سے پڑھے اسکو نصف لیل کے قیام و عبادت کا ثواب ملتا ہے، اور جو عشاء و فجر دونوں کو جماعت سے پڑھے اسکو پوری رات کے قیام کا ثواب ملتا ہے اس صورت میں دونوں نمازوں کا ثواب برابر ہوا، اور مسلم شریف کی روایت کے الفاظ اس سے ذرا مختلف ہیں، اسیں اس طرح ہے، من صلی العشاء فی جماعۃ کان کقیام نصف لیلۃ ومن صلی الفجر فی جماعۃ کان کقیام لیلۃ،

شرح حدیث میں دو قول | اسیں جملہ ثانیہ میں صرف فجر مذکور ہے جس میں دونوں احتمال ہیں عشاء اور فجر دونوں کا مجموعہ مراد ہو، دوسرا یہ کہ صرف فجر ہی کی نماز مراد ہو، اس دوسری صورت میں فجر کی نماز کا ثواب عشاء سے دو چند ہو جائیگا، لیکن ابو داؤد اور ترمذی کی روایت سے احتمال

اول کی تائید ہو رہی ہے لہذا یہی احتمال رائج ہوگا بلکہ مستین، لیکن امام ابن خریزہ کی رائے اسکے خلاف ہے انھوں نے دوسرے احتمال کو اختیار کیا ہے اسی لئے انھوں نے فجر کیلئے مستقل ترجمہ قائم کیا ہے۔

باب ماجاء فی فضل المشی الی الصلوة

۱۔ قوله الأبعد فالأبعد من المسجد اعظم اجراً، یعنی جس شخص کا گھر مسجد سے جتنا زائد بعید ہوگا اتنا ہی اسکا ثواب زائد ہوگا، اسلئے کہ آگے حدیث میں آرہا ہے، مسجد میں جا بنوالے کیلئے ہر قدم پر ایک درجہ بلند ہوتا ہے اور ایک خطا سحافت ہوتی ہے، اور ایک دوسری روایت جو مسلم و ترمذی وغیرہ میں ہے جس میں یہ ہے، الا ان لا یحضر علی ما یبعثوا اللہ بہ الخطایا و یرفع بہا الدہرجات، اور اس میں ہے و کثرة الخطا الی المساجد ان دونوں حدیثوں سے مشی الی الصلوة کی فضیلت معلوم ہو رہی ہے جیسا کہ مصنف نے ترجمہ قائم کیا ہے ایسے ہی ایک اور حدیث مشہور ہے کہ ایک مرتبہ قبیذ بنو سلمہ نے جو اطراف مدینہ میں رہتے تھے وہاں سے منتقل ہو کر مسجد نبوی کے قرب میں سکونت اختیار کرنے کا ارادہ کیا تو آپ نے فرمایا، لا تعتبون آثارکم، یہ لفظ تو بخاری کے ہیں اور مسلم کے لفظ یہ ہیں دیار کو نکلتے آثار کو، یعنی آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے منتقل ہونے سے منع فرمادیا اور مصالحت یہ بیان فرمائی کہ دور سے آنے میں وہ فضیلت ہے جو قرب کی صورت میں حاصل نہیں یعنی کثرة اقدام۔

کیا دار بعیدہ من المسجد افضل ہے دار قریبہ سے؟ لیکن اس سے یہ لازم نہیں آتا کہ دار بعیدہ من المسجد افضل ہو دار قریبہ سے اسلئے کہ یہ دو چیزیں الگ الگ ہیں، ہر قدم پر نیکی ملنا اور بات ہے اور مکان کا مسجد کے قریب ہونا یہ اس مکان کیلئے موجب شرف ہے چنانچہ ایک روایت میں ہے، شوم الدار بعدہ عن المسجد، اور ایسے ہی جمع الفوائد میں مسند احمد کی ایک روایت مرفوعہ نقل کی ہے، فضل الدار القریبۃ من المسجد علی الدار الشاسعۃ کفضل الغازی علی القاعد، اگرچہ یہ حدیث ضعیف ہے، حافظ ابن حجر بنو سلمہ والی حدیث کے ذیل میں لکھتے ہیں کہ اس سے سکنی بقرب المسجد کا

لے اور حضرت شیخ کے حاشیہ بذل میں ہے کہ اسکے بالمقابل ابن عبد البر نے بسندہ عن عثمان یہ حدیث مرفوعہ روایت کی ہے، صلوة الدار فی جماعة تعدل قیام لیلۃ وصلوة الفجر فی جماعة تعدل قیام نصف لیلۃ (ابن رسلان) لے امام بخاری نے اس پر باب باندھا ہے، احتساب الآثار،

استحباب معلوم ہو رہا ہے لیکن اگر کوئی دوسری مصلحت یا عارض ہو تو پھر امر آخر ہے، جیسے بنو سلمہ کے منتقل ہونے میں یہ مصلحت تھی کہ اطراف مدینہ آبادی سے خالی نہ ہو جائے اور مدینہ کی حفاظت رہے اسی لئے حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے ان کو مسجد کے قریب آنیکا مشورہ نہیں دیا، صحیح اور تحقیقی بات تو یہی ہے، لیکن بعض علماء جیسے ابن العباد وغیرہ بعض محدثین نے ان احادیث کی بنا پر یہ کہا ہے کہ دار بعیدہ افضل ہے دار قریبہ سے۔

۲۔ عن ابی بن کعب قال کان رجلٌ لا اعلم احداً من الناس ابعد منزلاً من ذلك الرجل مضنون حدیث یہ ہے حضرت ابی بن کعبؓ فرماتے ہیں کہ اہل مدینہ میں سے ایک شخص ایسے تھے کہ ان کا مکان مسجد نبوی سے جتنے فاصلہ پر تھا میرے علم میں اس سے زائد کسی کا نہ تھا، وہ اپنے گھر سے مسجد تک ہر روز پیدل آتے تھے لیکن اسکے باوجود ان کی کوئی نماز جماعت سے نہیں فوت ہوتی تھی (مجھے ان کے اس حال پر ترس آیا) تو میں نے ان سے کہا کہ اگر آپ ایک حمار خرید لیں جس پر سوار ہو کر اپنے گھر سے مسجد تک آجایا کریں تو انھوں نے میری بات سن کر یہ کہا ما احب ان منزلی الی جنب المسجد، کہ مجھے یہ بات پسند نہیں کہ میرا مکان مسجد کے برابر میں ہو، ان صحابی کا تو مطلب یہ تھا کہ مجھے یہی پسند ہے کہ میں نماز کیلئے دور سے چل کر آؤں، مگر ظاہر الفاظ انکے موہم تھے اسکو کہ وہ مسجد نبوی کا قرب نہیں چاہتے، فحی الحدیث الی رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم چنانچہ ان کی یہ بات حضور تک پہنچ گئی اس پر آپ نے ان صحابی کو بلا کر دریافت کیا کہ تم نے یہ بات کیسے کہی، اس پر انھوں نے عرض کیا، اردت یا رسول اللہ ان یکتب لی اقبالی الی المسجد ورجوعی الی اہلی، یا رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم میں یہ چاہتا ہوں کہ میرے یہ اقدام گھر سے مسجد تک اور پھر واپسی میں مسجد سے گھر تک لکھے جائیں، اس پر آپ بہت خوش ہوئے اور فرمایا اللہ تعالیٰ تجھ کو تیری نیت اور امید کے موافق پورا پورا اجر و ثواب عطا فرمائے۔

حدیث الباب میں ایک نئی بات

ان صحابی کے کلام سے معلوم ہوتا ہے کہ ان کے ذہن بلکہ نیت میں یہ تھا کہ ان کو مسجد جانے اور وہاں سے گھر کی طرف لوٹنے دونوں کا ثواب ہر قدم پر ملے، آپ نے ان کیلئے دعار فرمائی کہ اللہ تم کو تمہاری نیت کے مطابق پورا پورا اجر عطا فرمائے لہذا ان صحابی کے حق میں تو یہ متعین ہے کہ انشاء اللہ انکو مسجد آنے اور جانے دونوں کا ثواب ملے گا، لیکن اس سلسلہ کی احادیث سے مراد صرف مسجد جانی کا ثواب معلوم ہوتا ہے واپسی کا نہیں۔

بخاری کے ایک ترجمہ الباب کی توجیہ | حضرت شیخؒ نے ایک خاص بات فرمائی وہ یہ کہ امام بخاریؒ نے بھی اپنے ایک ترجمہ الباب سے ابو داؤد کی اس حدیث

کیطرف اشارہ فرمایا ہے وہ اس طور پر کہ امام بخاریؒ نے ایک ترجمہ قائم کیا، "باب من خرج الى المسجد وراح" حالانکہ اس باب کے ذیل میں جو وہ حدیث لائے ہیں اس میں لفظ خرج نہیں بلکہ اس طرح ہے، "من غدا الى المسجد اور اراح" تو یہاں یہ سوال ہوتا ہے کہ امام بخاریؒ نے ترجمہ الباب کے لفظ کیوں بدل دیئے، اس پر حافظؒ فرماتے ہیں امام بخاریؒ نے اشارہ کیا اس بات کیطرف کہ حدیث میں لفظ غدا سے مراد مطلق ذہاب اور خروج ہے (صبح میں جانا مراد نہیں) اور اراح سے مراد رجوع ہے، لہذا امام بخاریؒ کے ترجمہ میں مسجد کیطرف جانا اور مسجد سے واپسی دونوں مراد ہیں۔

اس پر حضرت شیخؒ نے فرمایا کہ گویا امام بخاریؒ نے ترجمہ الباب سے ابو داؤد کی اس حدیث ابی بن کعب کیطرف اشارہ فرمایا جس میں آنا اور جانا دونوں مذکور ہیں واللہ تعالیٰ اعلم۔

۳۔ من خرج من بیتہ متطہراً الى صلوٰۃ مکتوبۃ فاجزہ کاجز الحاج الحجیم، جو شخص اپنے گھر سے وضو کر کے فرض نماز کیلئے مسجد جائے تو اسکا ثواب اس شخص کے ثواب کے برابر ہے جو گھر سے احرام باندھ کر حج کیلئے جائے، احرام متہجج کیلئے ایسے ہی شرط ہے جیسے طہارت نماز کیلئے، تقابل کا تقاضا یہ ہے کہ محرم سے مراد محرم من ذویۃ ابلہ ہو۔

ذکر مایستفاد من الحدیث | اس حدیث سے دو باتیں معلوم ہوتیں، ایک یہ کہ گھر سے با وضو ہو کر نماز کیلئے جانا موجب فضیلت ہے، دوسری بات یہ معلوم ہوئی

کہ تقدیم الاحرام افضل ہے میقات پر احرام باندھنے سے، یہ دوسرا مسئلہ مختلف فیہ ہے، ظاہر یہ ہے کہ نزدیک تقدیم الاحرام علی المواقیات جائز ہی نہیں، اور ان کے بعد کے نزدیک جائز ہے، لیکن افضلیت میں اختلاف ہے حنفیہ شافعیہ کے نزدیک تقدیم افضل ہے، اور مالکیہ وحنابلہ کے نزدیک میقات ہی سے احرام باندھنا افضل ہے اسلئے کہ حضورؐ نے ہمیشہ میقات ہی سے احرام باندھا ہے، دوسرا فریق یہ کہتا ہے کہ آپؐ کا یہ فعل تسبیلاً للامۃ تھا، ویسے امام شافعیؒ کے اس میں دو قول ہیں ترجیح میں اختلاف ہے، رافعی نے تقدیم کے قول کو ترجیح دی ہے، اور امام نوویؒ نے عدم تقدیم کے قول کو، آگے حدیث میں صلوٰۃ الفحی کی فضیلت مذکور ہے اور یہ کہ اسکا ثواب عمرہ کے برابر ہے، صلوٰۃ الفحی زائد سے زائد سنت ہے لہذا کہہ سکتے ہیں کہ اس حدیث میں اشارہ ہے عمرہ کے سنت ہونے کی طرف، مسئلہ اختلافی ہے، امام شافعیؒ و احمدؒ کے نزدیک عمرہ واجب ہے اور امام مالکؒ کے نزدیک سنت، حنفیہ کے اس میں دونوں قول ہیں وجوب اور سنیت،

وصلوۃ علی اثر صلوٰۃ لا تغویٰ بینہما کتاب فی علیین، ایک نماز کے بعد دوسری نماز اس طرح کہ ان دونوں کے درمیان کوئی لغو حرکت قول یا فعل واقع نہ ہو، اللہ کے یہاں مقبول ہے علیین میں لکھی جاتی ہے

شرح حیشہ

علیین سے مراد اعمال خیر کا دفتر جس میں ابراہار و صلحہ کے اعمال لکھے جاتے ہیں، صاحب مہل کے کلام سے معلوم ہوتا ہے کہ مکتوب فی علیین ہونا دوسری نماز کے بارے میں کہا جا رہا ہے یعنی جس نماز میں یہ دو صفتیں پائی جائیں گی، اول یہ کہ وہ علی اثر الصلوۃ ہو، ثانی یہ کہ درمیان میں کوئی لغو کام نہ کیا ہو، لیکن میں کہتا ہوں کہ یہ دونوں نمازوں کے بارے میں کہا جا رہا ہے، کہ جو شخص دو نمازیں اس طور پر پڑھے کہ ان کے درمیان کوئی لغو حرکت نہ کرے تو یہ دونوں نمازیں اللہ کے یہاں مقبول ہیں۔

اس سے معلوم ہوا کہ عمل صالح کے بعد اور اس سے قبل بھی لغو حرکت اور معصیت سے احتراز اس عمل صالح کے حق میں باعث قبول اور موجب حفاظت ہے۔

۴۔ صلوۃ التجل فی جماعۃ تزیید علی صلاۃ فی بیتہ وصلاتہ فی سوقہ الخ اس حدیث میں جماعت کی نماز کی فضیلت بیان کی گئی ہے منفرد کی نماز پر، کہ جو نماز گھر میں یا بازار میں پڑھی جائے، جماعت کی نماز اس سے پچیس گنا ثواب رکھتی ہے، صلوۃ فی السوق کی تفسیر میں اختلاف ہو رہا ہے، اکثر شراح کی رائے یہ ہے کہ اس سے وہ نماز مراد ہے جو بازار میں منفرداً پڑھی جائے، اور ابن التین جو مشہور شراح میں سے ہیں وہ کہتے ہیں کہ اس سے بازار کی جماعت والی نماز مراد ہے لان السوق مأوی الشیاطین کما جاء فی الحدیث لیکن امام نووی نے اسکو رد کیا ہے۔

فائدہ ۵۔ جماعت کی فضیلت مسجد کیساتھ خاص ہے یا عام ہے دلوصلیٰ فی بیتہ؟ حضرت شیخ نے حاشیہ بذل میں لکھا ہے کہ کبیری شرح منیہ میں ہے کہ اگر فرض نماز جماعت کیساتھ گھر میں پڑھے تو جماعت کا ثواب تو حاصل ہو جائیگا لیکن مسجد کی فضیلت حاصل نہوگی، اور در مختار و طحاوی علی المراتبی میں ہے کہ جماعت سنت مؤکدہ ہے اور آگے چل کر لکھتے ہیں فی مسجد او فی غیرہ (جس سے بظاہر معلوم ہو رہا ہے کہ خارج مسجد جماعت کرنے سے سنت ادا ہو جاتی ہے) لیکن حافظ ابن حجر کا میلان فتح الباری میں اس طرف ہے کہ تنصیف مذکور فی الحدیث مسجد کیساتھ خاص ہے۔

قولہ وذلك بان احدكم اذا توضأ فاحسن الوضوء واتى المسجد الا یعنی یہ ثواب مذکور اسلئے ملتا ہے کہ جب تم سے کوئی شخص وضوء کرتا ہے اور اچھی طرح وضوء کرتا ہے اور وضوء کرنے کے بعد پھر مسجد پہنچتا ہے حال یہ کہ اسکا ارادہ سوائے نماز کے اور کچھ نہیں ہے، ولا ینہزہ الا الصلوۃ، اور اسکو صرف نماز نے کھڑا کیا ہے تو ایسا شخص جو بھی قدم اٹھاتا ہے مسجد کی طرف تو اس کے ذریعہ اسکا ایک درجہ بلند کیا جاتا ہے اور ایک خطا معاف کی جاتی ہے۔

لہ بعض روایات میں لفظ قبول ہے جسکے معنی برابر کے ہیں اور بعض میں تزیید و تضاعف وارد ہے بعض شراح نے تو سب کو ایک ہی معنی پر محمول کیا ہے اور بعض نے

تضاعف کے معنی یہ لکھے ہیں کہ جماعت کی نماز کا ثواب پچیس مرتبہ تک المضاعف یعنی دو گنا ہوتا چلا جاتا ہے اس روایت میں ایک نماز کا ثواب تین کروڑ ۳۵ لاکھ ۵۴ ہزار ۲۲۲ ہو گیا ہے

شرح حدیث میں دو قول

جاننا چاہئے کہ اس حدیث میں جماعت کی نماز کے بارے میں دو چیزیں مذکور ہیں، ایک شروع حدیث میں یعنی پچیس گنا ثواب ملنا، اور ایک آخر حدیث میں یعنی ہر قدم پر درجہ بلند ہونا اور خطا کا معاف ہونا، بعض شراح بخاری جنہیں علامہ کرمانی بھی ہیں اور ایسے ہی حضرت گنگوہی، انکی رائے یہ ہے کہ یہ جو آخر حدیث میں قیود ذکر کی گئی ہیں، گھر سے وضو کر کے چلنا وغیرہ وغیرہ اسکا تعلق اس ثواب سے ہے جو آخر حدیث میں مذکور ہے، اور وہ ثواب جو اول حدیث میں مذکور ہے وہ مطلق ہے ان قیود کا اس سے کوئی تعلق نہیں، لہذا ان حضرات کے نزدیک وذلک بات میں حرف بار الصاق کیلئے سبب نہیں، اور اسکے بالمقابل بعض شراح کی رائے یہ ہے کہ یہ بار سبب ہے اور اسکا تعلق ماقبل سے ہے اور مطلب یہ ہے کہ اول حدیث میں جو ثواب مذکور ہے وہ ان قیود کیساتھ متعید ہے لہذا اگر یہ قیود پائی جائیں گی تب تو تفضیف مذکور حاصل ہوگی ورنہ نہیں، میرے خیال میں پہلا قول زیادہ صحیح ہے اور ان قیود کا تعلق صرف اس ثواب سے ہے جو آخر حدیث میں ذکر کیا گیا ہے اسلئے کہ اکثر احادیث میں پچیس گنا ثواب کیساتھ یہ قیود مذکور نہیں۔

ثواب جماعت کے بارے میں اختلاف روایات

اسکے بعد جاننا چاہئے کہ ثواب جماعت کے بارے میں روایات دو قسم کی ہیں اکثر روایات میں پچیس وعشرین درجہ مذکور ہے اور حدیث ابن عمر جس کو بخاری نے روایت کیا ہے اس میں سبع وعشرین درجہ مذکور ہے، جمع بین الروایتین مختلف طور پر کی گئی ہے مگر ذکر القلیل لا ینفی الکثیر، یا یہ کہئے مفہوم العدد غیر معتبر چونکہ اللہ تعالیٰ کا انعام اور فضل اس امت پر روز افزوں ہے اسلئے آپ کو شروع میں پچیس کا علم دیا گیا تو آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے اسکی خبر دی، اور بعد میں آپ کو ستائیس کا علم ہوا تو آپ نے امت کو اسکی اطلاع دی مگر یہ اجر میں کمی و زیادتی اختلاف احوال مصلین یا صلوات کے اختلاف پر محمول ہے، یعنی بعض مصلین کے حق میں پچیس اور بعض کے حق میں ستائیس درجہ ثواب ہے خشوع و خضوع کی کمی و زیادتی کیوجہ سے، یا نمازوں کے اختلاف کیوجہ سے، یعنی بعض نمازوں میں جیسے عصر اور فجر یا عشاء اور فجر یا جہری نمازوں میں ستائیس درجہ ثواب ہے اور باقی میں پچیس درجہ، یہ تین جواب امام نووی نے ذکر فرمائے ہیں اور حافظ ابن حجر نے تقریباً دس وجوہ جمع بیان کی ہیں منجملہ ان کے یہ ہے کہ یہ اختلاف قرب مسجد و بعد مسجد کیوجہ سے ہے، یا مسجد اور خارج مسجد کیوجہ سے، اور یا اس فرق کو محمول کیا جائے منتظر صلوٰۃ اور غیر منتظر صلوٰۃ پر، یا مسبوق و مدبر پر، یا کثرت جماعت اور قلت جماعت پر، اور راجع عند الحافظ یہ ہے کہ اس فرق کو محمول کیا جائے جہریہ اور ہنریہ پر۔

۵۔ قوله فاذا صلاها في فلاة كأتوركوعها وسجودها بلغت خمسين صلوة، مضمون حديث یہ ہے کہ جماعت کی ایک نماز پچیس نمازوں کے برابر ہے

مضمون حیشد اور جو شخص نماز کو جنگل میں پڑھے اچھی طرح رکوع و سجود کر کے تو اس کا ثواب پچاس نمازوں کے برابر ہے، اس جزر ثانی یعنی صلاة فی الفلاة میں دونوں احتمال ہیں، منفرداً

پڑھنا یا جماعۃً۔ بعض شراح اس طرف گئے ہیں اور بعض اس طرف، حضرت سہارنپوریؒ کا میلان منفرداً پڑھنے کی طرف ہے۔ کہ جو شخص جنگل میں جو کہ خوف و دہشت کی جگہ ہوتی ہے۔ تنہائی میں فریضہ صلوة کو اتمام رکوع و سجود کیساتھ اہتمام سے پڑھے گا اسکو پچاس نمازوں کا ثواب ملے گا، گویا جنگل کی یہ نماز جماعت کی نماز سے بھی زائد بڑھ گئی، قال ابو داؤد..... صلوة الرجل فی الفلاة تضاعف علی صلوتہ فی الجماعة اس میں اشارہ ہے اس بات کی طرف کہ صلوة فی فلاة سے مراد منفرداً پڑھنا ہے، تقابل کا تقاضا یہی ہے۔

قوله بشر المشائین فی الظلماء ظلتم اور تارکیوں میں مسجد کی طرف کثرت سے چلنے والوں کو بروزی قیامت نور کامل کی بشارت دیجئے، اعمال کا بدلہ اللہ تعالیٰ کی طرف سے ان اعمال ہی کے مناسب ہوتا ہے، چنانچہ اندھیرے میں مسجد کی طرف جانے والوں کو بدلہ روشنی کیساتھ دیا گیا۔

باب مَا جَاءَ فِي الْهَدْيِ فِي الْمَشْيِ إِلَى الصَّلَاةِ

مسجد کی طرف نماز کیلئے جانا چونکہ عبادت ہے اسلئے وہ بھی ایک خاص انداز سے ہونا چاہئے سکون و قار کیا ساتھ کسی ایسی بیست کو اس وقت میں اختیار کرنا جو غفلت اور بے توجہی پر دلالت کرے مناسب نہیں مثلاً نماز کو جاتے وقت تشبیک کرنا، ایک ہاتھ کی انگلیوں کو دوسرے ہاتھ کی انگلیوں میں داخل کرنا، یہ ایک فضول اور لغو حرکت ہے اسی لئے حدیث میں اس سے منع کیا گیا ہے۔

۱۔ قوله شوخرج عامداً الى المسجد فلا يُشَبِّكُ يَدَيْهِ۔

حکم تشبیک میں اختلاف حکم تشبیک میں اختلاف ہے۔ بعض صحابہ اور تابعین جیسے ابن عمرؓ اور سالم ان کے نزدیک مطلقاً جائز ہے حتیٰ کہ نماز کی حالت میں بھی، اور امام مالکؒ و ابراہیمؒ غنئیؒ کے نزدیک کراہت خاص ہے نماز کی حالت کیساتھ، اور جہور علماء ائمہ ثلاث کے نزدیک کراہت صلوة کیساتھ مختص نہیں، بلکہ من یشی الی الصلوة اور اسی طرح منتظر صلوة، ان سب کے حق میں مکروہ ہے، البتہ کراہت کے درجات متفاوت ہیں، خاص حالت صلوة میں کراہت شدید ہوگی، اور جو شخص

مسجد میں بیٹھا منتظر صلوٰۃ ہے اسکے حق میں کراہت اس سے کم ہوگی، اور جو نماز کیلئے مسجد جا رہا ہے اسکے حق میں کراہت اور زیادہ کم ہوگی۔

ادلاً تو تشبیک فعل عبث ہے اور نمازی کو فعل عبث سے بچنا ہی چاہئے، دوسرے علما نے یہ بھی لکھا ہے کہ یہ تشبیک کی کیفیت اختلاف و مناقشہ کو مشعر ہے۔

۲- قوله فليقترب احدكم وليتعد يا تو قدموں کے بارے میں کہا جا رہا ہے کہ تمہیں اختیار ہے خواہ قریب قریب رکھو یا دور دور، ظاہر ہے کہ قریب قریب رکھنے کی صورت میں قدم چھوٹے ہوں گے اور تعداد میں زائد، اور دور دور رکھنے کی صورت میں ان کی تعداد میں کمی آئیگی جس سے ثواب میں بھی نقصان ہوگا تو گویا تقریب اقدام کی ترغیب دینا مقصود ہے تخیر مقصود نہیں، اور دوسرا مطلب اس حدیث کا یہ بھی ہو سکتا ہے کہ اشارہ ہے دار قریبہ اور دار بعیدہ کی طرف کہ چاہے وہ اختیار کر دیا ہے وہ، دار قریبہ و بعیدہ کے انفضلیت کی بحث ابھی قریب میں گذر چکی ہے۔

قوله فان اتى المسجد وقد صلوا لا حاصل حدیث یہ ہے کہ جو شخص گھر سے اہتمام کیساتھ باد ضرور ہو کر نماز کیلئے مسجد کی طرف چلے تو ہر دائیں قدم پر ایک نیکی اور بائیں قدم پر ایک گناہ کی معافی ہوتی رہتی ہے پھر مسجد پہنچ کر اگر جماعت سے نماز ادا کرے تو اسکی مغفرت ہو جاتی ہے اور اگر پوری نماز جماعت سے نہیں ملے بلکہ سبوت ہو گیا یا ساری ہی بغیر جماعت کے پڑھی تب بھی یہی اجر ملے گا، بظاہر یہ اس صورت میں ہے جو حدیث میں مذکور ہے کہ آدمی گھر سے اہتمام کیساتھ باد ضرور ہو کر صرف نماز کے ارادہ سے مسجد کی طرف جائے، اور اتفاق سے نماز ہو چکی ہو، واللہ تعالیٰ اعلم۔

جب حدیث میں آگیا کہ اس صورت میں اللہ تعالیٰ جماعت کا ثواب عطا فرماتے ہیں تو پھر اس میں تا مل اور شک نہیں ہونا چاہئے علامہ سند دی نے بھی حاشیہ نسائی میں یہ بات لکھی ہے اور یہ کہ جو اسکے خلاف کہے وہ معتبر نہیں۔ آگے مستقل باب میں بھی یہی مضمون آ رہا ہے۔

بَاب مَا جَاءَ فِي خُرُوجِ النِّسَاءِ إِلَى الْمَسْجِدِ

۱- قوله ولكن ليخرجن وهن تغلات، یعنی عورتیں نماز کیلئے مسجد میں جاسکتی ہیں، لیکن انکو چاہئے کہ اس حال میں جائیں کہ سیلی کچلی ہوں صاف ستھری حالت میں نہ جائیں، آپ صلی اللہ علیہ وسلم کے زمانہ میں عورتیں نماز کیلئے مسجد میں جاتی تھیں آپ کی طرف سے اجازت تھی، لیکن وہ خیر کا زمانہ تھا بعد میں فقہاء

نے اسکو چند تیود کیساتھ مقید کیا ہے، بشرط عدم الاختلاط بین الرجال والنساء، عدم التزین: عدم التطیب عدم خوف الفتنہ (لڑوی) خود حضرت عائشہؓ فرماتی ہیں جیسا کہ آگے متن میں آ رہا ہے کہ اگر حضور صلی اللہ علیہ وسلم عورتوں کی موجودہ حالت کو دیکھتے تو انکو مسجد میں جانے سے منع کر دیتے۔

مسئلہ الباب میں مذاہربائئمہ | بہر حال ائمہ ثلاثہ کے نزدیک اب مسئلہ یہ ہے کہ ان کے نزدیک جواز خروج عجمائز کیساتھ خاص ہے شائبہ کے حق میں مکروہ ہے

اور خابلہ کے نزدیک زیادہ اعتبار خوبرو اور بدرو کا ہے، چنانچہ ان کے نزدیک جمیلہ کا خروج نہ ساز کیئے مکروہ اور غیر جمیلہ کا جائز ہے، پھر عجز کیئے جواز صاحبین کے نزدیک تو تمام نمازوں میں ہے اور امام صاحب کے نزدیک صرف دن کی نمازوں میں ظہر اور عصر اور صلوات لیلیہ میں عجز کیئے بھی اجازت نہیں۔ **قولہ** ویستہن خیر لہن، یعنی گوان کیئے مسجد میں جانے کی گنجائش ہے لیکن مشورہ ہمارا یہ ہے کہ ان کیئے گھر میں ہی پڑھنا بہتر ہے۔

قولہ فقال ابن لہ، ان کا نام بلال ہے یا داقد، جیسا کہ مسلم شریف کی روایت میں ہے فیقخذہ دغلاً، وہ اسکو ذریعہ فساد بنا کیئے بیٹے کے کلام میں چونکہ سورۃ حدیث کا معارضہ پایا گیا تھا اسلئے حضرت ابن عمرؓ ان سے اس قدر ناراض ہوئے، مسند احمد کی روایت میں ہے فما کلمہ عبد اللہ حتی مات، دَعَلَ اس گنجان درخت کو کہتے ہیں جس میں چور، ڈاکو وغیرہ چھپکے بیٹھ جاتے ہیں۔

قولہ صلوۃ المرأة فی بیتہا افضل از عورت کا نماز پڑھنا مکروہ کے اندر بہتر ہے صحنِ مکرمہ میں پڑھنے سے، اور کوٹھڑی میں پڑھنا بہتر ہے بڑے مکرمہ میں پڑھنے سے، محمد ع. بڑے مکرمہ کے اندر جو مختصر سا مکرمہ ہوتا ہے جس میں گھر کی قیمتی اشیاء و سامان رکھتے ہیں۔

بَابُ السَّعْيِ إِلَى الصَّلَاةِ

اذا اُخِيت الصَّلَاةُ فَلَا تَأْتُوَهَا تَسْعَوْنَ اِذَا جَبَ نَمَازُ کُھری ہو جائے تو تم اسکی طرف دوڑ کر مت آؤ، بلکہ سکون و وقار کیساتھ آؤ، اسکی وجہ دوسری حدیث میں یہ بیان کی ہے کہ نماز کی طرف چلنے والا حکم میں نماز کے ہے، لہذا بھاگنا فضول ہے، نیز احترام مسجد کے بھی خلاف ہے، اس حدیث میں سعی کی ممانعت ہے، سعی کے معنی عمل اور کوشش کے بھی آتے ہیں جیسے فاسعوا الی ذکر اللہ و ذروا البیع، وان لیس للانسان الا ما سعی، یہ معنی یہاں مراد نہیں، سعی کے معنی دوڑنے کے بھی آتے ہیں، وحباء دجل من

افقی المدینۃ یسعی اسی کی نفی یہاں مقصود ہے اگر جماعت کھڑی ہو گئی تو کیا کرے، اس میں تین قول ہیں جنکو امام ترمذی نے بیان کیا ہے عا یرو لد وڈرنا چاہئے، لیکن یہ قول حدیث کے خلاف ہے عا یسرع الشی، تیز رفتار چلے وقار کی رعایت رکھتے ہوئے عا بغیر اسرار کے اطمینان سے اپنی معمولی چال چلے، اس میں راجح دوسرا قول ہے جس میں جانبین کی رعایت ہے۔

ما در کتھر فصولو و ما فاکتھر فاستموا، جتنی نماز امام کیساتھ چلے اسکو امام کیساتھ پڑھ لو اور جو حصہ نماز کا فوت ہو جائے اسکو بعد میں پورا کر لو۔

قال ابوداؤد کذا قال الزبیدی الزہری سے روایت کر نیوالے متعدد ہیں اکثر نے فایتموا کہا اور ابن عیینہ نے فاقضوا کہا، یہ بظاہر تو صرف لفظی اختلاف ہے لیکن فی الواقع ایک اہم فقہی اختلاف اس پر متفرع ہے وہ یہ کہ مسبق جو نماز امام کیساتھ پڑھتا ہے وہ اسکی اول صلوٰۃ ہے یا آخر صلوٰۃ یعنی امام کی تو ظاہر ہے آخر صلوٰۃ ہے اب اس کے تابع ہونے کی حیثیت سے مسبق کی بھی آخر صلوٰۃ ہے یا اس کی

مسبق امام کیساتھ اول صلوٰۃ کو پاتا ہے یا آخر صلوٰۃ کو

اول صلوٰۃ ہے۔

امام شافعی و احمد کے نزدیک مسبق کی وہ اول صلوٰۃ ہے، امام ابو حنیفہ و ابو یوسف کے نزدیک آخر صلوٰۃ ہے، ثمرہ اختلاف یہ ہو گا کہ اگر کسی شخص کو امام کیساتھ چار میں سے دو رکعت ملی ہیں تو شافعی و احمد کے نزدیک یہ شخص امام کے فارغ ہونے کے بعد جو دو رکعت پڑھے گا اس میں صرف سورۃ فاتحہ پڑھے گا کیونکہ اسکا یہ شفعہ اخیر ہے جس میں سورۃ نہیں ہوتا، اور شیعین (ابو حنیفہ و ابو یوسف) کے نزدیک ان دونوں رکعت میں قراءۃ کاملہ یعنی فاتحہ مع ضم سورۃ کریگا کیونکہ یہ اسکا شفعہ اولیٰ ہے۔

امام شافعی کا استدلال فاستموا سے ہے، اتمام کا تعلق مابقی سے ہوتا ہے یا یہ کہنے کہ اتمام شئی کا اسکے آخر سے ہوتا ہے، معلوم ہوا اس شخص کی نماز کا اخیر حصہ رہ گیا ہے اور شیعین کا استدلال فاقضوا سے ہے قضا کا تعلق ماسبق و ماضی سے ہوتا ہے، معلوم ہوا کہ اسکی نماز کا شروع کا حصہ رہ گیا ہے، آخری حصہ نماز کا تو وہ امام کیساتھ پڑھ چکا امام کے فارغ ہونے کے بعد اب وہ اپنی شروع کی نماز پڑھے گا، اور شفعہ اولیٰ میں قراءت مکمل ہوتی ہے، تیسرا قول یہاں امام مالک و امام محمد کا ہے وہ فرماتے ہیں افعال میں اتمام ہو گا اور قراءت میں قضا، اب اسکے لئے ایک مثال ایسی ہونی چاہئے، جس میں تینوں مذاہب سامنے آجائیں وہ یہ ہے کہ ایک شخص کو امام کیساتھ صرف ایک رکعت (جو تہی) ملی، اب یہ شخص امام کے فارغ ہونے کے بعد شافعیہ و حنابلہ کے نزدیک ایک رکعت پڑھ کر تشہد کے لئے قعدہ کرے گا اور صرف اسی رکعت میں قراءت پوری کریگا

اس شخص کا پہلا شفعہ پورا ہو گیا، اب یہ شخص باقی دو رکعات میں صرف فاتحہ پڑھے گا، اور شیخین کے نزدیک یہ شخص مسلسل دو رکعت پڑھ کر بیٹھے گا اور دونوں میں قرات کا ملہ کرے گا، اور امام مالک و محمد کے نزدیک اتمام والوں کی طرح ایک رکعت پڑھ کر بیٹھ جائیگا جس میں قرات پوری ہوگی اور اسکے بعد والی رکعت میں بھی قرات کا ملہ کرے گا جس طرح شیخین کے نزدیک کرتا ہے۔

ہمارا عمل اسی قول پر ہے مفتی بہ قول یہی ہے، یہ اختلافات و مذاہب بذل الجہود میں علامہ عینی کے حوالہ سے اسی طرح ذکر کئے ہیں، لیکن ابن قدامہ نے مفتی میں جو مذاہب ذکر کئے ہیں وہ اس سے ذرا مختلف ہیں (افادہ الشیخ فی الادجز)

باب فی الجمع فی المسجد مرتین

یہ باب تکرار جماعت فی المسجد کے بارے میں ہے۔

جماعت ثانیہ فی المسجد میں اختلاف علماء

مسئلہ مختلف فیہ ہے، امام احمد اسحق بن راہویہ کے نزدیک جائز ہے، جہور علماء اور ائمہ ثلاثہ باقیہ کے نزدیک مکروہ ہے، رذکرہ الشرحانی فی المیزان و مثله فی السنن (امام ترمذی نے بھی، امام احمد اسحق کا مذہب جواز اور امام شافعی و مالک کا مسلک عدم تکرار جماعت لکھا ہے، لیکن یہ کراہت مسجد محلہ میں ہے جس میں امام و مؤذن مقرر ہوں مسجد شارع میں بالاتفاق جائز ہے، ایسے ہی ہمارے بعض فقہاء نے لکھا ہے کہ کراہت اس صورت میں ہے جب باقاعدہ اذان و اقامت کیساتھ جماعت ثانیہ کی جائے اور بدون اذان و اقامت کے جائز ہے لیکن صحیح اور مفتی بہ قول ہمارے یہاں مطلقاً کراہت ہے، حضرت اقدس گنگوہی قدس سرہ کی اس مسئلہ پر ایک مستقل تالیف ہے فارسی میں، القطف الدانیہ فی تحقیق الجماعۃ الثانیہ، اسکا بعض اہل حدیث نے رد بھی لکھا ہے۔

عن ابی سعید الخدری أن رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم اخرج ایک شخص کو آپ نے دیکھا کہ وہ مسجد میں تنہا نماز پڑھ رہا ہے، جماعت ہو چکی تھی اس پر آپ نے فرمایا کہ کوئی شخص ایسا نہیں جو اس شخص پر صدقہ کرے یعنی اسکے ثواب میں اضافہ کر دے، ترمذی کی روایت میں ہے فقام رجل فصلی معه اور مسند ابن ابی شیبہ میں ہے کہ وہ شخص جنہوں نے اسکے ساتھ مل کر نماز پڑھی وہ ابو بکرؓ تھے

حدیث الباب سے استدلال اور اسکا جواب

مجوزین کا استدلال اس حدیث سے ہے ہماری طرف سے جواب دیا گیا کہ اس میں جماعت ثانیہ فرض نہ ساز کی

کہاں پائی گئی! میں فرض نماز پڑھنے والا تو صرف ایک شخص ہے، دوسرا شخص مستقل ہے اس کے علاوہ دوسری بات یہ ہے کہ تمام ذخیرہ احادیث میں جماعت ثانیہ کے سلسلہ میں صرف یہ واقعہ ملتا ہے، حالانکہ اس مسئلہ میں عموم بلوی ہے، مسجد نبوی مرکزی مسجد تھی وہاں واردین بکثرت — پیچھے بہتے تھے، — سرایا و جوش اپنے اپنے اسفار سے لوٹ کر آتے رہتے تھے، اگر جماعت ثانیہ جائز یا مستحب ہوتی تو یقیناً بہت کثرت سے اسکی نوبت آتی رہتی، اور یہاں صرف ایک روایت ہے وہ بھی ایسی کہ دعویٰ پر منطبق نہیں ہو رہی ہے نیز اگر جماعت ثانیہ کا دروازہ مفتوح ہوگا تو یقیناً تھلیل جماعت کا باعث ہوگا، جماعت جو کہ شعائر اسلام میں سے ہے جس میں مسلمانوں کا اجتماع مقصود ہے وہ فوت ہو جائے گا، لوگ نماز میں سستی کرنے لگیں گے اپنے اپنے کاموں میں لگے رہیں گے اسلئے کہ ذہن میں ہوگا اپنی جماعت علیحدہ کر لیں گے۔

حضور صلی اللہ علیہ وسلم سے جماعت ثانیہ خارج مسجد ہی ثابت ہے، روایت مشہور ہے بطل المجرور میں مذکور ہے، اس پر اہل حدیث اشکالات کرتے رہتے ہیں جو سارے کے سارے ادہن من بیت العنکبوت ہیں تحفۃ الاحوذی شرح ترمذی میں مذکور ہیں۔

باب فیمن صلی فی منزله ثم ادرك الجماعة

اگر کوئی شخص گھر پر منفرداً نماز پڑھ لے پھر مسجد میں پہنچ کر معلوم ہو کہ ابھی نماز نہیں ہوئی، تو ایسے شخص کو جیسا کہ حدیث الباب میں ہے دوبارہ جماعت سے نماز پڑھنی چاہئے۔

اعادہ صلوٰۃ کی روایات اور باب پہلے بھی گذر چکا، متعلقہ مسائل وہاں گذر چکے ہیں، مذکورہ بالا صورت میں شافعیہ و حنابلہ کے نزدیک پانچوں نمازوں کا اعادہ ہے، مالکیہ کے نزدیک الا المغرب، اور حنفیہ کے نزدیک صرف ظہر و عشاء دو نمازوں کا اعادہ ہو سکتا ہے، حدیث بظاہر حنفیہ کے خلاف ہے اس کے متعدد جواب دیئے

۱۔ وہ یہ کہ ایک مرتبہ آپ کسی قوم کے باہمی نزاع پر مصالحت کے لئے تشریف لے گئے جب واپس تشریف لائے تو دیکھا کہ مسجد میں نماز ہو چکی، فخرج الی منزله فجمع اہلہ و صلی۔ ۲۔ مشہور تو یہی ہے لیکن الشرح الکبیر (للمنہاج) میں اس طرح ہے کہ اگر کوئی شخص نماز پڑھ چکا ہو خواہ منفرداً خواہ جماعت سے اور اسکی موجودگی میں مسجد میں اقامت شروع ہو جائے تو ایسے شخص کیلئے اعادہ مستحب ہے غیر مغرب میں و فی المغرب روایات ان اعدا ہا مستحب و یشتعبا ہا بالبرق، والثانیۃ لا، اور اگر وہ اقامت صلوٰۃ کے وقت خارج مسجد ہو تو اس صورت میں وہ اوقات نہیں مسجد میں داخل ہواں! غیر اوقات نہیں میں داخل ہو کر نماز پڑھنا مستحب ہے۔

گئے، میں احادیث الہنی عن النفل بعد العصر والفجر اتویٰ ۲۱ اخرتہ مقدمتہ علی الاباحۃ ۳۰ محمول علی ما قبل الہنی ۳۱ بعض کتب حدیث جیسے مسند ابی حنیفہ و کتاب الآثار لمحمد بن یحییٰ معلوم ہوتا ہے کہ یہ واقعہ صبح کی نماز کا نہیں بلکہ ظہر کی نماز کا ہے، پانچواں جواب یہ ہے کہ آپ نے ان دونوں شخصوں سے یہ دریافت فرمایا کہ تم نماز میں کیوں شامل نہیں ہوئے، تو انہوں نے جواب دیا کہ ہم نماز پڑھ چکے تھے، ان کے اس جواب سے بظاہر یہ مستفاد ہو رہا ہے کہ نماز پڑھنے کے بعد پھر اسکا اعادہ مطلقاً نہیں، حالانکہ مسئلہ یہ نہیں بلکہ بعض نمازوں میں بالاتفاق اعادہ مستحب ہے اسلئے آپ نے فرمایا کہ ایسا تو نہیں ہے کہ ایک مرتبہ نماز پڑھنے کے بعد پھر اعادہ ہے ہی نہیں بلکہ اعادہ ہوتا ہے یعنی حسب قاعدہ و ضابطہ، اور قاعدہ کا تقاضا یہ ہے کہ اوقات نبی کے علاوہ میں اعادہ ہونا چاہئے اوقات نبی میں اعادہ نہیں ہونا چاہئے (افادہ فی الکوکب) اور چھٹا جواب یہ ہے کہ دارقطنی کی روایت میں تصریح ہے فجر اور مغرب کے عدم اعادہ کی اور اسی حکم میں ہے عمر بھی، واللہ تعالیٰ اعلم۔

قوله تکن نافلت وھذا مکتوبہ، یہ امام اوزاعی کی دلیل ہے کہ پہلی نماز نفل شمار ہوگی اور دوسری فرض، اسکا جواب ہمارے یہاں گذشتہ باب میں گذر چکا (البواب المواقیت میں) قوله فذلک لہم جمع یعنی اس شخص کے لئے دو نمازوں کے مجموعہ کا ثواب ہے (ایک فرض دوسری نفل) اور ایک قول اسکی شرح میں یہ ہے کہ جمع سے مراد ہمیش اور شکر ہے ای لہ ہم کہ ہم ہمیش یعنی بہت بڑا اسکو ہم غنیمت حاصل ہو گیا۔

باب اذا صلی فی جماعة ثم ادرک جماعة

قوله لا تنصلوا صلوۃ فی یوم مرتین، یہ حدیث باب سابق کی روایات کے خلاف ہے جن میں اعادہ صلوۃ مذکور ہے۔

ترجمہ الباب سے مصنف کی غرض | مصنف نے ترجمۃ الباب کے ذریعہ جمع بین الروایتین فرمایا ہے وہ یہ کہ باب سابق والی روایات اس شخص کے حق میں ہیں جس نے ادلاً نماز منفر داپڑھی ہو اور جو شخص جماعت سے نماز پڑھ چکا اس کو اب دوبارہ نماز نہ پڑھنی چاہئے، فاندفع التعارض من البین، لیکن یہ تطبیق مسلک جمہور کے تو مطابق ہے امام احمد کے مسلک کے خلاف ہے اس لئے کہ انکا مسلک

۱۔ یہاں پر بذل الجہود کی عبارت میں تحریر ہو گئی، صحیح عبارت اس طرح ہے دقل اراد بالجمع ہمیش ای کہ ہم ہمیش من الغنیۃ۔

پہلے یہ گزر چکا کہ جو شخص نماز پڑھ چکا ہو اگرچہ جماعت ہی سے اور اس کے سامنے مسجد میں نماز ہونے لگے تو اسکو
اعادہ کرنا مستحب ہے۔

لہذا امام احمدؒ کے نزدیک اس حدیث کا مطلب یہ ہوگا کہ ایک دن میں ایک ہی نماز کو دومرتبہ فرض کی نیت سے
نہ پڑھا جائے، لہذا دفع تعارض کی شکل جمہور کے نزدیک الگ ہے اور امام احمد کے نزدیک الگ۔

باب جماع الامامة وفضلها

جماع بروزن کتاب یا بروزن زمان دونوں طرح صحیح ہے، جماع بمعنی جامع امام مالک کی عادت تشریف
ہے کہ وہ موطا میں لفظ جامع کیساتھ باب ہاندھے ہیں "جامع الصلوة" جامع البیوع۔ تو گویا "جماع الامامة"
کا مطلب ہوا، احکام و مسائل امامت سے متعلق ابواب کا مجموعہ، یعنی یہاں سے ابواب الامامة شروع ہو رہے
ہیں امام بخاریؒ کا طریقیہ ہے کہ وہ بھی "ابواب" کیساتھ ترجمہ قائم فرماتے ہیں، ابواب التہجد، ابواب المساجد
وہ لفظ ابواب جمع کے صیغہ کہ کتاب کے معنی میں استعمال کرتے ہیں کیونکہ کتاب بھی بہت سے ابواب پر مشتمل ہوتی ہے
امام ابو داؤد کی عادت لفظ تفریع کے استعمال کی بھی ہے "تفریع استفتاح الصلوة" تفریع بمعنی تجزیہ و تفصیل
فروع بمعنی جزئیات و مسائل، فقہاء کی تعبیر ہے، اور یا یہ سمجھئے کہ ہر مصنف کے ذہن میں ابواب اور مضامین کی
ایک خاص ترتیب ہوتی ہے جس کے لحاظ سے کہہ سکتے ہیں کہ آئیو الے ابواب گذشتہ ابواب پر متفرع ہو رہے
ہیں اسی لئے مصنف کہیں کہیں باب کے شروع میں لفظ تفریع لاتے ہیں۔

قولہ من اتم الناس فاصاب الوقت او جو لوگوں کی امامت کرے اور صحیح وقت پر انکو نماز
پڑھائے تو یہ اسکے حق میں بھی بہتر ہے اور مقتدیوں کے حق میں بھی، اور جو اسکے خلاف کرے بے وقت نماز
پڑھائے تو اس میں مقتدیوں کا کچھ نقصان نہیں اس کا وبال اسی امام پر ہے۔

باب فی کراہیۃ التذافع عن الامامة

قولہ ان من اشرط الساعة او علامات قیامت سے ہے یہ بات کہ لوگ امامت کو اپنے اوپر سے
ہٹائیں گے، ہر ایک نماز پڑھانے سے اپنی جان بچائے گا، غلبہ جہالت کی وجہ سے، یا اس طرح ترجمہ کیجئے، کہ
دیکھئے گا ایک شخص دوسرے کو مسجد یا محراب کی طرف تاکہ وہ دوسرا نماز پڑھا دے، یہ دونوں مطلب تو قریب

ی قریب ہیں ایک تیسرا مطلب بھی ہو سکتا ہے، لوگ آپس کے اختلافات کی وجہ سے امام کو امامت سے ہٹائیے
ایک کہ ہم اس کے پیچھے نہیں پڑتے، دوسرا کہ ہم اس کے پیچھے نہیں پڑتے، آپس کے نزاع کی وجہ سے،

باب من احق بالامامة

اوصاف امامت

امامت کیلئے جن اوصاف کی ضرورت ہے وہ بہت سے ہیں، قرأت، علم، ورع و تقویٰ، سن، کبیرا سن ہونا، قدم فی الحجۃ (قدیم الحجۃ ہونا) ان سب میں زیادہ ترجیح قرأت اور علم کو ہے، لہذا ان دو صفت والے کو دیگر صفات امامت والے پر ترجیح ہوگی، لیکن خود ان دونوں میں سے کس کو ترجیح ہے؟ یہ مسئلہ مختلف فیہ ہے، عند الجمہور ترجیح علم کو ہے قرأت پر، اور امام احمد والیوسف کے نزدیک اس کے برعکس ہے، ان کے نزدیک اقرأ اعلم پر مقدم ہے۔

قوله یؤم القوم اھو وھو لکتاب اللہ، یہ امام احمد والیوسف کی دلیل ہے۔

جمہور کی دلیل اور اس پر اشکال و جواب

کہ بخاری شریف میں ہے، وکان ابو بکر اعلنا، اگر تقدیم اقرأ کو ہوتی تو وہ ابی بن کعب تھے اور حدیث الباب کا جواب جمہور یہ دیتے ہیں کہ اس زمانہ کا اقرأ ہی اعلم ہوتا تھا کیونکہ وہ حضرات قرآن کو تفقہ اور فہم معنی کے ساتھ پڑھتے تھے اب جتنا بڑا حافظ و قاری ہوگا اتنا ہی بڑا اعلم ہوگا، اور دلیل عقلی یہ ہے کہ قرأت صرف ایک رکن صلوٰۃ ہے اور علم کی طرف تمام ارکان صلوٰۃ محتاج ہیں۔

یہاں پر دو اشکال ہیں اول یہ کہ ممکن ہے تقدیم ابی بکر اس حیثیت سے ہو کہ وہ اعلم تھے بلکہ ایک خاص مصلحت کی وجہ سے یعنی اشارہ الی الاستخلاف (کہ میرے بعد میں ان کو خلیفہ بنایا جائے) دوسرا اشکال یہ ہے کہ اگر اس زمانہ کا اقرأ ہی اعلم ہوتا تھا تو پھر آگے حدیث میں اقرأ کا مقابل اعلم کو کیوں قرار دیا گیا ہے، فان کا لوافی القرارة سوار فاعلمہم بالستہ، اس کا جواب حضرت گنگوہی نے یہ دیا (کمافی الجمل المفہم) کہ یہاں اقرأ کا مقابل مطلق اعلم کو نہیں ٹھہرایا گیا بلکہ اعلم بالستہ کو، تو گویا اقرأ تو اعلم بالقرآن ہوا اور اس کا مقابل حدیث میں

لہ اس کا جواب یہ ہو سکتا ہے کہ دونوں مصلحتوں میں منافات ہی کیا ہے، امام صلوٰۃ بھی تو وہی ہوتا ہے جو خلیفہ ہو اور ہو سکتا ہے کہ استخلاف بھی اسی لئے ہو کہ وہی اعلم تھے، واللہ اعلم۔

عکس نہیں ہو سکتا، اور اس حدیث کا جواب یہ ہے کہ ان لوگوں نے ایسا اپنے اجتہاد سے کیا اور ظاہر یہ ہے کہ اس کی اطلاع بھی حضور کو نہیں ہوئی، اس لئے کہ آپ نے تو یہ فرمایا تھا یٰو مکم اقرؤکم، اور خطاب حاضرین کو تھا جو رجال بالینین تھے، انھوں نے یہ کیا کہ پورے خاندان میں جو اقرأ تھا اس کو لے لیا اگرچہ وہ صبی ہی تھا، نیز اکابر صحابہ سے اسکے خلاف منقول ہے فعن ابن عباس لا یؤم الغلام حتی یحتلم وعن ابن مسعود لا یؤم الغلام الذی لا تجب علیہ الحدود (رواہما الاثرم فی سننہ) کذا فی البذل، دوسری بات یہ ہے کہ اس حدیث میں یہ ہے کہ عمر بن سلمہ جس چادر کو پہن کر نماز پڑھاتے تھے وہ مؤصلہ (بیوندار) تھی، فیہا فتق یعنی اس میں پٹھن تھی جبکی وجہ سے ان کا سر میں کھل جاتا تھا، تو کیا کشف عورت کیساتھ نماز درست ہو سکتی ہے؟ ظاہر ہے کہ یہ بھی ان کے اجتہاد پر مبنی ہے، معنی میں لکھا ہے کان احمد یُضَعَفُ ہذا الحدیث ذی البذل قال الخفابی کان الحسن یُضَعَفُ حدیث عمر بن سلمہ، امام ابو داؤد نے بھی اس کی سند میں رواۃ کا اختلاف واضطراب بیان کیا ہے، عن عمر بن سلمہ کے بعد بعض راویوں نے عن ابیہ کا اضافہ کیا ہے اور بعض نے نہیں کیا، قولہ واروا عنا عورۃ قار شکم، قاری صاحب اور امام صاحب کے سر میں تو ہم سے چھپا دو۔

قولہ عن ابن عمر انہ قال لما قدم المهاجرون الاولون ان عصب قبا کے قریب ایک جگہ کا نام ہے، اس حدیث میں ایک صحابی جنکا نام سالم بن معقل ہے جو قرار صحابہ میں سے تھے ان کے بارے میں یہ ہے کہ وہ مقام عصبہ میں جو مہاجرین آ کر مقیم ہو گئے تھے جن میں حضرت عمرؓ بھی تھے ان کو نماز پڑھاتے تھے، بظاہر اسی لئے امامت کرتے تھے کہ وہ ان سب میں اقرأ تھے، لہذا یہ حدیث امام احمد والیوسف کی دلیل ہوئی کہ اقرأ کو اعلم پر ترجیح ہے، جمہور کی طرف سے اس کا جواب یہ ہو سکتا ہے کہ ہمارا استدلال فعل رسول صلی اللہ علیہ وسلم سے ہے (یعنی تقدیم ابی بکر) اور یہ فعل ہے بعض صحابہ کا، اور یہ بھی ممکن ہے کہ حضرت عمرؓ نے کسی عذر کی وجہ سے نماز نہ پڑھائی ہو، واللہ تعالیٰ اعلم۔

قولہ اذا حضرت الصلوۃ فاذا نا، آپ نے مالک بن الحویرث اور ان کے رفیق سفر سے جبکہ وہ مدینہ سے رخصت ہو رہے تھے فرمایا (کچھ روز قیام اور تعلیم حاصل کرنے کے بعد جس کا قصہ بخاری شریف میں ہے) کہ راستہ میں جماعت سے نمازیں پڑھتے ہوئے جانا، باقاعدہ اذان و اقامت کیساتھ، تنبیہ کا صیغہ یہاں پر تنخیر کے لئے ہے کہ تم دونوں میں سے جو نسا چاہے اذان کہے اور اقامت، البتہ امامت تم میں سے وہ کرے جو بڑا ہو۔

حدیث الباب سے بعض علماء کا استدلال | ابو الحسن بن القصار نے اس سے استدلال کیا اس پر کہ سفر میں اگر دو شخص ہوں دونوں اذان کہیں،

یہ ان کا قول قول شاذ ہے، مسلک جہور اور قیاس کے خلاف ہے، انھوں نے ظاہر حدیث کے پیش نظر ایسا کہا۔ جہور نے تشنیہ کے صیغہ کی ایک توجیہ یہ کہ مراد یہ ہے کہ ایک اذان کہے، دوسرا اس کی اجابت کرے۔ نیز بعض مرتبہ ایسا ہوتا ہے عرب لوگ تشنیہ اور جمع کا صیغہ بول کر واحد مراد لیتے ہیں جیسے ان دو مثالوں میں۔

یا حرسیٰ ضرباً عنقہ، قاضی، جلاد سے کہتا ہے کہ اس مجرم کی گردن اڑا دے اور تشنیہ کا صیغہ استعمال کرتا ہے ایسے ہی کہتے ہیں فلان قتلہ بنو حنیم، قتل کی نسبت پورے قبیلہ کی طرف کر دی گئی حالانکہ قاتل صرف ایک شخص ہے۔

قوله خابن القرآن، یعنی آپ نے امامت کے لئے تقدیم اکبر کا حکم فرمایا، تقدیم اقرأ کا کیوں حکم نہیں فرمایا، جواب دیا کہ وہ دونوں حفظ قرآن میں برابر تھے۔

باب امامۃ النساء

عورتوں کا مستقل اپنی علیحدہ جماعت سے نماز پڑھنا

مسئلۃ الباب میں مذاہب ائمہ | یہ شافعیہ و حنابلہ کے نزدیک مستحب ہے، حنفیہ مالکیہ کے نزدیک مکروہ ہے قالہ اشعرائی فی المیزان اور مغنی میں لکھا ہے کہ امام احمد سے اس میں دو روایتیں ہیں، استحباب و عدم استحباب، اور ہمارے بعض فقہار کے کلام سے مستفاد ہوتا ہے کہ اگر عورتیں باہر نکل کر جماعت کریں تب تو ہے مکروہ اور اگر گھر ہی میں جماعت کر لیں تو جائز ہے۔

بعض روایات سے عورتوں کی جماعت ثابت ہے ابن الہمام نے مستدرک اور کتاب الآثار الحمد سے ان روایات کو نقل فرمایا ہے، ہمارے فقہار نے انکو منسوخ مانا ہے، کما فی البدائع وغیرہ، ابن الہمام نے نسخ پر طویل کلام کیا ہے اور نسخ کو ادا تو تسلیم ہی نہیں کیا اور فرمایا ہے کہ اگر نسخ مان لیا جائے تو نسخ سنیت کو اہتر تحریم کو مقتضی نہیں ہے بلکہ عدم استحباب اور خلاف اولیٰ کو، اب یہ کہ نسخ کیا ہے، نسخ وہ مشہور حدیث ہے جس کی تخریج ابو داؤد اور ابن خزیمہ نے کی ہے، صلوۃ المرأة فی بیتہا افضل من صلوۃ تہا فی حجر تہا و صلوۃ تہا فی مسجدہا افضل من صلوۃ تہا فی بیتہا، ظاہر بات ہے کہ مسجد بہت مختصر جگہ ہوتی ہے اور جماعت کے لئے وسیع جگہ درکار ہے۔

مضمون حدیث | قوله عن ام و رقة بنت نوفل الخ ام و رقة بنت نوفل نے حضور صلی اللہ علیہ وسلم سے اس وقت جبکہ آپ جنگ بدر میں تشریف لے جا رہے تھے درخواست کی کہ

مجھے بھی ساتھ لے چلیں تاکہ میں وہاں جا کر مریضوں کی تیمارداری اور مجروحین کی مرہم پٹی کروں شاید اللہ تعالیٰ

مجھے بھی شہادت کا درجہ نصیب فرمادیں، آپ نے ان سے فرمایا کہ تم اپنے گھر ہی میں رہو، ممکن ہے اللہ تعالیٰ تم کو گھر بیٹھے شہادت نصیب فرمادیں۔ یہ حافظ قرآن بھی تھے اسلئے انھوں نے آپ سے دوسری درخواست یہ کی کہ میں یہ چاہتی ہوں گھر میں عورتوں کی جماعت کی امامت کیا کروں اور مؤذن رکھنے کی بھی اجازت چاہی آپ نے انکو اسکی اجازت مرحمت فرمادی، آگے روایت میں ہے راوی کہتے ہیں میں نے ان کے مؤذن کو دیکھا ہے ایک بوڑھا شخص تھا، نیز روایت میں ہے کہ اس عورت کا ایک غلام اور ایک باندی تھی انھوں نے ان دونوں کو مدبر بنالیا تھا (مدبر موت مولیٰ کا منتظر رہتا ہی ہے) ان دونوں نے یہ حرکت کی کہ ایک رات میں ان دونوں نے مل کر ان بڑی بی کا گلا گھونٹ دیا جس سے وہ ختم ہو گئیں، حضرت عمرؓ کے زمانہ کی بات ہے انھوں نے معلوم ہونے پر ان دونوں کو صولی پر چڑھا دیا۔

اس حدیث اور بعض دوسری اس قسم کی روایات سے شافعیہ نے جماعت النساء کے استحباب پر استدلال کیا ہے، اسکی بحث شروع باب میں گذر چکی۔

تکملہ :- جانتا چاہئے کہ شافعیہ وغیرہ کا اختلاف امامۃ النساء للنساء میں ہے، اور امامۃ النساء للرجال باتفاق ائمہ اربعہ کے جائز نہیں ہے، بحديث اخروہن من حیث اخرہن اللہ اخرہ ابن ماجہ من حدیث جابر مرفوعاً وروی عن ابن مسعود موقوفاً، البتہ بعض علماء جیسے فزنی، ابو ثور، طبری، داؤد ظاہری کے نزدیک امامۃ النساء للرجال جائز ہے (ابن رسلان، ابن قدامہ، منہل)

بَابُ الرَّجُلِ يَوْمَ الْقَوْمِ وَهْمٌ لَهُ كَارَهُونَ

شرح حدیث

حدیث الباب میں یہ ہے کہ تین شخصوں کی نماز قبول نہیں ہوتی وہ تین شخص یہ ہیں۔
۱۔ جو شخص لوگوں کی امامت کرے حالانکہ وہ اسکی امامت کو پسند نہیں کرتے ۲۔ جو شخص نماز کو بہت دیر سے پڑھے حتیٰ کہ اسکو قضاء کر دے یا جماعت فوت کر دے ۳۔ جو شخص حُر کو عبد بنائے یعنی کوئی شخص کسی پر دیسی آزاد آدمی کو پکڑ لے اور یوں کہے کہ یہ تو میرا زر خرید غلام ہے، یا مطلب یہ ہے کہ اپنے غلام کو آزاد کرنے کے بعد اس سے اسی طرح خدمت لیتا رہے جس طرح پہلے لیتا تھا یعنی زبردستی، یا یہ کہ غلام کو آزاد کر کے اسکے آزاد کرنے کو چھپائے اور خدمت وغیرہ لیتا رہے۔

دھولہ کا دھون۔ کے ذیل میں شرح نے لکھا ہے دینار لوگوں کی کراہت کا اعتبار ہے، دنیا داروں کی کراہت معتبر نہیں، نیز اکثریت کو دیکھا جائے گا اکثر لوگوں کا خیال کیا ہے، ایک دد کی ناگواری کا بھی اعتبار نہ ہوگا

باب امامۃ البر والفاجر

فاسق کی امامت کا مسئلہ امامت فاسق کا مسئلہ مختلف فیہ ہے، فاسق کی دو قسمیں ہیں عامن حیث مالک کے نزدیک مطلقاً و دونوں قسموں کی امامت فاسد ہے نماز صحیح نہ ہوگی، اور امام احمد کے نزدیک قسم اول کی تو امامت فاسد ہے اور قسم ثانی میں ان کی دور وایت ہیں بوز، عدم جواز، اور حنفیہ وشافعیہ کے نزدیک دونوں کی صحیح ہے مع الکراہتہ (حاشیہ لامع) ۱۶۹ء اور علامہ شعرانی نے لکھا ہے کہ امام مالک کا مذہب اور امام احمد کا مشہور قول یہ ہے کہ فاسق کا فسق اگر بتا دیں تب تو نماز کا اعادہ فی الوقت ضروری ہے یعنی بعد الوقت اعادہ کی حاجت نہیں اور اگر وہ فسق بتا دیں تب تو اعادہ مطلقاً واجب ہے

قولہ الصلوۃ المكتوبة واجبة خلف كل مسلم بئرا كان او فاجرا، واجب سے مراد جائز ہے چنانچہ حضرت ابن عمرؓ حجاج بن یوسف کے پیچھے نماز پڑھتے تھے، قال ابن رسلان، وکفی به فسقا، حدیث سے معلوم ہوا کہ امامت کیلئے عدالت شرط نہیں، مطلقاً خواہ وہ امیر ہو یا نہ ہو، جیسا کہ جمہور کا مسلک ہے، بخلاف امام مالک و احمد کے ان کے نزدیک امامت کیلئے عدالت شرط ہے، کما سبق فی اول الباب اور یہ حضرات حدیث الباب کو امر امر پر محمول کرتے ہیں لیکن جاننا چاہئے کہ حدیث الباب بحسب طرہ ضعیف ہے، کما قال الحافظ ابن حجر، اور اس حدیث کے بالمقابل ایک اور حدیث ہے، لا یؤمکوذ وجوئہ فی دینہ، لیکن یہ حدیث بھی ضعیف ہے بسبب السلام (شرح بلوغ المرام) میں لکھا ہے جب احادیث میں تعارض ہو گیا تو ہم اصل کی طرف رجوع کریں گے اور اصل یہ ہے، من صحت صلوۃ صحت امامت۔

باب امامۃ الاعی

قولہ ان النبی صلی اللہ علیہ وسلم استخلف ابن ام مکتوم، کہا گیا ہے کہ آپ نے انکو دومرتبہ

لہ چنانچہ امام مالک کے حالات میں لکھا ہے کہ شروع میں تو وہ مسجد نبوی میں فرض نمازوں کے لئے تشریف لاتے تھے اور مسجد میں تشریف بھی دیتے تھے چنانچہ میں شرکت فرماتے تھے، پھر رفتہ رفتہ مسجد میں آنا بالکل چھوڑ دیا، ۲۵ برس تک مسجد میں نماز نہیں پڑھی حضرت شیخ مقدسؒ اور جز میں لکھتے ہیں بظاہر اسکی وجہ یہ کہ امام مالک کا مسلک یہ تھا صلوۃ خلف الفاسق صحیح نہیں لیکن مسجد کی نماز اسی قسم کے وجوہ سے ترک کر دی ہو۔

اپنا نائب بنایا تمام امور میں اور کہا گیا ہے کہ صرف امامتِ صلوة میں، اور ایک قول یہ ہے کہ ان کو تیرہ مرتبہ نائب بنایا یعنی جب آپ غزوات میں تشریف لے جاتے تھے۔

مسئلہ الباب میں مذاہب ائمہ | شافعیہ کے نزدیک اعمیٰ اور بعیر اس مسئلہ میں برابر ہیں اسلئے کہ اعمیٰ میں اگر یہ وصف ہے کہ وہ مبصرات میں مشغول نہیں ہوتا تو بعیر میں دوسری صفت ہے کہ وہ نجاست کو دیکھ کر اس سے اچھی طرح بچ سکتا ہے، اور جمہور علماء ائمہ ثلاثہ کے نزدیک امامتِ بعیر افضل ہے امامتِ اعمیٰ سے اسلئے کہ بعیر اقدر ہے اجتناب عن النجاستہ اور استقبال قبلہ پر، ملا علی قاری لکھتے ہیں کہ امامتِ اعمیٰ ہمارے یہاں اس وقت مکروہ ہے جبکہ ایسا بعیر موجود ہو جو علم میں اعمیٰ سے زائد یا اس کے برابر ہو، ورنہ نہیں اس سب کے برخلاف ابواسحق مروزی اور امام غزالی کے نزدیک امامتِ اعمیٰ افضل ہے امامتِ بعیر سے اسلئے کہ اعمیٰ کی نماز اقرب الی الخشوع ہے بنسبتِ بعیر کے کہ وہ مبصرات میں مشغول ہو جاتا ہے (کذا فی البذل والمنہل)

باب امامت الزائر

وہ حضرات جن کو مطلقاً حق تقدم حاصل ہے | اس مسئلہ میں اسحق بن راہویہ متشدد ہیں ان کے نزدیک مہمان کی امامت میزبان کے یہاں جائز نہیں اگرچہ وہ اجازت دیدے یہ پہلے گزر چکا کہ بعض اشخاص ایسے ہیں کہ ان کو حق تقدم حاصل ہے خواہ اعلم اور اقرا نہ بھی ہوں، منجملہ انکے صاحب البیت بھی ہے۔

باب الامام یقوم مکانا ارفع من مکان القوم

مسئلہ الباب میں مذاہب ائمہ | امام کا ارتفاع مقتدی پر ائمہ اربعہ کے نزدیک مکروہ ہے، البتہ مسئلہ کی قیود و تفاسیل میں اختلاف ہے، حنابلہ کے نزدیک مطلقاً مکروہ ہے، اور شافعیہ و مالکیہ کے نزدیک اگر ارتفاع ضرورۃً ہو تو جائز ہے، مثلاً تعلیم کی ضرورت سے، جیسا کہ صحیحین کی روایت میں ہے کہ ایک مرتبہ آپ نے منبر پر چڑھ کر لوگوں کو نماز پڑھائی، قیام اور رکوع منبر پر فرمایا اور سجود کے لئے نیچے اترتے تھے، ثم قال انی فعلت ہذا لئلا تموتوا بی و لتعلموا مصلوٰتی، حنابلہ کہتے ہیں کہ یہ ارتفاع صرف ایک درجہ منبر کے بقدر تھا اور ارتفاع بعیر میں کچھ حرج نہیں، فریذ اختلاف اس میں یہ ہے کہ مالکیہ کہتے ہیں اگر امام یا مقتدی بلند

جگہ پر کبر کی وجہ سے کھڑا ہو تو نماز فاسد ہو جائیگی۔

حنفیہ کے نزدیک کراہت اس وقت ہے جب صرف امام یا صرف مقتدی بلند کی پر کھڑا ہو اور اگر امام کیساتھ بعض مقتدی بھی ہوں تب کراہت مرتفع ہو جاتی ہے، نیز قدر ارتقاع میں بھی ہمارے یہاں چند قول ہیں، عند ابی یوسف بقدر قامتہ الرجل، وعند الطحاوی ما زاد علی القامۃ، بقدر ذراع، ما یقع بہ الاتیاز و ہو الرائج۔ اور اگر اس کا برعکس ہو یعنی مقتدی بلند کی پر ہو اور امام پست جگہ میں تو حنفیہ شافعیہ کے نزدیک یہ بھی مکروہ ہے اور حنابلہ و مالکیہ کے نزدیک مکروہ نہیں ہے (کذا فی المنہل)

قوله ان حذیفۃ ام الناس بالمدائن علی دکان الخ مدائن سے مدائن کسری مراد ہے جو بغداد میں ہے جو کہ اکاسرہ کا دار المملکۃ تھا، جمع کے صیغہ کیساتھ نام اسلئے رکھا گیا کہ وہ بہت بڑا شہر تھا، دکان سے بلند جگہ مراد ہے۔

باب کی دو حدیثوں میں متعارض | مضمون حدیث واضح ہے اور اس سے اٹھلی روایت میں اس طرح ہے کہ عمار نے امامت کی اور حضرت حذیفہ نے جُبَد کیا، اب یا تو تعدد واقعہ پر محمول کیا جائے، اور یا یہ کہا جائے کہ آنوالی حدیث ضعیف ہے اس میں ایک راوی مجہول ہے۔

باب امامت من صلی بقوم وقد صلی تلک الصلوۃ

اس باب میں صلوۃ المقرض خلف المتقل کا مسئلہ مذکور ہے، اسلئے کہ حضرت معاذ حضور کیساتھ عشرہ کی نماز پڑھ کر اپنی قوم بنو سلمہ کو وہی نماز جا کر پڑھاتے تھے۔

صلوۃ المقرض خلف المتقل کی بحث | داؤد ظاہری اور شافعیہ کے نزدیک صلوۃ المقرض خلف المتقل جائز ہے، یہی ایک روایت امام احمد کی ہے، اور حنفیہ و مالکیہ

اور حنابلہ کے مشہور قول میں یہ جائز نہیں ہے، ایسے ہی صلوۃ الظہر خلف من یصلی العصر و عکس، اس میں بھی اختلاف ہے، شافعیہ کے نزدیک جائز ہے، ائمہ ثلاثہ کے نزدیک جائز نہیں، اور تیسرا مسئلہ ہے صلوۃ المتقل خلف المقرض کا یہ جمہور علماء کے نزدیک جائز ہے مالکیہ کے نزدیک یہ بھی جائز نہیں۔ (کذا فی الفیض السمانی) ۲۴۳

جمہور حدیث الباب یعنی قصہ صلوۃ معاذ جو کہ صحیحین میں بھی مذکور ہے کا جواب یہ دیتے ہیں کہ اس سے استدلال صحیح نہیں، ممکن ہے وہ آپ کے پیچھے نفل کی نیت سے پڑھتے ہوں، اذاجار الاحتمال بطل الاستدلال،

شافعیہ کا حدیث سے استدلال اور جمہور کی طرف سے جواب

شافعیہ کہتے ہیں، مصنف عبد الرزاق، طیحاوی، دار قطنی کی روایت میں بطریق ابن جریج عن عمرو بن دینار تصریح ہے، وہی کہ تطوع ولہو در بیضا امام طحاوی نے فرمایا کہ اس واقعہ معاذ کو سفیان بن عیینہ

نے نہایت احسن طریقہ سے روایت کیا ہے اس میں تو یہ زیادتی ہے نہیں جس کو ابن جریج روایت کر رہے ہیں، پس ظاہر یہ ہے کہ یہ لفظ مذکور ہے ابن جریج کی طرف سے یا پھر ہو سکتا ہے ان کے شیخ کی طرف سے یا زائد سے زائد یہ کہہ سکتے ہیں کہ واقعی یہ حضرت معاذ ہی نے فرمایا ہو، تب بھی یہ زیادتی موقوف ہی رہی مرفوعاً اس کا ثبوت نہیں، خود وہ اپنے طور سے ایسا کیا کرتے تھے، اب اگر حضور اسکی تقریر فرمادیتے تب بھی درست تھا اور یہاں صورت حال اسکے برعکس ہے یعنی آپ صلی اللہ علیہ وسلم کو جب یہ علم ہوا کہ وہ اپنے یہاں جا کر بھی نماز پڑھاتے ہیں اور طویل نماز پڑھاتے ہیں تو اس پر آپ نے فرمایا، یا معاذ اما ان تصلی معی واما ان تخفف عن قومک، یعنی یا تو میرے ساتھ نماز پڑھو یا دوسری صورت یہ ہے کہ اپنی قوم کو نماز پڑھاؤ، لیکن خفیف اور مختصر اس حدیث میں گویا آپ نے انکو دونوں جگہ نماز پڑھنے سے منع فرمادیا، نفی الاستدلال! حافظ ابن حجر نے اسکی جواب دیا کہ آپ کی مراد یہ نہیں ہے کہ صرف ایک جگہ نماز پڑھو بلکہ دراصل تطویل صلوٰۃ سے منع کرنا ہے اور مطلب یہ ہے کہ یا تو صرف

میرے ساتھ پڑھو، اکی ان لم تخفف عن قومک (اگر مختصر نماز نہیں پڑھا سکتے) واما ان تخفف عن قومک اکی و تصلی معی، اور اگر مختصر نماز پڑھا سکتے ہو اپنی قوم کو تو پھر میرے ساتھ بھی پڑھ سکتے ہو، علامہ عینی نے حافظ صاحب کے اشکالات کے جوابات دیئے ہیں، یہ سارا مناظرہ حضرت نے بذل الجہود میں ذکر فرمایا ہے۔ حافظ کا یہ کہنا ان لم تخفف عن قومک صحیح نہیں اس لئے کہ اسکا کیا مطلب اگر تم تخفیف نہیں کر سکتے نہ کر سکنے کے کیا معنی، کیا وہ تخفیف پر قادر نہ تھے، اور پھر تخفیف ائمہ تو اُمور بہ من الشارع ہے اس میں تعلیق کیسے درست ہو؟ حنفیہ بلکہ جمہور کے پاس اور بھی دلائل ہیں بشلاً صلوٰۃ الخوف کی مشروعیت کہ اگر جمہور کے مزید دلائل صلوٰۃ المفترض خلف المنفل جائز ہوتی تو پھر صلوٰۃ الخوف کا طریقہ جاری کرنے کی

کیا حاجت تھی جس امام کے پیچھے لوگ نماز پڑھنا چاہیں وہ ایک جماعت کو پوری نماز ایک مرتبہ پڑھا دے اور دوسری مرتبہ دوسری جماعت کو پڑھا دے، نیز حدیث مرفوع انما جبل الامام لیومئذ بہ، لا تختلفوا علی المنکم، اور اختلاف نیت سے زیادہ اختلاف اور کیا ہو سکتا ہے، شافعیہ یہ کہتے ہیں اتمام و اقتدار کا تعلق ظاہری افعال سے ہے کہ ظاہر میں اسکے ساتھ رہو، اذار کع فار کوا، اذا سجد فاسجدوا، وغیرہ غیبات کا اتحاد اتفاق اس میں داخل نہیں

قولہ ان معاذ بن جبل کان یصلی مع رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم العشاء، حضرت معاذ کا

یہ قصہ صحیحین کی روایت کے مطابق عشار کی نماز کا ہے، یہاں ابوداؤد میں بھی عشار ہی ہے۔

قَصَّةُ مَعَاذِیْنِ عَشَارٍ اَوْ مَغْرِبُ کَا تَعَارِضُ لیکن آگے چل کر ابواب القنات میں ایک روایت میں بجائے عشار کے مغرب کا لفظ وارد ہے اسی طرح نسائی کی بھی ایک

روایت میں عشار اور ایک میں مغرب مذکور ہے، حضرت گنگوہی اور حضرت سہارنپوری کی رائے یہ ہے کہ تعدد واقعہ پر محمول کرنا درست نہیں اسلئے کہ حضرت معاذ جیسے جلیل القدر صحابی سے یہ بعید ہے کہ ایک مرتبہ تنبیہ کرنے کے بعد بھی پھر وہ ایسا کریں اور پھر دوبارہ تنبیہ کی ضرورت پیش آئے، لہذا عشار ہی صحیح ہے مباد کہ مشہور ہے، لیکن حافظ کا میلان تعدد واقعہ کی طرف ہے اسلئے کہ رجل معتزل کے نام میں بھی روایات مختلف ہیں تین نام روایات میں آتے ہیں، حرام بن ملحان، خزیم بن ابی کعب، سلیم، اس سے تعدد کی تائید ہوتی ہے، تعدد پر جو اشکال ہوتا ہے اس کا جواب علامہ سندھی نے حاشیہ نسائی میں یہ دیا ہے کہ یوں کہا جائے کہ پہلی مرتبہ واقعہ پیش آیا تو اسکی شکایت ابھی تک حضور تک نہیں پہنچی تھی کہ پھر دوسری مرتبہ دوسری نماز میں بھی یہی صورت پیش آئی دونوں واقعوں کی شکایت آپ کو ایک ساتھ پہنچی جس پر آپ نے حضرت معاذ کو بلا کر تنبیہ فرمائی، واللہ تعالیٰ اعلم۔

باب الامام یصلی من قعود

لفظ من زائد ہے، اور بعض نسخوں میں ہے باب اذا صلی الامام قاعداً امام اگر عذر کی وجہ سے نماز بیٹھ کر پڑھائے تو مقتدی کیسے پڑھیں۔

مسئلۃ الباب میں مذاہب ائمہ مسئلہ مختلف فیہ ہے، جمہور علماء کہتے ہیں کہ مقتدی قائماً پڑھیں کہ ان کو کوئی عذر نہیں، امام احمد اور اسحق بن راہویہ کے نزدیک مقتدین بھی قاعداً نماز پڑھیں، اس قعود میں وہ امام کی موافقت کریں، اور امام مالک کا مسلک یہ ہے کہ قاعداً نماز پڑھانے والے کی امامت جائز ہی نہیں غیر معذور اسکی اقتدار قائماً بھی نہ کریں، اور حنفیہ میں سے امام محمد کا مسلک بھی یہی ہے لہذا اس مسئلہ میں تین قول ہو گئے، ایک جمہور کا، اور ایک امام احمد وغیرہ کا، اور تیسرا امام مالک و محمد کا اور امام مالک کی دلیل یہ ہے کہ آپؐ فرمایا لایؤم احد بعدی جائلاً، لیکن یہ حدیث مرسل ہے جس کو جمہور نے تنزیہ پر محمول کیا ہے، اور امام احمد کی دلیل حدیث الباب ہے جس کا جواب ہمار کی طرف سے آئیگا۔

قوله عن انس بن مالك ان رسول الله صلى الله عليه وسلم ركب فرساً فصارع عنه فبعجوش شقته الايمن، یعنی ایک مرتبہ آپؐ گھوڑے پر سوار تھے اس سے گر پڑے جس سے آپؐ کی دائیں جانب

متاثر ہو گئی۔

اس روایت میں شقہ الایمن مذکور ہے، اور ایک روایت میں فُجَّحِشْتِ ساقط، اور کشف، اور ایک روایت میں، فانفکت فتد مضاف ہے، حافظ فرماتے ہیں لامنا فاة بینہما لاحتمال وقوع الایمن، یعنی دائیں جانب بھی متاثر ہوئی اور قدم مبارک میں مویج بھی آئی، یہ واقعہ ذی الحجہ ۱۰۰۰ میں پیش آیا اس موقع پر حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے متعدد فرض نمازیں قاعداً پڑھائیں اور صحابہؓ کو بھی اپنے ساتھ جائے نماز پڑھنے کا حکم دیا۔

مسئلہ الباب میں جمہور کی دلیل

یہی حدیث حنابلہ کا مستدل ہے اس کا جواب آپ مشکوٰۃ المصابیح میں پڑھ چکے ہیں، صاحب مشکوٰۃ نے بعض علماء سے اس کا جواب یہ نقل کیا ہے کہ یہ حدیث منوخر ہے اور یہ واقعہ شروع شروع کا ہے اور مرض الوفاۃ کا واقعہ جمہور نے نماز بیٹھ کر پڑھائی اور صحابہ نے آپ کے پیچھے کھڑے ہو کر پڑھی۔ وہ اس کے لئے ناسخ ہے

وانما یوحذ بالآخر فالآخر من فعل رسول اللہ، اور حنابلہ مرض الوفاۃ والی روایت کا ایک جواب تو یہ دیتے ہیں کہ اس روایت میں شدید اختلاف ہے اس بات میں کہ اس قصہ میں امام کون تھا ابو بکرؓ یا خود حضورؐ، لہذا اس سے استدلال صحیح نہیں، دوسرا جواب انھوں نے اسکا یہ دیا کہ اس مسئلہ کی دو صورتیں ہیں، ایک یہ کہ امام عذر کیوجہ سے شروع ہی سے نماز بیٹھ کر پڑھائے، اس صورت کا حکم تو یہ ہے کہ مقتدی بھی بیٹھ کر پڑھیں، دوسری صورت یہ ہے کہ امام نماز کی ابتداء تو کرائے قائم لیکن بعد میں کبھی عذر کیوجہ سے اس کو بیٹھنا پڑ جائے، تو اس صورت میں مقتدی کو بیٹھنا نہیں چاہئے جیسا کہ مرض الوفاۃ میں ہوا کہ شروع میں امام صدیق اکبرؓ تھے جو کھڑے ہو کر نماز پڑھا رہے تھے، بعد میں حضور صلی اللہ علیہ وسلم مسجد میں تشریف لے آئے جس پر صدیق اکبرؓ بھیجے ہو گئے اور آپ ان کے بجائے امام ہو گئے تو گویا یوں سمجھئے کہ امام کو درمیان میں عذر پیش آ گیا، لہذا اس سے معلوم ہوا کہ درمیان میں عذر پیش آ جانے کا حکم دوسرا ہے اس کے جواب میں جمہوریہ کہہ سکتے ہیں کہ یہ تو آپ نے حدیث کی توجیہ خالص اپنے مسلک کے مطابق کر لی، حدیث کا رخ اپنی طرف موڑ لیا۔

امام ترمذی نے اس مسئلہ کے لئے دو باب الگ الگ قائم کئے ہیں، ایک مذہب حنابلہ کے اثبات کے لئے جس طرح مصنف نے قائم فرمایا، دوسرا باب جمہور کا مسلک ثابت کرنے کیلئے قائم کیا اور اسیں مرض الوفاۃ والی نماز کا قصہ مختلف روایات سے ذکر کیا ہے لیکن امام ابو داؤد نے مسلک جمہور کو ثابت کرنے کے لئے نہ مستقل باب قائم فرمایا اور نہ جمہور کی دلیل ذکر فرمائی، امام خطابیؒ نے اس کتاب کی شرح میں سنن میں اس پر اظہار تعجب کیا ہے، کہ یہاں پر مصنف نے اپنی عادت کے خلاف صرف ایک فریق کی دلیل ذکر فرمائی اور جمہور کی دلیل سے کوئی تعدد نہیں کیا، حالانکہ یہ کتاب اہل سنن سے ہے اور بڑی جامع کتاب ہے، نہ معلوم مصنف کو کیا ذہول ہوا، واللہ تعالیٰ اعلم

فائدہ کا: ہمارے حضرت شیخ کی رائے جیسا کہ مقدمہ الکتاب میں بھی گذر چکا، یہ ہے کہ امام ابو داؤد حسبی میں خبابہ کے دلائل نسبت زیادہ اہتمام سے بیان فرماتے ہیں، مصنف نے جو طرز یہاں اختیار فرمایا اس سے حضرت شیخ کی رائے کی تائید ہوتی ہے۔

فائدہ کا ثانیہ: و اذا صلی جالساً فصلوا جلوساً کی تاویل یہ کی گئی ہے کہ یہ مطلب نہیں کہ جب امام بیٹھ کر نماز پڑھائے تو تم بھی بیٹھ کر ساری نماز پڑھو، بلکہ مطلب یہ ہے ادا جلساً فصلوا، کہ جب امام تشہد کیلئے بیٹھے تو تم بھی بیٹھو، کما قال اذا کبر کبروا و اذا رکع رکعوا، لیکن یہ جواب بس ایسا ہی ہے روایات مفصلہ کے خلاف ہے لیکن بعض الفاظ روایات سے اس معنی کی فی الجملہ تائید بھی ہوتی ہے، اسلئے کہ فرما رہے ہیں، ولا تفعلوا کما یفعل اهل النار میں بعض ماہرین نے بعض صحابہ کی حالت تشہد میں بجائے بیٹھنے کے ادا و تعظیماً کھڑے ہو جاتے ہوں، اس پر آپ نے منع فرمایا کہ اس طرح میرے لئے نہ کھڑے ہو جس طرح اہل فارس اپنے بڑوں کی تعظیم میں کھڑے ہوتے ہیں۔

قولہ زاد و اذا احتراً فانصتوا قال ابو داؤد و هذا الزیادة لیست بمحفوظة، زاد کی ضمیر بذل اور منہل میں ابو خالد کی طرف راجع کی ہے جو ابن عجلان کے شاگرد ہیں، اور مصنف کے کلام سے بھی یہی معلوم ہوتا ہے، لیکن عون المعبود میں زاد کا فاعل زید بن اسلم کو لکھا ہے، بظاہر اس کی وجہ یہ ہے کہ یہاں پر سند میں زید بن اسلم کا مقابل تو موجود ہے یعنی مصعب بن محمد جیسا کہ اوپر والی سند میں ہے، یہ دونوں یعنی مصعب اور زید بن اسلم ابو صالح کے شاگرد ہیں، اور ابو خالد کا مقابل یہاں کہیں سند میں موجود نہیں، لیکن بظاہر اوجہ وہی ہے جو بذل اور منہل میں ہے۔ والله اعلم۔

واذا قرأ فانصتوا کے ثبوت کی بحث | اسکے بعد جانا چاہئے اس کتاب کے شارح حافظ منذری نے امام ابو داؤد کی تنقید کو تسلیم نہیں کیا، اور یہ کہا، ابو خالد الاحمر جن کا نام سلیمان بن حیان ہے یہ صحیحین کے راوی ہیں شیخین نے ان کی روایت کی تخریج کی ہے، بالکل ثقہ راوی ہیں اور زیادتی ثقہ کی معتبر ہوتی ہے، اگرچہ وہ متفرد ہو، اور یہاں تو تفرّد بھی نہیں بلکہ محمد بن سعد الانصاری نے ابو خالد کی متابعت کی ہے جیسا کہ نسائی ص ۱۲۴ کی روایت میں موجود ہے لہذا یہ زیادتی صحیح اور ثابت ہے۔

جاننا چاہئے کہ و اذا احتراً فانصتوا، اس کتاب میں آگے چل کر باب التّشہد میں بھی آ رہا ہے، لیکن وہ حدیث ابو موسیٰ اشعری کی ہے اور یہاں جو حدیث ہے وہ ابو ہریرہ کی ہے، وہاں بھی مصنف نے اس لفظ پر کلام کیا ہے اور اس کو غیر محفوظ قرار دیا ہے اور فرمایا ولم یجئ بہ الا سلیمان الیتمی، امام مسلم نے صحیح مسلم میں ابو موسیٰ اشعری کی حدیث جہیں یہ زیادتی موجود ہے، کی تخریج کی ہے، امام مسلم کے کسی

شاگرد نے اس لفظ پر تردد کا اظہار کیا اور وہ تردد یہی ہو سکتا تھا کہ اس زیادتی کیساتھ سلیمان تیمی متفرد ہیں تو اس پر امام مسلمؒ نے فرمایا اتريد احفظ من سليمان یعنی اگر سلیمان تیمی اسکے ساتھ متفرد ہیں تو کیا حرج ہے وہ تو بڑے ثقہ اور حافظ حدیث ہیں، اس کے بعد اسی سائل نے امام مسلمؒ سے دریافت کیا کہ یہ لفظ حدیث ابو ہریرہ میں بھی ہے کیا وہ بھی آپ کے نزدیک صحیح ہے، انھوں نے فرمایا کہ ہاں صحیح ہے سائل نے کہا کہ پھر آپ نے اس کی یہاں اس کتاب میں تخریج کیوں نہیں کی تو انھوں نے فرمایا لیس کل شیء عندی صحیح وضعته ہہنا وانما وضعت ہہنا ما اجمعوا علیہ کہ یہ ضروری نہیں کہ جو حدیث میرے نزدیک صحیح ہو اسکو میں یہاں اپنی صحیح میں ذکر کروں، اپنی اس صحیح میں تو میں صرف وہ احادیث لاتا ہوں جنکی صحت پر مشائخ کا اجماع ہوتا ہے، یہ تمام عبارت صحیح مسلم کے اندر متن میں موجود ہے، اس سے معلوم ہوا کہ ابو موسیٰ اشعری کی حدیث جس میں یہ زیادتی موجود ہے وہ بقول امام مسلمؒ کے بالاجماع صحیح ہے (مگر یہ ذہن میں رہے کہ امام مسلمؒ کی مراد اجماع سے چند مخصوص مشائخ کا اجماع ہے) حضرت سہارنپوریؒ نے بذل الجہود میں واذا قرأ فانصتوا کی زیادتی متعدد صحابہ کی روایات سے کتابوں کے حوالہ کیساتھ ایک درجن (۱۲) طرق سے ثابت فرمائی ہے، اور اخیر میں ہے کہ ان طرق میں بعض صحیح اور بعض ضعیف ہیں، اگرچہ یہ تمام بھی ضعیف ہوتے تب بھی تعدد کیوجہ ضعف کا انجبار ہو جاتا، پھر چہ جائیکہ بعض طرق ان میں سے صحیح ہیں، یہ ساری بحث اور مضمون قرارت فاتحہ خلف الامام سے متعلق ہے جو قابل حفظ ہے، وہاں کام آئیگی، یہاں یہ بحث حدیث الباب میں ہونے کی وجہ سے بے محل اور قبل از وقت آگئی ہے۔

باب الرجلین یوم احدہما صاحبہ کیف یقومان

قولہ، ان رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم دخل علی ام حرام الغزوہ ام حرام حضرت انسؓ کی خالہ میں ام سلیم کی بہن، قبار میں رہتی تھیں، روایات میں آتا ہے کہ جب آپ صلی اللہ علیہ وسلم قبار میں تشریف لیجاتے تو ان کے یہاں بھی تشریف لیجاتے، ان کے یہاں حضورؐ کا کھانا نوش فرمانا قیلولہ فرمانا اور تغلیہؐ رأس (سر میں جوں تلاش کرنا) وغیرہ سب کچھ ثابت ہے، اب یہاں سوال یہ ہوتا ہے کہ یہ کس بنا پر رہتا

لے کما سیاتی فی کتاب الجہاد باب فی رکوب البحر فی الغزوہ، من حدیث انسؓ، کان رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم اذا ذهب الی قبار یہ دخل علی ام حرام بنت ملحان فدخل علیہا یوما فاطمۃ وجلس تغلی رأسہ۔

حضور اور ام حرام کے درمیان علاقہ محرمیت کی بحث

سو بعض علمائے توحید نے تو علاقہ محرمیت کا دعویٰ کیا ہے۔ چنانچہ امام نووی فرماتے ہیں۔ اتفقوا علی انہا کانت محرماً علیہ وسلم واختلفوا فی کیفیتہ ذلک۔ سو بعض نے کہا کہ یہ آپ کی رضاعی خالہ تھیں بعض کہتے ہیں کہ آپ کی رضاعی

ماں تھیں۔ اور بعض نے نسب تعلق بھی ثابت کیا ہے۔ قال ابن رسلان وکانت احدی خالاتہ من الرضاۃ قالہ ابن وہب وقال غیرہ بل خالۃ لابیہ اویجدہ۔ اور اس کے بالمقابل علامہ میاطی نے مبالغہ کیساتھ رد کیا ہے ان لوگوں کا جو علاقہ محرمیت کے قائل ہیں۔ ابن العربی فرماتے ہیں کہ جو لوگ علاقہ محرمیت نہیں مانتے وہ یہ کہتے ہیں کہ آپ صلی اللہ علیہ وسلم معصوم تھے۔ یصلک إربہ عن زوجتہ فکیف عن غیرہا۔ یعنی آپ صلی اللہ علیہ وسلم اپنے نفس پر پورے پورے قابو یافتہ تھے۔ لہذا یہ یعنی فلوت بالاجنبیہ کا جواز آپ کے خصائص میں سے ہوا۔ گو قاضی عیاض نے اسکو نہیں مانا الخصوصیات لا تثبت بالاحتمال، لیکن حافظ ابن حجر کی رائے یہی ہے کہ یہ آپ کی خصوصیت ہے۔

فقال رَدُّوا هَذَا (فی سقائہ) آپ نے فرمایا کہ کعبوروں کو تو مشکیزہ میں رکھ دیں اور مشکیزہ میں جو گھی یا مکھن ہے اس کو کعبوروں کے برتن میں الٹ دیں، بظاہر تبدیل و عار کی مصلحت یہ ہے کہ کعبور کو بند چیز میں رکھتے ہیں اسلئے کہ ہوا سے اس میں کیڑا پیدا ہو جاتا ہے، اور یہ بھی احتمال ہے کہ انہوں نے دونوں چیزیں تھوڑی تھوڑی نکال کر آپ کے سامنے رکھی ہوں آپ نے فرمایا نکالنے کی ضرورت نہیں بلکہ ہر ایک کو اس کے برتن میں لوٹا دیں اسلئے کہ میرا روزہ ہے۔

شعر قلم فصیلی بنار
آپ نے بیت ام حرام میں نفل نماز پڑھی تاکہ ان کے گھر میں اور رزق میں خیر و برکت ہو، اسلئے کہ نماز جالب رزق ہے بلکہ بعض علمائے لکھا ہے کہ نماز ہر منزل کا تحیہ ہے۔

اس حدیث میں تنقل بالجماعۃ کا ثبوت ہے جو امام شافعی و احمد کے نزدیک مطلقاً جائز ہے۔ اور امام مالک کے نزدیک محقر سی جماعت

غیر مشہور جگہ میں جائز ہے اور اسی طرح حنفیہ کے یہاں بھی لیکن صرف دو مقتدیوں کیساتھ اور اگر امام کے علاوہ تین شخص ہوں اس میں ہمارے یہاں دونوں قول ہیں۔ اور اگر امام کے علاوہ چار ہوں تو بلا خلاف مکروہ ہے۔
(الفیض السامی ص ۲۶۵)

مسئلہ الباب میں اختلاف علمائے
قولہ۔ اقامتی عن یمینہ۔ اس سے معلوم ہوا کہ اگر مقتدی ایک ہو تو امام کی دائیں جانب کھڑا ہو۔ ائمہ اربعہ کا یہی مذہب ہے لیکن اگر بائیں جانب کھڑا ہو جائے تب بھی ائمہ ثلاثہ کے نزدیک جائز ہے۔ بخلاف امام احمد کے کہ ان کے نزدیک بائیں جانب کھڑے ہونے سے نماز فاسد ہو جائے گی۔ اور ابراہیم نخعی کی رائے یہ ہے کہ اگر مقتدی ایک ہو تو امام

کے پیچھے کھڑا ہو، رکوع میں جانے تک اگر کوئی دوسرا شخص آکر شامل ہو جائے فیما ورنہ آگے بڑھکر امام کے برابر میں کھڑا ہو جائے۔ تیسرا مذہب یہاں سعید بن المسیب کا ہے کہ مقتدی واحد کو خلف الامام ہی کھڑا ہونا چاہئے۔
(نقلہ الشرائی فی المیزان)

قوله، فجعلنا عن يمينه والمرأة خلف ذلك، اس حدیث سے معلوم ہوا کہ عورت کا مقام صف میں پیچھے ہے اگرچہ وہ تنہا ہی کیوں نہ ہو، مسئلہ متفق علیہ ہے، لیکن اختلاف اس میں ہے کہ اگر عورت مرد کے برابر یا اس سے آگے کھڑی ہو جائے تو کیا حکم ہے، جمہور کے نزدیک نماز فاسد نہ ہوگی اور حنفیہ کے نزدیک حکم قیاس تو یہی ہے لیکن ان کے نزدیک استحساناً مرد کی نماز فاسد ہو جائے گی، بشرطیکہ امام نے عورت کی امامت کی نیت کی ہو، اور اگر اس نے نیت نہیں کی تو مرد کی نماز درست اور عورت کی نماز فاسد ہو جائیگی، یہ مسئلہ مسأله المحاذاة کہلاتا ہے اس میں احناف و جمہور کا اختلاف مشہور ہے۔

مسئلہ محاذاة میں حنفیہ کی دلیل پر کلام | حنفیہ کی تائید حدیث الباب سے ہوتی ہے کہ آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے ام سلمہ کو باوجود اس کے تنہا ہونے کے پیچھے کھڑا کیا حالانکہ انفراد خلف الصف اکثر علماء کے نزدیک مکروہ ہے، اور امام احمد کے نزدیک منفسد صلوة ہے، دوسری دلیل عبد اللہ ابن مسعود کی حدیث موقوف ہے جو غیر مد رک بالرائے ہو نیکی بنا کر حکم میں مرفوع کے ہے، اخبر دهن من حيث اخرهن اللہ رواہ الطبرانی، قال ابن دقیق العید انہ حدیث صحیحہ قالہ القاری فی النقایہ، (کنزانی البذل) معلوم ہوا کہ مرد کا مقام تقدم ہے اور عورت کا مقام تأخر، اگر مرد اپنے برابر میں عورت کو نماز کے اندر جگہ دے رہا ہے تو اس کے معنی یہ ہونے کے اس نے اپنا مقام کو ترک کیا، اور اپنے مقام کو ترک کرنا بڑی بھاری اور بنیادی غلطی ہے معمولی چیز نہیں، اسلئے مرد کی نماز فاسد ہو جائیگی، حافظ ابن حجر نے مسلک احناف پر اظہار تعجب کیا ہے اور یہ کہ یہ ایسی کمزور بات ہے جس کے جواب کی بھی حاجت نہیں آگے چل کر فرماتے ہیں کہ یہ صحیح ہے کہ مرد کا مقام تقدم علی المرأة ہے لیکن اس کے خلاف کرنے سے یہ کہاں ضروری ہے کہ اس کی نماز فاسد ہو جائے، وہ کہتے ہیں دیکھئے ثوب منسوب میں نماز پڑھنا منوع ہے اسکو اتار دینا واجب ہے لیکن اگر کوئی شخص اسی میں نماز پڑھ لے تو بالاتفاق نماز صحیح ہو جاتی ہے زائد سے زائد مکروہ ہوگی اسی طرح یہاں بھی ہونا چاہئے۔

حافظ ابن حجر کے کلام کا رد | لیکن حافظ کا یہ قیاس مع الفارق ہے اسلئے کہ ہم اوپر کہہ چکے ہیں کہ ترک مقام ایک اساسی اور بنیادی غلطی ہے لہذا اس کا حکم بھی اسی کے مناسب اور سخت ہونا چاہئے کمالاً یخفی، علامہ عینی فرماتے ہیں کہ اگر یہ قائل (ابن حجر) حنفیہ کے مقال کی دقت کا ادراک کر لیتا تو وہ نہ کہتا جو اس نے کہا، اس میں قصور اپنی فہم کا ہے، اور حضرت سہارنپوری فرماتے ہیں کہ حافظ نے

ثوب مخصوب والی مثال تو پیش کی۔ اور یہ مثال کیوں نہیں پیش کی، کر دیکھئے امام کا مقام تقدم علی المقدی ہے۔ اب اگر امام خود پیچھے اور مقتدی کو اپنے سے آگے کر دے تو بتائیے نماز فاسد ہوگی کہ نہیں؟

باب اذا كانوا ثلثة كيف يقومون

اگر ایک امام اور دو مقتدی ہوں تو عند الجمہوران کا مقام خلف الامام ہے، اور حضرت عبداللہ بن مسعودؓ کے نزدیک امام کے دائیں بائیں کھڑے ہوں امام ابو یوسفؒ سے بھی یہی مروی ہے، جمہور کی دلیل حدیث الباب ہے جس میں انس اور تیمم آپ کے پیچھے کھڑے ہوئے اور ام سلیم ان دو کے پیچھے۔

شرح السند اور ضمیر کے مرجع کی تحقیق | قولہ، ان جددتہا ملکۃ، جدتہ کی ضمیر میں شرح نے دو احتمال لکھے ہیں، یا تو یہ ضمیر اقرب کی طرف راجع ہے یعنی انس بن مالک یا بعد کی طرف یعنی اسحاق بن عبداللہ جو اس حدیث کو حضرت انسؓ سے روایت کر رہے ہیں، دراصل اس میں اختلاف ہو رہا ہے کہ ملکۃ ام سلیم یعنی حضرت انس کی والدہ کا نام ہے یا ام سلیم کی والدہ کا نام ہے یعنی انس کی نانی کا ابن عبدالبر اور امام نوویؒ وغیرہ نے قول اول کو اختیار کیا ہے اور ابن سعد و ابن مندہ نے قول ثانی کو،

نیز یہ بھی جاننا ضروری ہے کہ اسحق بن عبداللہ جو سند میں مذکور ہیں وہ انس کے بھتیجے ہیں، اسلئے کہ عبداللہ ابن ابی طلحہ انس کے اخیانی (ماں شریک) بھائی ہیں، لہذا انس اسحق کے چچا ہوئے، پس اگر ملکۃ ام سلیم (انس کی ماں) کا نام ہے تب تو یہ ضمیر لامحالہ اسحق کی طرف راجع ہوگی اسلئے کہ چچا کی والدہ بھتیجے کی دادی ہوتی ہے، اور اگر دوسرا قول اختیار کیا جائے کہ ملکۃ ام سلیم کی والدہ کا نام ہے تو اس صورت میں ضمیر اقرب یعنی انس کی طرف راجع ہوگی، اور جدہ سے مراد اس وقت نانی ہوگا نہ کہ دادی، یہ جو ہم نے کہا تھا کہ اسحق انس کے اخیانی بھائی کے بیٹے ہیں اس کی وضاحت یہ ہے کہ انسؓ کی والدہ ام سلیم پہلے انسؓ کے والد مالک کے نکاح میں تھیں مالک کے انتقال کے بعد ان سے ابو طلحہ نے نکاح کر لیا تھا جس سے عبداللہ بن ابی طلحہ پیدا ہوئے، لہذا عبداللہ بن ابی طلحہ انس کے اخیانی بھائی ہوئے۔

فَقَمَّتْ اِلَى حَصْبِهَا فَتَدَا سَوْدَةً مِنْ مَحْلُولٍ مَا لَيْسَ فَنَضَحَتْ بِمَنَاءِہِ یعنی ایسا بویا جو طول استعمال کیوجہ سے سیاہ ہو گیا تھا، انس کہتے ہیں کہ میں نے اس پر پانی جفر کا تاکہ اس سے غبار اور میل کھیل دور ہو جائے، اور یا اس لئے کہ وہ نرم ہو جائے اور یا اس لئے کہ اس کی طہارت میں شک ہوگا، وہ شک دور ہو جائے، عام شرح نے پہلے اور دوسرے احتمال کو اختیار کیا ہے اور قاضی عیاض مالکیؒ نے احتمال ثالث کو۔

بعض مسائل ثابتہ بالحدیث کا بیان | دراصل مالکیہ کا مذہب یہ ہے کہ جس چیز کی نجاست مشکوک ہو اس کو پاک کرنے کے لئے نفع کا فی ہے اور قاضی عیاض چونکہ مالکی ہیں اسلئے

انہوں نے اس کو اختیار کیا۔ یہ اختلاف فی مسئلہ مشہور ہے شاید کتاب الطہارۃ میں بھی کسی جگہ گزرا ہے

مسئلہ ثانیہ | یہاں حدیث میں لفظ لبس کو افتراش کے معنی میں لیا ہے۔ اس سے مالکیہ نے ایک اور مسئلہ پر استدلال کیا کہ اگر کوئی شخص عدم لبس کی قسم کھائے اور پھر وہ اس کپڑے کو بچھا کر اس پر بیٹھ جائے

تو حائض ہو جائے گا، جہور اس کے قائل نہیں اسلئے کہ ایمان کا مدار عرف پر ہوتا ہے اور عرف میں لبس کا استعمال افتراش میں نہیں ہوتا۔ اور یہاں حدیث میں لبس کو جو افتراش پر محمول کیا گیا ہے وہ قرینہ کیوجہ سے، (قالہ ابن رسلان)

مسئلہ ثالثہ افتراش حریر للرجال | جانتا چاہئے کہ یہاں ایک اور مسئلہ اختلافی ہے وہ یہ کہ عند الجہور رجال کے حق میں جس طرح لبس حریر جائز نہیں اسی طرح افتراش حریر بھی جائز نہیں،

اسیں امام اعظم ابو حنیفہ کا اختلاف ہے ان کے نزدیک مرد کے لئے افتراش حریر جائز ہے اسلئے کہ حدیث میں لبس کی مانعت ہے افتراش کی نہیں۔ حافظ ابن حجر نے اس حدیث سے امام صاحب کے مذہب کی تردید کی ہے کیونکہ یہاں حدیث میں لبس کو افتراش کی جگہ استعمال کیا گیا ہے، علامہ عینی نے اس کا جواب یہ دیا ہے کہ اس حدیث میں لبس سے لبس الثوب والا لبس مراد نہیں ہے بلکہ یہ ماخوذ ہے عرب کے قول لبست امرأتی سے جس کے معنی ہیں جمع کے، یعنی تشعث بہا زمانا، لہذا یہاں حدیث میں لبس بمعنی تمتع ہے اور پہننے کے معنی میں مستعمل نہیں ہو رہا ہے، لہذا اس حدیث سے امام صاحب کے قول کے خلاف پر استدلال صحیح نہیں (عمدة القاری شرح بخاری)

شرح حدیث | وصففت انا والیتیم وراءہ والعجوز من واثنا، انس کہتے ہیں کہ میں اور ایک مہی آپ صلی اللہ علیہ وسلم کے پیچھے کھڑے ہوئے اور یتیم کے ہمارے پیچھے، یتیم کا اطلاق نابالغ بچہ پر ہوتا

ہے خواہ وہ میسر ہو یا غیر میسر، لیکن یہاں مہی میسر مراد ہے کیونکہ غیر میسر کی نماز درست نہیں، شراح نے اس یتیم کا نام ضمیرۃ بن ابی ضمیرہ لکھا ہے اور ابو ضمیرہ کا نام سعد ہے اسی لئے بعض شروح حدیث میں اس یتیم کا نام ضمیرۃ بن سعد لکھا ہے ضمیرۃ کے والد سعد کا شمار اہل رجال نے حضور صلی اللہ علیہ وسلم کے بوالی میں کیا ہے اور ملا علی قاری نے ایک الگ ہی بات لکھی ہے وہ یہ کہ یتیم انس کے سہائی کا نام ہے، واللہ تعالیٰ اعلم۔

اس حدیث سے حضرت انس کے گمراہوں کے زہد و قناعت کا حال معلوم ہوتا ہے جسی تو حضور کو پرانے پورے پر نماز پڑھوائی۔

لہ ثوب مصلی کی تعبیر سے مستثنیٰ ایک باب میں ولفنح مالدتر کے ذیل میں گزرا۔

فصلی لنا رکعتین ثلثا نصف اس واقعہ میں آپ نے کھانا پہلے نوش فرمایا اور نماز کی دو رکعت بعد میں پڑھی، اور عتبان بن مالک کا جو مشہور قصہ ہے صحیح مسلم وغیرہ میں وہاں ترتیب میں اس کا برعکس ہے جسکی وجہ بظاہر یہ ہے کہ وہاں آپ کا مقصود ان کے مکان پر جانے سے نماز ہی پڑھنا تھا۔ اور یہاں آپ کھانے کی دعوت پر تشریف لائے تھے۔

قوله، استأذنت علقمة والاسود علی عبد اللہ وقد کنا المثلنا القعود علی بابہ فخرجت الجارۃ، علقمہ اور اسود جو کہ حضرت ابن مسعود کے مشہور شاگرد ہیں وہ کہتے ہیں کہ ایک مرتبہ ہم نے عبد اللہ بن مسعود کے دروازہ پر جا کر استیذان کیا جس میں دیر تک بیٹھنا پڑا، دیر کے بعد اندر سے ایک جاریہ نکل کر آئی اس نے آکر ہمیں دروازہ پر بیٹھا دیکھ کر اندر جا کر ہمارے لئے حضرت عبد اللہ سے استیذان کیا، اجازت مل جانے پر ہم اندر داخل ہوئے انہوں نے ہمیں اپنے دائیں بائیں کھڑا کر کے نماز پڑھائی اور پھر بعد میں فرمایا کہ اسی طرح میں نے حضور صلی اللہ علیہ وسلم کو کرتے دیکھا ہے۔

مسئلۃ الباب میں جمہور کی دلیل ————— یہ روایت جمہور کے خلاف ہے، جمہور کا استدلال گذشتہ روایت فصفت انا والیتیم والی حدیث سے ہے اور یہ حدیث موقوف ہے اور یہ جو یہاں پر روایت میں مذکور ہے ہکذا رأیت رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم در جس سے یہ حدیث مرفوع ہو جاتی ہے، یہ زیادتی اکثر روایات میں موجود نہیں اور اگر اس زیادتی کو ثابت بھی مان لیا جائے تو کہا جائیگا کہ ممکن ہے آپ نے ضیق مکان کی وجہ سے ایسا کہی کیا ہو، اور خود ابن مسعود کے فعل کے بارے میں بھی ابن سیرین نے یہی توجیہ کی ہے۔

باب الامام ینحرف بعد التسلیم

مصنف کے قائم کردہ ترجمتین میں فرق | انی قسم کہ ایک باب ابواب الجمع سے ذرا پہلے آرہا ہے، کیف الاغتراف من الصلوۃ، دونوں کا مضمون و مفہوم بظاہر ایک ہے لہذا یہ تکرار ہوا لیکن فی الواقع تکرار نہیں، اسلئے کہ یہاں پر اغتراف سے مراد تحول الی القوم ہے یعنی امام کا نماز سے فارغ ہونے کے بعد ہمارے مستقبل قبلہ بیٹھنے کے رخ بدل کر بیٹھنا، اور آئندہ جو باب آرہا ہے وہاں اغتراف سے مراد

لہ یہاں تک کہ اسود بن اسلمہ من عہارت یہ تھا کہ یوں کہتے، استأذنت انا وعلقمہ، مگر انہوں نے آپ کو غائب کیساتھ تعبیر کیا۔

انحراف الی الیبت یا انحراف الی موضع الحاجۃ ہے یعنی نماز سے فارغ ہونے کے بعد مصلیٰ سے اٹھ کر جانا، لہذا دونوں بابوں کا مفہوم مختلف ہوا۔

قولہ، صلیت مختلف رسول صلی اللہ علیہ وسلم فكان اذا انصرف انحرف، یعنی جب آپ صلی اللہ علیہ وسلم نماز کا سلام پھیرتے تو آپ کی عادت شریفہ یہ تھی کہ اپنے مصلیٰ پر رخ بد لکر بیٹھتے الی الیبت یا الی الیسار، لیکن اکثر انحراف آپ کا الی الیبت ہوتا تھا اور کبھی الی الیسار بھی، اسی لئے جیسا کہ اس سے اگلی حدیث میں آرہا ہے صحابہ صف میں دائیں جانب کھڑا ہونا پسند کرتے تھے، تاکہ چہرہ انور کی زیارت ہوتی رہے۔

اب یہ کہ فقہاء کی اس میں کیا رائے ہے؟ بعض شراح نے جہور کا مسلک یہ حدیث پر من حیث الفقہ کلام لکھا ہے ان کے نزدیک انحراف الی الیبت اور حنفیہ کے نزدیک الی الیسار اولیٰ ہے لیکن مجویہ ہے کہ حنفیہ یہ کہتے ہیں کہ کسی ایک جانب کا التزام نہ کرے کبھی الی الیبت اور کبھی الی الیسار کو اختیار کرے،

اس انحراف میں حکمت کیا ہے، شراح کے کلام سے معلوم ہوتا ہے کہ ایک حکمت اس میں ازالۃ الاشتباہ فی حق الجائی ہے کہ اگر نماز سے فارغ ہونے کے بعد مقتدیوں کی طرح امام صاحب بھی مستقبل قبلہ بیٹھے رہیں گے تو بعد میں آنے والے کو اولیٰ وصلہ میں اشتباہ ہو سکتا ہے کہ نماز ہو رہی ہے لوگ قعدہ میں ہیں، اور دوسری حکمت اس میں الاحتراز عن استبدار القوم ہے لوگوں کی طرف پشت کرنے سے بچنا، یہاں ایک سوال یہ ہے کہ امام کو نماز کے بعد اپنی جگہ بیٹھنا چاہئے یا نہیں سو فقہاء نے لکھا ہے خصوصاً صاحب بدائع نے کہ جن نمازوں کے بعد سنتیں ہیں ان میں امام نہ بیٹھے تاکہ سنتوں میں تاخیر نہ ہو باقی نمازوں میں اختیار ہے۔

یہ کلام تو اس باب سے متعلق ہے اور وہ باب جو آگے آرہا ہے "کیف الانحراف من الصلوۃ" یعنی مصلیٰ سے اٹھ کر امام کس طرف کو جائے دائیں جانب کو یا بائیں، سو اس کا جواب یہ ہے کہ یہ موضع حاجت کے تابع ہے جس طرف کو اسکی حاجت دالستہ ہے اور جس میں وہ اپنی سہولت سمجھے اس طرف کو جائے، مثلاً امام کی منزل یا اس کا حجرہ اگر دائیں طرف ہے تو دائیں طرف کو جائے اور اگر بائیں طرف ہے تو اس طرف کو جائے، اور ایک صورت یہ بھی ہو سکتی ہے کہ تحول الی القوم جو اس باب میں مذکور ہے اس کو بھی موضع حاجت کے تابع مانا جائے کہ اگر امام کا حجرہ دائیں طرف ہو تو دائیں طرف رخ کر کے بیٹھے اور اگر حجرہ بائیں جانب ہو تو اسی طرف کو رخ کر کے بیٹھے تاکہ اٹھ کر جاتے وقت گھومنا نہ پڑے حضرت شیخ نے حاشیہ لامع میں اسی طرح تحریر فرمایا ہے۔

لے چنانچہ آپ دیکھتے ہیں کہ عام طور سے ائمہ عمر اور فجر کی نماز کے بعد اپنے مصلیٰ پر بیٹھ کر تسبیح فاطمہ وغیرہ پڑھتے ہیں لیکن یہ ذہن میں رہے کہ تسبیح فاطمہ صرف ان دو نمازوں کے ساتھ خاص نہیں ہے بلکہ سبھی نمازوں کے بعد پڑھنے کی ترغیب آئی ہے لہذا باقی نمازوں میں سنتوں کے بعد پڑھنا چاہئے۔

بَابُ الْإِمَامِ يَتَطَوَّعُ فِي مَكَانِهِ

قوله، قال رسول الله صلى الله عليه وسلم لا يصلي الإمام في الموضع الذي صلى فيه حتى يتحول
 اس حدیث سے معلوم ہوا کہ امام کو محلِ فرض میں سنت یا نفل نہیں پڑھنا چاہئے۔ علیٰ ہذا القیاس مقتدی بھی ہے۔ چنانچہ
 ابواب التہجد کے بعد ایک باب آرہا ہے۔ باب فی الرجل يتطوع فی مکانہ الذی صلی فیہ المکتوبۃ، اور اس میں مصنف نے
 ابوہریرہ کی حدیث مذکورہ۔ اے جزا حد کون بتقدم اویتاخرًا ذکر کی ہے اس حدیث میں امام کی قید نہیں بلکہ عام
 ہے اسی لئے عند الجمهور یہ حکم بھی عام ہے جیسا کہ عینی شرح بخاری میں ہے۔ نیز اس میں ہے کہ ابن عمر کے نزدیک کراہت
 صرف امام کے لئے ہے غیر امام کے حق میں ان کے نزدیک کچھ حرج نہیں، اور بذل الجمهور میں صاحب بدائع سے امام کے
 حق میں تو کراہت ہی لکھی ہے اور انوم کے حق میں وہ فرماتے ہیں کہ اس میں ہمارے مشائخ کا اختلاف ہے بعض کہتے ہیں
 کہ اس کے حق میں کوئی حرج نہیں امام کا اپنی جگہ سے ہٹ جانا ازالہ اشتباہ کے لئے کافی ہے، اور امام محد سے
 منقول ہے کہ قوم کے حق میں بھی یہی مستحب ہے کہ وہ صفوف کو توڑ کر متفرق ہو جائیں تاکہ اشتباہ کلی طور پر دور سے
 دیکھنے والے کے حق میں بھی مرتفع ہو جائے۔
 واضح رہے کہ شراح نے اس انتقال مکانی کی حکمت ازالہ اشتباہ کے علاوہ استکثار شہود بھی لکھی ہے۔

بَابُ الْإِمَامِ يُحْدِثُ بَعْدَ مَا يَرْفَعُ رَأْسَهُ

بعض نسخوں میں یہاں پر من آخر الركعة کا بھی اضافہ ہے، یعنی امام آخری رکعت پڑھ لینے کے بعد اگر محدث ہو جائے
 تو اس کا کیا حکم ہے؟ نماز درست ہوئی یا نہیں، ترجمۃ الباب میں تو اگرچہ آخری رکعت کے سجود ہی کا ذکر ہے لیکن
 مراد یہ ہے کہ آخری رکعت کے سجود اور اس کے بعد قعدہ سے فارغ ہو چکا ہو جیسا کہ حدیث الباب میں مذکور ہے
 قوله، اذا قضی الإمام الصلوة وقعد فاحداث قبل ان يتكلم فقد تسبت صلوة،

اس حدیث سے معلوم ہو رہا ہے کہ نماز کے ارکان میں سے آخری رکن
حدیث الباب حنفیہ کی دلیل ہے
 قعدہ قدر التہجد ہے لہذا معلوم ہوا کہ سلام فرض نہیں، مسئلہ مختلف فیہ
 ہے، کتاب الطہارات کے شروع میں، مفتاح الصلوۃ الطہور و تحریکات التکبیر و تحلیلات التسلیم کے زیل میں گزر چکا، ائمہ
 ثلاث کے نزدیک فرض ہے اور حنفیہ کے نزدیک نہیں، لہذا یہ حدیث حنفیہ کی دلیل ہوئی، جمہور اس کا جواب یہ دیتے ہیں کہ

یہ حدیث ضعیف ہے عبدالرحمن بن زیاد افریقی کی وجہ سے، جواب یہ ہے کہ عبدالرحمن کا ضعف مختلف فیہ ہے، بہت سے ائمہ نے ان کی توثیق بھی کی ہے، دلائل پر کلام مذکورہ بالا حدیث کے ذیل میں بھی گذر چکا۔

قعدۃ اخیرہ کے حکم میں اختلاف | یہ اختلاف تو سلام کے بارے میں تھا اور قعدۃ اخیرہ میں بھی قدرے اختلاف ہے، وہ یہ کہ عند الجمهور ومنہم الحنفیہ والشافعیہ والحنابلہ فرض ہے اور مالکیہ کے نزدیک فرض نہیں، کہ فی الانوار الساطعہ۔

بَابُ تَحْرِيمِهَا التَّكْبِيرَ وَتَحْلِيلِهَا التَّسْلِيمَ

اس پر تفصیلی کلام "باب فرض الوضوء" کے تحت میں گذر چکا۔

بَابُ مَا جَاءَ مَا يُؤْمَرُ بِهِ السَّامِعُ مِنَ اتِّبَاعِ الْإِمَامِ

اس باب میں مصنف نے دو طرح کی روایات ذکر فرمائی ہیں چنانچہ پہلی حدیث میں تقدم علی الامام کی ممانعت ہے اور باقی روایات میں تأخر عن الامام کا ثبوت ہے۔

تقدم علی الامام کے منسوخ ہونے میں تو کوئی اختلاف نہیں ہے لیکن تأخر عن الامام کا مسئلہ مختلف فیہ اور تفصیل طلب ہے پہلے آپ تقدم کے بارے میں مذاہب علماء دینیئے۔

تقدم علی الامام میں اختلاف ائمہ | سو جانا چاہئے کہ یہاں تین چیزیں ہیں، تحریمہ، سلام، بقیۃ ارکان رکوع و سجود وغیرہ، اول یعنی تحریمہ میں تقدم علی الامام باتفاق ائمہ اربعہ مفسدہ صلوۃ ہے، اور ثانی یعنی سلام میں تقدم علی الامام صرف ائمہ ثلاثہ کے نزدیک مفسدہ ہے، حنفیہ کے نزدیک نہیں بلکہ مکروہ ہے، اور قسم ثالث یعنی بقیۃ ارکان، سو اس میں تقدم علی الامام ائمہ اربعہ کے نزدیک مفسدہ نہیں مگر وہ تحریمی ہے، البتہ

۱۔ التقدم علی الامام فی التقریمۃ مبطل عند الأئمة الاربعۃ، واما التقدم فی السلام فعند الجمهور مبطل كال تقدم فی التقریمۃ وعندنا حرام غیر مبطل، والتقدم فی بقیۃ الارکان حرام غیر مبطل عند الأئمة الاربعۃ، نعم فی روایۃ لاحد مبطل، واما المقادیرۃ فی التقریمۃ فمستحب عند الامام ومفسدہ عند الأئمة الثلاثہ وکذا فی روایۃ عند الصاحبین، وقیل خلافها مع الامام الی صنیفۃ فی الفضیلۃ لانی الجواز واما المقادیرۃ فی السلام فمبطل عند المالکیہ، ومکروہ عند الشافعیۃ والحنابلہ، وکذا فی مکروہ عند الجمهور فی بقیۃ الارکان من الامام الاحبار ولا یصح الداراری

ظاہرہ کے نزدیک اور یہی ایک روایت امام احمد کی بھی ہے کہ مفسد ہے

متابعہ امام علی وجہ المقارنۃ | اور دوسرا مسئلہ یعنی تاخر عن الامام جواب کی دوسری حدیث میں مذکور ہے
ہونی چاہئے یا بطریق معاقبہ | سو اس میں اختلاف ہے، امام شافعی و احمد تو متابعت علی وجہ المعاقبۃ کے قائل
ہیں، تمام ارکان میں اور اس کے بالمقابل امام ابو حنیفہ کے نزدیک متابعت علی

وجہ المقارنۃ افضل ہے تمام ارکان میں حتیٰ کہ تحریمہ میں بھی، لیکن تحریمہ میں صاحبین کا اختلاف ہے بدائع میں لکھا ہے
کہ امام ابو یوسف سے مقارنۃ فی التحریمہ میں دو روایتیں ہیں، فی روایت پہنچوزنی روایت لایحوز، اور امام محمد کے نزدیک
گو جائز ہے لیکن مع الاساءۃ، تحریمہ کے علاوہ باقی افعال میں صاحبین کیا فرماتے ہیں اس میں دو قول ہیں کما فی الشی
بعض فقہار نے لکھا ہے کہ اس میں وہ امام صاحب کے ساتھ ہیں کہ مقارنۃ افضل ہے اور بعض یہ کہتے ہیں کہ وہ اس
میں جمہور کیساتھ ہیں یعنی تاخر ادلی ہے، وہ گیا مسلک امام مالک کا سوان کے نزدیک تحریمہ و تسلیمہ میں تو تاخر عن الامام
ستین ہے اور باقی ارکان میں ان کے دو قول ہیں، اولیۃ مقارنۃ اور اولیۃ تاخر۔

مقارنۃ مع الامام میں مذاہب ائمہ | اس کے بعد سمجھئے کہ جمہور علماء ائمہ ثلاثہ تحریمہ میں تو تاخر کے وجوب کے
قائل ہیں حتیٰ کہ مقارنۃ فی التحریمہ ان کے نزدیک مفسد مصلوۃ ہے اور تسلیم
میں مقارنۃ امام شافعی اور احمد کے نزدیک تو صرف مکروہ ہے اور امام مالک کے نزدیک اس میں بھی مفسد ہے، جیسا کہ
لامع الدراری میں مختصر خلیل سے نقل کیا ہے اور تحریمہ و تسلیمہ کے علاوہ دوسرے ارکان میں امام شافعی و احمد کے نزدیک
مقارنۃ خلاف ادلی ہے اور امام مالک کی اس میں دو روایتیں ہیں، کما فی الامانی الاحبار ۳۷۲ عن القاضی عیاض ادلیہ کہ
مقارنۃ ادلی ہے کما عند الحنفیہ اور مقارنۃ کا مطلب یہ ہے کہ جب امام رکوع میں جانا شروع کرے تو اس کے بعد فوراً
مقتدی بھی شروع کر دے، اور دوسرا قول امام مالک کا یہ ہے کہ تاخر ادلی ہے (کما عند الشافعیہ والحنابلہ) یعنی
جب امام سجدہ میں پہنچ جائے مقتدی تب جانا شروع کرے جیسا کہ باب کی حدیث ثانی یعنی حدیث البراء میں ہے
(یہ مذاہب کا فی تتبع کے بعد لکھے گئے ہیں (من الامانی والاد جند والاماع)

دلائل فریقین | یہ حضرات حرف فار سے استدلال کرتے ہیں کہ حدیث میں ہے اذار کع فار کعوا اذا سجد
فاسجدوا: اور فار تعقیب کے لئے آتی ہے، ہمارے علماء نے اس کا یہ جواب دیا ہے
(کما فی فیض الباری) کہ فار تعقیب بلامہلت کے لئے ہے لہذا مقتدی کا شروع فی الرکوع امام کے شروع فی الرکوع کے بعد ہونا
تعقیب کے کافی ہے اور امام صاحب کی مراد بھی مقارنۃ سے یہی ہے کہ امام کے شروع کرتے ہی مقتدی فوراً شروع کر دے۔
لیکن یہ احقر کہتا ہے کہ جن روایات میں حرف فار ہے اس کا جواب تو یہ ہو جائے گا لیکن براء کی حدیث میں
تو تصریح ہے اس بات کی کہ جب تک حضور صلی اللہ علیہ وسلم سجدہ میں نہیں پہنچ جاتے تھے اس وقت تک ہم رکوع

میں جانا شروع ہی نہ کرتے تھے،

حضرت گنگوہیؒ کی توجیہ

حضرت گنگوہیؒ کی توجیہ | اس کا جواب مجھے حضرت گنگوہیؒ نور اللہ مرقدہ کی تقریر ترمذی الکوکب الدری میں ملا، وہ یہ کہ اصل ضابطہ اتباعِ امام کا تو وہ ہے جو متعدد روایاتِ قولیہ میں وارد ہے اذ اگر کج فاعل کو ادا مسجد فاسجد واد۔ اور یہ جو برابر کی حدیث میں مذکور ہے تأخر عن الامام یہ صورت ایک عارض کیوں سے پیش آئی وہ یہ کہ اخیر زمانہ میں جب آپؒ کی حرکت و انتقال میں بطور آگیا وہ سرعت نہ رہی جو پہلے تھی اور بعض شبانِ صحابہؓ (نوجوان طبقہ) اپنی تیزی اور پھرتی کیوجہ سے قومنہ سے سجدہ میں امام سے پہلے پہنچنے لگے (یا پہنچنے کا خطرہ ہوا) تو اس پر آپؒ نے تنبیہ فرمائی اس تنبیہ کے بعد یہ لوگ ڈر گئے اور زیادہ ہی احتیاط کرنے لگے اور جب تک امام سجدہ میں نہ پہنچ جاتا اس وقت تک قومہ ہی میں رہتے، یہ ہے اس مناقبہ کی وجہ، آپؒ کی طرف سے یہ حکم نہ تھا واللہ تعالیٰ اعلم بالصواب۔ فتح الملبم میں بھی اجالا اسی توجیہ کی طرف اشارہ کیا ہے کہ یہ زمانہ تبیین پر محمول ہے حوالہ، انی قد بدت اس کو تشدید اور تخفیف دونوں کیساتھ پڑھا گیا ہے، تشدید کی صورت میں اس کے معنی بکر سنی کے ہیں کہ میں اب بوڑھا ہو گیا ہوں۔ اور تخفیف کی صورت میں بدن یبدن بدنا از نضر اور بدن یبدن بدنا از کم جس کے معنی رہمن اور کثرتِ رحم کے ہیں۔

حلِّ اِسْمٰنٍ مِنْ اَوْصَافِ صَلَّی اللہُ عَلَیْہِ وَاٰلِہٖ وَسَلَّم
 لیکن اکثر علماء نے تشدید کو ترجیح دی ہے اسلئے کہ سَمَن (بھاری
 بدن یونا،) آپ صلی اللہ علیہ وسلم کے اوصاف میں سے نہیں

ہے، لیکن ایک روایت ابو داؤد میں آگے آرہی ہے، باب الرجل یقیم فی الصلوۃ علی اعضا کے ذیل میں ہمیں یہ ہر ان رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم لہما اُسنّ وحمل اللحو، جس سے صاف طور سے معلوم ہو رہا ہے کہ اخیر میں آپ کو سن عارض ہو گیا تھا، لیکن اس کا جواب یہ ہو سکتا ہے کہ بڑھاپے میں گوشت میں ڈھیلا پن ہو جاتا ہے جس سے گوشت میں پھیلاؤ ہو جاتا ہے بخلاف جوانی کے کہ اس زمانہ میں جسم اور گوشت متما سک اور ٹھوس ہوتا ہے تو ممکن ہے راوی نے اسی بناء پر ایسا کہا ہو۔

کیا صحابی محتاج توثیق ہے؟ | فتوہ: حدثننا البراء وهو غیر کذب، یہ لفظ شراح حدیث کے یہاں محل غور اور محتاج توجیہ بنا ہوا ہے اسلئے کہ المصاحبة علیہم عدول

لا یحتاجون الی توثیق: اسی لئے تمام علماء رجال کتب اسما رجال میں کسی صحابی کے ترجمہ میں وہ وثیقہ کبھی نہیں لکھتے۔ اور غیر صحابی چاہے کتنا بڑا عالم محدث فقیہ ہو اس کو محتاج توثیق سمجھتے ہوئے جو کچھ کلام کرنا ہوتا ہے وہ کرتے ہیں اس لئے امام یحییٰ بن معین کی رائے تو یہ ہے کہ مھضمیر کا مرجع برابر نہیں، میں بلکہ ان سے نیچے کے راوی یعنی عبداللہ ابن یزید ہیں، مگر اس پر اشکال یہ ہے کہ عبداللہ بن یزید تو مشہور صحابی ہیں، اس کا جواب یہ ہے کہ عبداللہ بن یزید

ایسے مشہور صحابی نہیں، صفار صحابہ میں ہیں بلکہ بعض کو ان کی محبت تسلیم ہی نہیں خود یحییٰ بن معین انھیں میں سے ہیں، اور اکثر شراح کی رائے یہ ہے کہ فیمبر براہی کی طرف راجع ہے مگر راوی کا مقصود اس سے براہ کی توثیق و تعدیل نہیں بلکہ مقصود تقویۃ حدیث ہے کہ دیکھو! حدیث بالکل صحیح ہے اور یہ ایسا ہی ہے جیسا کہ بعض مرتبہ ابو ہریرہ فرماتے تھے سمعت غلیل الصادق الصدوق صلی اللہ علیہ وسلم، اسلئے ظاہر ہے کہ یہاں بھی راوی کا مقصود حضور صلی اللہ علیہ وسلم کی تصدیق نہیں بلکہ تقویۃ حدیث ہی ہے، تہذیب کے ذہن میں ایک اور بات بھی ہے وہ یہ کہ ہو سکتا ہے کہ انہیں تعریفیں مقصود ہو بعض مخاطبین پر، یعنی ہو سکتا ہے کہ بعض سامعین کا عمل مضمون حدیث پر نہ ہو وہ اس کے خلاف پہلے سے کرتے ہوں اس لئے کہا جا رہا ہے وہو غیر کذب، دیکھو! براہ جھوٹ تو نہیں کہہ رہے ہیں۔

باب ماجاء فی التشدید فیمین رفع قبل الامام

قولہ، اما یحتمل احدکم اذا رفع راسہ والامام مساجداً، اس حدیث میں تقدم علی الامام پر و عمید شدید ہے اور یہ کہ ایسے شخص کو اپنی صورت شکل کے مسخ ہو جانے سے ڈرنا چاہئے ان ینحول اللہ راسہ رأس حمار

شرح حدیث | شرح نے اس میں دو احتمال لکھے ہیں، یا اس سے مسخ حسی مراد ہے صورت شکل کا قبیح صورت میں بدل جانا، یا مسخ معنوی چنانچہ حمار بکرات میں مشہور ہے، لیکن ظاہر یہ ہے کہ یہ اپنے ظاہر پر محمول ہے اسلئے کہ ابن حبان کی روایت میں بجائے رأس حمار کے رأس کلب ہے نیز اگر مقصود تشبیہ ہوتی حمار کے ساتھ تو لفظ مستقبل استعمال نہ کیا جاتا بلکہ یوں کہا جاتا فراسہ رأس حمار، اسلئے کہ بکرات و حماقت کا کام تو وہ فی الحال کر رہا ہے نہ یہ کہ آئندہ کریگا اتنا نہیں سمجھتا کہ اس رکوع سجود میں پیش قدمی سے کیا فائدہ جبکہ سلام امام ہی کیساتھ چھینا ہے تو یہ درمیان کی جلدی فضول ہے۔

وقوع المسخ فی هذه الامة | اور اس امت میں مسخ کا وقوع بعض احادیث سے مراد ثابت ہے (ذکر الحدیث فی البذل) نیز ابوداؤد کی ایک روایت میں ہے کہ میری امت میں جو لوگ مکذبین بالقدر ہوں گے (قدر یہ) ان میں خسف اور مسخ واقع ہوگا، لیکن بعض شراح مشکوٰۃ کے کلام سے یہ مترشح ہوتا ہے کہ اس امت میں مسخ نہ ہوگا، سوادل تو یہ کسی روایت سے ثابت نہیں، اور اگر مان بھی لیا جائے تو عموم مسخ کی نفی کر سکتے ہیں کہ بالعموم مسخ نہ ہوگا، خاص خاص جماعتوں کے بارے میں تو مسخ کا ثبوت احادیث میں موجود ہے۔

رفع قبل الامام میں مذاہب ائمہ | جانتا چاہئے کہ رفع قبل الامام حرام ہے لیکن عندا مجبور نماز صحیح ہو جائیگی اور ظاہر یہ کہتے ہیں کہ نماز فاسد ہو جائیگی اور یہی ایک روایت امام احمد سے ہے اور عبد اللہ بن عمر بھی اسی کے قائل ہیں۔ (بدل)

بَابُ فِيمَنْ يَنْصُوفُ قَبْلَ الْإِمَامِ

قولہ، و منها مهران ينصوفوا قبل انصرف، اس میں کئی احتمال ہیں، امام کے سلام سے پہلے مقتدی سلام نہ پھیرے، یا انفراف سے مراد انفراف عن المسجد ہے کہ مقتدی امام سے پہلے مسجد سے باہر نہ جائیں، لئلا يختلط الرجال بالنساء، اس سلسلہ میں ایک مستقل باب بھی آئے گا ابواب الجمع سے پہلے "باب انفراف النساء" قبل الرجال من الصلوة، و يمكن ان يكون المراد النهي عن قيام المسبوق قبل سلام الامام۔

بَابُ جَمَاعٍ أَثَوَابُ مَا يَصِلِي فِيهِ

یہ بڑا اسٹیشن آگیا یہاں سے دوسری قسم کے ابواب شروع ہو رہے ہیں، لفظ جماع میں دو لغت ہیں، کسر جیم و تخفیف جیم کیساتھ بروزن کتاب، اور ضم جیم و تشدید کیساتھ بروزن رُتَان۔ یہ جامع یا مجموع کے معنی میں ہے یعنی ثوب مصلی سے متعلق ابواب کا مجموعہ، یا ثوب مصلی سے متعلق ایک جامع باب۔

نماز کیلئے ستر عورت کا حکم اور اسمیں اختلاف علماء | جانتا چاہئے کہ عندا مجبور والائتہ الثلاثہ ستر عورت شرط صحت صلوٰۃ ہے، قال تعالیٰ یا بنی آدم خذوا زینتکم

عند کل مسجد زینت سے مراد مایتر العورہ ہے اور مسجد سے مراد صلوٰۃ ہے یعنی ہر نماز کی وقت اپنے لباس کو اختیار کرو بغیر لباس اور ستر عورت کے نماز نہ پڑھو، اسمیں مالکیہ کا اختلاف ہے دو قول ہیں، الاول ستر العورۃ شرط عند القدرة والذکر، اگر قدرت نہ ہو یا خیال نہ رہے تو معاف ہے، قول ثانی ان کا یہ ہے کہ گو ستر عورت فی نفسہ فرض ہے لیکن شرط صحت صلوٰۃ نہیں، لہذا اسکے ترک سے گنہگار ہوگا اور نماز صحیح ہو جائیگی، لیکن قولی مختار متاخرین مالکیہ کے نزدیک ستر عورۃ کا شرط ہونا ہے مثل مذہب جمہور کے (رحمۃ اللاتہ)

مسئلہ میں جمہور اور مالکیہ کی دلیل | ابن قدامہ نے معنی میں مالکیہ کی طرف سے دلیل یہ لکھی ہے کہ ستر عورت کا واجب ہونا نماز کیساتھ خاص نہیں ہے بلکہ ہر حال میں ہے،

لہذا صلوٰۃ کے لئے شرط نہ ہوگا، جیسے دارِ منصوبہ میں نماز پڑھنا کہ اس سے اجتناب شرط صلوٰۃ نہیں کیونکہ غصب سے بچنا ہر حال میں ضروری ہے صلوٰۃ کیساتھ خاص نہیں اور جمہور کی دلیل انہوں نے لایقبل اللہ صلوٰۃ حائض الا بخسار، اور سلمۃ بن الاکوع کی حدیث جو کتاب میں آگے آ رہی ہے وَاِذَا رَدَّهٗ وَلَوْ بِشَوْكَةٍ ذَكَرَ كِيَّہٗ۔

حد العورة میں اختلاف علماء | اس مقام کے مناسب ایک مسئلہ اور بیان کرنا ضروری ہے وہ یہ کہ حد العورة جس کا ستر ضروری ہے وہ کیا ہے، چنانچہ امام بخاریؒ نے بھی جہاں ثوب مصلیٰ کے ابواب ذکر کئے ہیں وہاں ایک باب ”باب ما یستر من العورة“ بھی ذکر کیا ہے۔

سو جانتا چاہئے کہ ظاہریہ کے نزدیک عورة کا مصداق صرف سوستیں ہیں یعنی قبل اور دبر باقی بدن کا ستر ضروری نہیں، یہی ایک روایت امام احمدؒ کی ہے کافی المغنی ص ۵۵۵ اور ائمہ ثلاثہ کے نزدیک مرد کی حد العورة ما بین السرة والركبة ہے، اور حنفیہ کے نزدیک من السرة الى الركبة اس طور پر کہ سرہ حد عورت سے خارج اور رکبہ اس میں داخل ہے، بخلاف ائمہ ثلاثہ کے کہ ان کے نزدیک رکبہ بھی حد عورة سے خارج ہے، شیخ المشائخ حضرت شاہ ولی اللہ صاحب کے تراجم بخاری میں امام مالکؒ کا مذہب تقریباً مثل ظاہریہ کے لکھا ہے اور یہ کہ فخذین ان کے نزدیک حد عورة میں داخل نہیں، لیکن یہ ان کا ایک قول ہے۔

اب رہا مسئلہ مرأة کا کہ اس کی حد عورت کیا ہے، سو جانتا چاہئے کہ جمہور کے نزدیک امۃ اور حرہ میں فرق ہے عورة امۃ مثل رجل کے ہے اور رجل کا حکم اوپر گزر چکا، الا الظاہریہ و مہم لایفرقون فی ذلک بین الحسنة والامۃ، اور حرہ کی حد عورت پورا بدن ہے البتہ بعض اعضاء کا استثناء ہے جیسے وجہ اور کفین، اول کا استثناء تو ائمہ اربعہ کے درمیان متفق علیہ ہے اور کفین کا استثناء حنفیہ شافعیہ مالکیہ کے یہاں ہے حنابلہ کی اس میں دو روایتیں ہیں ایک میں استثناء ہے ایک میں نہیں کافی المغنی۔

عورت کے قد میں اختلاف | اور قد میں کا استثناء ائمہ ثلاثہ کے یہاں نہیں، ان کے نزدیک قد میں حد عورة میں داخل ہیں، حنفیہ کی اس میں دو روایتیں ہیں لیکن ہدایہ اور در مختار میں عورت نہونے کو امح قرار دیا ہے، اور تیسری روایت یہ ہے میسا کہ شامی میں ہے کہ قد میں عورت ہیں خارج صلوٰۃ نہ کہ داخل صلوٰۃ۔

منشأ اختلاف | دراصل یہ اختلاف مبنی ہے آیت کریمہ وَلَا یُبْدِیْنَ زَیْنَتَهُنَّ إِلَّا مَا ظَہَرَ مِنْهَا کی تفسیر پر، آیت میں زینت سے مراد مواضع زینت ہے، پھر مواضع زینت

لہ حضرت شیخ عاصمیہؒ بذل میں لکھتے ہیں، قلت ویلین من ہاش الہدایہ مکمل فتل۔

ظاہرہ کے مصداق میں اختلاف ہے بعض نے وجہ اور کیفین کو قرار دیا ہے، چنانچہ کھلی زینت وجہ ہے اور خاتم زینت کف، اور بعض نے اس میں قدیم کو بھی داخل کیا ہے اسلئے کہ پاؤں میں بھی انگوٹھی پہنی جاتی ہے جس کو فتحہ کہتے ہیں، تو گویا زینت ظاہرہ کا مصداق تین چیزیں ہوں گی، خاتم، فتحہ، اور مراد ان کے مواضع ہیں۔

ایک اور اختلافی مسئلہ یہاں پر ایک مسئلہ اور ہے وہ یہ کہ امام شافعیؒ کے نزدیک انکشاف عورتہ فی الصلوٰۃ مطلقاً مفسد صلوٰۃ ہے اور حنفیہ و حنابلہ کے نزدیک انکشاف سیر

معاف ہے کافی المغنی، اور سیر کا مصداق ہمارے فقہار نے ما دون ربع العضو لکھا ہے لہذا چوتھائی عضو کا کھل با نامفسد صلوٰۃ ہوگا۔

قولہ، اَدْلٰکُمْ ثَوْبَانِ اَپ صلی اللہ علیہ سے صلوٰۃ فی ثوب واحد کے بارے میں سوال کیا گیا جس پر آپؐ نے فرمایا، کیا تم میں سے ہر ایک کے پاس دو دو کپڑے موجود ہیں، مطلب یہ ہے کہ ثوب واحد میں نماز جائز ہے۔

صلوٰۃ فی ثوب واحد بالاتفاق ائمہ اربعہ جائز ہے، بعض صحابہ جیسے ابن مسعودؓ سے اسکی ممانعت منقول ہے چنانچہ مُصَنَّف عبد الرزاق کی روایت ہے کہ ایک مرتبہ ابی بن کعب اور ابن مسعودؓ کا اس مسئلہ میں اختلاف ہوا حضرت اُبیؓ فرماتے تھے لا بأس بہ اور ابن مسعودؓ فرماتے تھے انما کان ذلک اذا کان الناس لا یجدون ثیاباً فاما اذا وجدوها فالصلوٰۃ فی ثوبین حضرت عمرؓ وہاں تشریف فرما تھے انھوں نے فرمایا الصواب ما قال اُبی لا ما قال ابن مسعودؓ (سنن) اس طرح ابن مسعودؓ سے مروی ہے کہ ثوب واحد میں نماز نہ پڑھنی چاہئے وان کان ادسع من السمار (ہامش کو کب) لیکن اس پر اجماع ہے کہ صلوٰۃ فی ثوبین افضل ہے اور حضور صلی اللہ علیہ وسلم کا ثوب واحد میں نماز پڑھنا کبھی تو دوسرا کپڑا انھونے کی بنا پر تھا اور کبھی باوجود ہونے کے بیان جواز کے لئے، اصل اس میں یہ ہے کہ نماز لباس معتاد اور مناسب بیئت میں پڑھنی چاہئے، جس لباس اور بیئت میں آدمی بڑے لوگوں سے ملنا اور جماع میں شرکت پسند نہیں کرتا ایسی بیئت نماز میں بھی اختیار نہ کرنی چاہئے، چنانچہ فقہار نے ثیاب بذلہ (میلے کچیلے اور خراب) میں نماز کو مکروہ لکھا ہے۔

قولہ، لا یصلی احدکم فی الثوب الواحد لیس علی منکبہ منہ شیء اس سے معلوم ہوا کہ اگر آدمی ثوب واحد میں نماز پڑھے تو اس کو اس طرح استعمال کرے کہ بدن کا بالائی حصہ بھی مستور رہے لنگی کی طرح وسط بدن میں نہ باندھے، یہ وہی معتاد اور مناسب بیئت والی بات ہے جس کو ہم اد پر بیان کر چکے ہیں لیکن یہ اسی وقت ہے جب اس کپڑے میں اس کی گنجائش ہو، اور اگر وہ زیادہ چھوٹا ہو تو پھر یقیناً وسط بدن میں اس کو باندھنا پڑیگا جبہور علماء کے نزدیک یہ بھی تنزیہ کیلئے ہے وعند احمد للتحريم، ایک قول ان کا یہ ہے کہ اس مذاہب ائمہ صورت میں نماز ہی درست نہ ہوگی، دوسرے قول ان کا یہ ہے کہ نماز تو صحیح ہو جائے گی لیکن آثم ہوگا۔

ہی کیوں نہ ہو اسلئے کہ قمیہ کا گریبان اگر کھلا رہا تو رکوع میں یا کسی دوسری حالت میں اپنے سر پر نظر پڑنے کا امکان ہے
 وَاَزَرُ امْرُكَا مِیْذِہٖ ذَرَّ یَزْرُ بَابِ نَفَرٍ سے، زَر کہتے ہیں گھنڈی کو جس کی جمع اَزْرَارُ آتی ہے، حدیث میں جو لفظ اَصْنَدُ
 مذکور ہے ظاہر یہ ہے کہ یہ واحد متکلم کا میضہ ہے بروزن اَبِیْع، اور کہا گیا ہے کہ یہ لفظ اَصْنَدُ ہے بروزن اَحْمَر، جس کے معنی
 ہیں وہ شخص جس کی گردن میں کوئی تکلیف ہو جس کی وجہ سے اس کو حرکت دینا اور التفات کرنا مشکل ہو۔

لَوْ وَقَعَ نَظْرُ الْمَصْلٰی عَلٰی عَوْرَتِہٖ | اس حدیث میں قمیہ میں گھنڈی لگانے کا حکم دیا گیا اس کی وجہ بیان کی گئی
 کہ عورت پر نظر نہ پڑے یہ مسئلہ مختلف فیہ ہے۔

امام شافعی و احمد کے نزدیک مصلیٰ کی نظر اپنے سر پر پڑ جانے سے نماز فاسد ہو جاتی ہے اور مالکیہ کا اس میں اختلاف
 ہے۔ ہمارے یہاں بھی اس میں دو روایت ہیں راجح عدم فساد ہے (من ہاش البذل) اس حدیث سے ابن قدامہ نے
 متحر صلوٰۃ کے لئے سر عورت کے شرط ہونے پر استدلال کیا ہے۔ کما تقدم

بَابُ اِذَا كَانَ ثَوْبًا ضِیْقًا

ثوب ضیق کا حکم ہمارے کلام میں پہلے آچکا، اور یہ کہ ثواب واحد جس نماز پڑھنا چاہتا ہے اس کی تین قمیہ ہیں تفصیل
 گذر چکی۔

قوله، قَالَ اَتَيْنَا جَابِرًا رَضِيَ عَنْهُ ابْنُ عَبْدِ اللَّهِ قَالَ سَمِعْتُ مَعَ رَسُولِ اللَّهِ صَلَّى اللَّهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ فِي غَزْوَةِ
 مضمون حدیث | اس غزوہ سے غزوہ بُوَا طمراد ہے جیسا کہ مسلم کی روایت میں تصریح ہے، حضرت جابر حضور صلی اللہ
 علیہ وسلم کیساتھ اپنے بعض اسفار کا ذکر کر رہے ہیں، حدیث بہت طویل ہے جو مسلم شریف
 جلد ثانی کے اخیر میں ہے مصنف نے اس کا یہاں ایک ٹکڑا ذکر کیا ہے جس کا مضمون یہ ہے، حضور نماز پڑھ رہے تھے
 میں نے سوچا کہ میں بھی آپ کے پیچھے نیت باندھ لوں، میرے پاس صرف ایک چادر تھی جس کو اوڑھ کر مجھے نماز پڑھنی تھی
 میں نے اس کو مخالفۃ بین الطرفين کیساتھ اوڑھنا چاہا مگر وہ اوڑھ ہی نہ جاسکی، اس چادر میں ایک جانب جمالہ سے تھے
 وہ جانب نیچے کی طرف تھی اسلئے میں نے اس چادر کو پلٹا تاکہ وہ نیچے کی جانب اوپر کی طرف آجائے اور وہ جمالہ اوپر کی طرف
 ہو جائیں اور ان کی وجہ سے مجھے کچھ چادر سنبھالنے میں مدد ملے، چنانچہ میں نے اس چادر کو حسب سابق مخالفۃ بین الطرفين
 کیساتھ اوڑھا اور وہ جمالہ جواب اوپر کی طرف آگئے تھے ان کے ذریعہ سے میں نے اس چادر کے سروں کو اپنی ٹھوڑی
 سے دبایا تاکہ وہ چادر نہ گرے، اور پھر اسی حالت میں حضور صلی اللہ علیہ وسلم کی بائیں جانب آکر نیت باندھ لی، آپ نے
 میرا ہاتھ پکڑ کر بائیں جانب سے دائیں جانب کر دیا، ٹھوڑی دیر بعد میرے ساتھ (جن کا نام جابر بن صخر ہے جیسا کہ مسلم

کی روایت میں ہے) انھوں نے بھی آکر حضورؐ کی بائیں طرف نیت باندھ لی، آپؐ نے ہم دونوں کو اپنے ہاتھوں سے پیچھے کی طرف دھکیل دیا۔ اور آپؐ نماز میں میری طرف مسلسل دیکھتے رہے لیکن میں آپؐ کے اشارہ پر متوجہ نہیں ہوا۔ حضورؐ دیر بعد میں سمجھ گیا کہ آپؐ مجھے اشارہ سے کچھ فرما رہے ہیں، اور وہ اشارہ یہ تھا کہ چونکہ یہ چادر چھوٹی ہے اسیں مخالفت میں الطرفین کی گنجائش نہیں ہے اسلئے اس کو اپنے وسط بدن میں باندھ لے، اور پھر نماز سے فارغ ہونے کے بعد یہی بات آپؐ نے زبان سے ارشاد فرمائی۔

بَابُ الْإِسْبَالِ فِي الصَّلَاةِ

اسبال کے لغوی معنی پردہ وغیرہ کو ڈھیلا چھوڑنے کے ہیں، اور یہاں پر مراد یہ ہے کہ قمیص یا ازار کو ٹخنوں سے نیچے کرنا جو کہ مرد کے لئے ممنوع ہے۔

اسبال ازار کا حکم | علماء نے لکھا ہے کہ اگر یہ ٹخیلا کیوجہ سے ہو تب تو حرام ہے اور اگر دیسے ہی بے توجہی اور غفلت کیوجہ سے ہو تو مکروہ ہے، اور اگر کسی عذر اور مجبوری کیوجہ سے ہو تو مکروہ

بھی نہیں، جیسے صدیق اکبرؓ کے بارے میں آتا ہے کہ انھوں نے آپؐ صلی اللہ علیہ وسلم سے عرض کیا کہ میرا ازار نیچے کو ہو جاتا ہے تو آپؐ نے فرمایا کہ تمہارا یہ فعل ٹخیلا کیوجہ سے نہیں، لامع میں کسی جگہ لکھا ہے کہ صدیق اکبرؓ بہت دبلے پتلے تھے ان کا پیٹ اندر کو تھا اس لئے ان کا ازار خود بخود سرک کر نیچے ہو جاتا تھا، اور اس کے بالمقابل حضرت علیؓ کا بدن بھاری تھا اور ان کا پیٹ باہر کو نکلا ہوا تھا اس وجہ سے ان کی لنگی نیچے کو ہو جاتی تھی، ہر حال ایسی شکل میں کوئی گراہت نہیں ہے۔

مضمون حدیث | قولہ، بینما رجل یصلی مسبلاً اذا راہ اہم ایک شخص اسبالی ازار کیساتھ نماز پڑھ رہا تھا آپؐ نے اس سے فرمایا جا وضو کر، وہ وضو کر کے آیا آپؐ نے فرمایا پھر جا دوبارہ وضو کر وہ دوبارہ وضو کر کے آیا ایک شخص نے آپؐ صلی اللہ علیہ وسلم سے سوال کیا کہ آپؐ نے اس کو وضو کا حکم کس لئے فرمایا، آپؐ نے اس کی وجہ بیان فرمائی کہ اسبالی ازار کی حالت میں آدمی کی نماز اللہ کے یہاں قبول نہیں ہوتی اسبالی ازار چونکہ بعض مرتبہ تکبر کی بنا پر ہوتا ہے جو ایک باطنی گندگی ہے اسلئے آپؐ نے اس کو طہارۃ الظاہر کا حکم فرمایا تاکہ اس کے اثر سے طہارت باطن حاصل ہو کیونکہ اللہ تعالیٰ نے ظاہر و باطن کے درمیان ایک خاص قسم کا ربط اور جوڑ رکھا ہے، اور دوبارہ آپؐ نے اس کو وضو کا حکم فرمایا تاکہ اس کی پہلی مرتبہ سے مقصود اچھی طرح سے حاصل نہ ہوا ہوگا۔

قوله، فليس من الله، جل ذكره في حل ولا حرام، یعنی جو شخص نماز میں تکبر کی وجہ سے اسبابِ ازار کرتا ہے اس کا یہ حال ہے جو حدیث میں مذکور ہے۔

شرح حیشہ | اس جملہ کے مطلب میں شرح کے مختلف قول ہیں عا یہ ماخوذ ہے عرب کے قول فلان لا ینفع للخلال ولا للعرا، یعنی فلان شخص ناکارہ اور بیکار ہے لوگوں کے نزدیک اس کی کوئی وقعت نہیں اور نہ اس کا کوئی فعل قابل اعتبار ہے، اور یا یہ مطلب ہے کہ یہ شخص نہ کوئی جائز اور حلال کام کر رہا ہے اور نہ اللہ تعالیٰ کے نزدیک اس کا کوئی احترام ہے، یا یہ مطلب ہے کہ اس شخص کیلئے نہ جنت حلال ہے اور نہ جہنم حرام، اور یا یہ مطلب ہے کہ یہ شخص اللہ تعالیٰ کے نزدیک ایسا ہے کہ اس کو نہ حلال کی خبر اور پرواہ اور نہ حرام کی۔

بَابُ مَنْ قَالَ يَتْرُسُ بِهِ إِذَا كَانَ ضَيِّقًا

ایک نوع کے دو باب میں دفع تکرار | یہ باب بظاہر مکرر ہے اسی قسم کا باب قریب میں گذر چکا، حضرت نے بذل میں اس کا جواب یہ لکھا ہے کہ سابق باب والی حدیث میں،

فامشددہ علی حقوک لفظ وارد ہے مرع لفظ اتزار وہاں نہیں تھا گو معنی دونوں کے ایک ہی ہیں تو گویا مصنف نے الفاظ حدیث کے اتباع اور رعایت میں ایسا کیا ہے، لیکن صاحب منہل نے اس سے کوئی تعرض ہی نہیں کیا، ایک جواب یہ ہو سکتا ہے کہ حدیث الباب میں یہ مذکور ہے کہ اگر آدمی کے پاس ایک ہی کپڑا ہو تو اس کا اتزار کرنا چاہئے حدیث میں ٹوپ واحد کے حق میں مطلقاً اتزار کہا گیا ہے حالانکہ یہ حکم اس صورت میں ہے جب وہ کپڑا جھوٹا اور تنگ ہو، اسلئے مصنف نے حدیث کو متعید کرنے کیلئے اس پر یہ ترجمہ قائم کیا، تو گویا یہ ترجمہ شارح ہوا، بخاری شریف کے بھی بہت سے تراجم کے بارے میں بعض صورتوں میں یہی توجیہ کی جاتی ہے کہ یہ ترجمہ شارح ہے۔

اشتمال الیہود والصابیہ کی تفسیر | قوله ولا یشتمل الیہود، اور یہود کی طرح چادر نہ لپیٹے، اشتمال یہود

یہ ہے کہ چادر کو اس طرح اپنے سارے بدن پر لپیٹ لے اور سے نیچے تک کہ ہاتھوں کا باہر نکالنا دشوار ہو، اسیں تشبہ بالیہود کے علاوہ کھو ق ضرر کا اندیشہ ہے، اگر گرنے لگے تو اپنے آپ کو سنبھالے گا کیسے، اسی طرح موذی جانور سے بچنا بھی مشکل ہوگا اسلئے کہ دونوں ہاتھ تو اندر ہیں، اور یہی تفسیر

لے اس توجیہ پر یہ اشکال ہو سکتا ہے کہ اگر مصنف کا مقصود شرح حدیث ہی ہے تو اس حدیث کو بھی گذشتہ باب کے تحت لے آئے اس سے بھی شرح حدیث کا فائدہ حاصل ہو جاتا، اللهم الا ان یقال کہ بقصد اہتمام اسکے لئے مستقل باب باندھا ہے۔

اشتمال الصار کی بھی کی گئی ہے بخاری شریف کی ایک روایت میں ہے نہیں رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم عن اشتمال الصماء، دراصل یہ العفۃ الصماء سے لیا گیا ہے، وہ ٹھوس پتھر جیسی کوئی منفذ اور سوراخ نہ ہو، اور بعض علماء نے اشتمال الصار کی تفسیر یہ کی ہے کہ ایک کپڑے کو اس طرح پہنے کہ اس کو پٹنے کے بعد اس کے ایک سرے کو اٹھا کر کندھے پر ڈال لے، اس صورت میں کشف عورت کا احتمال ہے۔

بَابُ فِي كَمْ تَصَلِّي الْمَرْأَةُ

عند الجمهور عورت کے لئے نماز کے لباس میں دو کپڑوں کا ہونا واجب ہے، غمار اور قمیص جیسا کہ حدیث الباب میں ہے، غمار ستر رأس کے لئے اور قمیص باقی تمام بدن کے لئے، لیکن جمہور یہ کہتے ہیں کہ مقصود تمام بدن کا ستر ہے فلو حصل ثوب واحد وسیع جاز، یہی ائمہ اربعہ کا مذہب ہے، وقیل لابد من ثلاث، وقیل لابد من اربع، غمار، قمیص، ازار، بلحفة، اخیر کے یہ دو قول عطار اور ابن سیرین سے مروی ہیں، ابن قدامہ لکھتے ہیں عورت کیلئے مستحب (عند احمد والشافعی) یہ ہے کہ وہ تین کپڑوں میں نماز پڑھے، غمار، ذراع، جلباب یعنی چادر قمیص کے اوپر اوڑھنے کیلئے قوله، والدرع الشایخ الذی یغیب ظہور شد میہما، اس حدیث سے معلوم ہوا کہ مرأۃ کے قد میں حد عورت میں داخل ہیں جیسا کہ ائمہ ثلاث کا مذہب ہے۔

قد بین کے عورت ہونے پر استدلال اور حنفیہ کی طرف سے اس کا جواب

لیکن یہ حنفیہ کے قول اصح کے خلاف ہے، جواب یہ ہے کہ حدیث ضعیف ہے اسکی سند میں ام محمد ہیں ان کے بارے میں ذہبی لکھتے ہیں لا تعرف، نیز اس حدیث کی سند میں اضطراب ہے حکومہ نے خود آگے چل کر بیان کیا ہے، وہ یہ کہ اکثر رواۃ نے اس حدیث کو ام سلمہ سے موقوف اور بعض نے مرفوعاً روایت کیا ہے لہذا حدیث میں ضعف پیدا ہو گیا۔

بَابُ الْمَرْأَةِ تَصَلِّي بغير غمار

مرہ عورت کی نماز بغير غمار یعنی بغير ستر رأس کے بالاتفاق فاسد ہے، البتہ اس میں اختلاف ہے کہ اگر مقدار بغير

لہ قمیص سے لمبا کرتے مراد ہے اوپر سے نیچے تک (عربی کرتے)

مکشوف ہو تب کیا حکم ہے۔ سو یہ پہلے گزر چکا کہ امام شافعیؒ کے نزدیک ایسی صورت میں نماز درست نہ ہوگی، چنانچہ امام قزوينیؒ حدیث الباب کے تحت فرماتے ہیں والحمد لله عند اهل العلم ان المصلاة اذا دركت فصلت و شئ من شعرها مكشوف لا تجوز صلواتها وهو قول الشافعي، اور حنفیہ حنابلہ کے یہاں مقدار یسر (مادون البرج) معاف ہے۔

قوله ان عاشت، فزلت على صفية ام طلحة الطلحات، یہ صفیہ کی صفت ہے یعنی وہ صفیہ جو طلحة الطلحات کی والدہ ہیں طلحة الطلحات سے مراد طلحة بن عبد اللہ بن خلف ہیں، انکو طلحة الطلحات کیوں کہتے ہیں؟ اسکی وجہ تلقیب میں مختلف قول ہیں ایک قول یہ ہے جو اصمعیؒ سے منقول ہے کہ طلحة نامی چند رجال ہیں جو جو دوسنیا میں معروف ہیں، اور ہر ایک کا ایک لقب ہے وہ یہ ہیں، طلحة بن عبید اللہ الیتی ان کا لقب الفیاض ہے، طلحة بن عمر بن عبید اللہ، یہ طلحة الجواد سے معروف ہیں، طلحة بن عبد اللہ بن عوف الزہری یہ طلحة الدندی کیساتھ معروف ہیں، طلحة بن الحسن بن علی ان کو طلحة الخیر کہا جاتا ہے اور پانچویں یہ ہیں جو یہاں مذکور ہیں جن کو طلحة الطلحات کہا جاتا ہے کیونکہ یہ انہیں سب سے زیادہ سخی تھے، اور ایک دوسری وجہ اسکی یہ بیان کی گئی ہے کہ ان کے اجداد میں بہت سوں کا نام طلحة تھا۔

فروأت بنات لها فقلت ان مضمون حدیث یہ ہے کہ ایک مرتبہ حضرت عائشہؓ صفیہ کے یہاں گئیں (وہاں ابھی لڑکیوں کو انھوں نے ننگے سر دیکھا ہوگا) تو اس پر حضرت عائشہؓ نے ان کو حضور صلی اللہ علیہ وسلم کے زمانہ کا ایک واقعہ سنایا، وہ یہ کہ ایک مرتبہ حضور میرے حجرے میں تشریف لائے وہاں آپ نے ایک جاریہ کو دیکھا جس کا سر کھلا تھا تو آپ نے حضرت عائشہؓ کی طرف اپنی ایک لنگی پھینکی اور فرمایا کہ اس کے دو ٹکڑے کر کے ایک اس لونڈی کو دیدو اور ایک اس لونڈی کے پاس بھیج دو جو ام سلمہ کے پاس رہتی ہے اسلئے کہ میرا انداز یہ ہے کہ یہ دونوں حد بلوغ کو پہنچ گئی ہیں لہذا ان کو اب اپنا سر ڈھک کر رکھنا چاہیئے۔

صلوة الامة مع كشف الرأس جانتا چاہئے کہ مسئلہ یہ ہے، باندی کی نماز کشف رأس کیساتھ بھی جائز ہے اس کے حق میں سر رأس واجب نہیں، مغنی میں لکھا ہے لانعلم اعدا خالف فی هذا الا الحسن، جہور کی دلیل انھوں نے یہ لکھی ہے کہ ایک مرتبہ حضرت عمرؓ نے ایک باندی کو متفقہ دیکھا، قناع یعنی خمار اوڑھے ہوئے تو انھوں نے فرمایا اکشفی رأسک ولا تشبهی بالحرث، اور یہاں حضور نے جو سر رأس کو فرمایا تو ہو سکتا ہے کہ وہ لڑکی مرد ہو یا احتیاطاً اور تعلیم ادب کے لئے آپ نے ایسا کیا ہو۔

باندی اور حرث کی حد عورت میں ہمارے یہاں اختلاف تفصیل سے گزر چکا۔

باب ماجاء فی السدل فی الصلوة

سدل کی تفسیر میں اقوال | یہاں پر دو چیزیں ہیں، سدل کی تفسیر اور دوسرے اس کا حکم، اس کی کئی تفسیریں کی گئی ہیں، ارسال الثوب وجرہ خیلار، یعنی قمیص یا ازار کو زیادہ دراز کرنا جس کو

اسبال بھی کہتے ہیں جس کا باب پہلے گذر چکا، اور ایک تفسیر وہ کی گئی ہے جو اشتمال الیہود میں گذر چکی کہ چادر کو اس طرح اوڑھنا کہ دونوں ہاتھ بھی اس کے اندر بندھ جائیں، اور معروف تفسیر اس کی یہ ہے کہ چادر یا رومال کے وسط کو سر یا منکبین پر ڈال لیا جائے اور پھر اس کو ویسے ہی چھوڑ دے بغیر ضم طرفین کے (یعنی اس کو لپیٹے نہیں) علامہ سیوطی نے اسی تفسیر کو رائج قرار دیا ہے، صاحب ہدایہ اور صاحب منہی اسی طرح امام بیہقی نے بھی اسی کو اختیار کیا ہے۔

سدل کے حکم میں اختلاف | یہ جمہور کے نزدیک مکروہ ہے، امام ابو حنیفہ واحمد کے نزدیک تو صرف نماز میں کما فی البذل عن الخطابی والبدائع وکذا فی الشامی اور امام شافعی کے نزدیک

مطلقاً صلوة و خارج صلوة، اور امام مالک کے نزدیک اس میں مطلقاً کراہت نہیں جیسا کہ ابن العربی نے اس کو فقل کیل ہے، اور یہی مذہب ہے عطار و حسن اور ابن سیرین وغیرہ کا، ابن رسلان فرماتے ہیں امام احمد کے نزدیک کراہت اس وقت ہے جب نمازی کے بدن پر صرف ایک ہی کپڑا ہو، اور اگر کوئی شخص قمیص پر سدل کرے، فلا باس بہ، اور دوسرے حضرات یہ کہتے ہیں کہ سدل اگر قمیص وغیرہ پر ہے تب تو کراہت تشبہ بالیہود کی وجہ سے ہے اور اگر بدون قمیص کے ہو تو لا احتمال کشف العورة۔

قولہ، نہی عن السدل فی الصلوة وان یغطى الرجل فاحہ نماز کی حالت میں تعظیہ فم مکروہ ہے، یعنی منہ پر ڈھانپنا باندھنا، اس حدیث کی بنا پر اور اسلئے کہ وہ قرأت اور اذکار سے مانع ہے نیز اس میں تشبہ بالجوس ہے فانہم یبتلعون فی عبادتہم النار، یہود آتش پرستی کی وقت اپنے منہ پر کپڑا لپیٹ لیتے ہیں، لہذا سردی کے زمانہ میں کبل یا چادر اوڑھتے وقت اپنے منہ کو نہ لپیٹے، اسی طرح سر کے رومال یا گٹھری سے بھی نہ کرے، اس کا خیال رکھنا چاہیئے۔

لہ مظاہر حق میں لکھا ہے سدل یہ ہے کہ اوڑھے کپڑا سر پر یا مونڈیوں پر اور دونوں طرفیں اس کی لٹکی رہیں یعنی جٹکن نہ مارے، پس یہ منہ پر مطلق اسلئے کہ شان نکبر کی ہے اور نماز میں بہت برائے اور عرب گٹھری کے کونے سے ڈھانپنا باندھتے تھے کہ دہانہ چھپ جاتا تھا، اس سے بھی منع فرمایا اسلئے کہ قرأت اس سے اجنبی طرح سے ادا نہیں ہوتی اور سجدہ پورا نہیں ہوتا، اور جو کوئی جائی لے یا ذکر کرے اور اسکے منہ سے بدبو آتی ہو اس کو نماز میں ڈھانکنا منہ کا ہاتھ سے ستھ ہے۔

قولہ، عن ابن جریج قال اکثر ما رأیت عطاء یصلی سادلاً، یہ پہلے گذر چکا کہ عطاء ان علماء میں سے ہیں جن کے نزدیک سدل مکروہ نہیں، قال ابو داؤد رواہ عن عطاء الحدیث سابق یعنی باب کی پہلی حدیث کا یہ دوسرا طریق ہے، مصنف یہی بتلانا چاہتے ہیں کہ اس حدیث کی ایک سند یہ بھی ہے لیکن پہلی سند اس دوسری سے بہتر ہے اس لئے کہ مثل ضعیف راوی ہے۔

اشکال وجواب یہاں پر اشکال یہ ہوتا ہے کہ عطاء حدیث الباب کے راوی ہیں جمیع سدل فی الصلوۃ کی ممانعت ہے تو وہ اس حدیث کے خلاف کیوں کرتے تھے، اس کا جواب یہ ہو سکتا ہے کہ ممکن ہے ان کے نزدیک سدل کی کراہت ثوب واحد کی صورت میں ہو، اور اگر سدل قمیص یا ازار پر ہو تب کراہت نہ ہو جیسا کہ امام احمد کے یہاں ہے، لہذا ہو سکتا ہے کہ وہ سدل قمیص یا ازار پر کرتے ہوں، اور امام بیہقی نے اسکی توجیہ یہ کی ہے وکان فی الحدیث او حملہ علی ان ذلک استمالا یجوز للخیلاء وکان لا یفعلہ خیلاء، یعنی یا تو وہ حدیث کو بھول گئے اور یا ان کے نزدیک حدیث کا محل وہ سدل ہے جو تکبر کے طور پر ہو۔

باب الرجل یصلی عاقصاً شعره

عقص کا مطلب یہ ہے کہ آدمی اپنے بالوں کو بجائے ارسال کے سر کے پیچھے ان کا جوڑا باندھ لے جس طرح عورتیں باندھ لیا کرتی ہیں۔

کراہت عقص کی علت مع اختلاف علماء یہ جمہور علماء ائمہ ثلاثہ کے نزدیک مطلقاً مکروہ ہے اور امام مالک کے نزدیک کراہت اس صورت میں ہے جبکہ عقص نماز سے پہلے نماز ہی کی نیت سے کرے، اور اگر پہلے سے ہو تب کوئی مضائقہ نہیں، لیکن یہ کراہت فی حق الرجال ہے عورتوں کے حق میں نہیں اسلئے کہ ان کے بال واجب السرب ہیں، اور مردوں کے حق میں کراہت اسلئے ہے کہ اس صورت میں بالوں کو جوڑے محسوس رکھنا ہے، اگر آدمی کے سجدہ کے ساتھ اس کے بال بھی زمین پر واقع ہوں تو کیا ہی اچھا ہے مصنف ابن ابی شیبہ میں عبداللہ بن مسعود کا اثر مروی ہے کہ آدمی جب سجدہ کرتا ہے تو اس کے بال بھی سجدہ کرتے ہیں، اور ہر بال کے بدلہ میں اجر ملتا ہے (منہل) نیز کتاب الطہارۃ میں حدیث گذر چکی، کنانہ متوضا من موطبی ولا تکف شعراً ولا ثوباً اور آگے بھی ایک حدیث آئیگی امرو ان اسجد علی سبعة ارباب وان لا اکف شعراً ولا ثوباً، عنہا جمہور عقص میں صرف کراہت ہے اور حسن بصری نے اس میں نماز کا اعادہ منقول ہے۔

قولہ، وقد غرز صفوہ، صفوہ یعنی بالوں کی ٹیس، صفیرہ کی جمع، یا یہ صفیر بالفتح مصدر ہے مضمون کے معنی میں

گندھے ہوئے بال، یعنی اپنے بالوں کی ٹٹوں کو گاڑ رکھا تھا اپنی گدی میں۔

شرح حدیث قولہ ۛذٰلک کفّل الشیطانۛ، ذٰلک کا اشارہ غرز الشعر کی طرف ہے، یعنی یہ بالوں کا جمع کرنا سر کے پیچھے شیطان کا حصہ ہے، یعنی شیطان کے بیٹھنے کی جگہ، مقعد الشیطان، کفّل کی تفسیر ہے اور آگے مَغْرُوضٌ فَرَضَ یہ ذٰلک کے اسم اشارہ کی تفسیر ہے، مغرز گاڑنے کی جگہ یعنی جس جگہ بالوں کو جمع کیا ہے وہ جگہ شیطان کے بیٹھنے کی ہے یہ جوڑا اس کا ٹوڑھا اور کرسی ہے۔

انما مثل هذا مثل الذی یصلی وهو مکتوف مکتوف وہ شخص جس کے دونوں ہاتھ پیچھے کر کی طرف باندھ دئے گئے ہوں جو شخص اس حالت میں نماز پڑھے گا تو ظاہر ہے کہ اس کے یدین سجدہ نہ کر سکیں گے، ایسے ہی جو شخص بالوں کا جوڑا باندھ کر نماز پڑھے گا اس کے بال بھی سجدہ نہ کر سکیں گے، تشبیہ اسی لحاظ سے ہے۔

بَابُ الصَّلَاةِ فِي النَعْلِ

صلوة فی النعل کے بارے میں اس باب میں مصنفؒ نے روایات قولیہ و فعلیہ دونوں طرح کی ذکر کی ہیں، چنانچہ باب کی آخری حدیث میں ہے کان یصلی حافیاً ومنتعلاً، اور باب کی ایک حدیث میں ہے خالفوا الیہود فانہم لا یصلون فی نعل الہم

ولا خفافہم، اکثر علماء نے اس امر کو رخصت و اباحت پر محمول کیا ہے اور اس کی تائید مرسل عبد الرحمن بن ابی لیلی سے ہوئی ہے جو کہ مصنف ابن ابی شیبہ میں ہے جس کے الفاظ یہ ہیں قال من شاران یصلی فی نعلیہ فلیصل فیہما ومن شار ان یخلع فلیخلع، اس سے معلوم ہوا کہ صلوٰۃ فی النعل میں امر اباحت کے لئے ہے، امام نووی اور قاضی عیاض وغیرہ حضرات نے اس کو اباحت ہی پر محمول کیا ہے، لیکن ہو سکتا ہے کہ جو شخص مخالفت اہل کتاب کی نیت سے حدیث کے پیش نظر نعلین میں نماز پڑھے تو اس نیت کی وجہ سے فضیلت ہو جائے چنانچہ در مختار میں ہے، و صلوٰۃ فیہما افضل، علامہ شامی لکھتے ہیں ای فی النعل و الخف الطاہرین افضل مخالفت لکھو، آگے انھوں نے پھر اس میں مزید تفصیل لکھی ہے اور ایک قول صلوٰۃ فی النعل کے بارے میں سور ادب ہو نیکابھی لکھا ہے، اور حضرت سہارنپوریؒ نے بذل میں تحریر فرمایا ہے کہ صلوٰۃ فی النعل کا امر حدیث میں مخالفت یہود کی بنا پر ہے اور ہمارے زمانہ میں یہاں ہندوستان میں نصاریٰ جوتے پہن کر نماز پڑھتے ہیں، لہذا مخالفت کا تقاضا یہ ہے کہ یہاں جوتے اتار کر

ۛلے تا لیت بذل کے زمانہ میں ہند میں نصاریٰ کی حکومت تھی۔

نماز پڑھی جائے، منہل میں خالفوا الیہود کے ذیل میں لکھا ہے کہ یہود صلوٰۃ فی النعل کو تعظیم صلوٰۃ کے منافی سمجھتے تھے، دوسرے یہ کہ وہ ایسا موسیٰ علیہ السلام کے اتباع میں کرتے تھے حیث قبل لہ اخلع نعلیک انک بالواد المقدس طوی، لہذا حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے اپنی امت کو تشبہ بالیہود سے منع فرمایا۔

مطابقہ الحدیث للترجمہ | حدثنا الحسن بن علی، عن اس حدیث میں صلوٰۃ فی النعل کا نفی واثبات کوئی ذکر نہیں لہذا حدیث کو ترجمۃ الباب سے مطابقت نہ ہوئی جواب یہ ہے کہ یہ حدیث اور

باب کی پہلی حدیث دونوں ایک ہی ہیں راوی نے اختصار کر دیا ہے، لہذا پہلی حدیث میں ذکر آجانا کافی ہے۔
 قولہ، ابن عباد یشتک (مختلفاً)، ابن جریر کہتے ہیں کہ الفاظ روایت میں شک یا تو میرے استاذ محمد بن عباد کو ہوا یا ابن عباد کے جو متعدد اساتذہ سند میں مذکور ہیں یہ اختلاف ان کی طرف سے ہے۔ بعض نے جاء ذکر موسیٰ و ہارون کہا اور بعض نے ذکر موسیٰ و عیسیٰ۔

قولہ، ان جبرئیل علیہ السلام فاخبرنی ان فیہا کتدراً، قدر کی تفسیر میں دو احتمال ہیں، یا تو اس سے نجات مراد ہے یا شئی مستقدر گھناؤنی چیز تنوک بلفم وغیرہ۔

الکلام علی الحدیث من حیث الفقه | مالکیہ کے مشکک کے پیش نظر تو کوئی اشکال نہیں کہ انکے نزدیک طہارۃ عن النجاستۃ المحیہ شرط صحت صلوٰۃ ہی نہیں اور یہی قول قدیم امام

شافعی کا ہے اور ان کا قول جدید اور جمہور علماء سلف و خلفاء کے نزدیک طہارت عن النجاستۃ شرط صحت صلوٰۃ ہے، ابن رسلان فرماتے ہیں کہ جمہور کچا جانب سے اس کے دو جواب ہیں، ایک یہ کہ قدر سے مراد غیر نجاست ہے یعنی شئی مستقدر اور دوسرا جواب یہ کہ نجاست قلیلہ جو معفو عنہ ہے وہ مراد ہے، کتاب الطہارۃ کے اخیر میں بھی یہ مسئلہ گذر چکا ہے اور صاحب منہل نے یہ لکھا ہے کہ حنا بلہ کا قول اشرہ یہ ہے کہ اگر نمازی کو نماز کے درمیان اپنے کپڑے پر نجاست کا علم ہو پھر وہ اس کو بعد العلم فوراً عمل قلیل کے ذریعہ زائل کر دے تو نماز درست رہے گی والا بطلت،

باب المصلي اذا خلع نعليه أين يضعهما

قولہ، وليضعهما بين رجلية بين الرجلين سے یا تو وہ خاص فرجہ مراد ہے جو قد میں کے درمیان ہوتا ہے

عن وئی، رحمۃ اللہ علیہ، والامام عند المالکیہ ان صلی عالمی بھا ای بالنجاستۃ لا تقع وان جاحلاً وناسیاً صحت، والروایۃ الاخری عندہم العتۃ مطلقاً واکثری عدم العتۃ مطلقاً مثل الجمہور۔

یا اس سے آگے گھٹنوں کے سامنے (کذا فی البذل) اور منہل میں ہے، والمراد یضعہا امام القذین فیکونان بین الساتین حال الجلوس والسجود، ویحتمل ان المراد ان یجعلہما تحت صدرہ وقبل مکان سجودہ، اس سے پہلی حدیث میں گذر چکا کہ دائیں جانب میں نہ رکھے اسلئے کہ جہت یمن محترم اور قابل تعظیم ہے اور یہ نہیں فرمایا گیا کہ پیچھے رکھے اسلئے کہ اگلی صف والے کا خلف پیچلی صف والے کا قدام ہو جائے گا اگر پیچھے کوئی نماز پڑھ رہا ہو، یا احتمال سر قہ کے خوف سے خشوع فوت ہو گا، (کذا فی البذل عن القاری)

وضع نعلین قدام المصلیٰ | علی ہذا القیاس سامنے کی جانب رکھنے کا بھی حدیث میں ذکر نہیں اور یہاں پر شرعاً نے بھی اس سے کچھ تعرض نہیں کیا البتہ بذل الجہود میں کتاب اللباس کی ایک حدیث کے ذیل میں لکھا ہے۔

قوله من السنة اذا جلس الرجل ان یخلع نعلیه ویضعہما بجانبہ، فان جہت الیمین والقبلۃ یتنثران عن النعل لما یطرأ علیہ غالباً من النجاستہ۔

بَابُ الصَّلَاةِ عَلَى الْخُمْرَةِ

خمرہ اس چھوٹے سے بورے کو کہتے ہیں جس پر آدمی ہاتھ رکھ کر صرف سجدہ کر سکے اور حصیر اس سے ذرا بڑا ہوتا ہے جس پر ایک آدمی نماز پڑھ سکے، جس کا باب آگے آئے گا، آپ صلی اللہ علیہ وسلم سے خمرہ اور حصیر پر نماز پڑھنا ثابت ہے اور ایسے ہی چمڑے کے مسطحے پر جس کا ذکر حدیث الباب میں بھی ہے، جمہور علماء کا یہی مذہب ہے۔

بلا حائل زمین پر سجود اور اس میں اختلاف | اس میں شک نہیں کہ بلا واسطہ زمین پر سجدہ کرنا بغیر حائل کے افضل ہے، چنانچہ منقول ہے کہ حضرت عمر بن عبدالغفر نے کہنے لگے مٹی لائی جاتی

تھی وہ اس کو بورے پر رکھ کر تپ اس پر سجدہ فرماتے تھے، علماء نے لکھا ہے کہ وہ ایسا بظاہر غایت خشوع اور تواضع کیوجہ سے کرتے تھے نہ یہ کہ وہ اس کو ضروری سمجھتے تھے (بلکہ ہمارے فقہاء تو یہ کہتے ہیں کہ ماینبت من الارض بھی حکم میں ارض کے ہے) لیکن جمہور علماء کے نزدیک بلا واسطہ زمین پر سجدہ کرنے میں کوئی کراہت نہیں خواہ وہ چیز از قسم نباتات ہو یعنی زمین سے اگنے والی جیسے بوریاء اور خواہ نہ ہو جیسے کپڑا اور چرم وغیرہ، اور بعض علماء کہتے ہیں کہ خوشی از قسم نباتات نہ ہو اس پر سجدہ کرنا مکروہ ہے چنانچہ مالکیہ سے بھی یہی منقول ہے جیسا کہ مدد نہ میں ہے، اور بعض علماء کی رائے

۱۸۲ | وفي الشرح الكبير كره سجود على ثوب او سباط لم يقد لغرض مسجد لا على حصير لا رفا حية فيها وترك السجود على الحصير، بقية ۱۸۲

یہ ہے جیسے سعید بن السیب اور ابن سیرین و عروۃ بن الزبیر کہ غیر ارض پر سجدہ کرنا مطلقاً مکروہ ہے، اور شیعہ تو یہ کہتے ہیں کہ غیر ارض پر سجدہ جائز ہی نہیں۔

بَابُ الصَّلَاةِ عَلَى الْحَصِيرِ

خمرہ اور حصیر کا فرق پہلے باب میں گذر چکا یہ دونوں جنس الارض اور نباتات کے قبیل سے ہیں لہذا دو مستقل ترجمہ قائم کرنے میں کوئی خاص فائدہ نظر نہیں آتا۔

ترجمۃ الباب کی غرض | حضرت شیخ نے ایک بات تحریر فرمائی ہے وہ یہ کہ ہو سکتا ہے اس ترجمہ سے غرض نصف ابن ابی شیبہ کی روایت کی طرف اشارہ اور اس پر رد ہو، چنانچہ اسیں ہے کہ حضرت عائشہ سے سوال کیا گیا کہ کیا جناب رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم حصیر پر نماز پڑھتے تھے جبکہ حق تعالیٰ شانہ کا ارشاد ہے وَجَعَلْنَا جَهَنَّمَ لِلْكَافِرِينَ حَصِيرًا، تو اس پر انھوں نے فرمایا، لا۔ ماکان یصلی علیہا، ان دونوں ترجموں کی غرض کے سلسلہ میں یہ بھی کہا جاسکتا ہے کہ بعض روایات میں مٹی پر سجدہ کر نیکا حکم وارد ہوا ہے چنانچہ مسند احمد کی روایت ہے آپ نے فرمایا یا اُخْلَحْ تَرْتَبْ وَجْهَكَ، کہ تراب کے اوپر سجدہ کر، جس سے بظاہر معلوم ہوتا ہے کہ غیر تراب پر سجدہ جائز نہیں، لیکن حافظ عراقی فرماتے ہیں کہ اس سے آپ کی غرض سجود علی التراب نہیں ہے بل الغرض منہ تمکین الجمیعۃ من الارض، یعنی اپنی پیشانی کو زمین پر اچھی طرح ٹیکو، ممکن ہے کہ آپ نے افلح کو دیکھا ہو کہ وہ اپنی پیشانی کو اچھی طرح نہ جھکتے ہوں اسلئے آپ نے ان سے یہ فرمایا۔

جامع ترمذی کا ترجمۃ الباب | امام ترمذی نے اس سلسلہ کا ایک تیسرا ترجمہ بھی قائم فرمایا ہے۔ باب ماجاء فی الصَّلَاةِ عَلَى الْبُسْطِ۔ بُسْطِ ساط کی جمع ہے جو قالین اور چادر کے معنی میں ہے جو جنس الارض یعنی از قسم نباتات نہیں ہے بخلاف خمرہ اور حصیر کے، اس ترجمہ میں البتہ خاص فائدہ ہے جیسا کہ گذشتہ مذاہب کو دیکھنے سے معلوم ہو سکتا ہے کہ بعض علماء نے جنس الارض اور غیر جنس الارض کا فرق کیا ہے اور شیعہ لوگوں کے نزدیک تو ارض یا جنس الارض کے علاوہ کسی اور چیز پر سجدہ جائز ہی نہیں۔

مضمون حدیث | قوله، قال رجل من الانصار یا رسول اللہ انی رجل ضَعْفٌ مضمون حدیث یہ ہے کہ

دقیقہ ۱۸۲، احسن ۱۲۷، معلوم ہوا کہ مسجد میں اپنے لئے خصوصی مصلیٰ بھی کر نماز پڑھنا مالکیہ کے یہاں مکروہ ہے، اور معمولی سے بوریے پر نماز میں بھی کچھ مضائقہ نہیں، شاندار چٹائی نہو ۱۲۰، ۱۲۱

ایک انصاری شخص نے آپ صلی اللہ علیہ وسلم سے عرض کیا کہ میں بھاری بدن ہوں نماز کے لئے مسجد میں بار بار آنا جانا میرے لئے دشوار ہے میں یہ چاہتا ہوں کہ آپ میرے مکان پر تشریف لائیں اور وہاں آپ میرے گھر میں کسی جگہ نماز ادا فرمائیں اور میں بھی آپ کو اچھی طرح دیکھوں کہ کیسے نماز پڑھتے ہیں اور بس پھر اس کے بعد میں بجائے مسجد کے وہیں نماز پڑھ لیا کروں اور انہوں نے آپ کے لئے کھانا بھی تیار کر لیا چنانچہ آپ نے ان کی درخواست کو قبول فرمایا اور ایک دن چاشت کی وقت ان کے مکان پر تشریف لے گئے اور وہاں جا کر آپ نے نماز پڑھی۔

اس حدیث میں ان صحابی نے حضور صلی اللہ علیہ وسلم سے مسجد کی نماز سے شرکت کا عذر اپنے بدن کی ضخامت کو بیان کیا، اس پر ابنِ رسلان لکھتے ہیں کہ اس حدیث سے معلوم ہوا کہ ترکِ جماعت کے اعدا میں سے سمنِ مفراط بھی ہے اور ابنِ حبان نے اس حدیث پر یہی ترجمہ بھی قائم کیا ہے۔

رجل ضخم کا مصداق | اس کے بعد جانتا چاہئے کہ مسلم شریف میں اسی قسم کا ایک واقعہ عتبان بن مالک انصاریؓ کا بھی مذکور ہے، حافظ فرماتے ہیں کہ ہو سکتا ہے یہ واقعہ انھیں کا ہو اور اس رجل ضخم سے مراد وہی ہوں وہ کہتے ہیں لیکن اس کی تصریح مجھے کہیں نہیں ملی بلکہ ابنِ ماجہ کی روایت سے معلوم ہوتا ہے کہ یہ شخص حضرت انسؓ کے چچاؤں میں سے تھے اور عتبان، انسؓ کے چچا نہیں ہیں، البتہ مجازاً چچا کہہ سکتے ہیں اتحاد قبیلہ کی وجہ سے۔

قولہ، قال فلان بن الجارود، بذل میں لکھا ہے کہ شاید یہ عبد الحمید بن المنذر بن الجارود ہیں، قولہ، یصلی علی الحصر والفروۃ المدبوغۃ، دباغت دیا ہوا چمڑا یعنی چرمی مصلیٰ۔

باب الرجل یسجد علی ثوبہ

قولہ، بسط ثوبہ فسجد علیہ، یہ پہلے بھی گذر چکا ہے کہ حضور صلی اللہ علیہ وسلم کے زمانہ میں مسجد نبویؐ میں بویا وغیرہ کسی فرش کے بجھانے کا دستور نہیں تھا بلکہ ساری سجد میں کنکریاں پھیلی ہوئی تھیں جس کا قصہ بھی ابواب المساجد میں گذر چکا، اس حدیث میں صحابی فرما رہے ہیں کہ سخت گرمی کے زمانہ میں جب ہم حضورؐ کیساتھ نماز پڑھتے تھے تو جب حرارت کی شدت کی وجہ سے پیشانی کو زمین پر رکھنا دشوار ہوتا تھا تو نمازی سجدہ میں اپنا کپڑا پھیلا کر اس پر سجدہ کرتا تھا۔

حدیث میں ایک اختلافی مسئلہ | شافعیہ کے نزدیک چونکہ مصلیٰ کا اپنے ثوبِ ملبوس پر سجدہ کرنا ناجائز ہے اسلئے انہوں نے اس حدیث کو ثوبِ منفصل پر محمول کیا ہے، حنفیہ بلکہ جمہور کو اس

اس تعقید کی حاجت نہیں ان کے نزدیک ثوب متعل پر بھی جائز ہے، بلکہ ظاہر یہ ہے کہ حدیث میں ثوب متعل ہی مراد ہے اور مطلب یہ ہے کہ سجدہ میں جاتے وقت اپنی چادر یا قمیص کا دامن پھیلا کر اس پر سجدہ کر لیا کرتے تھے مستقل کپڑا بچھانا مراد نہیں ان لوگوں کے یہاں اتنی وسعت کہاں تھی اور لکھو ثوبان اسکے لئے شاہد عدل ہے،

باب تسویۃ الصفوف

بعض نسخوں میں عبارت اس طرح ہے، "تفریع ابواب الصفوف" تسویۃ الصفوف کے بارے میں علامہ عینی لکھتے ہیں، ہوا عدال القائین وسد الخلل، یعنی سیدھے اور درست ہو کر کھڑے ہونا بلا تقدم و تاخر کے اور صف کے نیچ میں فرجے نہ چھوڑنا بلکہ مل مل کر کھڑے ہونا تسویۃ الصفوف کا حکم مع اختلاف ائمہ آگے ایک حدیث کے ذیل میں آرہا ہے،
 قوله، الانصفون کما تصف الملائکة عند ربهم، یہ عندیہ کیسی ہے اللہ ہی اس کی حقیقت کو جانتا ہے کیونکہ اللہ تعالیٰ مکان سے منزہ ہے اور یا یہ بخذ مضاف ہے اے عند عرش ربہم یا عند عبادۃ ربہم، نیز اس سے معلوم ہوا کہ فرشتے بھی صف باندھ کر عبادت کرتے ہیں بلکہ یہ تو قرآن کریم سے بھی ثابت ہے والصافات صفا، اس حدیث میں یہ ہے کہ فرشتے اگلی صفوں کو پورا کر کے پھر پیچھے کی صفیں باندھتے ہیں، نیز صف میں مل کر کھڑے ہوتے ہیں کہا جاتا ہے رعى البناء اذا الصق بعضه ببعض، یعنی جس طرح چٹائی میں اینٹوں کو ملا ملا کر رکھتے ہیں، قوله، واللہ لتقیق صفوفکم اولیٰ الخلف اللہ بین قلوبکم، مخالفت بین القلوب کے معنی تو ظاہر ہیں آپس کا اختلاف و نزاع، اور وجہ اس کی یہ ہے کہ اللہ تعالیٰ نے ظاہر و باطن کے درمیان ایک خاص مناسبت اور ربط رکھا ہے جس سے ایک کا اثر دوسرے پر پڑتا ہے تو جب صفوف کے ظاہر میں کجی ہوگی تو اس کی وجہ سے باطن میں کجی پیدا ہوگی یعنی قلوب میں نفرت و عداوت، علامہ نے لکھا ہے الظاہر عنوان الباطن کہ ظاہر کی حالت باطنی حالت کی خبر دیتی ہے، آگے روایت میں بین قلوبکم کے بجائے بین وجوہکم آرہا ہے اور یہی صحیحین کی روایت میں ہے، پھر اس میں شراح کے دو قول ہیں، کہ وجوہ سے مراد صفات ہیں تب تو یہ دونوں حدیثیں تقریباً ہم معنی ہوں گی اور دوسرا قول یہ ہے کہ وجوہ سے ظاہر کی شکل و صورت مراد ہے، اس صورت میں یہ وعید ہو جائیگی مسخ کی جیسے رفع راس قبل الامام کے بارے میں پہلے وعید گذر چکی، اور مطلب یہ ہوگا کہ چہرے کو پیچھے کی جانب پلٹ دینا کہ بجائے سامنے کے

لے لان المتبادر من الاضافة الثوب المتعل بالصلی و یویدہ مارداہ ابن ابی شیبہ عن عکرمہ عن ابن عباس ان ابنی صلی اللہ علیہ وسلم یصلی فی ثوب متعل بعضوہ حرا الارض و بردھا (منہل)

چھ کیرف کر دیا جائے والعیاذ باللہ تعالیٰ منہ۔

شرح حدیث اور غیر مقلدین کے طریقہ کی تردید

قوله، ودکبت بركة صاحبہ وکعب بکعبہ: یہاں کعب میں بکعب صاحبہ نہیں فرمایا جیسے اوپر فرمایا بمنکب صاحبہ بركة صاحبہ، لہذا یہ دو غیر مقلدین کا طریقہ ہے کہ ہر ایک نمازی اپنے کعب کو دوسرے کے کعب سے ملاتا ہے، اس حدیث کے خلاف ہے لیکن عام طور سے شرح حدیث کے کلام سے معلوم ہوتا ہے کہ کعب بکعب سے مراد بھی یہی ہے یعنی بکعب صاحبہ اور بخاری کی ایک روایت غیر مرفوعہ میں بھی اسی طرح ہے قال النعمان بن بشیر رأیت الرجل منا یلزم کعبہ بکعب صاحبہ، بہر حال اگر کعب سے کعب صاحب ہی مراد ہے تو پھر اس سے مراد حقیقت الصاق ہونگا اسلئے کہ حقیقی الصاق بغیر تکلف کے نہیں ہو سکتا اور اس سے ایسی ہیئت ہو جائے گی جو ہیئت صلوٰۃ کے خلاف ہے لہذا اس سے قرب اور محاذات مراد ہے۔ کذا فی لامع الدراری، قال الحافظ المراد بک المبالغة فی تعدیل الصف وسد خللہ، میں کہتا ہوں اپنے کعب کو کعب صاحب سے ملانے کی صورت میں سد خلل نہیں ہے اس لئے کہ اس صورت میں گوبرا بر والا فرجہ تو ختم ہو جاتا ہے لیکن مسئلہ کے اپنے قدیم کے درمیان فرجہ میں اضافہ ہو جاتا ہے تو پھر سد خلل کہاں ہوا جو کہ مقصود ہے بلکہ یہ تو ایقاع خلل ہو گا۔ والله الموفق۔

قوله، یستوینا فی الصفوف کما یقوم القدرح، قدح بفتحیم بمعنی پیالہ مراد نہیں بلکہ یہ کسراف اور کون دال کیساتھ ہے تیر کی لکڑی جیسے چاقو میں پیچھے کا دستہ ہوتا ہے، اس کو بہت سیدھا اور ہموار تراش کر بنایا جاتا ہے مطلب ظاہر ہے کہ جس طرح انکو سیدھا اور درست تراشتے ہیں اسی طرح آپ صفوف کو سیدھا کیا کرتے تھے۔ حدیث کا مطلب یہ ہے کہ آپ ہمیں صفوف کو درست کرنیکی کافی عرصہ تک تعلیم اور تلقین فرماتے رہے، یہاں تک کہ جب آپ نے جان لیا کہ ہم اس چیز کو اچھی طرح سمجھ چکے ہیں اور اس پر عمل پیرا ہو گئے ہیں تب آپ نے اس کے بارے میں ہدایت کو ترک فرما دیا یہ سمجھ کر کہ ضرورت نہیں رہی، لیکن اس کے بعد پھر آپ نے ایک روز دیکھا کہ ایک شخص کا سینہ صف میں آگے کو نکلا ہوا تھا تب آپ نے وہ وعید بیان فرمائی جو آگے حدیث میں مذکور ہے۔

قوله، یتخلل الصف من ناحیة الی ناحیة یعنی آپ صلی اللہ علیہ وسلم صفوں کے درست کرنے کے لئے ان کے بیچ میں داخل ہو جاتے تھے اور دائیں سے بائیں صف میں پھر کر لوگوں کے سونڈھوں اور سینوں پر ہاتھ رکھ کر آگے پیچھے کر کے صفیں سیدھی فرماتے تھے اور زبان سے یہ فرماتے جاتے لا تختلفوا تختلف قلوبکم، قوله، یصلون علی الصفوف الاکمل اول بضم اول وفتح ثانی اول کی جمع ہے، یعنی اللہ اور اس کے فرشتے صلوٰۃ بھیجتے ہیں اگلی صف والوں پر، لفظ جمع لانے سے اشارہ ہے الاول فالاول کی طرف، گویا صف اول کو فضیلت ہے ثانی پر اور ثانی کو ثالث پر دھکدا۔

جاننا چاہیے کہ صف اول کے مصداق میں علماء کا اختلاف ہے، امام بخاری

صف اول کے مصداق میں اقوال

نے اس کے لئے مستقل ترجمہ قائم کیا ہے۔ باب الصف الاول۔ اس کے مصداق میں تین قول ہیں۔ صف اول وہ ہے جو امام سے مستقل ہو مطلقاً خواہ وہ صف کامل ہو یا ناقص جیسے مقصورہ کی پہلی صف ۷ امام کے قریب والی وہ صف جو کامل ہو، لہذا جو صف امام کے پیچھے مقصورہ میں ہوگی اس قول کی بناء پر وہ صف اول ہونگی ناقص ہونے کی وجہ سے بلکہ مقصورہ سے باہر جو پہلی لمبی صف ہو وہ اس کا مصداق ہوگی، اور تیسرا قول یہ ہے من سبق الی الصلوۃ ولو صلی آخر الصفوف، یعنی جو شخص اول مسجد میں پہنچے خواہ نماز وہ کسی صف میں پڑھے وہی صف اول کا مصداق ہے، امام نووی فرماتے ہیں کہ قول اول ہی صحیح اور مختار ہے والقولان الاخران غلط اور شامی میں قول اول کو لکھنے کے بعد قول ثانی لکھ کر فرمایا ہے وبہ اخذ الفقیہ ابو اللیث لوتسۃ علی الامۃ کیلا تفوتھم الفنیلۃ ام، قوله، کان رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم یسوی صفوفنا اذا قمنا للصلوۃ یعنی آپ صلی اللہ علیہ وسلم ہماری صفوف کو اس وقت سیدھا کرتے تھے جب ہم نماز کے لئے کھڑے ہوتے۔

تسویۃ صفوف کس وقت ہونا چاہئے؟ اس پر ابن رسلان شافعی دیکھتے ہیں کہ قیام الی الصلوۃ اقامت کے بعد ہوتا ہے لہذا تسویۃ صفوف بعد الاقامت بطریق اولیٰ

ہوا۔ اور یہی مشہور ہے اور ہمارے بعض اصحاب اس طرف گئے ہیں کہ تسویۃ صفوف اذ آخر اقامت میں ہونا چاہئے تاکہ اقامت پورا ہونے کیساتھ ساتھ نماز شروع ہو جائے وہو خلاف النص، اور یہ مسئلہ کہ مقتدی نماز کے لئے کب کھڑے ہوں ہمارے یہاں مع اختلاف ائمہ۔ باب فی الصلوۃ تقام ولم یأت الامام الزہری کے ذیل میں گذر چکا۔ قوله، فاذا استوینا کتبوا امام ترمذی فرماتے ہیں حضرت عمرؓ نے بارے میں مروی ہے کہ وہ ایک شخص کو تسویۃ صفوف کے لئے مقرر فرماتے تھے اور نماز اس وقت تک شروع نہیں فرماتے تھے جب تک وہ شخص آکر یہ اطلاع نہ کر دے کہ صفیں سیدھی ہو گئیں نیز وہ لکھتے ہیں کہ اسی طرح حضرت علیؓ و عثمانؓ سے مروی ہے کہ یہ دونوں حضرات بھی اس کا اہتمام فرماتے تھے اور زبان سے بھی فرماتے تھے استودا، تسویۃ صفوف کس وقت میں ہونی چاہئے اس پر تفصیلی کلام محل المفہم ۱۳ میں موجود ہے وہاں دیکھ لیا جائے، اس میں لکھا ہے کہ امام محمد مؤطا میں فرماتے ہیں کہ جب مؤذن حی علی الفلاح پڑھو پچھنے تو سب لوگ کھڑے ہو جائیں اور صف بندی و تسویۃ صفوف کریں وہو قول ابی حنیفہ، قوله، وسددوا الخلل، جمل بمعنی فرجہ اس کی جمع خلال ہے مثل جبل و جبال۔

شرح حیثہ | قوله، ومن وصل صفوا وصلہ اللہ، جو صف کو ملائے اللہ تعالیٰ اس کو اپنی رحمت سے ملائیگا۔

۱ اور حنفیہ کا مذہب اس میں آگے آ رہا ہے۔

لا ینکب صورت یہ ہے کہ بیچ میں اگر کہیں فرجہ ہو تو اس کو ختم کر دے یا اگلی صف ناقص ہو اس میں ایک دو آدمی کی گنجائش ہو تو اس کو پورا کر دے، قولہ، ومن قطع صفا قطعہ اللہ، قطع صف کی ایک صورت یہ ہے کہ کوئی شخص جو نماز میں شریک نہیں وہ صف کے بیچ میں بیٹھا رہے یا کوئی شخص صف کے بیچ میں گنجائش ہونے کے باوجود اس میں داخل ہونے والے کو رد کے (افادہ السندی)

قولہ، وحاذوا بالاعتناق، اور اس سے پہلے گذر چکا حاذوا بین المناکب، یعنی نمازیوں کے مونڈھوں اور گردنوں کے درمیان محاذات ہونی چاہئے آگے پیچھے ہوں اور حاذوا بالاعتناق کا دوسرا مطلب یہ بھی لکھا ہے کہ سب نمازی ہموار جگہ پر کھڑے ہوں جگہ میں ادب بیچ نہ ہونی چاہئے کہ بعض بلند جگہ پر کھڑے ہوں اور بعض پست، قولہ، کا تھا الحذف حذف جمع ہے حذفہ کا، حجازی بکری جو سیاہ اور چھوٹی سی ہوتی ہے، مشکوٰۃ کی روایت میں حذف کی تفسیر اس طرح کی ہے یعنی اولاد الضان من الصغار،

قولہ، فان تسوية الصف من تمام الصلوة، ای من کمال الصلوة نماز کا کمال تسویہ صفوف میں ہے۔
تسویہ صفوف کا حکم | اس سے معلوم ہوا کہ تسویہ صفوف مستحبات میں سے ہے اس لئے کہ تمام شیء یعنی کسی چیز کی تمامیت عرفاً اس شیء کی حقیقت سے خارج مانی جاتی ہے اور یہی مذہب ہے جمہور علماء کا اور بخاری کی ایک روایت میں ہے، من اقامتہ الصلوة، اس سے ابن حزم نے استدلال کیا کہ تسویہ فرض ہے اس لئے کہ اقامتہ صلوٰۃ فرض ہے، اس کا جواب دوسری روایات کے پیش نظر یہ ہو سکتا ہے کہ مراد یہ ہے کہ تسویہ الصف اقامتہ الصلوة علی وجه الکمال کے قبیل سے ہے نفس اقامتہ صلوٰۃ مراد نہیں۔

قولہ، هل تدری لم یصح هذا العود، مسجد نبوی میں مصلی الامام کے قریب ایک لکڑی گڑی ہوئی تھی، جس پر آپ صلی اللہ علیہ وسلم ہاتھ رکھتے تھے یا تودہ دیوار میں ہوگی کھوٹی کی طرح یا زمین میں گڑی ہوگی واللہ تعالیٰ اعلم اس کی تفصیل محل الفہم میں ہے، اس میں لکھا ہے کہ حضرت گنگوہیؒ کی ایک تقریر میں ہے کہ یہ لکڑی حضورؐ کے قریب گڑی ہوئی تھی، آپ بوقت دعا اس پر ہاتھ رکھتے اور ٹیک لگاتے تھے۔

قولہ، فبیادکم ایتکم مناکب فی الصلوة، تم میں سب سے بہتر وہ ہے جو نماز میں از روئے مونڈھوں کے سب سے زائد نرم ہو، اس سے مراد انقیاد و اطاعت ہے یعنی صفیں درست کرنیوالا شخص کسی کے مونڈھے پر کمر آگے یا پیچھے کرے تو اس کے حق میں نرم پڑ جائے اور ضد نہ کرے، یہی معنی اس مقام کے مناسب ہیں، اور دوسرا مطلب یہ لکھا ہے کہ اس سے مراد خشوع اور سکون و طمانینت ہے۔

بَابُ الصَّفُوفِ بَيْنَ السَّوَارِي

یہاں پر دو بحثیں ہیں اول صلوٰۃ بین الساریتین کا حکم اور اس میں اختلاف علماء دوسرے حکمت منع۔

صَفِ بَيْنَ السَّارِيَتَيْنِ فِي مَذَاهِبِ اَئِمَّةِ كَيْ تَحْقِيقُ | بحث اول : امام ترمذیؒ نے ائمہ میں سے صرف امام احمد و اسحقؒ کا مسلک یہ لکھا ہے کہ ان کے نزدیک صف

بین الساریتین مکروہ ہے لیکن صف کا تعلق تو مقتدیوں سے ہوتا ہے امام اور منفرد کے لئے تو صف نہیں ہوتی تو گویا یہ کراہت ان کے نزدیک صرف مقتدی کے حق میں ہوئی، اور باقی ائمہ کے مذاہب کے بارے میں یہ ہے کہ ابوسعید الناس فرماتے ہیں، امام اور منفرد کے بارے میں تو کوئی اختلاف نہیں ان دونوں کے لئے قیام بین الساریتین بالاتفاق جائز ہے، اختلاف صرف مقتدی کے بارے میں ہے وہ لکھتے ہیں امام احمد کے علاوہ ائمہ ثلاثہ کے نزدیک مقتدی کے حق میں بھی جائز ہے، اور امام نوویؒ نے شرح مشکوٰۃ میں شافعیہ کا مسلک تو جواز ہی لکھا ہے لیکن امام مالکؒ کے بارے میں لکھا ہے کہ ان کے اسیس دونوں قول ہیں کراہت و عدم کراہت، لیکن ابن العربی مالکیؒ نے مقتدی کے حق میں صرف کراہت کا قول نقل کیا ہے میں کہتا ہوں کہ چونکہ مالکیہ کے اسیس دو قول ہیں (کما قال النووی) اس لئے ان کا ایک قول ابن العربی نے اور دوسرے قول کو ابن سید الناس نے نقل کر دیا، تو اب حاصل یہ ہوا کہ مقتدی کے حق میں قیام بین الساریتین حنا بلہ کے یہاں مکروہ اور حنفیہ و شافعیہ کے یہاں غیر مکروہ اور مالکیہ کے یہاں دونوں قول ہیں کراہت و عدم کراہت۔

حکمت منع | بحث ثانی : اس منع کی حکمت میں شرح کے تین قول ہیں، اول یہ کہ اس میں قطع صفوف لازم آتا ہے دوسرا قول یہ کہ ما بین الساریتین موضع الیغال ہے، اور تیسرا قول یہ ہے کہ انہ مصلی الجن من المؤمنین

لہ بظاہر تو صحیح یہی ہے جو امام نوویؒ لکھ رہے ہیں کیونکہ یہ خود شافعی ہیں لیکن صاحب منہل نے شافعیہ کا مسلک کراہت فی حق مقتدی لکھا ہے۔

نہ (تنبیہ) عموماً شرح کے کلام سے اور ایسے ہی بذل الجہود سے معلوم ہوتا ہے کہ امام اور منفرد کے حق میں جواز پر اتفاق ہے لیکن معارف السنن میں حنفیہ کے مسلک کے بارے میں ابن عابدین اور ابن البہام سے امام کے حق میں قیام بین الساریتین کو مکروہ لکھا ہے اور مقتدی کے حق میں وہ لکھتے ہیں، واما المقتدی فلم ینکر مکروہ فی کتبنا، لیکن بذل الجہود میں بحوالہ مبسوط شرح مقتدی کے حق میں عدم کراہت کی تصریح نقل کی ہے۔

کہ یہ مسلم جنوں کے نماز پڑھنے کی جگہ ہے لیکن ابن سید الناس نے قول اول کو ترجیح دی ہے اور قول ثانی کے بارے میں لکھا ہے **انه محدث**، یعنی ساریتین کے درمیان جوتے رکھنے کا رواج حضور کے زمانہ میں نہیں تھا یہ بدعت اور بدعت کی ایجاد ہے لہذا اس کو علت قرار دینا صحیح نہیں۔

شرح حیشد | **قوله**، **صلیت مع الناس يوم الجمعة فندفنا الى السواري فتقد منا وتأخرنا**، میں نے انس بن مالکؓ کیساتھ جمعہ کے دن نماز پڑھی، ترمذی اور نسائی کی روایت سے معلوم ہوتا ہے کہ یہ

نماز کسی امیر کے پیچھے پڑھی گئی تھی خود حضرت انسؓ امام نہیں تھے، پس ہجوم کیوجہ سے ہمیں ستونوں کی طرف دھکیل دیا گیا لیکن ہم میں سے بعض اگلی صفوں میں اور بعض پچھلی صفوں میں شامل ہو گئے یعنی قیام بین الساریتین سے بچنے کے لئے۔

روایات کا متعارض | اس روایت سے معلوم ہو رہا ہے کہ ان لوگوں نے ساریتین کے درمیان نماز نہیں پڑھی حالانکہ ترمذی و نسائی کی روایت میں اس کے خلاف موجود ہے فصلینا بین الساریتین

اس کا ایک جواب تو یہ ہو سکتا ہے کہ جن بعض کو جبکہ مل گئی وہ اگلی اور پچھلی صفوں میں چلے گئے اور جن کو جبکہ نہیں

ملی ان کو ساریتین کے درمیان نماز پڑھنی پڑی لہذا یہ رواۃ کا اختصار ہے، اور یا اس کو تعدد واقعہ پر محمول کیا جائے اور کو کب میں اس کا جواب یہ دیا ہے کہ **تقد منا وتأخرنا** سے مراد اگلی اور پچھلی صفوں میں شامل ہونا نہیں ہے بلکہ

اس سے ستونوں کے درمیان نماز پڑھنا ہی مراد ہے کیونکہ مسجد نبوی کے اساطین مستوی نہ تھے ان میں کچھ کچی تھی اسی لئے ان کے درمیان نماز پڑھنے والوں کی صف سیدھی نہ رہ سکی، یہی مراد ہے تقدم اور تاخر سے، اس صورت میں

روایتین کا مفہوم متحد ہو جائیگا۔

فقال انس كنا نتفق هذا على عهد رسول الله صلى الله عليه وسلم، اس حدیث سے صلوة

بین الساریتین کی مطلقاً کراہت معلوم ہو رہی ہے جو ائمہ میں سے کسی کا بھی مذہب نہیں ہے، لیکن یہاں ایک

دوسری روایت ہے جس کا امام ترمذی نے حوالہ دیا ہے **وفي الباب عن فقرة بن اياد** اس المذنبی یہ حدیث

ابن ماجہ میں ہے جس کے لفظ یہ ہیں **كنا ننهي ان نصفت بين السواري ونطو عنها طردا**۔

الكلام على دلائل الفرقين | اس حدیث میں مانعت مطلق صلوة کی نہیں بلکہ صف قائم کرنے کی ہے

اور صف کا تعلق مقتدیوں سے ہوتا ہے لہذا حدیث انسؓ کو جو مطلق ہے اس

حدیث کیساتھ مفید کیا جائے گا لہذا اس طور پر مقتدی کے حق میں کراہت ثابت ہو جائے گی جیسا کہ حنا بلہ وغیرہ

کا مذہب ہے، اس کا جواب حضرت نے بذل میں یہ دیا ہے کہ حدیث انسؓ کو صحیح ہے کما قال الترمذی، لیکن وہ مطلق ہے

لہ اس پر بندہ کو یہ کلام ہے کہ یہ حدیث مطلق اس صورت میں ہوگی جبکہ کنا نتفق هذا کا اشارہ صلوة بین الساریتین (تیسرے)

اور مطلق کراہت کا تو کوئی بھی قائل نہیں اور جس روایت سے اس کی تفسیر کجبار ہی ہے وہ ضعیف ہے اسکے اندر ہارون بن مسلم راوی ضعیف اور مجہول ہیں لہذا کراہت پر استدلال تام نہیں، نیز صحیحین کی روایت سے حضور صلی اللہ علیہ وسلم کا صلوة بین الساریتین پڑھنا بیت اللہ شریف کے اندر ثابت ہے اور صحیحین کی روایت گو منفرد کے حق میں ہے لیکن غیر منفرد کو منفرد پر قیاس کیا جائیگا، حضرت فرماتے ہیں کہ مبسوط غرضی میں تصریح ہے اس بات کی کہ اصطفان بین الاسطوانتین مکروہ نہیں، لاندہ صف فی حق کل فردین وان لم یکن طویلاً،

بَابُ مَنْ يَسْتَحِبُّ أَنْ يَلِيَ الْإِمَامَ فِي الصَّفِّ

بَابُ مَنْ يَسْتَحِبُّ أَنْ يَلِيَ الْإِمَامَ فِي الصَّفِّ | قولہ، بَلِّغْنِي مَنكَوْا وَلَوْ بِالْإِسْلَامِ وَالنَّهْيِ، یہ لفظ قرآن سے ہے جس کے معنی

قرب کے ہیں اور شروع میں لام لام ام ہے اور نون مشدد، اور مسلم کی روایت میں بغیر یار کے ہے بلینی اس صورت میں نون مخفف ہوگا جس کو نون وقایہ کہتے ہیں اور بعض روایات میں باوجود یار کے بلینی یا نئے ثانی کے سکون اور تخفیف نون کیساتھ ہے لیکن یہ قواعد کے خلاف ہے اس لئے کہ یہ لام لام ام ہے جو لازم ہے اور حالت جزم میں حرف علت کا سقوط ضروری ہے، طاعلی قاری نے اسکی تاویل کی کہ یہ یار یہاں پر اشباع کسرہ کیوجہ سے ہے، یا اصل کلمہ پر تنبیہ کے لئے لائی گئی ہے کافی قرآنہ اند من یتقی ویصبر۔

شرح حیث | الاحلام یا تو علم بالکسر کی جمع ہے جس سے مراد عقل اور سمجھ ہے یا حکم بغیر الحجاز کی جس کے معنی خواب کے ہیں، لیکن یہاں پر مراد بلوغ ہے، پہلی صورت میں اعلام سے مراد عقلا ہوگا اور دوسری صورت میں بلغار، والنہی بمعنی عقل کی جمع ہے یعنی عقلا، پہلی صورت میں اولوالاعلام والنہی دونوں کا مصداق ایک ہوگا یعنی عقلا، اس صورت میں یہ عبارت مع والئی تو لہا کذباً وینینا کے قبیل سے ہوگی یعنی تغایر فی اللفظ کو تغایر فی المعنی کا حکم دیکر عطف لانا، اور دوسری صورت میں تکرار معنی ہوگا بلکہ اول سے مراد بلغار اور ثانی سے عقلا۔

شعر الذین یلوئہو، یعنی پھر جوان کے قریب ہوں، عقل یا بلوغ کے اعتبار سے ان سے کم درجہ ہوں جیسے فرامقین شعر الذین یلوئہو، پھر جوان سے قریب ہوں جیسے صبیان یمیزین یا باعتبار عقل کے ان سے کم درجہ ہوں، اور کہا گیا ہے کہ اس سے مراد نسار ہیں وکیل خنائی، اور ترتیب صفوف کی عند الغتبار اس طرح ہے، صفوف الرجال ثم الصبیان۔

کی طرف مانا جائے، اور اگر اس کا مشاۃ الیہ نصف بین الساریتین قرار دیا جائے، جیسا کہ سیاق کلام کا تقاضا ہے تو پھر یہ حدیث مطلق نہ ہوگی اور تفسیر کیلئے اس باب کی روایت کی طرف بھی رجوع کی حاجت نہ رہے گی، قتال فائدہ دین۔

ثم الختانی ثم النار۔

قولہ، وایا کم وہیئات الاسواق، حیثہ کے معنی رفع الصوت اور افتتاط دونوں آتے ہیں یعنی مساجد میں شور نہ کرو جس طرح بازاروں میں ہوتا ہے، یا ترتیب مذکور کے خلاف گڈمڈ نہ کرو جس طرح بازاروں اور دکانوں پر لوگوں کے درمیان کوئی ترتیب نہیں ہوتی سب ایک ساتھ چلتے پھرتے ہیں، دوسرے معنی مقام کے زیادہ مناسب ہیں اسلئے کہ حدیث میں ترتیب کو بیان کیا جا رہا ہے۔

بَابُ مَقَامِ الصَّبِيَّانِ مِنَ الصَّفِّ

مسئلۃ الباب میں اختلاف ائمہ | جمہور علماء اور اکثر شافعیہ کے نزدیک صبیان کیلئے مستقل صف ہونی چاہئے خلف الرجال، امام مالک اور بعض شافعیہ کا اس میں اختلاف ہے وہ یوں کہتے ہیں یَقِفُ كُلُّ مَسِيٍّ مِنْ رَجُلَيْنِ لِيَتَعَلَّمُوا مِنْهُمُ الصَّلَاةَ (کذا فی المیزان للشعرانی) حدیث الباب سے جمہور کے مسلک کی تائید ہو رہی ہے اور صاحب منہل مالکی نے لکھا ہے کہ اگر مہی ایک ہو تو مردوں کے ساتھ کھڑا ہو بچھل صف میں تنہا نہ کھڑا ہو

بَابُ صَفِّ النِّسَاءِ وَكَرَاهَةِ التَّأَخُّرِ عَنِ الصَّفِّ الْأَوَّلِ

قولہ، خیر صفوف الرجال اولہا وشرها اخرها، ابن العربی فرماتے ہیں یہ اس لئے کہ اس میں سبقۃ الی الخیر ہے، دوسرے اسلئے کہ مقدم مسجد افضل ہے مؤخر مسجد سے، تیسرے یہ کہ اس میں امام کا قرب ہے، وخیر صفوف النساء اخرها وشرها اولها، اسلئے کہ پہلی صورت میں رجال کا قرب ہے اور دوسری صورت میں ان سے بُعد ہے، نیز رجال تقدم کے مامور ہیں اور نساء تاخروا احتیاج کی۔

قولہ، لا یزال قوم یتأخرون عن الصف الاول حتی یؤخرهم اللہ فی النار، یعنی بعض لوگ صف اول سے پیچھے رہنے کی وجہ سے اور اس کے ترک اہتمام کی بنا پر ایسے ہوں گے کہ وہ آخر الامر یعنی انجام کار جہنم میں

لہ اور امام احمد کا مذہب انہوں نے یہ لکھا ہے کہ مہی کو مردوں کیساتھ امام کے پیچھے کھڑا ہی نہ ہونا چاہئے، حضرت عمرؓ سے بھی مروی ہے کہ اگر وہ کسی بچے کو صف میں دیکھتے تھے تو ہنسا دیتے تھے، بظاہر یہ مراد ہو گا کہ بچھل صف میں کر دیتے تھے۔

داخل کر دیئے جائیں گے، یا اخیر میں ان کو جہنم سے نکالاجائیں گے مطلب یہ ہے کہ ہمیشہ صف اول کو ترک کرنا اور مسجد میں دیر سے پہنچنا ایسے قبائح کے ارتکاب کا سبب بن سکتا ہے جو مخفی الی النار ہوں، نہ یہ کہ صرف صف اول کے ترک سے آدمی مستحق نار ہو جائے۔

۱۰

متولہ، و آری فی اصحابہ تأخراً فقال فقد موا فاشتموا بی ولبا ثم بکرم بعد کرم۔

شرح حدیث یعنی آگے بڑھ کر صف اول میں نماز پڑھنے کی کوشش کیا کرو تا کہ میری نماز کو دیکھ کر اس کا اتباع کر سکو اور پھر پچھلی صف والے تمہیں دیکھ کر تمہارا اتباع کر سکیں یعنی تمہارے واسطے سے وہ میرا اتباع کر سکیں، اور مطلب بھی ہو سکتا ہے کہ تم اچھی طرح میرا اتباع کرو تا کہ پھر بعد میں آنوالے (تابعین) تمہارا اتباع کر سکیں۔ ذکر المعینین القاری فی المرتقاء اور شعبی نے اس حدیث سے ایک دوسرے مسئلہ پر استدلال کیا ہے یعنی اقتدار بالمأموم کا جواز، کہ اگلی صف والے امام کی اقتدار کی نیت کر سیں اور پچھلی صف والے اگلی صف والوں کے اقتدار کی نیت کر سیں، اور علامہ عینی کی رائے یہ ہے کہ اسی کی طرف سیلان امام بخاری کا بھی ہے، اسلئے کہ انھوں نے اس پر ترجمہ قائم کیا ہے۔ باب الرمل یا تم بالامام ویاتم الناس بالمأموم۔ لیکن یہ ضروری نہیں کہ امام بخاری کی مراد بھی یہی ہو جو شبھی سمجھ رہے ہیں، بلکہ بخاری کے نزدیک بھی حدیث کا محل وہی ہو جس کو جہور نے اختیار کیا، حضرت گنگوہی کی رائے لایع میں یہی ہے۔

باب مقام الامام من الصف

یعنی امام کو صف میں کس جگہ کھڑا ہونا چاہئے، بلفظ دیگر امام کے کھڑے ہونے کی جگہ کو مقتدیوں کی صف سے کیا نسبت ہونی چاہئے، چنانچہ حدیث سے معلوم ہوا کہ وہ نسبت تنصیف کی ہونی چاہئے کہ امام اس طرح پر کھڑا ہو کہ پیچھے صف والے مقتدی اس کے دائیں بائیں برابر ہوں چنانچہ فرماتے ہیں وسطوا الامام۔

شرح حدیث یعنی امام کو نیچے میں رکھو، اور یہ جمعی ہو سکتا ہے جبکہ مقتدی دونوں جانب برابر ہوں اس صورت میں یہ لفظ وسط سکون سین سے ماخوذ ہو گا اور بعضوں نے کہا کہ یہ وسط بالفتح سے ہے جس کے معنی افضل کے ہیں، وکذلک جعلتکم امتاً وسطاً، ویقال فلان وسط القوم ای خیر ہم، لہذا حدیث کے معنی ہوئے اجعلوا امامکم

۱۱ ملا علی قاری نے لکھا ہے کہ تاخر سے مراد تاخر عن الصف الاول اور تاخر عن العلم وولن ہو سکتا ہے، فعلی الاول معناه لیفت العلم فی الصف الاول ولیفت من رہنم فی الصف الثانی فان الصف الثانی یقتدون بالصف الاول ظاہراً لا حکماً وعلی الثانی المعنی لیقتد کلکم منی احکام الشریعہ ولیتعلم التبعون منکم وکلذا اقربنا بعد قرن۔

خیر کم۔ جو تم میں افضل ہو اس کو اپنا امام بناؤ اور بعضوں نے کہا کہ یہ حدیث فی حق النساء ہے چنانچہ عورت کی امامت میں ایسا ہی ہوتا ہے کہ وہ وسط میں کھڑی ہوتی ہے، نیز اس حدیث سے امام ابو یوسفؒ بھی اپنے مسلک پر استدلال کر سکتے ہیں کہ اگر مقتدی دو ہوں تو دائیں بائیں کھڑے ہوں (من ہاشم البذل)

بَابُ الرَّجُلِ يَصْلِي وَحْدَهُ خَلْفَ لَصَفِّ

قوله، عن وابصة ان رسول الله صلى الله عليه وآله رأى رجلا يصلي خلف الصف وحده فامره ان يعبد، انفراد خلف الصف عند الجمهور مکرر ہے اور امام احمد و اسحاق کے نزدیک مفید صلوٰۃ ہے، لہذا جمهور کے نزدیک اعادہ کا حکم بطریق استحباب اور حناہ کے نزدیک بطریق وجوب ہوا، اور جمهور کی مستقل دلیل اگلے باب میں آرہی ہے، یہاں سوال یہ ہے کہ آخر تنہا شخص کرے کیا جواب یہ ہے کہ اگلی صف میں سے کسی ایک کو کچھ لے، خفیہ اور شافعیہ کا مذہب یہی ہے اس لئے کہ طبرانی کی روایت میں اس حدیث میں ایک زیادتی ہے، ہلا دخلت فی الصف او جردت احداً لکنھا ضعیفۃ، مالک و احمد بخبر کے قائل نہیں اسی طرح مفتی بہ قول ہمارے یہاں بھی یہی ہے کہ جذب نہ کرے کہ اس میں ناگواری اور فتنہ کا اندیشہ ہے لقلة العلم بالمسائل۔

بَابُ الرَّجُلِ يَرْكَعُ دُونَ الصَّفِّ

یہ باب ماقبل سے مربوط ہے، مسئلہ اور اختلاف پہلے باب میں گذر چکا، اس باب میں مصنف نے ابو بکرہ کی حدیث ذکر فرمائی ہے جس کا مضمون یہ ہے، کہ یہ ایک روز مسجد میں نماز کے لئے داخل ہوئے جبکہ نماز ہو رہی تھی اور حضور صلی اللہ علیہ وسلم رکوع میں تھے تو انھوں نے سوچا کہ اگر میں نے صف تک پہنچنے کے بعد نماز کی نیت باندھی تو یہ رکعت فوت ہو جائے گی اسلئے انھوں نے قبل الوصول الی الصف نماز کی نیت باندھ لی اور رکوع ہی کی ہیئت میں چلکر صف میں جا کر شامل ہو گئے، حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے نماز سے فارغ ہونیکے بعد ان سے فرمایا، من ادک اللہ محروماً

۱۔ اس ابھام نے یہی لکھا ہے اور ہمارے بعض فقہار نے اعادہ صلوٰۃ کو واجب بھی لکھا ہے اسلئے کہ انفراد خلف الصف مکررہ تحریر ہے، واجب عنہ صاحب البدائع بوجہ آخر حدیث قال وامرہ بالاعادة شاذ، ولو صح فحمل علی انه کان بینہ و بین الصف ما یمنع الاقتداء فی الحدیث ما یدل علی ذلک لانه قال فی ناحیة من الارض۔ ۲۔ اگلے کلام سے بخوبی معلوم ہوا ہے کہ امر واجب کیلئے ہے۔

ولا تَعُدُّ، گویا آپ نے ان کے اس عزم اور جذبہ کی تحسین فرمائی کہ نیکی حاصل کر نیکی حرص تو مبارک ہے لیکن چونکہ یہ صورت جو تم نے اختیار کی خلاف قاعدہ ہے اسلئے آئندہ ایسا نہ کرنا، یہ حدیث جمہور کی دلیل ہے مذکورہ بالا سلسلہ میں، کیونکہ یہاں بھی عند التحریم الفرد خلف الصف پایا گیا، ابن حبان جو ایک مشہور محدث ہیں وہ اس سلسلہ میں حسنابلہ کیساتھ ہیں، لیکن انھوں نے اس خاص صورت کو مسئلہ سے مستثنیٰ کر دیا ہے اسی حدیث کی بناء پر۔

ولا تَعُدُّ، اس لفظ کو تین طرح پڑھا گیا ہے، لا تَعُدُّ صیغۃ النہی من العود لا تَعُدُّ ضمہ دال کیساتھ صیغۃ النہی من العود یعنی آئندہ اس طرح دہر کر مت آنا، لا تَعُدُّ صیغۃ النہی من الاعادة ای لا تَعُدُّ تلک الصلوۃ۔

فائدہ :- حدیث الباب کے راوی ابو بکرہ ہیں جن کا نام نافع بن الحارث ہے یہ طائفی ہیں صحابہ کرام نے جب حصن طائف کا محاصرہ کر رکھا تھا تو یہ اس قلعہ کی چھت پر سے رستا لڑکا کر اسکے ذریعہ نیچے اتر آئے تھے اور مسلمانوں میں شامل ہو گئے تھے۔ بکرہ رستہ کو کہتے ہیں یہ ان کی وجہ التکلیف ہے

باب ما یستر المصلی

یہاں سے ابواب الستہ شروع ہو رہے ہیں، سترہ سے متعلق مصنف نے متعدد ابواب قائم کئے ہیں، سترہ کے بارے میں متعدد ابحاث و مسائل ہیں جن کو شروع میں جان لینا بہتر ہے حضرت شیخ کی تقریر ابو داؤد السیاحی الحمد دیں ہے کہ صاحب بحر الرائق نے سترہ سے متعلق تقریباً سترہ ابحاث و مسائل ذکر کئے ہیں امام ابو داؤد نے ان میں سے چند بیان کئے ہیں اور یہی بات حضرت شیخ نے اوجز المسالک میں لکھی ہے۔

سترہ سے متعلق ابحاث عشرہ
عۛ معنی الستہ لغۃ و شرعاً حکم الستہ عۛ قدر عا طولا عۛ نفعھا لمن عۛ حریم للعلی
عۛ قدر الفاصلۃ بین المصلی والسترہ عۛ الحکمۃ فیھا عۛ الستہ بالراطلۃ عۛ الستہ

بالخط عۛ در المار.

البحث الاول :- الستہ فی الاصل ما یستتوبہ مطلقاً شرعاً علی ما ینصب قدّام المصلی (طحاوی) یعنی مطلق وہ شئی جس کے ذریعہ سے دو چیزوں کے درمیان آڑ قائم کیجائے، اور عرف فقہار میں اس چیز کو کہتے ہیں جو نماز کیساتھ قائم کیجائے گذرنے والوں سے خیلوئت کے لئے۔

البحث الثاني :- سترہ قائم کرنا ائمہ اربعہ کے نزدیک سنت ہے ابن العربی نے امام احمد کا مذہب وجوب سترہ نقل کیا ہے، حضرت شیخ اوجز میں لکھتے ہیں کہ یہ صحیح نہیں بلکہ وہ اسمیں جمہور کیساتھ ہیں۔

البحث الثالث :- سترہ کی مقدار طولا کم اذ کم ایک ذراع ہے، حدیث میں آتا ہے مثل مؤفیرۃ الریح

واما وضاً فقیل ینبغي ان یکون فی غلظ اصبح۔

البحث الرابع :- سترہ کا فائدہ اور نفع، کہا گیا ہے کہ مصلیٰ کی طرف عائد ہے تاکہ اس کی نماز کا خشوع زائل نہ ہو، اگر سترہ قائم نہیں کیا تو لوگوں کے گزرنے کی وجہ سے خشوع ضائع ہوگا، لہذا محتاج الی الدرر یعنی گزرنے والے کو ہٹانے کی ضرورت پیش نہ آئے، دوسرا قول یہ ہے کہ اسکا نفع ماز (گزرینوالے) کی طرف عائد ہے اسلئے کہ اب وہ گزرنے سے گنہگار نہ ہوگا، لیکن ان دونوں فائدوں میں منافات ہی کیا ہے، لہذا یہ کہا جائے کہ سترہ میں یہ دونوں فائدے ہیں۔

البحث الخامس :- حریم مصلیٰ کا مطلب یہ ہے کہ مصلیٰ کے سامنے کا وہ حصہ جہاں کو گزرناسترہ نہ ہونے کی صورت میں ممنوع ہے، جمہور علماء کے نزدیک یہ تین ذراع کے بقدر ہے جو تقریباً مصلیٰ کے محل قیام سے موضع سجود تک ہے، لہذا اس کے ورار سے گزرناجائز ہوگا، اور حنفیہ کے یہاں ایک روایت میں بقدر صفین ہے اور ایک روایت بقدر ثلاثہ صفوف کی ہے۔ یہ تو ہے باعتبار صحرا کے یعنی کھلے میدان میں، اور مسجد کے اندر مصلیٰ کے سامنے کو گزرنامطلقاً جائز نہیں، گویا ساری ہی مسجد حریم مصلیٰ ہے خواہ وہ مسجد صغیر ہو یا کبیر، اور کہا گیا ہے کہ دونوں میں فرق ہے، مسجد صغیر میں تو مرد مطلقاً ممنوع ہے اور مسجد کبیر صحرا کے حکم میں ہے، ایک قول حریم مصلیٰ میں اور ہے جسکو شیخ ابن الہمام اور صاحب بدائع نے اختیار کیا ہے یعنی منتهی بصیر المصلیٰ دو صلی صلوٰۃ الخاشعین، یعنی خشوع و خضوع کے ساتھ نماز پڑھنے کی صورت میں بدون قصد کے زمین کے جس حصہ تک نظر پڑتی ہے وہ حصہ حریم مصلیٰ ہے، لہذا اتنے حصہ میں کو نہیں گزر سکتے۔

البحث السادس :- اس سلسلہ میں آگے ایک باب آرہا ہے "باب الدنو من السترہ" مصلیٰ اور سترہ کے درمیان فاصلہ کم سے کم ہونا بہتر ہے تاکہ راستہ تنگ اور گزرنے والوں کو دقت لاحق نہ ہو، بہر حال اس سلسلہ میں دو حدیثیں وارد ہیں ایک وہ جو باب مذکور میں آرہی ہے، کان بین مقام النبی صلی اللہ علیہ وسلم وبين القبلة مَمْرٌ عَنِزٌ یعنی بکری کے گزرنے کے بقدر فاصلہ جتنی جگہ میں کو بکری گزر سکے، اور دوسری حدیث یہ ہے کہ حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے کعبہ میں نماز ادا فرمائی، و بینہ وبين القبلة ثلاثہ اذرع یعنی آپ کے اور جدارِ قبلہ کے درمیان تین ذراع کا فاصلہ تھا اور ممر العنز بقدر ایک ذراع کے ہوتا ہے بظاہر ان دونوں میں مخالفت ہے جسکے دو جواب ہیں، اول یہ کہ پہلی روایت حالتِ سجود پر محمول ہے یعنی موضعِ سجود اور سترہ کے درمیان بقدر ایک ذراع فاصلہ ہوتا تھا، اور دوسری روایت میں محل قیام اور سترہ کے درمیان کا فاصلہ مراد ہے دوسرا جواب اس کا وہ ہے جو داؤدی نے دیا کہ کم سے کم فاصلہ بقدر ممر شاة ہے اور زیادہ سے زیادہ تین ذراع۔

البحث السابع :- سترہ قائم کرنے میں حکمت، قیل ہی کف البصر عما وداشہا وجمع الخاطر بربط الخیال دہا، یعنی کسی چیز کو سامنے کیے بغیر کھلی جگہ میں نماز پڑھنے سے نگاہ کسی ایک جگہ پر نہیں ٹھہرتی، اور جب کوئی خاص

اجنبی کی چیز سامنے ہو تو اس پر جم جاتی ہے تو اسی لئے سترہ قائم کیا جاتا ہے کہ نگاہ اور خیال مجتمع رہیں نیز دوسری حکمت اس میں اعلام موضع السجود ہے، یعنی حریم مصلیٰ جو کہ موضع سجود ہے اس کی نشاندہی تاکہ اسیں کو کوئی نہ گزرے۔

البحث الثامن :- ابن رسلان لکھتے ہیں کہ امام شافعیؒ کے نزدیک صلوٰۃ الی الذابۃ مکروہ ہے اور حدیث کو انھوں نے ضرورت پر محمول کیا ہے اور عند الضرورة جائز ہے اسی طرح مالکیہ کے یہاں ذابۃ کو سترہ بنانا خلاف استحباب ہے، (مرحب بہ الدسوقي) اور حنفیہ و حنابلہ کے نزدیک اسیں کچھ حرج نہیں کما فی الاذہن اس سلسلہ کے مزید فوائد باب الصلوٰۃ الی الراحۃ میں آئیگی۔

البحث التاسع :- اس کا باب اسکے بعد متصلاً ہی آرہا ہے وہ یہ کہ اگر سترہ کے لئے کوئی چیز نہ ملے تو کیا کرے؟ ایک حدیث میں ہے جو آگے آرہی ہے کہ آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے ارشاد فرمایا فَلْيَخُطْ خُطَاكَ اپنے سامنے زمین پر لکیر اور خط ہی کھینچ لے، اس حدیث کی بنا پر امام احمد سترہ بالخط کے قائل ہیں، گو حدیث ضعیف ہے اور خود امام احمد سے منقول ہے حدیث الخط ضعیف لیکن اسکے باوجود وہ اس کے قائل ہیں، امام مالک سترہ بالخط کے قائل نہیں، امام شافعیؒ کے اسیں دو قول ہیں، اور مشہور عند الحنفیہ تو یہی ہے، کہ خط کا اعتبار نہیں اسلئے کہ وہ دور سے نظر نہیں آتا اور سترہ کا جو فائدہ ہے اعلام موضع السجود اس سے حاصل نہیں ہوتا (کذا فی السہائے) اور روایت ثانیہ ہمارے یہاں یہ ہے کہ معتبر ہے چنانچہ شامی میں امام محمدؒ سے نقل کیا ہے سُنَّ الْخَطَّ سترہ بالخط سے اعلام موضع سجود کا فائدہ گو حاصل نہیں ہوتا لیکن دوسرے فوائد حاصل ہو سکتے ہیں، کَفَّ الْبَصَرَ عما درانہا وغیرہ، پھر اس میں اختلاف ہو رہا ہے کہ اگر خط کھینچا جائے تو کیسے، اسیں دو قول ہیں، عرضاً مثل الہلال والمہراب وقیل طوًلاً۔

البحث العاشر - نمازی کا اس کے سامنے سے گزرنے والے کو روکنا بشارۃ الیاد بالتسبیح جمہور علماء ائمہ ثلاثہ کے نزدیک مستحب ہے اور حنفیہ کا مسلک بھی بظاہر یہی ہے جیسا کہ ہدایہ شرح وقایہ وغیرہ کتب سے معلوم ہوتا ہے، مؤطا محمد میں بھی یہی لکھا ہے ویدراً المبارک، لیکن در مختار میں لکھا ہے کہ درر المارخصت کا درجہ ہے افضل اور عزیمت ترک در رہے اور بدائع میں لکھا ہے کہ بعض مشائخ نے درر کو رخصت قرار دیا ہے اور عدم درر کو افضل۔

اس سے معلوم ہوا کہ در مختار والا قول بعض مشائخ سے منقول ہے قلت عشرة کاملۃ ایک مسئلہ اور یاد آیا وہ یہ کہ مسجد حرام میں سترہ کی حاجت ہے یا نہیں چنانچہ امام بخاریؒ نے بھی اس سے متعلق باب قائم فرمایا ہے "باب البسۃ بمکۃ وغیرہا" اور امام ابو داؤدؒ نے اس سے متعلق باب کتاب الحج میں قائم

کیا ہے جس کے لفظ یہ ہیں۔ باب فی مکة۔ اور اس باب کے ذیل میں مصنف نے مطلب بن ابی وداہ کی حدیث ذکر فرمائی ہے کہ انھوں نے حضور صلی اللہ علیہ وسلم کو دیکھا کہ آپ مسجد حرام میں نماز پڑھ رہے تھے۔ والناس یسودون بین یدینہ لیس بینہ دین الکعبۃ مسترة۔ امام ابو داؤد چونکہ حنبلی ہیں اسلئے انھوں نے ثابت فرمایا کہ مکہ میں سترہ کی حاجت نہیں حنا بلکہ کارائج قول یہی ہے۔ اور جمہور علماء کے نزدیک اس مسئلہ میں مکہ وغیر مکہ برابر ہے، ایک قول حنفیہ کے یہاں بھی یہ ہے کہ مسجد حرام میں مصلی کے سامنے سے گزرنے والے کو رد کا نہ جائے۔ اور یہ بھی لکھا ہے کہ چونکہ مسجد کبیر صحرا کے حکم میں لہذا مسجد حرام میں موضع سجود کے ورار سے گزر سکتے ہیں، یہ گیارہ بحثیں ہوتیں احد عشر کوکبا۔

البحث الثانی عشر۔ مسائل سترہ میں سے ایک اور مسئلہ یاد آیا جس کے لئے مصنف نے بہت آگے چلکر باب قائم کیا ہے۔ باب سترۃ الامام سترۃ لمن خلفہ۔ جمہور علماء ائمہ ثلاث تو اسی کے قائل ہیں کہ جو سترہ امام کے لئے ہے وہی قوم کے لئے ہے مالکیہ کا اس میں اختلاف ہے جس کو ہم اسی باب میں بیان کریں گے۔ اب یہ بارہ مسائل ہو گئے وبعثنا منہم اثنی عشر نقیبا،

قوله، اذا جعلت بین یدیک مثل مؤخرۃ الرّجل مؤخرہ میں تین لغت اور ہیں مؤخرۃ مؤخرۃ، آخرۃ کباؤہ کے پچھلے حصہ میں ایک لکڑی ابھری ہوئی ہوتی ہے۔ يستند الیہ الراكب جس پر سوار ٹیک لگاتا ہے یہ ایک ذراع کے بقدر ہوتی ہے۔ اور کہا گیا ہے کہ ایک ثلث کم ایک ذراع۔

قوله، فمن شرّ اتخذها الامراء، مضمون حدیث یہ ہے کہ آپ صلی اللہ علیہ وسلم جب کہیں سفر میں تشریف لیجاتے تو اپنے ساتھ حربہ اور آگے روایت میں لفظ عنترہ آرہا ہے، یعنی چھوٹا نیزہ جس کو برجمی کہتے ہیں وہ اپنے ساتھ رکھتے تاکہ نماز کے وقت سترہ کا کام دے اسکے علاوہ اور بھی کام آسکتی ہے پھر آگے راوی کہتا ہے کہ چونکہ حضور صلی اللہ علیہ وسلم کا معمول حربہ ساتھ رکھنے کا تھا اسی لئے اس کو آپ کے بعد آئیوالے اہل امارت نے بھی اختیار کیا وہ بھی اپنے ساتھ سفر میں حربہ رکھتے تھے۔

باب الخط اذا لم یجد عصا

اس سے متعلق کلام شروع میں آچکا۔

قوله، حدثنی ابو عمرو بن محمد بن حرث، اس حدیث کی سند میں راوی مجہول ہے، اور آگے سند میں بجائے اس کے ابو محمد بن عمرو بن حرث آرہا ہے گویا نام بھی اس کا متعین نہیں

قوله ولم نجد شيئا لشدة هذا الحديث. یعنی اس حدیث کی کوئی دوسری سند بھی نہیں ہے جس سے اسکی تقویت ہو جاتی۔

قوله، قدم ههنا رجل بعد مامات اسماعيل بن امية الخ سفيان بن عيينة کہتے ہیں کہ انہیں بن امیہ کے انتقال کے بعد یہاں ایک شخص آئے تھے مذکورہ بالا راوی ابو عمر بن محمد کی تحقیق اور چمن بن بین کے لئے، چنانچہ اس شخص کی ان سے ملاقات ہو گئی تو اس شخص نے ان سے اس حدیث کے بارے میں سوال کیا تو وہ اس حدیث کو بیان نہیں کر سکے معلوم ہوتا تھا کہ ان کو کچھ اشتباہ ہو گیا، سفيان کے بیان کردہ قصہ سے معلوم ہو رہا ہے کہ ابو عمر کے شاگرد یعنی اسماعیل بن امیہ کا انتقال استاذ کی حیات میں ہو گیا تھا قولہ، رایت شریکا صلی بنی جنازة العصفوف وضع قلنسوة الخ سفيان بن عيينة کہتے ہیں کہ میں نے شریک کو دیکھا کہ ایک مرتبہ وہ یہاں کسی جنازہ میں شرکت کے لئے تشریف لائے تو انہوں نے، میں عصر کی نماز پڑھائی اور اس میں انہوں نے ہماری امامت کی تو انہوں نے نماز سے پہلے ایسا کیا کہ سترہ کے لئے کوئی چیز نہ تھی اپنے آگے اپنی ٹوپی رکھ لی اور اس سے سترہ کا کام لیا، غالباً اونچی سی ٹوپی ہوگی جیسے ہمارے بچپن میں ترکی ٹوپی کے نام سے بازاروں میں اونچی اور گول ٹوپیاں ملتی تھیں پیر ابن رسلان شارح ابو داؤد لکھتے ہیں کہا گیا ہے کہ اسی لئے بعض صوفیاء لمبی ٹوپی (اونچی)، اوڑھتے تھے تاکہ بوقت ضرورت ان سے سترہ کا بھی کام لیا جاسکے۔

بَابُ الصَّلَاةِ إِلَى الرَّاحِلَةِ

اس میں اختلاف و مذاہب ائمہ ابتدائی مباحث میں گذر گئے، کچھ باتیں رہ گئیں وہ یہاں سن لیجئے، حضرت ابن عمرؓ کے بارے میں مروی ہے مصنف عبد الرزاق میں کہ وہ صلوٰۃ الی البعیر کو مکروہ سمجھتے تھے مگر یہ کہ اس پر رُخّل (کجاوہ) ہو، علماء نے لکھا ہے کہ شاید اسکی وجہ یہ ہے کہ اونٹ کی پشت پر کجاوہ ہونیکی صورت میں وہ اقرب الی السکون ہوگا بنسبت برہنہ پشت ہونے کے، امام شافعیؒ کا مسلک پہلے گذر چکا کہ وہ صلوٰۃ الی الدابہ کی کراہت کے قائل تھے نیز ان سے منقول ہے کہ عورت کو بھی سترہ نہ بنایا جائے، اس پر امام نوویؒ فرماتے ہیں اما قولہ فی المرأة فظاھر لانہا ربما شغلت ذهنہ، لیکن صلوٰۃ الی الدابہ تو صحیحین کی حدیث سے ثابت ہے، وہ فرماتے ہیں کہ شاید امام شافعیؒ کو یہ حدیث نہ پہنچی ہو اور ان کی وصیت ہے اذا صح الحديث فهو مذہبی (منہل) نیز صاحب منہل نے استتار بالمحرم

میں مالکیہ کے مسلک میں تفصیل لکھی ہے وہ یہ کہ حیوان اگر غیر ماکول اللحم ہو تو اس کا سترہ بنانا مطلقاً مکروہ ہے اور اگر ماکول اللحم ہو سو اگر وہ مر بو طہ ہے تب تو اس کی طرف نماز بلا کراہت جائز ہے ورنہ مکروہ ہے

قوله كان يصلي الى بعيدة اور ترجمۃ الباب میں لفظ راحلہ ہے ، راحلہ اس ادنیٰ کو کہتے ہیں جو سواری کے قابل ہو کیونکہ ہر اونٹ یا ادنیٰ سواری کے قابل نہیں ہوتی راحلہ اسی کو کہتے ہیں جو سواری کے قابل ہو بخلاف بعیر کے کہ وہ عام ہے سفر میں سواری کے قابل ہو یا نہ ہو ، نیز بعیر ذکر و انشی دونوں کو شامل ہے اور راحلہ میں دونوں قول ہیں بعض کے نزدیک وہ انشی کیساتھ خاص ہے ، بعض نے اس کو بھی عام قرار دیا ہے (کذا فی العینی و مجمع البحار)

دو حدیثوں میں رفع تعارض یہاں پر یہ سوال ہوتا ہے کہ حدیث میں معاطن اہل میں نماز سے منع وارد ہے اور صلوة الی الراحلہ بظاہر اس کے خلاف ہے ، جواب یہ ہے کہ معاطن خاص اسی جگہ کو کہتے ہیں جہاں پر اونٹ بندھتے اور رہتے ہیں اور اس جگہ میں نتن اور عفونت پائی جاتی ہے اور بعض نے کہا کہ اصحاب اہل کی عادت ہوتی ہے کہ وہ معاطن اہل میں اونٹوں کو آڑ بنا کر قضاہ حاجت کرتے ہیں ، غرضیکہ وہ علت یہاں مفقود ہے ، صاف سقہری جگہ اونٹ بیٹھتا ہے آپ اس کی طرف کو نماز پڑھ لیں کیا مضائقہ ہے ؟

باب اذ اصلی الی سائیۃ او نحوہا این یجعلہا منہ

حدیث الباب میں ہے کہ آپ صلی اللہ علیہ وسلم جب کسی لکڑی یا ستون یا درخت کو سترہ بنا کر نماز پڑھتے تو اس کو بالکل اپنے سامنے نہ کرتے بلکہ اپنی ذرا دائیں جانب یا بائیں جانب کرتے ولا یصمد لہ صمدًا ، اور نہیں قصد کرتے تھے اس کا قصد کرنا یعنی اس کو اپنے بالکل سامنے نہیں رکھتے تھے تاکہ یہ نہ سمجھا جائے کہ عبادت میں اسی کا قصد کیا جا رہا ہے اور تشبہ بعبدۃ الاصنام لازم نہ آئے۔

باب للصلوة الی المتحدثین والنیام

نیام نائم کی جمع ، صلوة الی النائم ائمہ میں سے امام مالکؒ کے نزدیک مکروہ ہے مجاہد اور طاووس کا

مذہب بھی یہی ہے اسلئے کہ ہو سکتا ہے سونے والے کی طرف سے نوم کی حالت میں کسی ایسی چیز کا صدور ہو جس سے مصلیٰ کا خیال منتشر ہو نیز حدیث الباب سے انہوں نے استدلال کیا، لیکن یہ حدیث بالاتفاق ضعیف ہے اس کی سند میں ایک مجہول راوی ہیں جن کا نام ہشام بن زیاد ہے جو متروک ہے، جمہور کا دلیل وہ حدیث صحیح ہے جس میں حضرت عائشہؓ فرماتی ہیں کہ آپ صلی اللہ علیہ وسلم رات میں نماز پڑھتے تھے، وانا معترضة بينه وبين القبلة اعتراض الجنابة، دوسرا جز ترجمہ کا صلوة الى المتحدث ہے، منہل میں لکھا ہے کہ یہ امام شافعی و احمد کے نزدیک مکروہ ہے اور دوسرے علماء کے نزدیک جائز ہے، اور یہ اختلاف اس وقت ہے جب خشوع زائل نہ ہوتا ہو ورنہ بالاتفاق مکروہ ہے، معنی میں بھی صلوة الى المتحدث کو مکروہ لکھا ہے یعنی عند احمد اور صلوة الى النائم میں انہوں نے اختلاف روایت ذکر کیا ہے۔

باب الدُّنُومِن السَّتْرَةِ

اس پر تفصیل کلام شروع میں گذر چکا۔

قوله، عن محمد بن سہل عن ابیہ او عن محمد بن سہل عن النبی صلی اللہ علیہ وسلم پہلی صورت میں روایت متصل ہوگی اسلئے کہ یہ سہل سہل بن ابی ختمہ ہیں جو صحابی ہیں، اور دوسری صورت (عن ابیہ نہونیکی صورت) میں روایت مرسل ہوگی کیونکہ محمد بن سہل تابعی ہیں۔

باب مَا يَوْمَرُ الْمَصْلِي ان يَدْرَأَ عَنِ الْمُرْبِين يَدِيْهِ

اس کے بارے میں مذاہب ائمہ شروع میں گذر چکے ظاہر یہ کے نزدیک درر واجب ہے۔

قوله، وليد رَأَاهُ مَا اسْتَطَاعَ فَاَن ابْنِي فَلَيْمَاتِلَه فَاَنَّمَا هُوَ شَيْطَانٌ،

امام نووی کی رائے | امام نووی لکھتے ہیں کہ ہمارے یہاں دفع المار مندوب ہے واجب نہیں وہ آگے چلکر فرماتے ہیں کہ ابتداء دفع کرے باہل الوجہ پس اگر نہ ملے تو پھر باشد الوجہ دفع کرے اگرچہ اس میں قتل ہی کی نوبت کیوں نہ آجائے اسلئے کہ یہ تو گویا دفع الصائل کے قبیل سے ہے اور چونکہ اس مقابلہ کی شریعت نے اجازت دی ہے اسلئے بصورت ہلاکت ضمان بھی نہ ہوگا۔

جاننا چاہئے کہ اس حدیث میں دو چیزیں مذکور ہیں، آدل در المار دوسری مقاتلہ در المار کا حکم ابتدائی مباحث میں گذر چکا۔

شرح حدیث میں شرح حدیث اور فقہاء کرام کے اقوال
اور امر ثانی یعنی مقاتلہ سو بعض شافعیہ جیسے امام نووی انہوں نے اس مقاتلہ کو اس کی حقیقت پر محمول کرتے ہوئے اس کو جائز قرار دیا ہے کی سبق، لیکن قاضی عیاض وغیرہ شرح حدیث نے اس پر اجماع نقل کیا ہے کہ در المار کے لئے منیٰ اور عمل کثیر جائز نہیں اسلئے کہ یہ تو گذرنے والے کے مردور سے بھی زیادہ نماز کے حق میں سخت اور مضر ہے اور اقبال علی الصلوٰۃ کے قاعدہ کے خلاف ہے اور ظاہر ہے کہ قتال بغیر عمل کثیر کے ہو نہیں سکتا اسلئے یہ حدیث محتاج تاویل ہے، چنانچہ علامہ قرطبی فرماتے ہیں کہ حدیث میں قتال سے مراد مبالغہ فی الدفع ہے کہ اگر اشارہ وغیرہ سے وہ باز نہ آئے تو اور سختی کرے، مثلاً دسکا دیدے، اور ابن عبدالبر فرماتے ہیں کہ آپ صلی اللہ علیہ وسلم کا یہ ارشاد بطور تغلیظ ہے فی الواقع قتال کی اجازت مقصود نہیں، اور علامہ باجی فرماتے ہیں کہ قتال سے مراد لعن ہے، قتال لفظ اور شرعاً بھی لعن کے معنی میں آتا ہے، قال تعالیٰ، قاتلہوا اللہا ائی یوفکون، علامہ زلیخی بھی یہی فرماتے ہیں کہ قتال سے مراد یہاں بدعت ہے، اور علامہ شامی فرماتے ہیں کہ یہ حدیث منسوخ ہے یہ اس وقت کی بات ہے جب عمل کثیر نماز میں جائز تھا، اور ایک قول یہ ہے مراد یہ ہے کہ نماز کے بعد اس کی خبر لے، پھر دوسرا اختلاف یہاں پر یہ ہے کہ اگر کسی نے اس سے قتال کیا اور وہ ہلاک ہو گیا تو اس صورت میں ضمان ہو گا یا نہیں، حضرت شیخ ابو جزیں لکھتے ہیں کہ اس کا حکم حنابلہ کی کتب میں مجھے نہیں ملا و لا ضمان علیہ عند الشافعیۃ و علیہ الدیۃ عند المالکیۃ اور حنفیہ کے نزدیک حسب قاعدہ قصاص یا دیت واجب ہو گی، قولہ، فانما هو شیطان، یعنی سرکش اور شریر، عارف باللہ ابن ابی حمرہ اس پر فرماتے ہیں کہ اس سے معلوم ہوا کہ حدیث میں قتال سے مراد مدافعت لطیفہ ہے نہ کہ حقیقت قتال اسلئے کہ شیطان کے ساتھ جو مقابلہ ہوتا ہے وہ ہاتھ پاؤں اور ہتھیار کے ذریعہ سے نہیں، بلکہ استعاذہ اور تسمیہ وغیرہ کے ذریعہ ہوتا ہے (منہل)

قولہ، عن حمید بن ہلال قال قال ابو صالح اُحْدِثْ لَکَ عَمَّا رَایْتُ مِنْ ابْنِ سَعْدٍ وَسَمِعْتُ مِنْهُ ابُو صَالِحٍ نَعَى حَمِیدَ بْنَ سَعْدٍ سَمِعَ مِنْهُ وَاقَعَهُ بَیْانَ کُرْتَاہُیْنَ جَوِیْیْنَ لَیْسَ ابُو سَعْدٍ خَدْرَی سَمِعَ دِکْھَا

لے اس کی تائید اس حدیث سے ہوتی ہے جو ایک دو باب کے بعد آرہی ہے، اللہم اقطع اشروہ ۱۲

اور وہ حدیث بھی تم سے بیان کرتا ہوں جو میں نے ان سے سنی، گویا دو چیزیں بیان کرتا ہوں ایک تو وہ واقعہ جو کسی شخص کا ابو سعید خدری کیساتھ پیش آیا اور ابو صالح نے اس کو دیکھا، دوسرے وہ قولی حدیث جو انہوں نے ابو سعید خدریؓ سے سنی، چنانچہ آگے پہلے تو اس واقعہ کو بیان کرتے ہیں، وہ واقعہ یہ ہے کہ ایک مرتبہ ابو سعید خدریؓ مروان کی عدالت میں پہنچے اور وہاں جا کر اس سے یہ کہا کہ میں نے حضور صلی اللہ علیہ وسلم کو یہ فرماتے ہوئے سنا ہے اذاصلی احد کھرا لی شئی یسترہ من الناس فاراد احد ان یجتاز بنین یدیدہ فلیدفع فی نحرہ الخ کہ جب تم میں سے کوئی سترہ قائم کر کے اسکی طرف نماز پڑھ رہا ہو اور پھر کوئی شخص نمازی اور سترہ کے درمیان میں کو گزرنے چاہے تو اس کے سینہ پر مکالگائے اور اگر وہ پھر بھی نہ مانے تو اچھی طرح اس کا مقابلہ کرے۔

حدیث الباب میں اختصار اور اسکی تشریح | مصنف نے یہاں جو روایت ذکر فرمائی ہے ایسی اختصار ہے، پورا واقعہ مسلم شریف میں مذکور ہے اور وہ یہ ہے کہ ایک مرتبہ ابو سعید خدریؓ نماز پڑھ رہے تھے ایک نوجوان لڑکا ان کے آگے کو گزرنے چاہتا تھا انہوں نے اس کو ایک بار دھکا دیا پھر دوبارہ اس نے گزرنے کا ارادہ کیا اس مرتبہ انہوں نے پہلے سے بھی زیادہ زور سے دھکا دیا اس پر وہ نوجوان مروان کے پاس شکایت کے لئے گیا اتنے میں ابو سعید خدریؓ بھی وہاں پہنچ گئے، مروان نے سوال کیا کہ آپ نے اس کیساتھ یہ معاملہ کیوں کیا اس پر انہوں نے یہ حدیث سنائی، (کذا فی البذل) میں کہتا ہوں کہ اس واقعہ کا کچھ حصہ چند باب کے بعد ابو داؤد شریف میں بھی آ رہا ہے، مصنف نے حدیث کی تقطیع کر دی ایک قطعہ حدیث کا یہاں اور ایک قطعہ آگے چل کر ذکر کیا صحیحین میں پورا واقعہ یکجا مذکور ہے۔

باب ما ینہی عنہ من المار بین یدی المصلی

اور امام بخاریؒ کا ترجمہ ہے۔ باب اثم المار بین یدی المصلی، قولہ، ارسلنا الی ابی جہم، یہ وہی ابو الجہیم ہیں جنکی روایت ابواب التیمم میں گزر چکی اور ایک راوی ابو الجہیم ہیں اس پر کلام دیں گزر چکا قولہ، لودعلم المار بین یدی المصلی ماذا علیہ، اگر نمازی کے سامنے سے گزرنے والے کو یہ معلوم ہو جائے کہ اس گزرنے میں کتنا بڑا گناہ اور اخروی نقصان ہے تو وہ چالیس سال تک کھڑے رہنے کو آگے سے گزرنے پر ترجیح دے گا۔ مسند بزار میں اربعین خریفا ہے اور ابن ماجہ کی روایت میں ماشاء عام مذکور ہے اسکو تعارض نہ سمجھا جائے کیونکہ مشہور ہے کہ مفہوم عدد معتبر نہیں۔

مصلی کو در المار کا حق کب ہے
اور گزرنے والا آثم کس صورت میں ہے

اس حدیث میں منع عن المردر مطلقاً مذکور ہے اور گذشتہ باب میں ابوسعید خدری کی حدیث میں مصلی الی سترۃ کی قید ہے کہ جو شخص سترہ

قائم کر کے اسکی طرف نماز پڑھ رہا ہو۔ ابن رسلان نے اس مطلق کو بھی مقید پر محمول کیا ہے اور حضرت نے بھی بذل الجہود میں ایسا ہی کیا ہے اور لکھا ہے کہ سترہ قائم نہ کرنے کی صورت میں حق دفع نہیں ہے لیکن شامی میں بحر وغیرہ سے اطلاق نقل کیا ہے کہ مصلی گزرنے والے کو دفع کر سکتا ہے اگرچہ سترہ نہ ہو یا ہو لیکن گزرنے والا مصلی اور سترہ کے درمیان میں کو گزر رہا ہو۔

جاننا چاہئے کہ یہاں دو چیزیں ہیں مصلی کو دفع کرنے کا حق دوسرے گزرنیوالے کا آثم ہونا۔ اول کے بارے میں تو شامی سے نقل ہو چکا کہ اس میں اطلاق ہے اور ثانی کے بارے میں بھی شامی میں عموم لکھا ہے۔ ومفادہ اشعر الماد وان لم تکن سترۃ، لیکن اس دوسرے مسئلہ میں تفصیل ہے جیسا کہ شروع حدیث اور کتب فقہ میں مذکور ہے، خود علامہ شامی نے اس میں چار صورتیں ذکر کی ہیں جن کا خلاصہ یہ ہے کہ سترہ نہ ہونے کی صورت میں گناہ کا مدار تعدی پر ہے اگر تعدی جانین سے ہوگی تو دونوں گنہگار ہوں گے اور اگر ایک جانب سے ہوگی تو صرف وہی گنہگار ہوگا اور کسی جانب سے نہیں تو کوئی بھی گنہگار نہ ہوگا، مثلاً آدمی بغیر سترہ کے ایسی جگہ میں نماز پڑھنے کھڑا ہو گیا جو لوگوں کے گزرنے کی جگہ ہے اور گزرنے والے کیلئے دوسرا راستہ بھی ہے تو اس صورت میں دونوں آثم ہوں گے اور اگر مصلی محل مرد میں نہیں کھڑا ہوا لیکن گزرنے والے کیلئے اتفاق سے اور کوئی راستہ نہیں ہے سوائے اسکے تو اس صورت میں کوئی بھی آثم نہ ہوگا۔

بَاب مَا يَقْطَعُ الصَّلَاةَ

بظاہر ابواب السترۃ کا سلسلہ ختم ہو گیا حالانکہ ابھی ایک باب آگے آ رہا ہے وہ بھی سترہ سے متعلق ہے لہذا مصنف کے لئے مناسب یہ تھا کہ سترہ کا جو ایک باب ابھی باقی رہ گیا ہے اس کو پہلے ذکر کرتے۔ لیکن اسکی توجیہ یہ ہو سکتی ہے کہ موجودہ باب بھی سترہ ہی سے متعلق ہے اسلئے کہ اس باب کی حدیث کا مضمون یہ ہے کہ مصلی کے سامنے اگر سترہ قائم نہ ہو تو ایسی صورت میں مرأۃ اور حمار اور کلب اسود کا گذرنا قاطع صلوۃ ہے، لہذا معلوم ہوا کہ نمازی کو اپنے سامنے سترہ قائم کرنا چاہئے تاکہ اسکی نماز ان چیزوں کے گزرنے سے خراب نہ ہو۔

مسئلہ الباب میں مذاہب علماء

اس کے بعد سمجھئے کہ حسن بھری اور ابوالاحوص راہن مسوؤ کے شاگرد) اور امام احمد بن حنبل اور ظاہریہ کے نزدیک ان تینوں چیزوں کا مرد مفسد صلوٰۃ ہے، اور دوسری روایت امام احمد کی یہ ہے کہ یہ حکم صرف کلب اسود کا ہے اور مرآۃ دھار میں انہوں نے توقف کیا ہے، اسحاق بن راہویہ کے نزدیک بھی صرف کلب اسود قاطع صلوٰۃ ہے امام احمد کے مرآۃ اور دھار میں توقف کا منشاء یہ لکھا ہے کہ ہمارے سلسلہ میں ابن عباسؓ کی حدیث اسکے خلاف آرہی ہے جس پر مصنف نے آگے مستقل باب قائم کیا ہے، اسی طرح مرآۃ کے بارے میں بھی حضرت عائشہؓ کی حدیث اسکے خلاف آرہی ہے اس پر بھی مصنف نے آگے مستقل ترجمہ قائم کیا ہے جمہوریہ فرماتے ہیں کہ ان احادیث میں قطع سے زاد قطع خشوع ہے اور امام طحاوی نے اسکے بجائے ساک نسخ کو اختیار کیا ہے کہ قطع صلوٰۃ والی روایات منسوخ ہیں اور ناسخ ابوسعید خدری کی حدیث ہے جو آگے کتاب میں آرہی ہے۔ لا یقطع الصلوٰۃ شیئاً۔

قولہ، الکلب الاسود شیطان، بعض نے اس کو اسکے ظاہر پر محمول کیا ہے کہ شیطان بسا اوقات کلب اسود کی شکل میں متشکل ہوتا ہے اور بعض کہتے ہیں کہ شیطان کا استعمال شریر و سرکش کے معنی میں بھی اکثر ہوتا ہے اور چونکہ کلب اسود زیادہ شریر اور ضرر رساں ہوتا ہے اسلئے اس کو شیطان سے تعبیر کیا گیا، قولہ، والغزیر والیہودی والمجوسی، ابوداؤد کے بعض نسخوں میں یہاں پر ایک زیادتی ہے جس کا خلاصہ یہ ہے کہ امام ابوداؤد فرماتے ہیں اس حدیث میں اشیاء ثلاثہ کے علاوہ اور جو زائد چیزیں مذکور ہیں، ذکر خنزیر اور یہودی و مجوسی یہ کسی راوی کا وہم ہے اور مصنف کا خیال یہ ہے کہ وہ ابن ابی سمینہ ہیں جنکا نام محمد بن اسماعیل ہے یعنی مصنف کے استاذ۔

قولہ، علی فذفۃ بججو، پتھر پھینکنے کے فاصلہ کے بقدر، اسکی مقدار بعض شراح نے تین ذراع لکھی ہے حریم مصلی کے بارے میں اختلاف اور تفصیل ہمارے یہاں ابتدائی مباحث میں گذر چکی، قولہ، فیقال اللہم واقطع اثرہ فمأشیت علیہا بعد، یزید بن نمران کہتے ہیں کہ میں نے تبوک میں ایک ایسے شخص کو دیکھا جو اپنا بیج یعنی چلنے سے معذور تھا، میں نے اس سے اسکا سبب دریافت کیا تو اس نے بتایا کہ ایک مرتبہ آپ صلی اللہ علیہ وسلم نماز پڑھ رہے تھے، اور میں گدھے پر سوار تھا اسی حال میں آپ کے آگے کو گذر گیا تو اس وقت مجھ کو حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے (بظاہر نماز ہی میں) یہ فرمایا، اللہم واقطع اثرہ یا اللہ اسکے نشانات قدم کو مٹا دے، اس کے بعد میں زمین پر چلنے کے قابل نہیں رہا اسی طرح کی ایک روایت اسکے بعد آرہی ہے مگر دونوں حدیثوں کی سند میں ضیف اور مجہول راوی ہیں، پہلی حدیث

میں یزید بن نمران کے مولیٰ مجہول ہیں، اور دوسری سند میں سعید اور ان کے والد غزو ان۔
 کیا حضور صلی اللہ علیہ وسلم کا اپنے لئے انتقام لینا ثابت ہے؟
 اس حدیث میں ایک شخص کی جسارت پر اسکے خلاف حضور صلی اللہ علیہ وسلم کا دعار دینا ثابت ہے لیکن حدیث ضعیف ہے، نیز یہ عین ممکن ہے کہ اس میں خود اس شخص ہی کی بھلائی اور خیریت ملحوظ

ہو ایسے ہی آگے ابوداؤد کی کتاب الدیات میں ایک حدیث آرہی ہے جس میں یہ ہے کہ ایک شخص جن کا نام محکم بن جثامہ لیشی ہے انہوں نے ابتداء اسلام میں ایک ناحق خون کر دیا تھا۔ آپ صلی اللہ علیہ وسلم کی خدمت میں جب یہ مقدمہ پہونچا تو اس وقت آپ نے بھری مجلس میں فرمایا تھا اللہم لا تقفر لمحکم۔
 بعض مرتبہ صلحاء وادلیا جب کسی سے اپنا انتقام لیتے ہیں یا کوئی سخت کلمہ کہہ دیتے ہیں تو اس میں بھی مصلحت ہوتی ہے، حضرت شیخؒ نے اس پر ایک واقعہ سنایا تھا کہ ایک بزرگ راستہ پر چلے جا رہے تھے پیچھے خدام بھی تھے راستہ میں سامنے سے ایک بھنگن آرہی تھی جس کے ساتھ نجاست کی ایک ٹوکری بھی تھی جب وہ ان بزرگ کے برابر میں کو گزری تو اس بد بخت نے چلتے چلتے کچھ نجاست ان بزرگ پر بھی گرا دی اور تیزی سے آگے بڑھ گئی، ان بزرگ نے اپنے ایک خادم سے فرمایا ارے اس کے جلدی سے ایک تھپڑ مار دے وہ سوچتے ہی رہے اتنے میں وہ بھنگن فوراً زمین پر گر گئی اور ختم ہو گئی، ان بزرگ نے اپنے اس خادم پر عتاب اور غصہ کا اظہار فرمایا کہ تم نے ہی اس کو مارا ہے پھر فرمایا کہ بات یہ ہے کہ جب اس نے میرے ساتھ شراکت کی تھی میں نے دیکھا کہ غضب اُسی جوش میں آگیا تو میں نے سوچا کہ جلدی سے میں ہی انتقام لے لوں تاکہ وہ اللہ تعالیٰ کے انتقام سے بچ جائے مگر تم نے تھپڑ مارنے میں دیر کر دی اس لئے اوپر سے انتقام آگیا۔

باب سترۃ الامام سترۃ لمن خلفہ

اس پر سب کا اتفاق ہے کہ جماعت کی نماز میں امام کے لئے سترہ قائم کر لینا کافی ہے قوم کے لئے مستقل سترہ قائم کرنے کی حاجت نہیں، لیکن اختلاف اس میں ہو رہا ہے کہ کیوں، ائمہ ثلاثہ تو کہتے ہیں کہ جو امام کا سترہ ہے وہی مقتدی کا ہے، جیسا کہ ترجمۃ الباب میں مذکور ہے، اور مالکیہ کے اس میں دو قول

لہ یہ واقعہ حضرت شیخؒ کے مطبوعہ ملفوظات میں بھی ص ۲۵ پر مذکور ہے

ہیں ایک مثل جہور کے اور دوسرا قول جو ان کے یہاں زیادہ مستند ہے یہ ہے کہ امام کا سترہ تو امام ہی کے لئے ہے اور قوم کا سترہ خود امام ہے۔

مسئلۃ الباب میں اختلاف علماء مع ثمرۃ اختلاف | ثمرۃ اختلاف سننے سے پہلے ایک بات سمجھئے وہ یہ کہ شروع حدیث سے میں یہ سمجھا ہوں کہ مرد و

منوع ہے جو براہ راست مصلیٰ اور اس کے سترہ کے درمیان ہو اور اگر مصلیٰ اور اس کے سترہ کے درمیان کوئی چیز حائل ہو تو پھر مصلیٰ کے سامنے سے گزرنا ممنوع نہیں ہے۔ لہذا امام کے آگے کو گزرنا تو بالاتفاق ممنوع ہوگا اس لئے کہ امام اور اس کے سترہ کے درمیان کوئی چیز حائل نہیں ہے، اور صف اول کے آگے کو گزرنا عند الجہور جائز ہوگا اس لئے کہ مصلیٰ اور سترہ کے درمیان یہاں پر امام حائل ہے، لیکن مالکیہ کے نزدیک جائز نہ ہوگا ان کے نزدیک مصلیٰ اور سترہ کے درمیان گزرنا لازم آئے گا کیوں کہ صف اول کا سترہ خود امام ہے یہ ثمرۃ اختلاف علامہ در دیر مالکی اور صاحب منہل نے بھی لکھا ہے۔

اور حافظ ابن حجر نے فتح الباری میں اور علامہ سندی نے حاشیۃ بخاری میں ثمرۃ اختلاف کے ذیل میں لکھا ہے کہ مرد و علی الامام جطر امام کے حق میں مضر ہے اسطر عند الجہور مقتدی کے حق میں بھی مضر ہوگا کیونکہ دونوں کا سترہ ایک ہے، لہذا یہ مرد و ہر دو کے حق میں مضر ہوگا بخلاف مالکیہ کے کہ ان کے نزدیک مرد و علی الامام صرف امام کے حق میں مضر ہوگا۔

تنبیہ: عینی شرح بخاری میں بیان تفریع میں قلب واقع ہو گیا، انہوں نے یہ لکھ دیا کہ مرد و علی الامام علی مسلک الجہور صرف امام کے حق میں مضر ہوگا اور مالکیہ کے نزدیک دونوں کے حق میں مضر ہوگا۔

قولہ، حبطنامع رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم من ثنیۃ اذا حن ثنیۃ اذا اخر
مدینہ اور مکہ کے درمیان ایک جگہ کا نام ہے بنیت مدینہ کے مکہ سے زائد قریب ہے، فصلى الى حَبْطَر، حَبْطَر کہتے ہیں کعبیت کے ارد گرد مختصر سی دیوار چاروں طرف اٹھا دیتے ہیں جس کو ڈول کہتے ہیں، مضمون حدیث یہ ہے کہ ہم حضور صلی اللہ علیہ وسلم کیساتھ ثنیۃ اذا اخر کے راستے سے گزرتے ہوئے جا رہے تھے کہ نماز کا وقت آ گیا تو حضور نے ایک کعبیت کی ڈول کے سامنے کھڑے ہو کر نماز پڑھائی یعنی اس ڈول کو سترہ بنایا آپ کے پیچھے ہم کھڑے ہو گئے تو ایک بکری کا بچہ آیا جو آپ کے سامنے سے گزرنا چاہتا تھا تو آپ صلی اللہ علیہ وسلم اس کو ہٹاتے رہے اور آگے بڑھتے رہے یہاں تک کہ آپ کا بطن اس ڈول سے مل گیا، غرضیکہ آپ نے اس

لے اس تفریع پر یہ ماننا پڑے گا کہ مرد و بین المصلیٰ و سترہ مطلقاً ممنوع ہے اگرچہ ان دونوں کے درمیان کوئی چیز حائل ہو، ۱۲ سنہ

بکری کو اپنے آگے سے گزرنے نہ دیا تو وہ آپ کے یا ڈول کے پیچھے سے گزری۔

مطابقاً الحدیث للترجمہ | اس حدیث سے معلوم ہوا کہ امام کا سترہ ہی قوم کا سترہ ہے قوم کو الگ سترہ کی حاجت نہیں، اس لئے کہ اس حدیث میں امام کے سترہ کا تو ذکر ہے اور قوم کے سترہ کا کوئی ذکر اور ثبوت نہیں ہے اور دوسری بات یہ بھی معلوم ہوئی کہ خود امام قوم کا سترہ نہیں جیسا کہ مالکیہ کہتے ہیں کیونکہ حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے اس بکری کو اپنے سامنے سے تو گزرنے نہیں دیا اور اس کی پرواہ نہ فرمائی کہ قوم کے سامنے سے گزر جائے، حالانکہ اگر خود امام قوم کا سترہ ہوتا تو پھر صف اول سے اس بکری کا گزرنا قوم کے لئے مضر ہوتا۔

بَابُ مَنْ قَالَ لِلْمَرْأَةِ لَا تَقْطَعِ الصَّلَاةَ

اس باب میں مصنف نے حضرت عائشہ کی وہ مشہور حدیث ذکر فرمائی ہے جو صحیحین میں بھی ہے، وہ فرماتی ہیں کہ میں حجرہ شریفہ میں آپ کے سامنے لیٹی رہتی تھی جبکہ آپ صلی اللہ علیہ وسلم رات میں تہجد کی نساز ادا فرماتے تھے اس سے معلوم ہوا کہ عورت کا مصلیٰ کے سامنے جب لیٹنا بھی قاطع صلوٰۃ نہیں حالانکہ اس میں فتنہ کا اندیشہ زائد ہے تو اس کا مرد و بطریق اولیٰ قاطع صلوٰۃ نہوگا، جو لوگ قطع کے قائل ہیں وہ اسکے مختلف جوابات دیتے ہیں، ایک یہ کہ واقعہ حایل لا عموم لہا کے قبیل سے ہے گویا حضور صلی اللہ علیہ وسلم کی خصوصیت ہے، یا یہ کہ قطع کی روایت مطلق ہے اور حضرت عائشہ کی یہ حدیث متعید ہے زوجہ کے ساتھ اور بعض نے اعتراض اور مرد کا فرق کیا ہے کہ سامنے ہونا قاطع نہیں مرد و قاطع ہے۔

قولہ، عن عائشۃ قالت بشما عدلتھونا بالعمار والکلب، جو لوگ مرد و مرأۃ کو قاطع صلوٰۃ مانتے ہیں حضرت عائشہ ان کا شکوہ کر رہی ہیں کہ تم لوگوں نے ہمیں یعنی عورتوں کو گدھوں کتوں کے برابر قرار دیدیا، قولہ، ورجلای بین یدی رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم، حضور حجرہ شریفہ میں رات میں جس وقت تہجد کی نماز پڑھتے تھے تو حضرت عائشہ فرماتی ہیں کہ اس وقت میرے پاؤں حضور صلی اللہ علیہ وسلم کے سامنے سجدہ کی جگہ ہوتے تھے، جب آپ سجدہ میں پہنچتے تھے تو میرے پاؤں کو دباتے پھر میں اپنے پاؤں سکڑ لیتی تھی، یہاں پر بظاہر بے ادبی کا شبہ ہوتا ہے، جواب یہ ہے کہ اول تو حجرہ شریفہ میں تنگی تھی، دوسرے یہ عائشہ آپ کی زوجہ محترمہ ہیں زوجین میں کمال الفت و محبت اور بے تکلفی ہونی ہی چاہئے یہ غلاف ادب نہیں، نیز اس زمانہ میں رات میں چراغ روشن نہیں ہوتے تھے،

حجرہ میں اندھیرا ہوتا تھا۔ چنانچہ بعض روایات میں خود حضرت عائشہ فرماتی ہیں، والبیوت یومئذ لیس فیہا مصابیح، لہذا بے ادبی کی ہیئت نہ ہوئی، قولہ، فقال تنحی، یہ واحد ٹونٹ حاضر امر کا صیغہ ہے یعنی ایک طرف کو ہو جاؤ، اور مطلب یہ ہے کہ ایک طرف کو ہو کر وتر کی نماز پڑھ لو جیسا کہ بعض دوسری روایات میں ہے کہ آپ صلی اللہ علیہ وسلم تہجد کی نماز سے سلام پھیرنے کے بعد جب وتر کا ارادہ فرماتے تو ان کو بھی بیدار فرماتے تاکہ وہ بھی وتر پڑھ لیں۔ پہلی روایت میں جو غزرجل کا ذکر ہے وہ تو نماز کی حالت میں تھا اور یہ نماز سے فراغ کے بعد کا درنہ نماز میں کلام کہاں جائز ہے۔

بَابُ مَنْ قَالَ لِحَمَارٍ لَا يَقْطَعُ الصَّلَاةَ

قولہ، یصلی بالناس بسنخ، بخاری کی روایت میں بھی اسی طرح ہے، اور مسلم کی ایک روایت میں بسنی کے بجائے بعرقہ ہے، امام نوویؒ کی رائے تعدد واقعہ کی ہے، اور حافظ کہتے ہیں کہ مخرج حدیث کے اتحاد کیساتھ تعدد خلاف اصل ہے بلکہ یہ کہا جائے کہ دوسری روایت شاذ ہے،

بخاری کی ایک روایت میں یہاں پر ایک زیادتی ہے، الی غیر جدار، یعنی آپؐ منی میں نماز پڑھا رہے تھے بغیر کسی دیوار اور سترہ کے، اس جملہ کا امام بیہقیؒ نے یہی مطلب لیا ہے، چنانچہ

شرح حدیث میں امام بخاری اور بیہقیؒ کی رائے کا اختلاف

انہوں نے اس پر ترجمہ قائم کیا ہے "باب الصلوۃ الی غیر سترۃ"، اور امام بخاریؒ کا ترجمہ اس کے خلاف ہے "باب سترۃ الامام سترۃ لمن خلفہ"، لہذا اس ترجمہ کے پیش نظر حدیث کا مطلب یہ ہو گا کہ جدار کے علاوہ کسی اور چیز کو سترہ بنا کر اس کی طرف نماز پڑھ رہے تھے۔

قولہ، فمررت بین یدی بعض الصف، اس سے دو باتیں معلوم ہوئیں اول یہ کہ مقتدی کے سامنے سے گزرنے میں کوئی مضائقہ نہیں، امام اور اس کے سترہ کے درمیان میں کو گزرنا مضر ہے،

دوسرے یہ کہ مرد حمار قاطع صلوۃ نہیں، قولہ، قال مالک وانا اری ذلک واسعا اذا قامت الصلوۃ اس جملہ کی جو شرح بذل میں لکھی ہے یعنی مرد حمار کا قاطع صلوۃ نہ ہونا اس میں تسامح ہے، اس مطلب میں

اذا قامت الصلوۃ بظاہر بے جوڑ ہے اور صحیح مطلب اس کا یہ ہے کہ نماز شروع ہونے کے بعد صف میں شامل ہونے کے لئے صفوف کے پیچھے کو اگر کوئی راستہ نہ ہو تو صف کے آگے سے گزر سکتے ہیں، اس

مطلب کی تعیین خود مؤطا مالک سے ہوتی ہے، ابن رسلان اور صاحب منہل نے بھی یہی مطلب لکھا ہے

باب من قال الكلب لا يقطع الصلوة

شروع میں مصنف نے ایک حدیث ذکر کی تھی جس میں تین چیزوں کا قاطع صلوة ہونا مذکور تھا، امرأة، حمار، کلب، مصنف نے ان تینوں پر الگ الگ باب باندھ کر ان کا قاطع ہونا ثابت کر دیا۔

باب من قال لا يقطع الصلوة شيء

اخیر میں اس سلسلہ کا یہ ایک ایسا باب لائے جو سب قسموں کو عام اور جامع ہے
 قوله، مترشاب من قولین بین یدی ابی سعید الخدریؓ، یہ وہی حدیث ہے جس کا کچھ حصہ پہلے
 باب مایؤمر المصلیٰ ان مدراء کے ذیل میں گذر چکا، مصنف نے اس کا کچھ حصہ وہاں ذکر کر دیا اور کچھ یہاں،
 پوری روایت بخاری ص ۱۹۷ اور مسلم ص ۱۹۷ میں موجود ہے

قال ابو داود واذا تنازع الغبران عن النبی صلی اللہ علیہ وسلم نظر الی ما عمل بہ اصحابہ
 مصنف یہ ایک اصولی بات بیان فرما رہے ہیں کہ جس مسئلہ میں احادیث مرفوعہ متعارض ہوں تو وہاں آثار صحابہ
 اور ان کے طرز عمل کو دیکھنا چاہئے، حضرت بذل میں تحریر فرماتے ہیں کہ عمل صحابہ میں نظر کرنے سے معلوم ہوتا
 ہے کہ بعض وہ صحابہ جو قطع صلوة کے راوی ہیں جیسے ابن عباسؓ، ابن عمرؓ، عائشہؓ یہ حضرات خود ان اشیاء کے
 دروسے قطع صلوة کے قائل نہیں، چنانچہ بیہقی اور طحاوی کی ایک روایت میں ہے ابن عباسؓ سے مسئلہ پوچھا
 گیا کہ کیا امرأة و حمار و کلب قاطع صلوة ہیں تو انہوں نے جواب دیا، الیہ یصعد الکلم الطیب والعل الصالح
 برفعه، یعنی نماز ایک عمل صالح ہے جس کو فرشتے آسمان پر فوراً اٹھا کر لیجاتے ہیں بھلا یہ اشیاء کہیں نماز کے
 رفع سے مانع ہو سکتی ہیں، اسی طرح حضرت ابن عمرؓ سے بھی عدم قطع صلوة کا فتویٰ منقول ہے، ایسے ہی حضرت
 عائشہؓ سے عورت کے غیر قاطع ہونے کی روایت موجود ہے، آگے حضرت تحریر فرماتے ہیں کہ اس کے علاوہ اور
 جن بہت سے صحابہ سے قطع صلوة کی روایات مروی ہیں اس سے یہ لازم نہیں آتا کہ ان کا مذہب

لہ بعینہ اس طرح کی عبارت مصنف اس کتاب میں ایک دو جگہ اور لائے ہیں مثلاً کتاب الحج میں صید محرم کی روایات مختلف کے
 ذیل میں، باب لحم الصيد للمحرم میں فرماتے ہیں، قال ابو داود اذا تنازع الغبران عن النبی صلی اللہ علیہ وسلم بما افذ بہ اصحابہ، ۱۲

قطع صلوة ہی ہو بلکہ قطع صلوة سے مراد ان کے نزدیک قطع خشوع ہو جیسا کہ جمہور علماء فرماتے ہیں، واللہ تعالیٰ اعلم بالصواب، یہاں تک پہنچکر بذل الجہود کی جلد اول پوری ہو گئی۔

باب تفریع استفتاح الصلوة

مصنف کی ایک عادت | میں پہلے بھی بیان کر چکا ہوں کہ مصنف تفریع کا لفظ بکثرت استعمال فرماتے ہیں، ہر مصنف کی ایک خاص ادار اور طرز تعبیر ہوتا ہے۔

بسط تحریر میں مضامین مرتب ہوتے ہیں اسی طرح ہر مصنف کے ذہن میں ابواب اور مضامین کی ایک خاص ترتیب پہلے سے ہوتی ہے جس کے مطابق وہ تصنیف لکھتا ہے تو تفریع کا مطلب یہ ہوا کہ مصنف کی ذہنی ترتیب کے اعتبار سے (بلکہ خارجی بھی) آئیو الے ابواب گزشتہ ابواب پر متفرع ہو رہے ہیں۔ اور یہ کہ تفریع مانو ذہن سے فرغ سے جسکی جمع فروغ آتی ہے فروغ کہتے ہیں مسائل جزئیہ کو، کہا جاتا ہے فرغت من هذا الاصل مسائل ای استخراج تو مطلب یہ ہوا افتتاح صلوة سے لیکر افتتاح صلوة تک کے مسائل کا استخراج یعنی احادیث نبویہ سے، اسی کی تفصیل نہیں بلکہ مصنف کا مقصد تمام ہی ابواب اور کتب استخراج فروغ و مسائل ہے۔

استفادہ صلوة یعنی نماز کو شروع کرنا، یہاں سے نماز کی داخلی چیزوں کا بیان شروع ہو رہا ہے اور اب تک نماز سے متعلق ان احکام کا بیان تھا جو خارجی ہیں۔

اب یہاں سے مصنف نماز کا مکمل طریقہ از استفادہ اتہار تکبیر تحریر سے لیکر سلام تک آئیو الے ابواب میں بیان کرنا چاہ رہے ہیں، نماز کی اس مکمل کیفیت کے بیان کو فقہاء کرام بگو کہ کثر محمد شین مصنفین بھی باب صفة الصلوة سے تعبیر کیا کرتے ہیں۔

باب رفع الیدین

اد پر والاعنوان یعنی تفریع استفتاح الصلوة، یہ عنوان کلی کے درجہ میں ہے، اور یہ باب اور آئندہ آئیو الے ابواب اس کلی کی جزئیات ہیں خوب سمجھ لیجئے۔

ترجمہ الباب کی غرض | جانتا چاہئے کہ ترجمہ الباب میں رفع الیدین مطلقاً ذکر فرمایا ہے یہ نہیں ظاہر فرمایا کہ نسا رفع یدین، ترتیب کا تقاضا تو یہ ہے کہ مقصود بالبیان صرف رفع یدین عند التحریم ہو کیونکہ رفع یدین سے فارغ ہو کر مصنف نے آگے دعاء استفتاح کا باب قائم کیا ہے، مگر چونکہ اس باب کی احادیث میں رفع عند الركوع وغیرہ بھی مذکور تھا، اسلئے مصنف نے جملہ مواضع رفع یدین کو ایک ساتھ ہی بیان کر دیا ہے، اسی لئے دعاء استفتاح کے باب سے پہلے عدم رفع

عند الركوع کا باب قائم کیا ہے، اس سے معلوم ہوا کہ مصنف کی مراد یہاں پر رفع سے رفع عند التحريم والركوع وغیرہ سبھی ہے

رفع یدین سے متعلق مباحث خمسہ | اب آپ رفع یدین سے متعلق احکام و مسائل سنئے جو پانچ ہیں،
۱۔ مواضع الرفع، نماز میں رفع یدین کتنی جگہ ہے، کیفیت الرفع
یسی رفع یدین کا طریقہ یہ وقت الرفع، رفع یدین تحریمہ سے پہلے ہونا چاہئے یا اس کے ساتھ، منتهی الرفع
تاکہ کہاں تک اٹھائے جائیں، حکم الرفع، رفع یدین کی حکم و مصالح،

البحث الاول: نماز میں رفع یدین کہاں کہاں ہوتا ہے، المواضع الاول عند التحريم اس کی سنیت کے
جمہور علماء قائل ہیں شرح منہب میں اس کے استحباب پر امت کا اجماع نقل کیا ہے لیکن ابن حزم کے نزدیک
یہ رفع فرض ہے بغیر اس کے نماز ہی صحیح نہوگی و ہورواۃ عن الاوزاعی، لیکن امام مالک سے ایک روایت اس
کے عدم استحباب کی ہے اور علامہ باجی نے بہت سے مالکیہ بھی عدم استحباب نقل کیا ہے لیکن کتب مالکیہ میں استحباب
کی تصریح ہے لہذا صحیح یہی ہے، اور بعض علماء نے فرقہ زیدیہ سے اس رفع کا عدم جواز نقل کیا ہے کہا گیا
ہے کہ یہ نقل صحیح نہیں ہے، الحاصل ائمہ ثلاثہ کے نزدیک یہ رفع سنت ہے اور یہی قول اصح امام مالک کا بھی
ہے اور ابن حزم و اوزاعی کے نزدیک فرض ہے، المواضع الثانی، رفع یدین عند الركوع یعنی رکوع میں جاتے
وقت اور اس سے اٹھتے وقت، اسکی سنیت کی صحابہ کرام کی ایک جماعت قائل ہے، جیسے ابن عمر، جابر بن
عبد اللہ، ابو ہریرہ، انس، ابن عباس، عبد اللہ ابن الزبیر وغیرہم قالہ الترمذی فی جامعہ، تیرہ فرماتے ہیں
ومن التابعین الحسن البصری و عطاء و طاؤس و مجاهد و نافع و سالم و سعید بن جبیر وغیرہم، اور ائمہ میں سے امام
شافعی و احمد و احنی بن راہویہ قائل ہیں۔

اسکے بالمقابل امام اعظم ابو حنیفہ سفیان ثوری ابراہیم نخعی، ابن ابی لیلیٰ اور صحابہ کرام و تابعین کی
ایک جماعت اس رفع کے عدم استحباب کی قائل ہے، جیسے عبد اللہ بن مسعود، جابر بن سمرة، برادر بن عازب
عبد اللہ بن عمر (بذل عن العینی)، اسی طرح امام طحاوی نے حضرت عمر کا عمل بھی ترک رفع ثابت کیا ہے ابن بطال
مالکی نے بھی حضرت عمر کا عمل ترک رفع ثابت کیا ہے (حاشیہ فیض الباری ص ۴۴۴) ایسے ہی امام طحاوی نے
حضرت علی کا عمل بھی عدم رفع ثابت کیا ہے، مولانا بدر عالم صاحب اس پر بحث کرتے ہوئے فرماتے ہیں
کہ اگر ان دونوں (عمر و علی) سے رفع ثابت ہوتا تو امام ترمذی ان کا نام قائلین رفع میں ضرور ذکر کرتے۔
قائلین عدم رفع کے ذیل میں امام ترمذی فرماتے ہیں و بہ یعول غیر واحد من اہل العلم من اصحاب النبی صلی اللہ
علیہ وسلم و التابعین و ہو قول سفیان و اہل الکوفۃ، اور صاحب بدائع نے ابن عباس سے

عشرہ بشرہ کا عمل بھی یہی نقل کیا ہے لیکن انہوں نے اس کی سند نہیں بیان کی

رفع یدین میں امام مالک کے مذہب کی تحقیق | اور امام مالک سے اس میں دو روایتیں ہیں، ابن القاسم کی روایت ان سے عدم رفع ہے اور ابن وہب و اشہب

وغیرہ کی روایت استحباب رفع کی ہے لیکن الشرح الکبیر میں علامہ درودیر نے صرف رفع عند التیمم کا استحباب ذکر کیا ہے اور رفع عند الکرکوع کا عدم استحباب، یہ الشرح الکبیر مختصر خلیل کی شرح ہے اور مختصر خلیل فقہ مالکیہ کا ایک مشہور و معتبر متن ہے، اسی طرح امام نووی نے شرح مسلم میں حنفیہ کا مذہب ذکر کرنے کے بعد لکھا ہے و هو اشہر الروایات عن مالک، ایسے ہی علامہ ابن رشد مالکی نے ہدایہ المجتہد میں لکھا ہے کہ امام مالک نے عمل اہل مدینہ کی بنا پر عدم رفع کو ترجیح دی ہے، اور مدونہ میں خود امام مالک سے منقول ہے (کافی الفیض السانی ص ۲۸۳) رفع یدین ضعیف الاثر الافتتاح، لیکن شروع حدیث کے دیکھنے سے معلوم ہوتا ہے کہ فریق مقابل کی سعی یہ ہے کہ ثابت کرے کہ امام مالک کے نزدیک رفع یدین عند الکرکوع میں قول راجح استحباب ہی ہے، چنانچہ علامہ زرقانی فرماتے ہیں ابن عبدالحکم کہتے ہیں کہ امام مالک سے عدم رفع کسی نے نقل نہیں کیا سوائے ابن القاسم کے، علامہ انور شاہ کشمیری نیل الفرقان میں فرماتے ہیں کہ علامہ عینی مبنی الاخبار میں لکھتے ہیں کہ، وروی الشافعی عن مالک انه كان لا يرفع يديه، لہذا ابن القاسم اپنی روایت میں مستفرد نہیں بلکہ امام شافعی بھی اس کے راوی ہیں۔

رفع یدین عند الخفیۃ خلاف اولیٰ ہے یا مکروہ؟ | اسکے بعد جانتا چاہئے کہ اس میں اختلاف ہو رہا ہے کہ یہ رفع یدین عند الکرکوع عند الخفیۃ خلاف اولیٰ ہے یا مکروہ ہے، مطہاوی

علی المراتی میں اس کو مکروہ لکھا ہے اور ایک دوسری جگہ مرقا الفلاح میں بھی، اور فیض الباری میں شاہ صاحب نے کبیری شرح منیہ اور صاحب بدائع سے بھی کراہت نقل کی ہے، اور دوسرا قول حنفیہ کا اس میں یہ ہے کہ یہ صرف خلاف اولیٰ ہے

۱۔ اسکے برخلاف امام بیہقی نے حاکم سے نقل کیا ہے کہ اس سنت معنی رفع یدین کی روایت پر عشرہ بشرہ متفق ہیں اس پر بیہقی فرماتے ہیں وہو کا قال، یعنی حاکم جو کہہ رہے ہیں ایسا ہی ہے، علامہ زبلی نضب الراہ میں ابن دقین العید سے نقل کرتے ہیں کہ حاکم کا عشرہ بشرہ کی روایت پر جزم کرنا کچھ عمدہ بات نہیں ہے اور وہ فرماتے ہیں ولعله لا یصح عن جملة العشرة، یعنی تمام عشرہ بشرہ سے اس کا ثبوت مشکل ہے اور علامہ فردز آبادی نے تو حد ہی کر دی وہ سفر السعاده میں رفع یدین فی الموانع الثلاثة سے متعلق فرماتے ہیں کہ عشرہ بشرہ سے مروی ہے کہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم اسی کیفیت پر آخر عمر شریف تک نماز ادا فرماتے رہے، ہمارے علماء یہ فرماتے ہیں کہ اس قسم کی ایک حدیث بھی ثابت نہیں چہ جائیکہ عشرہ بشرہ کی روایت ہو (امانی الاخبار منیہ و فیض الباری

امام ابو بکر جصاص رازی نے اسی کو اختیار کیا ہے جیسا کہ فیض الباری میں ہے۔ اور اسی کو شاہ صاحب اور حضرت اقدس گنگوہیؒ نے اختیار کیا ہے۔ کما فی الکوکب الدری، الموضع الثالث۔ رفع یدین عند السجود، انہما بعد میں سے کوئی بھی اسکے استحباب کا قائل نہیں، البتہ امام احمدؒ کی ایک روایت جس کو ان سے سیونی نے نقل کیا ہے استحباب کی ہے، اسی طرح شافعیہ میں سے ابن المنذر اور ابو علی طبری اور بعض اہل حدیث بھی استحباب کے قائل ہیں اسی طرح ابن حزم بھی اسکے قائل ہیں بلکہ فی کل رفع وخفض، الموضع الرابع، رفع عند القيام من الركعتین، یعنی تشہد اول سے اٹھتے وقت، امام مالک اور شافعی کے ایک قول میں یہ رفع مستحب ہے، امام نوویؒ فرماتے ہیں اور یہی قول صواب ہے، لیکن حضرت شیخ فرماتے ہیں کہ اکثر متون شافعیہ اس کے ذکر سے خالی ہیں اسی طرح متون مالکیہ و حنابلہ میں بھی اس کا ذکر نہیں، لہذا امام نووی کا یہ فرمانا کہ یہاں پر رفع یدین والا قول ہی صحیح ہے محل نظر ہے، حضرت شیخ ابو جز المسالک میں فرماتے ہیں کہ بظاہر امام نووی نے ایسا مجبوراً کیا اشکال سے بچنے کے لئے اسی طرح ابن دقیق العید فرماتے ہیں کہ امام شافعی کی نظر کا تقاضا یہ ہے کہ یہاں بھی رفع یدین مستحب ہونا چاہئے جس طرح وہ رفع عند الركوع و بعد الركوع کے قائل ہیں اس لئے کہ دلیل سب کی ایک ہی ہے یعنی حدیث ابن عمرؓ کہ اسکے بعض طرق میں صحیح بخاری وغیرہ میں یہ رفع مذکور ہے، نیز وہ فرماتے ہیں اور اسکو امام شافعی کا مذہب اس لئے قرار دینا کہ ان سے منقول ہے اذ اصح الحديث فهو مذہبی، اس میں نظر ہے، حافظ فرماتے ہیں بظاہر نظر کی وجہ یہ ہے کہ امام شافعی کی اس وصیت کا محل عمل وہ صورت ہے جب یہ معلوم ہو کہ امام شافعی کو وہ حدیث نہیں پہنچی تھی اور جب یہ معلوم ہو کہ ان تک وہ حدیث پہنچ چکی تھی لیکن کسی وجہ سے انہوں نے اس کو قبول نہیں کیا تو پھر یہ صورت اس وصیت کا محل نہیں ہے اور یہاں پر معاملہ محتمل ہے رہم نہیں کہہ سکتے کہ امام شافعی اس زیادتی پر مطلع ہوئے یا نہیں) نیز اختیار کیا ہے اس رفع کو امام بیہقی ابن خزیمہ اور امام بخاری وغیرہ نے، چنانچہ امام بخاری نے اس پر صحیح بخاری میں مستقل باب باندھا ہے، باب رفع یدین اذا قام من الركعتین۔

البحث الثانی، رفع یدین کی کیفیت میں چند قول ہیں پہل میں چار صورتیں لکھی ہیں مابین رفع یدینا و اصابا، مستقبل باطن کفہ القبلة، یعنی ہاتھوں کو اٹھائے اوپر کی جانب اس حالت میں کہ باطن کفین قبلہ کی طرف ہوں اور رؤس اصابع الی السمار، دوسرا طریقہ بھی یہی ہے بس اتنا فرق ہے کہ اطراف اصابع مائل الی القبلة ہوں، اور تیسرا طریقہ یہ ہے کہ ہاتھ ایسے اٹھائے کہ بطون کفین الی السمار اور ظہور کفین الی الارض، اور چوتھا طریقہ تیسرے کے برعکس ہو یعنی بطون کفین الی الارض اور ظہور کفین الی السمار، اور ان کیفیات کو علامہ عینیؒ نے بھی شرح بخاری میں ذکر کیا ہے کیفیت اولیٰ کو انہوں نے امام طحاوی کی طرف منسوب کیا ہے، (الفیض السانی ۲۸۵)

لے کہ جب صحیح بخاری میں ابن عمرؓ کی ایک روایت میں یہ رفع مذکور ہے تو پھر آپ اسکے قائل کیوں نہیں؟ ۱۲

رفع یدین کے وقت تفریق اصابع اولیٰ ہے یا ضم | اب یہ کہ رفع یدین کے وقت تفریق اصابع مستحب ہے یا ضم

الستہ التفریق، اور حنفیہ کے نزدیک الادلی ترکھا علی حالہا نہ بالقصد ضم کرے نہ تفریق، البتہ رکوع میں تفریق ادلی ہے اور سجود میں ضم، اما ترمذی نے اس مسئلہ پر مستقل باب باندھا ہے، باب فی نشر الاصابع عند التکبیر،

البحث الثالث۔ رفع یدین کب ہونا چاہئے تکبیر سے قبل یا اس کے ساتھ ساتھ، شافعیہ و مالکیہ کے یہاں قول راجح مختار ہے کہ قال الزرقانی اور حنابلہ کے یہاں بھی یہی ہے روایت واحدہ، اور فقہار احناف کا اس میں اختلاف ہے صاحب بدائع و صاحب محیط نے مقارنت کو اختیار کیا ہے کہ تکبیر کے ساتھ ساتھ رفع یدین کرے، اور ہدایہ میں تقدیم رفع مذکور ہے، اول رفع یدین کرے پھر تکبیر، صاحب بحر اور در مختار نے بھی اسی کو اختیار کیا ہے۔

البحث الرابع۔ رفع یدین کہاں تک ہونا چاہئے، مشہور یہ ہے کہ ائمہ ثلاثہ کے نزدیک حذام المنکبین اور حنفیہ کے یہاں، عند الازنین، لیکن کتب مالکیہ سے معلوم ہوتا ہے کہ ان کے یہاں بھی حذام الازنین ہی ادلی ہے، اور حنابلہ کا مذہب منہی میں تخیر الی المنکبین اور الازنین لکھا ہے شیخ ابن الہمام فرماتے ہیں کہ یہ اختلاف صرف لفظی ہے اسلئے کہ حذام المنکبین کا مطلب یہ ہے کہ کفین منکبین کے مقابل ہوں اور اطراف اصابع اذنین کے مقابل، اسی طرح ملا علی قاریؒ نے امام شافعیؒ سے نقل کیا ہے کہ جب وہ مصر میں داخل ہوئے تو ان سے اسکے بارے میں سوال کیا گیا تو انہوں نے یہی مذکورہ بالا تفصیل بیان فرمائی کہ کفین حذام المنکبین اور ابہامین الی شحمة الازنین اور اطراف اصابع الی فروع الازنین اسلئے کہ ایک حدیث میں الی المنکبین آیا ہے اور ایک میں الی الازنین اور بعض میں الی فروع الازنین، یعنی کانوں کا بالائی حصہ، لہذا تینوں روایات میں تطبیق ہو گئی، اور عورت کے بارے میں مشہور یہ ہے کہ اس مسئلہ میں فرق بین الرجل والمرأة کے قائل صرف حنفیہ ہیں، انہما ترفع الی الشدیین، لیکن حنفیہ اسیں متفرق نہیں، اور جزیں لکھا ہے کہ امام احمدؒ سے اسیں دو روایتیں ہیں، ترفع قلبیہ، اور دوسری روایت یہ ہے کہ عورت کے حق میں رفع یدین مشروع ہی نہیں۔

البحث الخامس۔ رفع یدین میں حکمت کیا ہے حضرت شیخؒ نے اور جزیں دس حکمتیں ذکر کی ہیں علی نفی الکبر و بقاء عن غیر اللہ تعالیٰ، یعنی اللہ اکبر کے ذریعہ اللہ تعالیٰ کے لئے قولاً بڑائی ثابت کی جاتی ہے اور فعلاً یعنی ہاتھ کے اشارہ سے غیر اللہ سے بڑائی کی نفی کی جاتی ہے، وقیل اعلام الاصل، بہر آدمی امام کی تکبیر تو سن نہیں سکے گا ہاں رفع یدین کو دیکھ کر سمجھ جائے گا کہ نماز شروع ہو رہی ہے یہ دو صاحب ہدایہ نے بیان کی ہیں، قیل اشارۃ الی طرح الدنیا الی الموراء والاقبانی بکلیتہ الی اللہ تعالیٰ، یعنی اس سے دنیا کو پس پشت ڈالنے کی طرف اشارہ ہے اور یہ کہ میں پوری طور پر اللہ کی طرف متوجہ ہوتا ہوں، الاستسلام، یعنی انقیاد و تسلیم کی طرف اشارہ ہے کہ

ہم تیری بات کو مانتے ہیں، استعظامِ مداخلِ فیہ، یعنی رُفیعِ یدینِ فعلِ تعظیمی ہے اور اس سے مقصود عظمتِ منہ ازکا اظہار ہے، استعظاظاً بآلہ، تعالیٰ، اللہ تعالیٰ کی عظمت کا اظہار دفعِ العجاب میں العبد واللعبد والساجد والمسجود، یعنی رُفیعِ حجاب کی طرف اشارہ ہے کہ اللہ تعالیٰ حجابات کو ہٹا کر اپنی بارگاہ میں قرب اور حضور نصیب فرمائے الاستقبال بجمع البدن، ارسالِ یدین کی صورت میں ہاتھوں کا استقبال قبلہ نہیں ہوتا تو رُفیعِ یدین اسلئے کرتے ہیں تاکہ باقی بدن کے ساتھ ہاتھوں سے بھی استقبال ہو جائے، اشارة الی تمام القیام، یعنی اللہ تعالیٰ کے سامنے پورے بدن سے قیام کرنا، اور ایک حکمت یہ بیان کیجاتی ہے کہ مکہ میں بعض کفار قریش بھی بغل میں بت دبا کر مسلمانوں کے ساتھ نماز میں کھڑے ہو جاتے تھے، دامنہم تحت آباطہم، تو رُفیعِ یدین کا حکم دیا گیا اسقاطِ اصنام کے لئے۔

اب رہ گیا مسئلہ دلائل کا اس معرکہ الاراء مسئلہ میں، دلائل برد و فراق کے پاس موجود ہیں اور ہر ایک کے مستدلات پر فرداً فرداً بحث اور کلام بھی ہے، صحاح ستہ میں مجموعی حیثیت سے دونوں طرح کی روایات ہیں، چنانچہ سنن اربعہ میں دونوں قسم کی اور صحیحین میں صرف عدمِ رفع کی موجود ہیں، آخری عمل حضور صلی اللہ علیہ وسلم کا اس میں کیا ہو رفع یا عدمِ رفع مرہن تھا اس کا ثبوت مشکل ہے، البتہ سنن بیہقی میں ابن عمر کی حدیث کے بعض طرق میں یہ زیادتی ہے نمازالت تلافی صلوۃ حتی یقی اللہ، جس سے معلوم ہوتا ہے کہ آخری فعل آپ کا رفعِ یدین ہے لیکن بعض محققین نے اس زیادتی کو غیر ثابت قرار دیا ہے کہ یہ ضعیف بلکہ موضوع ہے۔

حنفیہ کے نزدیک رفعِ یدین کا نسخ
اور اس میں مولانا انور شاہ کی رائے

لیکن رفعِ یدین کے غرض ثبوت میں کسی حنفی عالم کو تردد نہیں بلکہ یہ حضرات بقارِ رفع اور اس کے دوام کا انکار کرتے ہیں یعنی اسکو منسوخ مانتے ہیں یہی رائے امام طحاوی شیخ ابن الہمام، اور ہمارے مشائخ میں سے حضرت گنگوہی حضرت شیخ الہند حضرت سہارنپوری صاحب بذل الجہود وغیرہم کی ہے۔

البتہ حضرت مولانا انور شاہ کشمیری نسخ کے قائل نہیں وہ فرماتے ہیں کہ رفع اور ترک رفع دونوں حضور صلی اللہ علیہ وسلم اور صحابہ کرام سے بالتواتر ثابت ہیں، رفعِ یدین کا تواتر عملاً و اسناداً دونوں طرح ہے اور عدمِ رفع کا تواتر عملاً و طبقہ ہجرت

لہ اس حدیث کی سند میں عصمت بن محمد الانصاری ہیں، قال ابو حاتم لیس بالقوی، وقال یحییٰ کذاب یضع الحدیث، وقال العقیلی یحدث بالبواطل عن الثقات وقال الدارقطنی متروک، اور اس حدیث کے دوسرے طریق میں عبد الرحمن بن قریش اہرودی ہیں، حافظ ذہبی نے میزان الاعتدال میں انکو ہتم موضع الحدیث قرار دیا ہے، (بذل الجہود) ۱۲۔ کہ تواتر طبقہ کا مطلب یہ ہے کہ ہر زمانہ میں انہو اے لوگ اپنے زمانہ کے حضرات کے عمل کو دیکھ کر اس کو اختیار کرتے رہے، اسی کو تواتر سے بھی تعبیر کرتے ہیں، اس کا مدار مشاہدہ اور تعامل پر ہوتا ہے سند اور روایت پر نہیں، ۱۲۰۔

لہذا ان میں سے کسی ایک کو منسوخ نہیں کہہ سکتے۔ نیز وہ فرماتے ہیں یہ اختلاف صرف افضلیت و ادولیت کا ہے، حنفیہ کے یہاں عدم رفع ادلی ہے اور شافعیہ کے یہاں رفع جواز و عدم جواز یا کراہہ و عدم کراہہ کا اختلاف نہیں دفناتے ہیں یہ بات مجھے امام ابو جبر جصاص کے کلام میں ملی ہے۔ امام کو حنفی جیسے ائمان کے تلامذہ میں سے ہیں لہذا ان کا مرتبہ شارح منیہ اور صاحب بدائع سے بھی اونچا ہے جنہوں نے رفع یدین کو عند الاحتمال مکروہ لکھا ہے، شاہ صاحب نے یہ بھی لکھا ہے کہ اس کے بعد میری طبیعت پر سے احادیث ثابۃ فی الرفع کا بوجہ اتر گیا۔ فاسترحت حیث تخلصت رقتی من الاحادیث الثابۃ فی الرفع۔

رفع یدین کے سلسلہ میں حضرت سہارنپوری کی رائے | حضرت سہارنپوری بادل الجہود میں فریقین کے دلائل پر بحث و تحقیق کے بعد فرماتے ہیں، ان سب تفصیلات سے

معلوم ہوتا ہے کہ حضور صلی اللہ علیہ وسلم سے رفع یدین ثابت ہے لیکن کسی حدیث سے اس کا دوام ادوریہ کہ حضور نے آخر عمر شریف میں بھی رفع یدین کیا ہے ثابت نہیں ہوتا، اسی طرح آپ سے ترک رفع بھی ثابت ہے، اب قائلین رفع تو یہ کہتے ہیں کہ چونکہ رفع یدین سنت مؤکدہ نہیں تھا، اسلئے آپ صلی اللہ علیہ وسلم بھی کرتے تھے اور کبھی نہیں کرتے تھے، خوف وجوب سے، لہذا یہ رفع سنت غیر مؤکدہ ہے۔

اور مانعین رفع یہ کہتے ہیں کہ حضور سے رفع اور ترک رفع دونوں ثابت ہیں اسی طرح صحابہ کرام سے بھی دونوں ثابت ہیں، اب دیکھنا یہ ہے کہ جن صحابہ سے ترک رفع ثابت ہے اس کی وجہ کیا ہے؟ یہ تو ہو نہیں سکتی کہ رفع یدین ان حضرات کے علم ہی میں نہیں آیا کیونکہ رفع یدین بہت کھلی ہوئی چیز ہے امر مشاہدہ ہے اس کے مخفی رہ جانیکا سوال ہی پیدا نہیں ہوتا ادوریہ بھی نہیں کہہ سکتے کہ سہو اولیٰ یا نا انہوں نے اس کو ترک کیا ہو کیونکہ بعض صحابہ خصوصاً ابن عمرؓ تو اتباع رسول کے معاملہ میں اتنے حرمیں اور کوشاں تھے کہ وہ حضور صلی اللہ علیہ وسلم کا اتباع نہ صرف عبادات بلکہ عادات میں بھی اہتمام سے کرتے تھے، پھر آخر ابن عمر کیوں اس کو ترک کرتے تھے اور حضرت عبداللہ بن مسعودؓ کے بارے میں تو یہ بھی مانتے ہیں کہ رفع نہیں کرتے تھے سوائے اس کی وجہ سوائے اس کے کیا ہو سکتی ہے کہ یہ حضرات اس کو منسوخ سمجھتے تھے۔

حضرت گنگوہی کی رائے | اور الکوکب الدہدی میں حضرت گنگوہی ارشاد فرماتے ہیں جو حضرات صحابہ کرام حضور

ترک رفع کرتے تھے ان کے عمل کی بنیاد استصحاب حال تو نہیں ہو سکتی کیونکہ آپ صلی اللہ علیہ وسلم سے رفع یدین کا ثبوت بہت مشہور و معروف تھا بلکہ ان کے علم کی بنا زیادتی علم ہے کہ ان کو ایک اور مزید بات کا علم تھا یعنی یہ کہ حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے رفع یدین کرنے کے بعد آخر میں اس کو ترک کر دیا تھا، لہذا مانعین رفع مثبت ہوئے وہ ایک امر ناؤ کو ثابت

بعد ہسوفی الاحکام غرضیکہ محمد بن نصر کی شہادت ہے کہ تمام اہل کوفہ عدم رفع پر متفق تھے اور دوسرے شہروں میں رفع اور ترک رفع دونوں پایا جاتا رہا۔

فائدہ ۱۰۔ مولانا بدر عالم مسیر طحی حاشیہ فیض الباری میں رقمطراز ہیں، امام ترمذیؒ نے قائلین رفع میں جن صحابہ کے اسرار ذکر کئے ہیں ان میں ابن عمرؓ کو ذکر فرمایا لیکن ان کے والد عمر بن الخطابؓ کو ذکر نہیں کیا، ایسے ہی علیؓ کو بھی نہیں کیا، امام ترمذیؒ کے نزدیک اگر ان دونوں سے رفع یدین ثابت ہوتا تو پھر یہ دونوں زیادہ مستحق تھے اسکے کہ ان کا نام ذکر کیا جاتا، امام طحاویؒ کی تحقیق یہ ہے کہ یہ دونوں حضرات رفع یدین نہیں کرتے تھے جبکہ بیہقی وغیرہ اس پر مصر ہیں کہ رفع کرتے تھے، البتہ ابو بکر صدیقؓ کے بارے میں اچھی طرح تحقیق نہ ہو سکا کہ وہ رفع کرتے تھے یا ترک رفع، ان سے دونوں طرح منقول ہے

اکے ساتھ ساتھ آپ کوفہ کا علمی مرتبہ ومنزلت بھی ذہن میں رکھئے جو کہ حضرت علیؓ کا دار الخلافۃ تھا، اور امام نوویؒ نے اس کو دار الفضل والفضل سے موصوت کیا ہے، اور صاحب قاموس اس کو قبة الاسلام ودار

کوفہ کا علمی مقام اور اہل کوفہ کا عدم رفع یدین پر اتفاق

ہجرت المسلمین لکھتے ہیں، حضرت علیؓ کے اکثر فیصلے بھی کوفہ ہی میں صادر ہوئے ہیں، حضرت شاہ ولی اللہ صاحب حجۃ اللہ البالغین میں تحریر فرماتے ہیں کان اغلب قضایا بالکوفۃ۔

کوفہ میں صحابہ کرام کی آمد اور قیام بھی بکثرت منقول ہے، ابوبشر دلابی کتاب الاسرار والکنی میں رقمطراز ہیں، نزل الکوفۃ الف وخمسون رجلاً من اصحاب النبی صلی اللہ علیہ وسلم واربعۃ وعشرون من اہل بدو اور فن رجال کے امام ابوالحسن علی نے تو اپنی تاریخ میں اس سے بھی زائد ڈیڑھ ہزار لکھے ہیں نزل الکوفۃ الف وخمسائۃ من الصحابۃ، فیض الباری کے محشی بحوالہ فتح القدر لکھتے ہیں کہ قریسہ جو کوفہ کا ایک قریہ ہے اس میں چھ سو صحابہ کرام کی آمد اور انکا نزول ثابت ہے، جب کوفہ کی ایک مختصر بستی کا یہ حال ہے تو اسی سے پورے شہر کا اندازہ لگایا جاسکتا ہے، صاحب امانی الاحبار لکھتے ہیں خلیفہ ثانی حضرت عمرؓ نے اپنے دور خلافت میں حضرت عبداللہ بن مسعودؓ کو تو خاص طور سے کوفہ میں معلم اور وزیر بنا کر بھیجا تھا اس طرح عمار بن یاسرؓ کو امیر بنا کر، اور طبقات ابن سعد سے معلوم ہوتا ہے کہ کوفہ میں خلفاء اربعہ کے اصحاب بکثرت موجود تھے، ویسے بھی کوفہ حضرت عمرؓ کے زمانہ میں مُعَکَر (اسلامی عساکر کا مرکز) تھا کثرت سے وہاں صحابہ پہنچتے رہتے اور غزوات میں نکلتے رہتے تھے۔

غرضیکہ اہل کوفہ نے عدم رفع کا طریقہ حاصل کیا تھا حضرت عمرؓ کے زمانہ سے عہد علیؓ تک ان صحابہ کے توسط سے جو کوفہ میں میقم تھے، (جن کے سربراہ عبداللہ بن مسعودؓ تھے) اور ان صحابہ کے جو وہاں پہنچتے رہتے اور غزوات میں نکلتے رہتے تھے جنکی تعداد ہزاروں ہے۔

اسی طرح اہل مدینہ کا طرز عمل بھی ترک رفع تھا جس پر حضرت امام مالک نے اپنے مسلک کی بنیاد ڈالی، جیسا کہ مشہور معروف

ابن رشد وغیرہ شراح حدیث نے اس کی تصریح کی ہے اور اسی کو ہمارے امام ابو حنیفہ اور ان کے اصحاب نے اختیار فرمایا۔
اہل مکہ کا طرز عمل | قیام مکہ مکرمہ میں تھا اسی لئے اہل مکہ بھی رفق یدین کرتے تھے اور چونکہ حضرت امام شافعی کا قیام مکہ ہی میں تھا اس لئے انہوں نے اپنے مسلک کی بنیاد عمل اہل مکہ پر ڈالی۔

احقر کہتا ہے کہ یہ بھی واضح رہے کہ حضرت عبداللہ بن الزبیر صرف مواضع ثلاثہ میں رفق یدین پر اکتفا نہیں کرتے تھے بلکہ رفق عند السجود اور رفق عند القيام من الرکعتین بھی کرتے تھے چنانچہ آگے الوداؤد میں ایک روایت آرہی ہے جس کا مضمون یہ ہے۔ میمون مکی کہتے ہیں کہ ایک روز میں نے حضرت عبداللہ بن الزبیر کو نماز پڑھتے ہوئے دیکھا تو وہ بار بار رفق یدین کرتے تھے۔ عند التحریک عند الکوؤ، عند السجود، اور عند القيام من الرکعتین۔ وہ کہتے ہیں کہ میں یہ منظر دیکھ کر عبداللہ بن عباسؓ کی خدمت میں پہنچا اور ان سے عرض کیا کہ آج میں نے عبداللہ بن الزبیر کو ایسا کام کرتے ہوئے دیکھا جو اس سے پہلے کسی کو کرتے ہوئے نہیں دیکھا، یعنی یہی بار بار رفق یدین، اس پر ابن عباسؓ نے فرمایا کہ اگر تم حضور صلی اللہ علیہ وسلم کا اتباع کرنا چاہتے ہو تو تم بھی اسی طرح نماز پڑھا کرو۔ اس سے معلوم ہوا کہ عبداللہ بن الزبیر اور حضرت ابن عباسؓ رفق عند السجود کے بھی قائل تھے جس کے جہور قائل نہیں ہیں۔ مزید برآں میمون مکی کے کلام سے معلوم ہو رہا ہے کہ اہل مکہ بھی رفق یدین نہیں کرتے تھے گو یہ بھی محتمل ہے کہ ان کی مراد مواضع ثلاثہ سے زائد میں نفی کرنا ہو لیکن ابن عباسؓ تو اس کو بھی سنت فرما رہے ہیں۔ یہ بھی واضح رہے کہ عبداللہ بن الزبیر اور عبداللہ بن عباسؓ سے مواضع رفق کے سلسلہ میں روایات میں مزید اختلاف ہے بعض سے معلوم ہوتا ہے کہ وہ رفق صرف دو جگہ کرتے تھے عند الافتتاح، وعند رفع الرأس من الکوؤ، اور بعض سے مواضع ثلاثہ میں۔

رواۃ رفق کے تعدد و تکرار کی بحث | حضرت سہارنپوریؒ بذیل المجہود میں تحریر فرماتے ہیں، امام بیہقی نے امام بخاریؒ سے نقل کیا ہے کہ وہ جزر رفق الیدین میں فرماتے ہیں سترہ صحابہ سے مروی ہے کہ وہ رفق یدین کرتے تھے اور پھر بالتفصیل انہوں نے ان روایات کو ذکر کیا۔ اور علامہ شوکانی (اہل حدیث)

نے یہ بات بظاہر بدیہی سی ہے کہ رفق یدین کے رواۃ نسبت ترک رفق کے زائد ہیں چنانچہ امام ترمذی نے باب رفق الیدین میں حدیث ابن عمر کی تخریج کے بعد فرمایا ہے، وفي الباب عن عمرو بن دعلج بن حجر والک بن الحویرث والنس والی ہریرۃ والی حمید والی اسید و ہبل بن سعد و محمد بن مسلمہ والی قتادہ والی موسیٰ الاشعری و جابر و غیر اللیثی۔ یہ کل چودہ راوی ہوئے اور ہند رہیں ابن عمر، اور عدم رفق کے سلسلہ میں امام ترمذی نے عبداللہ بن مسعودؓ کی حدیث کی تخریج کے بعد فرمایا ہے، وفي الباب عن البراء بن عازب یہاں صرف ایک نام ذکر کیا ہے، مقرر طور پر اس کے دو دلائل ہیں، ایک وہ جو مولانا الزہرہؒ کا شریئر فرماتے ہیں کہ رفق یدین کا تو اثر علماء و اسناد و دلوں طرح ہے بغیر سترہ

نے نیل الاوطار میں رفع یدین کی روایات پچیس شمار کرائی ہیں مگر اس طور پر کہ تنہا ابو حمید ساعدی کی حدیث کو انہوں نے گیارہ حدیثوں کے قائم مقام قرار دیا ہے، کیونکہ انہوں نے اس حدیث کو اپنی مجلس میں دس صحابہ کے سامنے پیش کیا تھا جس پر ان سب صحابہ نے سکوت فرمایا تھا یا تقدیر کی تھی (علی اختلاف الروایتین) تو گویا ابو حمید ساعدی کی حدیث کے علاوہ صرف چودہ روایات ہیں چودہ اور گیارہ پچیس ہو گئیں۔

ہمارے حضرت سہارنپوریؒ نے بذل الجہود میں ان تمام روایات پر فرداً فرداً کلام فرمایا ہے جو بذل کے تقریباً دو صفحوں پر آیا ہے، ان روایات میں سے پانچ روایات ۱۔ حدیث ابن عمرؓ ۲۔ حدیث واکل بن جحرؓ ۳۔ حدیث ابو ہریرہؓ ۴۔ حدیث علیؓ ۵۔ حدیث مالک بن الحویرثؓ، اور چھٹی حدیث ابو حمید ساعدی کی جو بقول شوکانی کے گیارہ حدیثیں شمار ہوں گی، یہ سب آگے ابو داؤد شریف میں آرہی ہیں، لہذا ہم ان سب پر کلام اپنی اپنی جگہ کریں گے لیکن حضرت سہارنپوریؒ نے ان تمام روایات کو یکجا ذکر فرما کر سب کا جواب لکھا ہے اور پھر اخیر میں حضرت تحریر فرماتے ہیں شوکانی کی بیان کردہ روایات کا جواب تو یہ ہے باقی اس کے علاوہ جو شاغفہ لمبے چوڑے دعوے کرتے ہیں کہ ہمارے پاس اتنی روایات ہیں، مثلاً حافظ ابن حجرؒ نے فتح الباری میں لکھا ہے کہ ہمارے شیخ حافظ عراقی فرماتے ہیں کہ روادعہ رفع کی تعداد ہمارے متبع میں غسیں تک پہنچی ہوئی ہے اور ایسے ہی صاحب سفر السعاده نے جو لکھا ہے کہ رفع یدین کے ثبوت میں روایات و آثار چار سو تک پہنچ گئے ہیں، سو ہم ان صحابہ کے اسما اور روایات اور انکی اسانید سے واقف

اور عدم رفع کا قوا تر علماً و طبقہ ہے جس کو توارث کہتے ہیں یعنی تعامل امت، حضرت عمرؓ کے زمانہ سے لیکر آج تک کا تعامل، دوسرا جواب وہ ہے جو ہمارے استاذ محترم استاذ الاساتذہ حضرت مولانا اسعد اللہ صاحب نے ابو داؤد کے سبق میں رفع یدین والی حدیث کے شروع میں بیان فرمایا تھا، وہ یہ کہ اگر کسی بات کے دو سو حضرات مدعی ہوں اور ایک شخص انکر دو شاہدوں کی شہادت سے انکے خلاف شہادت پیش کر دے تو وہ دوسو کا دعویٰ رکھ کر جانیکا، استاذ موصوف نہایت ذکی ظریف الطبع ایک جید عالم اور اپنے زمانہ کے رئیس المناظرین تھے، رفع الشکر مراتب، اس جواب کا حاصل وہی ہے جو امام طحاویؒ اور ہمارے مشائخ فرماتے ہیں کہ رفع یدین منسوخ ہے، فرض کیجئے کہ دو سو احادیث سے رفع یدین کا ثبوت ہے تو اسکے نسخ کے لئے یہ ضروری نہیں کہ دو سو روایات ہوں بلکہ ایک صحیح حدیث بھی اگر سب کو منسوخ کر سکتی ہے، جیسا کہ حضور صلی اللہ علیہ وسلم کی مکی زندگی میں آپ کو مشرکین کی زیادتیوں پر تقریباً سترے زائد آیات میں غزوہ بدر کی تلقین کی گئی تھی اور پھر بعد البجۃ ایک آیت کے نزول سے قتال کی اجازت دی گئی جس سے تمام گذشتہ آیات منسوخ ہو گئیں، اور یہاں اس مسئلہ میں اگر تسلیم کر لیا جائے کہ کوئی صاف اور صریح حدیث نسخ کی موجود نہیں ہے تو کم از کم اتنی بات ضرور ہے کہ جو روایات کو سامنے رکھنے سے قرائن دالہ علی نسخ پائے جا رہے ہیں، مثلاً رفع عند السجود کا کما اربعہ میں سے کوئی بھی قائل نہیں جب کہ کتب صحاح کی روایات میں اسکا ثبوت ہے ایسے ہی وہ صحابہ جن سے رفع یدین کی روایات مرفوعہ مروی ہیں لیکن ان کا بعد کا عمل اس کے خلاف ترک رفع ثابت ہے اور اسکا انکار جو لوگ کرتے ہیں وہ مکابرہ ہے۔

نہیں تاکہ اس کے بارے میں کچھ کہہ سکیں۔

اور مولانا انور شاہ صاحب فرماتے ہیں چار سو روایات والی بات تو باطل اور بے اصل ہے۔ اور عراقی والے پچاس صحابہ کا تتبع ہم نے کیا تو بہت سے ان میں ایسے بھی ہیں جن سے رفع یدین صرف عند الافتتاح بھی منقول ہے یعنی مواضع رفع میں ان کی روایات مختلف و مضطرب ہیں۔

اور امام بیہقی نے رواقہ رفع کی تعداد ثلاثین لکھی ہے اور ساتھ میں اس کا بھی اعتراف کیا کہ اسانید صحیحہ سے پندہ ای روایات ثابت ہیں۔ اور ابن عبد البر نے الاستذکار میں تیس روایات کا حوالہ دیا ہے، شاہ صاحب فرماتے ہیں اگر صرف مواضع ثلاثہ میں رفع یدین کے قائل صحابہ کو دیکھا جائے تو وہ تقریباً بارہ ہیں۔ اور اگر فی کل رفع و خفض کو بھی لیں تو بیشک تعداد اس سے زائد ہو جائیگی۔

رہا مسئلہ احادیث مرفوعہ کا سودہ چھان بین کے بعد صرف پانچ چھ رہ جاتی ہیں ماحدith ابن عمرؓ حدیث علیؓ حدیث مالک بن الحویرثؓ حدیث وائل بن حجرؓ حدیث ابو حمید الساعدیؓ حدیث جابرؓ وہ فرماتے ہیں تقریباً اتنی ہی تعداد احادیث کی دوسری جانب (ترک رفع) میں بھی موجود ہے، پھر آگے حضرت شاہ صاحب فرماتے ہیں میرے نزدیک ترک رفع خواہ وہ علماً ہو یا تصدیقاً ان حضرات صحابہ سے ثابت ہے، عمرؓ، علیؓ، ابن مسعودؓ، ابو ہریرہؓ ابن عمرؓ، براء بن عازبؓ، ابن عمرہ رضی اللہ عنہم، یہ حضرات تو نام کی تصریح و تعیین کے ساتھ ہیں اور ان کے علاوہ دوسرے صحابہ وہ ہیں جن کا پتہ روایات سے چلتا ہے لیکن ان کے اسماء معلوم و متعین نہیں ہیں، میں کہتا ہوں اور وہ تمام صحابہ جو کوفہ میں مقیم تھے جن کی تعداد سینکڑوں سے بھی متجاوز ہے ان سب کو بھی اسی فہرست میں لینا ہوگا، اسلئے کہ اس پر سب کا اتفاق ہے کہ تمام اہل کوفہ عدم رفع پر متفق تھے

حضرت شاہ صاحب کا بیان کردہ ایک نکتہ | حضرت شاہ صاحب نے ایک بات اور لکھی ہے کہ دراصل روایات تین طرح کی ہیں، ناطق بالرفع، ناطق بعدم الرفع اور ساکت، اول بیشک نائمہ ہیں ثانی سے لیکن قسم ثالث کو اگر قسم ثانی میں شامل کیا جائے تو پھر معاملہ برعکس ہو جائیگا اور ہونا بھی ایسا ہی چاہئے اسلئے کہ السکوت فی محل البیان یفید المحضر جو راوی آپ صلی اللہ علیہ وسلم کی نماز کی پوری کیفیت بیان کر رہا ہے اور صرف افتتاح صلوٰۃ کے وقت رفع یدین کو ذکر کرتا ہے تو ظاہر ہے کہ اس کا مقصد باقی مواضع میں عدم رفع ماننا پڑے گا، ان ابتدائی مباحث و تہسید کے بعد اب ہم احادیث الباب پر کلام کرتے ہیں، باب کی سب سے پہلی حدیث ابن عمرؓ کی ہے۔

۱۔ حدثنا احمد بن حنبل ثنا سفیان عن الزہری عن سالم عن ابیہ قال رايت رسول الله صلی اللہ علیہ وسلم اذ سب سے پہلے مصنف نے رفع یدین کے سلسلہ میں ابن عمرؓ کی حدیث ذکر فرمائی جو

اسکے بعد چار پانچ اور دوسرے صحابہ کی روایات بھی اس سلسلہ میں ذکر فرمائی ہیں۔

رفع یدین کے بارے میں صحیحین کی روایات | لیکن امام ترمذیؒ نے رفع یدین کے باب میں صرف یہی ابن عمرؓ کی ایک حدیث ذکر فرمائی ہے، اور حضرت امام بخاریؒ

نے رفع یدین کے سلسلہ میں حدیث ابن عمرؓ و حدیث مالک بن الحویرثؓ صرف دو حدیثیں بیان کی ہیں، اور امام مسلمؒ نے رفع یدین کے باب میں تو صرف یہی دو حدیثیں ذکر کی ہیں جن کو امام بخاریؒ نے ذکر فرمایا ہے، البتہ انہوں نے باب وضع الیمین علی اليسری کے تحت میں وائل بن حجرؓ کی حدیث ذکر فرمائی ہے جس میں رفع یدین فی المواضع الثلاثہ مذکور ہے، صحیحین میں کوئی روایت ایسی نہیں ہے جس میں رفع عند السجود مذکور ہو بلکہ اس کی نفی موجود ہے، البتہ بخاریؒ میں حدیث ابن عمرؓ کے ایک طریق میں رفع عند القيام من الرکعتین بھی مذکور ہے۔

الکلام علی حدیث ابن عمرؓ | ان حضرات مصنفین کے طرز عمل سے معلوم ہوتا ہے کہ رفع یدین کے سلسلہ

درجہ میں مالک بن الحویرثؓ کی حدیث اسی لئے شیخ بخاریؒ علی بن مدینیؒ حدیث ابن عمرؓ کو ذکر کرنے کے بعد فرماتے ہیں، (کافی البذل) کہ میرے نزدیک یہ حدیث تمام دنیا پر حجت ہے جو بھی اس کو سنے اسکے لئے ضروری ہے کہ اس پر عمل پیرا ہو اسلئے کہ اس کی سند میں کوئی کلام اور تردد نہیں ہے، حنفیہ کہتے ہیں کہ اس حدیث کے ایک طریق میں چوتھی جگہ بھی رفع یدین مذکور ہے صحیح بخاریؒ میں یعنی عند القيام من الرکعتین، حقیقت یہ ہے کہ ائمہ اربعہ میں سے کوئی بھی اس کا قائل نہیں جیسا کہ ان ائمہ کی کتب فقہیہ سے معلوم ہوتا ہے، یوں کہنے کو شراح حدیث اعتراض سے بچنے کے لئے کہہ جی دیتے ہیں کہ امام شافعیؒ بھی اسکے قائل ہیں کہ فعل الامام النووی جیسا کہ مباحث ابتدائیہ میں تفصیل سے گذر چکا یہاں اسکے اعادہ کی حاجت نہیں۔

حدیث ابن عمرؓ میں الاضطراب فی مواضع الرفع | صحیحین کے علاوہ سنن کی کتابوں میں حدیث ابن عمرؓ

مواضع رفع کے اعتبار سے سخت ترین اختلاف واضطراب ہے، چنانچہ ابوداؤدؒ کی اس پہلی روایت میں جو بطریق سفیان عن الزہریؒ ہے رفع یدین تین جگہ ہے، اور اسکے بعد یہ حدیث بطریق زبیدی عن الزہریؒ آرہی ہے اس میں رکعت اولیٰ میں تو رفع یدین تین ہی جگہ ہے۔

عند الافتتاح، قبل الکرکوع، بعد الکرکوع، لیکن رکعت ثانیہ میں رفع یدین صرف بعد الکرکوع مذکور ہے قبل الکرکوع

لہ لیکن موجودہ دور کے اہل حدیث، اس حدیث کو زیادہ اہمیت دیتے نظر آتے ہیں، غالباً وجہ اس کی یہ ہے کہ حدیث ابن عمرؓ پر اشکالات زیادہ کئے جاتے ہیں، تو وہ اپنی عافیت اسی میں سمجھتے ہیں۔

نہیں۔ اسی طرح چند حدیثوں کے بعد پھر حدیث ابن عمر آرہی ہے، بطریق نافع عن ابن عمر، اسمیں رفع یدین صرف دو جگہ سے عند الافتتاح اور بعد الركوع اور نافع ہی کے ایک دوسرے طریق میں جو آگے آرہا ہے رفع یدین چار جگہ مذکور ہے اسمیں رفع عند القيام من الركعتین بھی ہے، اور یہ رفع تو صحیح بخاری کے بھی ایک طریق میں موجود ہے، کما تقدم نیز اس حدیث کے بعض طرق میں عند الطرانی رفع عند السجود بھی مذکور ہے، جبکہ بخاری کی روایت میں اسکی نفی ہے، لہذا یہ حدیث من حیث المتن مضطرب ہے۔

الاضطراب من حیث السند | نیز یہ حدیث سنداً بھی مضطرب ہے اسلئے کہ اس حدیث کے دو طریق ہیں ایک طریق سالم عن ابن عمر، دوسرا طریق نافع عن ابن عمر سالم اس کو مرفوعاً نقل کرتے ہیں باب کی پہلی حدیث بھی اسی طریق سے ہے، اور نافع اس حدیث کو موقوفاً نقل کرتے ہیں، پھر نافع کے شاگردوں میں بھی اختلاف ہو رہا ہے بعض اس کو نافع سے موقوفاً اور بعض مرفوعاً ذکر کرتے ہیں، یہ حدیث ابن عمر بطریق نافع آگے چلکر اسی باب کے اخیر میں آرہی ہے، پھر محدثین کا اسمیں اختلاف ہو رہا ہے کہ طریق نافع میں رفع کو ترجیح ہو یا دقت کو، امام ابو داؤد دقت کو ترجیح دے رہے ہیں (کما آیا فی المتن) جبکہ حضرت امام بخاری رفع کو واضح کہہ رہے ہیں۔ الحاصل اس حدیث کا ایک جواب تو یہ ہوا کہ یہ سنداً و متناً مضطرب ہے۔

حدیث ابن عمر کا نسخ اور اس پر شافعیہ کا منقذ | دوسرا جواب اس کا وہ ہے جو امام طحاویؒ و من تبعہ نے اختیار کیا کہ ابن عمر نے اگرچہ آپ صلی اللہ علیہ وسلم کا عمل رفع یدین نقل کیا ہے، لیکن خود ان کا عمل حضورؐ کے بعد عدم رفع ہے راوی کا عمل مروی (اپنی بیان کردہ روایت) کے خلاف دلیل نسخ ہے ابن عمر کے اس عمل کو ان سے نقل کرنے والے ان کے شاگرد مجاہد ہیں، اس اثر مجاہد کو امام طحاویؒ نے بسندہ ذکر فرمایا ہے، علامہ عینی فرماتے ہیں کہ اس کی اسناد علی شرط الشیخین ہے نیز اس اثر مجاہد کی تخریج ابن ابی شیبہ نے بھی کی ہے اسی سند سے، بعض مصنفین کے کلام میں قول مجاہد اس طرح منقول ہے، (بذل المجہود مشا) صحبت ابن عمر عشر سنین الخ مجاہد فرماتے ہیں کہ میں ابن عمر کے ساتھ دس سال رہا میں نے ان کو سوائے موضع اول کے رفع یدین کرتے ہوئے نہیں دیکھا، حقیقت یہ ہے کہ اس اثر مجاہد کے بعد ابن عمر کی حدیث مرفوعہ جو رفع یدین میں ہے اس کا بالکل ہی صفایا ہو جاتا ہے اور یہ اثر مجاہد یعنی ابن عمر کی حدیث موقوفہ اب حنفیہ کی ایک مستقل دلیل ہو گئی مثل حدیث ابن مسعودؓ کے۔

ان حضرات کا تقداس روایت پر یہ ہے کہ اس کی سند میں ابو بکر بن عیاش ہیں وقد اختلف فی آخرہ، اخیر میں ان کا حافظہ کمزور ہو گیا تھا۔

جواب نقد | جواب یہ ہے کہ ابو بکر بن عیاش صحیحین بلکہ صحاح ستہ کے راوی ہیں امام مسلم نے ان کی روایت

کو مقدمہ میں لیا ہے اور امام بخاریؒ نے ان کی حدیث کئی جگہ لی ہے۔ اختلاط والی بات کا جواب یہ ہے کہ من اختلاف فی آخرہ کے لئے اہل اصول نے ضابطہ یہ لکھا ہے کہ اس کی روایت قبل الاختلاط معتبر ہے بعد الاختلاط کی معتبر نہیں اور یہاں پر ظاہر یہ ہے کہ یہ روایت قبل الاختلاط کی ہے کیونکہ اس کو ان سے نقل کرنے والے احمد بن یونس ہیں جو ان کے قدما و اصحاب میں سے ہیں۔ ابو بکر بن عیاش کی روایت کو احمد بن یونس کے طریق سے امام بخاریؒ نے بھی کتاب التفسیر میں لیا ہے۔ پھر کیا اشکال باقی رہ گیا؟

نیز مجاہد کی متابعت کی ہے عبدالعزیز بن حکیم نے جیسا کہ مؤطا امام محمد میں ہے۔

ان حضرات نے بہت غور و خوض کے بعد اثر مجاہد کا یہ جواب دیا کہ مجاہد اثر مجاہد کا معارضۃ اثر طاؤس سے | کے دوسرے شاگرد طاؤس فرماتے ہیں کہ میں نے ابن عمر کو رفع یدین کرتے

ہوئے دیکھا ہے، امام طاؤسؒ نے اس پر فرمایا کہ اس روایت سے میں بھی واقف ہوں اسکی توجیہ بہت آسان ہے وہ یہ کہ ممکن ہے ابن عمر شروع میں رفع یدین کرتے ہوں قبل تحقق الفسخ عنده، اور پھر بعد میں رفع یدین ترک کر دیا، امام طاؤسؒ فرماتے ہیں کہ یہ توجیہ ضروری ہے اسلئے کہ صحت نقل کے باوجود اگر اس قسم کے تعارض کی توجیہ حضرات محدثین نہ کرتے تو نہ معلوم کتنی روایات و احادیث ساقط الاعتبار ہو جاتیں۔ اور اس اثر طاؤس کا ہماری طرف سے ایک جواب یہ بھی دیا گیا ہے کہ طاؤس سے اس کو نقل کر نیوالے ابن جریج ہیں اور وہ اگرچہ ثقہ ہیں لیکن مدلس ہیں قبیح التعلیل کما قال الدارقطنی اور وہ اس کو طاؤس سے بصیغہ عن روایت کرتے ہیں اور عنہ مدلس معتبر نہیں، ایک مصنف کے لئے حدیث ابن عمرؓ کے یہ جوابات بہت کافی ہیں، لیجئے جو حدیث تمام دنیا پر حجت تھی وہ صاف ہو گئی۔

۲- حدثنا عبید اللہ بن عمر بن میسرۃ..... حدثنی عبد الجبار بن وائل بن حُجیر

قال كنت غلامًا لا اعقل صلوة ابي اء.

شرح حدیث | عبد الجبار فرماتے ہیں کہ میں تو بچہ اور کم سن تھا اپنے والد صاحب کی نماز کو اچھی طرح سے نہیں سمجھ سکتا تھا میرے بڑے بھائی علقمہ بن وائل نے مجھ سے بیان کیا آگے مضمون حدیث واضح ہے عن ابي وائل میں وائل بدل واقع ہو رہا ہے ابی سے، لفظ ابی مبدل منہ ہے یعنی میرے بھائی نے بیان کیا میرے باپ وائل بن حجر سے اور سند میں جو وائل بن علقمہ مذکور ہے یہ غلط ہے، اس نام میں کسی راوی سے قلب واقع ہو گیا۔ صحیح علقمہ بن وائل ہے، عبد الجبار اور علقمہ دونوں آپس میں بھائی ہیں عبد الجبار چھوٹے اور علقمہ بڑے، اسی لئے وہ کہہ رہے ہیں کہ گو میں نے اپنے والد کو نماز پڑھتے دیکھا تو ہے مگر میں اس وقت بہت چھوٹا تھا اس قابل نہ تھا کہ ان کی نماز کی کیفیت کو بیان کر سکوں اسی لئے اس کو اپنے بڑے بھائی علقمہ کے واسطے سے نقل کر رہے ہیں تنبیہ: ابوداؤد کی اس روایت سے معلوم ہو رہا ہے کہ عبد الجبار اپنے والد وائل کی حیات میں موجود تھے اگرچہ

کس تھے اس لئے حافظ ابن حجر فرماتے ہیں کہ اس سے محدثین کی ایک جماعت کی رائے کا غلط ہونا ثابت ہو رہا ہے، جیسے یحییٰ بن معین، ابن حبان، علی بن مدینی، امام بخاری وغیرہ۔ ان حضرات سے یہ منقول ہے کہ عبد الجبار کی پیدائش وائل بن حجر کی وفات کے بعد ہوئی تھی اور عبد الجبار اپنے باپ کے انتقال کی وقت شکم مادر میں حمل کی صورت میں تھے، لیکن اس روایت نے اگر اس رائے کا غلط ہونا ثابت کر دیا۔

الکلام علی حدیث وائل بن حجر | یہ وائل بن حجر کی حدیث ہے، علامہ شوکانی نے اس حدیث کو سنن ثلاثہ ابوداؤد نسائی، ابن ماجہ کی طرف منسوب کیا ہے، حالانکہ یہ روایت صحیح مسلم میں بھی موجود ہے، چنانچہ علامہ زلیعی نے اس کا عز و مسلم کی طرف کیا ہے، امام مسلم اس حدیث کو ”باب وضع الیمنی علی الیسری فی الصلوۃ“ میں لائے ہیں۔

اس حدیث پر ہماری طرف سے یہ نقد کیا گیا ہے کہ اس میں اختلاف واضطراب ہے، مصنف نے اس کو دو طریق سے ذکر کیا ہے، بطریق عبد الجبار اور بطریق عامر بن کلیب عن امیہ اور پھر ہر ایک طریق میں متعدد روایات ہیں، بعض طرق میں انقطاع ہے اور بعض میں مجہول راوی بھی ہیں، نیز اس کے ایک طریق میں رفع عند السجود بھی ہے، ان سب چیزوں کو تفصیل سے حضرت نے بذل میں ذکر فرمایا ہے، غالباً انہی وجوہ سے امام بخاری نے اس کی تخریج نہیں کی، لیکن واقعہ یہ ہے کہ مجموع طرق کے لحاظ سے یہ حدیث صحیح اور ثابت ہے اور مواضع رفع کے اعتبار سے بھی اس میں زیادہ اضطراب نہیں ہے، بخلاف حدیث ابن عمر کے کہ اس میں شدید اضطراب ہے، لہذا حدیث وائل کا جواب ہماری طرف سے ایک تو یہ ہوا کہ اس کے بعض طرق میں رفع عند السجود مذکور ہے، اور دوسرا جواب یہ ہے کہ ہمارے نزدیک یہ حدیث عبد اللہ بن مسعود کی حدیث کے مقابلہ میں مرجوح ہے اس لئے کہ حضرت وائل کی آمد حضرت موت سے دینہ منورہ میں صرف ایک دو مرتبہ ثابت ہے، امام بخاری نے بکوشش دو مرتبہ ثابت کی ہے پر دیسی تھے، باہر کے رہنے والے طول صحبت کے ساتھ مشرف نہیں ہوئے، بخلاف عبد اللہ بن مسعود کے جو کہ سابقین اولین اور کبار بدرین میں سے ہیں حفاظ صحابہ میں ان کا شمار ہے، ابن سعد نے طبقات میں من کان یفتی بالمدينة میں ان کا شمار کیا ہے، اور بیس سال تک حضور صلی اللہ علیہ وسلم کی خدمت میں سفر و حضر ساتھ

لے حضرت نے بذل میں ان حضرات محدثین کی جانب سے دکالت کرتے ہوئے فرمایا کہ ممکن ہے یہ کہا جائے کہ لا عقل کے معنی لا احفظ ہیں، ای لا احفظ صلوۃ الی لانی ولدت بعد موت الی تکلیف لیکن ان عقل واحفظ صلوۃ الی فالاستدلال بهذا الکلام علی انه ولد فی حیات امیہ ضعیف، ۳۰

لیکن میں کہتا ہوں کہ لا عقل کو لا احفظ کے معنی میں لینے سے کام نہیں چلے گا اس لئے کہ کنت غلاماً کہاں جائے گا، اس سے تو صاف معلوم ہو رہا ہے کہ یہ پیدا ہو چکے تھے۔

رہے۔ محدثین میں سے ایک بڑی جماعت کی رائے یہ ہے جسکو قاضی ابوبکر اور ابن عبد البر وغیرہ نے نقل کیا ہے کہ صحابی ہونے کے لئے طول صحبت ضروری ہے اور ظاہر ہے کہ یہ چیز حضرت وائل بن حجر کو حاصل نہ تھی۔ طحاوی شریف میں ہے کہ ایک شخص نے ابراہیم نخعی کے سامنے وائل بن حجر کی حدیث پیش کی تو انہوں نے فرمایا کہ اگر وائل نے حضور صلی اللہ علیہ وسلم کو ایک مرتبہ رفع کرتے ہوئے دیکھا ہے تو عبد اللہ بن مسعود نے آپ کو پچاس مرتبہ ترک رفع کرتے دیکھا ہے، ان کا وائل راۃ مرة يفعل ذلك فقد راۃ عبد اللہ خمسین مرة لا يفعل ذلك، اس پر امام بخاری وغیرہ علماء شافعیہ نے ایک ایسا اشکال کیا جو موجب تعجب ہے وہ یہ کہ ابراہیم نخعی کی کیا حیثیت ہے وائل بن حجر صحابی کے مقابلہ میں جو ان کے قول سے وائل کی حدیث مرفوعہ کا معارضہ کیا جائے، جواب ظاہر ہے کہ ابراہیم نخعی کے قول سے حدیث مرفوعہ کا معارضہ نہیں کیا جا رہا ہے بلکہ وائل بن حجر کی روایت کے مقابلہ میں حضرت عبد اللہ بن مسعود کی روایت کو پیش کیا جا رہا ہے اور اس میں دورائے نہیں کہ حضرت عبد اللہ بن مسعود علم و فضل میں وائل بن حجر پر فائق ہیں اور دوسرا جواب وہ کلی جواب ہے جو تمام احادیث رفع کا ہماری طرف سے دیا جاتا ہے کہ رفع یدین کے ثبوت سے یہیں انکار نہیں اور نہ ہو سکتا ہے گفتگو اور بحث رفع کے دوام اور بقا میں ہے، ابن عمر سے رفع کیساتھ ساتھ جو عدم رفع کی روایت منقول اور ثابت ہے اس کا انکار دینا نہ ممکن نہیں اور دوسری طرف عبد اللہ بن مسعود سے عدم رفع کی روایت کیساتھ ساتھ علماء ان سے ترک رفع کے ثبوت پر تمام علماء کا اتفاق ہے،

قوله - فلما سجد وضع رأسه بذلك المنزل من بين يديه، سجدہ کی کیفیت بیان کر رہے ہیں اور یہ کہ حالت سجد میں ہاتھ کس جگہ تھے۔ سو بتلایا کہ سجدہ میں سر و نوز ہاتھوں کے درمیان میں تھا جس سے معلوم ہوا کہ سجدہ کی حالت میں یدین اذنین کی محاذات میں ہونے چاہئیں، جس جگہ رفع یدین کی وقت ہوتے ہیں۔ بذلک المنزل کا یہی مطلب ہے۔

قوله، فوضع يده اليسرى على فخذه اليسرى وحدت يده اليمنى على فخذه اليمنى، تشہد میں کیفیت جلوس کو بیان کر رہے ہیں کہ دو زانو ہو کر میٹھے بائیں ہاتھ کو بائیں ران پر رکھا۔ اب آگے کہتے تو یہ چاہئے تھا۔ اور دائیں ہاتھ کو دائیں ران پر رکھا مگر راوی اس کو اس طرح بیان کر رہا ہے جو آگے عبارت میں مذکور ہے وحدت يده اليمنى اليمين الخ۔

شرح حیرش | ظاہر یہ ہے کہ یہ واؤ عاطفہ ہے اور حد تشدید دال کیساتھ فعل ماضی ہے، حد کے معنی منع اور فصل کے ہیں، ترجمہ یہ ہوگا کہ داہنے ہاتھ کی کہنی کو ران سے جدا رکھا اس حال میں کہ وہ ہاتھ دائیں ران پر تھا، احقر کہتا ہے کبھی یہ بات میرے سمجھ میں نہیں آئی کہ کہنی کو ران سے جدا رکھنے کے بیان

میں دائیں ہاتھ کی کیوں تخصیص کی گئی جبکہ بائیں ہاتھ کی کہنی بھی ران سے جدا رہتی ہے۔ اور ایک احتمال اس لفظ کی شرح میں یہ بھی لکھا ہے کہ لفظ وَحْدٌ میں داؤا اصلی ہے۔ اور یہ فعل ماضی ہے توحید سے۔ مطلب اس صورت میں بھی وہی ہوگا علیحدہ رکھنا، اور تیسرا احتمال یہ لکھا ہے وَحْدٌ میں داؤعا طفہ ہے اور حد فعل ماضی نہیں ہے بلکہ اسم ہے کنارہ کے معنی میں اور اس کا عطف یدہ الیسریٰ پر ہے۔ تقدیر عبارت یہ ہوگی وَوَضَعَ حَدَّ مَرَفَعَتِهَا لِيَمِينٍ عَلَى فَخْذِهِ الْيَمِينِ، لفظ حد منصوب ہوگا بنا بر مفقولیت کے جو کہ مضاف ہو رہا ہے مابعد کجانب، ترجمہ یہ ہوگا رکھا آپ نے بائیں ہاتھ کو فخذ الیسریٰ پر اور رکھا فرق الیمین کی حد کو فخذ الیمینی پر، لیکن یہ احتمال ثالث بظاہر صحیح نہیں اسلئے کہ وضع المرفق علی الفخذ کسی اور روایت سے ثابت نہیں اور نہ وہ کسی فقیہ کا مذہب ہے۔

قولہ، فخر ائیتہم و فرأیتہم یروضعون ایدیہما الی صدورہم، اس سے معلوم ہوا کہ ان کی پہلی آمد گرمی کے زمانہ میں ہوئی تھی، اسوقت میں صحابہ کرام رفع یدین کا نول تک کرتے تھے، دوبارہ جو آمد ہوئی وہ سڑی کے زمانہ میں تھی اسوقت میں حضرات صحابہ نمازیں رفع یدین چادروں ہی کے اندر اندر سے صرف سینہ تک کرتے تھے، مگر یہ بعض صحابہ کا طرز عمل تھا، اس سے پہلے دائل ہی کی روایت میں آچکا کہ حضور صلی اللہ علیہ وسلم چادر کے اندر سے ہاتھ نکال کر تباٹھاتے تھے، لہذا مسنون طریقہ وہی ہے۔

اس حدیث سے صاف معلوم ہو رہا ہے کہ دائل بن حجر باہر کے رہنے والے تھے مدینہ منورہ میں ان کی یہ آمد دوسری بار تھی۔

بَابُ افْتِتَاحِ الصَّلَاةِ

ترجمہ الباب کی غرض | بعض نسخوں میں یہ ترجمہ الباب نہیں ہے، اگر نہ تو تب تو کچھ بیان کی حاجت ہی نہیں، اور اگر ہو جیسا کہ ہمارے نسخہ میں ہے تو پھر یہ کہا جائیگا کہ اس سے پہلا باب رفع الیدین تھا، اور بعض علماء کے نزدیک رفع یدین قبل تحریمہ ہوتا ہے اور نماز کی ابتداء اور اسکا افتتاح فی الواقع تکبیر تحریمہ سے ہوتا ہے نہ کہ رفع یدین سے، اسلئے یہ ترجمہ لانا درست ہو گیا، گویا رفع یدین عند التحریمہ کو ثابت کرنے کے بعد مصنفؒ اسکے مابعد کے عمل کو بیان کر رہے ہیں جس سے نماز کا افتتاح ہوتا ہے اور وہ تکبیر تحریمہ ہے لیکن اس باب کی جو پہلی حدیث ہے وہ گذشتہ حدیث ہی کا ایک طریق ہے دائل بن حجر کی حدیث، لہذا بہتر یہ تھا

لہ یہ بات بہت محسوس ہوتی ہے کہ صحیحین میں رفع یدین کے ثبوت میں دو یا تین حدیثیں مل ہیں جن میں سے دو کے راوی باہر کے رہنے والے اور ہر دسویں میں ۱۲ منہ

کہ آنے والی حدیث باب سابق کے تحت ہوتی اور اس باب کی ابتداء حدیث ابو حمید ساعدی سے ہوتی جو ہمارے نسخہ میں پہلی حدیث کے بعد ہے۔

۱۔ حدثنا احمد بن حنبل، قوله، سمعت ابا حميد الساعدي في عشرة من اصحاب رسول الله صلى الله عليه وسلم۔

حدیث ابو حمید ساعدی کی تخریج | یہ رفع یدین کے سلسلہ کے تیسرے صحابی کی حدیث ہے، یہ سنن ابوعبید اور مسند احمد کی روایت ہے امام بخاری نے اسکا صرف شروع کا حصہ ذکر کیا اور عام طور سے شراح نے اس کی نسبت نسائی کی طرف نہیں کی حالانکہ یہ حدیث اس میں بھی ہے امام نسائی نے بھی اس کی ابواب السہو میں مختصراً تخریج کی ہے، اور اس میں صرف رفع عند القيام من الركعتین مذکور ہے، یہی وہ حدیث ہے جس کو علامہ شوکانی نے دس بلکہ گیارہ حدیثیں شمار کیا ہے جیسا کہ ابتدائی مباحث میں گذر چکا، میں سبق میں کہا کرتا ہوں کہ دیکھو بھائی! ہم بھی جب اس حدیث کے جوابات دیں گے اور اس پر کلام کریں گے تو وہ صرف ایک حدیث کا جواب نہیں ہوگا بلکہ گیارہ حدیثوں کا جواب ہوگا۔

حنفیہ کی طرف سے اس حدیث کے جوابات | اس حدیث پر ہماری طرف سے متعدد دفعہ کئے گئے ہیں جنکو حضرت سہارنپوریؒ نے بذیل میں مختصراً اور مولانا محمد یوسف صاحبؒ نے

امانی الاخبار میں تفصیل سے ذکر فرمایا ہے بذیل میں اس پر کلام دو جگہ ہے ایک تو یہاں حدیث کے تحت اور ایک باب رفع الیدین کے تحت میں جہاں حضرت نے فریقین کے دلائل پر کلام فرمایا ہے وہ نقد یہ ہیں۔

۱۔ اس حدیث کی سند میں عبد الحمید بن جعفر ہیں جو ضعیف ہیں، یحییٰ بن سعید نے ان کی تضعیف کی ہے۔

۲۔ اس حدیث میں رفع عند القيام من الركعتین مذکور ہے جس کے جمہور قائل نہیں

۳۔ اس حدیث میں اس حیثیت سے اختلاف واضطراب ہے کہ بعض رواۃ نے اس میں قعدہ اخیرہ میں تورک ذکر کیا ہے اور بعض نے نہیں، اور اسکے بعض طرق میں بجائے تورک فی المجلۃ الاخیرہ کے تورک فی المجلس بن السجدتین مذکور ہے۔

۴۔ اس حدیث کو ابو حمید ساعدی نے دس صحابہ کی موجودگی میں بیان فرمایا تھا اور اسی لئے یہ حضرات کہتے ہیں کہ یہ حدیث دس حدیثوں کے قائم مقام ہے لیکن دس حدیثوں کے قائم مقام تو جب ہوگی جب یہ سب حضرات اسکی تصدیق کریں، حالانکہ امام طحاوی فرماتے ہیں کہ اس حدیث کے اخیر میں قالوا صدقت صرف ابو عامر کی روایت میں ہے ان کے علاوہ کسی نے یہ جملہ نقل نہیں کیا، غرضیکہ ان صحابہ کی تصدیق بھی کھٹائی میں پڑ گئی پھر یہ حدیث دس حدیثوں کے قائم مقام کیسے ہوئی؟ احقر عرض کرتا ہے اس حدیث کے سیاق کا تقاضا بھی یہی ہے کہ ان صحابہ کی طرف سے تصدیق نہ ہوئی

چاہئے اسلئے کہ ابو حمید ساعدی نے اپنی مجلس میں ان دس صحابہ کے سامنے شروع میں یہ بات فرمائی تھی بلکہ دعویٰ کیا تھا کہ میں حضور صلی اللہ علیہ وسلم کی نماز کی کیفیت اور تفصیل سے جتنا واقف ہوں اتنے میں سے کوئی بھی اتنا واقف نہیں۔ سامعین نے اس پر اشکال بھی کیا کہ یہ کیسے؟ نہ آپ ہم سے حضور کی صحبت میں بڑھے ہوئے ہوں نہ آپ کے اتباع میں، انہوں نے کہا کہ اسکے باوجود وہی ہے جو میں کہہ رہا ہوں، انہوں نے فرمایا کہ اچھا وہ تفصیل بیان کیجئے چنانچہ انہوں نے آپ کی نماز کی تفصیل میں اولہ الی آخرہ بیان کی، اس پر ہمیں کہنا یہ ہے کہ ابو حمید ساعدی کا دعویٰ اعلیت اسی وقت صحیح ہوگا جب ساری تفصیل سامعین کو معلوم نہ ہو اور معلوم نہ ہونے کا تقاضا یہ ہے کہ ساری تفصیل سننے کے بعد حاضرین کی طرف سے تصدیق نہ ہو، اسلئے کہ تصدیق بدون علم سابق کے نہیں ہو سکتی اسی لئے حدیث جبریل میں آتا ہے فجبنا لیسألہ ویصدقہ، نتیجہ یہ نکلا کہ اس حدیث میں قالوا صدقت نہیں ہے، اور فی الواقع اکثر روایات میں ہے بھی نہیں، لہذا قالہ الطحاوی، تو پھر اس حدیث سے استدلال کی اب کیا نوعیت رہی جسکو سن کر وہ سب خاموش رہ گئے، پس اسکا تو ایک حدیث ہونا بھی مشکل ہو گیا چہ جائیکہ دس۔

حدیث ابو حمید کا انقطاع | ۵ ایک بڑا قوی اشکال اس حدیث کی سند پر یہ ہے جس کو امام طحاوی اور ان کے متبعین نے بیان کیا ہے کہ اس میں انقطاع ہے محمد بن عمرو بن عطاء اور

ابو حمید ساعدی کے درمیان، جسکے تین قرینہ ہیں۔ اول یہ کہ اس حدیث کو محمد بن عمرو سے جس طرح عبد الحمید ابن جعفر روایت کر رہے ہیں جو یہاں ابو داؤد کی سند میں موجود ہیں اسی طرح اسکو عطاء بن خالد بھی محمد بن عمرو سے روایت کرتے ہیں لیکن عطاء نے محمد بن عمرو اور ابو حمید کے درمیان رجل بہم کا واسطہ ذکر کیا ہے،

عن محمد بن عمرو بن عطاء عن رجل عن ابی حمید الساعدی،

دوسرا قرینہ یہ ہے کہ آگے خود اس کتاب میں عیسیٰ بن عبد اللہ کی روایت میں ان دونوں کے درمیان عباس

بن سہل کا واسطہ موجود ہے، عن محمد بن عمرو بن عطاء عن عباس بن سہل عن ابی حمید،

تیسرا قرینہ یہ ہے کہ ان دس صحابہ میں ایک ابو قتادہ بھی ہیں حالانکہ محمد بن عمرو بن عطاء نے ان کا زمانہ نہیں

پایا، ان کی وفات محمد بن عمرو کی ولادت سے پہلے ہو چکی تھی، ابو قتادہ کی وفات حضرت علیؓ کے زمانہ میں ۳۵ھ میں

ہوئی، حضرت علیؓ نے ہی نماز جنازہ پڑھائی، حافظ ابن حجر نے التلخیص المجیر میں اسکو تسلیم کیا ہے، اور محمد بن عمرو

بن عطاء کو پیدائش ۳۵ھ میں ہے جس کا مطلب یہ ہوا کہ شاگرد کی پیدائش اسکا ذکی وفات سے دو سال بعد ہوئی

۱۔ اور اگر کوئی کہے کہ سکوت دلیل تسلیم کی ہے اور ان کو یہ تفصیل معلوم تھی تو پھر ہم پوچھیں گے کہ وہ اعلیت کا دعویٰ کہاں کیا

اور ان لوگوں نے ابو حمید پر یہ اعراض کیوں نہیں کیا کہ آپ تو یہ فرما رہے تھے کہ میں اعلم ہوں یہ سب کچھ تو ہمیں بھی معلوم ہے؟

پھر وہ ان سے کیسے روایت کر سکتے ہیں لامحالہ روایت منقطع ہوگی۔

یہ جو ہم نے کہا کہ محمد بن عمرو کی پیدائش ۱۲۵ھ میں ہے وہ اسلئے کہ مشہور عند علماء الرجال یہ ہے کہ ان کی وفات ۱۲۵ھ میں بمقام ۱۱ سال ایک سو بیس میں سے انہی وضع کر نیکی بعد چالیس باقی رہتے ہیں اس حساب سے ۱۲۵ھ میں ان کی پیدائش ہوئی یعنی البوقتاہ کے انتقال سے دو سال بعد یہ ساری جرح امام المحدثین ابو جعفر طحاوی نے شرح معانی الآثار میں بیان فرمائی ہے۔

حافظ بن حجر کی طرف سے جواب انقطاع
اور ہماری طرف سے اسس کا رد

اس انقطاع کے اشکال سے خلاصی کی شکل حافظ ابن حجر نے فتح الباری میں یہ اختیار کی کہ ہو سکتا ہے البوقتاہ کی عمر کے بارے میں ۱۲۵ھ کا قول زیادہ صحیح ہو جیسا کہ وہ واقعی کی رائے ہے، حالانکہ حافظ ابن حجر تلخیص الجیر میں فرما چکے ہیں کہ قول راجح البوقتاہ کی وفات میں ۱۲۵ھ ہی ہے جیسا کہ ابن سعد کی رائے ہے۔ اور پھر آگے فتح الباری میں حافظ لکھتے ہیں کہ ہو سکتا ہے کہ محمد بن عمرو کی مدۃ العمر جو بتائی جاتی ہے یعنی اسی سال وہ صحیح نہ ہو بلکہ ان کی عمر اس سے زائد ہو مثلاً پچاسی سال ہو تو اب ایک سو بیس میں سے پچاسی وضع کرنے کے بعد پینتیس باقی رہ جائیں گے تو اس لحاظ سے شاگرد کا سنہ ولادت ۱۲۵ھ ہو گا نہ کہ چالیس، نیز آگے لکھتے ہیں کہ یہ بھی ممکن ہے کہ ان دس صحابہ میں البوقتاہ شامل نہ ہوں اور جس روایت میں ان کا تسمیہ آیا ہے وہ غلط ہو، دیکھئے حافظ صاحب کیا کہ جارہے ہیں حمایت کی کوئی حد بھی ہو، ابن عبدالبر اور ابن القطان اور ابن سعد تلمیذ واقعی اور خود حافظ ابن حجر کی رائے تلخیص الجیر میں البوقتاہ کی وفات کے بارے میں ۱۲۵ھ ہی ہے دوسرے قول ۱۲۵ھ کا ہے جس کا یہ بھی نے ترجیح دی ہے، رہ گئے باقی دو قرینے سوان میں سے عطاء بن خالد والی روایت کا جواب حافظ نے تلخیص الجیر میں یہ دیا ہے کہ محمد بن عمرو دو ہیں، محمد بن عمرو بن عطاء اور محمد بن عمرو بن علقمہ، عطاء بن خالد جس محمد بن عمرو سے روایت کر رہے ہیں وہ محمد بن عمرو بن علقمہ ہیں ان کی روایت میں واسطہ واقعی موجود ہے اور جو روایت بلا واسطہ ہے اس میں محمد بن عمرو سے مراد محمد بن عمرو بن عطاء ہیں یہ روایت بلا واسطہ ہے، لہذا یہ دو سندیں الگ الگ ہیں کسی ایک میں انقطاع نہیں، اس کا جواب ہماری طرف سے یہ دیا گیا کہ یہ تفریق صحیح نہیں، عطاء بن خالد کی روایت میں بھی محمد بن عمرو بن عطاء ہی ہے جیسا کہ طحاوی کی روایت میں مصرح ہے، اور عیسیٰ بن عبد اللہ والی روایت کا جواب حافظ نے فتح الباری میں یہ دیا ہے کہ وہ مزید فی متعلقات الاسانید کے قبیل

لے بعض مرتبہ ایک سند بدون واسطہ کے متصل ہوتی ہے پھر کسی لفظ کی زیادتی کی وجہ سے جو اصل روایت میں نہیں تھی، دوسری روایت میں ہے اور وہ زیادتی اسی راوی کو کسی واسطہ سے پہنچی ہے تو وہاں واسطہ کا اضافہ ہو جاتا ہے حالانکہ وہ سند فی نفسہ بدون واسطہ کے بھی متصل ہوتی ہے

سے ہے۔ اس پر علامہ عینی فرماتے ہیں کہ مزید فی متصل الاسانید کیلئے شرط یہ ہے کہ اصل راوی کا سماع ثابت ہو اپنے مروی عنہ سے، اور یہاں ایسا نہیں اسلئے کہ شعبی جو اس فن کے امام ہیں جنکی نفی نفی ہے اور اثبات اثبات، وہ فرماتے ہیں کہ محمد بن عمرو کا سماع ابوقتادہ سے ثابت نہیں، توجب اصل راوی (محمد بن عمرو) کا سماع مروی عنہ (ابوقتادہ) سے ثابت نہیں تو پھر واسطہ والی روایت مزید فی متصل الاسانید کیسے ہو سکتی ہے، واللہ الموفق وہو الباہدی الی سوا السبیل یہاں تک حدیث ابو حمید ساعدی پر اشکال و جواب کی بحث پوری ہوئی بقول علامہ شوکانی کے یہ حدیث دس حدیثوں کے قائم مقام تھی، لہذا یہ اعتراضات و جوابات بھی ایک حدیث پر نہیں بلکہ آپ کی دس حدیثوں پر ہیں۔

فتولہ، فلا ینصب رأسہ ولا یقعح، حالت رکوع میں نہ اپنے سر کو جھکاتے تھے اور نہ اوپر کو اٹھاتے تھے، فقہار نے لکھا ہے کہ رکوع میں سرین پشت اور سر تینوں ہموار ہونے چاہئیں مگر یا سر کو نہ زیادہ جھکائے اور نہ اوپر کو ابھارے۔

شرح حیث

فتولہ۔ ویفخ اصابع رجلیہ، یہ فتح سے ہے خا، منقوطہ کیساتھ جسکے معنی نرم اور مائل کرنے کے ہیں، یعنی سجدہ کی حالت میں پاؤں کی انگلیوں کے رخ کو موڑ کر قبلہ کی طرف کرتے تھے، فتولہ، ویفخ رجلہ الیسری فیقعد علیہا، یعنی رکعت اولی میں سجدہ ثانیہ کے بعد بیٹھتے تھے اسی کو جلسۃ استراحت کہتے ہیں، جلسۃ استراحت پر مصنف نے آئندہ مستقل ترجمہ قائم کیا ہے، باب النہوض فی الفرد، اس پر کلام نہیں آئیگا، فتولہ، حتی اذا کانت السجدة التي فیہا التسليم اخر رجلہ الیسری وقعد متورکاً علی شفتہ الایسر اسی کا نام تورک ہے، افراش تو یہ ہے کہ بایاں پاؤں بچا کر اس پر بیٹھے، اور تورک میں یہ ہوتا ہے کہ بائیں پیر پر بجائے بیٹھنے کے اسکو دائیں طرف کو نکال لیا جائے اور سرین کوزمین پر رکھا جائے۔

ھیتۃ الجلوس فی التشہد میں اختلاف علماء جلوس فی التشہد میں افراش اولی ہے یا تورک مسئلہ مختلف فیہ ہے، امام ابو حنیفہ کے یہاں مطلقاً افراش ہے اور امام مالک کے یہاں مطلقاً تورک، اور امام شافعی و احمد کے یہاں قعدہ اولی اور آخری کا فرق ہے، قعدہ اولی میں افراش اولی ہے اور قعدہ آخری میں تورک، جو نمازیں ذات تشہدین ہیں ان میں تو اس طرح ہوگا، اور جس نماز میں صرف ایک ہی تشہد ہو جیسے صلوۃ جمعہ و صلوۃ فجر ان میں امام شافعی کے یہاں تورک ہوگا اور امام احمد کے یہاں نہیں، لہذا

۱۔ بعض فقہار نے لکھا ہے کہ شافعیہ کے یہاں تورک کا سبب طول جلوس ہے تو گویا اصل افراش ہی ہوا لیکن چونکہ افراش میں ذرا مشقت سی ہوتی ہے اسلئے مختصر قعدہ میں اسکو اور طویل قعدہ میں تورک کو اختیار کیا گیا، اور امام احمد کے نزدیک مشأ تورک تمیز بین القعدۃ الاولی والاخری ہے تاکہ مسجد میں بعد میں آنوالے شخص کو خود ہی پتہ چل جائے کہ امام قعدہ اولی میں ہے یا آخری میں اور جن نمازوں میں ایک ہی قعدہ ہے وہاں تمیز کی ضرورت ہی نہیں۔ ۱۲۰

امام شافعی کے یہاں تورک مطلقاً تعدہ اخیرہ میں ہوگا خواہ وہ تعدہ ثانیہ نہ ہو، اور امام احمد کے یہاں دوسرے کی قید ہے اگر کسی نماز میں ایک ہی تعدہ ہو تو اس میں نہ ہوگا۔

دلائل الفرقین | شافعیہ کی دلیل اس مسئلہ میں ابو حمید ساعدی کی حدیث ہے اور حنفیہ کے لئے متعدد احادیث ہیں، اول حضرت عائشہؓ کی، جو کہ مسلم ابوداؤد اور مسند احمد کی روایت ہے، دوسری دائل بن حجر کی حدیث جو ابوداؤد نسائی و مسند احمد میں ہے، اور تیسری رفاعہ بن رافع کی حدیث یعنی حدیث السی فی الصلوۃ ان سب احادیث میں مطلقاً اقراش مذکور ہے اسی کو حنفیہ نے اختیار کیا ہے، لیکن ہذا عندنا فی حق الرجال واما المرأة فتعد متورکۃ، اسلئے کہ اس میں تشر زیادہ ہے جو عورت کے حال کے مناسب ہے۔

تورک کی مختلف شکلیں | قولہ، واخرج قدمیہ من ناحیۃ واحده، روایت سے معلوم ہوتا ہے کہ تورک کے دو طریقہ ہیں ایک یہ کہ بائیں پاؤں کو بچھا کر اسکو دائیں طرف نکال لیا جائے اور دائیں پاؤں کو کھڑا رکھا جائے، بخاری کی ابو حمید ساعدی کی حدیث میں اسی طرح مذکور ہے، اور دوسرا طریقہ وہ ہے جو یہاں حدیث میں مذکور ہے کہ دائیں پاؤں کو بھی پڑا لیا جائے، اور ایک تیسرا طریقہ تورک کا اور ہے جو مسلم کی روایت میں مذکور ہے وہ یہ کہ بائیں پاؤں کو دائیں جانب نکالنے کے بجائے اس کو دائیں ران اور پٹائی کے بیچ میں دبایا جائے، تورک کے بارے میں مختلف روایات اور اسکی متعدد شکلیں بڑی تفصیل کے ساتھ الحمل المفہم میں بیان کی گئی ہیں۔

قولہ، وهو ساجد ثم کثیر فجلس فتورک وفضب قدمہ الاخری، یہ تورک بین السجدتین ہے قولہ، فوضع یدیه علی رکبتیه، رکوع کی ہیئت بیان ہو رہی ہے کہ رکوع کی حالت میں یدین کو رکبتین پر بہت مضبوطی سے رکھے جیسے ہاتھوں سے گھٹنوں کو پکڑ رکھا ہو، ووثر یدیه، بر وثر سے ماخوذ ہے، تانت کو کہتے ہیں یعنی رکوع کی حالت میں دونوں ہاتھ متے ہوئے نہ چائیں، جسطرح کمان میں تانت سستی رہتی ہے تاکہ دونوں ہاتھ پہلو سے جدا رہیں، اور اگر ان کو ڈھیلا کر کے موڑ لیا جائے گا تو ہاتھ پہلو سے مل جائیں گے۔

حدثنا عمرو بن عثمان، قولہ، واذا سجد فتزوج بین فخذیه، باب صفۃ السجود میں اس کے خلاف آ رہا ہے اس میں اس طرح ہے ولیضمن فخذیه، چونکہ اس مسئلہ کا تعلق صفۃ سجود سے ہے اسلئے اس پر کلام نہیں کیا گیا۔ قولہ، فلما سجد وقفت رکبۃ الی الارض قبل ان تقع کفاه،

رکوع سے اٹھنے کے بعد سجدہ میں جانیکا مسنون طریقہ عند الجہور والائمۃ الثلاثہ یہی ہے جو یہاں مذکور ہے یعنی سجدہ میں جاتے وقت پہلے دونوں گھٹنے زمین پر ٹیکے بعد اٹھ کر کھڑے ہونے کی کیفیت میں اختلاف علماء

میں دونوں ہاتھ، اسمیں امام مالک اور اوزاعی کا اختلاف ہے ان کے نزدیک اسکے برعکس ہے کہ سجدہ میں جاتے وقت پہلے زمین پر دونوں ہاتھ رکھے بعد میں گھٹنے، جس طرح یہ اختلاف سجدہ میں جانے میں ہے اسی طرح سجدہ سے اٹھ کر کھڑے ہونے میں ہے، جمہور کہتے ہیں کہ سجدہ سے اٹھتے وقت پہلے زمین سے دونوں ہاتھ اٹھیں گے اور بعد میں رکبتین، مالکیہ کے یہاں اس وقت بھی برعکس ہے کہ پہلے گھٹنے اٹھائے بعد میں یدین، سجدہ میں جانے اور اس سے اٹھنے کی یہ کیفیت آگے ایک حدیث میں آرہی ہے جس پر مصنفؒ نے ترجمہ قائم کیا ہے۔ باب کیف یضع رکبتیہ، وائل بن حجر کی حدیث ہے جس کے لفظ یہ ہیں، رأیت النبی صلی اللہ علیہ وسلم اذا سجد وضع رکبتیہ قبل یدیہ واذا نهض رفع یدیہ قبل رکبتیہ، یہ وہی کیفیت ہے جس کو جمہور علماء اور ائمہ ثلاث نے اختیار کیا، امام مالکؒ کی دلیل اسی آئندہ آنے والے باب میں آرہی ہے اس کا انتظار کیجئے۔

یہاں ایک تیسرا اختلاف اور ہے وہ یہ کہ سجدہ سے سر اٹھانے کے بعد کھڑے ہوتے وقت ہاتھوں کا اعتماد رکبتین پر ہو یا زمین پر، حنفیہ حنابلہ کے نزدیک گھٹنوں کے سہارے سے کھڑا ہونا سنت ہے، اور امام شافعیؒ کے نزدیک زمین پر اعتماد کر کے اٹھنا سنت ہے، اس مسئلہ کا ذکر آگے حدیث الباب میں اس طرح آرہا ہے، واذا نهض نهض علی رکبتیہ واعتمد علی فخذیہ، یہ حنفیہ و حنابلہ کی دلیل ہے، اور مالکیہ کے نزدیک تو چونکہ سجدہ سے سر اٹھانے کی وقت ہی زمین سے ہاتھ نہیں اٹھائے جاتے ان کے یہاں تو شروع سے آخر تک ہی ہاتھ زمین پر رہتے ہیں، لہذا ان کے مسلک میں یہ سوال ہی پیدا نہیں ہوتا کہ کھڑے ہوتے وقت اعتماد الیدین علی الارض ہو گا یا علی رکبتین، ان کے یہاں تو ہاتھ از اول تا آخر زمین پر ہی رہتے ہیں، اسی لئے حضرت شیخؒ نے حاشیہ لامع میں مذاہب ائمہ پر بحث کرتے ہوئے فرمایا ہے کہ مالکیہ کے یہاں سجدہ سے اٹھتے وقت اعتماد علی الارض سنت مستقلہ نہیں ہے، بعض شراح نے چونکہ اس تیسرے مسئلہ میں امام شافعیؒ کیساتھ امام مالک کو بھی ذکر کیا ہے اسلئے ہم نے اس کی وضاحت کر دی، اس مسئلہ کے اختلاف کو تجزیہ کیساتھ ہی بیان کرنا اور سمجھنا زیادہ آسان ہے ورنہ جن شراح حدیث نے ان دو مسئلوں کو علیحدہ علیحدہ نہیں بیان کیا ان کے مضمون میں خلط ہو گیا، اور اس اختلاف کو سمجھنا دشوار ہو گیا کما یظہر بالرجوع الی الشرح، واللہ سبحانہ تعالیٰ اعلم بالصواب۔

تنبیہ لہ چنانچہ آئندہ اینولے باب میں حدیث وائل جیسے الفاظ ہم نے اوپر لکھے ہیں اور اس کو جمہور کے مسلک کے مطابق قرار دیا ہے اس کے بارے میں حضرت نے بذل الجود میں تحریر فرمایا ہے، وبقول ابو حنیفہ وغالغاثانی، حالانکہ دوسرے شراح کے کلام سے معلوم ہوتا ہے کہ یہ حدیث جمہور کے مسلک کے مطابق ہے، شافعیہ کے خلاف نہیں، اور ہماری بھی یہی رائے ہے، اسلئے کہ اس حدیث میں پہلا:

(بقیہ ص ۲۳۳)

اس مسئلہ کی کسی قدر وضاحت حضرت شیخؒ نے حاشیہ لایع ۳۲۹ میں فرمائی ہے۔

قولہ، و فی حدیث احمد ہما و اکبر علی اند فی حدیث محمد بن جحادة۔ یہ ہمام کا مقولہ ہے ہمام کے اس حدیث میں دو استاذ ہیں، محمد بن جحادة اور شقیق۔ تو ہمام یہ کہہ رہے ہیں کہ وہ زیادتی جو میں آگے ذکر کر رہا ہوں ان دونوں میں سے کسی ایک کی حدیث میں ہے اور ظن غالب یہ ہے کہ محمد بن جحادة کی حدیث میں ہے، حد ثنا عبد الملک بن شعیب بن اللیث الخ۔

رفع یدین کی چوتھی حدیث | یہ رفع یدین کے سلسلہ میں چوتھے صحابی ابو ہریرہؓ کی حدیث ہے اسکے اندر رفع یدین فی المواضع الاربعہ مذکور ہے رفع عند القيام من الركبتین ہے اس کی سند میں یحییٰ بن ایوب راوی ہیں جو متکلم فیہ ہے، نیز اسکے اندر ابن جریج ہیں جو مدلس ہیں وہ اس کو عن کے ساتھ روایت کھڑے ہیں۔ حد ثنا قتیبہ بن سعید، یہ وہی میمون مکی والی حدیث ہے جس پر کلام ہمارے یہاں مباحث ابتدائیہ میں آچکا۔

حد ثنا نصر بن علی انا عبد الاعلیٰ نا عبید اللہ عن نافع عن ابن عمر انہ کان اذا دخل فی الصلوة..... ویرفع ذلک الی رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم

حدیث ابن عمر بطریق نافع | یہ ابن عمرؓ کی وہ دوسری حدیث ہے جو بطریق نافع ہے۔ بالکل شروع میں جو مرفوعاً آئی تھی وہ بطریق سالم تھی اور یہ موقوف ہے پھر نافع کے شاگردوں میں بھی اختلاف ہے، بعض اس حدیث کو نافع سے مرفوعاً اور بعض موقوفاً روایت کرتے ہیں، چنانچہ مصنف کے بیان کے مطابق لیث بن سعد، مالک بن انس، ایوب سختیانی، ابن جریج، یہ سب اس کو نافع سے موقوفاً روایت کرتے ہیں، نافع کے ایک شاگرد اور ہیں عبید اللہ ان کی روایت مختلف ہے، عبید اللہ کے شاگردوں کا اختلاف ہے، چنانچہ عبد الاعلیٰ نے اس حدیث کو عبید اللہ سے مرفوعاً اور عبد الوہاب الشافعی نے موقوفاً نقل کیا ہے حضرت امام بخاریؒ نے صحیح بخاری میں عبد الاعلیٰ ہی کی روایت کو لیا ہے، اور اس کی تائید میں حماد بن سلمہ

مسئلہ یعنی سجدہ سے سر اٹھانے کے وقت میں جو کیفیت ہونی چاہئے اس کو بیان کیا ہے، اور اس میں عند الجہود والائتہ الثلاث یہی ہے کہ رفع یدین قبل الركبتین ہونا چاہئے جسکو دسیوں شرح نے لکھا ہے، ہاں پھر بعد میں شافعیہ حنفیہ وحنابلہ سے جدا ہو گئے ہیں یعنی سجدہ سے اٹھنے کے بعد کھڑے ہوتے وقت اس میں جو نکلاام شافعی کے نزدیک زمین پر اعتماد سنت ہے، اس لئے وہاں گھٹنے ہاتھوں سے پہلے اٹھیں گے اور امام مالک کے یہاں تو ہاتھ شروع سے اخیر تک ہی زمین پر رہتے ہیں، فہد بروشکر ۱۷۔

عن ایوب عن نافع کی روایت کو پیش کیا ہے کیونکہ حماد نے بھی اس کو ایوب سے مرفوعاً روایت کیا ہے، امام ابوداؤد کے کلام سے معلوم ہوتا ہے کہ ایوب سختیانی کے تمام تلامذہ اس حدیث کو ان سے موقوفاً ہی روایت کرتے ہیں۔ بخار حماد بن سلمہ کے کہ انھوں نے اسکو ایوب سے مرفوعاً نقل کیا ہے۔

غرضیکہ امام ابوداؤد کے نزدیک نافع کی روایت کا موقوف ہونا صحیح ہے بنسبت مرفوع ہونے کے، اور امام بخاریؒ کی رائے اس کے برعکس ہے لیکن امام ابوداؤد کی رائے کثرت متابعات کی وجہ سے زیادہ قوی معلوم ہوتی ہے۔

بَاب (بلا ترجمہ)

بعض نسخوں میں ترجمۃ الباب مذکور ہے، "باب من ذکر انہ یرفع یدہ اذا قام من اثنتین" یعنی رفع عند القيام من الرکعتین، تہنئۃ دل سے اٹھتے وقت رفع یدین کرنا، مصنفؒ نے اس باب میں اولاً ابن عمرؓ کی حدیث ذکر کی جس پر کلام ہماری طرف سے شروع میں آچکا اور ثانیاً حضرت علیؓ کی حدیث ذکر فرمائی۔ قولہ: فَاعْبُدِ الرَّحْمَنَ

ابن الزناد عن موسیٰ بن عقبۃ عن علی بن ابی طالب عن رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم انہ کان اذا قام الی الصلوۃ المکتوبۃ

رفع یدین کی پانچویں حدیث حدیث علیؓ | اس حدیث میں مواضع ثلاثہ کے علاوہ رفع عند القيام من السجدتین مذکور ہے جسکا ائمہ اربعہ میں سے کوئی بھی قائل نہیں، یہ بڑا قوی اشکال ہے اسی لئے اکثر حضرات محدثین اس کی تاویل کرتے ہیں کہ سجدتین سے مراد رکعتین ہے البتہ خطابيؓ نے یہ تاویل نہیں کی انھوں نے سجدتین کو اپنے ہی معنی میں رکھتے ہوئے اشکال کیا، لا اعلو احداً من الفقہاء قال بہ، ابن رسلان نے کہا کہ سجدتین سے مراد رکعتین ہے، اور خطابيؓ طرق حدیث پر مطلع نہیں ہوئے ورنہ وہ اس کو رکعتین پر محمول کرتے۔

حدیث علیؓ کے جوابات | بہر حال قائلین رفع کے نزدیک یہ لفظ موجب غلبان و تشویش ہے جس کی تاویل پر وہ مجبور ہیں ورنہ یہ حدیث ان کے خلاف ہو جاتی ہے، دوسرا جواب یہ ہے کہ اس

حدیث کی سند میں عبد الرحمن بن ابی الزناد ہیں جو ضعیف ہیں، قال ابو حاتم ولا یحتج بہ، تقریب التہذیب میں لکھا ہے صدوق تغیر حفظ لما قدم بغداد، تیسرا جواب وہ ہے جسکو علامہ ابن الزکامی نے سنن بیہقی کے حاشیہ ابو ہریرۃ فی الرد علی الیہیعی میں دیا ہے کہ اس حدیث کو موسیٰ بن عقبہ سے ابن جریج نے ابن ابی الزناد کے خلاف

روایت کیا ہے۔

چنانچہ انکی روایت میں رکوع میں جاتے وقت اور رکوع سے اٹھتے وقت رفع یدین مذکور نہیں، حالانکہ ابن جریج ابن ابی الزناد سے بہت اونچے ہیں۔

امام طحاویؒ کی رائے | اور چونکہ جواب اس حدیث کا وہ ہے جس کو امام طحاویؒ نے اختیار کیا وہ یہ کہ امام طحاویؒ نے اس حدیث علیؒ کا معارضہ کیا ہے، حضرت علیؒ کی اس روایت

فعلی سے جسکو امام بن کلیب روایت کرتے ہیں اپنے باپ سے، ان علیؒ کا نیرفع یدیه فی اول تکبیرۃ من الصلوۃ ثم لا یرفع، امام طحاویؒ فرماتے ہیں کہ جب حضرت علیؒ خود رفع یدین والی حدیث مرفوعہ کے راوی ہیں اور پھر اسکے خلاف عمل کر رہے ہیں تو یہ سراسر نسخ کی دلیل ہے اسلئے کہ یہ ممکن نہیں کہ علیؒ حضور صلی اللہ علیہ وسلم کو رفع یدین کرتے ہوئے دیکھیں اور پھر وہ اس کو بذن علم بالنسخ کے ترک کر دیں۔

قال ابو داؤد فی حدیث ابی حمید الساعدیؒ ابو مصنف فرما رہے ہیں کہ حدیث علیؒ میں سجدتین سے رکعتین مراد ہے جیسا کہ ابو حمید ساعدیؒ کی روایت میں اکی تصریح ہے لیکن ہم کہتے ہیں کیا متعدد احادیث میں رفع عند السجود مذکور نہیں ہے کیا سب جگہ آپ ایسا ہی کریں گے اور جن روایات میں دونوں مذکور ہیں وہاں کیا ہوگا

حدثنا حفص بن عمرؒ قولہ، عن مالک بن الحویرث قال رأیت النبی صلی اللہ علیہ وسلم یرفع یدیه اذا کبّر واذا رکع واذا رفع رأسہ من الركوعؒ

رفع یدین کی حدیث سادس | یہ رفع یدین کے سلسلہ کی حدیث سادس ہے اس کی تخریج امام بخاریؒ وسلم نے بھی کی ہے، حضرت امام بخاریؒ نے تو صحیح بخاری کے اندر رفع یدین کے بارے میں صرف دو ہی حدیثیں بیان فرمائی ہیں، حدیث ابن عمرؓ اور یہ حدیث مالک بن الحویرثؒ، اور امام مسلمؒ نے ان دو کے علاوہ ایک تیسری روایت بھی ذکر کی ہے، حدیث وائل بن حجرؒ انھوں نے کل تین روایتیں ذکر کی ہیں۔

صحیح بخاریؒ و مسلمؒ میں رفع یدین کی روایات کی تعداد | اسی سے آپ اندازہ لگائیجئے کہ حضرت امام بخاریؒ کے نزدیک رفع یدین کے سلسلہ میں صحیح اور قابل اعتماد

صرف دو حدیثیں ہیں، اور امام مسلمؒ کے نزدیک تین، حدیث ابن عمرؓ کا حال تو پہلے معلوم ہو چکا کہ اسمیں شدید اختلاف واضطرار ہے سنا بھی وقتاً بھی، اور دوسری حدیث یہ مالک بن الحویرثؒ کی ہے اس میں گویا شدید اختلاف تو نہیں ہے لیکن ہے اس میں بھی اسلئے کہ اس حدیث کے بعض طرق میں عند النساء، رفع عند السجود موجود ہے جس کا کوئی قائل نہیں

مالک بن الحویرثؒ وفد بنو لیث میں سجدہ میں حضور صلی اللہ علیہ وسلم کی خدمت میں حاضر ہوئے جبکہ حضورؐ غزوہ تبوک کی تیاری فرما رہے تھے، بخاری شریف کی روایت میں ہے کہ انہوں نے مدینہ منورہ میں حضورؐ کی خدمت میں بیس روز

قیام فرمایا اسکے بعد بصرہ تشریف لے گئے اور وہیں قیام رہا تا آنکہ وہیں وفات پائی۔

عبداللہ بن مسعود کی حدیث کی وجہ ترجیح | اب آپ دیکھ لیجئے کہ ان کا قیام تو مدینہ منورہ میں بیس روز رہا، آخر پر دیسی تھے اپنے دیس چلے گئے اور یہی حال تیسرے صحابی حضرت وائل بن حجر کا ہے جیسا کہ ان کی روایت کے ذیل میں ہم کہہ چکے ہیں اور دوسری جانب آپ حضرت عبداللہ بن مسعود کو دیکھ لیجئے جو قدیم الاسلام اور کبار مہاجرین و البدرین میں سے ہیں، جنگ بدر اور تمام مشاہد میں آپ صلی اللہ علیہ وسلم کیساتھ شریک رہے صاحبِ بزمِ رسول اللہ و صاحبِ السواک والنخلین والمطہرہ آپ کے القاب ہیں، بیس سال تک سفر و حضر آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کیساتھ رہے حتیٰ کہ آپ نے ان کے بارے میں فرمایا، رضیت لامتی ما رضی لہما ابن ام عبد و سخطت لہما ما سخط لہما ابن ام عبد، حضرت عمرؓ نے انکو کوفہ کا قاضی اور معلم بنایا تھا اور وہاں کے بیت المال کا خزانچی، خلفاء راشدین ان سے احادیث روایت کرتے ہیں، اب آپ کو آگے اختیار ہے چاہے تو آپ ایسے صحابی کی روایت کو لے لیجئے جو آپ کی خدمت میں صرف بیس روز رہے ہوں اور چاہے ایسے صحابی کی جو بیس سال مسلسل حاضر خدمت رہا ہو۔ سہ

نحن بماء عندنا وانت بماء + عندك راجع والرائی مختلف

دیکھئے امام بخاریؒ نے جزر رفع الیدین میں خواہ کتنی ہی روایات جمع فرمادی ہوں لیکن وہ صحیح بناری میں اپنے نزدیک اسکی صحت کا حق ادا کرتے ہوئے صرف دو ہی حدیثوں کو اس میں جگہ دے سکے ہیں، اور امام مسلمؒ اس پر ایک حدیث کا اضافہ فرماتے ہیں، حدثنا ابن معاذ الا، قتولہ، قال ابوہریرۃ لو کنت قد اقام النبی صلی اللہ علیہ وسلم لرأیت ابطیہ،

شرح خیر شد | یعنی آپ صلی اللہ علیہ وسلم تکبیر تحریمہ کے وقت میں ہاتھ اچھی طرح اٹھاتے تھے اس طور پر کہ اگر کوئی شخص آپ کے آگے کھڑا ہوا اور رفع کیوقت اس کی نظر آپ پر ہو تو وہ شخص آپ کی بظلوں کو دیکھ سکتا ہے، مگر چونکہ نماز کی حالت میں مقتدی امام کے آگے نہیں ہو سکتا اسلئے لو کنت کہہ رہے ہیں۔ قتولہ، وزاد موسیٰ یعنی اذا کبرت رفع یدییہ، مصنف کے استاذ پہلی سند میں ابن معاذ ہیں، اور دوسری سند جو ہار تخیل کے بعد ہے اس میں موسیٰ بن مروان ہیں، تو مصنف کہہ رہے ہیں کہ موسیٰ کی روایت میں یہ زیادتی ہے، یعنی اذا کبرت رفع یدییہ، اور یہ تشریح بظاہر ابوہریرہؓ سے نیچے کے راوی بشیر بن نمیک کی طرف سے ہے، بشیر بن نمیک ابوہریرہؓ کی بیان کردہ روایت کی توضیح کر رہے ہیں، کہ ابوہریرہؓ کی مراد یہ ہے۔

حدثنا عثمان بن ابی شیبۃ نا ابن ادریس عن عامر بن کلیب الا

حدیث ابن مسعود بطریق عبداللہ بن ادریس | یہ باب رفع الیدین کی آخری حدیث ہے، لیکن اس میں رفع یدین

عند الركوع نہیں ہے اسلئے کہ یہ عبد اللہ بن مسعود کی حدیث ہے، اور ان کی کسی روایت میں بھی تکبیر تحریمہ کے علاوہ رفع یدین نہیں ہے، پھر مصنف اس کو یہاں اس باب میں کیوں لائے، شراح نے اس سے کوئی تعرض نہیں کیا، بندہ کا خیال یہ ہے کہ اس کا منشا بظاہر یہ ہے کہ اب اس کے بعد متصلاً عدم رفع الیدین کا باب آ رہا ہے جس میں مصنف عبد اللہ بن مسعود کی حدیث لائے ہیں، اس حدیث پر فریق مخالف کی جانب سے جو اعتراضات ہیں ان میں ایک اعتراض یہ ہے کہ اس حدیث میں سفیان ثوری کو وہم ہوا ہے اصل حدیث اس طرح نہیں جس طرح انہوں نے بیان کی، بلکہ صحیح وہ ہے جس کو ابن ادریس عاصم بن کلیب سے بیان کرتے ہیں چنانچہ یہ حدیث جس کو مصنف یہاں اس باب میں لائے وہ ابن ادریس ہی کے طریق سے ہے اور اس میں بجائے عدم رفع یدین کے صرف تطبیق فی الركوع مذکور ہے، لہذا عبد اللہ بن مسعود کی جس حدیث کو حنفیہ پیش کرتے ہیں وہ سرے سے ہی غلط ہے۔ اب یہ کہ مصنف کی رائے اس میں تطبیق فی الركوع کا نسخ اس کے بعد آپ سمجھئے کہ تطبیق عند الجمهور منسوخ ہے، لیکن ابن مسعود کرتے تھے اسی طرح حضرت علی سے مصنف ابن ابی شیبہ میں تحریر منقول ہے، وہ فرماتے ہیں کہ مصلی کو اختیار ہے، رکوع میں خواہ وضع الایدی علی الركب کرے یا تطبیق، اس سے معلوم ہوتا ہے کہ وہ بھی جواز تطبیق کے قائل تھے دکنانی البذل عن العینی، لہذا یہ جواب اہل حدیث کہتے ہیں کہ ممکن ہے ابن مسعود رفع یدین بھول گئے ہوں جس طرح نسخ تطبیق کو بھول گئے تھے سراسر غلط ہے، دیکھئے حضرت علی رضی اللہ تعالیٰ عنہ سے بھی تحریر منقول ہے۔

باب من لم یذکر الرفع عند الركوع

حدثنا عثمان بن ابی شیبہ ناوکیع عن سفیان عن عاصم بن کلیب عن عبد الرحمن بن الاسود عن علقمة قال قال عبد اللہ بن مسعود الاصلی بکرم صلوة رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم قال فصلی فلم یرفع یدیه الا مرة، اس حدیث کی تخریج مصنف کے علاوہ امام ترمذی اور امام نسائی دونوں نے کی ہے، اسی طرح یہ روایت مسند احمد، طحاوی شریف، سنن بیہقی اور مصنف ابن ابی شیبہ میں ہے، امام نسائی نے تو اسکی تخریج مکرر دو باروں میں کی ہے اور دونوں پر ترک رفع کا باب قائم کیا ہے۔

عبد اللہ بن مسعود کی حدیث پر اس حدیث پر دوسرے فریق کی جانب سے متعدد اعتراضات کئے اعتراضات اور ان کے جوابات گئے ہیں، جنکو ترتیب وار مع جواب کے ہم بیان کرتے ہیں۔ وباللہ التوفیق

لہ اس اعتراض کا جواب اور اسکی تحقیق آئندہ باب میں تفصیل سے آرہی ہے۔ ۱۳۰

النقد الاول۔ امام ترمذی جامع ترمذی میں فرماتے ہیں قال عبد اللہ بن المبارک قد ثبت حدیث من یرفع وذکر حدیث الزہری عن سالم عن ابیہ، ولم یشب حدیث ابن مسعود ان النبی صلی اللہ علیہ وسلم لم یرفع الا فی اول مرة، ہمارے طرف سے اس کے تین جواب دیئے گئے ہیں، حضرت گنگوہی نے کوکب میں جواب دیا کہ یہ جرح بہم ہے، مثلاً یعتبر اسی لئے امام ترمذی نے بھی اس کی طرف التفات نہیں فرمایا، اور حدیث کی انہوں نے تحمین فرمائی، دوسرا جواب وہ ہے جو علامہ شوق نبوی وغیرہ علماء احناف کے کلام سے معلوم ہوتا ہے، وہ یہ کہ عبد اللہ بن مسعود سے دو طرح کی روایتیں مروی ہیں ایک حدیث ان کی روایت الفعل کے قبیل سے ہے جو کہ مرفوع صریح ہے ان النبی صلی اللہ علیہ وسلم لیرفع یدہ الاموۃ، اور دوسری روایت ان سے بطور حکایت الفعل ہے جس کے الفاظ یہ ہیں الا اصلی بکوصلاۃ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم فضلی فلیرفع یدہ الا فی اول مرة، یہ مرفوع حکمی ہے، امام ابو داؤد اور ترمذی و نسائی نے اس حدیث کو اسی طرح روایت کیا ہے تو عبد اللہ ابن مبارک کا نقد مرفوع صریح پر ہے اس دوسری روایت پر نہیں اسلئے کہ اس دوسری روایت کو تو عبد اللہ ابن المبارک خود روایت کرتے ہیں سفیان سے جیسا کہ نسائی کی روایت میں ہے، پھر جس حدیث کو وہ خود روایت کر رہے ہیں اس کو وہ کیسے غیر ثابت کہہ سکتے ہیں، اس بات کی طرف اشارہ امام ترمذی کے کلام سے بھی استفاد ہو رہا ہے، اسلئے کہ امام ترمذی نے عبد اللہ بن المبارک کا نقد جس حدیث پر نقل کیا ہے اس کے الفاظ انہوں نے وہ نقل کئے ہیں جس کے اعتبار سے وہ مرفوع صریح ہے اور پھر آگے چل کر امام ترمذی نے عبد اللہ بن مسعود کی وہ حدیث ذکر فرمائی جو مرفوع حکمی ہے اور اسکے بارے میں فرمایا حدیث ابن مسعود حدیث حسن، اس صورت میں امام ترمذی اور عبد اللہ بن المبارک کے قول میں مخالفت بھی نہ ہوگا، اور تیسرا جواب اسکا وہ ہے جو ابن دقیق العید المالکی ثم الشافعی نے اپنی کتاب "الامام فی احادیث الاحکام" میں دیا ہے کہ اس حدیث کا عبد اللہ ابن المبارک کے نزدیک ثابت ہونا ہمارے لئے اس کی سند میں نظر کرنے سے مانع نہیں ہے، ہم دیکھتے ہیں کہ اس حدیث کا مدار عام بن کلیب پر ہے اور ان کی یحییٰ بن معین نے توثیق کی ہے، میں کہتا ہوں کہ عام بن کلیب سنن اربعہ اور مسلم کے روادے میں سے ہیں جیسا کہ الکاشف میں ہے، اور تقریب التہذیب اور خلاصہ سے معلوم ہوتا ہے کہ ان کی روایت کو امام بخاری نے بھی تعلیقاً لیا ہے، نیز علی بن المدینی کی رائے ان کے بارے میں یہ ہے کہ اگر عام متفرد نہوں تو حجت ہیں، اور یہاں وہ متفرد نہیں بلکہ ان کی متابعت دارقطنی و بیہقی وغیرہ میں موجود ہے۔

النقد الثانی۔ حافظ منذری فرماتے ہیں کہا گیا ہے لم یسبح عبد الرحمن عن علقمہ، لہذا حدیث کی سند میں القطاع ہے اس کا جواب ابن دقیق العید یہ دیتے ہیں، هذا المنفذ عن رجل مجهول وقد تنبعت هذا القائل

فلم اجدہ، کہ یہ اشکال کسی مجہول شخص کی جانب سے ہیں اس کے قائل کا پتہ نہیں لگ سکا کہ کون ہے، نیز اس سند کو ابن ابی حاتم نے مراسیل میں ذکر نہیں کیا، اگر سماع ثابت ہوتا تو وہ اس کو ضرور مراسیل میں ذکر کرتے، ہاں البتہ کتاب المخرج والتعديل میں ذکر کیا ہے، اور وہاں لکھا ہے کہ عبد الرحمن بن الاسود نے حضرت عائشہؓ کو بچپن میں دیکھا تھا، اور ان سے کچھ سنا نہیں، پھر آگے لکھتے ہیں، وروی عن ابیہ وعلقمة، اور یہ نہیں کہا مرسلًا، ابن دقیق العید فرماتے ہیں کہ سماع میں کیا تردد ہے جبکہ عبد الرحمن، ابراہیم نخعیؒ کے ہم عمر ہیں اور ابراہیم نخعی کا سماع علقمہ سے بالاتفاق ثابت ہے اور اس سب کے باوجود یہ ہے کہ خطیب بغدادی نے کتاب المتفق والمفترق میں عبد الرحمن کے ترجمہ میں تصریح کی ہے، انه سمع اباه وعلقمة۔

النقد الثالث - یحیی القطان نے کتاب الوہم والایہام میں لکھا ہے کہ امام ترمذیؒ نے ابن مبارک سے اگرچہ نقل کیا ہے کہ یہ حدیث وکیع مخرج نہیں، لیکن میرے نزدیک صحیح ہے ہاں اس میں قابل اشکال چیز وکیع پر وہ ثم لا یعود کی زیادتی ہے، اور دارقطنی نے بھی اسی قسم کی بات لکھی ہے اور امام احمدؒ نے بھی ہماری طرف سے اس کا یہ جواب دیا گیا ہے کہ وکیع اس میں مستفرد نہیں بلکہ ان کی متابعت کی ہے انہیں ابن المبارک نے عند النساء اور معاویہ و خالد بن عمر و ابو حذیفہ ان تینوں نے سنن ابو داؤد کی روایت میں۔

النقد الرابع - امام بخاری اور ابو حاتم رازی نے اس حدیث پر یہ اعتراض کیا کہ اس حدیث میں سفیان ثوری کو ہم ہوا اصل حدیث وہ ہے جس کو عبد اللہ بن ادريس نے نقل کیا ہے عامر بن کلب سے، یہ دونوں ابن ادريس اور ثوری عامر کے شاگرد ہیں، سفیان ثوری اس حدیث کو ان سے اور طرح روایت کر رہے ہیں اور عبد اللہ بن ادريس اور طرح، ابن ادريس والی روایت وہی ہے جو ہمارے یہاں باب سابق کے بالس آخر میں گذری جس کے بارے میں ہم نے کہا تھا کہ مصنف اس حدیث کو یہاں سفیان ثوری کی روایت کے مقابل کے لئے لائے ہیں۔ اور اس حدیث میں عدم رفع الیدین کا کوئی ذکر نہیں ہے بلکہ تطہیر فی الركوع مذکور ہے جس کے عبد اللہ بن مسعودؓ قائل تھے،

حفظ راوی کو اس کی کتاب پر ترجیح ہے یا برعکس | اور حدیث ابن ادريس کی وجہ ترجیح امام بخاریؒ نے یہ بیان فرمائی انه عن کتاب والکتاب احفظ، کہ ابن ادريس

والی حدیث کتاب ابن ادريس کی مطابق ہے، اور سفیان ثوری اسے حفظ سے بیان کر رہے ہیں، لہذا مافی الکتاب کو مافی الحفظ پر ترجیح ہوگی، اس کا جواب ہماری طرف سے یہ دیا گیا کہ اول تو یہی صحیح نہیں کہ الکتاب احفظ

بلکہ جمہور اہل اصول کا مسلک یہ ہے کہ حفظ الرجل مقدم علی کتابہ اذا سمع من فخر الشیخ، یعنی اگر کسی راوی کے حفظ اور کتاب میں تخالف ہو تو اس صورت میں مافی الحفظ مقدم ہوگا مافی الکتاب پر بشرطیکہ اس نے اپنے شیخ سے اس کو بالمشافہہ سنا ہو اور حفظ کی بناء کتاب پر نہ ہو، اور اگر مان بھی لیا جائے کہ کتاب کو حفظ پر ترجیح ہوتی ہے، تو اپنی کتاب کو اپنے ہی حفظ پر ترجیح ہوگی نہ کہ کسی دوسرے راوی کے حفظ پر، پھر ابن ادریس کی کتاب کو حفظ ثوری پر ترجیح کیسے دی جا رہی ہے، فیا للعجب! اور پھر یہ بھی دیکھنا چاہیے کہ سفیان ثوری کا مقام کیا ہے! وہ ابن ادریس سے اونچے ہیں، نیز یہ بھی سمجھ میں نہیں آتا کہ آخرا بن ادریس کی روایت کا سفیان ثوری کی روایت سے تعادل کیوں کیا جا رہا ہے جبکہ دونوں کا مضمون ہی مختلف ہے، کیا یہ دونوں مستقل الگ الگ حدیثیں نہیں ہو سکتیں تاکہ ترجیح کا سوال ہی پیدا نہ ہو، اور اگر دونوں حدیثوں کو متحد ہی رکھنا ہے تو پھر سفیان ثوری کی حدیث کو ترجیح ہونی چاہیے ابن ادریس کی حدیث پر، کیا مسئلہ آئین بالجہر میں شعبہ اور سفیان ثوری کے اختلاف میں آپ نے سفیان ثوری کی روایت کو شعبہ کی روایت پر ترجیح نہیں دی ہے؟، حالانکہ شعبہ خود سفیان کے ہم پلہ ہیں وہاں پر تو یہی معنی وغیرہ نے یہ کہا تھا کہ تمام علماء کا اس پر اتفاق ہے کہ جب سفیان اور شعبہ میں اختلاف ہو فالقول قول سفیان، تو جب شعبہ کے مقابلہ میں سفیان کی روایت کو ترجیح دیکھا رہی ہے تو ابن ادریس کے مقابلہ میں تو بطریق اولی ہونی چاہیے۔

اور اس کا ایک جواب وہ ہے جس کو علامہ زبیلی نے اختیار کیا ہے وہ یہ کہ امام بخاری اور ابو حاتم یہ فرما رہے ہیں کہ اس میں سفیان کو وہم ہوا، دوسری جانب ابن القطان کہہ رہے ہیں کہ حدیث تو صحیح ہے لیکن وکیع کو اس میں وہم ہوا، اب اس کی بات مانی جائے ناقدین کے قول میں خود تعارض ہو رہا ہے، جو موجب تسا قط ہے، لہذا اصل حدیث کی طرف رجوع کیا جائے گا، اور وہ صحیح ہے، اور وہ عن الثقات اسلئے کہ اس حدیث کے تمام رواۃ بحسن عام بن کلیب کے صحیحین کے راوی ہیں اور عام احمد الصمیمین یعنی مسلم کے راوی ہیں۔

قصۃ الامام الاوزاعی مع الامام ابی حنیفہ نیز اس حدیث کی ایک سند اور ہے جس سے اس کی مزید تقویت ہوتی ہے اور وہ اس قصہ میں ملتی ہے جو امام اوزاعی کا امام ابو حنیفہ کے ساتھ پیش آیا، قصہ مشہور ہے جس کو علامہ ابن الہمام نے فتح القدیر میں بھی ذکر کیا ہے اور امامی الاحبار میں مولانا لوسف صاحب نے جامع مسانید الامام کے حوالہ سے نقل فرمایا ہے، وہ یہ کہ ایک مرتبہ امام صاحب امام اوزاعی کے ساتھ مکہ مکرمہ میں دارالحنابلین میں جمع ہوئے، امام اوزاعی نے امام صاحب سے سوال کیا کہ آپ لوگ رفع یدین کیوں نہیں کرتے، امام صاحب نے فرمایا، اسلئے کہ یہ حضورؐ سے ثابت نہیں، اس پر امام اوزاعی نے فرمایا، وکیف لم یصح وقد حدثنی الزہری عن سالم عن ابیہ ان رسول اللہ ﷺ، الحدیث، اس پر

امام صاحب نے فرمایا، حدثنا حماد عن ابراهيم عن علقمة والاسود عن عبد الله بن مسعود رضی اللہ تعالیٰ عنہ اس پر امام اوزاعی نے فرمایا احدثک عن الزہری عن سالم عن ابیہ و تقول حدثنی حماد عن ابراهيم عن علقمة عن عبد الله. امام اوزاعی کے نقد کا حاصل یہ ہے کہ میں جس حدیث کو پیش کر رہا ہوں یعنی حدیث ابن عمر اسکی سند عالی ہے، اسکی میرے اور صحابی کے درمیان صرف دو واسطے ہیں اور آپ جو حدیث پیش فرما رہے ہیں اس کی سند سافل ہے اسکی تین واسطے ہیں اس پر امام صاحب نے فرمایا کہ میری سند کے رواد افقہ میں آپ کی سند کے رواد سے چنانچہ حماد افقہ ہیں زہری سے اور ابراہیم غنی افقہ ہیں سالم سے اور علقمہ ابن عمر سے کچھ کم نہیں من حیث الفقہ گو ابن عمر صحبت کے اعتبار سے بڑے ہوئے ہیں، و عبد الله عبد الله، اور عبد الله بن مسعود کا تو کہنا ہی کیا وہ محتاج تفضیل نہیں،

النقد الخامس، علامہ شوکانی وغیرہ بعض متاخرین اہل حدیث کی طرف سے یہ اشکال کیا جاتا ہے کہ اس حدیث کو امام ابو داؤد نے بھی غیر صحیح قرار دیا ہے، چنانچہ بعض نسخوں میں ہے، قال ابو داؤد هذا حديث مختص من حديث طويل وليس هو بصحيح على هذا اللفظ على هذا المعنى، اسکے بارے میں عرض یہ ہے کہ حضرت سہارنپوریؒ بذل میں تحریر فرماتے ہیں کہ یہ عبارت نہ کسی نسخہ ہندیہ مطبوعہ میں ہے اور نہ نسخہ مصریہ میں صرف نسخہ مجتہبائے کے حاشیہ پر درج ہے، لہذا اس عبارت کے مصنف کی طرف سے ہونے میں قوی شک ہے، ظاہر یہ ہے کہ یہ عبارت مدسوس ہے اس میں دسیسہ کاری کی گئی ہے، اور اگر اس کو ثابت بھی مان لیں تو یہ کہا جائے گا کہ مصنف کی غرض صحت اصطلاحیہ کی نفی ہے جو حدیث کے حسن ہونے کے منافی نہیں ہے، حدیث صحیح و حسن دو متقابل قسمیں ہیں، چنانچہ امام ترمذیؒ نے بھی اس کی تحسین کی ہے، حضرت نے تو بذل میں یہی تحریر فرمایا ہے، میں کہتا ہوں کہ امام ابو داؤد کی اس تضعیف کا ذکر مجھے متقدمین جیسے امام بیہقی، حافظ ابن حجر وغیرہ کے کلام میں کہیں نہیں ملا، اگر ان حضرات کے نسخوں میں یہ عبارت ہوتی تو ظاہر ہے کہ وہ بھی اس کو نقل کرتے، حضرت نے جو یہ تحریر فرمایا ہے کہ صحت اصطلاحیہ کی نفی ہے، اس کی بہت سے علماء نے تصریح کی ہے کہ احادیث احکام و سنن میں جب لیس صحیح کہتے ہیں تو اس سے صحت اصطلاحیہ کی نفی ہوتی ہے، البتہ کتب موضوعات میں جب یہ لفظ بولا جاتا ہے تو اس سے بے اصل اور باطل ہونا مراد ہوتا ہے لیکن ہندہ کا خیال یہ ہے کہ امام ابو داؤد کی اس عبارت کا حاصل وہی نقد ہے جو امام بخاریؒ اور ابوحاتم نے کیا، کہ اصل حدیث وہ ہے جس کو ابن ادریس روایت کر رہے ہیں، اور غالباً مصنف نے ابن ادریس کی حدیث کو سفیان ثوری کی روایت سے قبل باب گذشتہ کے اخیر میں اسی لئے ذکر کیا جیسا کہ ہم پہلے بھی کہہ چکے ہیں، لہذا اس صورت میں صحت اصطلاحیہ کی نفی مراد لینا مشکل ہے، اور اس نقد کا مدلل و مفصل جواب نقدۃ میں ہم دے چکے ہیں، لیکن اصل جواب یہی ہے کہ عبارت الحاقی ہے، مصنف کی طرف سے معلوم نہیں ہوتی، اس کا

ایک قرینہ یہ بھی ہے کہ آگے چل کر مصنف اس حدیث کو دوسرے طریق سے ذکر کر رہے ہیں جس میں اس حدیث کو سفیان سے روایت کر نیوالے دیکھ کے علاوہ دوسرے رواۃ ہیں، معاویہ، خالد بن عمرو، ابو حذیفہ، اگر یہ دعویٰ عدم صحت مصنف کی جانب سے ہوتا تو حدیث کو طریق آخر سے لاکر اس کی تقویت کے کیا معنی؟ بس صحیح انشاء اللہ یہ ہے کہ یہ حدیث امام ابو داؤد اور امام ترمذی اور امام نسائی ان تینوں کے نزدیک صحیح اور ثابت ہے، امام نسائی نے اس حدیث پر کوئی کلام نہیں کیا جبکہ ان کی عادت مستقرہ ہے کہ جو حدیث ان کے نزدیک خطا ہوتی ہے اس پر تنبیہ کرتے ہیں النقد السادس۔ امام بیہقی، حاکم صاحب مستدرک سے نقل کرتے ہیں کہ اس حدیث کی سند میں عامر بن کلیب ضعیف ہیں صحیحین میں سے کسی میں ان کی روایت نہیں ہے، علامہ زلیعی نے نصب الراية میں اس کا جواب ابن دقیق العید سے یہ نقل کیا کہ حاکم کی یہ بات درست نہیں، امام مسلم نے ان کی حدیث کی تخریج کی ہے، چنانچہ حضرت علیؓ کی حدیث جو ہدیٰ کے بارے میں ہے اور بھی اسکے علاوہ دوسری روایات کی سند میں عامر بن کلیب ہیں، دوسرے یہ کہاں ضروری ہے کہ ہر ثقہ راوی کی روایت صحیح بخاری یا صحیح مسلم کے اندر موجود ہو، وہ خود اپنی مستدرک میں دیوں ایسے راویوں کی روایت کو لائے ہیں جن کی کوئی بھی روایت صحیحین میں سے کسی ایک میں نہیں، اور اسکے باوجود وہ اس سند کو علی شرط الشیخین قرار دے رہے ہیں۔

بس صحیح مورد محال یہ ہے کہ اس حدیث کی سند کے تمام رواۃ بلاشبہ ثقہ اور صحیحین کے راوی ہیں اور عامر بن کلیب کی روایت کو امام بخاری نے تعلیقات میں لیا ہے۔

امانی الاحبار میں عامر کی توثیق متعدد ائمہ حدیث سے نقل کی ہے اور اخیر میں علی بن مدینی کی یہ رائے کہ عامر اگر کسی روایت میں متفرد ہوں تو حجت نہیں، اور یہاں وہ اس حدیث میں متفرد نہیں ہیں بلکہ ان کی متابعت دارقطنی و بیہقی اور ابن عدی کی روایات میں موجود ہے اور ان متابعات پر جو ان کی جانب سے کلام ہے، ان سب کا جواب امانی الاحبار میں تفصیل سے مذکور ہے، یہاں ان سب کو ذکر کرنے کی گنجائش نہیں ہے، یہ نصف درجن اشکالات اور ان کے جوابات ہم نے پوری احتیاط و تحقیق کیساتھ ذکر کر دیے ہیں، ایک اعتراض اور باقی رہ گیا ہے جو اس قابل تو نہیں ہے کہ اس سے تعرض کیا جائے تاہم کتابوں میں مذکور ہے اس لئے ذکر کئے دیتے ہیں النقد السابع۔ امام بیہقی نے بعض علماء سے نقل کیا ہے لعل ابن مسعود رضی اللہ عنہ دفع الیدین کما نسى نسخ التطبيق وغیرہ، جواب ظاہر ہے کہ جو کام روزمرہ بلکہ ہر وقت کا ہوا اس میں نسیان کیسے ہو سکتا ہے، وہاں تو جو کچھ بھی ہوگا عذاباً ہی ہوگا، حضرت امام بخاریؒ نے تو وہ معروف اثر مجاہد جو ابن عمر کے عدم دفع یدین کے بارے میں مروی ہے اسکا بھی انہوں نے ایک جواب یہی دیا ہے کہ ممکن ہے کہ ابن عمرؓ کا یہ دفع یدین کرنا بھول گئے ہوں گے، دونوں باتیں ایسی ہی ہیں، حضرت ابن عمرؓ کا تو حال یہ تھا کہ حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے

اگر کسی جگہ دوران سفر راستہ میں اتر کر پیشاب کیا ہو اسکو بھی نہ بھولتے تھے پھر ایک سنت کو کیسے بھلا سکتے ہیں، حضرت سہارنپوری نے لکھا ہے کہ نسیان ابن عمر والی بات تو ایسی ہی ہے جیسے کوئی ہماری طرف سے رفع یدین کے سلسلہ میں یہ کہنے لگے کہ آپ کبھی کبھی اڑانے کے لئے ہاتھ اٹھاتے تھے۔

۲۔ حدثنا محمد بن الصباح البزاز نا شريك عن يزيد بن ابی زياد عن عبد الرحمن بن ابی

لیلی عن البراء شر لا یعود۔

یہ اس باب کی دوسری حدیث ہے جسکے راوی براء بن عازب ہیں۔
عدم رفع کی ثانی حدیث حدیث البراء | اس میں صرف ایک جگہ رفع یدین مذکور ہے، ابو داؤد کے علاوہ یہ حدیث طحاوی، دارقطنی، بیہقی، مصنف ابن ابی شیبہ میں موجود ہے، مصنف نے حدیث البراء کو تین طریق سے ذکر کیا ہے، ۱۔ یزید بن ابی زیاد عن عبد الرحمن بن ابی لیلی عن البراء ۲۔ عیسیٰ بن عبد الرحمن بن ابی لیلی عن البراء ۳۔ حکم بن عتیبة عن عبد الرحمن بن ابی لیلی عن البراء۔ طریق اول میں یزید سے روایت کرنے والے متعدد ہیں بعض نے یزید سے ثم لایعود روایت کیا اور بعض نے نہیں کیا، چنانچہ شریک نے یزید سے اس زیادتی کو روایت کیا اور ابن عیینہ نے ان سے یہ زیادتی نقل نہیں کی بلکہ یہ حدیث البراء پر محدثین کا کلام اور اسکا جواب

کہا کہ یزید شروع میں تو ثم لایعود نہیں کہتے تھے پھر جب کوفہ میں جا کر ان کا قیام ہوا اور وہاں اس حدیث کو روایت کیا تو اہل کوفہ کی تلقین پر ثم لایعود کہنے لگے تھے، امام ابو داؤد فرماتے ہیں اسی طرح ہشیم اور خالد اور ابن ادریس نے بھی یزید سے اس زیادتی کو نقل نہیں کیا، خلاصہ یہ کہ یہاں دو اشکال ہیں اول تغرد شریک اور ثانی یہ کہ یزید یزید ہماری طرف سے اول کا یہ جواب دیا گیا ہے، دکانی البذل عن الجوهري النقی، کہ شریک متغرد نہیں ہیں، چنانچہ ابن عدی الکامل میں لکھتے ہیں، رواه هشيم وشريك وجماعة معهما عن يزيد باسنادة وقالوا فيه شر لا یعود، نیز اسماعیل بن زکریا اور ابو اسحق نے متابعت کی ہے شریک کی جیسا کہ بیہقی اور دارقطنی کی روایت میں ہے، اور دوسرے اشکال یعنی تلقین یزید کا جواب حضرت نے بذل میں یہ دیا ہے کہ اس حدیث کو عبد الرحمن بن ابی لیلی سے یزید کے علاوہ دو روایت کنیوالے اور میں خود اسی کتاب (ابو داؤد) میں اول عیسیٰ بن عبد الرحمن بن ابی لیلی اور دوسرے (الحکم بن عتیبة) اور یہ دونوں ثقہ راوی ہیں حکم کے ترجمہ میں تقریب میں ہے، ثقة ثبت فقیہ من الخامسة اور عیسیٰ کے ترجمہ میں لکھا ہے ثقة من السادسة لہذا تلقین یزید کا اشکال بھی صحیح نہیں ایک اعتراض یہ بھی کیا جاتا ہے کہ یزید راوی ضعیف ہے جواب یہ ہے کہ یزید کو ضعیف ہیں لیکن بہر حال متروک نہیں ہیں، ففی التہذیب

قال ابوداؤد لا اعلم احداً ترك حديثه.

البتہ طریق ثانی و ثالث میں محمد بن عبد الرحمن بن ابی لیلیٰ ہیں جن کے بارے میں مشہور ہے کہ وہ سیئ الحفظ ہیں لیکن ان کی صداقت و ثقاہت اور دیانت میں کسی کو کلام نہیں صرف ضبط و حفظ میں نقص ہے۔ ان کے بارے میں حافظ نے تقریب میں لکھا ہے صدوق سیئ الحفظ جداً۔ اور حافظ ذہبی میزان الاعتدال میں لکھتے ہیں صدوق امام، سیئ الحفظ و وثق، اور امام البیہاقم رازی نے ان کے بارے میں بعض ائمہ سے نقل کیا ہے، انه افقہ اهل الدنيا، سنن اربعہ کے راوی ہیں حافظ ذہبی نے ان کی روایت کردہ ایک حدیث ذکر کرنے کے بعد لکھا ہے، حسنہ الترمذی وضعفہ عبد الحق وابن القطان من جهة ابن ابی لیلیٰ شرقال و قول الترمذی اوی، دیکھئے حافظ ذہبی اور ترمذی کے نزدیک ان کی حدیث حسن کا درجہ رکھتی ہے (کذا فی الامانی ص ۱۹) لہذا ہمارے یہ حدیث البراء بھی حسن ہے۔

قوله، عن ابن ابی لیلیٰ عن اخیه عیسیٰ عن الحكم

سند میں ایک غلطی اور اسکی اصلاح | یہاں پر ایک ضروری اور قابل تنبیہ امر یہ ہے جس کو حضرت نے بذل میں تحریر فرمایا ہے کہ ابوداؤد کے موجودہ نسخوں میں اسی طرح ہے عن اخیه عیسیٰ عن الحكم، لیکن یہ غلط ہے صحیح و عن الحكم ہے حرف عطف کیساتھ جیسا کہ طحاوی اور مصنف ابن ابی شیبہ کی روایت میں ہے، اور الجوہر النقی میں جو ابوداؤد کی روایت کا حوالہ دیا ہے اسکا تعاضا بھی یہی ہے کہ یہاں داؤد ہونا چاہیئے، داؤد نہ ہونے سے تو یہ لازم آئے گا کہ عیسیٰ حکم سے روایت کرتے ہیں اور حکم عبد الرحمن بن ابی لیلیٰ سے، حالانکہ ایسا نہیں ہے بلکہ ابن ابی لیلیٰ روایت کرتے ہیں عیسیٰ اور حکم دونوں سے، لہذا عبد الرحمن بن ابی لیلیٰ سے روایت کرنے والے دو شخص ہوئے عیسیٰ اور حکم۔

قال ابوداؤد هذا الحديث ليس بصحيح، مصنف کے دعویٰ عدم صحت کی بنا پر بظاہر سوائے اسکے کچھ نہیں ہے کہ اس کی سند میں ابن ابی لیلیٰ ہیں، اور اس کا جواب ہم اوپر دے چکے ہیں۔ نیز ہم پہلے کہ چکے ہیں کہ احادیث الاحکام اور سنن کی کتابوں میں ليس بصحيح سے صحت اصطلاحیہ کی نفی مراد ہوتی ہے، صحیح اس کو ہم بھی نہیں کہتے ہاں حسن ضرور مانتے ہیں۔

حدیث البراء پر حاکم کا ایک نقد اور اسکا جواب | اس حدیث پر ایک اعتراض یہ کیا جاتا ہے کہ حاکم صاحب مستدرک نے براء کی اس حدیث کا معارضہ کیا ہے ان

کی ایک دوسری حدیث سے جس میں رفع یدین فی الموضع الثلاثہ مذکور ہے، اس کا جواب یہ ہے کہ اس حدیث کو اس طرح صفیان بن عیینہ سے روایت کرے نوالے ابراہیم بن بشار رمادی کے علاوہ کوئی اور نہیں ہے، جیسا کہ

حاکم نے بھی اسکا اعتراض کیا ہے، اور ابراہیم بن بشار راوی ضعیف ہے، قال ابن معین لیس بشیء ولم یکن یکتب عنه، سفیان ذماراً یتنبہ قلماً قط، اسی طرح امام احمد و نسائی نے بھی ان کی تضعیف کی ہے۔

عدم رفع کے سلسلہ کی مزید دوسری روایات | عدم رفع کے سلسلہ میں حضرت نے بذل الجہود میں ان دو حدیثوں کے علاوہ جو اوپر متن میں آئیں اور بھی

متعدد احادیث مرفوعہ و آثار ذکر فرمائے ہیں، اسی طرح علامہ شوق نیوی نے حضرت عمرؓ کا عمل ترک رفع بسند صحیح ثابت کیا ہے جس کو امام طحاوی اور امام ابو بکر بن ابی شیبہ نے روایت کیا ہے اور ابن الترمذی نے الجوہر النقی میں کہا کہ یہ سند علی شرط مسلم ہے حافظ ابن حجرؒ نے بھی درایہ میں لکھا ہے رجالہ ثقات، اور حاکم نے جو اس کا معارضہ کیا ہے طاؤس کی روایت سے جس میں یہ ہے کہ حضرت عمرؓ مواضع ثلاثہ میں رفع یدین کرتے تھے، اسکا جواب علامہ شوق نیوی نے آثار السنن میں بڑی تحقیق کے ساتھ دیا ہے اور یہ ثابت کیا ہے کہ طاؤس کی یہ روایت عمر کے بارے میں نہیں بلکہ ابن عمر کے بارے میں ہے،

۸ اسی طرح علامہ نیوی نے حضرت علیؓ کا عمل عدم رفع طحاوی، بیہقی اور ابو بکر بن ابی شیبہ کی روایت سے نقل کیا ہے، اور کہا ہے کہ اسکی سند صحیح ہے، حافظ ابن حجرؒ درایہ میں لکھتے ہیں رجالہ ثقات، علامہ بیہقی لکھتے ہیں مہو اثر صحیح، اور علامہ عینیؒ نے شرح بخاری میں لکھا ہے صحیح علی شرط مسلم اور دارمی نے جو اس پر اشکال کیا کہ اسکی سند میں ابو بکر بن عبد اللہ النخعی ہیں دھوہمن لا یحتج بہ، اسکا جواب علامہ نیوی نے ابن الترمذی سے یہ نقل کیا ہے کہ ہشلی کی روایت کو امام مسلم اور نسائی وغیرہ ائمہ نے لیا ہے، اور امام احمد بن حنبل اور یحییٰ ابن معین نے ان کی توثیق کی ہے۔

نیز دارمی نے یہ بات بھی کہی کہ ہمیں حضرت علیؓ کیساتھ حسن ظن یہ ہے کہ وہ اپنے فعل کو حضور صلی اللہ علیہ وسلم کے فعل پر ترجیح نہیں دیں گے اسکا جواب ابن دقیق العید مالکی نے یہ دیا ہے کہ ہمیں حضرت علیؓ کیساتھ حسن ظن یہ ہے کہ وہ عدم رفع کا ارتکاب بدو علم بالسنح کے نہیں کریں گے۔

عدم رفع کے بارے میں احادیث قولیہ | ان روایات فعلیہ کے علاوہ حنفیہ کے پاس دو حدیثیں قولی بھی ہیں جبکہ فریق مخالف کے پاس اس سلسلہ کی کوئی قولی حدیث

نہیں ہے۔ اول حدیث ابن عباسؓ جس کو طبرانی نے مرفوعاً روایت کیا ہے عن ابن ابی لیلیٰ عن الحكم عن مقسور عن ابن عباسؓ عن رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم لا ترفع الا یدی الا فی سبع مواضع: ۱۔ ھین یفتح الصلوۃ وھین یدخل المسجد الحرام فینظر الی البیت وھین یقوہ علی المروۃ وھین یقف مع الناس عشیۃ عرفۃ وھین یجمع والمقامین حین یری الجبرۃ، اور امام طحاوی نے اسکو

ابن عباسؓ سے مرفوعاً بالسنہ المذكور اور ابن عمرؓ سے موقوفاً بطریق ابن ابی لیلیٰ عن نافع عن ابن عمرؓ روایت کیا ہے، لیکن طحاوی کی روایت میں بجائے لا ترفع الایدی کے۔ ترفع الایدی ہے

ہماری جانب سے اس حدیث کو استدلال میں صاحب ہدایہ نے بھی پیش کیا ہے۔ اسلئے میرے نزدیک یہ حدیث بہت اہم ہے اس حدیث پر فریق ثانی کی جانب سے کچھ اعتراضات بھی ہیں، یہ اعتراضات و جوابات

حدیث لا ترفع الایدی الانی
سبع مواطن پر بحث

تفصیل طلب ہیں مجملہ ہم اشکالات اور ان کے جوابات کی طرف اشارہ کرتے ہیں۔

پہلا اشکال یہ ہے کہ اس کے ساتھ ابن ابی لیلیٰ متفرد ہیں جو کہ ضعیف ہیں، اسکا جواب یہ ہے کہ ابن ابی لیلیٰ متروک راوی نہیں ہیں بعض اہل رجال نے ان کے بارے میں بہت بلند کلمات کہے ہیں جیسا کہ حدیث البراء پر کلام کے ذیل میں گذر چکا، نیز ان کا متابع بھی موجود ہے درقار نے ان کی متابعت کی ہے عند الطبرانی و درقار عن عطاء بن السائب عن سعید بن جبیر عن ابن عباس، اور یہ و درقار راوی صدوق ہیں امام احمد و یحییٰ بن معین نے ان کی توثیق کی ہے، البتہ ان کی حدیث جو منصور سے ہو، اس میں لین ہے، کما فی التقریب۔

دوسرا اشکال اس پر یہ کیا گیا ہے کہ وکیع اس کو ابن ابی لیلیٰ سے موقوفاً روایت کرتے ہیں، جواب یہ ہے کہ وکیع اس کو ابن ابی لیلیٰ سے مرفوعاً بھی روایت کرتے ہیں، کما رواہ البخاری فی جزء رفع الیدین، لہذا ہو سکتا ہے کہ حدیث دونوں طرح مروی ہو جیسا کہ خود ابن عمرؓ کی روایت کا بھی یہی حال ہے سالم اسکو مرفوعاً روایت کرتے ہیں اور نافع موقوفاً، اور اس حدیث کا تو وقف بھی حکم میں رفع کے ہے اسلئے کہ یہ بات کہ نماز میں رفع یدین اتنی جگہ ہے کوئی راوی اپنے اجتہاد سے نہیں کہہ سکتا یہ چیز غیر مدرک بالرائے ہے۔

ایک اشکال اس میں یہ کیا گیا ہے کہ شعبہ سے منقول ہے کہ حکم نے قسم سے صرف چار حدیثیں سنی ہیں اور یہ حدیث ان چار میں سے نہیں ہے، لہذا حدیث منقطع ہے، جواب یہ ہے کہ شعبہ کے کلام میں حصر استقرائی ہے، شعبہ کبھی یہ کہتے ہیں لم یسمع الحكم عن قسم الا خمسة احادیث، جیسا کہ ترمذی میں ایک جگہ ہے، اور اس کے باوجود بہت سی حدیثیں ہیں جن کو امام ترمذیؒ نے عن الحكم عن قسم روایت کیا ہے اور ان میں سے اکثر میں لفظ سماع اور تحدیث کا لفظ موجود ہے، اور پھر اسکے علاوہ یہ ہے کہ مرسل ثقات مقبول ہے۔

ایک اشکال یہ کیا گیا ہے کہ اس حدیث میں مواضع سبعہ میں انحصار مراد نہیں ہے، اور مراد ہو بھی نہیں سکتا اسلئے کہ مواضع سبعہ کے علاوہ بھی اور بعض مواضع میں رفع یدین ہوتا ہے، جیسے قنوت اور عیدین میں، نیز بعض روایات میں بجائے لا ترفع کے ترفع الایدی وارد ہے بغیر حصر کے، اس کا جواب یہ دیا گیا ہے

کہ اگر اس حدیث کو ہم موقوف مانتے ہیں تب تو ہو سکتا ہے کہ صحابی کو قنوت اور عیدین میں رفع یدین کا علم نہ ہو۔ عام نمازیں جو ہر دن اور بار بار پڑھی جاتی ہیں اسی کے اعتبار سے حصر مراد ہو، اور اگر اس حدیث کو مرفوع مانتے ہیں تو یہ کہا جائے گا کہ جو بعض مواضع اس حدیث میں بیان سے رہ گئے ان کا ثبوت دوسرے دلائل مستقلہ سے ہوگا۔

ایک اشکال یہ کیا گیا ہے کہ ابن عباسؓ کا عمل اسکے خلاف منقول ہے کہ وہ رفع یدین کرتے تھے، اور راوی کا عمل اپنی مردی کے خلاف مضر ہے۔ جواب یہ ہے کہ مضر جب ہے جب یہ معلوم ہو کہ وہ عمل اسکا بعد الروایت ہے، اور اگر اس کا وہ عمل قبل الروایت ہو یا تقدم و تاخر کا علم نہ ہو تب مضر نہیں، اور یہاں پر ایسا ہی ہے، اور دوسری قولی حدیث مسلم والبوداؤد کی وہ

مالی اراکم رافعی ایدیکم الحدیث پر بحث | روایت مرفوعہ ہے جس کو وہ جابر بن سمرہ سے

روایت کرتے ہیں۔ عن ترمیم الطائی عن جابر بن سمرة قال دخل علينا رسول الله صلى الله عليه وسلم والناس رافعوا ايديهم في الصلوة فقال مالي اراکم رافعی ایدیکم کانها اذ ناب خیل شمسیں اسکنوا فی الصلوة۔ اس حدیث میں بار بار رفع یدین سے صراحت منع کیا گیا ہے، اور یہ کہ نماز میں سکون کی حالت اختیار کرو۔ اس استدلال پر امام بخاری وغیرہ محدثین کی طرف سے یہ اشکال ہے کہ یہ حدیث رفع عند السلام کے سلسلہ میں ہے صحابہ کرام سلام کے وقت ہاتھ سے اشارہ کرتے تھے آپ اس کو منع فرما رہے ہیں رفع یدین عند الركوع سے اس کا تعلق نہیں، ہماری طرف سے اس کا جواب دیا گیا کہ اس سلسلہ میں دو حدیثیں مختلف الفاظ و سیاق سے مروی ہیں۔ ایک وہ ہے جس کو آپ فرما رہے ہیں اس کے راوی عبید اللہ بن القبطیہ ہیں اس کے الفاظ یہ ہیں عن جابر بن سمرة قال کنا اذا صلينا خلف رسول الله صلى الله عليه وسلم فلم احدا اشار بيده من عن يمينه ومن عن يساره فلما صلى قال ما بال احدكم يوجئ بيده، کانها اذ ناب خیل شمسیں، اس حدیث کا تعلق بیشک رفع عند السلام سے ہے اور پہلی حدیث اس سے بالکل مختلف ہے، اس میں سلام کا کوئی ذکر نہیں ہے بلکہ یہ ہے کہ لوگ نماز میں رفع یدین کرتے تھے جس پر آپ نے فرمایا اسکنوا فی الصلوة، ظاہر ہے کہ یہ رفع یدین درمیان صلوٰۃ کا ہے اسی لئے آپ نے اسکنوا فی الصلوة فرمایا، اور دوسری روایت کا تعلق چونکہ سلام سے ہے اسی لئے آپ نے وہاں اسکنوا فی الصلوة نہیں فرمایا کیونکہ سلام کی حالت نماز سے باہر آنے کی ہے عین نماز کی حالت نہیں ہے۔

یہ بات قابل غور ہے کہ بار بار نماز کے درمیان کھڑے ہوتے اور جھکتے ہوئے رفع یدین کرنا یہ تو

خیل شمس کے فعل کے مشابہ نہ ہو، اور سلام کے وقت میں بیٹھے بیٹھے صرف ہاتھ کا اشارہ وہ خیل شمس کے فعل کے مشابہ ہو جائے حالانکہ خیل تو ہمیشہ کھڑے کھڑے ہی دم ہلاتا ہے، بلکہ مشہور تو یہ ہے کہ گھوڑا بیٹھتا ہی نہیں، دوسری بات یہ ہے کہ قاعدہ یہ ہے العبۃ لعموم النقط لا بخصوص السبب، پس اگر مان لیا جائے کہ اس حدیث کا تعلق رفع عند السلام سے ہے تب بھی سکون کا حکم تو عام ہے اور اس پر یہ نہ کہا جائے پھر تو رفع یدین عند التحریمہ بھی نہ ہونا چاہئے اور یہ اس لئے کہ صرف ایک مرتبہ کی حرکت پر تشبیہ مذکور صادق نہیں آتی مطلق حرکت سے منع مقصود نہیں صرف ایک بار رفع یدین جو کہ فعل تقییمی ہے اس کے نظائر موجود ہیں عند رویۃ البیت وغیرہ وہاں بھی بار بار رفع یدین نہیں ہوتا، رہا مسئلہ صلوۃ العید کا سو وہ حکم و مصالح پر مبنی ہے اور نہ وہاں اختلافات روایات ہے۔

ختم مسک اخیر میں بطور خیر ختام کے ہم دور روایتیں اور ذکر کرتے ہیں جن کی تخریج امام بیہقی نے خلائیات میں کی ہے اور علامہ زیلیعی نے ان کو نصب الرایہ میں اسی حوالہ سے نقل فرمایا ہے۔

۱۔ جس کے لفظ یہ ہیں پوری سند نصب الرایہ میں موجود ہے۔ عن عباد بن الزبیر ان رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کان اذا افتتح الصلوۃ رفع یدیدہ فی اول الصلوۃ ثم لم یرفعہا فی شیء حتی یمنع، ابن دقیق العید فرماتے ہیں وعباد ہذا تابعی فہو مرسل، علامہ عینی فرماتے ہیں مرسل الثقات مقبول محتج بہ ۲۔ عن عبد اللہ بن عون الجوزان عن مالک عن الزہری عن سالم عن ابن عمر ان النبی صلی اللہ علیہ وسلم کان یرفع یدیدہ اذا افتتح الصلوۃ ثم لا یعود۔

اللہ تعالیٰ حضرت امام بیہقی کو جزا خیر عطا فرمائے، واقعی یہ حضرات جہاں تک نقل روایت کا تعلق ہے اس میں ان حضرات نے دیانت کا حق ادا کر دیا ہے اب آگے جو اس پر وہ نقد کر رہے ہیں اور جو کچھ بھی کر رہے ہیں وہ الگ بات ہے، وہ دوسری لائن کی چیز ہے جس میں عام طور سے لوگ مجبور ہوتے ہیں یعنی نصرت مذہب اس میں ضروری نہیں کہ وہ حد اعتدال و انصاف سے خارج ہوں چنانچہ وہ اس حدیث کے بارے میں کہہ گزرے، قال الحاکم هذا باطل موضوع ولا یجوز ان یشکر الّا علی سبیل القدح، اور پھر آگے فرماتے ہیں کہ ہم کو امام مالک سے جو روایات اور جو مضمون بالاسانید الصحیحہ پہنچا ہے وہ اس کے خلاف ہے، اور اگر یہ روایت امام مالک سے مروی ہوتی تو دارقطنی اس کو ضرور غرائب مالک میں ذکر کرتے، اس پر علامہ عینی طحاوی کی شرح منتخب الافکار میں فرماتے ہیں، وهذا مجرد دعوی عن الحاکم لانه لم یبین وجہ البطلان ما ہو، ولا یلزم من عدم ذکر الدارقطنی هذا فی غرائب حدیث مالک ان یکون هذا باطلاً۔

میں کہتا ہوں کہ حضرت امام طحاوی نے حضرت ابن عمرؓ کا جو عمل عدم رفع یدین مجاہد سے نقل کیا ہے، ابن عمرؓ

یہ حدیث مرفوع اس عمل کا منشا ہو سکتی ہے اور اس اثر مجاہد کا انکار کوئی آسان کام نہیں ہے کما تقدم فی محلہ نیز امام مالک سے جو مشہور ہے کہ وہ رفع یدین کے قائل نہیں اس کا منشا بھی یہ روایت ہو سکتی ہے، وقد تقدم فی بیان المذاہب ما قال مالک فی المدونة الكبرى رفع الیدین فی غیر التخریمہ ضعیف واللہ تعالیٰ اعلم بالصواب، وهذا آخر ما ردت ایرادہ فی ہذا المبحث.

باب وضع الیمنی علی الیسری فی الصلوة

مصنف نماز کی پوری کیفیت من اولہ الی آخرہ بالترتیب بیان کر رہے ہیں، ابتداء صلوة میں رفع یدین اور تکبیر تحریمہ کا بیان تو ہو گیا اب یہاں سے یہ بتلا رہے ہیں کہ رفع یدین کرنے کے بعد ان ہاتھوں کا کیا کرنا ہے ویسے ہی چھوڑ دیئے جائیں گے۔ یا ان کو باندھا جائے گا۔

یہاں پر تین بحثیں ہیں اول یہ کہ نماز میں حالت القیام میں وضع الیدین ہو گیا مسائل الباب ارسال، اور دوسری بحث یہ ہے کہ اگر وضع ہو گا تو محل وضع کیا ہے، اور تیسری بحث یہ ہے کہ حکمت وضع کیا ہے۔

المبحث الاول :- جمہور صحابہ و تابعین اور ائمہ ثلاثہ رحمہم اللہ تعالیٰ حالت قیام میں وضع الیمنی علی الیسری کی سنیت کے قائل ہیں اور امام مالک سے اس میں تین روایتیں ہیں، الاولی وضع الیدین کا مستحسن ہونا فی الفرض والنقل رواہ ابن الماجہ عن الثانیہ انہ لا بأس فی الوضع مطلقاً فی الفرض والنقل رواہ اشہب عن مالک، اور تیسری روایت کراہۃ الوضع فی الفرض دون النقل رواہ ابن القاسم عن مالک، ابن عبد البر فرماتے ہیں بلیس فیہ عن النبی صلی اللہ علیہ وسلم خلاف وهو الذی ذکرہ مالک فی الموطا۔ یعنی اس سلسلہ میں روایات حدیثیہ میں کوئی اختلاف نہیں، یعنی اس کے مسنون ہونے میں اور اسی کو ذکر کیا ہے امام مالک نے موطائیں، اور حسن بصری و ابراہیم نخعی و لیث بن سعد سے ارسال منقول ہے اور امام اوزاعی سے التخییر فی الوضع والارسال، اور فرقہ ہادیہ کے نزدیک وضع غیر مشروع بلکہ مفسد صلوة ہے لکن عملاً کثیراً۔

المبحث الثانی :- محل الوضع۔ فعند الحنفیہ تحت السرة وعند الشافعیہ فوق السرة وتحت الصدر، وعن الحنابلہ روایتان وعن المالکیۃ اما لارسال واما مثل الشافعیہ یعنی فوق السرة۔

المبحث الثالث قالوا هو حیثۃ السائل الذلیل یعنی سائلانہ اور فقیرانہ ہیئت ہے، نیز منع عن العبث واعتدب الی الغشوع ہے، اور اسی کی طرف اشارہ کیا ہے امام بخاری نے اس لئے کہ انھوں نے اس کے بعد متصلاً صحیح بخاری میں باب الخشوع فی الصلوة قائم کیا ہے۔

وضع تحت السرة او الصدر میں دلائل فریقین

مسئلہ ثانیہ یعنی محل وضع مشہور اختلافی مسئلہ ہے اس سلسلہ میں ہم مختصراً فریقین کے دلائل ذکر کرتے

ہیں۔ اس مسئلہ میں شافعیہ نے دلائل بن حجر کی حدیث سے استدلال کیا ہے جس میں شہم وضعہا علی صدرہ کا لفظ وارد ہے، یہ روایت صحیح ابن خزیمہ کی ہے، حافظ ابن حجر نے بلوغ المرام میں اور امام نووی نے خلاصہ میں اور علامہ شوکانی اہل حدیث نے نیل الاوطار میں اور ابن دقین العید نے الآمام میں اسی حدیث سے استدلال کیا ہے لیکن اس کی سند میں مؤثر بن اسماعیل ہیں جو مکمل ضعیف ہیں اور وہی لفظ علی صدرہ کے ساتھ مفرد ہیں، بخزان کے کسی اور نے اس کو نقل نہیں کیا جیسا کہ اعتراف کیا ہے اس کا حافظ ابن القیم نے اعلام الموقعین میں، امام بخاری ان کے بارے میں فرماتے ہیں منکر الحدیث، اور ابن سعد کہتے ہیں ثقہ کثیر الغلط، دارقطنی کہتے ہیں ثقہ کثیر الخطأ، حافظ تقریب میں لکھتے ہیں صدوق سیئ الحفظ، منقول ہے کہ انھوں نے اپنی کتابوں کو ردیف کر دیا تھا اپنے حفظ سے بیان کرتے تھے اسی لئے ان سے خطا کا صدور بہت ہوا۔

اصل استدلال ان حضرات کا اسی حدیث سے ہے جس کا حال آپ کو معلوم ہو چکا، ان حضرات کے پاس ایک اور حدیث مرفوعہ ہے جس کے راوی والد قبیسہ ہلب طائی ہیں، یہ حدیث مسند احمد میں ہے، بهذا السند۔ یحییٰ بن سعید عن سفیان عن سماک عن قبیسہ بن ہلب عن ابیہ، اس روایت میں بھی علی صدرہ کا لفظ موجود ہے، علامہ شوق نیوی فرماتے ہیں کہ یہ زیادتی محفوظ نہیں ہے یحییٰ بن سعید اس کے ساتھ مفرد ہیں ان کے علاوہ سفیان کے تلامذہ میں سے کسی نے اس زیادتی کو نقل نہیں کیا، چنانچہ عبدالرحمن بن جہدی اور وکیع اس کو سفیان سے روایت کرتے ہیں بدون اس زیادتی کے، اسی طرح امام ترمذی اور ابن ماجہ نے اس حدیث کو بطریق البوالا حوص عن سماک روایت کیا اس میں بھی علی صدرہ کا لفظ نہیں ہے، نیز امام احمد نے اس کو بطریق شریک عن سماک روایت کیا اس میں بھی علی صدرہ کا لفظ نہیں ہے، نیز سماک راوی ضعیف ہیں، صاحب تحفۃ الاحوذی (مشہور اہل حدیث عالم) پر تعجب ہے کہ انھوں نے اپنے مستدلات میں اس حدیث کو پیش کر کے اس حدیث کے ہر راوی کی ثقاہت و عدالت کتب رجال سے ثابت کر کے اپنی شرح کا چوتھا صفحہ سیاہ کیا اور اس تمام اختلاف واضطراب سے جو اوپر بیان ہوا اس کا کوئی معقول جواب نہیں دیا۔

یہ حضرات اس سلسلہ میں مرسل طاؤس کو بھی پیش کرتے ہیں جو ابوداؤد کے بعض نسخوں میں ہے جس میں علی صدرہ کا لفظ موجود ہے لیکن وہ مرسل ہونے کے علاوہ ضعیف ہے اس کی سند میں البیہتم بن حمید ہیں جو ضعیف ہیں نیز سلیمان بن موسیٰ وہ بھی متکلم فیہ ہیں۔

حنفیہ کے دلائل

اور حنفیہ کی جانب سے سب سے اہم جو حدیث مرفوع پیش کی جاتی ہے وہ وائل بن حجر ہی کی حدیث ہے جس کو ابن ابی شیبہ نے بسندہ روایت کیا۔ رأیت النبی صلی اللہ

علیہ وسلم یضع یمینہ علی شمالہ فی الصلوۃ تحت السورۃ، اس پر یہ اشکال کیا جاتا ہے کہ مصنف ابن ابی شیبہ کے صحیح نسخوں میں تحت السورہ کی زیادتی موجود نہیں اور صحیح صورت حال یہ ہے کہ مصنف ابن ابی شیبہ میں اس حدیث وائل کے بعد اثر غنی مذکور ہے جس کے آخر میں فی الصلوۃ تحت السورہ کا لفظ ہے، تو ایسا معلوم ہوتا ہے کہ کاتب کی نظر چوک گئی، اس نے اثر غنی کے لفظ تحت السورہ کو اس کے برابر میں جو حدیث وائل مذکور تھی اس میں اس لفظ کو درج کر دیا، اس کے علاوہ اور بھی اس کے قرائن پیش کرتے ہیں، مثلاً یہ کہ یہ حدیث اسی سند سے مسند احمد میں بھی ہے، وہاں پر بھی یہ لفظ مذکور نہیں، ہماری جانب سے علامہ شوق نیوی نے آثار السنن میں بعض علماء سے نقل کیا ہے کہ انھوں نے خود بعض صحیح نسخوں میں اس زیادتی کو اپنی آنکھ سے دیکھا ہے، نیز قاسم ابن قطلوبغا نے بھی اس حدیث کا اس زیادتی کیساتھ حوالہ دیا ہے، ویسے اس حدیث کی سند کی صحت کو فریق مخالف بھی تسلیم کرتا ہے، بخلاف علی الصدر والی روایت کے کہ اس پر سخت ترین کلام ہے، اس کے علاوہ اور بعض آثار صحیح ہیں اش۔ ابراہیم النخعی، مصنف ابن ابی شیبہ میں بسند حسن، اور ایسے ہی اشاری مجاز بسند صحیح جس کو ابن ابی شیبہ نے موصولاً اور امام ابو داؤد نے تعلیقاً ذکر کیا ہے، اور ایسے ہی حدیث علی جو ابو داؤد کے بعض نسخوں میں ہے۔ من السنۃ وضع الکف علی الکف فی الصلوۃ تحت السورۃ وسندہ ضعیف۔

صحیح بات یہ ہے کہ اس سلسلہ میں ہر دو فریق کے دلائل پر کلام ہے کسی ایک کے پاس کوئی حدیث مرفوع صحیح جس کو واجب العمل کہا جاسکے موجود نہیں کما قال ابن الہمام، البتہ فقہاء کرام کا ترجیح میں اختلاف ہو رہا ہے، حنفیہ تحت السورہ اور شافعیہ تحت الصدر کو ترجیح دیتے ہیں، ہماری طرف سے کہا گیا ہے کہ نماز مظہر تعظیم ہے اور قیام تعظیمی میں معبود وضع تحت السورہ ہے، ہاں اظہار عشق کی صورت میں وضع علی الصدر ہی ہوتا ہے قال المنتجبی حاولن تفندی وحقن مراقبہ۔ فوضعن یدہن فوق ترائب، حضرت مولانا اعزاز علی صاحب مرحوم کے درس میں وضع علی الصدر کی تائید میں کسی طالب علم نے اس شعر کو پیش کیا اس پر مولانا موصوف نے برجستہ فرمایا کہ نبی کے مقابلہ میں متنبی کا قول پیش کرتے ہو؟ لاحول ولا قوۃ الا بالشر

باب ما یستفتح بہ الصلوۃ من الدعاء

دعاء استفتاح میں اختلاف ائمہ | تبکیر تحریمہ کے بعد قرأت سے پہلے درمیان میں کوئی دعا ہے یا نہیں اس سلسلہ مختلف فیہ ہے جمہور علماء ائمہ ثلاث دعاء استفتاح

کے قائل ہیں اور امام مالک مشہور قول میں اس کے قائل نہیں، شروح بخاری، فتح الباری، عینی وغیرہ میں یہی لکھا ہے، اور صاحب منہل نے ایک روایت امام مالک سے استحباب کی بھی نقل کی ہے بحوالہ علامہ زرقانی فی شرحہ علی مختصر الخلیل، دوسرا اختلاف یہ ہے کہ کون سی دعا راوی اور مختار ہے، اس لئے کہ کتب حدیث میں اس سلسلہ کی مختلف دعائیں منقول ہیں، مصنف نے بھی اس باب میں متعدد ادعیہ ذکر کی ہیں جن میں سے بعض کا محل متعین ہے یعنی تکبیر تحریمہ کے بعد، اور بعض روایات مصنف نے ایسی ذکر فرمائی ہیں جن میں محل دعا کی تعیین مراۃ روایت میں نہیں ہے جیسے جیسر بن مطعم کی حدیث جس میں تکبیرات مذکور ہیں، اللہ اکبر کبیراً (تین مرتبہ) الحمد للہ کثیراً (تین مرتبہ) سبحان اللہ بکرۃ و امیلاً الی آخرہ، اس روایت میں راوی نے دعا کا محل ذکر نہیں کیا۔ اس باب میں سب سے پہلے مصنف نے جو روایت ذکر کی ہے وہ دعا التوجہ ہے جس کو دعا التوجہ بھی کہتے ہیں وَجَّهْتُ وَجْهِيَ لِلَّذِي فَطَرَ السَّمَوَاتِ وَالْأَرْضَ حَنِيفًا وَمَا أَنَا مِنَ الْمُشْرِكِ الی آخرہ، اس باب کے بعد مصنف نے ایک دوسرا باب قائم کیا جس میں سبحانک اللہم و بحمدک الی آخرہ کو ذکر کیا، گویا خاص اسی دعا کے لئے مستقل ترجمہ قائم کیا، اس دعا کو بعض شراح نے دعا تسبیح سے تعبیر کیا ہے، ان دو کے علاوہ ایک اور دعا استفتاح وہ ہے جو بخاری و مسلم کی متفق علیہ روایت ہے،

اللَّهُمَّ بَاعِدْ بَيْنِي وَبَيْنَ خَطَايَايَ كَمَا بَاعَدْتَ بَيْنَ الْمَشْرِقِ وَالْمَغْرِبِ اللَّهُمَّ نَعْتِنِ مِنَ الْخَطَايَا كَمَا يَنْتَعِي الشُّوبُ الْأَبْيَضُ مِنَ الدَّنَسِ اللَّهُمَّ اغْسِلْنِي بِالطَّلُحِ وَالْمَاءِ وَالْبَرْدِ، یہ حدیث ہمارے یہاں البوداؤد میں باب السکتۃ عند الافتتاح میں بھی آ رہی ہے

ان ادعیہ میں سے حنفیہ اور حنابلہ کے نزدیک مختار واولیٰ سبحانک اللہم الخ ہے، حافظ ابن القیم زاد المعاد میں لکھتے ہیں، اختصاراً احمد لعشرۃ وجوہ کہ امام احمد نے اس دعا کو دس وجوہ تزییح کی بنا پر اختیار فرمایا ہے، اور امام شافعی کے نزدیک مختار واولیٰ دعا التوجہ ہے جیسا کہ متن ابی شجاع وغیرہ کتب شافعیہ میں مذکور ہے، امام شافعی نے کتاب الام میں بھی اسی کو ذکر فرمایا ہے، ہذل میں لکھا ہے کہ

لہ بلکہ اقبال ہے کہ افتتاح صلوٰۃ کے بعد قبل القراءت پڑھنا مراد ہو یا قبل التقریر یا درمیان صلوٰۃ قومہ کی حالت میں۔
 تھ یہ حدیث ابو ہریرہ سے مروی ہے حافظ ابن حجر کہتے ہیں، حدیث ابی ہریرہ اصح ماورد فی ذلک، لیکن ہذل المجمود میں لکھا ہے، ابو جودیکہ یہ روایت متفق علیہ ہے خصوصیت سے کسی امام نے اس کو اختیار نہیں کیا۔

مرزئی نے امام شافعی سے اسی کو نقل کیا ہے، اور دوسری روایت امام شافعی سے یہ ہے، ان المصلی
یأتی بالاذکار کلها فی العریضۃ والمنافلۃ، اس دعا ر توجہ کے حنفیہ میں سے امام ابو یوسف بھی قائل
ہیں کہ سبحانک الہم کیسا تمہ اس کو بھی شامل کر لے، اور یہی ایک روایت امام شافعی کی ہے، چنانچہ فتح الباری
میں ہے، ونقل الساجی عن الشافعی استحب الجمع بین التوجیہ والتسبیح

۱۔ حدثنا عبید اللہ بن معاذ الخ قولہ وانا اول المسلمین، بعض روایات میں بولتے
اس کے وانا من المسلمین بھی آتا ہے آپ اس طرح پڑھتے تھے اور کبھی اس طرح، آپ کے حق میں تو کوئی
اشکال نہیں آپ پر تو یہ دونوں باتیں صادق آتی ہیں لیکن آپ کے علاوہ دوسروں کو کیا کہنا چاہئے؟
جمہور یہ کہتے ہیں کہ دوسروں کو وانا من المسلمین کہنا چاہئے، ہمارے بعض مشایخ کے نزدیک اول المسلمین کہنے
سے نماز فاسد ہو جاتی ہے لیکن صحیح یہ ہے کہ فاسد نہیں ہوتی، لیکن اس صورت میں ضروری یہ ہے کہ مقصود تلاوت یا حکایت ہو یا خیر
نفسہ مقصود نہ ہو ورنہ نماز یقیناً فاسد ہو جائیگی، اور بعض علماء کہتے ہیں کہ وانا اول المسلمین کہنے سے نماز
فاسد نہیں ہوگی اس لئے کہ اس کا مطلب یہ نہیں کہ میں سب سے پہلا مسلمان ہوں، بلکہ یہ عبارت کنایہ
ہے مہادرت اور مسارعہ سے یعنی میں بعجلت بشوق و رغبت اسلام میں داخل ہونے والا ہوں جیسا کہ اس
آیت کریمہ میں ہے، قل ان کان للرحمن ولد فانا اول العابدین۔

ایک اشکال وجواب | قولہ، والشریس الیک، اس پر بڑا اشکال ہے اس لئے کہ تمام
اہل سنت کا عقیدہ یہ ہے کہ خیر و شر سب اللہ کی طرف سے ہے، اور یہ
بات کہ خیر اللہ کی طرف سے اور شر غیر اللہ کی طرف سے ہے اہل اعتزال کا مسلک ہے، اس کی مختلف توجہات
کی گئی ہیں مگر مراد یہ ہے الشریس شرّاً بالنسبۃ الیک، کہ اللہ تعالیٰ کے اعتبار سے کوئی شر نہیں
یہ خیر و شر کی تقسیم مخلوق کے اعتبار سے ہے خالق کے اعتبار سے نہیں، خالق کے اعتبار سے تو جس طرح
تخلیق خیر میں مصلحت ہے اسی طرح تخلیق شر میں بھی ہے دونوں چیزیں حکمت سے خالی نہیں، مگر الشر
لیس مہا یتقرب بہ الیک، یعنی اسے خدا شر کے ذریعہ تیرا قرب حاصل نہیں کیا جاسکتا، مگر مراد یہ ہے
الشر البعض لیس ینبغی ان ینسب الیک، یعنی اللہ تعالیٰ کی طرف خالص شر کی نسبت کرنا جیسے کوئی کہنے لگے
یا خالق الخیر یا خالق الشر یہ مناسب نہیں خلاف ادب ہے بلکہ خیر و شر سب کو مجموعی طور پر اس کی طرف
منسوب کیا جائے، مثلاً خالق الخیر والشر۔

۲۔ حدثنا القعنبی الخ قال قال مالک لا یأس بالدعاء فی الصلوۃ فی اولہ ووسطہ وفی آخرہ
فی العریضۃ وغیرہا،

دعا فی الصلوٰۃ میں امام مالک کا مسئلہ

امام مالک کے نزدیک نماز کی ہر حالت میں اور اس کے ہر رکن میں خواہ وہ نماز فرض ہو یا نفل دعا مانگنے کی اجازت ہے سوار تعلق بحوائج الدنیا والآخرہ ولو بالتفہین امام مالک کا یہ مذہب مروجہ میں بھی مذکور ہے، لیکن اس میں رکوع کا استثناء کیا ہے کہ رکوع کے علاوہ باقی سب جگہ دعا مانگ سکتے ہیں، ان کے نزدیک کسی کا نام لے کر بھی نماز کے اندر دعا مانگنا جائز ہے، منہل میں ان کے مذہب کی بڑی تفصیل لکھی ہے، میں کہتا ہوں کہ رکوع کا استثناء انھوں نے غالباً اس حدیث کی بنا پر فرمایا ہے جو آگے ہمارے یہاں بھی آئیگی جس میں یہ ہے اما الركوع فعضلوا فيه الرب واما السجود فقمين ان يستجاب لكم اس سے معلوم ہو رہا ہے کہ رکوع محل دعا نہیں ہے بخلاف سجود کے، واللہ تعالیٰ اعلم، یہ قول ہوا امام مالک کا اور آگے اسی کتاب میں چند اوراق بعد باب الدعاء فی الصلوٰۃ کے اخیر میں یہ آ رہا ہے، قال احمد يعجبني في الصلوة ان يدعوا بما في القرآن، یعنی فرض نماز میں وہی دعائیں مانگنی چاہئیں جو ماثور ہیں اس میں مزید اختلاف و بیان مذاہب باب الشہادۃ ثم ليتخير احدكم من الدعاء اعجبه اليه کے ذیل میں آئیگی

۳۔ حدثنا القصبی، قوله لقد رايت بضعة وثلاثين ملكا يستدرونها، جس شخص نے آپ کے پیچھے نماز میں رکوع سے اٹھنے کے بعد کلمات مذکورہ فی الحدیث پڑھے تھے ان کے بارے میں آپ فرما رہے ہیں کہ میں نے اس وقت تیس سے کچھ زائد فرشتوں کو دیکھا کہ وہ ان کلمات کی طرف ان کے لکھنے کے لئے دوڑ رہے تھے، بضعة وثلاثین سے بظاہر تینتیس ملائکہ مراد ہیں جس کی مصلحت یہ ہو سکتی ہے کہ ان کلمات کے اعداد حروف بھی اتنے ہی ہیں، اس سے پہلے ایک روایت میں بجائے تینتیس کے اثنی عشر ملکا آیا ہے، اور اس کی حکمت علامہ عینی نے یہ بیان کی ہے کہ کلمات مذکورہ فی الحدیث چھ ہیں تو گویا ہر کلمہ کو لینے کے لئے دو فرشتہ دوڑے، لیکن ان دونوں حدیثوں میں عدد کے اعتبار سے تعارض ہے، حضرت شیخ رحمہ اللہ حاشیہ بذل میں لکھتے ہیں کہ حافظ ابن حجر اور علامہ عینی دونوں اگرچہ اتحاد واقعہ کے قائل ہیں لیکن انھوں نے اس اختلاف عدد کی کوئی توجیہ نہیں فرمائی، البتہ صاحب فیض الباری نے اس کے جواب میں تعدد واقعہ کو اختیار کیا ہے، اور احقر کی سمجھ میں یہ آتا ہے کہ اگر یہ دو واقعہ الگ الگ ہیں تب تو کوئی اشکال ہی نہیں اور اگر ایک ہی واقعہ ہے تو یہ کہا جائے گا کہ احدى الروایتین وہم ہے یہ معلوم نہیں کونسی، واللہ اعلم، اس لئے کہ سند کے اعتبار سے دونوں ہی حدیثیں صحیح ہیں۔

۴۔ حدثنا قتيبة بن سعيد قوله، فقلت الحمد لله حمدا أكثيرا طيبا مباركا فيه مباركاً عليه۔ اس حدیث کے راوی رفاعہ بن رافع ہیں وہ اپنے آپ کو غائب سے تعبیر کر رہے ہیں۔

مبارکاً فیہ و مبارکاً علیہ دونوں کے مفہوم میں فرق یہ لکھا ہے کہ اول سے مراد زیادتی ہے اور ثانی سے مراد بقا ہے یعنی ایسی حمد جس میں زیادتی ہو رہی ہو اور ہمیشہ و باقی رہنے والی ہو۔

اس حدیث میں یہ ہے کہ ان صحابی کو نماز میں چھنیک آئی جس پر نماز کی حالت میں حمد عا طس | انھوں نے اپنی زبان سے حمد ادا کی، سوال یہ ہے کہ مسئلہ کیا ہے، عا طس

کو نماز میں الحمد للہ کہنا چاہئے یا نہیں، سواحناف کا ایک قول یہ ہے کہ الحمد للہ کہنے سے نماز فاسد ہو جائے گی، لیکن قول اصح عدم فساد ہے پھر کہا گیا ہے اس کے لئے مناسب یہ ہے کہ خاموش رہے، اور کہا گیا ہے کہ دل میں حمد کرے قیل یسکت وقیل یجوز فی نفسه، اور امام ترمذی نے اس حدیث پر یہ لکھا ہے کہ اکثر علماء کے نزدیک یہ حدیث تطوع پر محمول ہے اس لئے کہ ان کے نزدیک فرض نماز میں حمد فی نفسه سے زائد کی گنجائش نہیں ہے، یعنی زبان سے ادا کرنے کی اجازت نہیں ہے لیکن اگے روایت میں آرہا ہے کہ آپ نے فرمایا، من العائد الکلمۃ فنانہ لم یقتل بائساً، اس سے تو بظاہر معلوم ہو رہا ہے کہ فرض میں بھی کوئی حرج نہیں صاحب منہل کی بھی رائے یہی ہے، اور انھوں نے حافظ کے حوالہ سے یہ نقل کیا ہے کہ ایک روایت میں تصریح ہے اس بات کی کہ یہ مغرب کی نماز کا واقعہ ہے، لیکن حنفیہ اور جمہور کا مذہب وہی ہے جو امام ترمذی فرما رہے ہیں، لہذا لم یقتل بائساً محتاج تأویل ہے، مثلاً یہ کہ معصیت کی نفی ہے یا یہ کہ عدم علم کی وجہ سے ان کو معذور سمجھا گیا۔

باب من رای الاستفتاح بسبحانک

تخریج حدیث اور اس پر کلام | اس باب میں مصنف نے اس دعا کو جس کو بعض علماء نے دعا تشریح کے نام سے موسوم کیا ہے، ابو سعید خدریؓ اور حضرت عائشہؓ کی

روایت سے مرفوعاً نقل کیا ہے، ان دو میں سے پہلی حدیث تو سنن اربعہ میں موجود ہے، اور حدیث عائشہؓ سنن ثلاثہ کی روایت ہے، امام نسائی نے اس کی تخریج نہیں کی البتہ حاکم نے اس کو مرفوعاً روایت کیا ہے، وقال صحیح الاسناد، امام ترمذیؓ نے دعا استفتاح میں صرف یہی ایک دعا ذکر فرمائی ہے ابو سعید خدریؓ اور عائشہؓ دونوں کی روایت سے، ان دونوں روایتوں کے الفاظ میں جو فرق ہے اس کو بھی انھوں نے بیان کیا، وہ فرق یہ ہے کہ ابو سعید خدریؓ کی روایت میں وَلَا إِلَهَ غَيْرُهُ کے بعد اور بھی زیادتی ہے جیسے کہ سنن ابوداؤد میں بھی ہے اور وہ زیادتی ہے شَمَّ يَقُولُ اللَّهُ أَكْبَرَ كَبِيرًا شَمَّ يَقُولُ اَعُوْذُ بِاللَّهِ السَّيِّعِ الْعَلِيمِ

من الشیطان الرجیم من ہمزہ ونفخہ ونفضہ، امام ترمذی فرماتے ہیں بعض اہل علم نے اس پوری دعا کو اختیار کیا ہے، لیکن اکثر اہل علم نے صرف اتنے حصہ کو اختیار کیا ہے جو حدیث عائشہ میں ہے، یعنی وَلَا إِلَهَ إِلَّا اللَّهُ، لیکن بعض محدثین نے جن میں امام ابو داؤد اور امام ترمذی بھی ہیں ان دونوں ہی روایتوں پر کلام کیا ہے، صاحب منہل فرماتے ہیں حق یہ ہے کہ یہ حدیث متعدد طرق سے مرفوعاً مروی ہے گو بعض طرق میں اس کے کلام بھی ہے لیکن کثرت طرق سے ضعف کا انجبار ہو جاتا ہے اسی طرح حضرت بڈل میں تحریر فرماتے ہیں کہ یہ دعا متعدد صحابہ سے مروی ہے جن کی روایات دارقطنی، بیہقی، سنن سعید بن منصور میں مروی ہیں بعض موقوفاً اور بعض مرفوعاً، ایسے ہی یہ دعا صحیح مسلم میں بھی موجود ہے جس کے لفظ یہ ہیں، ان عمر بن الخطاب کان یجہر بہؤلاء الکلمات سُبْحَانَكَ اللَّهُمَّ وَبِحَمْدِكَ اِنْ اَوْرِیْہِ سَلَمَ اَچْکَا کہ ابن قیم نے اس کی دس وجوہ ترجیح بیان کی ہیں ان سب وجوہ کو صاحب امانی الاحبار نے تفصیلاً ذکر کیا ہے۔

۱- حدثنا عبد السلام بن مطهر ان قال ابو داؤد وهذا الحديث يقولون هو عن علي ابن علي عن الحسن بن مسروق الوهم من جعفر۔

باب کی حدیث اول پر مصنف کا نقد یعنی اوپر والی سند درست نہیں، عن علی بن علی عن ابی المتوکل الساجی عن ابی سعید العدری بلکہ صحیح یہ ہے کہ علی بن علی اس کو حسن بصری سے مرسلً روایت کرتے ہیں بغیر ذکر صحابی کے، لیکن حضرت نے بڈل میں جعفر بن سلیمان جن کی جانب مصنف نے وہم منسوب کیا ہے کتب رجال سے ان کی ثقاہت ثابت کی ہے۔

۲- حدثنا حسين بن عيسى ان قال ابو داؤد وهذا الحديث ليس بالمشهور عن عبد

السلام بن حرب

حدیث ثانی پر مصنف کا نقد اور اس کا جواب امام ابو داؤد اس حدیث پر کلام فرماتے ہوئے فرما رہے ہیں کہ یہ حدیث شاذ اور غریب ہے، اس حدیث کو اس طرح بدیل بن میسرہ سے روایت کرنے میں عبد السلام مستفرد ہیں، اور خود عبد السلام سے اس کو روایت کرنے میں طلق بن غنّام مستفرد ہیں، لیکن شرح حدیث جیسا کہ بڈل المجہود میں ہے یہ فرما رہے ہیں کہ یہ دونوں راوی ثقہ ہیں عبد الرحمن بن حرب رجال صحیحین میں سے ہیں اور طلق بن غنّام بخاری اور سنن اربوعہ کے رواۃ میں سے ہیں، اور زیادتی ثقہ کی معتبر ہوتی ہے، حافظ فرماتے ہیں رجال اسنادہ ثقات لکن فیہ انقطاع، اور دلیل انقطاع یہ ہے کہ جعفر فریابی نے اس حدیث کو کتاب الصلوٰۃ میں روایت کیا ہے جمیع

اس طرح ہے عن ابی الجوزاء قال ارسلت رسولی الی عائشة یسألها الخ اس سے معلوم ہو رہا ہے ابوالجوزاء اور عائشہ رضی اللہ عنہا کے درمیان واسطہ ہے لیکن اس حدیث میں انقطاع علی مذہب البخاری تو کہہ سکتے ہیں علی مذہب مسلم و ابوجہور نہیں اس لئے کہ ممکن ہے ابوالجوزاء نے عائشہ کے پاس جا کر بالمشافہ یہ حدیث سنی ہو لاجل امکان اللقاء بسبب وجود العاصرة بینہما۔

باب السکۃ عند الافتتاح

نماز کے سکات میں روایات اور فقہاء کرام کا اختلاف جن کو مصنف نے بھی ذکر کیا ہے سکتیں کا ثبوت ہو رہا ہے یعنی ایک

روایات میں چند سکات کا ذکر آتا ہے جن میں سے سکتہ عند الافتتاح صحیحین کی روایات سے ثابت ہے، اور سنن کی روایت سے جن کو مصنف نے بھی ذکر کیا ہے سکتیں کا ثبوت ہو رہا ہے یعنی ایک سکتہ عند الافتتاح اور ایک بعد الفراغ من القراءة، اور پھر اس دوسرے سکتہ میں روایات میں اضطراب ہے بعض سے معلوم ہوتا ہے بعد الفراغ من الفاتحہ، اور بعض سے معلوم ہوتا ہے بعد الفراغ من القراءة، یعنی مطلق قرأت جس کا مطلب یہ ہے بعد الفراغ من السورۃ، اور ایک احتمال یہ بھی ہے کہ یہ دو سکتے مستقل ہوں یعنی بعد الفراغ من الفاتحہ وبعد الفراغ من السورۃ، اس صورت میں کل سکات تین ہو جائیں گے دو یہ اور ایک عند الافتتاح یہ تو ہوا اختلاف من حیث الروایات، واما الفقہاء الکرام فہم ایضاً مختلفون فی ذلک، چنانچہ امام مالک تو مطلقاً سکتہ کا انکار فرماتے ہیں ان کے یہاں سکتہ عند الافتتاح بھی نہیں اسی لئے وہ دعاء استفتاح کے بھی قائل نہیں ہیں، کما تقدم فی الباب السابق، اور امام شافعی و احمد سکتیں کے قائل ہیں جن میں سکتہ اولی دعاء افتتاح کے لئے ہے اور سکتہ ثانیہ بعد الفاتحہ، لیکن سکتہ ثانیہ کے جس نوع سے شافعیہ قائل ہیں اس سے ان کا مقصد حل نہیں ہوتا اس لئے کہ وہ تو یہ کہتے ہیں کہ یہ دوسرا سکتہ امام اس لئے ہے تاکہ مقتدی فاتحہ کی قرأت کر سکے لیکن اس کے لئے سکتہ طویلہ درکار ہے جس کا ثبوت روایات سے نہیں روایات سے ثبوت صرف سکتہ الطیفہ کا ہے، اور حنفیہ کے یہاں یہ سکتہ امام آمین کے لئے ہے کیونکہ ہمارے یہاں آمین بالسر ہے، اور حنابلہ کے یہاں یہ سکتہ قرأت فاتحہ کے لئے تو ہو نہیں سکتا کیونکہ وہ قرأت فاتحہ خلف الامام فی الجہر کے قائل ہی نہیں ہیں صرف سر یہ میں قائل ہیں اور سکتہ کا تعلق ہے جہری نمازوں سے، اور نہ یہ سکتہ ان کے یہاں آمین کے لیے ہے اس لئے کہ ان کے نزدیک آمین بالجہر ہے، فیہمکن ان تكون للفصل بین الفاتحة والسورة سکات پر کلام فتح المہم شرح مسلم میں بھی تفصیلاً موجود ہے۔

جاننا چاہئے کہ اس بحث کی ضرورت قرأت فاتحہ خلف الامام میں پیش آتی ہے، لہذا اس کو محفوظ رکھا جائے۔

۱۔ حدثنا احمد بن ابی شعیب الخ قوله کان رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم اذا کبر فی الصلوۃ سکت بین التکبیر والقراءۃ فقلت له اخبرنی ما تقول قال اللهم باعد بینی وبين خطایا الخ۔ یہ ہے وہ دعا استفتاح جس کا حوالہ ہمارے یہاں گذشتہ باب میں دیا گیا تھا۔

قوله۔ اللهم اغسلنی بالماء والثلج والبرد۔ برادرار کے فتح کیساتھ ہے بمعنی اولہ۔
شرح حدیث یہاں پر ایک طالب علمانہ سوال ہے وہ یہ کہ کپڑا یا بدن صاف کرنے میں جتنا گرم پانی مفید و معین ہو سکتا ہے اتنا ٹھنڈا نہیں ہوتا جیسا کہ ظاہر ہے تو پھر یہاں برف اور اولہ کو کیوں خاص طور سے اختیار کیا گیا ہے، جواب یہ ہے کہ یہاں حدیث میں بدن کی ظاہری صفائی سیل کچل سے تو مراد ہے نہیں یہاں پر تو مقصود معاصی و خطایا کا ازالہ ہے جو کہ موجب نار ہیں تو معاصی کو عین نار کا درجہ دیتے ہوئے اس کے ازالہ کے لئے ان مبررات کو ذکر کیا گیا ہے جو ازالہ نار کے لئے عین مناسب ہیں۔ کذا قالوا

باب من لم یزال جہر بسم اللہ الرحمن الرحیم

یہاں پر دو مسئلے ہیں نماز میں سورہ فاتحہ کے شروع میں بسم اللہ پڑھی جائیگی یا نہیں اور اگر پڑھی جائیگی تو سراً یا جہراً۔

المسئلۃ الاولیٰ۔ فاتحہ کے شروع میں بسم اللہ امام شافعیؒ کے نزدیک واجب ہے بلکہ کہئے کہ فرض ہے اس لئے کہ بسم اللہ ان کے نزدیک فاتحہ کا جزو ہے اور قرأت فاتحہ ان کے نزدیک فرض ہے، لہذا بسم اللہ پڑھنا بھی فرض ہوگا، اور حنفیہ و حنابلہ کے نزدیک اس کا پڑھنا مستحب ہے، اور امام مالکؒ کے نزدیک اس کا پڑھنا مکرم و وہ ہے۔ یعنی فی الضریضۃ و درخص فی الشافلیۃ۔

در اصل اس میں اختلاف ہو رہا ہے کہ بسم اللہ قرآن کریم یا کسی سورت کا جزو ہے یا نہیں؟ حضرت امام شافعیؒ کے اس میں دو قول ہیں ایک یہ کہ ہر سورت کا جزو ہے، دوسرا قول یہ ہے کہ صرف سورہ فاتحہ کا جزو ہے اور حنفیہ و حنابلہ کے نزدیک یہ مستقل ایک آیت ہے کسی سورت کا جزو نہیں تین و برکت اور فصل بین السور کے لئے نازل ہوئی ہے، البتہ جزو قرآن ہے، اور امام مالکؒ فرماتے ہیں کہ جزو قرآن بھی نہیں، اور یہ اختلاف

اس بسم اللہ کے علاوہ میں ہے جو سورۃ النمل میں ہے اس کے بارے میں سب کا اتفاق ہے کہ وہ اس سورت کا جز ہے۔

مسئلہ ثانیہ، یعنی جہر بالبسملة، جمہور صحابہ و خلفاء راشدین (کمالات الترمذی) اسی طرح جمہور علماء حنفیہ و حنابلہ و اسحاق بن راہویہ عدم الجہر بالبسملة کے قائل ہیں، اور اسی کی طرف میلان ہے امام بخاری کا، اور ایک مختصری جماعت جیسے علماء طائوس و حجازہ جہر بالبسملة کے استصحاب کے قائل ہیں اور انہیں میں سے امام شافعی بھی ہیں، علامہ زلیعی نے نصب الرایہ میں تیسرا مذہب تخییر بین الجہر والسر لکھا ہے، اور یہ کہ وہ اسحاق بن راہویہ اور ابن حزم کا قول ہے اور یہ بات تو ظاہر ہے کہ اس اختلاف کا تعلق صلوة جہریہ سے ہے سری نمازوں میں بسملة بالاتفاق سزا ہے۔

اس موضوع پر بعض محدثین نے مستقل تصنیفات بھی لکھی ہیں جیسے امام بیہقی اور دارقطنی وغیرہ کا فی نصب النبی، وقد بسط هو الکلام علیہ اشد البسط بہا الامزید علیہ

اب رہ گیا مسئلہ دلائل کا سو وہ کتاب میں آ رہے ہیں چنانچہ باب کی پہلی

حدیث جو آ رہی ہے وہ جمہوری کا مستدل ہے۔

۱۔ حدثنا مسلم بن ابراہیم عن النبی صلی اللہ علیہ وسلم وابابکر وعمر وعثمان كانوا یفتنون القراءۃ بالحمد لله رب العالمین۔ یہ حدیث صحیحین میں بھی اسی طرح وارد ہے اور مسلم کی روایت میں زیادتی ہے، فلم اسمع احدا منهم یقرأ ببسم اللہ الرحمن الرحیم، سلم کی یہ روایت عدم الجہر بالبسملة میں صریح ہے، اور حدیث بخاری میں چونکہ یہ زیادتی نہیں ہے اس لئے اس سے عدم الجہر کا ثبوت بطریق استنباط ہے کہ جب راوی یہ کہہ رہا ہے کہ حضور صلی اللہ علیہ وسلم قرأت کی ابتداء الحمد للہ رب العالمین سے کرتے تھے تو اس سے خود ہی معلوم ہو گیا کہ بسم اللہ بالجہر نہیں پڑھتے تھے آگے کتاب میں دوسری حدیث حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا کی آ رہی ہے جس کے لفظ یہ ہیں کان رسول اللہ یفتتح الصلوۃ بالتکبیر والقراءة بالحمد لله رب العالمین اس کے علاوہ جمہور کے پاس عبد اللہ بن مغفل کی حدیث ہے جو سنن ثلاثہ کی روایت ہے۔ عن ابن عبد اللہ بن مغفل قال سمعت ابی وانا فی الصلوۃ اقول بسم اللہ الرحمن الرحیم فقال لی یا یحییٰ محدث۔ ابن عبد اللہ کا نام یہاں روایت میں مذکور نہیں ان کا نام یزید ہے کما فی الطبائفی ومسند ابی حنیفہ

اور امام ابو داؤد نے جہر بالبسملة کے بارے میں کوئی صریح حدیث ذکر نہیں فرمائی، البتہ امام ترمذی نے جہر اور عدم جہر دونوں کے لئے الگ الگ باب قائم کئے ہیں، جہر کے سلسلہ میں انہوں نے ابن عباس کی حدیث ذکر کی ہے، قال کان النبی صلی اللہ علیہ وسلم یفتتح صلواتہ ببسم اللہ الرحمن الرحیم

یہ حدیث اول تو صراحتہ جہر پر دلالت کرتی نہیں، دوسرے یہ کہ حدیث ضعیف ہے اس کی سند میں اسماعیل بن حماد راوی ضعیف ہیں اور ابو خالد مجہول ہیں۔ ہاں ایک اور حدیث ہے شافعیہ کے پاس، نعیم ابن عبد اللہ الطحمر کی جس کی تخریج امام نسائی اور ابن خزمیہ وابن حبان نے کی ہے، صلیت و داء ابی ہریرۃ فقراء بسم اللہ الرحمن الرحیم یہ حدیث بھی اول تو صراحتہ جہر پر دلالت نہیں کرتی چنانچہ علامہ سندھی لکھتے ہیں، لا یدل علی الجہر بل علی نفس القراءۃ، اور علامہ زبلی فرماتے ہیں، الحدیث معلل بثلاثۃ علل۔ علل ثلاثہ کی تفصیل امانی الاحبار میں دیکھی جاسکتی ہے۔

اور امام دارقطنی نے تو ایک موقع پر اس بات کا اعتراف کیا ہے، چنانچہ بذل الجہود ص ۵۳ میں ہے علامہ عینی فرماتے ہیں کہ بعض حضرات نے دارقطنی سے اس بات پر استحلاف کیا کہ اس بارے میں کوئی صحیح حدیث ہے یا نہیں تو اس پر انھوں نے فرمایا لیس فیہ حدیث صحیح۔

۲۔ حدثنا مسدد بن خالد قال قال یحییٰ عن عقب الشیطان وعن فرقة السبع، عقب الشیطان سے مراد اقامہ ہے جس کا باب چند ابواب کے بعد مستقل آ رہا ہے "باب الاقارمین السجدتین" اس پر کلام وہیں آئے گا۔

۳۔ حدثنا ہناد بن السری۔ قوله قال رسول اللہ صلی علیہ وسلم انزلت علی آنفًا سورة فقرأ بسم اللہ الرحمن الرحیم۔ انا اعطینک الکوشراغ

حدیث کی ترجمہ الباب سے مناسبت | اس حدیث کو بظاہر ترجمہ الباب سے مناسبت نہیں اس میں جہر یا عدم جہر پر کوئی دلالت نہیں پائی جا رہی ہے البتہ بتکلف اس دلالت نکل سکتی ہے وہ یہ کہ آپ نے یہ فرمایا کہ مجھ پر ابھی ایک سورت نازل ہوئی اور پھر اس کی تشریح میں آپ نے بسم اللہ کیساتھ سورۃ انا اعطینک الکوشراغ پڑھی، تو گویا کہہ سکتے ہیں کہ جب سورۃ کے مصداق میں بسم اللہ کو شامل کیا تو بسم اللہ جز سورۃ ہوئی اور یہ سلسلہ جہر و عدم جہر کا اسی پر متفرع ہے، لیکن اس صورت میں اس کا مقتضی یہ ہو گا کہ بسم اللہ جہر ہوئی چاہئے جو ترجمہ الباب کے خلاف ہے، تو اس کی توجیہ یہ ہو سکتی ہے کہ ترجمہ الباب سے مقصود دونوں ہی طرح کی روایات کو ذکر کرنا ہے، اور ترجمہ الباب سے مراد یہ ہے باب من لم یر الجہر بسم اللہ الرحمن الرحیم ومن راى الجہر بہا، اس لئے کہ بعض مرتبہ احمد الضدین کے ذکر پر اکتفا کر لیا کرتے ہیں۔

۴۔ حدثنا قطن بن شعیب۔ قوله۔ وذكر الافک قالت جلس رسول اللہ صلی اللہ علیہ

وسلم وكشف عن وجهه وقال اعوذ باللہ السميع العليم من الشیطان الرجیم ان الذین جاؤا

بالا فک عصبۃ منکم۔ الآیہ یہ حدیث الافک کا ایک ٹکڑا ہے جس کی تفصیل دوسری کتب حدیث صحیحین ترمذی وغیرہ میں ہے قصہ بہت مشہور ہے واقعہ پیش آنے کے بعد جو حضور صلی اللہ علیہ وسلم کے گھرانہ کے لئے ایک زبردست امتحان تھا۔ بہمت کی صفائی اور حضرت عائشہؓ کی برائت کے بارے میں جو آیات نازل ہوئیں اس حدیث میں اس کا ذکر ہے، وہ یہ کہ برائت کے سلسلہ میں جب آپؐ پر وحی نازل ہو چکی اور آپؐ نے اپنے چہرہ سے نقاب ہٹایا جو نزول وحی کی وقت آپؐ چہرہ النور پر ڈال لیتے تھے، تو آپؐ نے ان آیات کو تعویذ کے بعد تلاوت فرمایا، پس مصنفؒ نے صرف اتنا ہی ذکر فرمایا ہے۔

حدیث کی ترجمہ سے مناسبت | اس حدیث کی ترجمہ الباب سے مطابقت بظاہر کچھ نہیں، ایک مطابقت دقیق استنباط کے طور پر ہو سکتی ہے وہ یہ کہ اس موقع پر

آپؐ نے آیات کے شروع میں بسم اللہ نہیں پڑھی، اگر بسم اللہ کا پڑھنا سورتوں کی ابتداء میں محض تبرک کے لئے ہوتا تو آپؐ یہاں بھی اس کو پڑھتے، معلوم ہوا کہ سورتوں کے شروع میں بسم اللہ جز، ہونیکہ حیثیت سے پڑھی جاتی ہے اور جہر بالہجۃ الاختلاف اسی پر متفرع ہے (کذافی البذل) یہ مناسبت کھینچ تان کر ہے ورنہ یہ بھی کہا جاسکتا ہے کہ سورتوں کے شروع میں بسم اللہ فصل کے لئے ہے اور یہاں فصل کی حاجت نہ تھی، بہر حال

ایک لحاظ سے حدیث کو ترجمہ سے مناسبت ہو گئی، قال ابوداؤد ہذا حدیث منکر روی ہذا الحدیث جماعة عن الزہری لم یذکروا ہذا الکلام علی ہذا الشرح۔

مصنف کے کلام کی شرح | مصنفؒ کی غرض تمام حدیث الافک پر نقد کرنا نہیں ہے وہ تو مشہور اور متفق علیہ حدیث ہے، صرف وہ ٹکڑا جو یہاں مذکور ہے اس پر اشکال کر رہے ہیں اس لئے کہ روایت مشہورہ میں اس طرح نہیں ہے کہ آپؐ نے اولاً تعویذ پڑھا اس کے بعد آیات تلاوت فرمائیں بلکہ صرف اتنا ہے وانزل اللہ تعالیٰ ان الذین جاؤا بالا فک لایاتہم

باب من جہر بہا

یہ جہر بالہجۃ کا باب ہے اس میں مصنفؒ نے کوئی مرتبہ حدیث ذکر نہیں فرمائی، مثلاً ابن عباسؓ کی وہ حدیث جس کی امام ترمذیؒ نے تخریج کی ہے جس کا حوالہ ہمارے یہاں گذشتہ باب میں آچکا، چونکہ وہ حدیث کافی ضعیف ہے مصنفؒ کے شرط کے مطابق بظاہر نہیں تھی اسی لئے اس کو نہیں لائے۔

۱۔ اخبرنا عمرو بن عون الخ سمعت ابن عباس قال قلت لعثمان بن عفان ما حملکم ان عمدتم الی براءۃ وہی من الممیین والی الانصال وہی من العثانی واجعلتموها فی السبع

الطول ولهم تكتبوا بينهما سطر بسم الله الرحمن الرحيم .

حدیث میں مذکور سوال و جواب
ہر دو کی تشریح

ترتیب اس طرح ہے (خصوصاً اوائل قرآن میں کہ) بڑی سورتیں مقدم اور چھوٹی مؤخر ہیں، چنانچہ سب سے بڑی سورت سورہ بقرہ ہے وہ ترتیب میں سب سے پہلے ہے اس کے بعد آل عمران و کذا، سورہ برائۃ اور انفال میں یہ اشکال ہے کہ ان میں سے پہلی سورت باوجود چھوٹی ہونے کے مقدم ہے اور دوسری یعنی سورہ برائۃ باوجود بڑی ہونے کے مؤخر ہے، پہلے اور اس دوسرے دونوں اشکال کو ترجمان القرآن سیدنا ابن عباس نے جامع القرآن سیدنا عثمان بن عفان کیساتھ رکھا کہ اس کی کیا وجہ ہے۔

سوال اور پھر اس کے جواب دونوں کو بخوبی سمجھنے کے لئے ضروری ہے کہ پہلے یہ جان لیا جائے کہ علماء و قراء نے قرآن پاک کی سورتوں کے چھوٹے بڑے ہونے کے اعتبار سے تین حصہ کئے ہیں چنانچہ شروع کا حصہ جس میں آٹھ سورتیں ہیں، سورہ بقرہ سے لے کر سورہ برائۃ تک ان کو سبع طول کہا جاتا ہے، اسکے بعد گیارہ سورتیں ایسی ہیں جو سو آیات یا اس سے زائد پر مشتمل ہیں ان کو ذوات المسین کہا جاتا ہے، اسکے بعد بیس سورتیں ایسی ہیں جن کی آیات تیس سے کم ہیں ان کو مثانی کہا جاتا ہے۔ اور اس کے بعد پھر اخیر کی چھبتر سورتوں کو مفصل کہا جاتا ہے، اس تمہید کے بعد اب اشکال سمجھئے، وہ یہ کہ اس ترتیب کا تقاضا یہ تھا کہ سبع طول میں بجائے انفال کے صرف سورہ برائۃ کو رکھا جاتا اور انفال کو نہ صرف یہ کہ برائۃ کے بعد بلکہ آگے چل کر مین کا سلسلہ ختم ہونے کے بعد جہاں سے مثانی شروع ہوتی ہیں وہاں رکھا جاتا اس لئے کہ سورہ برائۃ کی آیات ایک سو تیس اور سورہ انفال کی آیات صرف شہتر ہیں اس کا شمار تو مین میں بھی ہونا چاہئے چہ جائیکہ سبع طول میں حاصل جواب یہ ہے کہ آپ کا اشکال مبنی ہے اس پر کہ آپ یہ سمجھ رہے ہیں کہ انفال و برائۃ دو مستقل سورتیں ہیں، حالانکہ یہ یقینی نہیں اس لئے کہ نہ تو حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے ہم سے برائۃ کے شروع میں بسم اللہ لکھنے کا حکم فرمایا تھا جس سے ہم یہ سمجھتے کہ یہ مستقل سورت ہے اور نہ یہ ارشاد فرمایا کہ برائۃ انفال ہی کا جز ہے، اور چونکہ مضمون دونوں سورتوں کا ملتا جلتا تھا اس لئے ہم نے ان دونوں

لے باوجود آٹھ ہونے کے سبع طول اس لئے کہا جاتا ہے کہ اخیر کی دو سورتیں یعنی انفال اور برائۃ کا دو ہونا متیقن نہیں ۱۲

۱۳ پھر مفصل کی تین قسمیں کی جاتی ہیں طوال، ادساط، قصارہ ۱۲

کو متصلاً ایک جگہ بغیر بسم اللہ کے لکھا، اب یہ کہ اس کا عکس کیوں نہ کر دیا انفال کو چھوٹی ہونیکے وجہ سے مؤخر کر دیتے اور برائے کو بڑی ہونے کی وجہ سے مقدم سویرا سئلے کہ انفال نزول میں برائے پر مقدم تھی اسلئے وضع میں بھی اس کو مقدم کیا گیا، اس تقریر سے دونوں اشکال کا جواب نکل آیا، بسم اللہ نہ کہنے کا جواب یہ کہ ہم کو اس بات کا یقین ہی نہ تھا کہ برائے سے مستقل سورت شروع ہو رہی ہے، اور دوسرے اشکال کا جواب یہ کہ جب ان دونوں سورتوں کے ایک ہونے کا بھی احتمال تھا تو پھر یقین کیساتھ انفال کو چھوٹی کیسے کہہ سکتے ہیں، اور احتمال ثانی یعنی دوسو تیں مستقل ہونے کا تقاضا گو یہ تھا کہ برائے کو مقدم کیا جانا انفال پر، لیکن ترتیب نزول کی رعایت مانع ہوئی ایسا کرنے سے۔ واللہ تعالیٰ اعلم۔ شرح حدیث اور مفسرین نے اپنے اپنے ذوق کے مطابق اشکال و جواب کی تقریریں لکھی ہیں حضرت اقدس تھانوی نور اللہ مرقدہ نے بھی بیان القرآن میں اس کو تحریر فرمایا ہے، ہم نے اس میں مختصر سے مختصر تقریر کو اختیار کیا ہے۔

قوله۔ ویقول لہ وضع هذه الآية فی السورة التي یذكر فیها کذا وکذا وتنزل علیہ الآية والآیتان فیقول مثل ذلك۔ یعنی جو جو آیات آپ پر نازل ہوتی جاتی تھیں آپ اپنے کاتبین وحی سے فرماتے کہ اس آیت کو اس سورت میں لکھو جس میں یہ مضمون ہے، اور اس آیت کو اس سورت میں لکھو جس میں یہ مضمون ہے، اس سے علماء نے یہ ثابت کیا کہ آیات کی ترتیب تو قیفی ہے یعنی شارع علیہ السلام کی جانب سے مستعین بخلاف ترتیب سور کے کہ وہ صحابہ کرام کی اجتہاد ہی ہے۔

۲۔ حدثنا زید بن ایوب، قوله ان النبی صلی اللہ علیہ وسلم لم یکتب بسم اللہ

الرحمن الرحیم حتی نزلت سورة النمل

شرح حدیث مع اشکال و جواب | یعنی آپ صلی اللہ علیہ وسلم سورتوں کے شروع میں بسم اللہ نہیں لکھواتے تھے یہاں تک کہ آپ پر سورہ نمل نازل ہوئی اس کے بعد آپ نے سورتوں کے شروع میں بسم اللہ لکھوانا شروع کیا، سورہ نمل میں حضرت سلیمان علیہ السلام کے اس خط کا ذکر ہے جو انھوں نے بلقیس کے نام لکھا تھا جس کے شروع میں بسم اللہ الرحمن الرحیم تھا۔

یہ تو اس حدیث کے معنی ہوئے لیکن اس پر اشکال یہ ہے کہ اس کے بعد آئینوالی حدیث ابن عباس

میں یہ ہے، کان النبی صلی اللہ علیہ وسلم لا یعرف فصل السور حتی تنزل علیہ بسم اللہ

الرحمن الرحیم، اس لئے کہ اس سے معلوم ہو رہا ہے کہ آپ پر ہر سورت کے شروع میں بسم اللہ نازل

ہوتی تھی، اور آپ کو کسی سورت کے شروع ہونے کا علم ہی نزول بسم اللہ سے ہوتا تھا کہ اب یہاں سے

سورت شروع ہو رہی ہے۔

اس اشکال کا جواب یہ ہے کہ اس پہلی حدیث میں کتابت بسمہ کی نفی ہے نزول کی نفی نہیں، سو ہو سکتا ہے کہ بسم اللہ نازل تو ہوتی ہو لیکن سورۃ کے شروع میں آپ اس کے لکھنے کا حکم نہ فرماتے ہوں اور سورۃ نزل کے نزول کے بعد کتابت کا حکم فرمانے لگے تھے، اور ایک دوسرا جواب یہ ہے کہ ہم یکتب سے مراد فی اوائل السورہ نہیں ہے بل فی الکتاب والرسائل یعنی خطوط اور تحریروں کے شروع میں آپ سورۃ نازل کے نزول سے پہلے بسم اللہ نہیں لکھواتے تھے، اور اس سورۃ کے نازل ہونے کے بعد آپ خطوط کے شروع میں بسم اللہ لکھوانے لگے تھے۔

بَابُ تَخْفِيفِ الصَّلَاةِ لِلْأَمْرِ بِحَدَّثِ

یعنی کسی عارض کے پیش آنے کی وجہ سے نماز کو مختصر کر دینا، قال رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم اِنِّیْ لَا اقُومُ اِلَى الصَّلَاةِ وَاَنَا رَیْدَانٌ اَطْوَلَ فِیْهَا فَاسْمِعْ بِكَاءِ الصَّبِيِّ فَاتَجَوَّزْ اِنْهُ، آپ فرما رہے ہیں کہ بعض مرتبہ میں نماز کے لئے کھڑا ہوتا ہوں اور پہلے سے ارادہ نماز کو دراز کرنے کا ہوتا ہے لیکن کسی بچے کے رونے کی آواز سنتا ہوں (جس کی ماں نماز میں شریک ہوتی ہے) تو اس لئے نماز مختصر کر دیتا ہوں کہ بچے کی ماں پر شاق گذرے گا۔

حدیث کی ترجمہ الباب سے مطابقت ظاہر ہے، اس حدیث سے بعض علما نے ایک اور مسئلہ پر استدلال کیا ہے یعنی اطالۃ الركوع للجماعی چنانچہ خطاب فرماتے ہیں کہ اس سے معلوم ہوا کہ امام کو رکوع کی حالت میں اگر یہ محسوس ہو کہ کوئی شخص نماز میں شرکت کے لئے آ رہا ہے تو امام ادراک رکعت کے لئے مقدار رکوع کو ذرا بڑھا سکتا ہے اس لئے کہ جب ایک دینی مصلحت کی خاطر نماز کو خفیف کر سکتے ہیں تو دینی مصلحت کے لئے اس کو کیوں نہیں بڑھا سکتے، مسئلہ مختلف فیہ ہے، علامہ عینی فرماتے ہیں کہ بعض علما جیسے شعبی اور حسن بصری، عبد الرحمن بن ابی لیلیٰ انھوں نے اس کو جائز رکھا ہے اور یہی رائے امام احمد و اسحاق بن راہویہ اور ابو ثور کی ہے، لیکن ایک قید کے ساتھ مالم یشتق علی اصحابہ اور جمہور علما ائمہ ثلاثہ کے نزدیک ایسا کرنا جائز نہیں، شافعیہ کے اس میں دو قول ہیں قال الحافظ عند الشافعیہ

لے بدل میں لکھا ہے کہ ہمارے نزدیک امام کا اطالۃ رکوع کرنا اگر صرف ادراک رکعت کے لئے ہونے کی تقریر اللہ تعالیٰ تو یہ مکروہ تحریمی ہے اور بہت خطرہ کی چیز ہے لیکن اس کی وجہ سے کافرنہ ہوگا کیونکہ اس اطالۃ سے اس کی غرض عبارت غیر اللہ نہیں ہے، اور ایک قول یہ ہے کہ اگر انہوں نے امام کی جان پہچان نہیں تو پھر کچھ حرج نہیں لیکن اُمیر ہے کہ اس صورت میں بھی اس کا ترک ادنیٰ ہو۔

فیہ اختلاف و تفصیل؛ جمہور کی جانب سے خطابی کے استدلال کا جواب یہ ہے کہ یہ استدلال بے محل اور قیاس مع الفارق ہے یعنی تطویل کو تخفیف پر قیاس کرنا، تخفیف کے ائمہ پہلے سے مأمور و مکلف ہیں پھر تطویل کو اس پر کیسے قیاس کیا جاسکتا ہے۔

بَاب مَلْجَاءِ فِي نَقْصَانِ الصَّلَاةِ

عن عمار بن یاسر قال سمعت رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم یقول ان الرجل ینصرف وما کتب لہ الا عشر صلواته شفعھا شفعھا سبعا الخ مطلب حدیث واضح ہے کہ خشوع و خضوع کی کمی و زیادتی کے اعتبار سے نماز کے ثواب میں کمی و زیادتی ہوتی رہتی ہے، خشوع و خضوع میں جتنا کمال ہوگا ثواب میں اتنا ہی اضافہ ہوگا، اور اس میں جتنا نقصان ہوگا اتنا ہی ثواب میں کمی آئے گی چنانچہ بعضوں کیسے عرش ثواب لکھا جاتا ہے اور بعض کیلئے ثواب کا نواں حصہ اور کسی کے لئے آٹھواں حصہ اور کسی کے لئے ساتواں حصہ دیکھنا۔

خشوع فی الصلوٰۃ کے حکم میں اختلاف علماء میں کہتا ہوں کہ اس حدیث سے معلوم ہو رہا ہے کہ نماز کے اندر خشوع فرض نہیں ہاں موجب کمال ضرور ہے، اور اگر فرض ہوتا تو نماز صحیح ہی نہ ہونی چاہئے تھی، امام بخاریؒ نے بھی باب الخشوع فی الصلوٰۃ کو مجتہد قائم کیا ہے، حافظ کہتے ہیں امام نوویؒ نے اس پر اجماع نقل کیا ہے کہ خشوع فی الصلوٰۃ واجب نہیں، لیکن بعض علماء نے قاضی حسین اور ابو زید مروزی سے خشوع کا شرط صحت صلوٰۃ ہونا نقل کیا ہے اور محب طبری نے اس کی توجیہ یہ کی ہے ان کی مراد یہ ہے کہ فی الجملہ نماز میں خشوع کا ہونا ضروری ہے لانی جمیع الصلوٰۃ، اور ابن بطلان نے کہا کہ خشوع فی الصلوٰۃ فرض ہے لیکن انھوں نے ساتھ میں یہ بھی کہا کہ خشوع سے مراد یہ ہے کہ نماز کو صرف اللہ کی خوشنودی حاصل کرنے کے لئے پڑھے یعنی خواطر کا نہ آنا اور حضور قلب کا حاصل ہونا خشوع سے مراد نہیں ہے کیونکہ یہ چیز غیر اختیاری ہے (اھ ملخصاً من الفتح) خلاصہ یہ کہ خشوع سے مراد اگر نیت کی درستگی ہے یعنی صرف اللہ کے لئے نماز پڑھنا تب تو یہ بالاجماع فرض ہے اور اگر اس سے مراد سکون و حضور قلب و انتفاع خواطر ہے تو وہ عند المجہور صرف موجب فضل و کمال ہے نہ کہ واجب البتہ بعض علماء

اور جو وہ آگے تیسرے باب کے اخیر میں عبد اللہ بن ابی اوفی کی روایت میں آرہا ہے، ان النبی صلی اللہ علیہ وسلم کان یقوم فی الرکعة الاولى حق لا یسمع وقع قدم، اس کا جواب یہ ہے کہ اس کی سند میں ایک راوی مجہول ہے یا پھر مؤول ہے کہ تطویل صلوٰۃ مراد نہیں بلکہ نماز شروع کرنے میں انتظار مراد ہے ۱۲ منہ

جیسے قاضی حسین اور ابو زید مروزی سے اس کا وجوب منقول ہے۔

باب في تخفيف الصلوة

اس باب میں مصنف نے معاذ بن جبل کی نماز کا واقعہ ذکر کیا ہے یہ حدیث ابواب الامامة میں امامۃ من صلی يقوم وقد صلی تلك الصلوة کے تحت میں گذر چکی ہے اس پر کلام دیں دیکھا جائے۔

۱۔ حدثنا احمد بن حنبل ناسفیان عن عمرو بن دينار الخ. قوله قال ابو الزبير سبج اسم ربك الاعلى والليل اذا يغشى فذكرنا لعمرو فقال اراه قد ذكره، اس حدیث میں سفیان کے استاذ عمرو بن دینار ہیں اور عمرو بن دینار کی روایت میں سورتوں کی تعیین نہیں ہے لیکن سفیان کو یہ روایت ابو الزبیر سے بھی پہونچی تھی اور ان کی روایت میں سورتوں کی تعیین تھی، اس لئے سفیان نے عمرو بن دینار سے عرض کیا کہ ہمارے دوسرے استاذ یعنی ابو الزبیر نے سورتوں کی تعیین کی ہے اور آپ نے نہیں کی تو اس پر انہوں نے فرمایا کہ ہاں مجھے بھی یاد پڑتا ہے کہ حضرت جابر نے (عمرو بن دینار کے استاذ ہیں) ان سورتوں کے نام لئے تھے۔

۲۔ حدثنا عثمان بن ابی شیبہ، قوله اما انی لا احسن دندنة ولا دندنة معاذ فقال النبي صلى الله عليه وسلم حولتها دندن، مضمون حدیث یہ ہے کہ ایک شخص سے حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے دریافت فرمایا کہ تم نماز میں کیا پڑھتے ہو اس نے کہا کہ تشہد پڑھتا ہوں اور پھر یہ دعا پڑھتا ہوں اللھم انی اسألك الجنة واعوذ بك من النار، اور پھر اس نے بطور معذرت کے عرض کیا یا رسول اللہ مجھے صحیح معلوم نہیں کہ آپ کیا پڑھتے ہیں بس میں تو یہ مختصر سی دعا پڑھ لیتا ہوں، مطلب یہ تھا کہ اصل تو وہ ہے جو آپ پڑھتے ہوں گے مگر میں یہ پڑھ لیتا ہوں، اس پر آپ نے فرمایا بس ٹھیک ہے ہم بھی یہی پڑھتے ہیں اور یہی دعا مانگتے ہیں، دندنہ اس کلام کو کہتے ہیں کہ سنائی تو دے لیکن مجھ میں نہ آئے جسے گنگنا کہتے ہیں (لیکن جب ہمارے یہاں اردو میں بولتے ہیں فلاں دندنارہا ہے تو اس کے معنی یہ ہوتے ہیں کہ بڑی زوردار تقریر کر رہا ہے) اس حدیث کی ترجمۃ الباب سے مناسبت

۱۔ اور اس سے اعلیٰ روایت میں محول ہاتین مذکور ہے، ہاتین سے مراد یا تو کلمتین ہیں جو اوپر دعا میں مذکور ہیں ایک میں جنت کی طلب اور دوسرے میں جہنم سے پناہ ہے اور یا ہاتین سے مراد خود جنت و جہنم ہے یعنی ہم بھی انھیں دو کلموں کے یا جنت و دوزخ کے ارد گرد گھومتے رہتے ہیں اور گنگنا نے رہتے ہیں ایک کی طلب اور دوسرے سے پناہ چاہتے ہیں۔ ۱۲

یعنی تخفیفِ صلوٰۃ واضح ہے کیونکہ اس میں بہت مختصر سی دعا مذکور ہے۔

باب ملجاء فی القراءة فی الظہر

یہاں سے ابواب الصلوٰۃ فی الصلوٰۃ شروع ہو رہے ہیں۔

قرارت فی الصلوٰۃ کے حکم میں علماء کا اختلاف | جانتا چاہئے کہ قرارت فی الصلوٰۃ عند الجہور

ہے، عند الشافعی واحد فی جمیع الركعات وعند مالک فی الاکثر، اور عند الحنفیہ فی رکعتین وعند زفر الحنفی البصری فی رکعة واحدة، اور ابو بکر بن الامم وسفیان بن عیینہ اور ابن عثیمہ کے نزدیک قرارت فی الصلوٰۃ فرض نہیں بلکہ سنت ہے، اور ایک قول اس میں یہ ہے جو حضرت ابن عباسؓ اور حضرت عمرؓ سے مروی ہے کہ سری نمازوں میں قرارت نہیں ہے، لیکن ابن عباسؓ سے رجوع ثابت ہے اس کی تفصیل تیسرے باب میں آ رہی ہے۔

محل قرارت کون سی رکعتیں ہیں | ہمارے یہاں فقہار کے مابین اس میں اختلاف ہے کہ محل

قرارت کون سی دو رکعتیں ہیں، قول رائج یہ ہے کہ رکعتیں اولیں دوسرا قول یہ ہے مطلقاً رکعتیں خواہ اولیں ہوں یا آخری، اس پر بحث اور دلائل بذل الجہود میں حدیث المسی فی الصلوٰۃ کے تحت میں مذکور ہیں۔

۱۔ حدثناموسی بن اسماعیل۔ قوله ان ابابہریرۃ قال فی کل صلوٰۃ یقرأ فیہا استمعنا

رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم استمعنا کہ ابوہریرہؓ حضرت ابوہریرہؓ فرما رہے ہیں کہ ہر نماز میں قرارت ہوتی ہے بعض میں سرّاً اور بعض میں جہراً بس جن نمازوں میں آپ نے ہم کو سنا کہ پڑھا ہے ہم بھی ان نمازوں میں تم کو سنا کہ پڑھیں گے اور جن نمازوں میں آپ نے ہم سے اخفا کیا یعنی سرّاً پڑھا اس میں ہم بھی اخفا کریم گے، فی کل صلوٰۃ یقرأ کے دو مطلب ہو سکتے ہیں، ایک یہ کہ ہر نماز میں خواہ وہ دن کی ہو یا رات کی یا یہ کہیے سری ہو یا جہری، قرارت فرض ہے، اور دوسرا مطلب یہ ہو سکتا ہے کہ پوری نماز میں قرارت ہے یعنی ہر ہر رکعت میں، متبادر پہلے ہی معنی ہیں مسئلہ اختلافی ہے، اختلاف پہلے گزر چکا۔

۲۔ حدثنامسدد بن احمد قال وسمعتنا الا یہنا یعنی سری نمازوں میں بعض مرتبہ آپ صلی اللہ علیہ وسلم ایک آدھ آیت جہراً بھی پڑھ دیتے تھے، اس پر شیخ ابن حجر کی شافعی لکھتے ہیں کہ یا تو غلبہ استفراق فی التدریج کی وجہ سے ایسا ہو جاتا ہو گا یا قصد البیان الجواز، اور یا یہ بتلانے کے لئے کہ سری نمازوں میں بھی قرارت ہے، اور یا یہ بتلانے کے لئے کونسی سورت تلاوت کر رہے ہیں، اس پر طاعلی قاری حنفی فرماتے ہیں

کہ حنفیہ کے نزدیک بیان جواز کی توجیہ درست نہ ہوگی اس لئے کہ ان کے نزدیک جہری میں جہراً اور سری میں سرّاً پڑھنا واجب ہے الایہ کہ یہ کہا جائے مراد یہ ہے کہ قرأت سریہ میں ایک دو آیت کا جہراً ہو جانا وہ سر کے متنافی نہیں لایخرجہا عن السریۃ اور امام نوویؒ کے کلام سے معلوم ہوتا ہے جیسا کہ منہل میں ہے کہ شافعیہ کے یہاں سری نمازوں میں سرّاً اور جہری میں جہراً پڑھنا سنت کے قبیل سے ہے واجب نہیں

۳- حدثنا الحسن بن علیؒ قال: قال: وكان يطوّل في الركعة الأولى ما لا يطول في الثانية،

تطويل القراءة في الركعة الأولى من خلاف علماء

امام محمد اور ایسے ہی مالکیہ اور شافعیہ کے ایک قول میں اطالۃ الاولی تمام نمازوں میں مستحب ہے امام نوویؒ فرماتے ہیں تطویل اولی والا قول ہی صحیح اور مختار ہے، اور بعض علماء جن میں امام ابو حنیفہؒ و ابو یوسفؒ بھی ہیں فرماتے ہیں کہ اولی اور مستحب قرأت میں تسویہ بین الادلیین ہے جیسا کہ بہت سی روایات سے معلوم ہوتا ہے مثلاً اگلے باب میں آئینوالی حدیث ابو سعید خدریؓ جس میں یہ ہے کہ آپ صلی اللہ علیہ وسلم کی قرأت فہر کی رکعتیں اولیین میں بقدر ثلاثین آیت ہوتی تھی، البتہ شیخین صرف صلوة فجر میں اطالۃ الاولی کے قائل ہیں اس لئے کہ وہ نوم وغفلت کا وقت ہے۔

اور فریق ثانی کے نزدیک حدیث الباب کا جواب یہ ہے کہ یہ اطالۃ قرأت کی وجہ سے نہیں تھی بلکہ دعا استفتاح اور لتوزکی وجہ سے، اور امام نہہقی نے احادیث تطویل والتسویہ کے درمیان جمع اس طور پر کیا ہے کہ تطویل اس صورت میں ہے جبکہ امام کو کسی کا انتظار ہو ورنہ تسویہ اولی ہے، بعض نے توجیہ یہ کی ہے کہ اطالۃ اولی ترتیل فی القراءۃ کی وجہ سے معلوم ہوتی تھی نہ کہ مقدار مقروء کی زیادتی کی وجہ سے۔

قوله، فظننا انه يريد بذلك ان يدرك الناس الركعة الاولى.

تطويل الاولى من حکمت

اس سے بیہقی والی توجیہ کی فی الجملہ تائید ہوتی ہے جو ابھی قریب میں گذری، نیز اطالۃ اولی کی حکمت ایک تو یہ ہوئی جو صحابی فرما رہے ہیں کہ آئینوالا سبق نہو اور ایک حکمت بعض علماء نے بیان کی ہے کہ اس کی وجہ یہ ہے نماز کے شروع میں نشاط زیادہ ہوتا ہے تو اس میں خشوع و خضوع بھی زیادہ ہوتا ہے اور وہی مقصود بھی ہے بخلاف بعد کی رکعات کے، غرضیکہ بخوف ظل بعد کی رکعات میں ترک اطالۃ مشروع ہے مصنف ابن ابی شیبہ (کافی الفہم ۱۶۹) کی ایک روایت ہے، کانوا يمتنون ويؤجزون ويبادرون الوسوسة۔ یعنی صحابہ کرام نماز کا مل پڑھتے تھے اور ساتھ ہی میں ایجاز و اختصار کو ملحوظ رکھتے تھے تاکہ نماز میں وسوسہ کی لذت نہ آئے میں نے اپنے والد مرحوم سے سنا کہ حضرت مولانا الیاس صاحب نور الشرمقہ فرماتے تھے کہ مختصر نماز میں زیادہ

جی لگتا ہے۔

۳۔ حدثنا مسدد بن الزنادی قال قال باضطراب لحیتہ، حضرت خبابؓ فرما رہے ہیں کہ حضور صلی اللہ علیہ وسلم ظہر اور عصر میں قرأت فرماتے تھے جس کی دلیل اور علامت یہ ہے کہ حضور صلی اللہ علیہ وسلم لحيہ مبارکہ حالت قیام میں متحرک ہوتی ہے، استدلال کے لئے اضطراب لحيہ کیساتھ ایک اور مقدمہ بھی شامل کرنا ہوگا وہ یہ کہ قیام محل قرأت ہے جس طرح رکوع و سجود محل اذکار، ورنہ نفس اضطراب سے مطلق پڑھنے کا ثبوت ہوتا ہے خواہ وہ یسبح ہو یا تلاوت قرآن۔

۵ حدثنا عثمان بن ابی شیبۃ الزنادی قال لا یسمع وقع قدمی اس پر کلام ہمارے یہاں انی لا قوم الی الصلوۃ فاسمع بکاء الصبی کے ذیل میں آچکا۔

باب تخفیف الاخرین

اخیرین میں تخفیف اس لئے ہوتی ہے کہ ان میں ضم سورت نہیں ہے چنانچہ جمہور علماء اور ائمہ ثلاث کا یہی مذہب ہے امام شافعیؒ کا قول قدیم بھی یہی ہے ان کے قول جدید میں ضم سورت فی الاخرین بھی مستحب ہے۔ نماز میں فاتحہ کیساتھ ضم سورت میں اختلاف | اب رہا یہ مسئلہ کہ اولیین میں ضم سورت واجب ہے یا سنت سوا میں اختلاف ہے، حنفیہ اور بعض مالکیہ جیسے ابن کناانہ کے نزدیک ضم سورت فی الاولیین واجب ہے اور باقی ائمہ ثلاثہ کے نزدیک مستحب ہے۔

۱۔ حدثنا حفص بن عمر الزنادی قال قال عمرو بن عبد شمس قال قال النبی صلی اللہ علیہ وسلم لا یسمع بکاء الصبی

فی الصلوۃ الزنادی

شرح حدیث | حضرت عمرؓ کے زمانہ میں حضرت سعد بن ابی وقاصؓ والی کوفہ تھے وہاں کے کچھ لوگوں کو ان سے شکایات ہو گئی تھیں جو حضرت عمرؓ کے پاس پہنچتی رہتی تھیں، اس پر حضرت عمرؓ ان سے فرما رہے ہیں یہ کیا بات ہے کہ لوگ یعنی اہل کوفہ تمہاری ہر چیز میں شکایت کرتے ہیں یہاں تک کہ نماز کے بارے میں بھی (کہ اچھی طرح نہیں پڑھاتے) تو اس پر انھوں نے عرض کیا کہ میں نماز اس طرح پڑھاتا ہوں کہ اولیین میں قرأت کو دراز کرتا ہوں اور اخریین میں مختصر ولا آلو ما اقتدت بہ انما یہ مضارع سننی واحد مشکم لا صیغہ ہے الا یألو آلو سے جس کے معنی تقصیر اور کوتاہی کے ہیں کہانی قولہ

تعالیٰ لایا لونکہم خبالا۔ یعنی ہمیں کوتاہی کرتا ہوں میں اس طرح نماز پڑھانے میں جس طرح میں نے حضور صلی اللہ علیہ وسلم کی اقتداء میں پڑھی ہے بلکہ جس طرح آپ پڑھاتے تھے اسی منج پر میں بھی پڑھاتا ہوں، اور وہ منج وہی ہے جو اوپر آچکا، تطویل الادیہین وتخفیف الاخریین وغیرہ، بظاہر ایسا معلوم ہوتا ہے کہ مفسرین تسویہ بین الاولیین کے قائل ہوں گے، حضرت عمرؓ نے ان کا جواب سن کر فرمایا کہ ہمیں تمہارے ساتھ یہی حسن ظن تھا، یہ حدیث یہاں مختصر ہے، صحیحین میں تفصیل کیسا تھا ہے، بخاری شریف کی روایت میں ہے کہ حضرت عمرؓ نے شکایات کی تحقیق حال کے لئے حضرت سعدؓ کیساتھ چند آدمیوں کو کوفہ بھیجا، چنانچہ ان لوگوں نے وہاں جا کر ہر ہر مسجد میں پہونچ کر اس کے بارے میں تحقیق و تفتیش کی پوچھنے پر سب نے ان کی تعریف کی اور یہ کہ سب شکایات غلط ہیں، یہاں تک کہ وہ قبیلہ بنو عبس کی مسجد میں پہونچے ان میں سے ایک شخص جس کا نام اسامہ بن قتادہ لکھا ہے وہ کھڑا ہوا اور اس نے ان کی کچھ شکایات کیں اور کہا لایسیر بالسنیۃ والیقسم بالسویۃ ولا یعدل فی القضیۃ کہ کسی سر پہ میں خود کبھی نہیں نکلتے اور مال غنیمت وغیرہ کی تقسیم میں برابری نہیں کرتے، اور ایسے ہی فیصلوں میں انصاف نہیں کرتے، یہ سن کر حضرت سعدؓ نے اس کو چند بددعائیں دیں کہ اسے خدا اگر یہ شکایات غلط ہوں، فاطل عمرہ واطل فصرہ وعرضہ بالفتن، شکایات چونکہ غلط تھیں اس لئے سعدؓ کی یہ بددعائیں قبول ہوئیں، چنانچہ راوی کہتا ہے کہ میں نے خود دیکھا ہے اس شخص کو کہ اس کی عمر بہت زیادہ دراز ہوئی ابرو تک سفید ہو گئے، فقر میں مبتلا ہوا رستوا اور گلیوں میں مانگتا ہوا اور رطکیوں کو چھیڑتا ہوا اور ذلیل و رسوا ہوتا ہوا پھرتا تھا، اللہ تعالیٰ ہم سب کو اہل اللہ کی بددعا سے بچائے۔

۲۔ حدثنا عبد اللہ بن محمد المنفیلی الخ قولہ حضرتنا قیام رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم فی الظهر والعصر، فحزرتنا فی الركعتین الاولیین من الظهر فتد ثلاثین آیۃ.....
وفی الاخریین علی النصف من ذلک، اس حدیث سے تین باتیں معلوم ہوئیں ۱۔ عدم احوالہ الاولی، ای التسویہ بین الركعتین فی القراءة کا ہو مسلک الشیعین واحد قولی الشافعی کما تقدم، ۲۔ ظہر کی پہلی دو رکعتوں میں سے ہر ایک میں تیس آیات کے بقدر پڑھنا جیسا کہ مسلم کی روایت میں اس کی تصریح ہے۔

ضمیمہ سورت فی الاخریین | ۳۔ ضم سورت فی الاخریین، اس لئے کہ تیس کا نصف پندرہ ہوتا ہے اس سے معلوم ہوا کہ ظہر کی اخیر کی ہر دو رکعت میں پندرہ پندرہ آیات تلاوت فرماتے تھے جبکہ سورہ فاتحہ میں صرف سات آیات ہیں، لیکن یہ مسلک جمہور کے خلاف ہے اس لئے کہ عند الجمہور والائتہ الثلاثہ ضم سورت فی الاخریین غیر مستحب ہے اور قول قدیم امام شافعی کا بھی یہی ہے،

البتہ ان کے قول جدید میں مستحب ہے۔ بذل میں اس کے دو جواب لکھے ہیں اول یہ احتمال ہے کہ آپ آخرین میں سورہ فاتحہ کو ترسیل سے پڑھتے ہوں لہذا یہ ظن راوی ہے، اور دوسرا جواب یہ لکھا ہے کہ ممکن ہے آپ گاہے بیان جواز کے لئے ایسا کرتے ہوں اس لئے کہ عند الاحتماف یہ صرف مکروہ تنزیہی ہے۔ قوله، وفي الاخيرين من العصر على النصف من ذلك۔ اس سے معلوم ہو رہا ہے کہ عصر کی آخرین میں آپ نے فہم سورت نہیں کیا۔

باب قدر القراءة في الظهر والعصر

یہاں سے مصنف صلوات خمسہ میں قرارت مستحبہ کی مقدار بیان فرمانا چاہتے ہیں، اس سلسلہ میں روایات مرفوعہ بھی ہیں اور موقوفہ بھی، روایات مرفوعہ میں اوپر ابو سعید خدریؓ کی روایت گذر چکی کہ ظہر اور عصر میں آپ صلی اللہ علیہ وسلم آتم تنزیل السجدہ کے برابر قرارت کرتے تھے یہ روایت مسلم شریف میں بھی ہے، اور دوسری روایت جابر بن عمرؓ کی ہے جو سنن ثلاثہ کی روایت ہے، امام ابو داؤد، ترمذی و نسائی نے اس کو روایت کیا ہے کہ آپ ظہر اور عصر میں سورہ بروج اور سورہ طارق کے برابر سواریں پڑھتے تھے۔

قرارت مستحبہ کے بارے میں اثر عمر | اور احادیث موقوفہ میں مشہور اس سلسلہ میں وہ اثر عمر ہے جو مصنف عبد الرزاق میں ہے، اور امام ترمذیؒ نے بھی ہر باب میں الگ الگ اس کے مکررے تعلیقا ذکر کئے ہیں چنانچہ وہ لکھتے ہیں، وروی عن عثمان بن كعب ان ابا موسى ان اقرأ في الظهر باو ساط المفصل اس اثر عمر کو صاحب ہدایہ نے بھی ذکر فرمایا، نصب الراية میں اس کی تفصیل ہے۔

اب یہاں دو چیزیں قابل تحقیق ہیں، اول طوال مفصل و اوساط و قصار کا مصداق اور ان کی تعیین اور ثانی صلوات خمسہ میں قرارت مستحبہ عند الائتہ الاربعہ۔

صلوات خمسہ میں قرارت مستحبہ عند الائتہ الاربعہ | حنفیہ کے نزدیک طوال مفصل کی ابتداء سورہ بقرات سے آخر سورہ بروج تک ہے، اور اوساط مفصل کی سورہ طارق سے لے کر آخر تک اور قصار اذا زلزلت سے الی آخر القرآن، اور مالکیہ وشافعیہ دونوں کے

لے اور حاشیہ بذل میں حافظ ابن قیمؒ کی کتاب الصلوۃ سے اس کا جواب نقل کیا ہے، وہ فرماتے ہیں کہ اگرچہ یہ حدیث فہم سورت فی الاخرین پر مرکب الدلائل ہے لیکن حدیث ابو قتادہ جو متفق علیہ ہے وہ اس کے معارض ہے ان علیہ السلام کا ان یقرأ فی الاولین و الاخرین بطائفة الکتاب من سورۃ فی الاخرین بطائفة الکتاب فذکر السورۃ فی الاولین والاخرین علی الاقران فی الاخرین تدل علی الاطلاق حدیث ابی ہاشم مرسلہ میں عز و تحفہ ۱۲

نزدیک بھی طوال کی ابتداء حجرات سے ہے اور حنابلہ کے نزدیک سورۃ ق سے، پھر شافعیہ و حنابلہ کے نزدیک عم یستار لون تک، اور مالکیہ کے نزدیک والنازعات تک، پھر اس سے آگے واللیل تک تینوں ائمہ کے نزدیک اوساط مفصل ہیں اور واقعی سے اخیر تک قصار۔ اور مسئلہ ثانیہ میں اختلاف اس طرح ہے اس پر تو سب کا اتفاق ہے کہ نمازوں میں سے کسی نماز میں بھی کسی سورت کی تفصیص واجب نہیں، البتہ استحباً تفصیص کے اکثر علماء قائل ہیں، اس پر تو اتفاق ہے کہ صبح میں طوال مفصل اور مغرب میں قصار کا پڑھنا مستحب ہے اور ظہر میں دو قول ہیں، طوال مفصل، یا اوساط، اور عصر و عشاء میں عند الجمہور اوساط مفصل اور مالکیہ کے نزدیک عصر میں بھی مثل مغرب کے قصار کا پڑھنا اولیٰ ہے۔

حدثنا مسدد بن عمار قال قال عبد الله بن عبيد الله قال دخلت على ابن عباس في شباب من

بنی ہاشم۔

شرح حدیث

حضرت عبداللہ بن عباس کے پوتے جن کا نام عبداللہ ہے وہ فرماتے ہیں کہ میں بنو ہاشم کے چند نوجوانوں کے ساتھ حضرت ابن عباس کی خدمت میں پہنچا اور ان سے سوال کیا کہ کیا آپ صلی اللہ علیہ وسلم ظہر اور عصر یعنی سری نمازوں میں قرات فرماتے تھے انھوں نے فرمایا نہیں، انہیں ان سے کہا گیا کہ شاید سر اڑھتے ہوں تو اس پر ناراض ہوئے فقال خمشا هذا شر من الاولیٰ، تیرا منہ نوچ لیا جائے، اصل میں تھا خمش خمشاً، اور فرمایا کہ یہ بات یعنی قرات سر پہلی بات یعنی عدم قرات سے بڑی ہے اس لئے کہ آپ صلی اللہ علیہ وسلم اللہ کے بندے تھے جو تبلیغ احکام کے نامور و مکلف تھے، بظاہر مطلب یہ ہے کہ اگر ان دو نمازوں میں قرات ہوتی تو آپ ہمیں یہ بات ضرور بتاتے اور ہمیں بھی کیا بتاتے بلکہ سب کو بتاتے کیونکہ احکام مخرج عام ہیں کسی کے ساتھ خاص نہیں ہاں البتہ بعض احکام ہیں جو بنو ہاشم کے ساتھ خاص ہیں، اور پھر آگے انھوں نے تین حکم بیان کئے امرنا ان نسیغ الوضوء وان لا ناکل الصدقة وان لا تنزى العمار على الفرس، ان تین چیزوں میں سے درمیانی چیز تو واقعی بنو ہاشم کے ساتھ خاص ہے اور پہلی و تیسری یعنی اسباغ وضو اور انزال عمار علی الفیل کسی کے ساتھ خاص نہیں، اب یا تو یہ کہا جائے کہ وہ ان دو کو اپنے علم کے اعتبار سے خاص قرار دے رہے ہیں، یا ممکن ہے ان دو چیزوں کے ساتھ آپ صلی اللہ علیہ وسلم

لہ ائمہ ثلاثہ کے مذہب کی تفصیل اس طرح ہے مالکیہ کے نزدیک یہ ہے کہ ظہر میں صبح کی نماز سے ذرا کم، اور عشاء میں اوساط مفصل اور عصر و مغرب میں قصار مفصل، اور حنابلہ کے نزدیک (کما فی عروض المربع) صبح کی نماز میں طوال مفصل اور مغرب میں قصار اور باقی تین نمازیں، ظہر عصر عشاء میں اوساط مفصل، اور شافعیہ کے نزدیک یہ ہے کہ ظہر میں قرات صبح کے قریب قریب، اور عصر و عشاء میں اوساط اور مغرب میں قصار

نے بنو ہاشم کو تاکید کے ساتھ مخاطب فرمایا ہو۔

اس کے بعد جاننا چاہئے کہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کے حق میں تو صدقہ نافلہ اور فرض دونوں حرام تھے، اور آپ کی آل اور بنو ہاشم کے حق میں صدقہ مفروضہ کے بارے میں تو اتفاق ہے کہ وہ ان کے لئے جائز نہ تھا، البتہ صدقہ نافلہ کے جواز و عدم جواز میں اختلاف ہے یہی مذہب ہمارا ہے اور یہی شافعیہ کا۔

انصار الحمار علی الخیل جس سے بغل یعنی خیر و جود میں آتا ہے، سب علماء کے نزدیک جائز ہے سوائے عمر بن عبدالعزیز کے، کہ ان سے کراہت منقول ہے، لہذا اس حدیث کو صرف خلافت اولیٰ پر محمول کیا جائیگا اس لئے کہ یہ استبدال الادانی بالخیر کے قبیل سے ہے، عمدہ چیز کو گھٹیا سے بدلنا، کیونکہ ظاہر ہے کہ بغل خیل سے ادنیٰ ہو دیکھئے گھوڑا جہاد میں جتنا کام آسکتا ہے اتنا خیر نہیں آسکتا اسی لئے اس کا مال عنیت میں مستقل حصہ بھی ہوتا ہے، نیز بعض روایات سے مترشح ہوتا ہے کہ جنت میں فرس کا وجود ہوگا، امام ترمذی نے مستقل باب باندھا ہے، باب ما جاز فی صدقہ خیل الجنت۔

حدثنا زیاد بن ایوب الخ قولة عن ابن عباس قال لا ادری اکان رسول الله صلى الله عليه

وسلم يقرأ في الظهر والعصر ام لا

اس روایت سے معلوم ہوا کہ اولاً ابن عباس ظہر میں سری نمازوں میں قرات کا ثبوت قرار دیتے تھے اور کچھ روز بعد ان کو اس میں تردد ہو گیا تھا جب دوسرے صحابہ سے اس کے خلاف سننے میں آیا ہوگا اور پھر کچھ روز بعد ان دو نمازوں میں قرات کے قائل ہو گئے تھے کہ حقیقۃ الطحاوی فی شرح معانی الآثار۔

باب در القراءۃ فی المغرب

۱۔ حدثنا القعنبي الخ قولة عن ابن عباس ان ام الفضل سمعته وهو يقرأ والمرسلات عرفاً

.... انہا الآخر ما سمعت رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم یقر بہا فی المغرب۔ ام الفضل حضرت ابن عباس کی والدہ اور حضرت سیمونہ بنت جحش میں انھوں نے ایک روز ابن عباس کی قرات سنی جب کہ وہ سورۃ والمرسلات تلاوت کر رہے تھے یہ سنکر وہ فرمانے لگیں کہ اے بیٹے تو نے اس سورت کو پڑھ کر مجھے ایک خاص واقعہ کو یاد دلایا، وہ یہ کہ میں نے حضور صلی اللہ علیہ وسلم کی سب سے آخری قرات جو سنی ہے وہ آپ کا اسی سورت کو پڑھنا ہے جس کو آپ نے مغرب کی نماز میں پڑھا تھا، بخاری کی ایک روایت میں تفریق

ہے وہ فرمائی تھیں کہ یہ حضور صلی اللہ علیہ وسلم کی آخری نماز تھی اس کے بعد آپ کو نماز پڑھنے کی نوبت نہیں آئی۔

آخر ماصلی رسول اللہ کے بارے میں اختلاف روایات | جانتا چاہیے کہ یہ روایت اسی طرح بخاری میں بھی موجود ہے اور بخاری ہی کی ایک دوسری روایت میں جو حضرت عائشہؓ سے مروی ہے یہ ہے کہ آپ صلی اللہ علیہ وسلم کی آخری نماز ظہر کی ہے۔ اب ان دونوں روایتوں میں بظاہر تعارض ہو رہا ہے۔ جواب یہ ہے کہ حضرت عائشہؓ کی مراد یہ ہے کہ آپ کی آخری وہ نماز جو جماعت کے کیساتھ مسجد میں ادا فرمائی وہ ظہر ہے اور ام الفضل کی مراد صلوٰۃ مغرب فی البیت ہے تو گویا ہر ایک کا آخر ہونا دو مختلف اعتبار سے ہے۔ اور آپ کی وہ آخری نماز جو ہر اعتبار سے آخری تھی وہ ظاہر ہے کہ دو شنبہ کے دن صبح کی نماز ہے جس کو آپ نے گھر میں منفرداً ادا فرمایا جیسا کہ ثابت کیا ہے اس کو حافظ ابن کثیر نے البدایہ والنہایہ میں بخاری و مسلم کی روایات کو سامنے رکھتے ہوئے اس میں امام بیہقیؒ کی رائے ایک جدا گانہ ہے بعض روایات کے ظاہر کو دیکھتے ہوئے وہ فرماتے ہیں کہ آپ کی آخری نماز دو شنبہ کی صبح والی حضرت ابو بکرؓ کے پیچھے جماعت کے ساتھ تھی، حافظ ابن کثیر نے اس رائے کی قوت کیساتھ تردید کی ہے، یہ ساری بحث الفیض السہائی میں کسی قدر تفصیل سے مذکور ہے۔

۲۔ حدثنا القعنبي..... عن محمد بن جبیر بن مطعم عن أبيه انه قال سمعت رسول الله

صلی اللہ علیہ وسلم یقرأ بالطور فی المغرب۔ اس حدیث کے بارے میں امام دارقطنی کی رائے یہ ہے جیسا کہ ابن رسلان نے لکھا ہے وہم فیہ بعض الرواة وانما هو فی الركعتین بعد المغرب وقت الترمذی کرمہ مالک الطوال فی المغرب (حاشیہ البذل) جن روایات سے مغرب کی نماز میں تطویل قرار ت ثابت ہوتی ہے علمائے اس کے مختلف جواب دیئے ہیں علی بیان الجواز علی عدم الشقة علی القوم۔ مسنوخ علی لعلہ کان یقرأ بعض السورة الطويلة۔ قاله الطحاوی وابن الجوزی، اور خاص طور سے جبیر بن مطعم کی حدیث کا جواب دارقطنی کی طرف سے گزر چکا۔

کیا مغرب کی نماز میں تطویل قرار کا ثبوت ہے | یہ بات پہلے آچکی ہے کہ صبح کی نماز میں تطویل اور مغرب کی نماز میں تطویل فی القرات تقریباً متفق علیہ ہے لیکن مغرب میں بعض علماء کا اختلاف منقول ہے، علامہ عینی نے سلف کی ایک جماعت سے اس میں

لہ اور یہ واقعہ یوم النہس کا ہے یعنی وفات سے چار دن پہلے کا کما اثبتہ حافظ ابن کثیر بروایہ البخاری ۱۲

تطویل نقل کی ہے۔ اور امام ترمذی نے امام شافعی سے نقل فرمایا کہ حضرت امام مالک تطویل فی المغرب کو مکروہ سمجھتے تھے۔ امام شافعی فرماتے ہیں لیکن میں اس کو مکروہ نہیں سمجھتا ہوں بلکہ مستحب سمجھتا ہوں کہ ان سورتوں کو بھی مغرب میں پڑھا جائے۔ اس پر حافظ ابن حجرؒ لکھتے ہیں کہ علامہ بغوی نے بھی شرح السنہ میں امام شافعی سے اسی طرح استحباب نقل کیا ہے۔ لیکن معروف عند الشافعیہ یہ ہے کہ ان لمبی سورتوں کے پڑھنے میں نہ کراہت ہے نہ استحباب، حافظ فرماتے ہیں کہ مغرب میں قصار مفصل کی تنصیف مجھے کسی حدیث مرفوعہ میں نہیں ملی سوائے ابن ماجہ کی ایک حدیث بروایت ابن عمرؓ فوجا جس میں یہ ہے کہ آپ صلی اللہ علیہ وسلم مغرب میں قل یا ایہا الکافرون اور قل ہو اللہ احد پڑھتے تھے۔ اور ایک وہ حدیث ابو ہریرہؓ جس کی تخریج نسائیؒ اور ابن خزیمہؒ وغیرہ کی ہے ماریت (حدًا اشبه صلوة برسول اللہ من فلان قال سلیمان الراوی) فكان یقرأ فی الصبح بطوال المفصل وفي المغرب بقصار المفصل، اور ایسے ہی حدیث رافعؓ انہم كانوا یتصلون بعد صلوة المغرب، یہ بھی مغرب میں تخفیف قرات پر دال ہے۔

۳۔ حد ثنا الحسن بن علی.... عن مروان بن الحكم قال قال لی زید بن ثابت مالم نکثر فی المغرب بقصار المفصل الخ زید بن ثابتؓ نے مروان سے فرمایا کہ کیا بات ہے آپ ہمیشہ مغرب میں قصار مفصل پڑھتے ہیں حالانکہ میں نے حضور صلی اللہ علیہ وسلم کو دیکھا ہے کہ مغرب میں آپؐ دو لمبی سورتوں میں جو زیادہ لمبی ہے وہ پڑھتے تھے، اس پر عروہ سے پوچھا گیا کہ ان دو سورتوں نے کیا مراد ہے تو انھوں نے کہا کہ سورہ اعراف اور سورہ انفام، اور ان میں زیادہ طویل اعراف ہے اعراف میں جو بیس رکوع ہیں اور انفام میں بیس رکوع، اور اس کے بارے میں ابن ابی ملیک سے سوال کیا گیا تو انھوں نے فرمایا کہ مراد سورۃ المائدہ والاعراف ہے، مائدہ میں صرف سولہ رکوع ہیں، تو گویا زیادہ لمبی کا مصداق دونوں قول پر اعراف ہی ہوئی، اور ثانی کے مصداق میں اختلاف ہو گیا کہ وہ مائدہ ہے یا انفام۔

مقدار قرات فی الصلوۃ میں صاحب بدائع کی رائے جانا چاہئے کہ قرات مستحبہ کے بارے میں جو تفصیل شروع میں لکھی گئی ہے وہ جمہور فقہاء کی رائے ہے، اور فقہائے احناف میں سے صاحب بدائع کی رائے اس سے مختلف ہے وہ قرات میں عدم تعدیر کے قائل ہیں، اور فرماتے ہیں کہ اس کا مدار وقت کی گنجائش اور قوم کی رعایت پر ہے، یعنی نمازیوں کی رعایت زیادہ اہم اور مقدم ہے اس لئے کہ حدیث شریف میں من اقم قوماً فلیخفف وارد ہوا ہے لہذا امام کے لئے مناسب یہ ہے کہ اتنی قرات کرے کہ قوم پر گراں نہ ہو، حضرت شیخؒ فرماتے تھے کہ میرے والد مولانا محمد یحییٰؒ بھی اسی رائے کو پسند کرتے تھے۔ ایسے ہی درمختار وغیرہ میں تفرع ہے کہ مفصل کی سورتوں کی جو تقسیم نمازوں کے حق میں لکھی

ہے فلاں نماز میں فلاں سورت اور فلاں میں فلاں یہ حالت حفر میں ہے سفر میں نہیں اس میں اختیار ہے جیسا وقت کا تقاضا ہو۔

باب من رأى التحفيف فيها

۱- حدثنا موسى بن اسماعيل الخ قال ابوداؤد وهذا يدل على ان ذلك منسوخ، یعنی یہ فعل عروہ اس بات پر دال ہے کہ وہ جو پہلے باب میں مغرب کی نماز میں لمبی سورتوں کا پڑھنا ثابت ہے وہ منسوخ ہے، نسخ بظاہر اس اعتبار سے ہے کہ گزشتہ روایت کے زاوی عروہ تھے اور ان کا یہ عمل ان کی بیان کردہ روایت کے خلاف ہے اور مشہور ہے کہ راوی کا عمل اپنی روایت کے خلاف نسخ کی دلیل ہوا کرتا ہے امام ابو داؤد کی رائے پر ابن حجر نے اشکال کیا ہے کہ ام الفضل کی روایت جس میں مغرب کی نماز میں دالمہر سلات پڑھنا حضور صلی اللہ علیہ وسلم کا مذکور ہے جو کہ آپ کی آخری نماز تھی اس کو منسوخ کیسے کہا جاسکتا ہے، لیکن میں کہتا ہوں کہ اگر امام طحاوی اور ابن الجوزی کی توجیہ کو لیا جائے تو پھر حافظ کا اشکال صحیح ہوگا۔

۲- حدثنا احمد بن سعيد الخ قوله ما من الفصل سورة صغيرة ولا كبيرة الا وقد سمعت رسول الله صلى الله عليه وسلم يؤتم الناس بها في الصلوة المكتوبة. بذل میں لکھا ہے کہ یہ حدیث ترجمۃ الباب یعنی تخفیف فی المغرب سے کوئی مناسبت قریبہ نہیں رکھتی۔ میں کہتا ہوں کہ بات تو یہی ہے لیکن یہ بھی کہا جاسکتا ہے کہ اس حدیث کی ترجمۃ الباب سے مناسبت | حدیث سے مطلقاً تمام نمازوں میں تخفیف فی القرات مستفاد ہو رہی ہے اور جب سب نمازوں میں تخفیف ثابت ہوئی تو مغرب بھی اسی میں آگئی، اور یہ اس لئے کہ تخفیف در تطویل امور اضافیہ میں سے ہیں، مفصل کی تمام ہی سورتیں قصار ہیں متین اور مثانی کے مقابلہ میں، یہ امر آخر ہے کہ خود مفصل میں بعض بڑی اور بعض چھوٹی ہیں، واللہ تعالیٰ اعلم۔

باب الرجل يعيد سورة واحدة في الركعتين

ایک ہی سورت کا تکرار دو رکعتوں میں حنفیہ وحنابلہ کے نزدیک بلاکراہت جائز ہے، مالکیہ اور بعض حنفیہ کراہت کی طرف گئے ہیں اور شافعیہ کے نزدیک خلاف اولیٰ ہے (منہل)

باب القراءة في الفجر

۱۔ حدثنا حفص بن عمر.... عن ابی ہریرۃ قال کان رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم یصلی الفجر.... ویقرأ فیہا من السنین الی المباشۃ، ابو بکرۃ الاسلمی کی یہ حدیث متفق علیہ ہے اور بخاری کی روایت میں اس طرح ہے فی الکرعتین أو احداہما یعنی دونوں رکعتوں میں یا ایک رکعت میں سو یا ساٹھ آیتیں پڑھتے تھے۔ اور مسلم کی ایک روایت میں بروایت جابر بن عمر فی الصبح بق وار د ہے، اور اسی کی ایک دوسری روایت میں بالاضقت اور مستدرک حاکم کی ایک روایت میں سورہ واقعہ وارد ہے، قالہ لفظ نیز مسلم کی ایک روایت میں ہے اور ابوداؤد میں بھی باب الصلوۃ فی النعل میں گزر چکی، انہ صلی اللہ علیہ وسلم صلی بمکۃ فاستفتح سورۃ المؤمنین، الحدیث۔

۲۔ عن عمرو بن حریث قال کافی اسمع صوت النبی صلی اللہ علیہ وسلم یقرأ فی صلوۃ الفداۃ فلا اقسر بالحنس الجوار والکنس۔ صحابی اپنے قوت حفظ کی طرف اشارہ کرتے ہوئے فرما رہے ہیں کہ گویا میں اس وقت سن رہا ہوں حضور صلی اللہ علیہ وسلم کا صبح کی نماز میں اس آیت کو پڑھنا یعنی وہ سورت جس میں یہ آیت مذکور ہے، سورہ اذا الشمس کورت عند الاحناف طوال مفصل میں سے ہے اور عند الجہور اوساط میں سے۔

باب من تراء القراءة في صلوة

قرارت کی رکینت میں جو کچھ اختلاف ہے وہ ہمارے یہاں ابواب القرات کے شروع میں تفصیل سے گزر چکا دراصل یہاں تین مسائل ہیں قرارت کا حکم کہ فرض ہے یا سنت، اور مسئلہ ثانیہ یہ کہ رکن قرارت مطلق قرارت ہے

لہ بندہ کے خیال میں خاص طور سے اس آیت کو جو ذکر فرما رہے ہیں شاید اس کی وجہ یہ ہو کہ اس آیت کے سننے کی وقت ان صحابی پر کوئی خاص حکمیت جاری ہوئی ہو اسی لئے یہ آیت خاص طور سے یاد رہی اور اس میں کیا شک ہے کہ یہ حضرات ارباب قلب تھے، اور یہ بھی ممکن ہے کہ جس وقت یہ نماز کیلئے مسجد میں داخل ہوئے ہوں اس وقت حضور صلی اللہ علیہ وسلم اس آیت کو تلاوت فرما رہے ہوں، حضرت سہارنپوری کے حالات میں لکھا ہے حضرت فرماتے ہیں کہ جب میری سب سے پہلے گنگوہ حاضری ہوئی تو

تو آیت سب سے پہلے حضرت کے کان میں پڑی وہ سورہ احزاب کی یہ آیت تھی اَشْهَدُ عَلَى الْخَيْرِ ۱۲

یا خاص سورۃ فاتحہ اور تیسرا مسئلہ قرارت خلف الامام پہلا مسئلہ تو گزر چکا۔

رکنیت فاتحہ میں اختلاف ائمہ یہاں حدیث الباب میں مسئلہ ثانیہ مذکور ہے چنانچہ یہ مسئلہ مختلف فیہ ہے

عند الاحناف نفس قرارت فرض ہے اور فاتحہ کی تعیین واجب اور جمہور علماء ائمہ ثلاثہ کے نزدیک رکن قرارت کا مصداق نفس قرارت نہیں بلکہ سورۃ فاتحہ ہے، اگر کوئی سارا قرآن پڑھے اور فاتحہ نہ پڑھے تو فرض ادا نہ ہوگا، حنفیہ کہتے ہیں کہ نفس قرارت کا ثبوت نص قطعی سے ہے لہذا وہ فرض ہوگی اور فاتحہ کی تعیین اخبار اعماد سے ہے لہذا فاتحہ کا پڑھنا واجب ہوگا نہ کہ فرض بغیر فاتحہ کے فرض ادا ہو جائے گا لیکن نماز ناقص اور واجب الامادہ ہوگی، غرضیکہ حنفیہ ثابت بالقرآن کو فرض اور ثابت بالسنہ کو واجب مانتے ہیں۔

۱۔ حدثنا ابو الولید الطیالسی قال قتلہ امرنا ان نقرا بفاتحة الكتاب وما تيسر. اور اس سے اگلی حدیث مرفوع میں ہے جس کے راوی ابو ہریرہ ہیں لاصلوۃ الا بقراءۃ الكتاب فما زاد۔

حدیث حنفیہ کے موافق ہے یہ دونوں حدیثیں جمہور کے خلاف ہیں، پہلی اس لئے کہ اس میں فاتحہ کے علاوہ ما تیسر مذکور ہے یعنی ضم سورت کیونکہ جمہور ضم سورت کے وجوب

کے قائل نہیں، بخلاف احناف کے کہ وہ فاتحہ اور ضم سورت دونوں کو واجب مانتے ہیں، اور دوسری حدیث دو حیثیت سے ان کے خلاف ہے ایک تو یہی کہ اس میں ما زاد علی الفاتحہ مذکور ہے، دوسرے اس لئے کہ اس میں فاتحہ کی تعیین نہیں بلکہ یہ ہے الا بقراءۃ، وہ حضرات کہتے ہیں کہ یہ حدیث ضعیف ہے اس کے اندر جعفر بن یسویں ہیں، اس کا جواب حضرت نے بذل نہیں دیا ہے کہ جعفر بن یسویں کی بہت سے حضرات نے توثیق کی ہے، غرضیکہ متروک بالاتفاق نہیں۔

۲۔ حدثنا القصبی قال قال رسول الله صلى الله عليه وسلم لم يقرأ فيها بام القرآن فهي خداج فهي خداج غير متمم خداج أي فات خداج، خداج بمعنى نقصان، كغير قرارت فاتحہ کے نماز ناقص ہے اور یہی احناف کہتے ہیں یہ لفظ ما خذ ہے خذجت الناقة ولدھا سے اور یہ اس وقت کہتے ہیں کہ جب اونٹنی کے بچہ پیدا ہو مدت پوری ہونے سے پہلے وان کمل خلقة اگرچہ وہ بچہ کامل الخلق اور تام الاعضاء ہو، لہذا جو نماز بغیر فاتحہ کے پڑھی گئی وہ ارکان و فرائض کے اعتبار سے پوری ہے۔ گو صفت نقصان کے ساتھ مستقص ہے۔

قوله فقلت يا ابا هريرة اني اكون احيا فاداء الامام قال فغمز ذراعي وقال انه ائما يا فارسي في نفسك، اس اثر ابو ہریرہ میں فاتحہ خلف الامام کا مسئلہ مذکور ہے، اولاً اس میں اخلاص ائمہ سنئے۔

فاتحہ خلف الامام میں مذاہب ائمہ فاتحہ خلف الامام ائمہ ثلاثہ حنفیہ، مالکیہ، حنابلہ کے نزدیک غیر واجب ہے امام شافعی کا قول قدیم بھی یہی ہے اور ان کے قول جدید میں قرارت

فاتحہ خلف الامام مطلقاً فی الجہریہ والسرّیہ فرض ہے بغیر اس کے نماز صحیح ہی نہ ہوگی، غرضیکہ اس پر تو جمہور علاوہ شافعیہ کے متفق ہیں کہ واجب نہیں۔ پھر آگے استحب و کراہت میں اختلاف ہے، حنفیہ کے یہاں مکروہ تحریمی ہجر اور مالکیہ و حنابلہ کے نزدیک صلوٰۃ سرّیہ میں استحب اور جہریہ میں مکروہ ہے البتہ امام احمدیہ فرماتے ہیں کہ جہری نماز میں اگر مقتدی امام کی قرارت کو نہ سن رہا ہو اس تک آواز نہ پہنچ رہی ہو تب بھی استحب ہے، اسی طرح حنفیہ میں سے امام محمدؒ بھی سرّی نماز میں استحب قرارت کے قائل ہیں (دکائی البدل ص ۱۵۷)

امام بخاریؒ نے باب قائم فرمایا "باب وجوب القراءة علی الامام والمأموم" علامہ قسطلانی اس باب کی شرح میں لکھتے ہیں وهو قول الجمهور وخلافاً للحنفية اه اس پر حاشیہ لایع میں حضرت شیخؒ نے تحریر فرمایا ہے کہ تعجب کی بات ہے وجوب القرات علی المقتدی کو قسطلانی نے قول جمہور کیسے قرار دیا ہے حالانکہ ائمہ ثلاثہ عدم وجوب کے قائل ہیں۔

ہمارے علماء فرماتے ہیں کہ شافعیہ کے پاس ایک حدیث بھی ایسی صحیح اور صریح نہیں جس سے قرارت خلف الامام کا وجوب ثابت ہوتا ہو، اس لئے کہ جن روایات سے وجوب فاتحہ ثابت ہوتا ہے وہ خلف الامام سے متعلق نہیں، اور جو روایات خلف الامام سے متعلق ہیں ان سے وجوب ثابت نہیں ہوتا بلکہ زائد سے زائد اباحت ثابت ہوتی ہے پھر جاننا چاہئے کہ شافعیہ کے پاس اس سلسلہ کی بس ایک ہی صحیح اور زوردار دلیل ہے، یعنی عبادۃ بن الصامت کی حدیث، جو کہ متفق علیہ ہے اس کے علاوہ اور جو دوسری احادیث ہیں ان میں چونکہ ولو بغتۃ فمنا زاد، الفاظ کی زیادتی ہے اور اس زیادتی کے وجوب کے شافعیہ قائل نہیں ہیں، اس لئے وہ اس قسم کی روایات کو صرف منفرد پر محمول کرتے ہیں یعنی غیر مقتدی پر، چنانچہ امیرؒ مامی نے سئل السلام شرح بلوغ المرام میں اس کی تفسیر کی ہے اور وہ فاتحہ خلف الامام کے قائل ہیں، یہ حدیث عبادہ ابو داؤد میں آگے آرہی ہے اس کے جوابات دیئے جائیں گے۔

اب آپ اثر ابو ہریرہ مذکور فی المتن کے بارے میں سنئے وہ فرما رہے ہیں اقرا بھا یا فارسی فی نفسک، قرارت فی النفس یعنی دل، دل میں پڑھنا استحضار مضمون کو کہتے ہیں اور اس کے ہم بھی منکر نہیں، قولہ منافی سمعت رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم یقول قال اللہ عز وجل۔

اقرا بھا فی نفسک یا فارسی کی تشریح | حضرت ابو ہریرہ اپنے مدعا یعنی قرارت فاتحہ فی النفس پر دلیل پیش کر رہے ہیں جس کا حاصل یہ ہے کہ سورہ فاتحہ بڑی مبارک اور دعاؤں

پر مشتمل سورت ہے، سراسر خیر ہی خیر ہے میں اس پر کہا کرتا ہوں کہ اس سے مترشح ہوتا ہے کہ خود ابو ہریرہؓ کے نزدیک لا صلوة لمن لم یقرء بغتۃ المکتاب عام نہیں ہے مقتدی اس میں داخل نہیں ہے اس لئے کہ اگر یہ

عام ہوتی تو پھر ابو ہریرہؓ کو سائل کے جواب میں یوں فرمانا چاہئے تھا کہ جب حضور صلی اللہ علیہ وسلم صاف طور سے فرما رہے ہیں لا صلوة الا بغنا تحت الکتب تو پھر تم کو اسکے خلف الامام پڑھنے میں کیا تردد ہے؟ پھر تو ان کی بیان کردہ روایت ہی دلیل کے لئے کافی تھی، مزید دلیل اور استدلال کی حاجت ہی نہ تھی، معلوم ہوا کہ وہ خود بھی سمجھتے تھے کہ وہ حدیث مقتدی پر محمول نہیں نیز ابو ہریرہؓ نے اس استدلال میں جو دلیل پیش کی ہے وہ فضائل کے قبیل سے ہے نہ کہ فضائل کے قبیل سے تو بالفرض اگر مان بھی لیں کہ ابو ہریرہؓ کی یہ مراد ہے کہ امام کے پیچھے حقیقتہً قرارت ہونی چاہئے تو پھر اس دوسری دلیل سے صرف فضیلت ثابت ہوگی نہ کہ فرضیت، اور صرف فضیلت کے ثبوت سے شافیہ کا مقصد حاصل نہیں ہو سکتا وہ تو فرضیت فاتحہ کے قائل ہیں میں تو کہتا ہوں کہ ہماری گفتگو مسائل میں ہو رہی ہے نہ کہ فضائل میں اور وہ حدیث پیش کر رہے ہیں فضیلت والی اور جس حدیث مرفوعہ سے وجوب ثابت ہو سکتا تھا اس کو وہ پیش نہیں فرما رہے ہیں کیا وجہ ہے؟ یہی تو وجہ ہے کہ ان کے نزدیک بھی اس کا محل مقتدی نہیں ہے یہاں ایک بات یہ بھی دیکھنی ہے کہ حضرت ابو ہریرہؓ نے غزہ ذرائع کیوں کیا یعنی کہنی مار کر کیوں متوجہ کر رہے ہیں! اشارہ ہے شاگرد کو اس بات کی طرف کہ چپکے رہو شہور نہیں کیا کرتے، سورہ فاتحہ بڑی فضیلت والی سورت ہے اس کی قرارت سے چوکنا نہیں چاہئے حضرت شیخ فرمایا کرتے تھے بلکہ ادب نہیں بھی لکھا ہے کہ حضرت ابو ہریرہؓ بعض مرتبہ عشق رسول کی وجہ سے ظاہر حدیث پر بھی عمل کر لیا کرتے تھے، چنانچہ مسلم شریف میں ہے کہ ابو ہریرہؓ ایک مرتبہ وضو فرما رہے تھے جس میں وہ اپنے ہاتھوں کو بغل تک دھو رہے تھے کچھ ایک عجی شاگرد کھڑا تھا اس نے سوال کیا ماہذا یا ابا ہریرہؓ، ان کو معلوم نہیں تھا کہ یہاں کوئی کھڑا ہے اور مجھے اس طرح وضو کرتے ہوئے دیکھ رہا ہے، فوراً چونک کر بولے یا بنی خذوخی انتم ہھنا الو علمت انکم ہھنا ما ترضات هذا الوضوء، کہ اے عجیبو تم یہاں موجود ہو اگر مجھے معلوم ہوتا کہ تم یہاں موجود ہو تو میں اس طرح کا وضو نہ کرتا، کیوں؟ اس لئے کہ ان کا یہ طرز عمل جمہور صحابہ کے منسلک کے خلاف تھا مگر وہ ظاہر حدیث جو آثار وضو کی فضیلت کے بارے میں ہے اس پر عمل کرتے ہوئے ایسا کر رہے تھے، اور چونکہ ان کا یہ طرز عمل جمہور کے خلاف تھا اس کے اظہار میں خوف انتشار تھا اس لئے اس کو کسی کے سامنے نہیں کرنا چاہتے تھے، اسی طرح کی بات یہاں بھی پائی گئی کہ انہوں نے شاگرد کے کہنی مار کر فرمایا خاموش رہو جس طرح بھی ہو اس سورت کو پڑھ لیا کرو، اور اگر مراد یہ لیا جائے کہ اس سورت کے مضمون کا استحضار رکھا کرو تب تو کوئی اشکال ہی نہیں ہے

قولہ۔ فنصفھا لی و نصفھا لصدیق، اس حدیث سے معلوم ہو رہا ہے کہ سورہ فاتحہ میں سات آیات ہیں جیسے سے شروع کی تین آیات اللہ کی بڑائی اور اس کی حمد و ثناء میں ہیں اور اخیر کی تین بندہ کی اپنے لئے دعائیں ہیں اور درمیانی چوتھی آیت ایاک نعبد و ایاک نستعین، مشترک ہے حمد و ثناء اور دعا کے درمیان،

اور بسم اللہ کا اس میں کہیں ذکر نہیں آیا اس سے معلوم ہوا کہ بسم اللہ فاتحہ کا جزو نہیں ہے، امام لڑوی نے شافعیہ کی طرف سے جو کہ جزئیۃً بسم اللہ کے قائل ہیں متعدد جواب دیئے۔ علامہ شوکانی کہتے ہیں کہ ان میں سے بعض جواب تو ان کے حق میں مفید ہی نہیں اور بعض نقص سے خالی نہیں۔

۳۔ حدثنا قتیبہ بن سعید الخ قال عن عبادة بن الصامت يبلغ به النبي صلى الله عليه وسلم قال لا صلوة لمن يقرأ بفاتحة الكتاب فصاعداً. یہ حدیث متفق علیہ ہے بلکہ صحاح ستہ میں ہے اس سے جمہور علماء ائمہ ثلاث نے رکینت فاتحہ پر استدلال کیا ہے اور مذاہب اربعہ میں سے صرف شافعیہ نے اس حدیث کے عموم کے پیش نظر مقتدی کو اس میں شامل مان کر فاتحہ خلف الامام کی فرضیت پر بھی اسی سے استدلال کیا ہے، رکینت فاتحہ پر کلام گذر چکا مسئلہ ثانیہ یعنی فاتحہ خلف الامام پر بحث باقی ہے، شافعیہ کیلئے سب سے بڑی اور قوی دلیل یہی ہے کیونکہ یہ متفق علیہ حدیث ہے، ہماری طرف سے اس کے متعدد جواب دیئے گئے ہیں، یہ حدیث منفرد پر محمول ہے جس کے متعدد قرائن ہیں دوسری روایات مرفوعہ اور آثار صحابہ مثلاً اذا قرأنا فاستوا، من كان له امام فقرأه الا لم يقرأه الا له، خود آگے اسی روایت میں سفیان بن عیینہ راوی حدیث فرما رہے ہیں لمن يصل وحده اس پر خطابی شارح حدیث نے اعتراض کیا کہ یہ تخصیص بلا دلیل ہے درست نہیں، ہماری طرف سے جواب دیا گیا کہ یہ تخصیص باللیل ہے بلا دلیل نہیں جیسا کہ ابھی گذرا، اور اگر اس کو عام ہی رکھنا ہے تو پھر یہ بھی ہو سکتا ہے، لیکن اگر آپ اس میں تقیم کرتے ہیں تو پھر ہم بھی اس میں تقیم کریں گے دو عہد متفقہ فہمنا (کافی تقریر الکنز) یعنی اگر آپ اس حدیث میں عموم مانتے ہیں منفرد اور مقتدی دونوں کا تو پھر ہمارا عموم بھی تسلیم کرنا ہو گا وہ یہ کہ قرأت عام ہے حقیقہ ہو یا حکمیہ اور مقتدی بھی حکماً قاری ہے بقراءة الامام۔

الجواب الثانی، یہ حدیث بخاری و مسلم دونوں میں ہے صحیح بخاری میں تو لفظ فصاعداً موجود نہیں ہے لیکن مسلم اور ابوداؤد وغیرہ کی روایات میں یہ زیادتی ثابت ہے، اور یہ زیادتی پائے جانے کے بعد پھر یہ حدیث شافعیہ کے لئے کارآمد نہیں رہتی بلکہ ان کے خلاف پڑ جاتی ہے اس لئے کہ وہ حضرات مقتدی کے حق میں صرف فاتحہ کے قائل ہیں اس سے زائد کے نہ وجوہاً قائل ہیں استحباً، حضرت امام بخاری فصاعداً کی زیادتی کو ثابت نہیں مانتے جبکہ یہ لفظ صحیح مسلم اور باقی سنن کی کتابوں میں موجود ہے، امام بخاری نے اس لفظ کے دو جواب دیئے اول یہ کہ اس زیادتی کے کیسا تھ معمر بن راشد یعنی زہری سے روایت کرنے میں مستفرد ہیں، دوسرے حضرات محدثین

لے مگر ان کا استدلال بخاری شریف کی روایت کے الفاظ سے ہے جیسے فصاعداً کی زیادتی نہیں ہے، فصاعداً کے لفظ سے تو مسئلہ نازک بن جاتا ہے ۱۲

۲۔ جواب دیا کہ دیکھئے اس زیادتی کو سنن ابوداؤد میں زہری سے روایت کرینوالے سفیان بن عیینہ میں پھر معمر متفرکہاں ہوئے اول تو معمر بالکل ثقہ اور صحاح ستہ کے راوی ہیں اور زیادتی ثقہ کی معتبر ہوتی ہے۔ پھر جب کہ وہ متفرکہ بھی نہیں، نیز ان کی متابعت اور راویوں نے بھی کی ہے، چنانچہ بذل الجہود صحیحہ میں لکھا ہے وکذلك تابعه فيها صالح والاذن والاعراب وعبد الرحمن بن اسحاق وغيرهم كلهم عن الزهري دوسرا جواب حضرت امام بخاری نے اس کا یہ دیا کہ یہ فصاعداً تقطع اليد فی ربع دینار فصاعداً کے قبیل سے ہے دیکھئے نصاب سرقہ عند الجہور ربع دینار ہے اور اس پر زیادتی ہونا ضروری نہیں بلکہ ربع دینار کے سرقہ پر ہی قطعید ہو جاتا ہے لہذا معلوم ہوا کہ فصاعداً کا پایا جانا ضروری نہیں، اور یہ ضروری نہیں کہ جو حکم اسکے ماقبل کا ہے وہی اس کا بھی ہو۔

ہم کہتے ہیں ٹھیک ہے ضروری تو نہیں لیکن اس کا پایا جانا ضروری تو نہیں اور آپ تو یہاں ما زاد علی الفاتحہ کے کسی طرح بھی قائل نہیں، لہذا یہ جواب یکسے درست ہوا، اول تو ہم دیکھتے ہیں کہ حدیث میں ایسے بعض مواضع بھی ہیں جہاں فصاعداً ماقبل کے حکم میں ہے جیسا کہ اس حدیث الاضحیہ میں امیرنا رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم أن فسئت العین والاذن فصاعداً اس لئے کہ قربانی کے جانور میں صرف عین واذن کا صحیح و سالم ہونا کافی نہیں بلکہ دوسرے اعضاء کا بھی صحیح و سالم ہونا ضروری ہے۔ جس کو فصاعداً سے بیان کیا ہے، اور امام بخاری نے جو مثال پیش کی ہے وہاں بیشک فصاعداً ماقبل کے حکم میں نہیں یعنی اس کا پایا جانا ضروری نہیں۔

فصاعداً کے مواضع استعمال کا اختلاف نتیجہ یہ نکلا کہ فصاعداً کے مواضع استعمال مختلف ہیں کہیں یہ ماقبل کے حکم میں ہوتا ہے اور کہیں نہیں، قرائن وغیرہ سے اس

کی تعیین ہو سکتی ہے، مشائخ و اساتذہ کے کلام کو دیکھئے یہ سمجھ میں آتا ہے کہ اگر متکلم کا مقصود اقل ما وجب کو بیان کرنا ہو تب فصاعداً کا پایا جانا ضروری نہیں، اور اگر مقصود جمیع ما وجب کو بیان کرنا ہو تب فصاعداً کا ہونا بھی ضروری ہے، چنانچہ حدیث الاضحیہ میں جمیع ما وجب کو بیان کرنا مقصود ہے بعض کو صراحتہ اور بعض کو فصاعداً کے ذریعہ مجملہ، اور نصاب سرقہ والی حدیث میں اقل مقدار کو بیان کرنا مقصود ہے، لہذا وہاں فصاعداً کا ہونا ضروری نہیں۔

اب متنازع فیہ حدیث میں دیکھنا ہے کہ یہ کس قبیل سے ہے، ظاہر ہے کہ یہاں مقصود اقل ما وجب کو بیان کرنا نہیں ہے بلکہ جمیع ما وجب کو بیان کرنا ہے، لہذا فاتحہ والی حدیث حدیث الاضحیہ کے قبیل سے ہوئی، ممکن ہے کسی صاحب کے ذہن میں اس سے بہتر توجیہ بھی ہو تو پھر وہ مقدم ہوگی۔

الجواب الثالث۔ حضرت عبادہ کی یہ حدیث جو بخاری اور مسلم میں ہے مختصر ہے حدیث طویل سے، پوری حدیث ابوداؤد ترمذی وغیرہ میں ہے، چنانچہ باب کی حدیث ۲ مفصل ہے جس سے معلوم ہو رہا ہے کہ صحابہ کرام شروع میں اپنے اختیار واجتہاد

سے قرارة خلف الامام کیا کرتے تھے جس کی خبر حضور صلی اللہ علیہ وسلم کو نہ تھی آپ کے دریافت کرنے پر انہوں نے اقرار کیا کہ ہم جلدی جلدی پڑھ لیا کرتے ہیں اس پر آپ نے فرمایا ایسا مت کرو بخیر فاتحہ کتاب کے اسلئے کہ اسکے بغیر تو نماز ہوتی ہی نہیں۔

یہاں پر آپ نے مقتدی کو مطلق قرارت سے منع فرما کر فاتحہ کا استثناء فرمایا اور قاعدہ یہ ہے الاستثناء بعد الخطر یفید الالباحۃ کفی قوله تعالیٰ ولا تأکلوا أموالکم بینکم بالباطل الا ان تکنون تجارۃ۔ لہذا اس حدیث سے ثابت ہوا کہ مقتدی کے لئے قرارة فاتحہ جائز اور مباح ہے نہ کہ فرض، فلا یصح استدلالہم بہذا الحدیث علی فرضیۃ الفاتحۃ اب یہاں پر دو باتیں رہ جاتی ہیں اول یہ کہ حنفیہ تو اباحت کے بھی قائل نہیں ثانی یہ کہ حضور تو خود اس حدیث میں فرما رہے ہیں خانہ لاصلوۃ لمن لم یقرأ بہا، امر ثانی کا جواب یہ ہے کہ آپ کا مقصود نفی کمال ہے کہ کوئی نماز بغیر فاتحہ کے کامل نہیں ہوتی اور پہلی بات کا جواب یہ ہے کہ ہم اس مسئلہ میں نسخ کے قائل ہیں جس کی دلیل آگے آئے گی، یہاں تو ہمیں یہ کہنا تھا کہ صحیحین والی حدیث مخمض ہے اور اصل حدیث اس طرح ہے جس میں فاتحہ کا استثناء بعد الخطر پایا جا رہا ہے، اس امر ثانی کا جواب حضرت گت گوہی کے کلام میں یہ ہے کہ خانہ لاصلوۃ لمن لم یقرأ بہا سے وجود حکمی و شرعی کی نفی مقصود نہیں کہ بغیر اس کے نماز صحیح نہیں ہوتی بلکہ اس سے مقصود وجود حسی و خارجی کی نفی کرنا ہے کہ کوئی نماز حشاً یعنی خارج میں بغیر فاتحہ کے نہیں پائی جاتی سہی نمازوں میں سورہ فاتحہ پڑھی جاتی ہے، اسلئے امکان ہے کہ اس سے مخالفت و منازعت نہ ہوگی لیکن جب بعد کے تجربہ نے یہ بتایا کہ اسکی قرارت سے بھی مخالفت ہوتی ہے تو پھر آپ نے اس سے بھی روک دیا جیسا کہ اُندہ ابواب و احادیث میں آ رہا ہے۔

الجواب الرابع۔ صاحب جوہر النقی اور ایسے ہی علامہ شوق نیوی کہتے ہیں کہ اس حدیث کی سند میں اضطراب ہے اسلئے کہ اس روایت کو کچھ روایت کرتے ہیں عن محمود بن الرزیح اور کبھی عن نافع بن محمود بن الرزیح اور

عہ اور بندہ کی رائے یہ ہے کہ اس سے مراد منفرد کی نماز ہے مقتدی مراد نہیں ورنہ لازم آئے گا کہ اول حدیث ادا و آخر حدیث میں تعارض ہو جائے اسلئے کہ اول حدیث میں قرارت سے منع مذکور ہے اور آگے چل کر یہ فرماتے ہیں کہ بغیر اس کے تو نماز ہی نہیں ہوتی، فکیف هذا؟ یہاں حاصل یہ کہ آپ کے استفسار پر صحابہ نے خلف الامام قرارة کا مطلقاً (فاتحہ وغیر فاتحہ) اقرار کیا تو اس پر آپ نے قرارت مطلقہ سے تور دکا اور صرف فاتحہ کی اجازت دی اور فرمایا کہ اس کے بغیر تو غیر مقتدی کی نماز صحیح ہی نہیں ہوتی لہذا مقتدی کو کم از کم اس کی اجازت تو ہونی چاہیے پس اس حدیث میں مقتدی کو فاتحہ کی صرف اجازت ہے نہ یہ کہ اس کے بغیر اس کی نماز نہیں ہوتی، واللہ تعالیٰ اعلم بالصواب۔

و یؤید ما قلنا بحکی الترمذی عن احمد بن محمد بن حنبل فقال معنی قول النبی صلی اللہ علیہ وسلم لاصلوۃ لمن لم یقرأ بفاتحۃ الکتاب اذا کان وحدہ و احج بحدیث جابر بن عبد اللہ عن النبی صلی اللہ علیہ وسلم رکعۃ لم یقرأ فیہا بام القرآن فلم یصل الا ان یحس و راہ الامام قال احمد فہذا رجل من اصحاب النبی صلی اللہ علیہ وسلم تأول قول النبی صلی اللہ علیہ وسلم لاصلوۃ لمن لم یقرأ بفاتحۃ الکتاب ان ہذا اذا کان وحدہ و

کبھی عن عبادة بن الصامت، نیز مکحول مدلس ہیں اور وہ اس کو بلفظ عن روایت کر رہے ہیں، بہر حال سند میں اضطراب ہے جو موجب ضعف ہے۔

یہ تو حدیث عباده کے ہماری طرف سے جواب ہوئے جو کہ شافعیہ کا اہم مسئلہ ہے۔

فاتحہ خلف الامام کے بار میں حضرت گنگوہی کی تقریر | اب ہمارے مسلک کی ترجیح سنئے، حضرت

اکبر کب الدی میں ہے کہ چونکہ نماز کی ابتداء صلوۃ اللیل سے ہوئی تھی شروع میں صرف وہی فرض تھی جس میں صحابہ کرام قرأت کے عادی ہو چکے تھے اس کے بعد جب صلوۃ خمسہ کی فرضیت ہوئی تو استصحاب حال کے طور پر فرائض میں خلف الامام بھی وہ قرأت کرتے رہے اسی اثنا میں آیت کریمہ واذا قرأ القرآن فاستمعوا له وانصتوا کا نزول ہوا اس وقت صحابہ کرام کا طرز مختلف ہو گیا، بعض حضرات نے تو قرأت خلف الامام کو مطلقاً ترک کر دیا لیکن بعض حضرات ثواب کی حرم میں لاضرار الفعیلیتین سکنا میں امام میں اپنی رائے واجتہاد سے قرأت فرماتے رہے اور یہ جو ہم نے کہا کہ وہ اپنے اجتہاد سے ایسا کرتے رہے اس کی دلیل روایات میں موجود ہے مثل قوله صلحنا معی احد منکم، اب صحابہ کی اس قرأت کی وجہ سے آپ صلی اللہ علیہ وسلم کو قرأت میں قلمحان واقع ہوا اور آپ نے صحابہ کو اس قرأت سے منع فرمایا، ساتھ ہی آپ نے یہ خیال فرماتے ہوئے کہ سورۃ فاتحہ چونکہ سب کی زبانوں پر چڑھی ہوئی ہے شاید اس میں منازعت اور التباس نہ ہو صرف اس کی قرأت کی آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے اجازت دے دی اور کچھ روز تک یہ سلسلہ چلتا رہا لیکن جب آپ نے دیکھا کہ اس کی قرأت سے بھی منازعت ہوتی ہے تب آپ نے اس سے بھی منع فرمادیا۔ لیکن صرف جہری غاروں میں جیسا کہ حدیث ابو ہریرہ میں ہے جو صلوۃ صبح کے قصہ میں ہے فانتهی الناس عن القراءۃ فیما جہر فیہ الامام اللہ اب صرف سبزی نمازوں میں قرأت نہ کی لیکن آخر کار بعد میں آپ کو اس سے بھی روکنا پڑا، جیسا کہ عمران بن حصین کی حدیث سے معلوم ہوتا ہے جو صلوۃ ظہر کے بارے میں ہے، چنانچہ مصنف نے اُس کے چل کر دو باب اسی ترتیب سے قائم فرما دیے ہیں حاصل یہ کہ اس سلسلہ میں بتدریج نسخ واقع ہوا اور آخر الامر آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے یہ فیصلہ فرمادیا من کان لا امام فقرأۃ الامام لا فتراءۃ، اور ایک دوسری حدیث میں آپ نے فرمایا واذا قرأ فانصتوا، حضرات شافعیہ نے ان حدیثوں پر کچھ نقد کیا ہے۔

من کان لا امام فقرأۃ الامام لا قرأۃ پر کلام | حضرت نے بدل میں علامہ عینی سے نقل کرتے ہوئے اس

پر تفصیلی کلام فرمایا ہے، اس میں لکھا ہے کہ حدیث من کان لا امام فقرأۃ الامام لا فتراءۃ متعدد صحابہ سے مروی ہے، جابر بن عبد اللہ، ابن عمر، ابو سعید خدری،

ابوہریرہ۔ ابن عباس، انس بن مالک، یہ روایات ابن ماجہ دارقطنی اور معجم طبرانی وغیرہ کتب میں مذکور ہیں، امام دارقطنی وغیرہ ناقدین کہتے ہیں کہ حدیث جابر کی سند میں جابر جعفی ہے جو کہ مجروح ہے خود امام ابوحنیفہ نے ان کی تکذیب کی ہے، اور ابوسعید خدری کی حدیث میں اسماعیل بن عمر بن یحییٰ ضعیف ہے، ایسے ہی حدیث ابوہریرہ کیساتھ محمد بن عباد متفرد ہے جو ضعیف ہے ہماری طرف سے کہا گیا کہ حدیث جابر کے دوسرے طرق بھی ہیں بمجملہ ان کے وہ ہے

امام صاحب کی سند سے حدیث اور دارقطنی کا اس پر نقد

جو مؤطا امام محمد میں ہے احبنا الامام ابوحنیفہ حدثنا

ابوالحسن موسیٰ ابن ابی عائشۃ عن عبد اللہ بن شداد

عن جابر عن النبی صلی اللہ علیہ وسلم، اس پر دارقطنی

نے اعتراض کیا کہ اس حدیث کو مسند اصف ابوحنیفہ اور کبھی ان کیساتھ حسن بن عمارہ بھی ہو جاتے ہیں نے نقل کیا ہے وہما ضعیفان، اور ان دو کے علاوہ متعدد رواۃ جیسے سفیان ثوری، شعبہ، ابن عیینہ وغیرہ نے اس کو مرسل نقل کیا ہے عن ابی الحسن عن عبد اللہ بن شداد عن النبی صلی اللہ علیہ وسلم، اصل روایت اس طرح ہے مرسل اور بغیر ذکر صحابی کے، ہماری طرف سے جواب دیا گیا کہ اسناد ارسل کے مقابلہ میں زیادتی ہے اور زیادتی ثقہ کی مقبول ہوتی ہے، ولو سلمہ اردسالہ فالمرسل حجة عندنا والجمہود، رہا مسئلہ ان دونوں کی توثیق وتضعیف کا سو علامہ عینی فرماتے ہیں کہ حسن بن عمارہ کی ایک بڑی جماعت نے توثیق کی ہے ان کو ضعیف کہنا غلط ہے، اور ایسے ہی امام اعظم ابوحنیفہ جن کا علم شرقاً وغرباً پھیلا ہوا ہے ان کو ضعیف متسار دینا نہایت غلط اور تعصب سے لبریز اعتراض ہے، علامہ عینی فرماتے ہیں کہ اگر دارقطنی ادب اور حیا سے کام لیتے تو ہرگز امام الامام سید الحفاظ کی طرف ضعف کی نسبت نہ کرتے، اور ان کی تضعیف سے وہ خود مستحق تضعیف ہو گئے، وہ فرماتے ہیں حالانکہ خود ان کا اپنا یہ حال ہے کہ ضعیف اور منکر احادیث اپنی کتاب میں ذکر کرتے ہیں جہر بالہیئۃ کے ثبوت میں موضوع احادیث تک کہہ گزرے گویا قصد ایسا کیا، چنانچہ بعض لوگوں نے ان سے استخلاف کیا کہ اس میں کتنی احادیث صحیح ہیں تو ان کو اعتراف کرنا پڑا کہ ہاں اس میں کوئی صحیح حدیث وارد نہیں ہے اسی طرح حدیث ابوہریرہ کی سند میں دارقطنی وغیرہ نے فرمایا کہ اس کی سند میں محمد بن عباد الرازی ضعیف ہیں۔ صاحب تنسیق النظام فرماتے ہیں کہ اگر محمد بن عباد کی جرح تسلیم کر لی جائے تو ان الضعاف یقوی بعضہا بعضاً وہہنا صراح وضعاف فکیف لا یتقوی بہا الضعاف وقد ثبت عن ابی ہریرۃ بطریق صحیح واذا اقترا فانصوا، حاصل یہ کہ یہ حدیث دمن کان لہ (امام الخ) متعدد صحابہ سے متعدد طرق سے مروی ہے اس کے بعض طرق پر خواہ فرداً فرداً کلام ہو مگر مجموعہ طرق کے اعتبار سے حدیث ثابت ہے۔

حدیث واذا قرأنا فنصتوا پر بحث

اور حدیث ثانی یعنی واذا قرأنا فنصتوا یہ صحیح مسلم میں ابو موسیٰ اشعری کی روایت سے مروی ہے اور سنن ابو داؤد میں ابو موسیٰ اشعری اور ابو ہریرہ دونوں سے مروی ہے، ابو موسیٰ والی روایت پر امام بخاری وغیرہ حضرات نے یہ اعتراض کیا کہ اسکے ساتھ سلیمان تیمی متفرد ہیں، حضرت مہارپوری بذیل ص ۳۳۹ میں فرماتے ہیں کہ ادعا رفتہ دہا بل ہے اسلئے کہ سنن دارقطنی میں سلیمان تیمی کی متابعت کی ہے عمر بن عامر اور سعید بن ابی عروبہ نے، اسی طرح صحیح مسلم میں موجود ہے کہ امام مسلم سے ایک شخص نے اس حدیث کے بارے میں سوال کیا تو انہوں نے فرمایا اتريد احفظ من سليمان، اس کے بعد اسی سائل نے پوچھا کہ حدیث ابو ہریرہ کے بارے میں آپ کیا فرماتے ہیں انہوں نے فرمایا ہو عندی صحیح اس پر سائل نے عرض کیا پھر آپ نے اس کی تخریج یہاں صحیح مسلم میں کیوں نہیں کی تو اس پر امام مسلم نے فرمایا لیس کل شیء عندی صحیح وضعتہم ہنا وانما وضعت ہہنا ما اجمعوا علیہ یعنی میں اپنی اس صحیح میں ہر وہ حدیث نہیں لاتا جو میرے نزدیک صحیح ہو بلکہ اس میں تو میں صرف ایسی احادیث کو لیتا ہوں جس کی صحت پر محدثین کا اجماع ہو یہ سارا مضمون صحیح مسلم کے متن کے اندر موجود ہے، دیکھئے حضرت امام مسلم اس حدیث کی صحت پر جزم فرما رہے ہیں نیز ان کے کلام سے یہ بھی معلوم ہوا کہ ابو موسیٰ اشعری والی حدیث کی صحت پر محدثین کا اجماع ہے اور ابو ہریرہ والی حدیث کو اس لئے نہیں لائے کہ اس کی صحت مختلف فیہ تھی یہ بھی واضح رہے کہ امام ابو داؤد نے یہ دونوں حدیثیں اپنی سنن میں لی ہیں، ابو ہریرہ کی حدیث تو بذیل الحمد للہ باب الامام یصلی من قعود کے تحت میں گذر گئی، اور ابو موسیٰ کی حدیث آگے چل کر باب التہجد میں آرہی ہے (بذل ص ۱۲۱) امام ابو داؤد نے اس پر بھی کلام فرمایا ہے، یہ سب تفصیل باب سابق باب الامام یصلی من قعود میں ہمارے یہاں گذر چکی ہے، حنفیہ کے دلائل میں ایک دلیل آیت کریمہ۔

واذا قرئ القرآن فاستمعوا له وانصتوا پر کلام

واذا قرئ القرآن فاستمعوا له وانصتوا یہ بھی مشہور ہے اس کے بارے میں حضرات شافعیہ یہ کہتے ہیں کہ اس آیت کا نزول خطبہ کے بارے میں ہے، کوکب میں لکھا ہے یہ درست نہیں اس لئے کہ سورۃ اعراف مکی ہے اور جمعہ کی فرضیت مدینہ منورہ میں ہوئی ہے اور اگر مان بھی لیا جائے کہ اس کی فرضیت مکہ میں ہوئی لیکن یہ تو مسلمات میں سے ہے کہ وہاں آپ صلی اللہ علیہ وسلم کو جمعہ کی نماز اور خطبہ کی نوبت نہیں آئی۔ حضرت شیخ حاشیہ کوکب میں لکھتے ہیں کہ درمنثور میں متعدد روایات ہیں جن سے معلوم ہوتا ہے کہ اس آیت کا نزول قراءۃ فی الصلوۃ کے بارے میں ہے، التعلیق الصبح ص ۳۶۲ میں الشرح الکبیر کے حوالہ سے لکھا ہے قال احمد اجمع الناس ان هذه الآية منزلت فی الصلوۃ، قرطبی فرماتے ہیں یہ قول کہ اس کا نزول خطبہ کے

بارے میں ہے ضعیف ہے اس لئے کہ خطبہ میں قرآن کی مقدار بہت قلیل ہوتی ہے حالانکہ انصاف تمام خطبہ میں واجب ہے نیز یہ آیت مکی ہے اور مکہ میں نہ خطبہ تھا نہ جمعہ کی نماز۔

اور متعدد آثار صحابہ ترک قرارت خلف الامام کے بارے میں ہیں جن کی اس سلسلہ میں آثار صحابہ | تخریج شرح معانی الآثار میں اور مصنف ابن ابی شیبہ اور مصنف عبدالرزاق

مجم طبرانی وغیرہ کتب میں موجود ہے فقد اخرج الطحاوی بسندہ عن علی من قرأ خلف الامام فلیس علی الفطرة واخرجہ ابن ابی شیبہ بلفظ من قرأ خلف الامام فقد اخطأ الفطرة، اور مصنف عبدالرزاق میں ہے قال ابن مسعود من قرأ مع الامام ملئ فؤاداً ستراً، جو قرارت خلف الامام کرے اس کے منہ میں مٹی بھری جائے (تاکہ وہ قرارت نہ کر سکے) اور حضرت عمرؓ سے منقول ہے ووددت ان الذی یقرأ خلف الامام فی فیہ حجر، کہ مجھے یہ اچھا معلوم ہوتا ہے کہ جو شخص قرارت خلف الامام کرے اس کے منہ کے اندر پتھر کھدایا جائے

۱۔ حدیثنا علی بن سہل الرضی، قوله قال مکحول اقترا فیما جہر بہ الامام اذا قرأ بفاتحة الكتاب وسکت، مکحول فرماتے ہیں مقتدی کو چاہئے کہ جہری نماز میں جب امام سکوت کرے تو وہ فاتحہ پڑھے اور اگر امام سکوت نہ کرے تو مقتدی کو چاہئے کہ وہ فاتحہ پڑھے امام سے پہلے یا اس کے ساتھ یا اس کے بعد۔
خرمیکہ جس طرح بھی ممکن ہو پڑھے کسی حال میں اس کو نہ چھوڑے، حاشیہ کو کب میں لکھا ہے ابن العربی فرماتے ہیں کہ ہم حضرت امام شافعیؒ سے دریافت کرتے ہیں کہ مقتدی فاتحہ خلف الامام کس وقت پڑھے، اگر وہ عین امام کی قرارت کی وقت پڑھتا ہے تو اس صورت میں منازعت امام اور امراض عن استماع القرآن لازم آتا ہے اور اگر آپ یہ فرمائیں کہ امام جب سکوت کرے تب پڑھے تو پھر ہم پوچھتے ہیں کہ اگر امام سکوت نہ کرے تو کس وقت پڑھے کیونکہ امت کا اس پر اتفاق ہے کہ امام پر سکوت واجب نہیں نیز وہ فرماتے ہیں کہ کیا امام کی قرارت کا استماع یہ مقتدی کی قرارت نہیں کہلا سکتا یہ بات ہر سمجھدار اور انصاف پسند کے لئے کافی ہے، دیکھئے حضرت ابن عمرؓ خلف الامام قرارت نہیں فرماتے تھے اور وہ حضور صلی اللہ علیہ وسلم کی سنت کا بہت زیادہ اتباع کرنے والے تھے (اسی کلام ابن العربی)

شافعیہ کے نزدیک مقتدی فاتحہ | ویسے کتب شافعیہ میں لکھا ہے کہ امام کے لئے مستحب ہے سکوت کرنا تاکہ مقتدی قرارت فاتحہ کر سکے، اور اگر مقتدی کو یہ گمان ہو کہ وہ سکوت امام میں فاتحہ پوری نہ کر سکے گا تو اس کو چاہئے کہ امام کے ساتھ لکھتا

پڑھتا رہے۔

باب من كره القراءة بفاتحة الكتاب اذ جهرا الامام الخ

باب اول سے مصنف نے بظاہر یہ ثابت فرمایا تھا کہ قرأت فاتحہ فی الصلوٰۃ مطلقاً واجب ہے امام ہو یا مقتدی یا منفرد۔

ترجمہ الباب سے مصنف کی غرض | اب اس باب سے مصنف مقتدی کا استثنایا یہ کہنے کے نسخ بیان کر رہے ہیں اس باب میں یہ فرما رہے ہیں کہ مقتدی کو فاتحہ خلف الامام جہری نمازوں میں نہ پڑھنا چاہیئے اور اس کے بعد آنے والے باب میں یہ فرما رہے ہیں کہ سری نمازوں میں بھی نہیں پڑھنی چاہئے، یہ پہلے بھی ہمارے یہاں گزر چکا کہ اس باب میں مصنف نے ابو ہریرہ کی حدیث ذکر کی ہے جس کا تعلق جہری یعنی صبح کی نماز سے ہے۔

۱۔ قوله فانتہی الناس عن القراءة مع رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم فیہا جہر فیہ، اس سے صاف طور سے معلوم ہو رہا ہے کہ آپ صلی اللہ علیہ وسلم کی ہیکر کی وجہ سے صحابہ کرام نے جہری نماز میں فاتحہ خلف الامام کو ترک کر دیا تھا چونکہ یہ شافعیہ کے بالکل خلاف ہے۔

شافعیہ کی طرف سے حدیث کا جواب | اس لئے امام نوویؒ نے اس کے دو جواب دئے، اول یہ کہ اس حدیث میں یہ جملہ درج ہے، زہری کا کلام ہے، ہماری طرف سے اس کا جواب یہ ہے کہ اس میں روایات مختلف ہیں بعض روایات سے تو معلوم ہوتا ہے کہ یہ زہری کا کلام ہے یا کسی اور راوی کا، اور بعض سے معلوم ہوتا ہے کہ یہ ابو ہریرہ کا کلام ہے، اور اصل عدم ادراج ہی ہے، اور اگر تسلیم بھی کر لیا جائے کہ یہ من کلام الزہری ہے تب بھی کیا اشکال ہے کیا امام زہری خلاف واقعہ بات کہہ رہے ہیں۔

اور دوسرا جواب امام نوویؒ نے یہ دیا ہے کہ محدثین کا اس حدیث کے ضعف پر اتفاق ہے کیونکہ اسکے اندر ایک راوی ابن اگیمہ ہے جو مجہول ہے، ہماری طرف سے اس کا جواب یہ ہے کہ امام ترمذیؒ نے اس حدیث کی تحسین اور ابن حبان نے تصحیح کی ہے، پھر یہ کہنا کیسے درست ہے کہ اس حدیث کے ضعف پر اتفاق ہے نیز امام ترمذیؒ فرماتے ہیں۔ وابن اکیمة اللیثی اسعد عمارۃ ویقال عمرو بن اکیمة، اور حافظ ابن حجر تقریب میں ان کے نام میں مختلف اقوال یعنی عمارہ، عمار، عمرو، عامر لکھنے کے بعد فرماتے ہیں، ثقۃ من النالۃ۔ اور انہوں نے کوئی جرح ان کے بارے میں نقل نہیں کی، یہ سنن اربعہ کے راوی ہیں۔

بَابُ مَنْ رَأَى الْقِرَاءَةَ إِذَا لَمْ يَجْهَرْ

یہ ترجمہ اکثر نسخوں میں اسی طرح ہے اور بعض نسخوں میں اس طرح ہے باب من لم یسمع القراءۃ اذا لم یجهر، اور یہ دوسرا نسخہ ہی صحیح ہے کیونکہ پہلے نسخہ کا حاصل یہ ہے صلوة سر یہ میں قرارت کا ثبوت جس کے معنی ہوئے جہر یہ میں عدم ثبوت، اور یہ بات باب سابق میں گزر چکی ہے، اس صورت میں یہ باب تکرار محض ہوگا لہذا نسخہ ثانیہ ہی صحیح ہے جس کا حاصل ہے ترک القراءۃ خلف الامام فی السریۃ، لہذا مجموعہ باین سے قرارت خلف الامام کا مطلقاً ترک ثابت ہو گیا۔

قوله - عن عمران بن حصین ان النبی صلی اللہ علیہ وسلم صلی الظهر فجباء رجل وقرا خلفه بسبح اسم ربك الاعلیٰ الخ اس حدیث سے ترک القراءۃ فی السریۃ ثابت ہو رہا ہے۔

امام بیہقی نے اس کا جواب یہ دیا ہے کہ اس واقعہ میں حضور صلی اللہ علیہ وسلم کی نیک نفس قرارت پر نہیں ہے بلکہ جہر بالقراءۃ پر ہے، ان

محابی نے آپ صلی اللہ علیہ وسلم کے پیچھے قرارت جہر کی تھی آپ نے اس پر نیک فرمائی ہے، اور قرینہ اس پر یہ ہے کہ آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا ایکم فتوا بسبح اسم ربك الاعلیٰ، تو اگر یہ محابی جہراً قرارت نہ کرتے تو آپ کو متین سورت کا علم کیسے ہوتا، ہماری طرف سے اس کا جواب یہ ہے کہ یہ بات مستبعد سی معلوم ہوتی ہے کہ آپ تو قرارت سر فرما رہے ہوں اور آپ کے پیچھے ایک محابی جہراً قرارت کرے، اور رہی بات تسمیہ سورت کی سو صحیح یہ ہے کہ اس حدیث میں تسمیہ سورت آپ سے ثابت نہیں جیسا کہ باب کی پہلی حدیث سے معلوم ہوتا ہے۔

اب سوال یہ رہ گیا کہ اگر جہراً قرارت نہیں کی تھی تو آپ کے ساتھ قرارت میں منازعت کیسے ہوئی، جواب یہ ہے کہ ہو سکتا ہے شدت ہمس کی وجہ سے ہو یا ارتکاب مکروہ کی وجہ سے، (دوھی القراءۃ خلف الامام) جیسا کہ لفظ شریف کی ایک روایت میں ہے کہ ایک مرتبہ آپ صلی اللہ علیہ وسلم صبح کی نماز میں سورہ روم تلاوت فرما رہے تھے روایت کے الفاظ یہ ہیں ان رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم صلی صلوۃ الصبح وقرا الروم فالتبس علیہ فلما صلی قال ما بال اقوام یصلون معنا لا یحسنون الطہور وانہا یلتبس علینا القرآن اولئک، دیکھئے آپ صلی اللہ علیہ وسلم کو قرارت میں منازعت پیش آئی اس لئے کہ بعض آپ کے پیچھے نماز پڑھنے والوں نے ومنوا اور طہارت اچھی طرح نہیں کی تھی، اسی لئے ہم نے کہا کہ مناجحت کا اشتہار ارتکاب مکروہ بھی ہو سکتا ہے۔

قرارت خلف الامام کی بحث بحمد اللہ پوری ہو گئی۔

بَابُ مَا يَجُزِّي الْأُمِّيَّ وَالْأَعَجَمِيَّ مِنَ الْقِرَاءَةِ

باب کو ما قبل سے مناسبت | یہ باب مقام کے مناسب ہے گذشتہ ابواب میں فرضیت قرأت کو بیان کیا گیا ہے اب یہاں سے یوں فرما رہے ہیں کہ اگر کوئی شخص نادان واقف ہو اور اس کو قرآن کی مقدار مفروض بھی یاد نہ ہو تو ایسا شخص کیا پڑھے، حکم مسئلہ اگے حدیث کے ذیل میں آجائیگا۔

قوله حدثنا وهب بن بقية ان خرج علينا رسول الله صلى الله عليه وسلم ونحن نقرأ القرآن وفيما الاعرابي والعجمي۔

مضمون حدیث | حضرت جابر رضی اللہ عنہ فرما رہے ہیں ایک مرتبہ ہم لوگ چند صحابہ جن میں بعض اعرابی اور بعض عجمی تھے جو اپنے اپنے لہجوں میں قرآن پاک تلاوت کر رہے تھے تو آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے ہماری قرأت کو سن کر سب پڑھنے والوں کی تحسین فرمائی کہ سب کی قرأت درست ہے (کیونکہ اخلاص کے ساتھ ہے) اور فرمایا آپ نے کچھ روز بعد ایسے لوگ آئیں گے کہ قرآن پاک کے الفاظ کی ادائیگی بہت عمدہ اور قاعدہ سے کریں گے الفاظ کو درست اور بنانا کراد کریں گے جس طرح تیر کی لکڑی کو نہایت صاف اور سیدھا تراشا جاتا ہے، جو اپنی قرأت کا بدلہ عاجلاً (اسی دنیا میں لیں گے) اور آجلاً یعنی آخرت میں نہیں لیں گے۔

اس سے اگلی حدیث کا مضمون بھی یہی ہے اور اس میں اس طرح ہے وفیکم الاحمر وفیکم الابيض وفیکم الاسود، بذل میں لکھا ہے کہ اول سے مراد عرب ہیں اور ثانی سے روم تیسرے سے مراد اہل حبشہ اور پہلے میں لکھا ہے کہ احمر سے مراد عجم اور ابیض سے اہل فارس اور اسود سے عرب۔

۳۔ حدثنا عثمان بن ابی شیبہ ان قوله عن عبد الله بن ابی اوفی قال جاء رجل

الی النبی صلی اللہ علیہ وسلم فقال انی لا استطیع ان آخذ من القرآن شیئاً فعملکم منی ما یجزئ منی منہ یعنی ایک شخص آپ صلی اللہ علیہ وسلم کی خدمت میں حاضر ہوئے اور عرض کیا کہ مجھ کو قرآن کچھ بھی یاد نہیں جس کو پڑھ سکوں تو آپ مجھے ایسی تعلیم فرمادیجئے جو قرأت قرآن کا بدل ہو، اس پر آپ نے اس شخص کو، جو اذکار خمسہ اگے حدیث میں مذکور ہیں وہ تعلیم فرمائے۔

شرح حدیث کا اس حدیث کے محل کی تعیین میں اختلاف ہے، حضرت گنگوہی کی رائے یہ ہے جس

حدیث کے محل کی تعیین میں شرح کا اختلاف

کو حضرت سہارنپوری نے بھی بذل میں اختیار فرمایا ہے کہ یہاں پر حدیث میں قرأت فی الصلوٰۃ مراد نہیں، بلکہ تلاوت قرآن بطریق درد مراد ہے اس لئے کہ قرآن کی مقدار مفروض فی الصلوٰۃ کا حاصل کرنا اور سیکھنا آدمی پر فرض نہیں

ہے، اور اس حدیث میں امر بالتعلم کا کہیں وجود نہیں ہے لہذا اس سے خارج صلوة تلاوت قرآن مراد ہے۔ علامہ طیبی کا میلہ بھی اسی طرف معلوم ہوتا ہے، اور دوسرے شارح نے جن میں ملاطی قاریؒ بھی شامل ہیں اس حدیث کو قرأت فی الصلوۃ پر اسی محمول کیا ہے جیسا کہ محدثین کے ظاہر صنیع سے یہی معلوم ہو رہا ہے، اس لئے کہ وہ اس حدیث کو ابواب القراءۃ فی الصلوۃ کے ذیل میں ذکر فرما رہے ہیں، اب رہی بات کہ مقدار مفروض کا سیکھنا تو فرض ہے اس کا جواب یہ لکھا ہے کہ ہو سکتا ہے ابتداء امر میں اس مسئلہ میں مسابلت اور تفسیر کا معاملہ ہو اور یہ بھی کہا جاسکتا ہے کہ آپ صلی اللہ علیہ وسلم کی مراد بھی یہی ہے کہ جب تک قرآن کی مقدار مفروض یاد نہ ہو اس وقت تک ان کلمات کو پڑھ لیا کریں، اور امر بالتعلم آپ نے اس کو فرمایا ہو راوی نے اختصاراً اس کو ذکر نہ کیا ہو، واللہ تعالیٰ اعلم امی کے بارے میں مذاہب ائمہ کے پڑھنے کا حکم فرمایا جو حدیث میں مذکور ہیں مسئلہ مختلف فیہ ہے حنابلہ اور شافعیہ کا مسلک یہ ہے کہ جس شخص کو سورۃ فاتحہ یاد نہ ہو تو اس پر واجب ہے کہ فاتحہ کے علاوہ فاتحہ کے بعد یعنی سات آیات کسی دوسری سورت میں سے پڑھ لے اور اگر وہ بھی یاد نہ ہو تو پھر عند الحنابلہ ان کلمات کا پڑھنا جو حدیث میں مذکور ہیں واجب ہے شافعیہ کی بھی یہی ایک روایت ہے لیکن اصح عند الشافعیہ یہ ہے کہ سات قسم کا ذکر پڑھنا واجب ہے بظاہر اس لئے کہ سورۃ فاتحہ کی آیات سات ہی ہیں لیکن حدیث میں صرف پانچ قسم کا ذکر مذکور ہے اور مالکیہ کا مذہب یہ ہے کہ جو شخص امی ہو اس پر واجب ہے کہ کسی شخص کی اقتداء میں نماز پڑھے تاکہ امام کی قرأت اس کی قرأت ہو جائے جیسا کہ حدیث میں ہے من کان لہ امام فقرأ معہ الامام لم یقرأ معہ سو یہ شخص قرأت حقیقیہ پر تو قادر نہیں لیکن قرأت حکمیہ پر تو قادر ہے اور حنفیہ کا مسلک یہ ہے کہ ایسے شخص کو نہ کسی امام کے تلاش کرنے کی ضرورت ہے اور نہ ان کلمات مذکورہ کا پڑھنا ضروری ہے، ان کے یہاں یہ اذکار قرأت کے قائم مقام نہیں ہو سکتے بلکہ ایسا شخص مثل اخرس کے حالت قیام میں ساکت رہے۔

شرح حدیث فتولہ، فلما قام قال ھکذا بیدہ، قال یہاں پر بمعنی فعل و اشار ہے، اس میں شرح کا اختلاف ہے کہ قال کی ضمیر کس طرف راجع ہے، مسند احمد کی روایت سے معلوم ہوتا ہے کہ ضمیر کا مرجع رجل ہے لہذا یہی راجع ہے، بعض نے اور دوسرا احتمال یہ لکھا کہ ضمیر آپ صلی اللہ علیہ وسلم کی طرف راجع ہے پھر اس جملہ کے مطلب میں دو قول ہیں ایک یہ کہ اس سے مراد انگلیوں پر شمار کرنا ہے، یعنی اس شخص نے ہر کلمہ کو ان کلمات میں سے اپنی انگلیوں پر شمار کرتے ہوئے اپنی زبان سے ادا کیا یا دکر لے کے لئے، اور دوسرا مطلب یہ لکھا ہے کہ اس سے اشارہ شمار کر نیکی طرف نہیں بلکہ اظہار سرور و فرح کی طرف ہے، جیسے کسی شخص کے ہاتھ میں کوئی قیمتی شے آجائے اور وہ اس کو اپنے ہاتھ کی مٹھی میں اچھی طرح دبا کر جھوننے لگے، حضرت گنگوہیؒ کی یہی رائے ہے

اور اگر قال کی ضمیر آپ صلی اللہ علیہ وسلم کی طرف مانی جائے تو مطلب یہ ہوگا کہ جب اس شخص کو حصّہ نے فرمایا قتل اللہم ارحمہنی وارزقنی الخ تو آپ نے اس کو اپنے دست مبارک کی مسیحا بنا کر اشارہ فرمایا کہ اس بات کو اچھی طرح مضبوطی سے پکڑ لو۔

۴۔ حدثنا ابو ثوبیة الربیع بن نافع الخ قوله، عن الحسن عن جابر بن عبد الله قال قال النضر بن السلمي المطعون سد عوا قیامًا وقعودًا الخ۔ اگر مراد یہ ہے کہ ہم نفل نمازیں حالت قیام میں قنات کے ساتھ دعا بھی کیا کرتے تھے تب تو کوئی اشکال نہیں، اور اگر صرف دعا پر اکتفا کرنا مراد ہے تو اس صورت میں مطلب یہ لیا جائیگا کہ ہم میں سے بعض ایسا کرتے تھے، اور بعض سے مراد وہ نو مسلم صحابہ ہوں گے جو امی تھے اور اس صورت میں یہ حدیث ترجمہ الباب کے بھی مطابق ہو جائیگی۔

۵۔ حدثنا موسیٰ بن اسماعیل الخ قوله۔ كان الحسن یقرأ فی الظهر والعصر اس اثنا حسن کو ترجمہ الباب سے بظاہر کوئی مطابقت نہیں لہذا اس کی توجیہ یہ ہے کہ مصنف اس کو یہاں اس لئے لائے ہیں کہ اوپر والی حدیث جابر جس کے راوی خود حسن بصری ہیں وہ نماز میں حالت قیام میں صرف دعا پر اکتفا نہیں کیا کرتے تھے بلکہ قنات کیا کرتے تھے لہذا اوپر والی حدیث میں بھی دعا پر اکتفا کرنا مراد نہیں ہے بلکہ دعا مع القراءة مراد ہے (کذا فی البذل)

باب تمام التکبیر

مصنف کی غرض اس باب سے یہ ہے کہ نماز کے اندر مصلیٰ کو جملہ تکبیرات انتقال کو بجالانا چاہئے، اس مسئلہ میں کسی قدر اختلاف ہے۔

جاننا چاہئے کہ یہاں پر دو مسئلہ ہیں اول یہ کہ تکبیرات انتقال شروع ہیں یا نہیں، دوم یہ کہ اگر مشروع ہیں تو پھر واجب ہیں یا سنت۔

بذل المجہود میں ہے بعض صحابہ و تابعین جیسے حضرت عمرؓ، عمر بن عبد العزیزؓ و حسن بصریؓ وغیرہ سے منقول ہے لَا یُسَنُّ الا تکبیر والتعجیمة، کہ تکبیر تحریمہ کے علاوہ اور کوئی تکبیر مشروع نہیں، اور بعض سلف سے منقول ہے لَا یُسَنُّ التکبیر الا فی الجماعة، یعنی امام کے لئے مشروع ہے منفرد کیلئے نہیں۔

لیکن جمہور علماء سلفاً و خلفاً جن میں خلفاء راشدین بھی شامل ہیں (دکافی الترمذی) اورائمہ اربعہ بھی ہیں، کا مسلک یہ ہے کہ تکبیرات انتقال مطلقاً مشروع ہیں نفل نماز ہو یا فرض جماعت ہو یا منفرداً، لیکن امام احمد کی ایک روایت یہ ہے نیکبیر فی الفضل ولو منفرداً لا فی النفل۔

۲۔ اور مسئلہ ثانیہ یہ ہے کہ تکبیرات انتقال جمہور اورائمہ اربعہ کے نزدیک سنت ہیں اور ظاہریہ کے نزدیک فرض ہیں، تبطل الصلوۃ بترکھا مطلقاً سہواً کان او عمداً، اور امام احمد کی بھی ایک روایت وجوب کی ہے لیکن عند التذکر لامطلقاً، اس مقام کے مناسب ایک مسئلہ اور ہے یعنی تسبیحات رکوع و سجود کا حکم، لیکن چونکہ اس کا باب آگے مستقل آ رہا ہے اس لئے اس کو وہیں ذکر کریں گے۔

۱۔ حدیثنا سلیمان بن حرب انہ قتلہ۔ صلیت انا و عمران بن حصین، مطلب یہ ہے کہ حضرت علیؓ نے نماز پڑھائی تو رکوع و سجود وغیرہ جملہ انتقالات کی تکبیرات بجالائے، نماز سے فارغ ہونے کے بعد حضرت عمران بن حصین نے مطہرت کا ہاتھ پکڑ کر ان سے فرمایا یہ جو ابھی انہوں نے ہم کو نماز پڑھائی ہے وہ حضور صلی اللہ علیہ وسلم کی نماز کے مطابق ہے۔

جاننا چاہئے کہ تکبیرات انتقال ثنائی نماز میں گیارہ ہیں اور ثلاثی میں سترہ ہیں، ایک تکبیر تحریمہ اور پانچ ہر رکعت میں رکوع و سجود کی، اور ایک تکبیر عند القیام من الرکعتین، اور رباعی نماز میں تکبیرات بائیس ہیں ذکرہ النووی فی شرح مسلم، نیز وہ فرماتے ہیں کہ اس مسئلہ میں اختلاف صحابہ کے زمانہ تک رہا ہے اس کے بعد کوئی اختلاف نہیں رہا فاسئلہ الجماعۃ الامان۔

۲۔ حدیثنا عمرو بن عثمان، قتلہ۔ والذی نفسی بیدہ انی لأقر بکم شہما، میری نماز حضور صلی اللہ علیہ وسلم کی نماز کے ساتھ تم سب کی نماز سے زیادہ مشابہ ہے، یعنی تکبیرات انتقال کے بجالانے کے اعتبار سے، ان کانت ہذہ لصلوۃ حتی فارق الدنیا قال ابو داؤد ہذا الکلام الاخیر۔

مصنف کے قول کی شرح | مصنفؒ یہ فرما رہے ہیں کہ اس حدیث کا یہ آخری ٹکڑا دو طرح مروی ہے، زہری کے تلامذہ اس کے روایت کرنے میں مختلف ہیں چنانچہ شعب نے اسکو

۱۔ اور بعض ائمہ بنو امیہ کے بارے میں منقول ہے کہ وہ تکبیرات خفض کو ترک کر دیتے تھے یعنی رکوع و سجود میں جاتے وقت نہیں کہتے تھے ہاں سر اٹھانے کے وقت کہتے تھے، امام طحاوی بطور شکوہ فرماتے ہیں وما ہی باول سنۃ ترکوہا، یعنی لوگ تو بہت سی سنتوں کے تارک تھے اسی کی کیا تخصیص، وقیل اول من ترک التکبیر زیاد وقیل معاویہ وقیل عثمان، لیکن حضرت عثمانؓ کے بارے میں جو منقول ہو اس کی تو حیرہ کرتے ہیں کہ وہ مطلقاً ترک نہیں فرماتے تھے بلکہ ذرا آہستہ کہتے تھے، ۱۲۰

زہری سے موصولاً و مرقوفاً ذکر کیا۔ موصولاً کا مطلب یہ ہے کہ پوری سند ابو ہریرہ تک بیان کی اور معمر نے شعیب کی اس میں موافقت کی ہے، اور زہری کے بعض دوسرے تلامذہ جیسے مالک اور زبیدی وغیرہ انھوں نے اس کو مرسلماً نقل کیا یعنی سند کو علی بن حسین جو تابعی ہیں ان تک لا کر روک دیا عن علی بن حسین عن النبی صلی اللہ علیہ وسلم، اور تابعی جب حضور صلی اللہ علیہ وسلم سے روایت کرتا ہے تو ظاہر ہے کہ وہ روایت مرسل ہوتی ہے یہ علی بن حسین حضرت علیؓ کے پوتے ہیں جو امام زین العابدین سے مشہور ہیں ان کے بارے میں لکھا ہے کان یصلی کل یوم الفارکۃ، رحمہ اللہ تعالیٰ۔

۳۔ حدثنا محمد بن بشار و ابن المثنی عن الحسن بن عمران قال ابن بشار

الشامی،

سند کی شرح | یہ لفظ محتاج تشریح ہے وہ یہ کہ الشامی ابن بشار کی صفت نہیں ہے بلکہ حسن بن عمران کی صفت ہے، اس سند میں مصنف کے دو استاد ہیں محمد بن بشار اور ابن المثنی، مصنف فرما رہے ہیں کہ شعبہ کے استاد حسن بن عمران کی صفت الشامی میرے ایک استاد یعنی ابن بشار نے ذکر کی اور دوسرے استاد یعنی ابن المثنی نے ذکر نہیں کی۔

قال ابو داؤد ابو عبد اللہ العسقلانی، راوی مذکور حسن بن عمران ہی کے بارے میں مصنف فرما رہے ہیں کہ ان کی کنیت ابو عبد اللہ ہے اور یہ عسقلانی ہیں، میں کہتا ہوں کہ عسقلان ملک شام ہی کا ایک شہر ہے، لہذا ان کی صفت الشامی لانا درست ہوا۔

انہ صلی مع رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم و کان لا یتیم التکبیر و قال ابو داؤد معناه ابن عبد الرحمن بن ابزی کہتے ہیں میں نے آپ صلی اللہ علیہ وسلم کیساتھ نماز پڑھی تو آپ تکبیرات کا اتمام نہیں کرتے تھے مصنف فرماتے ہیں مطلب یہ ہے کہ سجدہ میں جاتے وقت اور اٹھتے وقت آپ تکبیر نہیں کہتے تھے۔

تاویل حیشہ | یہ حدیث گذشتہ احادیث کے خلاف ہے جن سے معلوم ہوتا ہے کہ آپ صلی اللہ علیہ وسلم سب تکبیرات انتقال کو بجالاتے تھے، جواب یہ ہے کہ یہ حدیث ضعیف ہے حسن بن عمران اس کے ساتھ متفرد ہیں جو کہ مجہول ہیں، حضرت امام بخاریؒ نے ایک باب قائم کیا باب اتہام التکبیر، اس پر شرح لکھتے ہیں بظاہر امام بخاریؒ کی غرض اس سے اس حدیث کی تضعیف کی طرف اشارہ ہے جو ابو داؤد میں ہے یعنی یہی حدیث الباب، یا پھر اس حدیث کی تاویل کی جائے وہ یہ کہ عدم اتمام سے مراد من حیث العدد نہیں ہے بلکہ من حیث الجہر او من حیث المد والاطالۃ، یعنی زیادہ زور سے نہیں کہتے تھے، یا زیادہ مد اور کھینچ کر نہیں کہتے تھے۔

بَابُ كَيْفِ يَضَعُ رُكْبَتَيْهِ قَبْلَ يَدَيْهِ

یعنی رکوع سے فارغ ہونیکے بعد کھڑے ہو کر سجدہ میں کیسے جانا چاہئے، وضع الرکتین قبل الیدین ہونا چاہئے یا اسکے برعکس یعنی پہلے زمین پر ہاتھ رکھے اس کے بعد گھٹنے، جمہور کا مسلک پہلا ہے اور یہ دوسری شکل امام مالک کے یہاں ہے اس مسئلہ پر تفصیلی کلام رفع یدین والے باب میں وائل بن حجر کی حدیث کے ذیل میں گذر چکا ہے، اس باب میں مصنف نے اوّل وائل بن حجر کی حدیث جو جمہور کے موافق ہے ذکر فرمائی ہے یہ حدیث سنن اربعہ اور صحیح ابن خزیمہ صحیح ابن السکن کی روایت ہے، ثانیاً حدیث ابو ہریرہ جو مالکیہ کی دلیل ہے اس کو لائے ہیں یہ صرف سنن کی روایت ہے۔

۲۔ حدثنا سعيد بن منصور الخ. قوله. اذا سجد احدكم فلا يبرك كما يبرك البعير

و يضع يديه قبل ركبتيه۔

مالکیہ کی دلیل اس حدیث سے مالکیہ استدلال کرتے ہیں اس لئے کہ اس میں تصریح ہے کہ سجدہ میں جلتے وقت وضع یدین رکبتین سے پہلے ہونا چاہئے اور یہی مالکیہ کا مسلک ہے، جمہور کی طرف سے اسکے متعدد جواب دئے گئے۔

۱۔ حدیث وائل اثبت واقویٰ ہے نسبت اس حدیث کے چنانچہ ابن قیمؒ نے اس حدیث کی دس وجوہ ترجیح ذکر کی ہیں۔ ۲۔ یہ حدیث منسوخ ہے سعد بن ابی وقاص کی حدیث سے جس میں اس طرح ہے، کنا نضع الیدین قبل الرکتین فامرونا بوضع الرکتین قبل الیدین (رواہ ابن خزیمہ)
۳۔ حدیث الباب مقلوب ہے کیونکہ مصنف ابن ابی شیبہ کی روایت میں ابو ہریرہ کی اس حدیث کے الفاظ اسکے برخلاف ہیں، اذا سجد احدکم فلیسبد ابرکبتيه قبل يديه ولا يبرك كبروك الفعل۔

۴۔ اس حدیث کا آخر اس کے اول کے معارض ہے اسلئے کہ شروع میں برك ابل سے منع کر رہے ہیں اور اونٹ بیٹھے وقت زمین پر پہلے ہاتھ ہی ٹیکتا ہے، تو اس سے باوجود منع کرنے کے آگے اسی کا امر فرما رہے ہیں کہ اس کو چاہئے رکبتین سے پہلے یدین زمین پر رکھے، یہ بین تعارض ہے، شرح مالکیہ نے اس کا یہ جواب دیا ہے کہ انسان کے رکبتین تو رجلیں یعنی ٹانگوں کی طرف ہوتے ہیں اور دابہ کے رکبتین یدین میں ہوتے ہیں، لہذا

لہ لیکن حافظ ابن حجر کا میلان بلوغ المرام میں ابو ہریرہ ہی کی حدیث کی ترجیح کی طرف ہے اس پر حسب مسئلہ السلام لکھتے ہیں کہ یہ بات حافظ ابن حجر کے امام یعنی امام شافعیؒ کے خلاف ہے، وقال النووي لا يظهر ترجيح احد المذاهبين على الآخر۔

اونٹ جب بیٹھتا ہے تو وہ اگرچہ پہلے یدین زمین پر رکھتا ہے جیسا کہ مشہور و مشاہد ہے لیکن چونکہ اس کے رکبتین بھی یدین میں ہیں لہذا وہ رکبتین بھی زمین پر پہلے رکھتا ہے اور حدیث میں حضور صلی اللہ علیہ وسلم کی مراد رکبتین ہی کو پہلے رکھنے سے منع کرنا ہے، لہذا تعارض رفع ہو گیا۔

ہماری طرف سے جواب دیا گیا کہ آپ کی یہ منطق ہماری سمجھ میں نہیں آتی اہل لغت بھی اس کو نہیں پہچانتے۔ لہذا حدیث میں تعارض ہی ماننا پڑے گا اور حدیث کے صحیح الفاظ وہ ہیں جو مصنف ابن ابی شیبہ کی روایت میں وارد ہیں، واللہ تعالیٰ اعلم بالصواب۔

باب النهوض فی الفرد

فرد سے مراد رکعت اولیٰ اور رکعت ثالثہ ہے یعنی پہلی رکعت میں سجدے سے فارغ ہونے کے بعد رکعت ثانیہ کیلئے کیسے کھڑا ہو، اور اسی طرح تیسری رکعت پوری کر کے رکعت رابعہ کی طرف کیسے کھڑا ہو یعنی ان دونوں جگہوں میں سجدہ سے فارغ ہو کر فوراً کھڑا ہو جائے یا جملہ خفیہ کرنے کے بعد کھڑا ہو جس کو جلسہ استراحت کہتے ہیں۔

جلسہ استراحت کی بحث مسئلہ مختلف فیہ ہے شافعیہ جلسہ استراحت کے قائل ہیں اور حنفیہ مالکیہ قائل نہیں۔ وعن احمد روایتان۔

۱۔ حدیث نامند ابن ماجہ اس باب میں مصنف نے مالک بن الحویرث کی حدیث ذکر کی ہے جس سے جلسہ استراحت ثابت ہوتا ہے، یہ حدیث بخاری شریف میں بھی ہے۔ اور جمہور علماء جو جلسہ استراحت کے قائل نہیں ان کا استدلال وائل بن حجر اور ابو ہریرہ کی ان روایات سے ہے جن میں یہ آتا ہے کان رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم ینہض فی الصلوۃ علی صدور قدمیہ، امام احمد فرماتے ہیں اکثر احادیث سے یہی معلوم ہوتا ہے، زاد المعاد میں حافظ ابن قیمؒ نے بھی یہی لکھا ہے کہ آپ صلی اللہ علیہ وسلم کی عادت شریف یہ تھی انہ کان ینہض علی صدور قدمیہ و رکبتیہ، اور علماء نے مالک بن الحویرث کی روایت کا یہ جواب دیا ہے کہ وہ کسی علت اور عذر پر محمول ہے مثلاً ضعف اور کبر سنی کیونکہ اکثر صحابہ کی روایات جلسہ استراحت کے ذکر سے خالی ہیں صرف مالک بن الحویرث اور ابو حنیفہ ساعدی کی حدیث کے بعض طرق میں اس جلسہ کا ذکر ہے سو اگر یہ آپ صلی اللہ علیہ وسلم کا دائمی معمول ہوتا تو جملہ واصفین صلوۃ رسول اللہؐ اس کو بیان کرتے۔ نیز جمہور کہتے ہیں کہ نماز استراحت کے لئے موقوف نہیں، ایک چیز اور بھی ہے وہ یہ کہ اگر یہ جلسہ فی حد ذاتہ مقصود ہوتا تو اس حالت کے لئے کوئی ذکر بھی مشروع ہوتا، حالانکہ اس حالت کے لئے کوئی ذکر مشروع نہیں۔

باب الاقواء بین السجدتین

قولہ۔ قلنا العباس فی الاقواء علی القدمین فی السجود فقال هو السنة۔ ابن عباس کی یہ حدیث صحیح مسلم میں بھی ہے اور اس پر امام نووی نے باب قائم کیا ہے جواز الاقواء علی العقبین، اس سلسلہ میں روایات حدیثیہ اور فقہاء کرام میں اختلاف ہے، روایات دونوں طرح کی ہیں جواز اور عدم جواز، چنانچہ ہمارے یہاں باب من لم یراہم بسم اللہ الرحمن الرحیم کے ذیل میں حضرت عائشہؓ کی حدیث مرفوعہ گندرجی جس کے اخیر میں ہے وکان ینھی عن عقب الشیطان، میرے علم میں امام بخاریؒ نے اس سلسلہ میں کوئی باب یا صریح حدیث ذکر نہیں فرمائی، اور امام ترمذیؒ نے الگ الگ دو باب کرabit الاقواء، دوسرا الرخصة فی الاقواء قائم کیا ہے، دوسرے باب میں ہی حدیث ابن عباس ذکر فرمائی ہے اور باب اول میں حضرت علیؓ کی حدیث مرفوعہ جس کے لفظ یہ ہیں لا تقع بین السجدتین، لیکن امام ترمذی نے اس حدیث کے ضعف کی طرف اشارہ فرمایا ہے اور فرمایا ہے واكثر اهل العلم یحرمون الاقواء بین السجدتین اور جواز کا قول انھوں نے بعض اہل مکہ کی طرف منسوب کیا ہے۔

امام نوویؒ فرماتے ہیں کہ منع کی روایات کی اسانید سب ضعیف ہیں، اور روایات کے اس تعارض کے بارے میں وہ فرماتے ہیں کہ دراصل اقواء کی دو تفسیریں کی گئی ہیں ایک یہ کہ الیسین (سُریں) کو زمین پر ٹیکے اور ایسے ہی دونوں ہاتھوں کو زمین پر رکھے اور ساتین کو کھڑا کر لے اور دوسری تفسیر یہ ہے جلوس علی العقبین بین السجدتین، یعنی جلسہ بین السجدتین میں دونوں پاؤں کھڑے کر کے ایڑیوں پر بیٹھنا، منع کی روایات قسم اول سے متعلق ہیں اور جواز کی روایات قسم ثانی سے، چنانچہ امام شافعیؒ اس قسم ثانی کے استحباب کے قائل ہیں لیکن دوسرا قول ان کا جو اس سے بھی زیادہ مشہور ہے یہ ہے کہ طریق سنت اقتراش ہے اور یہی جمہور علماء ائمہ ثلاث کا مذہب ہے، امام نوویؒ فرماتے ہیں کہ امام بیہقی اور قاضی عیاض نے بھی جمع بین الروایتین اسی طور پر کیا ہے، الکوکب الدرری میں لکھا ہے کہ قسم اول ہمارے یہاں مکر وہ تحریمی اور قسم ثانی مکر وہ تنزیہی ہے، صاحب الکوکب نے حدیث ابن عباس کا ایک اور لطیف جواب لکھا ہے کہ وہ خذہ بالموت حتی یروضی بالحنی کے قبیل سے ہے، یعنی ممکن ہے کہ سائل اس مسئلہ میں متشدد ہو اور اس کو حرام جانتا ہو اس لئے ابن عباس نے اس کے رد میں یہ فرما دیا ہو، ارے میاں! یہ تو سنتِ نبویؐ

قولہ۔ قلنا ان لنا کجفاء بالوجل، لفظ روجل عندا جمہور فتح راہ اور ضم جیم کیساتھ ہے انشی کا مقابل اور ابن عبد البر کے نزدیک یہ لفظ کسر راہ اور سکون جیم کیساتھ ہے بمعنی قدم، ابن عبد البر نے جمہور کے ضبط کی تردید کی ہے اور جمہور نے ان کی تردید کی ہے، اگر جمہور کا قول لیا جائے تو جفا سے مراد جہالت اور گنوار پن ہو گا کہ ایسا کرنا آدمی کی جہالت ہے اور اگر دوسرا قول لیا جائے تو جفا بمعنی مشقت لیں گے یعنی اس طرح بیٹھنے میں قدمین کو مشقت ناسخ ہوتی ہے

باب ماجاء فیما یقول ذارفع رأسه من الركوع

یعنی رکوع سے اٹھتے وقت کیا پڑھا جائے۔

یہاں یہ سوال ہوتا ہے کہ مصنف نے ترتیب کے خلاف کیوں باب باندھا ہے پہلے مایقول فی الركوع کا ہونا چاہئے تھا اس کے بعد اس باب کو لا۔

باب کی ترتیب پر ایک اشکال وجواب

بظاہر اس کی وجہ یہ ہو سکتی ہے کہ مصنف کو رکوع اور سجود دونوں کی دعا کو ایک ساتھ بیان کرنا تھا اس لئے کہ حدیث میں دونوں کا ایک ساتھ ذکر ہے اور سجدہ ترتیب میں چونکہ رکوع اور قومہ کے بعد ہے اس لئے مصنف نے قومہ کی دعا کو ان پر مقدم کیا، ورنہ پھر قومہ کی دعا بہت مؤخر ہو جاتی، ہذا ما خطر بہالی۔

۱۔ حدثنا محمد بن عیسیٰ الخ فقولہ۔ کان رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم اذا رفع رأسه من الركوع یقول، قولہ۔ ملاً السموات وملأ الارض الخ۔ یعنی اے اللہ ہم تیری اتنی حمد زبان سے ادا کرتے ہیں جس سے آسمان وزمین بھر جائے اور آسمان وزمین کے علاوہ بھی جو چیزیں ہیں جیسے عرش و کرسی یہ سب ان کلمات سے بھر جائیں اس سے مراد تکثیر عدد ہے اس لئے کہ کلام تو جسم اور کیسی یا وزنی چیز نہیں ہے کہ اس کے ذریعہ آسمان وزمین پُر ہو سکے، یعنی اگر کلمات حمد کو اجسام فرض کیا جائے تو وہ اتنے کثیر ہوں کہ جن سے یہ سب چیزیں پُر ہو جائیں اس طرح کی بات ذوق و شوق اور ولولہ کے وقت ہوا کرتی ہے ہم جیسے لوگ تو اس طرح کی دعاؤں کو صرف نقل کے طور پر پڑھ لیتے ہیں، جس ذوق و شوق کو یہ مقتضی ہیں اس سے ہم خالی ہیں۔

قال ابوداؤد وقال سفیان الثوری وشعبة بن الحجاج عن عبید ابی الحسن، عبید جو کہ سند میں اعش کے استاذ ہیں ان کی کینت ابوالحسن ہے اور ان کے والد کا نام حسن ہے بعض راویوں نے عن عبید بن الحسن اور بعض نے عن عبید ابی الحسن کہا، اس صورت میں ابی الحسن بدل ہو گا عبید سے، یہ اختلاف صرف لفظی ہے اور دونوں طرح پڑھنا صحیح ہے۔

قال سفیان لقینا الشیخ عبیداً فقلت یقول فیہ بعد الركوع، یہ اوپر والی دعا آپ صلی اللہ علیہ وسلم کس وقت پڑھتے تھے، محل دعا کی تعیین اعش کی روایت میں موجود ہے یعنی اذا رفع رأسه من الركوع، سفیان یہ کہہ رہے ہیں کہ یہ حدیث مجھ کو عبید سے اولاً بالواسطہ پہونچی تھی اس روایت میں تو لفظ بعد الركوع موجود تھا، لیکن بعد میں جب یہ حدیث میں نے براہ راست عبید سے سنی تو اس میں بعد الركوع نہیں ہے۔

۲۔ حدثنا مؤمل بن الفضل الصراوی الخ، قولہ۔ اهل الشام والہجد، اس کو مرفوع بھی پڑھ سکتے

ہیں یعنی انت اهل الشاء والمجد، اور منصوب بھی بتقدیر حرف نداء یا اهل الشاء والمجد، احق ماقال العبد۔

شرح چہ شد | اس میں بھی دو احتمال ہیں، مبتدأ محذوف کی خبر ہے یعنی انت احق ماقال العبد یعنی بندہ جو کچھ بھی تیری تعریف کرتا ہے آپ واقعی اس کے سزاوار ہیں، اور عہد سے مراد یا تو جنس ہے یا حضور صلی اللہ علیہ وسلم اور کلمات العبد یہ جملہ معترضہ ہے کہ ہم سبھی تیرے بندے ہیں، دوسرا احتمال ترکیب عبارت میں یہ ہے کہ احق ماقال العبد مبتدأ اور لا مانع لما اعطیت الی آخرہ اس کی خبر، اس صورت میں مطلب یہ ہوگا کہ سب سے زیادہ سچی اور یحییٰ بات یہ ہے لا مانع لما اعطیت الخ کہ تیرے سوا کوئی عطا کرنے والا نہیں اور جس کو تو عطا کرے اس کو کوئی روکنے والا نہیں، اور لا ینفع ذا الجدم منک الجدم۔

شرح چہ شد | حد کی تفسیر میں دو قول ہیں ۱۔ دادا یعنی بڑے خاندان اور نسب والے کو تیرے مقابلہ میں اسکا یہ خاندان نفع نہیں دے سکتا ہے۔ ۲۔ غنی اور دولت، دولت والے کو تیرے مقابلہ میں اسکی دولت کام نہیں دے سکتی، ابن ماجہ شریف کی روایت میں ہے ذکرت الجدم وعند رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم یعنی آپ کی مجلس میں ایک روز مختلف خاندانوں یا دولتوں کا ذکر آگیا تو اس پر آپ نے فرمایا لا ینفع ذا الجدم منک الجدم اور کہا گیا ہے کہ یہ لفظ جدم بکسر الجیم ہے یعنی کوشش والے کو اس کی کوشش ینفع۔

قولہ۔ اللهم ربنا ولك الحمد، اس میں تین روایتیں ہیں ایک تو یہی دوسری صرف ربنا لک الحمد اور تیسری ربنا ولك الحمد، امام احمد سے منقول ہے کہ ربنا کے ساتھ و لک الحمد (واؤ کیساتھ) ہے اور اللهم ربنا کیساتھ لک الحمد (بغیر واؤ کے) حافظ ابن قیم اس کی تائید میں فرماتے ہیں اس لئے کہ کسی صحیح حدیث میں لفظ اللهم اور واؤ کیساتھ نہیں وارد ہے، اس پر صاحب عون المعبود لکھتے ہیں ایسا نہیں بلکہ دونوں کے درمیان جمع وارد ہے کافی صحیح البخاری فی باب صلوة القائد من حدیث انس۔

ربنا و لک الحمد میں واؤ عاطفہ ہے تقدید عبارت یہ ہوگی ربنا استجب و لک الحمد، یا حمدناک و لک الحمد، اور ہو سکتا ہے کہ واؤ زائد ہو۔

حدثنا عبد الله بن مسلمة الخ قوله۔ اذا قال الامام سمع الله لمن حمده لا فقولوا اللهم ربنا لک الحمد۔

مسئلہ ثابۃ بالحدیث میں اختلاف | اس حدیث میں ایک اختلافی مسئلہ ہے جس میں تین مذاہب ہیں، امام ابو حنیفہ و مالک کا مذہب یہ ہے جیسا کہ ظاہر حدیث سے معلوم ہو رہا ہے کہ رکوع

سے اٹھے وقت امام کے لئے صرف تسبیح (سمع اللہ لمن حمد) ہے اور مقتدی کے لئے صرف تحمید (ربنا لک الحمد) ان دونوں اماموں نے اسی حدیث سے استدلال کیا ہے اس لئے کہ اس حدیث میں تسبیح و تحمید کو امام اور مقتدی کے درمیان تقسیم کر دیا ہے۔ صاحب ہدایہ فرماتے ہیں القسمۃ تنافی الشرکۃ۔ دوسرا مذہب امام شافعی کا ہے ان کے نزدیک ان دونوں میں شرکت ہے کلاهما لکلیہما، ان کی دلیل ابو ہریرہ کی وہ حدیث متفق علیہ ہے جس میں یہ ہے ثم یقول سمع اللہ لمن حمدہ..... حین یرفع صلبہ من الرکعۃ ثم یقول وهو قائم ربنا ولک الحمد، اور یہ حدیث اگرچہ صرف امام کے بارے میں ہے اس لئے کہ آپ ہی امام ہوا کرتے تھے لیکن آپ کا ارشاد ایک دوسرے موقع پر صلوا کما رایتونی اصلی سے امام کی خصوصیت ختم ہو جاتی ہے، تیسرا مذہب امام احمد اور صاحبین کا ہے للامام کلاهما وللمقتدی احدہما امام کے لئے جمع بین التحمید والتسبیح اور مقتدی کے لئے صرف تحمید۔ ان کی دلیل مقتدی کے حق میں تو حدیث الباب ہے اور امام کے حق میں ابو ہریرہ کی وہ حدیث ہے جس کو امام بخاری نے روایت کیا۔ کان النبی صلی اللہ علیہ وسلم اذا قال سمع اللہ لمن حمدہ قال اللہم ربنا ولک الحمد، تنبیہ۔ امام خطاب کو یہاں پر صاحبین کا مذہب نقل کرنے میں خطا واقع ہوئی انہوں نے صاحبین کا مذہب امام شافعی کے مذہب کے موافق لکھ دیا حالانکہ ایسا نہیں ہے۔

شرح حیشہ فانہ من وافق قوله قول الملائکۃ۔ راجع قول کی بنا پر موافقت سے مراد موافقت فی القول والزمان ہے یعنی جو شخص میں اس وقت آئین کہے جس وقت میں فرشتے آئین کہے ہوں اس کے گذشتہ گناہ معاف ہو جاتے ہیں صحیحین کی روایت سے معلوم ہوتا ہے کہ تائین امام کی وقت آسمان پر ملائکہ بھی آئین کہتے ہیں۔ وقالت الملائکۃ فی السماء آمین، بخاری کی روایت میں ہے علمائے لکھنؤ کے اس میں اشارہ ہے اس بات کی طرف کہ مقتدی کو نماز میں خوب بیدار رہنا چاہئے غفلت اور سستی نہ ہونی چاہئے ہر موقع کی دعا اور ذکر میں اس کے متعینہ وقت میں ہونی چاہئے۔

اور دوسرا قول موافقت کی تفسیر میں یہ ہے جس کو ابن حبان نے اختیار کیا کہ اس سے مراد موافقت فی الاخلاص و الخشوع ہے، ہم نے اپنے بعض مشایخ سے سنا کہ اس میں تین احتمال ہیں ۱۔ موافقت فی القول ۲۔ موافقت فی الزمان ۳۔ موافقت فی القول والزمان پھر اس میں بھی اختلاف ہے ابن بزیڑہ کہتے ہیں ملائکہ سے تمام ملائکہ مراد

۱۔ اور اگر محل منفرد ہو تو اس صورت میں اگر ملائکہ جمع بین الذکرین کے قائل ہیں اور ضعیفہ کے یہاں اس میں تین روایتیں ہیں۔ ۲۔ صرف ربنا لک الحمد، قال فی المبسوط وهو الاصح۔ ۳۔ جمع بین الذکرین صاحب ہدایہ نے اسی کو ارجح قرار دیا ہے۔ ۴۔ صرف تسبیح ہے قال ابو بکر الرازی (کذا فی النہل عن الزلیع)

ہیں اور کہا گیا ہے کہ صرف حفظ مراد ہیں، اور کہا گیا ہے ظاہر یہ ہے کہ اس سے وہ ملائکہ مراد ہیں جو اس نماز میں شریک ہوں خواہ آسمان پر یا زمین میں، ایک روایت موقوفہ میں ہے صفوف اهل الارض علی صفوف اهل السماء۔

فائدہ۔ اس حدیث کے بعض طرق میں ما تقدم من ذنبه کیساتھ و ما تأخر بھی وارد ہے حافظ نے اسکو شاذ لکھا ہے۔

باب الدعاء بين السجدين

قوله۔ يقول بين السجدين اللهم اغفر لي وارحمي وعافني واهدني وارزقني، اور ترمذی کی روایت میں واجبونی بھی موجود ہے اور نسائی و ابن ماجہ کی ایک دوسری روایت مرفوعہ میں اس طرح ہے۔ کان يقول بين السجدين رب اغفر لي رب اغفر لي اور ابن ماجہ کی روایت میں فی صلوة اللیل کی قید بھی مذکور ہے دعا بین السجدين میں مذہب ائمہ چنانچہ حنفیہ کے نزدیک یہ دعا تطوع پر محمول ہے اور شافعیہ کے نزدیک مطلقاً ہے، امام ترمذی فرماتے ہیں وہ یقول الشافعی، و احمد و اسحاق یرون هذا جائزاً فی المكتوبة والتطوع، اور امام احمد کے یہاں تو صرف جائز ہی نہیں بلکہ جیسا کہ معنی میں لکھا ہے ان کے نزدیک قول مشہور میں بین السجدين رب اغفر لی ایک بار پڑھنا واجب ہے (اور تین بار مستحب) اور یہی قول اسحاق بن راہویہ اور داؤد ظاہری کا ہے، اور دوسری روایت امام احمد سے عدم وجوب اور استحباب کی ہے، ابن قدامہ لکھتے ہیں وهو قول اکثر الفقهاء لان النبي صلى الله عليه وسلم لم يعلمه النبي في صلوة، اسی طرح پہلے گذر چکا ہے کہ امام احمد کی ایک روایت میں تکبیرات انتقال اور تسبیحات رکوع و سجود بھی واجب ہیں، اور امام مالک کے مذہب میں تو بہت زیادہ توسع ہے جیسا کہ پہلے باب یستفتح به الصلوة من الدعاء میں ان کا مذہب گذر چکا ان کے یہاں بھی نفل کی قید نہیں ہے۔

باب رفع النساء إذا كن مع الإمام رؤسهن من السجدة

اس باب کی حدیث کا مطلب یہ ہے کہ جو عورتیں مسجد میں جماعت کیساتھ نماز آپ صلی اللہ علیہ وسلم کے زمانہ میں پڑھتی تھیں ان کے بارے میں آپ فرما رہے ہیں ان کو چاہئے کہ وہ سجدہ سے سر ذرا دیر سے اٹھائیں اس میں جلدی نہ کریں ایسا نہ ہو کہ مردوں کی صف جو سامنے ہے ان کے سر پر عورتوں کی نظر پڑ جائے۔

۱۲ لیکن اگر کوئی شخص اس کو فرض نماز میں بھی پڑھ لے تو مکروہ نہیں، کما فی الکوکب الدرۃ ۱۲

بَابُ طَوْلِ الْقِيَامِ مِنَ الرُّكُوعِ وَبَيْنَ السَّجْدَتَيْنِ

ترجمہ الباب کی تشریح لفظ من الرکوع القیام سے متعلق ہے نہ کہ طول سے یعنی قیام من الرکوع کا طویل ہونا اور اسی طرح جلسہ بین السجدتین کا طویل ہونا، اور اگر من الرکوع کو طول سے متعلق کر دیں تو مطلب غلط ہو جائیگا یعنی قیام کا رکوع سے طویل ہونا، حالانکہ یہ مراد نہیں بلکہ مراد یہ ہے کہ قیام من الرکوع یعنی قومہ کا دراز ہونا۔

۱- حدثنا حفص بن عمر بن الخطاب عن رسول الله صلى الله عليه وسلم كان سجدة

وركوعه وقعوده وما بين السجدة تين۔

اختلاف نسخ اور نسخہ صحیحہ کی تحقیق و تنقیح بذل الجہود میں لکھا ہے کہ ابو داؤد کے اکثر نسخوں میں اسی طرح ہے وما بین السجدتین، اور بعض نسخوں میں ما بین السجدتین بغیر واؤ کے

ہے یہی صحیح اور اکثر کتب حدیث کی روایت کی مطابقت ہے، اور اس صورت میں مطلب یہ ہوگا کہ آپ صلی اللہ علیہ وسلم کا سجدہ اور رکوع اور جلسہ بین السجدتین کی مقدار تقریباً برابر ہوتی تھی، اور اگر واؤ والا نسخہ لیا جائے تو اس صورت میں مطلب یہ ہوگا کہ آپ کا سجدہ اور رکوع اور قعدہ اور جلسہ بین السجدتین تقریباً برابر ہوتے تھے۔

لیکن اس نسخہ پر اشکال ہے وہ یہ کہ اس کا مطلب تو یہ ہے کہ قعدہ اور جلسہ بین السجدتین کی مقدار برابر ہوتی تھی اول تو اس طرح کسی روایت میں ہے نہیں دوسرے یہ کہ بخاری کی روایت میں ما خلا القیام والقعود مروی ہے جس سے معلوم ہوتا ہے کہ صرف رکوع سجود اور ما بین السجود کی مساوات بیان کی جا رہی ہے قعود اس سے مستثنیٰ ہے اور اسی طرح قیام بھی، اسی لئے ہم نے کہا کہ دوسرا نسخہ صحیح ہے حضرت نے بذل میں تحریر فرمایا ہے کہ اس عبارت کی اصلاح یا تو اس طور پر ہو سکتی ہے کہ یہاں روایت میں لفظ قعود نہ ہو اور کلام اس طرح ہو کان سجودہ

ورکوعہ وما بین السجدتین، اور دوسری شکل اصلاح کی یہ ہے کہ اگر لفظ قعود یہاں مانتے ہیں تو پھر اس کے بعد صرف واؤ نہ ہونا چاہئے بلکہ اس طرح ہو وقعودہ ما بین السجدتین، اور ایک توجیہ یہ تحریر فرمائی ہے کہ قعود سے مراد تشہد والا قعود نہ لیا جائے، بلکہ اس سے جلسہ بین السجود والتسلیم والا انصراف مراد لیا جائے جس کا ذکر بعض روایات میں آتا ہے، چنانچہ اس سے متعلق ابو داؤد میں ابواب سجود السہو سے ذرا آگے ایک مستقل باب آ رہا ہے، باب انصراف النساء قبل الرجال من الصلوة، اس صورت میں یہ روایت بخاری کی روایت ما خلا القیام والقعود کے خلاف نہ ہوگی، اور حضرت گنگوہی کی تقریر میں اس کی توجیہ یہ فرمائی ہے کہ قعود سے مراد تشہد اولیٰ کا قعود ہے

اور پوری حدیث کا مطلب یہ ہوگا کہ آپ صلی اللہ علیہ وسلم کا سجدہ اور رکوع اور قعدہ اولیٰ اور جلسہ بین السجدتین یہ چاروں متقارب ہوتے تھے، نوگو یا حضرت گنگوہی کے نزدیک بخاری کی روایت جس میں قعود کا استثناء ہے اس سے مراد قعدہ اخیرہ ہے لہذا اس صورت میں بھی تعارض پیدا نہ ہوگا، یہ ساری بحث بذل المجہود میں حضرت نے بڑی تفصیل سے لکھی ہے جس کی تسہیل ہم نے یہاں اپنے لفظوں میں کی ہے۔

قولہ۔ قریباً من السواء۔ اس کے مفہوم میں دو بلکہ تین قول ہیں ۱۔ مساواة احدھما للآخر یعنی رکوع وسجدہ اسی طرح قومہ (جو بعض روایات میں ہے) اور جلسہ بین السجدتین ان سب کی مقدار آپس میں تقریباً برابر ہوتی تھی۔ ۲۔ مساواة الجنس للجنس، یعنی آپس میں ہر ایک کی برابری مراد نہیں بلکہ رکوع کی مساوات رکوع سے اور سجدہ کی مساوات سجدہ سے مراد ہے ۳۔ المراد اثبات التناسب والتوازن بین الكل، یعنی نماز کے ارکان میں تناسب اور توازن ہوتا تھا مساوات مراد نہیں، مثلاً اگر قیام طویل ہے تو اسی کے مناسب رکوع وسجدہ بھی طویل، اور اگر قیام قصیر تو رکوع وسجدہ بھی مختصر لیکن دوسرے معنی مراد لینے میں اشکال ہے اس لئے کہ بہت سی روایات سے ثابت ہے، رکعت اولیٰ کے قیام کا طویل ہونا رکعت ثانیہ کے قیام سے کثرتاً قال السندی فی حاشیۃ النسائی ۱۹۶ وہ کہتے ہیں لہذا ظاہر معنی اول ہی میں نہیں کہتا ہوں معنی اول کی تائید بعض روایات سے ہوتی ہے چنانچہ آگے باب ما یقول الرجل فی رکوع وسجدہ کی آخری حدیث میں اس طرح وارد ہے فکان قیامہ نحو ما من رکوعہ وکان سجودہ نحو ما من قیامہ وکان یقعد فیہا بین السجدتین نحو ما من سجودہ، لیکن اس روایت پر یہ اشکال ہوگا کہ بخاری کی روایت میں (جس کا حوالہ پہلے بھی آچکا ہے) ما خلا القیام والقعود مذکور ہے جس سے معلوم ہوتا ہے کہ رکوع وسجدہ وغیرہ تو آپس میں برابر ہوتے تھے لیکن قیام رکوع وسجدہ کے برابر نہ ہوتا تھا، فتأمل لہ۔

تبندیہ۔ اس باب کی پہلی حدیث میں جس پر کلام ہو رہا ہے ترجمۃ الباب کا جز ثانی مذکور ہے یعنی جلسہ بین السجدتین کا دراز ہونا، اور ترجمہ کا جز اول یعنی قومہ کا دراز ہونا وہ اس حدیث میں نہیں البتہ باب کی دوسری حدیث میں آ رہا ہے۔

۲۔ حدثنا مویسیٰ بن اسماعیل۔ قولہ۔ ما صلیت خلف رجل أو جئز صلوۃ ام حضرت انسؓ فرماتے ہیں کہ میں نے کسی بھی امام کے پیچھے ایسی نماز نہیں پڑھی، جو مختصر ہونے کے ساتھ ساتھ کامل اور تام ہو، حضور صلی اللہ علیہ وسلم کے مقابلہ میں، یعنی آپ کی نماز باوجود اختصار کی رعایت کے کامل اور مکمل ہوتی تھی جس کی صورت یہ ہے کہ

لہ اسکا جواب یہ ہو سکتا ہے کہ اس اختلاف کو اختلاف اوقات و زمان پر محمول کیا جائے کسی ایک جگہ بھی دوام ماستمر مراد نہ لیا جائے ۱۲ منہ۔

قیام کی مقدار ملکی ہو اور رکوع و سجود اطمینان کے ساتھ ہوں۔

قوله، وكان رسول الله صلى الله عليه وسلم اذا قال سبغ الله لمن حدة قام حتى تقول قد اوهم۔ یعنی آپ صلی اللہ علیہ وسلم بعض مرتبہ نماز میں قومہ کو اتنا دراز کرتے تھے کہ ہم یہ سوچنے لگتے تھے کہ آپ نے رکوع اور قومہ کو ترک کر دیا یعنی دوبارہ قیام کی طرف لوٹ آئے اس لئے کہ قومہ اتنا لمبا نہیں ہوتا یہ مطلب اس صورت میں ہے جب اؤہم کو بصیغہ معروف بروزن اکرم پڑھا جائے اور اگر بصیغہ مجہول اؤہم ہو تو اس صورت میں مطلب یہ ہوگا و ہم میں واقع ہو جانا، یعنی ہم یہ سوچتے تھے کہ آپ کو کوئی دہم یا سہو تو نہیں ہو گیا۔

قوله۔ وكان يقعد بين السجدة تين الخ۔ حدیث کے پہلے جزر سے تطویل قومہ اور اس دوسرے جزر سے جلسہ بین السجدتین کی تطویل ثابت ہو رہی ہے۔

اب یہاں پر یہ چیز قابل تحقیق ہے کہ قومہ اور جلسہ کی تطویل مستحب یا نہیں، جمہور علماء اس کے قائل نہیں ہیں، جمہور کے نزدیک اعتدال یعنی قومہ اور رکن قصر ہیں یا رکن طویل۔ ایسے ہی جلسہ بین السجدتین ہر ایک رکن قصر ہے اس کی تطویل جائز نہیں،

البتہ امام احمد اور ظاہر یہ اس کے قائل ہیں ان کے نزدیک قومہ اور جلسہ کی تطویل مستحب ہے جیسا کہ ابن قتادہ نے معنی میں اس کو تفصیل سے بیان کیا ہے اور مصنفؒ کی ترویج اسی کی طرف مشیر ہے، ہمارے شیخ کے نزدیک تو مصنف حنبلی ہیں ہی کتب شافعیہ میں تو یہ لکھا ہے کہ ان دونوں کی تطویل مفسد صلوٰۃ ہے۔

جمہور کہتے ہیں کہ قومہ اور جلسہ کی تطویل مشہور روایات سے ثابت نہیں صرف اس حدیث انس سے ثابت ہے لہذا یہ شاذ ہے، یہ بھی کہا گیا ہے کہ ہو سکتا ہے یہ تطویل امر بالتخفيف سے پہلے ہو لیکن اس کے باوجود بعض فقہاء شافعیہ و مالکیہ جیسے امام نووی اور ابن دقیق العید اس کے جواز کے قائل ہیں اس لئے کہ اس کا ثبوت اگرچہ شہرت کے ساتھ نہیں ہے لیکن بہر حال بعض روایات سے ہے تو ہسی۔

۳۔ حدثنا مسدد والبخاری الخ۔ قوله فوجدت قیامہ کو رکعتہ وسجدتہ، یعنی آپ کے قیام اور رکوع و سجود کی مقدار یکساں تھی۔ واعتداله فی الركعة کسجدتہ۔ فی الركعة سے مراد بعد رکوع ہے یعنی پایا میں نے آپ کے قومہ کو رکوع کے برابر و جلسہ بین السجدتین وسجدتہ

لہ اس کا عطف قیامہ پر ہو رہا ہے ۱۷ منہ

لہ اس روایت میں یہ لفظ غلط ہے اس کے بجائے و جلسہ ہونا چاہئے جیسا کہ آگے مسدود کی روایت میں آ رہا ہے، غرضیکہ

ما بین التسليم والانصراف، یعنی پایا میں نے آپ کے جلسہ بین السجدتین کو اور سجدہ بین التسليم والانصراف کو تقریباً برابر۔

جاننا چاہئے کہ اس حدیث کی سند میں مصنف کے دو اساذ ہیں مسدد اور ابو کمال یہ اوپر والے الفاظ ابو کمال کے ہیں اور مسدد کے الفاظ کو مصنف آگے بیان کر رہے ہیں، لیکن ابو کمال کی روایت کے الفاظ میں گڑبڑ ہے، صحیح الفاظ وہی ہیں جو مسدد کی روایت میں آ رہے ہیں۔

مسدد کی روایت کا مضمون یہ ہے کہ حضور صلی اللہ علیہ وسلم کے قیام اور رکوع اور قومہ اور سجدہ اولیٰ اور پھر جلسہ بین السجدتین اور پھر سجدہ ثانیہ اور پھر جلسہ بین التسليم والانصراف ان سب کو میں نے تقریباً برابر پایا، مسدد کی روایت میں تمام الفاظ مل کر ایک ہی جملہ ہوا ہے بخلاف ابو کمال کی روایت کے الفاظ کے کہ وہ الگ الگ مستقل تین جملے ہیں، ان کی روایت سے معلوم ہوتا ہے کہ قیام کی مقدار رکوع و سجدہ کے برابر ہوتی تھی بخلاف مسدد کی روایت کے کہ اس میں اس طرح نہیں ہے، وہ تو مجموعہ کے بارے میں کہہ رہے ہیں کہ یہ تقریباً برابر ہوتے تھے، اور برابر ہونے کے وہی تین مطلب ہوں گے جو پہلے گزر چکے، بخلاف ابو کمال کی روایت کے اس میں تو ایک ہی معنی متعین ہیں۔

تنبیہ۔ یہ ابو کمال اور مسدد کی روایت کے الفاظ کا اختلاف سنن ابو داؤد کے اعتبار سے ہے ورنہ صحیح مسلم میں دونوں کے الفاظ اور سیاق میں کوئی اختلاف نہیں ہے، جس طرح مسدد کی روایت کے الفاظ ہیں اسی طرح ابو کمال کے الفاظ بھی ہیں پس ہو سکتا ہے کہ مصنف کو یہ روایت اس طرح پہنچی ہو اور امام مسلم کو اس طرح، اور ممکن ہے ابو کمال نے بعد میں اپنے الفاظ کی اصلاح کر لی ہو یا پہلے وہ صحیح روایت کرتے ہوں اور بعد میں ان سے غلط ہو گیا ہو واللہ تعالیٰ اعلم۔

بَابُ صَلَاةٍ مِنْ لَا يُقِيمُ صَلَاتَهُ فِي الرُّكُوعِ وَالسُّجُودِ

یعنی جو شخص رکوع و سجدہ میں اپنی پشت کو زیادہ دیر تک نہ جھکائے بلکہ جلدی سے سر اٹھالے یا یہ کہ رکوع میں کمر کو ہموار اور سیدھا نہ کرے بہر صورت مراد ترک تبدیل اور ترک طمانینت ہے مسئلہ مختلف فیہ ہے۔

→ ابو کمال کی روایت میں تحریف واقع ہوئی ہے اور صحیح مسدد کی روایت ہے جو کہ باقی دوسری روایات حدیثیہ کے موافق ہے

تعدیل ارکان میں مذاہب ائمہ مشہور یہ ہے کہ تعدیل ارکان یعنی رکوع سجود اطمینان سے ادا کرنا، جمہور علماء ائمہ ثلاثہ اور داؤد ظاہری اور امام ابو یوسف کے نزدیک فرض ہے بغیر اس کے رکوع سجود صحیح نہیں، اور طرین کے نزدیک مشہور قول کی بناء پر واجب ہے اور کہا گیا ہے کہ سنت ہے، لیکن یہ قول غیر اصح ہے البتہ جلسہ بن السجدة اور قومہ اور ان میں طمانینت یہ عند الطرین سنت ہے واجب نہیں (زیلعی علی الکفر) علامہ سندھی حاشیہ نسائی ۱۵۸ میں لکھتے ہیں کہ مشہور تو یہی ہے کہ طرین کے نزدیک تعدیل ارکان فرض نہیں ہے لیکن امام طحاویؒ نے شرح معانی الآثار میں تصریح کی ہے اس بات کی کہ امام ابو حنیفہ اور صاحبین کا مذہب رکوع اور سجود میں اقراض طمانینت ہے ایسے ہی علامہ شامی نے بھی امام طحاویؒ سے مطلقاً حنفیہ کا مذہب فرضیت تعدیل کا نقل کیا ہے۔

تعدیل و طمانینت کی حقیقت اب یہ کہ تعدیل و اطمینان سے کیا مراد ہے، جواب یہ ہے کہ اس کی طرف اشارہ خود حدیث میں موجود ہے، شامی یرکع حتی تطمئن مفاصلہ شامی سجود حتی تطمئن مفاصلہ، اور یہی فقہار نے بھی لکھا ہے، اور مزید تشریح اس کی انہوں نے یہ کی ہے کہ ویستقر کل عضو فی محله بعد تسبیحة اور معنی میں اس کی تفسیر یہ کی ہے ان یسکت اذا بلغ حد الركوع قلیلاً، طرین فرماتے ہیں کہ نفس رکن جیسے رکوع و سجود کی ادائیگی تو فرض ہے اور اکمال رکن کو علی وجه الکمال ادا کرنا یہ واجب ہے، والطمینت من قبیل الثانی لا الاول۔

جمہور علماء کا استدلال اور حنفیہ کی طرف سے جواب اور جمہور کا استدلال حدیث المسی فی الصلوة سے ہے کہ اس میں تعدیل ارکان کے فوت ہونے کی وجہ سے صلوٰۃ پر عدم صلوٰۃ کا اطلاق کیا گیا ہے صل فانک لم تصل، اور حنفیہ یہ کہتے ہیں کہ خود یہ حدیث اور قصہ عدم فرضیت تعدیل پر دلالت کرتا ہے اس لئے کہ اس میں آپ صلی اللہ علیہ وسلم فرما رہے ہیں وان انتقصت منه شیئاً انتقصت من صلوٰۃک اس سے معلوم ہو رہا ہے کہ ترک تعدیل سے نماز میں نقصان واقع ہوتا ہے۔

لہ در مختار میں ہے وتعدیل الارکان ای تسکین الجوارح قدر تسبیحة فی الركوع والسجود وكذا فی الرفع منہما علی ما اختاره الکمال، علامہ شامی لکھتے ہیں کہ قومہ اور جلسہ بن السجدة اور ان دونوں کی تعدیل مشہور فی المذہب یہ ہے کہ یہ سنت ہے اور دوسری روایت ان کے وجوب کی ہے وهو الموافق للادلة (وعلیہ الکمال ابن الہمام) وقال ابو یوسف بغرضیة السک واختاره فی المجمع والعینی ورواة الطحاوی عن اثنتی الثلاثة وهو مذہب مالک والشافعی واحمدؒ لہ چنانچہ ترمذی کی روایت میں ہے کہ جب حضورؐ نے اس سے یہ فرمایا صل فانک لم تصل فعات الناس وکبر علیہم —

اور وہ نماز ناقص ہے نہ یہ کہ فاسد و باطل اور یہی طرفین فرماتے ہیں، نیز ایک اور بھی وجہ ہے وہ یہ کہ نماز کے فاسد ہونے کے بعد خواہ وہ کسی وجہ سے فاسد ہو معنی فی الصلوٰۃ یعنی نماز پڑھتے رہنا حرام اور ناجائز ہے اور ظاہر ہے کہ ترکِ فرض سے نماز فاسد ہو جاتی ہے، تو جب شخص مذکور نے پہلی رکعت میں تعدیل ارکان کو ترک کیا تو اس کی نماز فاسد ہو گئی تمہارے نزدیک اور وہ حضور صلی اللہ علیہ وسلم کے سامنے اس کو اسی طرح پڑھتا رہا یہ کیسے ہو سکتا ہے

۱- حدثنا القصبی عن قولہ۔ عن ابی ہریرۃ ان رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم دخل المسجد فدخل رجل فصلی ثم جاء فسلم الخ یہ وہی حدیث النسخ فی الصلوٰۃ ہے جس کو مصنف نے ابو ہریرہ اور رفاعہ بن رافع کی روایت سے متعدد طرق سے ذکر کیا ہے، رفاعہ بن رافع کی روایت کتاب میں آگے آرا سی ہے،

اس قصہ کے راوی تورفاعہ بن رافع ہیں اور صاحب قصہ یعنی نسائی فی الصلوٰۃ وہ ان کے بھائی خلاد بن رافع ہیں اس حدیث میں تو ان کو رجل سے تعبیر کیا ہے۔ نام کی تصریح مسند احمد اور مصنف ابن ابی شیبہ کی روایت میں ہے (کافی البذل) یہاں پر شرح میں یہ بھی لکھا ہے کہ خلاد بن رافع کے بارے میں یہ آتا ہے کہ وہ جنگ بدر میں شہید ہو گئے تھے تو پھر اس پر یہ اشکال ہو گا کہ ابو ہریرہ اس کو کیسے روایت کر رہے ہیں جبکہ ان کا اسلام اس کے بہت بعد شروع میں ہے۔

اس کا جواب یہ ہو گا کہ ابو ہریرہ کی روایت مرسل صحابی ہے انھوں نے اس قصہ کو کسی قدیم الاسلام صحابی سے سنا ہو گا، پھر بوقت روایت انھوں نے واسطہ کو حذف کر کے حدیث کو مرسل روایت کر دیا، اس طرح کا اشکال اور بھی بعض جگہ پیش آیا ہے وہاں بھی یہی جواب دیا گیا ہے، اسی لئے محدثین نے لکھا ہے کہ ابو ہریرہ کی عادت اس سال کی تھی۔

۲- حدثنا عباد بن موسیٰ الحنظلی عن قولہ، ثم تشهد فأتیتم، اس روایت میں یہ زیادتی ہے

→ ان یکون من اخف صلوٰۃ لم یصل، یعنی صحابہ کرام کو یہ بات بہت گراں گزری کہ جو تعدیل ارکان نہ کرے اس کی نماز ہی نہیں ہوتی، پھر اسی روایت کے اخیر میں ہے کہ جب حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے ان صحابی سے یہ فرمایا وان انتقصت منہ شیئاً انتقصت من صلوٰۃ، تو اس پر راوی کہتا ہے قال وكان هذا اھون علیہم من الاولی انہ من انتقص الخ یعنی جب صحابہ نے آپ صلی اللہ علیہ وسلم سے یہ دو سرفظ سنے جن میں نقصان صلوٰۃ کا ذکر ہے تو ان کا بوجھ ہلکا ہو گیا اس لئے کہ ان لفظوں سے معلوم ہوا کہ اس کی نماز صرف ناقص ہوئی فاسد نہیں ہوئی، یہ سارا مضمون ترمذی سنن کی حدیث کے متن میں موجود ہے، دیکھئے حنفیہ بھی یہی کہتے ہیں جو صحابہ نے سمجھا، واللہ تعالیٰ اعلم بالصواب۔

وہ یہ کہ آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے ان صحابی کو اذان و اقامت کا بھی حکم فرمایا، تشہد سے مراد اذان ہے۔

۳۔ حدثنا ابو الولید الطیالسی الخ قوله نہی رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم عن نفرة الغراب وافتراش السبع وان یوطن الرجل المکان فی المسجد کما یوطن البعین

شرح حدیث | یعنی جس طرح کوئی پرند جلدی جلدی ٹھونگیں مار کر زمین سے دانہ چناتا ہے اس طرح آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے نماز میں رکوع سجدہ کرنے سے منع فرمایا ہے یعنی یہ کہ بغیر تعدیل ارکان کے کوئی نماز پڑھے۔ اسی طرح آپ نے سجدہ میں افتراش ذرا عین سے منع فرمایا جس طرح درندہ زمین پر کہنیاں بچھا کر آرام سے بیٹھتا ہے اس لئے کہ نماز راحت و آرام حاصل کرنے کے لئے نہیں ہے بلکہ ایک قسم کی محنت و مجاہدہ ہے، اسی لئے سجدہ کا جو سنون طریقہ ہے اس میں آدمی کو مشقت اٹھانی پڑتی ہے اور اسی طرح آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے اس بات سے بھی منع کیا ہے کہ کوئی شخص مسجد میں اپنی نماز پڑھنے کی جگہ متعین کرے کہ ہمیشہ اسی جگہ نماز پڑھا کرے جس طرح اونٹ اپنے بندھنے کی جگہ کو اپنے لئے متعین کر لیتا ہے۔

بعض نے اس کی حکمت یہ بیان کی ہے کہ اس صورت میں عبادت بطور عادت کے ہو جائے گی۔ حالانکہ عبادت عادت کے طور پر نہیں ہونی چاہئے بلکہ اس میں نفس و عادت کی مخالفت کے معنی ہونے چاہئیں، نیز ایسا کرنے سے شہرت و ریا کا خطرہ ہے لوگوں کی زبان پر یہ آئیگا کہ فلاں شخص کو جب بھی دیکھو مسجد میں فلاں جگہ نماز پڑھتا ہوا نظر آتا ہے اور ایک حکمت یہ بھی بیان کی گئی ہے کہ اگر کوئی شخص مسجد میں اپنی نماز کی جگہ متعین کرے گا تو اگر اتفاق سے وہاں کوئی دوسرا بیٹھ جائے گا تو وہ اس سے اس جگہ کو اپنا حق اور حصہ سمجھ کر مزاحمت کرے گا نیز جگہ متعین نہ کرنے میں استکثار شہود کا فائدہ ہے کہ ہر جگہ بروز قیامت گواہی دے گی اس پر نماز پڑھنے کی۔

باب قول النبی صلی اللہ علیہ وسلم کل صلوۃ لا یتھا صاحبھا الخ

قوله، عن الحسن عن النس بن حکیم الضبی قال خاف من زیاد او ابن زیاد

شرح حدیث اور زیاد و عبید اللہ بن زیاد کا مختصر حال | قال کی ضمیر حسن اور خاف کی انس کی طرف راجع ہے حسن بھری کہتے ہیں کہ ایک مرتبہ انس بن حکیم

کو کسی بنا پر (جو یہاں کتاب میں مذکور نہیں) زیاد بن عبید یا اس کے بیٹے عبید اللہ بن زیاد سے کوئی خوف لاحق ہوا بظاہر یہ بصرہ کا واقعہ ہو گا جہاں کے رہنے والے یہ حضرت حسن ہیں اور یہ ابن زیاد بھی بصرہ ہی کا امیر تھا، تو غرضیکہ یہ اس سے پچکر مدینہ آ گئے، اس روایت میں شک راوی ہے کہ انس بن حکیم کو جو خطرہ لاحق ہوا تھا وہ زیاد سے تھا

یا اس کے بیٹے عبید اللہ سے، دراصل یہ دونوں ہی گڑ بڑ آدمی تھے ظالم اور مستبد۔ زیاد تو حضرت معاویہ کے زمانہ میں ان کی جانب سے امیر عراق تھا اور اس کا بیٹا عبید اللہ بصرہ کا امیر تھا، زیاد کا ذکر حدیث کی دوسری کتابوں میں بھی آتا ہے۔ چنانچہ مسلم شریف کتاب الایمان ۵۷ پر پہلے عن ابی عثمان قال لہما اذبحی زیاد لقتیت ابابکرؓ اس زیاد کو زیاد بن عبید الثقفی اور زیاد بن ابیہ اور زیاد بن سمیہ اور زیاد بن ابی سفیان بھی کہتے ہیں۔ تقریر مسلم (اکل المفہم) میں لکھا ہے کہ یہ شروع میں اصحاب علی سے تھا بلکہ ان کی فوج کا سپہ سالار اور جرنیل تھا، حضرت معاویہ نے اس کو اپنی طرف مائل کر لیا تھا اس طور پر کہ اگر تو میرے ساتھ ہو گیا تو میں تیرا استلحاق یعنی تم کو اپنا بھائی بنا کر قریش میں داخل کر لوں گا، چنانچہ یہ حضرت علیؓ کو چھوڑ کر حضرت معاویہ کے ساتھ ہو گیا تھا اور اپنے آپ کو زیاد بن ابی سفیان کہنے لگا۔

در اصل اس کی ماں سمیہ نامی ایک باندی تھی جو عبید کے نکاح میں تھی، البوسنیان والد معاویہ نے زمانہ جاہلیت میں سمیہ کیساتھ زنا کیا تھا جس سے یہ زیاد پیدا ہوا اسلامی قاعدہ الولد للفراش کے تحت تو اس کی نسبت عبید کی طرف ہونی چاہئے تھی اور جاہلیت کے دستور کی مطابق زانی یعنی ابوسفیان کی طرف۔ اس کے حالات میں لکھا ہے کہ حضرت معاویہ نے اس کو عراق کا والی بنادیا تھا چونکہ یہ بڑا مدبر اور منتظم قسم کا انسان تھا عراق پر اس نے قابو پالیا اور حضرت معاویہ کی جانب لکھ کر بھیجا کہ میں نے عراق کو اپنے بائیں ہاتھ میں لے لیا ہے اور میرا دایاں ہاتھ خالی ہے مقصد اس کا یہ تھا کہ حجاز کو بھی میری ولایت میں کر دیا جائے، جب اہل حجاز کو اس کی خبر ہوئی تو وہ حضرت عبداللہ بن عمرؓ کی خدمت میں گئے اور ان سے جا کر صورت حال بیان کی اور اس بات کا خطرہ ظاہر کیا کہ کہیں یہ ان پر مسلط نہ کر دیا جائے اور پھر اہل حجاز پر بھی وہ ظلم و زیادتی کرے جو اہل عراق پر کی ہے، تو اس پر حضرت ابن عمرؓ نے رو بقبید کھڑے ہو کر زیاد کے حق میں بد دعا فرمائی تھی جس کی وجہ سے وہ شدید ہلک مرض میں مبتلا ہو گیا تھا، یہ تاریخی باتیں ہیں، تاریخ کی کتابوں میں دیکھنے کی ہیں، اس کا بیٹا عبید اللہ تھا جو حضرت حسینؓ کے قتل کی سازش میں شریک تھا اور ان کا سر کاٹ کر اسی کے پاس لایا گیا تھا، پھر ایک وقت وہ بھی آیا تھا کہ خود عبید اللہ کو ہلاک کیا گیا اور کوفہ کی مسجد میں اس کے اور اس کے ساتھیوں کے سروں کو کاٹ کر لا کر رکھا گیا تھا جیسا کہ ترمذی شریف کی کتاب المناقب میں مناقب حسن و حسین کے ذیل میں یہ روایت موجود ہے۔

قوله، فَنَسَبْتُ فَاَنْتَسَبْتُ لَهُ، یعنی حضرت ابوہریرہؓ نے میرا نام نسب وغیرہ دریافت کیا کون ہو کہاں سے آ رہے ہو میں نے اپنا نسب بیان کر دیا۔

قوله، اِنَّ اَوَّلَ مَا يَحْسَبُ النَّاسُ بِهٖ يَوْمَ الْقِيَامَةِ مِنْ اَعْمَالِهِمُ الصَّلٰوةُ، یعنی اعمال عباد میں سب سے پہلے حساب نماز کا ہوگا، یہ حدیث سنن اربعہ کی روایت ہے ترمذی وغیرہ میں بھی ہے۔

دو متعارض حدیثوں میں تطبیق | اور بظاہر یہ عبد اللہ بن مسعود کی اس حدیث کے خلاف ہے جس کو بخاری نے روایت کیا ہے باب القصاص یوم القیامۃ ۹۶ کے ذیل میں ۱۰ و ۱۱ ما یقضى بین الناس یوم القیامۃ فی الدماء۔ اس سے معلوم ہوتا ہے کہ سب سے پہلے فیصلہ خون اور قصاص کا ہوگا۔ اس کے کئی جواب دیئے گئے ہیں۔

۱۔ حافظ عراقی فرماتے ہیں کہ ایک حدیث کا تعلق حقوق اللہ سے ہے اور دوسری کا حقوق العباد سے، حقوق اللہ میں سب سے پہلے نماز کا حساب ہوگا اور حقوق العباد میں سب سے پہلے خون اور قصاص کا۔ اب اسی یہ بات کہ فی نفسہ حقوق اللہ کا حساب پہلے ہوگا یا حقوق العباد کا، سو یہ امر آخر ہے وہ فرماتے ہیں کہ ظواہر احادیث سے معلوم ہوتا ہے کہ حقوق اللہ کا محاسبہ اولاً ہوگا بعد میں حقوق العباد کا۔

۲۔ حدیث الباب ضعیف ہے اس کی سند میں انس بن حکیم ضعیفی ہیں ان کو مجہول کہا گیا ہے اور وہ دوسری حدیث بخاری قوی ہے

۳۔ ایک حدیث میں محاسبہ مذکور ہے اور دوسری میں قضا اور دونوں میں فرق ظاہر ہے۔ سو ہو سکتا ہے کہ حساب تو پہلے نماز کا ہو اور فیصلہ کیوقت میں فیصلہ پہلے قصاص کا ہو نماز کا فیصلہ بعد میں ہو۔

قولہ۔ وان کان انتقص منها شیئاً قال انظر و اهل لعبدی من تطوع الخ یعنی اگر کسی کی نمازوں میں نقص ہوگا تو اس کو نوافل سے پورا کر دیا جائے گا۔ اس میں اختلاف ہے کہ نماز میں نقصان سے کیا مراد ہے صرف مشغوع و مضنوع اور آداب کی کمی یا مطلقاً فرض نہ پڑھنا بھی اس میں داخل ہے اس میں دونوں قول ہیں قاضی ابو بکر ابن العربی نے اس میں عموم کو اختیار کیا کہ دونوں صورتوں کو شامل ہے اللہ تعالیٰ کے فضل اور وسعت رحمت سے یہ بعید نہیں۔

اس حدیث سے نوافل و سنن کی اہمیت ثابت ہوتی ہے کہ ان کے ذریعہ سے فرض نمازوں میں جو نقصان واقع ہو جاتا ہے اس کی تلافی ہو جاتی ہے۔

باب تفریع ابواب الركوع والسجود و وضع الیدین علی الركبتین

اس باب میں مصنف نے اولاً سعد بن ابی وقاص کی حدیث ذکر کی ہے جس میں یہ ہے کہ ابتداء میں رکوع کی حالت میں تطبیق کی جاتی تھی پھر وہ منسوخ ہو گئی اور بجائے اس کے وضع الیدین علی الركبتین کا حکم ہو گیا۔ تطبیق یہ ہے کہ دونوں ہاتھوں کے کہن کو ملا کر ایک کی انگلیاں دوسرے میں داخل کر دی جائیں جس طرح

تشبیہ میں ہوتا ہے اور پھر دونوں ہاتھوں کو رکبتین کے بیچ میں دبایا جائے اس کے بعد مصنف نے عبد اللہ بن مسعود کی حدیث ذکر فرمائی جس میں تطبیق مذکور ہے۔

تطبیق فی الركوع کا حکم | جمہور کا مسلک حدیث اول کی مطابقت ہے کہ تطبیق منسوخ ہے، البتہ عبد اللہ بن مسعود اور ان کے بعض اصحاب علقمہ واسود تطبیق کے قائل تھے، اہو سکتا ہے ان کو

منسوخ کا علم نہ ہو سکا ہو یا وہ تحبیر کے قائل ہوں جیسا کہ مصنف ابن ابی شیبہ کی روایت میں حضرت علی سے منقول ہے آدمی کو اختیار ہے کہ رکوع میں خواہ وضع الیدین علی الركبتین کرے خواہ تطبیق، نسائی شریف ۱۵۵ میں حضرت عمرؓ کی روایت ہے، عن عمر قال سنتکم التکب فامسکوا بالتکب۔ یعنی رکوع میں اساک بالرکب، اپنے دونوں ہاتھوں سے گھٹنوں کو مضبوط پکڑ لینا سنت ہے۔

بَاب مَا يَقُولُ الرَّجُلُ فِي رُكُوعِهِ وَسُجُودِهِ

۱۔ حدثنا الربیع بن نافع الخ قوله عن موسى قال ابو سلمة موسى بن ايوب، اس حدیث کی سند میں مصنف کے دو استاذ ہیں ربیع بن نافع اور موسیٰ بن اسماعیل ان دونوں کے استاذ ہیں ابن المبارک اور ان کے استاذ ہیں موسیٰ بن ایوب، ابو سلمہ کنیت ہے مصنف کے استاذ موسیٰ بن اسماعیل کی۔

عبارت کا مطلب یہ ہے کہ مصنف کے استاذ ربیع نے عبد اللہ بن المبارک کے استاذ کا صرف نام بیان کیا ہے اور صرف عن موسیٰ کہا اور مصنف کے دوسرے استاذ موسیٰ بن اسماعیل جن کی کنیت ابو سلمہ ہے انھوں نے عن موسیٰ ابن ایوب کہا، عن عمہ موسیٰ بن اسماعیل کے چچا کا نام جن سے وہ روایت کر رہے ہیں ایاس بن عامر ہے۔ قوله۔ اجعلوها فی رکوعکم، یعنی اس آیت کے مضمون کو رکوع میں پڑھا کرو، اور یہی مراد اگلے جملہ میں ہے، تسبیحات رکوع وسجود کا حکم پہلے گذر چکا عند الجمہور سنت ہیں اور یہی ایک روایت امام احمد سے ہے، داؤد ظاہری اور امام احمد کی دوسری روایت وجوب کی ہے۔

۲۔ حدثنا احمد بن یونس الخ قوله قال ابو داؤد وهذه الزيادة نخاف ان لا تكون محفوظة پہلی روایت میں موسیٰ بن ایوب کے شاگرد ابن المبارک تھے اور اس دوسری کلام مصنف کی تشریح | میں لیث بن سعد ہیں، ابن مبارک کی روایت میں صرف یہ تھا کہ جس وقت

فسبح باسم ربك العظيم اور سبح اسم ربك الاعلیٰ، یہ دو آیتیں نازل ہوئیں تو آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا اجعلوها فی رکوعکم وسجودکم، اور اس دوسری روایت میں مزید برآں یہ بھی ہے کہ آپ صلی اللہ

علیہ وسلم رکوع میں سُبْحَانَ رَبِّ الْعَظِيمِ وَبِحَمْدِهِ اور سجود میں سُبْحَانَ رَبِّیْ الْاَعْلٰی وَبِحَمْدِهِ پڑھتے تھے اسی کو مصنف فرما رہے ہیں لیکن اس زیادتی کے بارے میں جو دوسری روایت میں ہے مصنف یہ فرما رہے ہیں کہ یہ زیادتی ہمارے خیال میں ثابت نہیں، اور یہ بھی احتمال ہے کہ مصنف کے اس کلام کا تعلق صرف لفظ و ترجمہ سے ہو یعنی سُبْحَانَ رَبِّیْ الْعَظِيمِ اور سُبْحَانَ رَبِّیْ الْاَعْلٰی کیساتھ و ترجمہ کی زیادتی ثابت نہیں اب یا تو یہ کہنا چاہتے ہیں کہ خاص اس حدیث میں ثابت نہیں گوئی نفسہ دوسری روایات سے ثابت ہے اور ممکن ہے مراد یہ ہو کہ کسی بھی روایت میں ثابت نہیں واللہ تعالیٰ اعلم۔

رکوع و سجود کی تسبیح میں و ترجمہ کی زیادتی اور یہ و ترجمہ کی زیادتی عند الشافعیہ مستحب ہے کافی روضۃ المحتاجین اور ایسے ہی عند المالکیہ کافی الانوار للطلوع اور ابن قدامہ نے مفتی میں امام احمد سے نقل کیا ہے کہ اگر کوئی شخص رکوع و سجود کی تسبیح میں و ترجمہ کا اضافہ کرے تو امید یہ ہے کہ اس میں کوئی حرج نہیں، امام احمد فرماتے ہیں اما نافع لا اقول و بحمدہ، ابن قدامہ لکھتے ہیں کہ ابن المنذر نے امام شافعی اور اصحاب الراے سے یہی نقل کیا ہے اور وجہ اس کی یہ ہے کہ جو روایات اشہر و اکثر ہیں ان میں زیادتی نہیں ہے اور امام ابو داؤد نے بھی اس کے ثبوت میں تردد ظاہر کیا ہے۔

باب فی الدعاء فی السجود

۱۔ حدثنا احمد بن صالح الخ قوله، اقرب ما يكون العبد من ربه وهو ساجد فاكثروا الدعاء، یعنی بندہ کو سب سے زیادہ قرب خداوندی اس حالت میں حاصل ہوتا ہے جبکہ وہ سجدہ میں ہو لہذا سجدہ میں کثرت سے دعا کیا کرو تا کہ وہ دعا جلد قبول ہو، اس سے اگلی حدیث میں آ رہا ہے کہ سجدہ میں کوشش کیساتھ دعا کیا کرو فقہم ان يستجاب لکم اس لئے کہ اس حالت کی دعا اس لائق ہے کہ وہ قبول کی جائے۔ یہ دعا فی السجود کا حکم عند الحنفیہ نوافل پر محمول ہے اور بظاہر شافعیہ کے نزدیک یہ عام ہے جیسا کہ باب الدعاء بین السجدتین میں یہ اختلاف گذر چکا۔

تطویل قیام افضل ہے یا تکثیر رکوع و سجود اس حدیث میں ایک اور مسئلہ اختلافی ہے وہ یہ کہ ارکان صلوٰۃ میں سے کون سا رکن زیادہ افضل ہے قیام یا سجود،

امام ترمذی نے دونوں پر متقل باب باندھا ہے، باب ما جاء فی طول القیام فی الصلوٰۃ، باب ما جاء فی کثرة الركوع والسجود۔ دراصل اس سلسلہ میں دو حدیثیں ہیں اور دونوں ہی صحیح ہیں صحیح مسلم اور مسند احمد

وغیرہ کی ہیں ایک تو یہی حدیث الباب اور دوسری حدیث کے الفاظ یہ ہیں کہ آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا، افضل الصلوٰۃ طول القنوت یہ حدیث ابو داؤد میں بھی کتاب الصلوٰۃ کے اوائل میں باب افتتاح صلوٰۃ اللیل برکتین میں آرا ہے ان النبی صلی اللہ علیہ وسلم سئل ای الاعمال افضل قال طول القيام، یہ حدیث تو فضیلت قیام میں مرتجح ہے اسی لئے جمہور و منہج حنفیہ والشافعیہ اسی کے قائل ہیں اور دوسرا قول یہ ہے کہ رکوع وسجود کی تکثیر و تطویل افضل ہے یہ رائے ہے حضرت ابن عمر اور حنفیہ میں سے امام محمد کی، تیسرا قول یہ ہے، الفرق بین صلوٰۃ اللیل و صلوٰۃ النهار دن میں تکثیر رکوع وسجود اور رات میں تطویل قیام افضل ہے اس کو اختیار کیا ہے اسحاق بن راہویہ نے، اور امام احمد نے اس مسئلہ میں توقف کیا اور کوئی فیصلہ نہیں فرمایا ہے۔ جمہور حدیث الباب کا یہ جواب دیتے ہیں کہ یہ حدیث اس بات میں نص نہیں ہے، حالت سجود میں بندہ کے اقرب الی اللہ ہونے سے یہ لازم نہیں آتا کہ سجود قیام سے افضل ہو اس لئے کہ یہ قرب باعتبار اجابت دعا کے ہے کیونکہ سجدہ کی حالت غایت تدلل اور عاجزی کی ہے اس لئے اس میں قبولیت دعا زیادہ متوقع ہے، نیز رکوع وسجود کا وظیفہ ذکر و تسبیح ہے اور حالت قیام کا وظیفہ تلاوت قرآن ہے جو تمام اذکار سے افضل ہے، صاحب منہل لکھتے ہیں کہ مالکیہ کے اس مسئلہ میں دونوں قول ہیں لیکن یہ اختلاف ان کے یہاں اس صورت میں ہے جب کثرت سجود اور قیام دونوں کا زمانہ ایک ہو اور اگر متفاوت ہو تو جس کا زمانہ اطول ہوگا وہی افضل ہوگا۔

۲۔ حد ثنا مسدد داؤد ان النبی صلی اللہ علیہ وسلم کشف الستارۃ والناس صُفوف خلف ابی بکر، یہ حضور صلی اللہ علیہ وسلم کے مرض الوفاۃ کا قصہ ہے جس میں آپ نے فرض نمازوں کی امامت صدیق اکبرؓ کے سپرد فرمادی تھی غالباً یہ دو شنبہ کے روز جو کہ یوم وفاتہ ہے اس میں صبح کی نماز کا قصہ ہے کہ صدیق اکبرؓ مسجد نبویؐ میں نماز پڑھا رہے تھے تو آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے حجرہ شریفہ کے در پر جو پردہ آویزاں تھا اس کو ہٹا کر لوگوں کے

امام ابو یوسف و اسحق ابن راہویہ کا مسلک

لے لیکن یہ بھی کہتے ہیں کہ اگر کسی شخص کو قرآن کی ایک ستین مقدار پڑھنی ہو مثلاً ایک پارہ تو پھر اس صورت میں تکثیر سجود ہی افضل ہے اس لئے کہ اس

شخص کی مقدار قیام تو بہر حال ایک ہی رہے گی اس میں تو کمی زیادتی نہ ہوگی اس لئے کہ ایک ہی پارہ کے بقدر کھڑا ہو نہ ہے اب تکثیر سجود میں سجود کی زیادتی کا ثواب مزید برآں ہوگا، اور اگر کسی کو زمانہ کی مقدار معین میں نماز پڑھنی ہو مثلاً پندرہ منٹ تو اس صورت میں طول قیام بہتر ہے اب بجائے اس کے کہ اس وقت میں متعدد رکعات پڑھ کر تکثیر سجود کرے اس سے یہ بہتر ہوگا کہ قیام کو طویل کر کے صرف دو رکعت پڑھے، اسحق بن راہویہ کے مذہب کی یہ تفصیل امام ترمذیؒ نے جامع ترمذی میں تحریر فرمائی ہے، اور میں کہتا ہوں کہ یہی تفصیل امام ابو یوسف سے بھی منقول ہے یعنی مقدار معین من الزمان اور مقدار معین من القرآن کا فرق، ۱۲۰ منہ۔

صدیق اکبر کے پیچھے نماز کا آخری نظارہ فرمایا۔

قوله. لم يبق من مبشرات النبوة الا الرؤيا الصالحة.

شرح حاشیہ

مبشرات کسر سیں کے ساتھ خوشخبریاں یعنی نبی کو بحالت نبوت اس کی زندگی میں جو خوشخبریاں (مراد مطلق پیش آنے والے امور اور باتیں ہیں) جن ذرائع سے معلوم ہوتی ہیں ان ذرائع میں سے اب کوئی ذریعہ باقی نہیں رہے گا۔ بجز روایا صالحہ (سچے خواب) کے، وہ ذرائع تین ہیں، وحی، الہام، روایا صادقہ، مقصود یہاں صرف انقطاع وحی کو بیان کرنا ہے کہ میرے انتقال کے بعد اب وحی جس کے ذریعہ سے مخفی امور کا علم ہوتا رہتا تھا، منقطع ہوئی ہے البتہ خوابات باقی رہ جائیں گے۔ الہام گو آئندہ بھی باقی رہے گا لیکن وہ سب کے لئے نہیں بلکہ خواص اور اولیاء کے لئے ہے اس لئے اس کو نظر انداز کر دیا گیا (سندھی علی النسائی) اس حدیث سے معلوم ہوا کہ خوابات کے ذریعہ بعض امور کا انکشاف ہوتا ہے جس سے یقیناً ایک نوع کی تسلی اور رہنمائی حاصل ہوتی ہے، باقی احکام شرعیہ میں خواب معتبر نہیں کہ وہ حجہ شرعیہ نہیں ہے۔

قوله. يراها المسلم او ترى له، آدمی خواب کبھی اپنے بارے میں خود دیکھتا ہے اور کبھی اس کے بارے میں دوسرے کو دکھایا جاتا ہے وانی نہیئت ان اقترا راکعاً او ساجداً، رکوع و سجود میں چونکہ اپنی انتہائی ذلت و پستی کا اظہار ہوتا ہے تو تسبیح تو اس حال کے مناسب ہے کہ آدمی اپنی ذلت و پستی کے اقرار و اظہار کیساتھ باری تعالیٰ کا اس سے منزہ ہونا ظاہر کرے، باقی قرآن کریم تو اللہ کا کلام اور اس کی صفت ہے اور قاری قرآن گویا حق تعالیٰ سے ہم کلام ہوتا ہے، سو یہ ہیئت ذلت و پستی کی اس ہمکلامی کے مناسب نہیں اسی لئے اس حالت میں تلاوت سے منع کیا گیا ہے۔

قوله. يتاول القرآن، تاؤل بمعنی عمل یعنی تفسیر بالعمل اور قرآن سے مراد سورۃ نصر کی آیت شریفہ فسبح بحمد ربك واستغفره، یہ دعا حنفیہ کے نزدیک نوافل پر محمول ہے یا پھر حضور صلی اللہ علیہ وسلم کی خصوصیت ہے،

باب الدعاء في الصلوة

۱۔ حمد ثنا احمد بن صالح، قوله۔ فقال اعرابی فی الصلوة اللهم ارحمني ومحمداً ولا تزحم

لہ مبشرات کا اطلاق تو خوابات پر ہوتا ہے مگر یہاں بظاہر لازمی معنی مراد ہیں (ذرائع علم) ورنہ مستثنیٰ اور مستثنیٰ منہ کا اتحاد لازم آنے کا کیا ہو ظاہر ۱۲ منہ۔

معنا احداً۔ یہ حدیث کتاب الطہارت میں باب الارض یصیبها البول کے تحت گذر چکی یہ وہی اعرابی ہیں جنہوں نے مسجد میں پیشاب کر دیا تھا۔ اس اعرابی کی تعین میں علماء کے اقوال تقریر ابو داؤد ۶۷۱ میں گذر چکے۔

۲۔ حدثنا زهير بن حرب الخ قوله، كان اذا قترأ سبج اسم ربك الاعلى قال سبحان ربي الاعلى، یعنی سورت ختم ہونے پر یہ پڑھتے تھے یا یہ کہ فوراً اس آیت کے بعد اسی وقت یہ پڑھتے تھے، اب ظاہر تو یہ ہے کہ یہ پڑھنا عام ہے صلوٰۃ اور خارج صلوٰۃ دونوں کو، بخون المعبود میں بعض شراح (مظہر) سے نقل کیا ہے کہ امام شافعیؒ کے نزدیک اس طرح کی چیزیں نماز کے اندر بھی جائز ہیں اور امام ابو حنیفہؒ کے نزدیک داخل صلوٰۃ جائز نہیں، اور تو رہی پشٹی کہتے ہیں کہ اسی طرح امام مالکؒ کے نزدیک بھی نوافل میں جائز ہے، اور حضرتؒ نے بذل میں لکھا ہے لعل بناکان خارج الصلوٰۃ او فی النوافل۔

یہاں پر یہ سوال ہے کہ اس حدیث کو باب سے کیا مناسبت ہے یعنی دعاء فی الصلوٰۃ سے اس میں تو کوئی دعاء مذکور نہیں جواب یہ ہو سکتا ہے کہ اس میں تسبیح تو مذکور ہے والثناء علی الکریم دعاء، و فی الحدیث افضل الدعاء الحمد لله۔

قوله، قال ابو داؤد وقال احمد يعجبني في الفريضة ان يدعوا بما في القرآن۔
امام احمد کے کلام کی شرح حضرت نے اس کی شرح یہ فرمائی ہے کہ مجھے یہ بات زائد پسند ہے کہ فرض نماز میں ادعیٰ قرآن پڑھوں اگرچہ جائز یہ بھی ہے کہ ان دعاء کو پڑھا جائے جو حدیث میں وارد ہیں اور بخون المعبود میں لکھا ہے کہ امام احمد کے کلام میں دو احتمال ہیں ایک یہ کہ اس سے مراد دعاء بعد التہجد قبل التسليم ہے، دوسرا احتمال یہ ہے کہ معنی جب نماز میں قنات کر رہا ہو خواہ وہ فرض نماز ہو یا نفل تو جب آیات رحمت پر پہنچے اس وقت رحمت کی دعاء اور جب آیات تسبیح پر پہنچے تو تسبیح اور جب آیات عذاب پر پہنچے تو اس سے استعاذہ کرنا مراد ہے، وہ کہتے ہیں یہی امام احمد اور امام شافعیؒ کا مسلک ہے، امام بیہقی نے اس پر معرفۃ السنن میں مستقل باب قائم کیا ہے باب الوقوف عند آية الرحمة وآية العذاب جیسا کہ حدیث حذیفہ میں وارد ہے جو صحیح مسلم میں ہے امام شافعیؒ کے نزدیک اس کا استحباب عام ہے حتیٰ کہ جماعت کی نماز میں امام اور مقتدیوں کے لئے بھی۔

لے میں کہتا ہوں کہ یہ تو امام احمد کا قول ہے اور امام مالکؒ کا قول باب ما يستفتح بالصلاة من الدعاء کے ذیل میں اس طرح گذر چکا ہے، قال مالك لا بأس بالدعاء في الصلاة في اوله ووسطه وفي اخره في الفريضة وغيره، اس پر کلام وہاں گذر چکا ہے۔ ۱۳۔
 ثم قلت قال النووي تحت حدیث اذا مر بآية فيها تسبيح واذا مر بموعظة سال الخ فیه استحباب ہذا الامر لكل قارئ في الصلوٰۃ او غير ما وندھنا استحباب امام المأموم والمنذور

باب مقدار الركوع والسجود

۱۔ حدثنا عبد الملك بن مروان، قوله: وذلك أدناه.

عدد تسبیح میں اقوال علماء فقہاء لکھتے ہیں تسبیح کے عدد مسنون کے درجات میں تین بار سنت کا ادنیٰ درجہ ہے اور پانچ بار اوسط اور سات بار اکمل، لہذا تین سے کمی کرنا مکرمہ تنزیہی ہے (طحاوی ص ۲۱۷ و شامی ص ۴۴) اور قاضی ابوالحسن ماوردی فرماتے ہیں کہ درجہ کمال نو یا گیارہ بار ہے اور اوسط پانچ بار، اور امام ترمذی نے ابن المبارک و اسحاق بن راہویہ سے نقل کیا ہے، انہ یستحب خمس تسبیحات للامام اور صاحب منہل نے ابن القیم سے نقل کیا ہے کہ آپ صلی اللہ علیہ وسلم کا رکوع مقدار دس تسبیحات کے ہوتا تھا وہ فرماتے ہیں کہ تسبیح ثلاثاً کی روایت ثابت نہیں احادیث صحیحہ کے خلاف ہے، چنانچہ حدیث الباب کی سند میں سعدی راوی مجہول ہے اور حضرت انس سے منقول ہے کہ عمر بن عبدالغزیز کی نماز آپ صلی اللہ علیہ وسلم کی نماز سے بہت مشابہ ہوتی تھی وکان مقدار رکوعه وسجوده عشر تسبیحات۔

۲۔ حدثنا عبد الله بن محمد الزهري، قوله قال اسماعيل ذهبت اعيد على الزميل

الاعرابي وانظر لحله فقال يا ابن اخي انتظن اني لم احفظه لقد جمعت ستين حجة الخ.

قوت حافظہ کی ایک عجیب مثال اسماعیل بن امیہ نے یہ حدیث ایک اعرابی سے سنی تھی کچھ روز بعد انہوں نے اس اعرابی کا امتحان لینے کی غرض سے کہ دیکھوں ان کو یہ حدیث اب بھی یاد ہے یا نہیں دوبارہ انہوں نے اس حدیث کو ان سے سننا چاہا وہ اعرابی سمجھ گیا کہ میرا امتحان لے رہے ہیں تو اس نے کہا اے میرے عزیز بھتیجے کیا تیرا خیال ہے کہ میں اس حدیث کو بھول گیا ہوں گا، دیکھ! اب تک میں اپنی عمر میں ساٹھ حج کر چکا ہوں ہر سال جس اونٹ پر حج کیا ہے اس کو دیکھ کر پہچان لوں گا کہ اس پر میں نے حج فلاں سنہ میں کیا تھا اور اس دوسرے پر فلاں سنہ میں اور اس تیسرے پر فلاں سنہ میں انی آخر وہ سبحان اللہ جب ایک اعرابی غیر مشہور محدث کا یہ حال ہے تو مشاہیر اور اکابر محدثین کا کیا حال ہوگا، نگاہ ہے کہ حضرت امام احمد بن منہل کو دس لاکھ حدیثیں یاد تھیں اور امام ابو زرعہ رازی کو سات لاکھ، اللہ تعالیٰ اپنے

استقامہ للامام والمأموم والمنفرد

رسول کے کلام کی حفاظت کے لئے کیسے کیسے اساطین اور جہانزہ پیدا کئے

۳۔ حدثنا احمد بن صالح، قوله، فحضر رفاہی رکوعہ عشر تسبیحات و فی سجودہ عشر تسبیحات، یہی وہ روایت ہے جس کا حوالہ ہمارے یہاں پہلے آچکا ہے جس کی بنا پر حافظ ابن قیمؒ فرماتے ہیں کہ آپ صلی اللہ علیہ وسلم کی عادت شریفہ رکوع و سجود میں دس تسبیحات کی تھی۔ علامہ شوکانی بھی مقدار تسبیح میں کسی عدد معین کے قائل نہیں ہیں اور کہتے ہیں بل ینبغي الاستکثار من التسبیح علی مقدار تطویل الصلوۃ من غیر تعقید بعدد، نیز وہ لکھتے ہیں کہ عدد تسبیح کے وتر ہونے پر کوئی دلیل نہیں۔ لیکن میں کہتا ہوں کہ عام طور سے فقہاء نے عدد وتر کے استحباب ہی کو ذکر کیا ہے اور اس حدیث کا جواب یہ ہو سکتا ہے کہ یہ تو از باب تخمین ہے نہ کہ تحدید نیز ویسے بھی بسا اوقات کسر کو حذف بھی کر دیا جاتا ہے۔

باب الرجل یدرک الامام ساجداً کیف یصنع

یعنی بعد میں آیا والا امام کو اگر بحالت سجود پائے تو کیا نیت باندھ کے اس کے ساتھ سجدہ میں شریک ہو جائے یا اس کے قیام کا انتظار کرے۔

۱۔ حدثنا محمد بن یحییٰ بن فارس، قوله، اذا جئتم الی الصلوۃ ونحن سجود فاسجدوا الخ حدیث سے معلوم ہوا کہ آنیولے کو قیام امام کا انتظار نہ کرنا چاہئے بلکہ سجدہ میں شریک ہو جانا چاہئے تاکہ سجدہ کی فضیلت حاصل ہو اگرچہ ادراک سجدہ سے ادراک رکعت نہیں ہوتا۔ لیکن اگر خدا کے یہاں یہ سجدہ قبول ہو گیا تو پھر کیا ہی کہنا، چنانچہ جامع ترمذیؒ نے ایک سجدہ کی فضیلت میں ہے، واختار عبد اللہ بن المبارک ان یسجد مع الامام و ذکر عن بعضهم فقال لعلہ لا یرفع رأسہ من تلك السجدة حتی یغفر لہ، یہی تنہا ایک سجدہ مغفرت کا سبب ہو سکتا ہے۔

قوله، ومن ادرك الركعة فقد ادرك الصلوة۔

یعنی امام کو رکوع میں پانے سے رکعت مل جاتی ہے جبور
ادراک رکوع مع الامام سے
ادراک رکعت میں اختلاف علماء

لے لیکن اس میں اختلاف ہو رہا ہے کہ امام کے ساتھ رکوع میں شرکت کی کتنی مقدار معتبر ہے، اکثر علماء ادراک ثلاث کے

کا اس میں اختلاف ہے ان کے نزدیک ادراک رکوع مع الامام سے ادراک رکعت نہیں ہوتا مہل میں لکھا ہے کہ اسی کو اختیار کیا ہے ابن خزیمہ اور طیبی وغیرہ محدثین شافعیہ نے اور امام بخاری فرماتے ہیں یہی ان صحابہ کا مذہب ہے جو فاتحہ خلف الامام کی فرضیت کے قائل تھے جیسے ابو ہریرہ اور اس کے بالمقابل ابن ابی لیلیٰ اور سفیان ثوری سے منقول ہے کہ اگر بعد میں آیا تو الامام کے رکوع سے سر اٹھانے سے پہلے امام کی اقتدار میں تکبیر تحریر یہ کہہ لے خواہ امام کے ساتھ رکوع میں شرکت نہ ہو بلکہ بعد میں رکوع کرے اس سے بھی ادراک رکعت ہو جاتا ہے۔

جمہور کی دلیل حدیث الباب ہے اسی طرح اور بھی اس کے علاوہ بعض روایات صحیح ابن حبان اور ابن خزیمہ کی ہیں جن کو صاحب مہل نے ذکر کیا ہے۔

باب فی اعضاء السجود

قوله ان يسجد على سبعة. حنفیہ کہتے ہیں حقیقت سجد وضع الوجه علی الارض ہے پھر وجہ میں دو ہنر ہیں جبہ (پیشانی) اور الف لیکن اصل ان دونوں میں پیشانی ہے اس لئے اقتصار علی الجبہ تو جائز ہے گو بلا عذر مکر وہ ہے لیکن اقتصار علی الف جائز نہیں جمہور اور صاحبین کا یہی مذہب ہے لیکن امام صاحب کے نزدیک اقتصار علی الف بھی جائز مع الکراہۃ ہے، اس کے علاوہ چھ اعضاء حدیث میں جو مذکور ہیں، یدین، رکتین، قدتین، سجدہ میں ان کا زمین پر رکھنا بطریق سنت ہے یہی مذہب ہے حنفیہ اور مالکیہ کا اور ایک قول شافعیہ کا لیکن امام شافعی کا اظہر القولین اور امام احمد کا مذہب یہ ہے کہ ان اعضاء سجدہ مذکورہ فی الحدیث کو زمین پر رکھنا فرض ہے اور یہی امام زفر کا مذہب ہے، بدائع میں لکھا ہے کہ کتاب اللہ میں مطلق سجد کا حکم دار ہے جس کی حقیقت وضع الوجه

نزدیک نفس شرکت کا تحقق کافی ہے حقیقت رکوع یعنی گھٹنوں تک ہاتھ پہنچنا امام کے سر اٹھانے سے پہلے، اور امام شافعی کے نزدیک المیتان کا حاصل ہونا ضروری ہے ۱۲۔

۱۳۔ لکھے تو سب فقہاء یہی ہیں کہ باقی اعضاء سجدہ کا رکھنا فرض نہیں لیکن سوال یہ ہے کہ اگر رکتین و قدتین ان دونوں کو زمین پر نہ رکھا جائے تو پھر حقیقت سجد یعنی وضع الجبہ علی الارض بھی بظاہر ممکن نہیں اسی لئے کوکب الدردی میں ایک جگہ لکھا ہے کہ گو حقیقت سجد وضع الجبہ علی الارض ہے لیکن جن اعضاء کے بغیر اس کا تحقق نہیں ہو سکتا ان کا رکھنا بھی اس کے ساتھ فرض ماننا بڑے گناہ ۱۲۔

علی الارض ہے لہذا اس حکم مطلق کی تفسیر خبر واحد کے ذریعہ سے جائز نہ ہوگی بلکہ ان باقی اعضاء مذکورہ فی الحدیث کو بیان سنت کہا جائے گا۔

یہاں پر ایک سوال ہوتا ہے کہ فقہاء احناف لکھتے ہیں کہ اگر کوئی شخص سجدہ کے اشکال و جواب | وقت دونوں قدم زمین پر نہ رکھے تو اس کا سجدہ باطل ہے اس سے معلوم ہوا کہ وضع القدمین بھی حقیقت سجدہ میں داخل ہے اس کا جواب یہ ہے کہ حقیقت میں تو داخل نہیں لیکن چونکہ رفع القدمین کے ساتھ سجدہ کرنے میں سخریہ اور استہزاء کے معنی پیدا ہو جاتے ہیں اس لئے بطلان صلوٰۃ کا حکم لگایا جاتا ہے۔

باب السجود علی الالف والجمہ

یہ پہلے اچھا کہ اصل سجدہ میں پیشانی بے سجدہ کی صحت کا مدار اسی پر ہے لیکن سنت بہر حال یہ ہے کہ پیشانی کیسا تھناک بھی زمین پر رکھے یہ عند الجہور ہے، اور امام احمد و اسحاق بن راہویہ و ادزاعی کے نزدیک دونوں پر سجدہ کرنا واجب ہے، مصنف چونکہ حنبلی ہیں غالباً اسی لئے یہ ترجمہ قائم کیا ہے۔

قوله، ان رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم رؤی و علی جہتہ و علی ارنبتہ اشطین من صلوٰۃ صلاھا بالناس، یعنی ایک مرتبہ کا قصہ ہے کہ آپ صلی اللہ علیہ وسلم کسی نماز کو پڑھا کر فارغ ہوئے تو آپ کی پیشانی اور ناک دونوں پر سجدہ کیوجہ سے مٹی لگی ہوئی دیکھی گئی، اس حدیث سے معلوم ہوا کہ آپ صلی اللہ علیہ وسلم سجدہ پیشانی اور ناک دونوں پر کرتے تھے لیکن اس سے وجوب پر استدلال درست نہیں اس لئے کہ مجرد فعل وجوب کو مقتضی نہیں ہے۔

یہاں پر یہ روایت مختصر ہے روایت مفصلہ ابواب لیلة القدر میں آئے گی جس کا مضمون یہ ہے کہ شروع میں آپ صلی اللہ علیہ وسلم کی عادت ماہ مبارک میں عشرہ وسطیٰ میں اعتکاف کرنے کی تھی ایک مرتبہ ایسا ہوا کہ آپ نے اس عشرہ میں اعتکاف فرمایا اور آخری دن یعنی بیس تا یخ کو آپ نے فرمایا کہ تیسرے عشرہ میں بھی اعتکاف کرنے کا ارادہ ہے اس لئے کہ اس مرتبہ اب تک شب قدر نہیں پائی گئی لہذا اس کو حاصل کرنے کے لئے عشرہ اخیرہ کا بھی اعتکاف کرنا ہے۔

آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا کہ مجھے اس سال لیلة القدر کی یہ علامت بتلائی گئی ہے کہ اس کی صبح کو میں پانی اور مٹی یعنی گارے میں سجدہ کروں گا چنانچہ پھر یہ ہوا کہ عشرہ اخیرہ کی پہلی ہی رات میں مدینہ منورہ میں بارش ہوئی اور سجدہ نبوی کی چہت میں سے پانی آپ کے سجدہ کی جگہ ٹپکا اس جگہ گارا ہو گیا پھر آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے جب صبح کی نماز وہاں پڑھائی تو

سجدہ کرنے سے آپ کی پیشانی اور ناک پر مٹی لگ گئی

بَابُ صِفَةِ السَّجْدِ

صفتہ بمعنی کیفیت اور طریقہ۔

۱۔ حَدَّثَنَا الرَّبِيعُ بْنُ نَافِعٍ الْفَزَارِيُّ قَوْلَهُ، وَصَفَ لَنَا الْبَرَاءُ بْنُ عَازِبٍ فَوْضِعَ يَدَيْهِ وَاعْتَدَّ عَلَى رُكْبَتَيْهِ وَرَفَعَ عَجِيزَتَهُ۔ یعنی حضرت برادر بن عازبؓ نے حضور صلی اللہ علیہ وسلم کے سجدہ کرنے کا طریقہ کر کے دکھایا، پس یدین اور کبیتین کو زمین پر رکھا اس طرح کہ سر زمین اور کمر کو ذرا ابھارا اور اونچا کر کے رکھا، اس سے معلوم ہوا کہ سنون طریقہ سجدہ کا یہ ہے کہ سب اعضا رگ رگ ہوں کر اور سر زمین ابھرے ہوئے ہوں، یہ مرد کے لئے ہے اور عورت کے بارے میں تو یہ لکھتے ہیں کہ اس کو توٹ کر سجدہ کرنا چاہئے ابھرنے چاہئے تسنن کی مصلحت سے۔

۲۔ حَدَّثَنَا مُسْلِمُ بْنُ أَبِرَاهِيمَ الْفَزَارِيُّ قَوْلَهُ۔ اَنَّ النَّبِيَّ صَلَّى اللَّهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ قَالَ اعْتَدُوا فِي السَّجْدِ۔ یعنی سجدہ میں توسط اختیار کرو، نہ تو یہ کہ کفین کیساتھ مرتفعین کو بھی زمین پر رکھ کر پھیلاؤ اور نہ یہ ہو کہ ان کو بالکل سیکڑلو حاصل یہ کہ نہ تو کامل بسط یدین ہو اور نہ ہی کامل قبض یدین بلکہ ذرا عین مبسوط اور مرتفع عن الارض ہوں اور کفین منفرش علی الارض ہوں اور بعض حواشی سے معلوم ہوتا ہے کہ اعتدال جس کے اصل معنی میانہ روی اور توسط کے ہیں یہاں مراد نہیں بلکہ مراد یہ ہے کہ سجدہ درست طریقہ سے کرو اور درست طریقہ وہی ہے جو اوپر لکھا گیا۔

قَوْلُهُ، عَنْ ابْنِ عَبَّاسٍ قَالَ اَنْتَيْتُ النَّبِيَّ صَلَّى اللَّهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ مِنْ خَلْفَةٍ فَرَأَيْتُ بَيَاضَ اِبْطِطِيهِ وَهُوَ مُجْتَمِعٌ۔ اس سے مقصود کیفیت سجدہ ہی کو بیان کرنا ہے، بياض البطن کا نظر آنا اسی وقت ہو سکتا ہے جب ہاتھ پہلو سے جدا ہوں، اور ایک روایت میں ہے کہ کان اذا سجد جَعَتْ اُكَّةٌ رَوَايَتٌ فِي جَوَارِهَا يَافِيَةً مَدْفُوجَةً يَدَيْهِ، یہ ماقبل ہی کی تفسیر ہے، رُوِيَةُ البطن کے بارے میں شرح میں لکھا ہے کہ ممکن ہے اس وقت آپ کے بدن کے بالائی حصہ پر چادر نہ ہو یا ہو لیکن چھوٹی ہو اس زمانہ میں لباس مردوں کا عام طور سے ازار اور رداء تھا قمیص کے وہ لوگ زیادہ عادی نہ تھے ورنہ ظاہر ہے کہ بس قمیص کی صورت میں بياض البطن کا نظر آنا مشکل ہے، اور یہ بھی کہا گیا ہے کہ ممکن ہے وہ قمیص واسع الکین ہو، اور ایک قول یہ بھی ہے ممکن ہے راوی کی مراد یہ ہو کہ آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے سجدہ اس طرح کیا کہ اگر بالفرض آپ کے جسم پر اس وقت کپڑا نہ ہوتا تو بياض البطن نظر آ جاتی۔

کیا آپ کی بغلیں متجدد عن الشعر تھیں | اس حدیث سے قرطبیؒ نے استنباط کیا کہ آپ کی بغلوں میں بال نہ تھے اس پر حافظ عراقی نے اشکال کیا بانہ لم یثبت والخصائص لا تثبت بالاحتمال اور بیاض البطن سے یہ بات لازم نہیں آتی کہ وہاں بال نہ آگے ہوں اس لئے کہ جب بالوں کا نتف کر دیا جائیگا جیسا کہ سنت ہے تو صرف سفیدی باقی رہ جائیگی اسی لئے بعض روایات میں آتا ہے کنت انظر الى عصفرة ابطیہ اذا سجد، اور عصفرة اس سفیدی کو کہتے ہیں جو خالص نہ ہو اس سے معلوم ہوتا ہے کہ یہ رنگت بالوں ہی کا اثر تھا، ہاں اس بات کے ہم معتقد ہیں کہ آپ کی بغلیں راسخہ کر یہ بہہ سے بالکل محفوظ تھیں۔ ملا علی قاری لکھتے ہیں کہ بال ہونے کے باوجود راسخہ کر یہہ کا نہ ہونا ابلغ فی الکرامة (زیادہ اونچی بات) ہے نسبت اس کے کہ بال ہی نہ ہوں۔

قوله، کان اذا سجد جافی عضدیہ عن جنبیہ حتی ناوی لی ناوی جمع متکلم کا صیغہ ہے ادنی یا وئی از باب ضرب اس کے معنی رقت اور ترقم کے ہیں ای حتی تترحم لہ۔ سجدہ کا جو مسنون طریقہ ہے کہ دونوں بازو اور کہنیاں پہلوؤں سے جدا رہیں کہنیاں زمین سے اٹھی رہیں سب اعضا جدا جدا رہیں جسم کا پچھلا حصہ یعنی سرین کو اونچا رکھا جائے تاکہ پیشانی اور ناک زمین پر بوجھ پڑ کر اچھی طرح ٹپکن ہو جائیں، اس میں آدمی کو مشقت ضرور لاتی ہوئی ہے خصوصاً جبکہ سجدہ بھی دراز اور بہت اطمینان کے ساتھ ہو جیسے آپ صلی اللہ علیہ وسلم کا ہوا کرتا تھا اسی لئے صحابی راوی حدیث فرما رہے ہیں کہ ہمیں آپ پر رحم آنے لگتا تھا۔

قوله، اذا سجد احدکم فلا یستترش یدیه امتراش الکلب ولیضم فخذیه۔

دو متعارض حدیثوں میں تطبیق | اس روایت میں سجدہ کی حالت میں ضم فخذین کا امر وار د ہے حالانکہ اس سے پہلے ابواب رفع الیدین میں ابو حمید ساعدی کی حدیث میں گزر چکا ہے واذا سجد فخرج بین فخذیه بظاہر دونوں میں منافات ہے وھكذا قال صاحب عون المعبود، لیکن حضرت بزل میں لکھتے ہیں کہ ان دونوں کا مفہوم جدا جدا ہے لہذا کوئی منافات نہیں اس لئے کہ جس روایت میں تفریح کا ذکر ہے اس سے مراد تفریح بین الفخذین والبطن ہے۔ جیسا کہ آگے خود اسی روایت میں اس کی طرف اشارہ ہے جس کے لفظ یہ ہیں اذا سجد فخرج بین فخذیه غیر حاصل بطنہ علی شیء من فخذیه۔ یہ جملہ تفریح بین الفخذین ہی کی تفسیر ہے اور یہاں حدیث الباب میں فخذین کا آپس میں ضم مراد ہے لہذا کچھ تعارض نہیں۔ اور صاحب مہنل نے دوسری توجیہ اختیار کی وہ یہ کہ تفریح والی روایت کو جواز پر اور اس دوسری حدیث کو استحباب پر محمول کیا، اب رہ گیا مسئلہ کہ حضرات فقہاء اس میں کیا فرماتے ہیں فخذین کے درمیان آپس میں تفریح ہونی چاہئے یا ضم، اس کے بارے میں حضرت تحریر فرماتے ہیں کہ اگرچہ علامہ شوکانی نے یہ لکھا ہے کہ یہ حدیث تفریح بین الفخذین

کی مشروعیت پر دلالت کرتی ہے اور اس میں کسی کا اختلاف نہیں، حضرت فرماتے ہیں کہ یہ مسئلہ کوئی اجماعی نہیں ہے اور نہ مجھے کتب احناف و مالکیہ میں اس کی تصریح ملی ہے۔

احقر کہتا ہے کہ اس میں معقدا بین العلماء تو عملاً تفریح ہی ہے جیسا کہ وہ مشاہد ہے لیکن تفریح اور فہم امور اضافیہ میں سے ہیں فالظاہر ترکہا علی حالہما لایقصد الضم ولا التفریح پس جس حدیث میں تفریح مذکور ہے اس سے مراد عدم الضم ہے اور جہاں فہم مذکور ہے اس سے مراد ترک تفریح ہے نہ کہ ضم حقیقی، واللہ تعالیٰ اعلم بالصواب۔

باب الرخصة فی ذلك

ذلک کا اشارہ صفت سجود یعنی سجدہ کی کیفیت سنونہ کی طرف ہے، یعنی بعض روایات سے اس میں جو گنجائش معلوم ہوتی ہے اس کا بیان۔

قولہ: اشکتی اصحاب النبی صلی اللہ علیہ وسلم الی النبی صلی اللہ علیہ وسلم مشقة السجود علیہم اذا انضروا فقال استعینوا بالركب۔ یعنی بعض صحابہ نے آپ صلی اللہ علیہ وسلم سے یہ عرض کیا کہ جب ہم سنون طریقہ کے مطابق سجدہ کرتے ہیں اور کہنیوں کو فخذین سے جدا رکھتے ہیں اور سب اعضاء کو الگ الگ رکھتے ہیں تو اس میں مشقت ہوتی ہے۔ تو آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے ان کو استعانت بالركب کی اجازت دیدی کہ کہنیوں کے سرے سجدہ میں گھٹنوں پر رکھ لیا کریں تاکہ سہولت ہو جائے، لیکن ظاہر ہے کہ یہ سنت سجدہ کی سنت سنونہ کے خلاف اور مکروہ ہے۔

حدیث الباب گذشتہ احادیث کے خلاف ہے | تو یہ حدیث گذشتہ احادیث کے خلاف ہوئی جن میں تفریح کا حکم مذکور ہے اس کا جواب ایک تو یہ ہو سکتا ہے جس کی طرف اشارہ الکو کب الدری میں ہے کہ یہ رخصت ترک تفریح کی بالعموم نہیں ہے بلکہ ان بعض ضعفاء صحابہ کے لئے ہے جنہوں نے آپ صلی اللہ علیہ وسلم سے مشقت کی شکایت کی تھی اور یا پھر یہ کہا جائے کہ اس حدیث کی سند پر امام ترمذی نے کلام فرمایا ہے، وہ یہ کہ اس کی سند میں اضطراب ہے لیث نے اس حدیث کو موصولاً اور ان کے علاوہ دوسرے متعدد رواۃ سفیان وغیرہ نے اس کو مرسل روایت کیا ہے لہذا یہ روایت موصولہ شاذ اور غیر معروف ہے، اگرچہ حضرت سہارنپوریؒ نے ہذل میں امام ترمذی کے اس نقد کو تسلیم نہیں کیا اور طحاوی شریف کی ایک روایت سے لیث کی متابعت ثابت کی ہے، واللہ اعلم۔

بَابُ فِي التَّخْصُرِ وَالْإِقْعَاءِ

ترجمہ الباب میں دو جزر مذکور ہیں لیکن حدیث الباب میں صرف تخضر مذکور ہے اقعار کا کوئی ذکر اس میں نہیں اس سے پہلے باب الاقعار بین السجرتین گذر چکا لہذا یہ جزر ثانی ترجمہ الباب میں ہونا نہیں چاہئے۔

قوله۔ الى جنب ابن عمر فوضعت يدي على خاصرتي فلها صلى قال هذا الضلبي في الصلوة۔
شرح حدیث زیادہ صبح کہتے ہیں کہ ایک روز میں نے حضرت ابن عمرؓ کے برابر میں کھڑے ہو کر نماز پڑھی اور دونوں ہاتھ بجائے باندھنے کے اپنے دونوں پہلوؤں پر (کو کھ) پر رکھ لئے جب وہ نماز سے فارغ ہوئے تو انھوں نے مجھ سے فرمایا کہ یہ تو صلب یعنی سولی کی ہیئت ہے جو تم نے نماز میں اختیار کی اس لئے کہ مصلوب کو (جس کو سولی پر چڑھایا جائے) اس کے دونوں ہاتھ پھیلا کر ٹکا دیا جاتا ہے، اور یہاں پر بھی کو کھ پر ہاتھ رکھنے کی صورت میں پوری تو نہیں آدھی بانٹ پھیلی ہوئی رہتی ہے۔

اس حدیث میں نماز کے قیام میں کو کھ پر ہاتھ رکھنے سے منع کیا گیا ہے اور اس کو صلب کے ساتھ تشبیہ دی گئی ہے اسی کو تخضر بھی کہتے ہیں جو کہ ترجمہ الباب میں مذکور ہے آگے کتاب میں ایک باب اور آ رہا ہے۔ باب الرجل يصلي مختصراً۔ جس کے ذیل میں مصنفؒ نے یہ حدیث ذکر کی ہے نہی رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم عن الاختصار في الصلوة وہاں مصنف نے اختصار کی تفسیر بھی یہی کی ہے یعنی کو کھ پر ہاتھ رکھنا تخضر اور اختصار کی تفسیر میں اس کے علاوہ اور بھی اقوال ہیں۔

۱۔ وضع اليد على الخامة كما تقدم وهو الرأع عند المصنف، ۲۔ اخذ لحفرة باليد، ۳۔ لا تقي کے سہارے نماز میں کھڑا ہونا ۴۔ اختصار السورة، ۵۔ پوری سورت نہ پڑھنا بلکہ اس کا کچھ حصہ پڑھنا، ۶۔ اختصار الصلوة نماز مختصر سی پڑھنا بغیر طمانینت کے ۷۔ ترک آیۃ السجدة۔

معنی اول جو مصنفؒ نے اختیار کئے ہیں اس سے منع کی حکمت میں مختلف اقوال ہیں ۱۔ التشبه بالبلیس، کہ ابلیس کو جب آسمانوں سے اتارا گیا تو وہ اس ہیئت سے اترتا تھا ۲۔ التشبه باليهود ۳۔ راحة اهل النار، جہنمی جب جہنم میں تھک جائیں گے تو سہارے کے لئے ایسا کریں گے ۴۔ شکل اهل المصيبة، کہ مصیبت زدہ لوگ ماتم میں کھڑے ہو کر اس طرح کو کھ پر ہاتھ رکھ لیا کرتے ہیں۔

یہ تخضر جہور کے نزدیک مکروہ اور ظاہر یہ کے نزدیک حرام ہے۔

تنبیہ۔ سنن ابو داؤد کے ابواب یا احادیث میں تکرار نہیں ہے شاذ و نادر پوری کتاب میں دو تین

بگکیں ہو گا یہ موقع بھی انہیں مواقع میں سے ہے جیسا کہ ہم اوپر لکھ چکے ہیں۔

باب فی البکاء فی الصلوٰۃ

قولہ۔ رايت رسول الله صلى الله عليه وسلم يصلي في صلاة أزيز "كأزيز الرحى من البكاء۔ یعنی آپ کی نماز میں بعض مرتبہ رونے کی مسلسل دھیمی دھیمی ایسی آواز سینہ مبارک سے سنائی دیتی تھی جیسے چکی کے چلنے کی آواز ہوتی ہے اور سنائی کی روایت میں ہے کاذیز المرحل ہانڈی کے پکے اور ہوش مارنے کی آواز اس مسئلہ میں فقہار کا اختلاف ہے، جہور علماء ائمہ ثلاث فرماتے ہیں کہ بکاء فی الصلوٰۃ اللہ کے خوف اور ذکر آخرت، جنت و دوزخ کی وجہ سے ہو تو کچھ مضائقہ نہیں اور اگر کسی دنیوی عوارض مرض وغیرہ کی وجہ سے ہے تب یہ آواز سے رونا مفسد صلوٰۃ ہے، اور شافعیہ کے نزدیک مطلقاً خواہ خوف آخرت ہو یا کسی تکلیف کی وجہ سے مفسد ہے بشرطیکہ رونے کی آواز میں کم از کم دو حروف پیدا ہو جائیں، بشرط ان صدر منصرفان، اور شعبی مخفی ثوری کے نزدیک بھی بکاء و آئین مفسد صلوٰۃ ہے۔

ائمہ ثلاث جو تفصیل کے قائل ہیں وہ دلیل میں یہ فرماتے ہیں کہ آہ و بکاء یہ بھی ذکر ہے چنانچہ اللہ تعالیٰ نے اس کے ساتھ ابراہیم علیہ السلام کی مدح فرمائی ہے إِنَّ إِبْرَاهِيمَ لَأَوَّاهٌ حَلِيمٌ ایک دوسری آیت میں ہے خَوَّاهُ وَاسْتَجَبْنَا لَوَيْكِيَّا اور ایسے ہی حدیث الباب بھی ان کی دلیل ہے۔

باب کراہیۃ الوسوۃ وحديث النفس فی الصلوٰۃ

قولہ، ثم صلی رکعتین لا یسہو فیہما غفرلہ ما تقدم من ذنبہ۔ ہذا میں اس کی شرح اس طرح لکھی ہے ای لا یغفل عن الصلوٰۃ لا اشتغالاً بما حدثت النفس والوساوس۔

وساوس اور خیالات و طرح کے ہوتے ہیں اختیاری اور اضطراری نیز مایہ تعلق بالدنیا و مایہ تعلق بالبدین، اسکی تفصیل البواب الوضو میں باب صفۃ وضو النبی صلی اللہ علیہ وسلم میں لایحدث فیہما نفسه کی شرح میں گذر چکی۔ (الدر المنصور ص ۲۲۹)

باب الفتح علی الامام فی الصلوة

یعنی امام کو اگر قرارت میں کوئی مانع پیش آئے آگے پڑھنے سے تو مقتدی اس کا راستہ کھول سکتا ہے جس کو ہمارے محاورہ میں لقمہ دینا کہتے ہیں۔

قوله - فقال له رجل يا رسول الله تركت آية كذا وكذا فقال له رسول الله صلى الله عليه وسلم هلا اذكر تنبها. رجل سے مراد اُبی بن کعبؓ ہیں آپ صلی اللہ علیہ وسلم سے نماز کے اندر بعض آیات سہوارہ گئی تھیں حضرت اُبی نے نماز کے بعد عرض کیا اس پر آپؐ نے فرمایا کہ تم نے نماز ہی میں وہ آیات کیوں نہ یاد دلائیں۔

فتح علی الامام کے بارے میں مہنل میں تین مذاہب لکھے ہیں ۱۔ منصور باللہ کے نزدیک واجب مذاہب ائمہ ۲۔ فرقہ زیدیہ کے امام زید بن علی کے نزدیک مکروہ ہے۔ ۳۔ عند الجمہور والائمۃ الاربعۃ جائز بل مستحب عند الضرورة، پھر آگے تفصیل میں اختلاف ہے چنانچہ ایک قول یہ ہے کہ اگر امام قراۃ کی مقدار مفروض پڑھ چکا ہو تو پھر فتح علی الامام نہ کرے (یعنی فی الفرض) نیز لقمہ دینے کا حق اس صورت میں ہے جبکہ امام قرارت سے رکا رہے اور اگر وہ دوسری آیت کی طرف منتقل ہو جائے تب لقمہ نہ دے اور اگر دے گا تو فاتح کی نماز فاسد ہو جائیگی اور امام کی بھی اگر اس نے لقمہ لے لیا یہ گفتگو اس فتح میں ہے جو اپنے امام کے لئے ہو، اور اگر کوئی نمازی لقمہ دے اپنے امام کے علاوہ کسی اور کو خواہ وہ شخص مصلی ہو یا غیر مصلی تو اس صورت میں حنفیہ و مالکیہ کے نزدیک نماز فاسد ہو جائے گی اور حنابلہ کے نزدیک مکروہ (من المہنل)

باب النهی عن التلقین

تلقین سے مراد وہی فتح علی الامام ہے، اس کو اطعام الامام بھی کہہ سکتے ہیں جیسا کہ اس اثر علی نے معلوم ہوتا ہے جو آگے آرہا ہے۔

قوله. عن علیؓ قال قال رسول الله صلى الله عليه وسلم يا علي لا تفتح علي الامام في الصلوة یہ حدیث باب سابق کی حدیث کے خلاف ہے اس میں امام کو لقمہ دینے کی ممانعت ہے جیسا کہ زید بن علی کا مذاہب ہے اور ائمہ اربعہ کے یہ خلاف ہے جواب یہ ہے جیسا کہ مصنف خود فرما رہے ہیں کہ حدیث منقطع ہے اس لئے کہ ابو اسحاق نے یہ حدیث حارث سے نہیں سنی، دوسرا جواب یہ ہے کہ اس حدیث کی سند میں حارث اعمور ہے جس کو کذاب کہا گیا ہے،

قال ابن حبان كان غالباً في التشيع، نيز یہ حدیث حضرت علی کی اس حدیث موقوف کے خلاف ہے جس کو ابن ابی شیبہ نے روایت کیا ہے اذا استطعتك الامام فاطمة فاجعل يدك على راسه وقل يا علي ما فعلت بهذا الرجل الذي كان فيك من الدنيا ما فعلت به من الدنيا ما فعلت به من الدنيا

باب الالتفات في الصلوة

نمازیں التفات کی تین صورتیں ہیں ۱۔ تحویل الوجه ۲۔ تحویل الصدر ۳۔ صرف العین، قسم اول مکرر وہ ہے اور قسم ثانی مفسدِ صلوٰۃ استقبال قبلہ فوت ہو جانے کی وجہ سے، تنقیہ اور شافیہ دونوں کے نزدیک، اور قسم ثالث صرف خلاف اولیٰ ہے منافی خشوع ہونے کی وجہ سے،

قولہ۔ لا یزال اللہ عزوجل مقبلاً علی العبد الخ یعنی اللہ تعالیٰ بندہ کی طرف جب وہ نماز پڑھتا ہے رحمت کے ساتھ متوجہ رہتے ہیں جب تک بندہ نماز میں ادھر ادھر التفات نہ کرے اور جب التفات کرتا ہے تو اللہ تعالیٰ اپنی توجہ اس کی طرف سے ہٹا لیتے ہیں۔

قولہ۔ هو اختلاس یختلسه الشیطان من صلوٰۃ العبد، اختلاس یعنی اچک لینا اور کسی سے کوئی چیز تیزی سے چھین لینا، یہاں پر خشوع کا چھین لینا مراد ہے یعنی جو شخص نماز میں کسی دوسری چیز کی طرف التفات کرتا ہے تو گویا یوں سمجھو کہ شیطان نے اس شخص کی نماز کا خشوع اچک لیا۔

باب السجود علی الالف

اس باب میں جو حدیث مذکور ہے وہ قریب ہی میں چند باب پہلے گذر چکی ہے اسی لئے آگے کتاب میں آ رہا ہے قال ابو علی هذا الحديث لم يقرأه ابوداؤد في العروضة الرابعة، ابو علی مصنف کے شاگرد صاحب السنن فرماتے ہیں کہ امام ابوداؤد نے جب اپنی اس کتاب کو تلامذہ پر چوتھی بار پیش کیا تو اس حدیث کو نہیں پڑھا بلکہ چھوڑ دیا۔

باب النظر في الصلوة

الفرق بین الترتیبین | اس ترجمہ الباب اور سابق باب میں فرق بذل میں تو حضرت نے یہ لکھا ہے کہ التفات سے مراد ہے نظر بگوشتہ چشم کن انکھیں سے دیکھنا اور نظر عام ہے میں کہتا ہوں یا یہ

کہا جائے کہ التفات کے متبادر معنی دائیں بائیں جانب دیکھنا ہے نظر الی الیمن والیسارہ اور اس دو سرے ترجمہ میں نظر سے مراد نظر الی الفوق ہے بقرینہ حدیث الباب۔

۱۔ حدیثنا مسدد الخ قولہ۔ قال عثمان قال دخل رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم المسجد

فراى فیہ ناساً یصلون رافعی ایدیہم الی السماء ثم اتفقوا۔ اس حدیث میں مصنف کے دو استاذ ہیں مسدد اور عثمان لیتھین رجال سے آخر حدیث تک الفاظ دونوں استاذوں کے مشترک ہیں اور حدیث کا شروع کا حصہ صرف عثمان کی روایت کے لفظ ہیں اور شروع میں مسدد نے کیا کہا، کہا یا نہیں کہا یہ یہاں مذکور نہیں۔

مضمون حدیث میں عدم ربط کا قوی اشکال اور اس کا جواب

مضمون حدیث یہ ہے ایک مرتبہ آپ صلی اللہ علیہ وسلم مسجد میں داخل ہوئے آپ نے بعض لوگوں کو دیکھا کہ وہ نماز کی حالت میں رفع یدین الی السماء کر رہے تھے تو اس پر آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا، یا تو باز آجائیں وہ لوگ جو اپنی نگاہیں نماز میں آسمان کی طرف اٹھاتے ہیں ورنہ ان کی نگاہیں لوٹ کر واپس نہیں آئیں گی یعنی سلب کر بیجا مینگے۔ یہاں پر اشکال یہ ہے کہ اس حدیث کے دونوں جملوں یعنی شراً وجزاء میں مناسبت و مطابقت کیا ہے اس لئے کہ صحابہ کا جو فعل یہاں مذکور ہے وہ رفع ایدی الی السماء ہے اور وعید فرما رہے ہیں آپ رفع بھر الی السماء پر اس کا اس سے کیا جوڑ؟ اس کے دو جواب ہو سکتے ہیں اول یہ کہ اس حدیث میں کسی راوی سے اختصار ہوا اختصار محل وہ یہ کہ غالباً روایت میں اس طرح ہو گا فرائی فیہ ناساً یصلون رافعی ایدیہم و ابصارہم الی السماء، جیسا کہ اس سے اگلی روایت میں آرہا ہے راوی نے اختصار کیا اور صرف ایک جزو ذکر کیا اور آپ صلی اللہ علیہ وسلم کی جانب سے وعید اس جزو ثانی پر ہے جس کو اس نے حذف کر دیا، اور یہاں یہ کہا جائے کہ یہاں پر خلط بین الحدیثین ہو گیا راوی نے ایک ٹکڑا اس حدیث کا لے لیا اور دوسرا ٹکڑا دوسری حدیث کا۔

اس کے بعد جاننا چاہئے کہ نماز کی حالت میں اوپر کی جانب دیکھنا جمہور علماء کے نزدیک مکروہ ہے حرام نہیں گو وعید اس کے بارے میں شدید ہے اور ابن حزم ظاہری نے اس میں مبالغہ کیا وہ کہتے ہیں ایسا کرنا عیسے نماز فاسد ہو جاتی ہے۔

قولہ۔ لیتھین عن ذلک اولئک یخطفون ابصارہم۔ یہ دونوں مضارع مجہول بالوزن تاکید ثقیلہ کے صیغے ہیں۔

لہ اور بعض شراح نے اس حدیث کا مطلب یہ بیان کیا ہے کہ نماز مومن کی سراج اور باری تعالیٰ کی تجلی کا محل ہے نمازی پر نماز میں آسمان کی طرف سے انوار کا نزول ہوتا ہے تو ایسی حالت میں اوپر کی طرف دیکھنے میں نظر کو نقصان پہنچے اور نگاہ کے خراب ہو جائیگا اندیشہ ہے جس طرح آفتاب کی طرف دیکھنا سفر ہوتا ہے۔

یعنی یا تو بالضرور بچا جائے اس حرکت سے ورنہ نگاہیں اُچک لی جائیں گی۔

۲- حدیث عثمان بن ابی شیبہ رضی اللہ عنہ۔ فقال شغلتنی اعلام هذا اذهبوا بها الى ابی جهم وأيتوني بالجهم فليسته. ابو جهم ایک صحابی ہیں جن کا نام بعض کہتے ہیں عبید ہے یا عامر بن حذیفہ، انھوں نے آپ صلی اللہ علیہ وسلم کی خدمت میں ایک بھول دار چادر ہدیہ کی تھی آپ نے اس کو اوڑھ کر نماز پڑھی اور نماز سے فارغ ہو کر اس کو فوراً اتار دیا اور فرمایا کہ اس کے نقش و نگار نے مجھے اپنی طرف مشغول کر لیا اور فرمایا کہ اس کو ابو جهم کے پاس لے جاؤ اور ان کے پاس سے انجانیہ یعنی سادی چادر لے آؤ دوسری چادر آپ نے اس لئے منگائی تاکہ ہدیہ دینے والے کی دل شکنی نہ ہو۔

انجانیہ میں ہمزہ پر فتح اور کسرہ دونوں جائز ہے انجان ایک موضع ہے یہ اس کی طرف نسبت ہے۔ امام بخاری نے بھی اس حدیث کو باب الالتفات فی الصلوۃ میں ذکر کیا ہے۔

یہاں پر یہ سوال ہوتا ہے کہ بہت سے واقعات صحابہ کرام و اولیاء کے سیرت کی کتابوں میں ایسے ملتے ہیں کہ ان کو نماز کی حالت میں ایسی مشغولی ہوئی تھی کہ کسی دوسری چیز کی طرف قطعاً التفات نہ ہوتا تھا حتیٰ کہ نماز کی حالت میں ان کے بدن میں سے تیر نکال لیا گیا اور ان کو اس کا احساس تک نہ ہوا تو پھر آپ صلی اللہ علیہ وسلم کی نماز میں یہ اعلام خمیصہ کیسے مؤثر ہو گئے۔

جواب اس کا یہ ہے کہ یہ اشکال بظاہر ابو داؤد کی روایت کے الفاظ پر ہو سکتا ہے اس لئے کہ اس میں شغلتنی مذکور ہے، دوسری کتب حدیث میں الفاظ اور طرح ہیں ان پر یہ اشکال واقع نہیں ہوتا چنانچہ بخاری کے الفاظ ہیں أَخَذْتُ أَنْ تَقْنِئْتَنِي، اس سے معلوم ہوا کہ آپ کو ان اعلام نے مشغول نہیں کیا تھا بلکہ آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے صرف اس کا اندیشہ محسوس کیا تھا۔ اسی طرح مؤطا مالک کے لفظ ہیں حَنَكَادَ يَفْتِنَنِي، اور ایک جواب میری سمجھ میں یہ آتا ہے کہ اس حدیث کی تاویل کی کوئی حاجت نہیں بلکہ حدیث اپنے ظاہر پر ہے اور اس کا منشا نقص نہیں بلکہ کمال ہے وہ یہ کہ آپ صلی اللہ علیہ وسلم کا باطن اور قلب النور اغیار اور غیر حق سے اس قدر پاک صاف اور شفاف تھا کہ اس میں معمولی سے معمولی تغیر بھی محسوس ہوتا تھا جیسے اگر کوئی ورق نہایت صاف اور سفید ہو تو اس پر ذرا سا میل بھی محسوس ہوتا ہے بخلاف رنگین کاغذ کے کہ اس پر معمولی سے نشان کا پتہ بھی نہیں چلتا۔ مجھے اس سے بڑی مسرت ہوئی کہ بعد میں یہ مضمون مجھے علامہ سندھی کے کلام حاشیہ نسائی میں بھی مل گیا اور انھوں نے اسی طرح کی بات اس

حدیث کتب قولہ شغلتنی اعلام ہذا، هذا مبني على ان القلب قد بلغ من الصفا ان الاغيار الغاية حتى يظهر فيه ادنى شيء يغبر لك ذلك الفظ الى ثوب بلغ في البياض الغاية الخ

حدیث کے ذیل میں بھی لکھی ہے جس میں یہ ہے کہ ایک مرتبہ آپ صلی اللہ علیہ وسلم صبح کی نماز میں سورہ روم تلاوت فرما رہے تھے اور آپ پڑھتے پڑھتے اٹکنے لگے تو آپ نے نماز سے فارغ ہونے کے بعد فرمایا ما بال اقوام یصلون معنا لا یحسنون الطہور فانما یلبس علینا القرآن اولئک۔

بَابُ الرِّخْصَةِ فِي ذَلِكَ

یعنی نظر فی الصلوٰۃ کی اجازت اور گنجائش۔

قول۔ عن سہل بن الحنفلیۃ قال ثوب بالصلوٰۃ یعنی صلوٰۃ الصبح فجعل رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم یصلی وهو یلتفت الی الشعب۔

مضمون حیث ایک مرتبہ کی بات ہے کہ صبح کی نماز کے لئے اقامت کہی جا رہی تھی بلکہ آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے نماز بھی شرع کر دی تھی اس کے باوجود آپ نماز کی حالت میں سامنے پہاڑی کی جانب بار بار دیکھتے تھے، امام ابو داؤد خود اس حدیث کی شرح میں آگے فرما رہے ہیں کہ آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے ایک سفر میں کسی گھوڑے سوار کو ایک پہاڑی کی جانب بھیجا تھا رات میں قافلہ کی نگرانی اور پہرہ دینے کے لئے، یہ روایت مفصلاً کتاب الجہاد باب فضل الحرم کے ذیل میں آئے گی۔

آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے سفر میں اس منزل سے جہاں قافلہ ٹھہرا ہوا تھا رات میں پہرہ دینے کے لئے ایک صحابی کو جن کا نام انس بن مرثد الغنوی ہے، سامنے ایک پہاڑی پر رات گزارنے کے لئے بھیجا تھا صبح ہونے پر آپ صلی اللہ علیہ وسلم کو ان صحابی کی واپسی کا انتظار تھا آپ صحابہ سے بھی دریافت فرماتے تھے اور خود بھی بار بار اس پہاڑی کی طرف نگاہ اٹھا کر دیکھتے تھے حتیٰ کہ نماز میں بھی آپ نے ایک آدھ مرتبہ اس طرف دیکھا، اسی لئے مصنف نے اس حدیث پر باب الرخصۃ فی ذلک ترجمہ قائم فرمایا کہ دینی مصلحت اور اپنے مسلمان بھائی کے خیال اور فکر میں نماز میں بھی اگر انتہات کی نوبت آجائے تو کیا مضائقہ ہے بلکہ عین مصلحت ہے۔

در اصل آپ صلی اللہ علیہ وسلم تو ان جہاد کے سفروں میں صحابہ کرام کی فوجوں کیساتھ سپہ سالار اور کمانڈر کی حیثیت سے ہوتے تھے اب فوج کی مصالحہ پر نظر اور ان کا خیال و فکر کمانڈر کے فرائض منصبی میں سے ہے، نیز اس سے یہ بھی معلوم ہوا کہ کمال یہ ہے کہ جس وقت اور محل کا جو مقتضی اور حق ہے اس کو ادا کیا جائے نہ یہ کہ آدمی جبر و قوت اپنی بزرگی ہی میں بس مستغرق رہے۔

لہ جو لوگ اچھی طرح وضو کر کے نہیں آتے ایسے ہی لوگوں کی وجہ سے ہماری نماز میں خلل واقع ہوتا ہے۔

باب فی العمل فی الصلوة

یعنی جو عمل اعمال صلوٰۃ کی جنس سے نہ ہو، ظاہر ہے کہ وہ نماز میں جائز نہ ہونا چاہئے، اب یہ کہ اس کے اندر کچھ گنجائش ہے یا نہیں سو اس کا ضابطہ فقہاء نے یہ لکھا ہے کہ اگر وہ عمل قلیل ہے تو جائز ہے اور کثیر ہے تو ناجائز اور مفسد صلوٰۃ ہے۔

عمل قلیل وکثیر کا فرق اب یہ کہ قلت اور کثرت کا معیار کیا ہے ایک قول اس میں یہ ہے کہ جس کام میں دونوں ہاتھ کے استعمال کی ضرورت پڑے وہ کثیر ہے اور جو ایک ہاتھ سے ہو سکتا ہو وہ قلیل اسی لئے کہا گیا ہے کہ اگر نماز میں کوئی شخص اپنے قمیص میں گھنٹی لگائے تو چونکہ یہ کام دونوں ہاتھوں سے کر نیا ہے اسی لئے نماز فاسد ہو جائیگی اور اگر گھنٹی کا بند کھولے تو فاسد نہ ہوگی، اور دوسرا قول یہ ہے کہ جو عمل ایسا ہو کہ اس کے کرنے والے کی طرف دیکھ کر اس بات کا یقین ہو کہ یہ شخص نماز میں نہیں ہے تو وہ کثیر ہے اور جو ایسا نہ ہو وہ قلیل ہے اور یہی قول اصح ہے، اسی طرح اس مسئلہ کی تفریع میں لکھا ہے کہ اگر کوئی عورت نماز میں اپنے بچے کو اٹھا کر دودھ پلانے کو نماز فاسد ہو جائے گی عمل کثیر کی وجہ سے اور اگر صرف گود میں اٹھائے تو فاسد نہ ہوگی۔

۱۔ حدثنا القعنبي عن قولہ۔ خرج علينا رسول الله صلى الله عليه وسلم يحمي أمامة بنت أبي

العاص بن الربيع۔

شرح حدیث یہ ایک مشہور حدیث ہے جو صحیحین اور سنن بھی جگہ مذکور ہے وہ یہ کہ حضور صلی اللہ علیہ وسلم کی سب سے بڑی صاحبزادی حضرت زینب جن کے شوہر ابو العاص بن الربیع ہیں ان کی چھوٹی بچی جس کا نام امامہ تھا اس کو بعض اوقات حضور صلی اللہ علیہ وسلم اپنے کندھے پر بٹھا کر نماز پڑھا کرتے تھے جب رکوع اور سجدہ میں جاتے تو اس کو اتار دیتے اور جب کھڑے ہوتے تو پھر اٹھا لیتے اس بچی کی والدہ یعنی حضرت زینب کی وفات حضور کی حیات میں سب سے پہلی ہو گئی تھی غالباً یہ گود میں لینے کا قصہ اسی وقت کا ہے کہ آپ صلی اللہ علیہ وسلم اس بچی کی دلداری اور نگرانی کے طور پر ایسا کرتے ہوں گے یا بیان جواز کے لئے تاکہ لوگوں کو مسئلہ معلوم ہو جائے کہ یہ مفسد صلوٰۃ نہیں ہے۔

حمل الصبی فی الصلوة اب یہ کہ فقہاء اس میں کیا فرماتے ہیں سو جمہور علماء اور ائمہ ثلاثہ کے نزدیک تو ایسے ہی ہے ضرورت ایسا کر سکتے ہیں مفسد صلوٰۃ نہیں ہے لیکن علماء مالکیہ اس میں بڑے متردد ہیں کیونکہ وہ اس کو عمل کثیر سمجھتے ہیں پھر اس کی ان سے مختلف توجیہات منقول ہیں ایک توجیہ یہ کی گئی ہے

کہ یہ نفل نماز کا قصہ ہے لیکن بعض دوسرے علماء نے اس کی تردید کی ہے کیونکہ مسلم کی ایک روایت میں تصریح ہے کہ اس وقت میں آپ صلی اللہ علیہ وسلم امامت فرما رہے تھے تو ظاہر ہے کہ فرض نماز ہوگی نفل نماز میں آپ کی امامت مجہود نہیں ہے اور ایک توجیہ یہ کی گئی ہے کہ آپ نے ضرورتاً مجبوری کے درجہ میں ایسا کیا ہے اس وقت میں اس بچی کی کوئی دیکھ بھال کر نیوالا نہ تھا، اور ایک توجیہ امام مالک سے یہ منقول ہے کہ یہ حدیث منسوخ ہے تحریم العمل فی الصلوٰۃ سے پہلے کا قصہ ہے۔

امام نوویؒ نے ان تمام توجیہات کو باطل قرار دیا ہے وہ فرماتے ہیں کہ حدیث اس کے جواز میں صریح اور صحیح ہے اور یہ قواعد شرع کے بھی خلاف نہیں ہے اس لئے کہ انسان پاک ہے اور جو نجاست اس کے پیٹ کے اندر ہے وہ اپنے معدن میں ہونے کی وجہ سے معفو عنہ ہے وہ فرماتے ہیں اس حدیث سے یہ بھی معلوم ہوا کہ ثیاب اطفال اور ان کے اجسام سب طہارت پر محمول ہیں تا وقتیکہ نجاست ان کی ثابت نہ ہو جائے، و فی الدر المختار حمل الصبی فی الصلوٰۃ مکروہ، اور انھوں نے حدیث کا جواب یہ دیا ہے کہ یہ منسوخ ہے ات فی الصلوٰۃ لشغل حدیث کی بنا پر، صاحب بدائع نے اس حدیث کو عذر اور حاجت پر محمول کیا ہے کہ مجبوری کی حالت میں ایسا کر سکتے ہیں۔

امام کے بارے میں لکھا ہے کہ حضرت فاطمہؓ جو کہ ان کی خالہ تھیں ان کی وصیت کے مطابق ان کی وفات کے بعد حضرت علیؓ نے امامت سے شادی کر لی تھی مگر ان سے حضرت علیؓ کے کوئی اولاد نہیں۔

تنبیہ۔ حضور صلی اللہ علیہ وسلم کے امام کو نماز میں بار بار گودیں لینے اور اتارنے میں جو عمل کثیر پائے جانے کا اشکال ہوتا ہے اس کا جواب ہمارے مشائخ یہ دیتے ہیں کہ دراصل امام آپ صلی اللہ علیہ وسلم سے بہت مانوس تھی آپ ذرا سا اشارہ فرماتے وہ گود میں سے اتر جاتی اور اسی طرح پھر بعد میں معمولی اشارہ سے گود میں چڑھ جاتی تھی۔

۲۔ حدیثنا مسلم بن ابراہیم اخذ قولہ۔ اقتلوا الاسودین فی الصلوٰۃ۔ اسودین یعنی سانپ اور بچھو ایسے ہی اور کوئی موزی حال اور نماز میں اس کو ضربہ واحدہ یا ضربتین سے مارنا جائز ہے نہ مفسد صلوٰۃ ہے اور نہ مکروہ کیونکہ شارع علیہ السلام اس کی اجازت دے رہے ہیں بلکہ آپ سے عملاً بھی یہ ثابت ہے، ایک مرتبہ جبکہ آپ صلی اللہ علیہ وسلم نماز پڑھ رہے تھے ایک بچھو نے آپ کے ڈنک مارا تو آپ نے اس کو اپنے پاؤں سے کچل کر مار دیا اور نماز سے فارغ ہونے کے بعد فرمایا لعن اللہ العقب لاتبالی نبیاء لا یرغ۔

مذاہب ائمہ اب اگر اس کے قتل میں عمل کثیر پایا گیا تو اس صورت میں حنفیہ شافعیہ کے نزدیک نماز فاسد ہو جائے گی اور منہل میں لکھا ہے کہ حنابلہ کے کلام سے بظاہر معلوم ہوتا ہے کہ ان کے یہاں عمل قلیل اور کثیر کا فرق نہیں بلکہ مطلقاً جائز ہے، ایسے ہی حنفیہ میں سے صاحب بسوط علامہ شریؒ کی بھی یہی رائے ہے، اور قیسرا مذہب اس میں ابراہیم نخعی وغیرہ کا ہے ان کے نزدیک اسودین کا قتل نماز میں مکروہ ہے۔

۳۔ حدیثنا احمد بن حنبل انہ قولہ۔ کان رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم یصلی والباب علیہ مطلق فجئت فاستفتحت حضرت عائشہ فرماتی ہیں ایک مرتبہ کا واقعہ ہے کہ آپ صلی اللہ علیہ وسلم حجرہ شریفہ میں نماز پڑھ رہے تھے اور حجرہ کا دروازہ اس وقت اندر سے بند تھا تو ایسے وقت میں جبکہ آپ نماز میں مشغول تھے میں باہر کی طرف سے آئی اور میں نے استفتاح یعنی دروازہ کھلوانے کے لئے دستک دی تو آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے ایک دو قدم چل کر دروازہ کھول دیا اور پھر اپنی نماز پڑھنے کی جگہ آگے، فقہار نے لکھا ہے کہ ایک دو قدم عمل کثیر نہیں ہے ہاں تو ای اقدام یعنی ایک ہی رکن میں مسلسل تین قدم چلنا عمل کثیر اور مفسدہ معلوۃ ہے صرف ایک دو قدم آگے پیچھے ہونے سے نماز فاسد نہیں ہوتی۔

ایک قوی اشکال اور اس کی تشریح یہاں تک تو اس حدیث میں کوئی بات قابل اشکال نہیں آگے ایک جملہ آرہا ہے و ذکر ان الباب کان فی القبلة یعنی عروہ نے یہ بھی نقل کیا کہ حجرہ شریفہ کا باب قبلہ کی جانب میں تھا اس جملہ پر بڑا اشکال ہو رہا ہے اشکال کی توضیح یہ ہے کہ اہل مدینہ کا قبلہ بجانب جنوب ہے اس لئے کہ مدینہ مکہ سے بجانب شمال ہے اور حضرت عائشہ کا حجرہ جس کا اس حدیث میں ذکر ہے وہ مسجد سے بالکل متصل مسجد کی بائیں جانب مشرق میں واقع ہے اور حجرہ کا دروازہ مسجد کی طرف غرب میں واقع ہے حجرہ شریفہ کے لئے باب غربی کا ہونا تو مشہور و معروف ہے اور ایک قول یہ بھی ہے کہ اس میں ایک دروازہ اور تھا بجانب شمال جس طرف ملک شام ہے اسی لئے اس کو باب شامی بھی کہتے ہیں تو گویا دو دروازے ہوئے، غربی اور شمالی، یہ غربی دروازہ تو دائیں جانب ہوا اور شمالی پیچھے کی جانب تو ان میں سے کوئی سا بھی دروازہ قبلہ کی جانب یعنی جنوبی نہیں حالانکہ یہاں روایت میں یہ ہے ان الباب کان فی القبلة۔

بہر حال یہ بات ماہوا مشہور فی الروایات و ما ثبت فی کتب التاریخ والسیر کے خلاف ہے یہ روایت چونکہ ترمذی میں بھی ہے۔

حضرت گنگوہی کی توجیہ اس لئے حضرت گنگوہی سے اس کا جواب الکوکب الدرہ میں یہ منقول ہے کہ فی القبلة کا یہ مطلب نہیں کہ حجرہ شریفہ کی جو دیوار قبلہ کی جانب ہے اس میں یہ دروازہ تھا تاکہ اشکال واقع ہو بلکہ فی القبلة کا مطلب ہے آگے کی طرف، یعنی دروازہ تو حجرہ شریفہ کا دائیں جانب تھا و غربی ہی میں تھا جیسا کہ مشہور ہے لیکن وہ حضور صلی اللہ علیہ وسلم کی نماز پڑھنے کی جگہ سے آگے کی طرف تھا جس کو کھولنے کے لئے آپ کو آگے کی جانب چلنا پڑا اور جب آپ اس دروازہ کی محافات میں پہنچے تو ہاتھ بڑھا کر دروازہ کھول دیا فاما الحدیث اشکال رفع ہو گیا۔

حضرت سہارنپوری کی توجیہ اور یہاں پر بذل میں حضرت سہارنپوری نے اس اشکال کی ایک دوسری توجیہ

فرمائی ہے وہ یہ کہ مشہور تو یہی ہے کہ حجرہ شریفہ کا باب غربی یا شمالی تھا یا دونوں تھے لیکن بعض روایات سے معلوم ہوتا ہے کہ حضرت عائشہ کے حجرہ سے آگے قبلہ کی جانب میں متصلاً حضرت حفصہ کا حجرہ تھا اور یہ کہ یہ دونوں عائشہ و حفصہ اپنے اپنے حجروں میں بیٹھی ایک دوسرے سے کلام اور بات چیت کر لیا کرتی تھیں تو اس پر حضرت فرماتے ہیں کہ اس طرح بات کرنا جیسا ہو سکتا ہے جبکہ دونوں حجروں کی درمیانی دیوار میں کوئی دروازہ یا کھڑکی کھلی ہوئی ہو جس سے اُدھر کی آواز اُدھر پہنچ سکے تو ہو سکتا ہے کہ حضرت عائشہ اس کھڑکی کی جانب سے آئی ہوں جو اس وقت بند تھی حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے نماز میں آگے بڑھ کر قبلہ کی جانب چل کر اس کو کھول دیا، یہ توجیہ (دلیل) قبلہ میں کھڑکی تسلیم کرنا صراحۃً کہیں منقول نہیں بلکہ حضرت کا اپنا استنباط ہے جس کے لئے کافی تتبع کتب کرنا پڑا (کمافی البذل)

فانعددا۔ نسائی اور سنن احمد کی روایت کے الفاظ اس طرح ہیں فمشی فی القبلة اما عن یمنہ و اما عن یسارہ ان لفظوں سے الکو کب الدری والی توجیہ کی تائید ہوتی ہے کہ دروازہ کھولنے کے لئے آپ صلی اللہ علیہ وسلم آگے کی طرف چلے اور پھر جب دروازہ کی محاذات میں آگے تو دائیں طرف ہاتھ بڑھا کر جس طرف دروازہ تھا آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے اس کو کھول دیا، اس روایت میں اگرچہ شک راوی ہے اما عن یمنہ و اما عن یسارہ لیکن صحیح اس میں اول (عن یمنہ) ہے۔

باب رد السلام فی الصلوة

یعنی اگر کوئی شخص اس شخص کو سلام کرے جو نماز میں ہے تو کیا وہ نمازی سلام کا جواب دے؟ اس میں اولاً تو آپ یہ سمجھئے کہ نمازی کو سلام کرنا مکروہ ہے، حنفیہ کا مذہب یہی ہے اور ائمہ ثلاثہ کے نزدیک جائز بلا کراہت ہے کمافی المنہل۔

رہا مسئلہ رد السلام کا جو ترجمہ الباب میں مذکور ہے سو اس میں ناقلین مذاہب مختلف ہیں، **مذاہب ائمہ** علامہ عینی نے حنفیہ شافعیہ و حنبلیہ تینوں کے نزدیک رد السلام بالاسرارہ کو مکروہ لکھا ہے اور امام مالک سے انھوں نے دور روایتیں نقل کی ہیں کراہت و عدم کراہت (کذا فی البذل) اور صاحب منہل نے اس کے برخلاف یہ لکھا ہے کہ رد السلام ائمہ ثلاثہ کے نزدیک جائز ہے اور حنفیہ کے نزدیک مکروہ ہے، اور مولانا عبدالحی صاحب

لے اور قرین قیاس بھی یہی ہے اس لئے کہ بقول صاحب منہل جب ائمہ ثلاثہ کے نزدیک سلام کرنا جائز ہے تو جواب سلام بھی ہونا چاہئے ۱۲۔

نے التعلیق المجید میں امام شافعی کا مذہب استخباب رد لکھا ہے اور امام احمد کا یہ لکھا ہے کہ ان کے نزدیک فرض اور نفل میں فرق ہے یعنی فرض میں مکروہ اور نفل میں جائز، اور حنفیہ کا مذہب یہ لکھا ہے کہ بعض ان میں سے کراہت کے قائل ہیں امام طحاوی انہیں میں سے ہیں اور انہوں نے حضور صلی اللہ علیہ وسلم کے اشارہ کو جو آپ نے نماز میں کیا تھا منع عن السلام پر محمول کیا ہے نہ کہ رد السلام پر، اور بعض حنفیہ کہتے ہیں لا باس بہ۔

نیز جانتا چاہئے کہ رد السلام باللسان کسی کے نزدیک جائز نہیں ائمہ اربعہ کے نزدیک مفسدہ صلوٰۃ ہے البتہ ابن السیب اور حسن بصری کے نزدیک یہ بھی جائز ہے۔

[illegible]

شرح حدیث میں دو قول اور اس کا نشأ

احناف کے نزدیک رجوع الی المدینہ مراد ہے اور شرح شافعیہ وغیرہ کے نزدیک رجوع الی مکہ مراد ہے دراصل یہ اختلاف ایک اور اختلاف پر متفرع ہے وہ یہ کہ نسخ الکلام فی الصلوٰۃ مکہ میں ہوا یا آپ کی ہجرت الی المدینہ کے بعد مدینہ کے قیام میں ہوا شافعیہ اول کے قائل ہیں اور حنفیہ دوسرے قول کے۔

اس مضمون پر تفصیلی کلام اور بحث ابواب سجدہ السہو میں حدیث ذوالیہدین کے تحت آئیگی کیونکہ حدیث ذوالیہدین میں کلام فی الصلوٰۃ پایا گیا تھا اور اس کے باوجود نماز کو صحیح قرار دیا گیا، تو چونکہ کلام فی الصلوٰۃ کی تحقیق کا یہی حدیث خاص محل ہے اس لئے حضرت بہار پوریؒ نے بھی بذل الجہود میں اس پر بحث اسی جگہ فرمائی ہے ہم بھی اس پر انشاء اللہ وہیں بیان کریں گے۔

۲۔ حدیثنا موسیٰ بن اسماعیل الخ۔ قوله۔ فَاخْذْنِي مَا قَدَّمَ وَمَا خَدَّثَ یعنی آپ صلی اللہ علیہ وسلم کے میرے سلام کا جواب نہ دینے کی وجہ سے میرے دل میں کبھی کبھی کے پرانے اور نئے ہر طرح کے خیالات آنے لگے یعنی سوچنے لگا کہ شاید آپ فلاں بات کی وجہ سے ناراض ہوں یا فلاں بات کی وجہ سے ناراض ہو گئے ہوں۔

۳۔ قوله - فقلت لبلاي كيف رايت رسول الله صلى الله عليه وسلم يروى عليهم الخ يه پہلے اچکا کہ ان

احادیث میں جو اشارہ مذکور ہے اس کے بارے میں ایک قول تو یہ ہے کہ یہ اشارہ رد سلام یعنی جواب سلام کے لئے تھا اور بعض یہ کہتے ہیں جن میں امام طحاوی بھی ہیں کہ یہ اشارہ منع عن السلام کے لئے تھا کہ نماز میں سلام مت کرو۔

۴۔ حدیثنا احمد بن حنبل الز فتولہ۔ لا غرار فی صلوٰۃ۔

شرح حیث اور مطابقتہ ایضاً للترجمۃ یعنی نماز میں نفق نہیں ہونا چاہئے، یا تو باعتبار کیفیت کے مراد ہو یعنی خشوع و خضوع، یا باعتبار کیفیت اور مقدار کے مثلاً کسی کو نماز

میں شک ہو کہ چار رکعات ہوئیں یا تین تو بس وہ بغیر تحریمی اور سوچ کے تین ہی پر سلام پھیر دے، اور بعض نے کہا کہ غرار سے مراد نوم ہے۔ قولہ۔ ولا تسلیم، اس کو دو طرح پرٹھ سکتے ہیں نصب کیساتھ اس صورت میں عطف ہوگا لا بغرار پر تقدیر عبارت یہ ہوگی لا تسلیم فی صلوٰۃ یعنی نماز میں تسلیم نہ ہونا چاہئے۔ نہ نمازی کسی کو سلام کرے اور نہ دوسرے شخص نمازی کو سلام کرے اس صورت میں یہ حدیث ترجمۃ الباب کے مناسب ہوگی اور دوسرا احتمال یہ ہے کہ ولا تسلیم کو مجرور پرٹھا جائے اس صورت میں اس کا عطف ہوگا صلوٰۃ پر اور تقدیر عبارت یہ ہوگی لا غرار فی تسلیم یعنی سلام یا اس کے جواب میں نفق نہیں ہونا چاہئے سلام پورا کرنا چاہئے اور اس کا جواب بھی پورا دینا چاہئے سلام اور جواب سلام دونوں ہی کامل ہونے چاہئیں۔

اس صورت میں یہ حدیث ترجمۃ الباب کے مناسب نہ ہوگی، اس حدیث کے امام احمد نے جو معنی بیان فرمائے ہیں وہ احتمال اول کو لے کر ہیں اور آگے حدیث میں جو آ رہا ہے قال لا غرار فی تسلیم ولا صلوٰۃ اس سے احتمال ثانی کی تائید ہوتی ہے۔

باب تسمیت العاطس فی الصلوٰۃ

مذہب علمائے یعنی چھینکنے والے کی حمد کا جواب، اگر یہ جواب دینا نماز میں پایا جائے تو عند الجہور مفسدہ صلوٰۃ ہے اس لئے کہ اس میں مخاطب ہے یرحمک اللہ میں کاف خطاب ہے اور نماز میں خطاب و کلام ناجائز ہے اس مسئلہ میں مالکیہ اور امام ابو یوسف کا اختلاف ہے ان کے نزدیک مفسدہ صلوٰۃ نہیں۔

ایک مسئلہ یہاں پر یہ ہے کہ نماز کی حالت میں عاطس کو الحمد للہ کہنا چاہئے یا نہیں، یہ مسئلہ استقارح صلوٰۃ کی دعا کے باب میں گذر چکا۔

لفظ تسمیت کی تحقیق تسمیت کی لغوی تحقیق یہ ہے بعض کہتے ہیں کہ شوامت سے مشتق ہے جس کے معنی قوائم ہیں یعنی ستون، گویا عاطس کو دعا دی جاتی ہے ثبات علی الطاعة کی، اور بعض کہتے ہیں کہ یہ مأخوذ ہے ثبات سے یعنی اللہ تعالیٰ تجھ کو ثبات اعدا کرے، بچائے، اور بعض کہتے ہیں یہ لفظ تسمیت سین ہملہ

سے ہے اور مأخوذ ہے سنت سے جس کے معنی الہیۃ الحسنہ میں یعنی اللہ تعالیٰ تیری ہیئت کو اچھی بنائے یہ دعا اس وقت اس لئے دی جاتی ہے کہ چھینک کے وقت آدمی کی ہیئت بگڑ سی جاتی ہے۔

۱- حدیث مسند داؤد۔ قولہ۔ صلیت مع رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم ففطس رجل من القوم۔ معاویۃ بن الحکم السلمی کہتے ہیں کہ کسی شخص کو جو نماز میں تھا چھینک آئی تو اس پر میں نے باوجود نماز میں ہونیکے (زور سے) کہا یرحمک اللہ میرے اس کہنے پر سب لوگوں نے نگاہوں کے تیر مجھ پر مارے یعنی وہ لوگ مجھ کو گھورنے لگے فقلت ولا تشکلی امتیاء شکل کے معنی ہیں عورت کے بچے کا مرجانا جس پر افسوس کا ہونا ظاہر ہے اور لفظ وایہ ندا کے لئے ہے، اور امتیاء میں ام کی اضافت یا رشکم کی طرف ہو رہی ہے اور الف یہ ندا کے لئے ہے اور ہ، سکتے کے لئے ہے اس کا ترجمہ اس طرح کرتے ہیں ہائے افسوس میری ماں کے مجھ کو گم کرنے پر گویا اس شخص کی موت اچکی اور نماز میں ان صحابی نے یہ بھی کہا کہ کیا ہوا تم لوگوں کو مجھ گھورتے ہو۔

قولہ۔ فلما رأیتهم یسکتون لکنی سکت، یہاں پر جزاء شرط محذوف ہے اور اس جزاء محذوف ہی پر یہ استدراک جس کو لکھتے سے بیان کر رہے ہیں مرتب ہے اور وہ جزاء محذوف غضب ہے یعنی جب میں نے ان کو دیکھا کہ مجھ کو خاموش کرنا چاہ رہے ہیں تو مجھے بڑا غصہ آیا اس لئے کہ ایک تو گھور رہے ہیں اور مجھ پر زیادتی کر رہے ہیں دوسرے میرے اظہار افسوس پر مجھے خاموش بھی کرنا چاہ رہے ہیں لیکن میں خاموش ہو گیا (اپنے غضب کے مقتضی پر عمل نہیں کیا) قولہ۔ ان هذه الصلوة لا یحل فیہا شئ من کلام الناس، اس سے حنفیہ وحنابلہ کی تائید ہو رہی ہے،

در اصل کلام فی الصلوۃ کا مسئلہ مختلف فیہ ہے وہ یہ کہ حنفیہ کے نزدیک اور یہی قول راجح ہے امام احمد کا کہ کلام فی الصلوۃ مطلقاً مفسد ہے، اور امام مالک کا مشہور قول یہ ہے کہ کلام قلیل عمداً جو اصلاح صلوۃ کے لئے ہو مفسد نہیں، اور امام شافعی کے نزدیک کلام یسیر کی اگر وہ سہواً ہو تو گنجائش ہے اور جو عمداً ہو خواہ اصلاح صلوۃ کے لئے ہو جائز نہیں، اس حدیث سے بھی بظاہر یہی معلوم ہو رہا ہے جو حنفیہ کا مسلک ہے کہ مطلقاً جائز نہیں، انا قوم حدیث سے بجاہلیۃ

شرح حیدر | ہم لوگ نو مسلم ہیں ابھی قریب میں جاہلیت اور کفر کو چھوڑ کر اسلام میں داخل ہوئے ہیں۔

ومنا رجال یا قون الکھان ہم میں بعض لوگ ایسے ہیں جو کافروں کے پاس جاتے ہیں ان سے آئندہ پیش آنے والی باتیں معلوم کرنے کے لئے، اور بعض ہم میں ایسے ہیں جو پرندوں کے ذریعہ بدشگونیاں لیتے ہیں، وہ لوگ بدشگونیاں کے چونکہ عادی ہو چکے تھے تو اس لئے آپ نے فرمایا اگر اس کو وہ اپنے اندر پائیں تو اس پر مواخذہ نہیں غیر اختیاری ہونے کی وجہ سے فلا یصدھم لیکن یہ بدشگونیاں ان کو عمل سے نہ روکے، یعنی اگر بدشگونیاں کی بات ذہن میں آئے بلا اختیار تو آنے دو لیکن یہ فروری ہے کہ اس کے مقتضی پر عمل نہ کیا جائے اور جس کام کا ارادہ ہے اسکو کر گزریں بدشگونیاں اس سے مانع نہ ہوتی چاہئے۔

اس حدیث میں کاهنوں کے پاس جانیکی اور ان کی بات کی تصدیق کرنیکی ممانعت مذکور ہے، ایک حدیث میں ہے کہ جو شخص کسی عراف یا کاهن کے پاس جائے فصدقہ بمایقول فقد کفر بما انزل علی محمد صلی اللہ علیہ وسلم، کاهن وہ شخص ہے جو آئندہ ہونے والے امور کے علم کا دعویٰ کرے اور معرفت سراندر راز ہائے سربستہ اکادمی ہو، اور ایک عراف ہوتا ہے جو مال مسروق اور گندہ چیزوں کی نشاندہی کرتا ہو، کاهنوں کے پاس ان کی تصدیق کی نیت سے جانا حرام ہے اسی طرح ان کو اجرت دینا بھی حرام ہے، نبی رسول اللہ صلی اللہ علیہ عن حلوان الکاهن۔ امام نووی وغیرہ حضرات نے اس لین دین کی حرمت پر اجماع نقل کیا ہے

قلت ومناد جال یحفظون قال کان نبی من الانبیاء یحفظون۔

علم رمل خط سے مراد علم رمل ہے کیونکہ اس کے اندر زمین پر کچھ نشان اور خط کھینچے جاتے ہیں یہ ایک مشہور و معروف علم ہے اس پر مستقل تصانیف بھی لکھی گئی ہیں، اس کی مخصوص اصطلاحات وغیرہ بھی ہیں، اس کے ذریعہ سے مخفی امور کا استخراج کرتے ہیں اور بسا اوقات وہ بات درست نکلتی ہے اس علم رمل کی تعلیم وتعلم بتصریح علماء حرام ہے، مگر چونکہ بعض انبیاء کے پاس یہ علم تھا جیسا کہ اس حدیث میں ہے اور وہ اس کو کرتے تھے، بعضوں نے کہا کہ وہ حفر اور لیس علیہ السلام تھے یا دانیال علیہ السلام اس لئے آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے اس کی رعایت میں اس کا مطلقاً ابطال نہیں فرمایا بلکہ یہ فرمایا کہ جس کا علم رمل اس نبی کے علم رمل کے موافق ہو پس وہی معتبر ہے ورنہ نہیں، اور ظاہر ہے کہ یہ بات معلوم نہیں ہو سکتی کہ کس کا علم رمل ان کے رمل کے مطابق ہے اور کس کا نہیں اس لئے خلاصہ منع ہی نکلا۔

شرح حدیث

قوله۔ قلت ان جاریۃ فی کانت ترعی غنیات، ان صحابی نے یہ بھی سوال کیا کہ یا رسول اللہ میری ایک باندی ہے جو میری بکریوں کو چراتی ہے احد پہاڑ یا موضع جو انیہ کی طرف میں ایک روز چانک و ہاں پہنچ گیا تو وہاں جا کر میں نے دیکھا کہ ریوڑ کی بکریوں میں سے ایک بکری کم ہے جس کو بھیڑ پالے گیا تھا میں اسے نہواؤم میں سے ایک آدمی ہوں جس طرح اور لوگوں کو (اپنے نقصان پر) تأسف اور افسوس ہوتا ہے مجھے بھی ہوا اسی لئے میں نے اس کے منہ پر طمانچہ مار دیا فحظمت ذلك علی رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم، تو حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے میرے اس فعل کو بہت عظیم قرار دیا یعنی میرے اس مارنے کو ایک عظیم بات اور گن قرار دیا (جس پر یہ گھبرا گئے) اور کہنے لگے یا رسول اللہ کیا میں اس کو آزاد نہ کر دوں (تاکہ میرے اس فعل کی تلافی ہو جائے) اس پر آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا کہ اس باندی کو میرے پاس لے کر آؤ (تاکہ میں اس کا امتحان لوں اور دیکھوں کہ مسلم ہے یا کافر) وہ کہتے ہیں کہ میں اس کو آپ کی خدمت میں لے کر آیا آپ نے اس سے دریافت فرمایا کہ بتا! اللہ میاں کہاں ہیں اس نے کہا آسمان میں (مطلب یہ تھا کہ زمین پر جو یہ معبودان باطل اصنام وغیرہ ہیں وہ معبود نہیں) آپ نے پھر دوسرا سوال فرمایا کہ اچھا! بتا میں کون ہوں اس نے کہا آپ رسول اللہ ہیں یہ سن کر آپ نے ان صحابی سے فرمایا اس کا امتحان (انٹرویو) ہو گیا اس کو آزاد

کر دے یہ مؤمن ہے۔

اس حدیث سے بعض علماء نے استدلال کیا ہے ایمان مقلد کے معتبر ہونے پر یعنی جو شخص اللہ تعالیٰ کی وحدانیت اور رسول کی رسالت پر دلیل قائم نہ کر سکتا ہو اپنی لاعلمی یا کم علمی کی وجہ سے بلکہ دوسرے اہل ایمان کی تقلید میں وحدانیت اور رسالت کا قائل ہو اس کا ایمان معتبر ہے جیسا کہ اس باندی کا حال تھا کہ وہ دلیل وغیرہ کچھ بیان نہ کر سکی صرف سیدھے سادے جواب دیدئے۔

قوله۔ لہا قدمت علی رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم علمت اموراً من امور الاسلام فكان فیما علمت، فرماتے ہیں جب میں حضور صلی اللہ علیہ وسلم کی خدمت میں حاضر ہوا مدینہ منورہ میں تو مجھے اسلامی باتیں سکھائی گئیں۔ پہلا لفظ علمت باب تفعیل سے مجہول کا صیغہ ہے اور دوسرے علمت میں دو احتمال ہیں ایک تو یہی کہ وہ باب تفعیل سے مجہول کا صیغہ ہے یا ثلاثی مجرّد سے ماضی معروف کا صیغہ علمت ہے

قوله۔ فقلت ما لکم تنظرون الی باعین مشنر انہ کیا ہوا تم کو کہ مجھ کو ترجیحی نگاہوں سے دیکھ رہے ہو جس کو گھورنا کہتے ہیں یعنی ناراضگی کا دیکھنا، مشنر شذر را کی جمع ہے قال دستبجوا یعنی ان صحابی کے نماز میں یرحک اللہ کہنے پر شروع میں تو صحابہ نے ان کو صرف گھور کر ہی دیکھا تھا اور پھر جب بعد میں ان صحابی نے زبان سے نماز میں بولنا شروع کر دیا اور صاف صاف کہہ دیا کہ تم مجھے کیوں گھور رہے ہو تو اس پر صحابہ کو بڑا تعجب ہوا اور تعجب میں بار بار انھوں نے سبحان اللہ پڑھا۔

باب التأمین وراء الامام

آمین کے بارے میں چند بحثیں ہیں اولاً وہ سینے اس کے بعد مشہور اختلافی مسئلہ آمین بالجہر والسر بیان کریں گے ۱۔ آمین قرآن کریم یا سورہ فاتحہ کا جزو ہے یا نہیں ۲۔ لفظ آمین کے لغوی معنی اور لفظی تحقیق ۳۔ نماز میں آمین کا حکم شرعی ۴۔ نماز میں آمین کہنا کس کے لئے ہے اور کس کیلئے نہیں ۵۔ آمین کا استحباب بالجہر ہے یا بالسر۔ بحث اول۔ اس پر مفسرین کا اتفاق ہے کہ لفظ آمین نہ خاص سورہ فاتحہ کا جزو ہے نہ مطلق قرآن کا اسی لئے قاعدہ یہ ہے کہ سورہ فاتحہ کے ختم پر معمولی سکتہ کے بعد مفضولاً اس کو پڑھا جائے تاکہ غیر قرآن کا قرآن سے خلط نہ ہو جائے بحث ثانی۔ اس میں لغات مختلف ہیں (۱) مشہور آمین ہے ہمزہ کے مد اور تخفیف میم کیساتھ (۲) آمین بغير ہمزہ اور تخفیف میم (۳) آمین ہمزہ کے مد اور تشدید میم کیساتھ آم یو تم سے اتم فاعل جمع کا صیغہ یعنی قاصدین، مطلب یہ ہو گا کہ اسے اللہ تم تیرا ہی قصد کرنے والے ہیں۔

لیکن واضح رہے کہ یہ قول جمہور کے خلاف شاذ اور مردود ہے بلکہ لکھا ہے کہ انہا من لحن العوام۔

آمین اسماء افعال میں سے ہے اور امر ہے بمعنی اسع واستجب، اور کہا گیا ہے کہ اس کے معنی فلیکن کذلک ہیں اور یہ بھی کہا گیا ہے (انہ اسم من اسماء اللہ تعالیٰ اور اس سے پہلے حرف نداء مقدر ہے یعنی یا آمین، لیکن یہ قول ضعیف ہے، اور کہا گیا ہے کہ یہ مُعَرَّب ہے فارسی لفظ، ہمیں امت کا۔

بحث ثالث۔ آمین کہنا عند الجہور مستحب یا سنت ہے اور عند الظاہریہ واجب اور روافض کے نزدیک بدعت اور مفسدہ صلوٰۃ ہے، ابن حزم ظاہری کے نزدیک امام کے حق میں سنت اور مقتدی کے حق میں فرض ہے۔

بحث رابع۔ ائمہ ثلاثہ کے نزدیک سورہ فاتحہ کے بعد نماز میں آمین کہنا امام اور منفرد اور مقتدی سب کے حق میں سنت ہے، امام مالک کی اس میں مختلف روایات ہیں ان کا مشہور قول یہ ہے کہ آمین غیر امام کے لئے ہے امام کے حق میں مشروع نہیں، اور ایک روایت ان سے یہ ہے کہ امام پر صرف ستری نماز میں ہے جہری میں نہیں تیسری روایت مثل جہور کے ہے۔

بحث خامس۔ حنفیہ کے نزدیک آمین مطلقاً المستحب ہے اور امام احمد مطلقاً جہر کے قائل ہیں، اور حضرت امام شافعی امام کے حق میں جہر کے قائل ہیں اور مقتدی کے حق میں ان سے دور روایتیں ہیں قول قدیم میں جہر ہے اور ان کے یہاں اسی پر فتویٰ ہے، اور قول جدید میں سر ہے، یہ سب اختلاف جہری نماز میں ہے اور ستری نماز میں آمین بالاتفاق سر ہے۔
۱۔ حدثنا محمد بن کثیر عن انا سفیان عن سلمۃ عن حجب عن ابی العنبر عن وائل بن حجر قال قال رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم اذا قرا ولا الضالین قال آمین ورفع بها صوته۔ وائل بن حجر کی اس حدیث سے شافعیہ وغیرہ اپنے مسلک پر استدلال کرتے ہیں۔

شافعیہ کا اہم استدلال ان حضرات کے پاس اس سلسلہ میں ایک اور حدیث ہے ابو ہریرہ کی جس کی تخریج دارقطنی اور حاکم نے کی ہے اور وہ انکی اہم دلیل ہے، اصل استدلال ان کا اسی سے ہے اسی لئے حافظ ابن حجر نے اپنی مشہور تصنیف بلوغ المرام میں اولاً اسی سے استدلال کیا ہے، اور امام بخاری نے اس سلسلہ میں ایک دوسری حدیث سے استدلال کیا ہے جو اس بارے میں غیر مرجح اور غیر واضح ہے بلکہ وہ محض ان کا ایک استنباط ہے، جو یہاں ابو داؤد میں بھی آ رہی ہے ہم وہیں پہنچ کر اس کو بتلائیں گے۔

حدیث وائل پر کلام | اب آپ باب کی پہلی حدیث حدیث وائل سے متعلق سنئے، ہماری طرف سے جواب میں کہا گیا ہے کہ یہ حدیث مضطرب ہے اس لئے کہ اس کو روایت کرنے والے دو ہیں، سفیان ثوری اور شعبہ بن الکجاج، دونوں ہی بڑے محدث اور امام ہیں، سفیان ثوری اس حدیث کو رفع بھا صوتہ کیساتھ اور ان کے معاصر وہم پلہ یعنی شعبہ اس کو خفض بھا صوتہ سے نقل کرتے ہیں، تعارض کی صورت میں ترجیح کا نمبر آیا وہ حضرات سفیان کی روایت کو ترجیح دیتے ہیں اور احناف اس کے برعکس شعبہ کی روایت کی ترجیح کے قائل ہیں۔

حدیث شعبہ پر امام بخاری کا نقد | حضرت امام بخاریؒ نے سفیان کی روایت کو ترجیح دیتے ہوئے مندرجہ ذیل اور ہماری طرف سے اسکا جواب وجوہ بیان فرمائیں جن کو امام ترمذیؒ نے سنن ترمذی میں نقل فرمایا ہے،

وحدیث سفیان اصح من حدیث شعبۃ واطلا شعبۃ فی مواضع من هذا الحدیث، اور پھر اس کے بعد امام شعبہ کی نشاندہی فرمائی۔

اول یہ کہ انھوں نے سند میں عن حجر بن العنسیٰ کہا حالانکہ صحیح حجر بن العنسیٰ ہے، اور فرمایا کہ حجر کی کنیت ابو العنسیٰ نہیں ہے بلکہ ان کی کنیت ابو السکن ہے مگر شعبہ نے ایک غلطی یہ کہ انھوں نے حجر بن العنسیٰ اور وائل کے درمیان علقمہ کا اضافہ کر دیا حالانکہ ایسا نہیں ہے بلکہ حجر بن العنسیٰ براہ راست وائل بن حجر سے روایت کرتے ہیں۔ مگر شعبہ نے خفص بن بھاصوۃ نقل کیا حالانکہ صحیح مذبہا صوۃ ہے، ہماری طرف سے ان میں سے ہر ایک بات کا جواب دیا گیا مگر یہ بات صحیح نہیں کہ صحیح حجر بن العنسیٰ ہے اور ابو العنسیٰ غلط ہے چنانچہ ابن حبان نے ان کی کنیت ابو العنسیٰ لکھی ہے، خود حافظ ابن حجر نے تہذیب التہذیب اور تقریب دونوں میں لکھی ہے اور یہ بات کہ ان کی کنیت ابو السکن ہے تو اس کا مقتضی یہ نہیں ہے کہ ان کی کنیت ابو العنسیٰ نہ ہو، دونوں ہو سکتی ہیں جیسے حضرت علیؓ کی دو کنیت ہیں ابو الحسن اور ابو تراب، نیز سنن ابو داؤد کے تمام نسخوں میں خود سفیان کی روایت میں عن حجر بن العنسیٰ واقع ہے جس طرح شعبہ کی روایت میں ہے۔

ایسے ہی علامہ شوق نیوی فرماتے ہیں کہ شعبہ ابو العنسیٰ کہنے میں متفرد نہیں ہیں بلکہ ان کی متابعت کی ہے محمد بن کثیر اور وکیع اور محارب بن نے، یہ سب رواۃ سفیان ثوری سے اسی طرح روایت کرتے ہیں کافی البیہقی والدارقطنی، اور محمد بن کثیر کی روایت تو خود یہاں ابو داؤد میں ہے جس کی طرف پہلے بھی اشارہ ہو چکا ہے۔

مگر اس کا جواب یہ ہے کہ یہ نقد درست نہیں بلکہ ہو سکتا ہے کہ حجر کی روایت دونوں سے ہو اور اوائل اس کو بواسطہ علقمہ روایت کرتے ہوں اور پھر علو سند حاصل ہو گیا ہو اور براہ راست وائل سے روایت کرنے لگے ہوں، علامہ شوق نیوی فرماتے ہیں کہ یہ روایت دونوں طرح سے بالواسطہ اور بلاواسطہ، سند احمد اور سند ابو داؤد طیارسی میں اس کی تصریح ہے، چنانچہ ان دونوں کتابوں میں اس طرح ہے۔ سمعت علقمہ یحدث عن وائل وسمعت وائلاً مگر یہ بات کہ شعبہ نے مذبہا صوۃ کے بجائے خفص بن بھاصوۃ غلطی سے نقل کر دیا بڑی عجیب ہے اسلئے

لے امام بخاری سے اس سلسلہ میں ایک یہ اشکال بھی منقول ہے کہ شعبہ کی سند میں علقمہ ہیں حالانکہ علقمہ کا سماع اپنے باپ وائل سے ثابت نہیں اسکا جواب ہماری طرف سے یہ دیا گیا ہے کہ یہ بات خلاف تحقیق ہے، تحقیقی بات یہ ہے کہ وائل کے دو بیٹے ہیں علقمہ اور عبد الجبار عبد الجبار سمجھوٹے ہیں ان کا سماع واقعی اپنے باپ سے ثابت نہیں، علقمہ بڑے ہیں ان کا سماع اپنے باپ سے ثابت ہے، امام ترمذیؒ نے کتاب الحمد و دیں مذکورہ بالا مضمون کی تصریح کی جو اسکی تفصیل ہمارے یہاں رفع یدین کی بحث میں گذر چکی۔ واللہ اعلم بالصواب۔

کہ یہ تو آپ کا بعینہ دعویٰ اور متنازع فیہ امر ہے عین مدعی کو وجہ ترجیح کیسے بنایا جاسکتا ہے، جس طرح آپ خفص بہا صؤتہ کو کہہ رہے ہیں آپ کا خضم دفع بہا صؤتہ کے بارے میں یہی کہہ سکتا ہے اور دلیل میں شعبہ کی روایت کو پیش کر سکتا ہے۔

یہی حضرت امام بخاری کی بیان کردہ وجہ ترجیح سب ختم ہو گئیں۔

دعویٰ البیهقی | حضرت شافعیہ نے سفیان کی روایت کی ایک وجہ ترجیح اور بیان کی وہ یہ کہ قال البیهقی لا اعلم خلافاً بین العلماء انہم قالوا ان سفیان وشعبہ اذا اختلفا فالقول قول سفیان، اور پھر اس کے بعد اس کے ثبوت میں انہوں نے یحییٰ بن سعید کا قول پیش کیا لیس احد احب الی من شعبہ ولا یعدلہ عندی احد واذا خالفہ سفیان اخذت بقول سفیان، اس پر ہماری طرف سے کہا گیا (کافی البذل) یہ تو صرف یحییٰ القطان کا قول اور ان کی رائے ہوئی اس سے اجماع کیسے ثابت ہو گیا۔

غرضیکہ فریقین نے ان دونوں میں سے ہر ایک کی فوقیت پر ائمہ حدیث کے اقوال پیش کئے۔

مشوق نیموی حنفی | علامہ شوق نیموی فرماتے ہیں کہ ان دونوں میں کسی ایک کی ترجیح دوسرے پر متفق علیہ نہیں ہے بلکہ دونوں طرح کے اقوال ائمہ فن کے ملتے ہیں، بعض سے شعبہ کی ترجیح معلوم ہوتی ہے سفیان پر اور بعض سے اس کے برعکس، وہ فرماتے ہیں کہ میرے ذہن میں روایت شعبہ کی ایک بڑی اچھی وجہ ترجیح ہے وہ یہ کہ سفیان ثوری اگرچہ ثقہ اور حجتہ ہیں لیکن بسا اوقات وہ تدلیس کرتے تھے قال الذہبی انہ دہبکان یدلس عن الضعفاء ولكن له نقد وذوق اور وہ اس کو عن کے ساتھ روایت کرتے ہیں اور شعبہ کی عادت مطلقاً تدلیس کی نہ تھی لاعن الثقات ولا عن الضعاف اور اس کے باوجود وہ لفظ اخبار کے ساتھ روایت کر رہے ہیں۔

حافظ ابن القیم کی بیان کردہ وجہ ترجیح | اسی طرح حافظ ابن قیم نے اعلام الموقعین میں روایت سفیان کی وجہ ترجیح ایک یہ بیان کی ہے کہ علاء بن صالح اور محمد بن سلمہ بن کھیل

ان دونوں نے ان کی متابعت کی ہے، اس کا جواب یہ ہے کہ علاء بن صالح ثقات میں سے نہیں ہیں تقریباً التذیب میں لکھا ہے صدوق لا اوہام وقال الذہبی فی المیزان قال ابو حاتم کان من عنق الشیعة وقال ابن المدینی روی احادیث مناکیر، ایسے ہی محمد بن سلمہ بھی ضعیف ہیں لہذا یہ متابعت مفید نہیں۔

حضرت بڈل میں فرماتے ہیں کہ اگر کوئی شخص سفیان کی متابعت میں علی بن صالح کو پیش کرے جیسا کہ اس باب کی حدیث ثانی میں آ رہا ہے تو اس کا جواب یہ ہے کہ علی بن صالح تو واقعی ثقہ ہیں لیکن صحیح اس سند میں علاء بن صالح ہے جیسا کہ دوسری کتب حدیث سنن ترمذی ومصنف ابن ابی شیبہ سے معلوم ہوتا ہے بلکہ حافظ نے تصریح کی ہے اس بات کی کہ ابو داؤد کی روایت وہم ہے اور علاء کے بارے میں ابھی گزر رہا ہے کہ وہ ضعیف ہیں۔

شافعیہ کی ایک دلیل

ان حضرات نے اپنے مذہب کی تائید میں اور بھی بعض احادیث پیش کی ہیں مثلاً حدیث ابو ہریرہ جس کو روایت کیا ہے دارقطنی اور حاکم نے کان النبی صلی اللہ علیہ وسلم اذا فرغ من قراءۃ ام القرآن رفع صوته وقال امین، حاکم کہتے ہیں یہ حدیث صحیح اور علی شرط الشیخین ہے اور یہ وہی حدیث ہے جس کی طرف اشارہ ہمارے یہاں باب کے شروع میں آپکا اور یہ کہ یہ ان کا اہم مسئلہ ہے چنانچہ سبل السلام شرح بلوغ المرام میں امیر مامی (اہل حدیث) فرماتے ہیں کہ والحدیث عجبت بینۃ للشافعیۃ اس کا جواب ہماری طرف سے آثار السنن میں علامہ شوق نیومی نے یہ دیا ہے کہ حافظ ابن القیم کو حاکم کی تصحیح سے دھوکا ہو گیا چنانچہ وہ اعلام الموقعین میں فرماتے ہیں رواہ الحاکم باسناد صحیح، حالانکہ اس حدیث کی سند میں اسحاق بن ابراہیم جن کو اسحاق بن زبریق بھی کہا جاتا ہے یہ نہایت ضعیف ہیں ضعیف جدا صحاح ستہ کے مصنفین میں سے کسی نے بھی ان سے روایت نہیں لی وضعفہ النسائی و ابو داؤد و کذبہ محمد بن عوف الطائی وقال الحافظ فی التقریب صدوق یہم کثیرا۔

آپ کو اس روایت کا حال معلوم ہو گیا جبکہ حافظ ابن حجر نے بلوغ المرام میں اس مسئلہ میں صرف ایک یہ حدیث اور دوسری وائل بن حجر کی حدیث ذکر کی ہیں۔

حتی یسمع من یلیہ من الصف الاول، کا جواب

حضرات شافعیہ اس سلسلہ میں ایک اور حدیث سے استدلال کرتے ہیں ابن عم ابی ہریرہ کی حدیث جو اس کتاب میں آگے آ رہی ہے اور ابن ماجہ میں بھی ہے جس کے لفظ یہ ہیں کان رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم اذا تلا غیر المفضوب علیہم ولا الضالین قال امین حتی یسمع من یلیہ من الصف الاول، اور ابن ماجہ کی روایت میں فی رجب بہا المسجد کی بھی زیادتی ہے۔

ہماری طرف سے اس کا جواب یہ ہے کہ یہ حدیث ضعیف ہے کیونکہ اس کی سند میں بشر بن رافع ہے جس کی امام بخاری یحییٰ بن معین اور امام نسائی نے تضعیف کی ہے، اور ابن حبان تو یہ فرماتے ہیں کہ یہ شخص احادیث موضوعہ کو روایت کرتا ہے اس کے علاوہ ایک اور بھی بات ہے وہ یہ کہ یہ حدیث آپ کے حق میں مفید مدعی نہیں ہے اس لئے کہ اس حدیث سے تو یہ سمجھ میں آ رہا ہے کہ آپ کی آئین کو صف اول کے مقتدیوں میں سے چند لوگ جو آپ کے قریب ہوتے تھے وہ سن لیتے تھے، اس سے تو جہر کا ثبوت نہیں ہوتا، اور یہ مطلب اس لئے ہے کہ من الصف الاول میں من تبعیضہ ہے بیانہ نہیں اور یہ من بیانہ ہو بھی نہیں سکتا کہ تمام صف اول والے سن لیتے تھے اس لئے کہ اس مطلب پر یہ عقلی اشکال ہو گا کہ یہ کیا بات ہے کہ صف اول والے تو سارے کے سارے ادھر سے ادھر تک سن لیتے تھے اور صف ثانی اور ثالث کے وہ نمازی بھی نہیں سن پاتے تھے جو امام کی محاذات میں ہوتے تھے حالانکہ ان کا فاصلہ امام سے بنسبت

بہت سے صف اول والوں سے کہے۔

حضرت امام بخاری کے استدلالات

امام بخاریؒ نے ہمارے یہاں باب کی جو چوتھی حدیث ہے عن ابی ہریرۃؓ ان النبی صلی اللہ علیہ وسلم قال اذا قال الامام غیب

المغضوب علیہم ولا الضالین فقولوا امین، اس حدیث سے مقتدی کی آئین بالجہر پر استدلال فرمایا ہے وہ اس طور پر کہ آپ صلی اللہ علیہ وسلم فرما رہے ہیں کہ جب امام فاتحہ پوری کر لے تو مقتدیوں کو چاہئے کہ وہ آمین کہیں، امام بخاریؒ کے ذہن میں یہ ہے کہ قول کے متبادر معنی قول بالجہر کے ہیں یعنی زور سے کہی جائے حالانکہ یہ بس ایسی ہی بات ہے اسی طرح حضرت امام بخاریؒ نے اس باب کی پانچویں حدیث سے جس کے الفاظ یہ ہیں عن ابی ہریرۃؓ ان رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم قال اذا اتمن الامام فامتنوا، اس سے انھوں نے امام کی آئین بالجہر پر استدلال فرمایا ہے اس لئے کہ مقتدیوں کو امام کے آمین کہنے کا علم اسی وقت ہو سکتا ہے جب کہ وہ جہراً کہے لیکن یہ بات بھی کوئی زیادہ صاف اور صریح نہیں کیونکہ اس کے معنی یہ بھی ہو سکتے ہیں کہ جب امام آمین کے مقام پر پہنچے تو تم بھی آمین کہو اور یہ معلوم ہی ہے پہلے سے کہ آمین کا مقام ختم فاتحہ پر ہے۔

حنفیہ کے دلائل

دلیل اول۔ قال تعالیٰ اذعوا ربکم تضرعاً وخفیۃ، آمین بھی دعلبے لہذا وہ بھی خفیۃ ہوئی چاہئے۔ دلیل ثانی۔ وائل بن حجر کی حدیث بطریق شعبہ جو مسند احمد ترمذی اور مسند ابوداؤد طحاوی میں موجود ہے اور یہ پہلے گذر ہی چکا کہ روایت شعبہ ہمارے نزدیک سفیان کی روایت پر رائج ہے۔

دلیل ثالث۔ حدیث ابوہریرہؓ یعنی باب کی چوتھی حدیث جو بخاری شریف میں بھی موجود ہے، اذا قال الامام غیب المغضوب علیہم ولا الضالین فقولوا امین، اس حدیث سے معلوم ہو رہا ہے کہ امام آمین سرّاً کہتا ہے اس لئے کہ اگر یہ تسلیم کر لیا جائے کہ امام آمین بالجہر کہتا ہے تو اس کا تقاضا یہ تھا کہ مقتدی کی آئین کو امام کی آئین پر مرتب کیا جاتا نہ کہ سورۃ فاتحہ کی آخری آیت پر، آخری آیت پر اسی لئے معلق کیا گیا ہے کہ جہراً وہی پڑھی جاتی ہے، اور اگر کوئی شخص یہ کہے کہ اس باب کی پانچویں حدیث میں اذا اتمن الامام فامتنوا وارد ہے، تو ہم کہیں گے کہ اس کی توجیہ تو ممکن ہے جو پہلے گذر چکی۔ لیکن آپ بتائیے کہ اگر امام کا آمین کہنا جہراً مانا جائے تو اس اوپر والی روایت جس میں مقتدی کی آئین کو غیب المغضوب علیہم ولا الضالین پر معلق کیا گیا ہے کیا توجیہ ہوگی؟

دلیل رابع۔ سمرۃ بن جندب کی حدیث یعنی حدیث السکتین جس پر کلام ہمارے یہاں اپنے مقام پر گذر چکا، یہ حدیث اس بات پر دال ہے کہ امام آمین سرّاً کہتا ہے اس لئے کہ مضمون حدیث یہ ہے کہ آپ صلی اللہ علیہ وسلم کی نماز میں دو سکتے ہوتے تھے ایک افتتاح صلوۃ کی وقت یہ سکتہ تو شمار پڑھنے کے لئے تھا اور دوسرا سکتہ غیر المغضوب

علیہم ولا الضالین پر، سکتے آئین کے لئے تھا، اور اگر یہ سکتہ امام کا آئین کے لئے نہ مانا جائے بلکہ کسی اور مقصد کے لئے ہو اور یہ کہا جائے کہ امام کو آئین بالجہر کہنی ہے اس سکتہ کے بعد، تو تقدم المقعدی علی الامام فی التاین لازم آئیگا اسلئے کہ اس حدیث ابو ہریرہ میں جو اوپر گزری اس بات کی تصریح ہے کہ جب امام غیر المغضوب علیہم ولا الضالین پڑھ چکے تو تم آئین کہو، تو جب مقتدی کی تاین سورہ فاتحہ کے ختم پر سکتہ امام کی وقت میں ہو جائے گی اور بقول آپ کے امام سکتہ کے بعد آئین کہے گا تو اس صورت میں تقدم علی الامام کا پایا جانا ظاہر ہے جو بالاتفاق ممنوع ہے۔

حضرت سہارنپوری کی رائے | باب کی پہلی حدیث یعنی وائل بن حجر کی حدیث جس کے ایک طریق میں رفع بہا صوته اور دوسرے طریق میں خفض بہا صوته مذکور ہے، اس پر تفصیلی کلام شروع میں گذر چکا، وہ حضرات طریق سفیان کو اور احناف طریق شعبہ کو ترجیح دیتے ہیں، حضرت سہارنپوری کی رائے بذل الجہود میں یہ ہے کہ دونوں حدیثیں اپنی اپنی جگہ صحیح ہیں کسی ایک کو دوسرے پر کوئی ترجیح نہیں، اور بہر حال ان میں بظاہر تعارض ہے، اس لئے رفع تعارض کی شکل یہ ہے کہ یوں کہا جائے کہ آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے گاہے آئین بالجہر کہا ہے تعلیم امت کے لئے اور یہ مطلب نہیں کہ آپ ہمیشہ اس کو بالجہر کہتے تھے اس لئے کہ آئین دعا ہے اور اصل دعا میں اخفا ہے، قرینہ اس پر اکابر صحابہ کا عمل ہے جیسے حضرت عمر و علی رضی اللہ تعالیٰ عنہما، چنانچہ علامہ عینی نے حضرت عمر علی کے بارے میں بروایت طبرانی فی تہذیب الآثار نقل کیا ہے لم یکن عمرو علی رضی اللہ عنہما یجہران بسم اللہ الرحمن الرحیم ولا یامین اور اسی طرح امام طحاوی نے بھی اس کی تخریج کی ہے، اور ایسے ہی عبد اللہ بن مسعود سے بھی عدم الجہر مروی ہے اور علامہ شوق نیوی نے رفع تعارض کی ایک اور صورت اختیار فرمائی ہے، وہ یہ کہ رفع سے مراد رفع یسیر لیا جائے (معمولی سا جہر) اور خفض سے مراد خفض غیر شدید یعنی کسی قدر آہستہ، لہذا اب دونوں میں کوئی تعارض نہیں رہا اور مطلب یہ ہے کہ آپ صلی اللہ علیہ وسلم نماز میں آئین نہ زیادہ زور سے کہتے تھے اور نہ بالکل ہی آہستہ بلکہ اس طرح کہ صرف صف اول کے بعض قریب میں کھڑے ہوئیوالے سن سکیں، کما جار فی حدیث ابن عمر ابی ہریرہ حتی یسمن یلیہ من الصف الاول۔

امام بیہقی کا ایک نقد | امام بیہقی سنن کبریٰ میں فرماتے ہیں کہ یہ حدیث یعنی حدیث وائل خود شعبہ سے اسی طرح مروی ہے

لے اصرار کرتا ہے کہ اگر مقصود مطلقاً اس سلسلہ کی روایات متعارضہ کے درمیان جمع کرنا ہو تا تب تو یہ تقریر بہت مناسب تھی لیکن ایسا نہیں بلکہ یہاں مقصود روایت سفیان و روایت شعبہ کے درمیان تطبیق دینا ہے تو اس میں اشکال ہے اس لئے کہ یہ دو مستقل حدیثیں نہیں ہیں بلکہ ایک ہی حدیث کے دو مختلف طریق ہیں، پس جب مخرج حدیث واحد ہے اور اس کا راوی صحابی بھی ایک ہے تو پھر اس کو الگ الگ دو قتل پر محمول کرنا مشکل ہے ۱۲ منہ۔

جس طرح سفیان روایت کرتے ہیں یعنی بجائے خَفَضَ بھا صَوْتَهُ کے رفع بھا صَوْتَهُ، اس کا جواب بذل الجہود میں یہ لکھا ہے کہ شعبہ کی یہ روایت روایتِ شاذہ ہے بعض رواۃ نے شعبہ سے اس طرح روایت کیا ہے لیکن وہ اس میں مستفرد ہیں، اس کے علاوہ شعبہ کے تمام تلامذہ راہِ صحاب نے خَفَضَ بھا صَوْتَهُ ہی روایت کیا ہے۔ وھذا اخروما اردنا ذکرہ فی ھذا المبحث۔ واللہ الموفق۔

اس باب میں مصنف نے سات احادیث کی تخریج کی ہے جن میں سے اب تک پانچ احادیث پر کلام گزر چکا۔

۶۔ حَدَّثَنَا اسحاق بن ابراہیم الخ قَوْلُهُ - عَنْ بِلَالٍ اَنَّهُ قَالَ يَارَسُوْلَ اللّٰهِ لَا تَسْبِقْنِيْ بِاَمْنَيْنِ۔

شرح حدیث

مطلب بظاہر حدیث کا یہ ہے کہ حضرت بلالؓ نماز میں امام کے پیچھے قرأت کرتے ہوں گے، کچھ حصہ اس کا سکتہ اولیٰ میں جو دعاءِ استفتاح کے لئے ہوتا ہے، یا امام کی قرأت کے سکنت کے درمیان کر لیتے ہوں گے اور جو حصہ باقی رہ جاتا تھا اس کے بارے میں آپ صلی اللہ علیہ وسلم سے عرض کر رہے ہیں کہ آپ قرأت فاتحہ سے فارغ ہونے کے بعد آمین کہنے میں جلدی نہ کیا کریں تھوڑی دیر معمولی سا توقف کر لیا کریں تاکہ میں فاتحہ کا باقی حصہ پڑھ کر پھر آپ کے ساتھ آمین میں شریک ہو جاؤں اور موافقتِ ایام فی التأمین کی فضیلت حاصل ہو جائے۔ مذکورہ بالا حدیث فاتحہ خلف الامام سے متعلق ہے مگر چونکہ اس میں آمین کا بھی ذکر ہے اس لئے مصنف اسکو یہاں لائے ہیں، اس حدیث سے بھی ظاہری اور سطحی طور پر آمین بالجہر کا ثبوت ہو رہا ہے لیکن تحقیقی اور یقینی طور پر نہیں۔

تحقیق روایت

دوسری بات یہ ہے کہ اس حدیث پر محدثین کو کلام ہے البواہم فرماتے ہیں دفعۃً خطاً“ ابن ابی شیبہ کی روایت سے معلوم ہوتا ہے کہ یہ جملہ لا تسبقنی بآمین حضرت ابو ہریرہؓ کا ہے جبکہ وہ مؤذن تھے بحرین میں، اور یہ بات انہوں نے اپنی مسجد کے امام غلاب بن الحضری سے کہی تھی، اور بیہقی کی روایت سے یہ معلوم ہوتا ہے کہ ابو ہریرہؓ کا یہ خطاب مروان کے ساتھ تھا ابو ہریرہؓ اس کے مؤذن تھے، نیز واضح رہے کہ ابن ابی شیبہ والی روایت کو امام بخاریؒ نے بھی تعلیقاً ذکر فرمایا ہے، ہمارے اس بیان سے یہ ثابت ہو گیا کہ یہ حدیث موقوف علی ابی ہریرہؓ ہے اور اس کا تعلق حضرت بلالؓ اور حضور صلی اللہ علیہ وسلم سے کچھ نہیں، نیز یہ روایت منقطع بھی ہے ابو عثمان کا سماع بلال سے ثابت نہیں، نیز میں کہتا ہوں کہ اس طرح کا خطاب حضور صلی اللہ علیہ وسلم کے ساتھ مناسب بھی نہیں خلافتِ ادب محسوس ہوتا ہے۔

۷۔ حَدَّثَنَا الولید بن عتبۃ..... عن صبیح بن محرز الحمصی۔ صبح ضم صاد اور فتح صاد یعنی

مُسَفَّرٌ وَ مَكْبَرٌ دُونِ طَرَحٍ مَّنْقُولٍ ہے۔

حدیثی البومصباح المقرئ: بعض نسخوں میں اسطر ہے یعنی راہ کے بعد ہمزہ و یا ر بعض نسخوں میں المقرئ

لفظ المقرئ کی تحقیق

بروزن المعنی بغیر ہمزہ کے، اور بعض نسخوں میں المقرئ راء اور ہمزہ کے درمیان الف کے ساتھ،

ایک اختلاف تو یہ ہوا کہ یہ لفظ ممدود ہے یا مقصور، دوسرا اختلاف یہ ہے کہ اس کو نم میم اور فتح میم دونوں طرح سے ضبط کیا ہے (اس تحقیق کا تعلق تو ضبط کلمہ سے تھا، آگے اس نسبت کے بارے میں سنئے) بعض علماء کہتے ہیں کہ یہ نسبت مُقَرَّا کی طرف ہے جو دمشق میں ایک قریہ ہے اس صورت میں میم مفتوح ہوگا، اور بعض کہتے ہیں کہ یہ نسبت مُقَرَّا بروزن مکرم کی طرف ہے جو یمن میں ایک شہر ہے جس میں عقیق کی کان ہے وہاں کے محدثین المُقَرَّیون کہلاتے ہیں، اس سب سے معلوم ہوا کہ یہ القراءت سے ماخوذ نہیں جیسے کہتے ہیں القارئ المُقَرَّی،

قوله - فاذا دعا الرجل منابذ عاء قال اختمه بأمين فان اامين مثل الطابع على الصعيفة - مضمون حدیث یہ ہے کہ البوزہیر جو کہ صحابہ میں سے ہیں وہ ہمیں اچھی اچھی حدیثیں سنایا کرتے تھے یا اچھی اچھی باتیں کیا کرتے تھے ان کی عادت یہ تھی کہ جب ہم میں سے کوئی دعا مانگتا تھا تو وہ اس سے فرماتے تھے کہ ایسی اس دعا کو آمین پر ختم کر (یا ترجمہ اس طرح کیجئے) اس پر آمین کی مہر لگا دے اس لئے کہ آمین مثل مہر کے ہے جو کسی کتاب یا تحریر پر لگائی جاتی ہے۔

باب التصفیق فی الصلوة

۱- حدثنا قتیبہ بن سعید الخ - قوله - التبیح للرجال والتصفیق للنساء - یعنی اگر امام کو نماز میں کوئی سہو پیش آئے تو اگر پیچھے مرد ہے تو وہ سبحان اللہ کے ذریعہ امام کو تنبیہ کرے اور اگر مقتدی عورت ہے تو وہ تالی بجائے جمہور علماء ائمہ ثلاث کا یہی مذہب ہے اس مسئلہ میں امام مالک کا اختلاف مشہور ہے، وہ فرماتے ہیں کہ لقمہ دینے والا مرد ہو یا عورت دونوں کیلئے تسبیح مشروع ہے وہ کہتے ہیں کہ حدیث کا مطلب وہ نہیں جو جمہور کہتے ہیں بلکہ مطلب یہ ہے کہ تسبیح مردانہ فعل ہے اور تصفیق یعنی تالی بجانا یہ زنانہ فعل ہے، ای تصفیق خارج الصلوة من شان النساء یعنی آپ صلی اللہ علیہ وسلم نیکرو مذمت کے طور پر فرما رہے ہیں، اور جمہور کے مطلب کی تائید اس حدیث سے ہوتی ہے جس کے لفظ یہ ہیں جو اگلی حدیث میں آ رہے ہیں اذا ناکم شیء فی الصلوة فلیسبح الرجال ویصفح النساء، اور تسبیح کا طریقہ جو آگے کتاب میں بھی مذکور ہے یہ ہے کہ ذائیں ہاتھ کی دو انگلیوں کو بائیں ہاتھ کی پھٹی پر مارا جائے اور دوسرا قول یہ ہے کہ اھد الکفین کی پشت کو بطنِ آخری پر مارے اور وہ تصفیق جو مذموم ہے وہ یہ ہے کہ اھد الکفین کے بطن کو بطنِ آخری پر مارا جائے جس کی وجہ سے آواز زور سے پیدا ہوتی ہے یہ لبو ولعب کے قبیل سے ہے اور یہ پہلی تصفیق وہ تنبیہ کے لئے ہے۔

۲- حدثنا القعنبنی الخ - قوله - ان رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم ذہب الی بنی عمرو بن لیسلم

بینہم الخ۔

مضمون حدیث

ایک مرتبہ قبیلہ بنو عمر بن خوف جو انصار کا ایک قبیلہ تھا اور قبا میں آیا تھا اتفاق سے ان میں آپس میں لڑائی ہو گئی تو آپ صلی اللہ علیہ وسلم ان کے درمیان مصالحت کرانے کے لئے ظہر پڑھا کر تشریف لے گئے اور جاتے وقت آپ نے حضرت بلالؓ سے فرمایا کہ اگر میری واپسی عصر تک نہ ہوئی تو البو بکر سے نماز پڑھوا لینا، چنانچہ عصر کی نماز کا وقت آگیا اور حضور صلی اللہ علیہ وسلم کی واپسی اس وقت تک نہ ہوئی اس لئے صدیق اکبر نے مسجد میں نماز شروع کرادی ابھی پہلی ہی رکعت تھی کہ آپ تشریف لے آئے اور صفوں کو چیرتے ہوئے اگلی صف میں پہنچ کر شامل ہو گئے، لوگوں نے صدیق اکبرؓ کو متوجہ کر نیکے لئے تصفیق کی، جب لوگوں نے زیادہ تصفیق کی تب وہ متوجہ ہوئے اور محسوس کر لیا کہ حضور صلی اللہ علیہ وسلم تشریف لے آئے ہیں اس پر انہوں نے پیچھے لوٹنے کا ارادہ کیا تاکہ آپ نماز پڑھائیں تو آپ نے ان کو اشارہ سے منع کیا (جب صدیق اکبرؓ نے یہ دیکھا کہ حضور میرے پیچھے نماز پڑھنے کے لئے تیار ہیں تو انہوں نے اس پر اللہ کا شکر ادا کرنے کے لئے) دونوں ہاتھ اٹھا کر (جس طرح دعائیں اٹھاتے ہیں) اللہ کی حمد و ثناء کی لیکن ان سے وہاں رہا نہیں گیا حتیٰ کہ پیچھے آکر صف میں کھڑے ہو گئے اور حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے امام کی جگہ مصلیٰ پر پہنچ کر نماز پڑھائی۔

نماز کی حالت میں اختلاف امام کب جائز ہے

اس حدیث میں ایک اختلافی مسئلہ ہے وہ یہ کہ ایک نماز کو ایک امام پڑھانا شروع کرے اور پھر وہ درمیان میں خود پیچھے ہٹ کر دوسرے شخص کو نماز پڑھانے کے لئے آگے بڑھا دے، ایسا کرنا شافعیہ اور مالکیہ کے یہاں تو جائز ہے، لہٰذا نے شافعیہ کا قول صحیح اور صاحب منہل نے مالکیہ کا یہی لکھا ہے اور حنفیہ کے نزدیک جیسا کہ بذیل میں درمختار سے نقل کیا ہے بلا مجبوری کے اختلاف جائز نہیں ہاں اگر امام اول قرارت کی مقدار مفروض نہ کر سکے کسی وجہ سے اس کو حصر واقع ہو جائے تب دوسرا شخص نماز پڑھا سکتا ہے ورنہ نہیں، ہمارے علماء اس قصہ کی توجیہ یہی کرتے ہیں کہ یہاں صدیق اکبرؓ پر حضور صلی اللہ علیہ وسلم کی تشریف آوری کی وجہ سے حصر واقع ہو گیا تھا، واللہ تعالیٰ اعلم۔

فائدہ۔ اسی قسم کا ایک قصہ کتاب الطہارت میں مسیح علیٰ الخفین کے باب میں گذر چکا وہاں پر پہلے سے نماز پڑھانے والے حضرت عبدالرحمن بن عوف تھے، دونوں میں فرق یہ ہے جیسا کہ وہاں گذر چکا کہ حضرت عبدالرحمن بن عوف نے بھی حضور صلی اللہ علیہ وسلم کی تشریف آوری پر پیچھے ہٹنا چاہا تھا لیکن آپ کے اشارہ پر وہی نماز پڑھاتے رہے اور یہاں اس قصہ میں صدیق اکبرؓ پیچھے ہٹ گئے تھے، اس پر کلام وہاں گذر چکا۔

باب الإشارة فی الصلوٰۃ

قولہ۔ عن انس بن مالک ان النبی صلی اللہ علیہ وسلم کان یشیر فی الصلوٰۃ۔

شرح چہار

اس میں دو احتمال ہیں ایک یہ کہ اشارہ سے مراد اشارہ بالستبابہ ہو جو تشہد میں ہوتا ہے لیکن چونکہ تشہد اور اس کے متعلقات کے ابواب تو آگے آ رہے ہیں اس لئے مصنف کی مراد یہ نہیں ہو سکتی لہذا یہاں اشارہ سے مراد اشارہ لاجل الحاجۃ ہے جیسے سلام کے جواب میں اشارہ کرنا یا کوئی اور بات سمجھانے کے لئے۔

لیکن رد السلام کے لئے اشارہ کا باب پہلے گزر چکا اس لئے دوسرا احتمال ہی مراد ہے، ہمارے فقہار نے تصریح کی ہے کہ اگر کوئی شخص نماز کے ساتھ بات کر کے اس کو کچھ سمجھانا چاہے تو جائز ہے اور نمازی خود اس کا جواب ہاتھ یا سر کے اشارہ سے دے سکتا ہے لیکن رد السلام بالاسرارہ کو ہمارے فقہار نے مکبر وہ لکھا ہے کہ تقدم فی باب۔

قولہ من اشار فی صلوٰۃ اشارۃ ففہم عند فلیعد لہا، حدیث کا یہ جملہ حدیث سابق کے خلاف ہے کیونکہ اس سے معلوم ہو رہا ہے کہ اگر کوئی شخص نماز میں اشارۃ کوئی بات دوسرے کو سمجھا دے تو اس کو نماز کا اعادہ کرنا چاہیے، اس لئے مصنف فرما رہے ہیں قال ابوداود و ہذا الحدیث وہم دارقطنی اور بیہقی نے بھی اس زیادتی کو غیر صحیح قرار دیا ہے اور یہ کہ ہو سکتا ہے کہ یہ ابن اسحاق راوی کا قول ہو، نیز اس حدیث کی سند میں ابو غطفان ہے کہا گیا ہے کہ وہ رجل مجہول ہے لیکن یہ صحیح نہیں ہے ابو غطفان جس کا نام ابو طریف ہے ثقہ راوی ہیں۔ اور یا اس حدیث کی یہ توجیہ کی جائے کہ اس میں اعادۃ صلوٰۃ کا امر بطریق استحباب ہے نہ بطریق وجوب فلیعد لہا اس میں لام زائد ہر اور ضمیر راجع ہے صلوٰۃ کی طرف یعنی فلیعد الصلوٰۃ، یا لام الی کے معنی میں ہے اور فلیعد عود سے ہے ای فلیعد الی الصلوٰۃ، چاہئے کہ نماز کی طرف لوٹے۔

باب فی مسح الحصى فی الصلوٰۃ

مضمون حدیث یہ ہے کہ جب آدمی نماز شروع کرتا ہے تو نماز کی حالت میں اللہ تعالیٰ کی رحمت اس کی طرف متوجہ ہوتی ہے لہذا اس رحمت کو حاصل کرنے کے لئے نمازی کو بھی اسی کی طرف متوجہ رہنا چاہیے کسی ایسی چیز میں نہیں لگنا چاہیے جس کی وجہ سے نماز سے توجہ ہٹ جائے مثلاً سجدہ میں جاتے وقت سجدہ کی جگہ سے مٹی یا کنکری نہیں ہٹانی چاہیے، حدیث میں کنکری کا ذکر ہے کیونکہ اس زمانہ میں مسجد نبوی میں کنکریاں ہی بچھی ہوئی تھیں۔

جہور علماء کے نزدیک مسح الحصى نماز میں مکروہ ہے اور ظاہر ہے کہ نزدیک حرام ہے مگر ایک مرتبہ ہٹانے کی اجازت حدیث میں مذکور ہے بعض نے اس ممانعت کی حکمت یہ لکھی ہے کہ یہ تو اضع کے منافی ہے اور بعض یہ کہتے ہیں کہ اس کی مصلحت یہ ہے تاکہ کنکری سجدہ سے محروم نہ ہو اس لئے کہ ہر کنکری یہ چاہتی ہے کہ نمازی اس پر سجدہ کرے جیسا کہ مصنف ابن ابی شیبہ کی ایک روایت مکتوبہ میں ہے۔

قوله۔ فان كنت لابد فاعلا فواحدة تسوية الحمى، یہ آخری لفظ کسی راوی کی جانب سے مسح الحمی کی تفسیر ہے، ترکیب میں بظاہر یہ مبتدأ مخذوف کی خبر ہے تقدیر عبارت یہ ہے وهو (ای المسح) تسوية الحمى، کہ مسح سے مراد تسوية الحمى ہے۔

بَابُ الرَّجُلِ يَصَلِّي مُخْتَصِرًا

یہ باب مکرر ہے اس سے دس بارہ باب پہلے باب فی التخصیر گذر چکا، لیکن وہاں مصنف نے ایک دوسری حدیث ذکر فرمائی تھی جو یہاں مذکور نہیں اس کو دیکھ لیا جائے وہاں پر گزرا ہے، آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے صَلَّبَ فی الصَّلَاةِ سے منع فرمایا ہے،

قوله۔ نہی رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم عن الاختصار فی الصَّلَاةِ، اور بخاری شریف کی روایت میں ہے نہی عن التخصیر فی الصَّلَاةِ، اختصار اور تخصیر کی تفسیر میں متعدد اقوال ہیں اور اس کا حکم اور حکمت منع ان سب چیزوں کا بیان پہلی جگہ گذر چکا ہے۔

بَابُ الرَّجُلِ يَعْتَمِدُ فِي الصَّلَاةِ عَلَى عَصَا

قوله۔ عن هلال بن يساف قال قدمت الرقّة الخ۔

شرح حدیث مضمون حدیث یہ ہے کہ میں مقام رَقَّة (ایک جگہ کا نام ہے) پہنچا تو مجھ سے میرے بعض ساتھیوں نے کہا (زیاد بن ابی الجعد، کما فی سند احمد) کیا آپ کو ایک صحابی سے ملاقات کی رغبت ہے، مطلب یہ تھا کہ یہاں اس شہر میں ایک صحابی کا قیام ہے اگر آپ ملنا چاہیں تو چلیے، قَالَ كُنْتُ غَنِيمةً، میں نے کہا یہ ملاقات بڑی نعمت اور غنیمت ہے وہ کہتے ہیں کہ پھر ہم گئے والباقی بن معبد کی خدمت میں قلت لصاحبی نبدا فنتظر الی دله، ہلال بن یساف کہتے ہیں کہ میں نے اپنے ساتھی سے کہا اب ہم جاتے ہی سب سے پہلے یہ کام کریں گے کہ ان صحابی کا حال علیہ دیکھیں گے فاذا علیہ قلنسوة لا طیبة ذات اذنین، ہم نے جا کر دیکھا کہ ان کے سر پر ایسی ٹوپی ہے جو سر سے ٹی ہوئی ہے، یعنی اونچی نہیں تھی اور وہ ٹوپی دوکانوں والی تھی (جیسی ہمارے اطراف میں بعض لوگ سردی کے زمانہ میں کانوں کی حفاظت کے لئے اوڑھتے ہیں) اور ایک اونچی جبہ مٹیالے رنگ کا پہنے ہوئے تھے خراس کپڑے کو کہتے ہیں جواون اور ریشم سے بنا جاکے یعنی مخلوط نہ خالص ریشمی اور نہ خالص اُونی، اور اس کا اطلاق خالص ریشمی کپڑے پر بھی ہوتا ہے، واذا هو معتمد علی عصا فی صلوة، یعنی جب ہم وہاں پہنچے تو دیکھا کہ وہ ایسی ٹوپی اور ایسا جبہ پہنے ہوئے تھے اور اس وقت میں وہ لکڑی کے مہارے سے کھڑے ہوئے نماز پڑھ رہے تھے، مسئلہ یہ ہے کہ اعتماد فی الصلوة نفل میں

مطلقاً جائز ہے اور فرض میں بغیر عذر کے مکروہ ہے۔

معذور کیلئے قیام فی الصلوة کا مسئلہ | یہاں پر بذل الجہود میں یہ مسئلہ لکھا ہے کہ جو معذور یا ضعیف شخص ساقط نہیں ہوتا بلکہ سہارے سے قائماً نماز پڑھنا ضروری ہے سہارا چاہے کسی انسان کا ہو یا کسی لکڑی وغیرہ کا، قاعدہ پڑھنا جائز نہیں حتیٰ کہ اگر کوئی شخص پورے قیام پر قادر نہ ہو تو جتنی دیر بھی قیام کر سکے قیام کرنا واجب ہے اور پھر چاہے بیٹھ جائے، طحاوی میں لکھا ہے کہ خصوصاً صاحبین کے مسلک پر، یہ قیام اس لئے ضروری ہے کہ وہ قادر بقدرۃ الیفر کو قادر قرار دیتے ہیں، اور منہل سے معلوم ہوتا ہے کہ یہ مذکورہ بالا مستنداً قیام حنفیہ وحنابلہ اور شافعیہ کی ایک جماعت کے نزدیک بھی واجب ہے البتہ مالکیہ کا اس میں اختلاف ہے وہ ایسی صورت میں وجوب قیام کے قائل نہیں، بذل میں حضرت گنگوہی کی تقریر سے بھی وہی نقل کیا ہے جو اوپر فقہار سے نقل کیا گیا کہ حتی المقدور قیام ضروری ہے۔ خود حضرت گنگوہی قدس سرہ کی سوانح میں لکھا ہے کہ حضرت اپنے ایفر زمانہ میں شدت ضعف و مرض کی حالت میں دو خادموں کے سہارے سے کھڑے ہو کر فرض نماز ادا فرماتے تھے۔

بَابُ لَنْهَى عَنِ الْكَلَامِ فِي الصَّلَاةِ

قوله۔ عن زید بن ارقم قال..... فنزلت وقوموا لله قانتین فامرونا بالسکوت ونهینا عن الکلام، اس حدیث سے معلوم ہوا کہ کلام فی الصلوة کا نسخ مدینہ منورہ میں ہوا اس لئے کہ یہ آیت جس سے نسخ ہو رہا ہے بالاتفاق مدنی ہے، حضرات شافعیہ کی رائے یہ ہے کہ نسخ الکلام فی الصلوة مکرمہ میں ہوا، اس کی قدر سے وضاحت باب رد السلام فی الصلوة میں عبد اللہ بن مسعود کی حدیث فلما رجعنا من عند النجاشی کے ذیل میں گزر چکی ہے اور مزید مفصل کلام باب سجد السہو میں حدیث ذوالیدین کے تحت انشاء اللہ تعالیٰ آئیگا۔

بَابُ فِي صَلَاةِ الْقَاعِدِ

یہ بات مشہور ہے کہ نفل نماز اگر بلا عذر قاعداً پڑھی جائے تو اس کا ثواب نصف ہے اور اگر عذر سے ہو تو پھر ثواب پورا ہے۔

۱۔ حدثنا محمد بن قدامة الخ۔ قوله قال اجل ولكني لست كاحد منكم، اس سے معلوم ہوا کہ حضور صلی اللہ

علیہ وسلم کی یہ خصوصیت ہے کہ آپ کو صلوٰۃ قاعداً بلا عذر میں بھی پورا ثواب ملتا ہے۔

۲ حدیثنا مسدد..... عن عمران بن حصین انہ سأل النبی صلی اللہ علیہ وسلم عن صلوٰۃ الرجل قاعدًا فقال.... وصلوٰۃ ناشئاً علی النصف من صلوٰۃ قاعدًا، مضمون حدیث یہ ہے کہ صلوٰۃ قاعداً کا ثواب صلوٰۃ قائماً سے نصف ہے اور صلوٰۃ قائماً یعنی مضطجاً کا ثواب صلوٰۃ قاعداً سے نصف ہے، معلوم ہوا کہ کھڑے ہو کر نماز پڑھنے کا ثواب لیٹ کر پڑھنے سے چار گنا ہے۔

شرح حدیث پر تفصیلی کلام | اس حدیث کی تشریح میں شرح نے بہت کچھ تفصیل لکھی ہے ہم بھی مختصراً بیان کرتے ہیں پہلے دو باتیں سمجھ لیجئے اول یہ کہ فرض نماز بغیر عذر کے بیٹھ کر یا لیٹ کر بالاتفاق جائز نہیں اور اگر عذر سے پڑھے تو جائز ہے بلکہ ثواب میں بھی کوئی کمی نہیں پورا ثواب ملتا ہے، دوسری بات یہ کہ نفل نماز گو بیٹھ کر بلا عذر جائز ہے، لیکن اس میں ثواب نصف ہے، اور اگر عذر کے ساتھ ہو تو اس میں ثواب پورا ہے، لیکن لیٹ کر نفل نماز پڑھنا بغیر عذر کے عذاباً مجبور جائز ہی نہیں۔

اس تہید کے بعد اب اس حدیث کے بارے میں سنئے کہ اگر اس حدیث کو مفترض پر محمول کرتے ہیں تو لامحالہ معذور شخص مراد ہو گا کیونکہ فرض تو بیٹھ کر یا لیٹ کر بلا عذر جائز ہی نہیں، لیکن اس میں یہ اشکال ہو گا کہ پھر تنصیف اجر کیوں ہے، لہذا مفترض پر محمول نہیں اور اگر اس کو منتفل پر محمول کرتے ہیں تو پھر دوسو مرتبے ہیں معذور ہو گا یا غیر معذور، اگر معذور ہے تو تنصیف اجر کیوں؟ اور اگر غیر معذور ہے تو قاعداً نفل پڑھنا اگرچہ جائز ہے لیکن لیٹ کر پڑھنا جائز نہیں، حالانکہ حدیث میں وہ مذکور ہے۔

حاصل یہ ہوا کہ اگر حدیث کو مفترض میں معذور پر محمول کرتے ہیں تو تنصیف اجر کیوں ہے اور اگر منتفل غیر معذور پر محمول کرتے ہیں تو وہ قائماً کہاں جائز ہے؟ ہاں البتہ حسن بصریؒ اور بعض سلف کے نزدیک جائز ہے، کما فقلہ الترمذی فی جامعہ، ایسے ہی ایک روایت شافعیہ سے بھی ہے حافظ ابن حجر کہتے ہیں کہ متاخرین شافعیہ نے اس حدیث کی بنا پر اسی قول کو (توازن) منتفل مضطجاً بلا عذر (ترجیح دی ہے، اور ایسے ہی ایک روایت جواز کی مالکیہ سے بھی منقول ہے جیسا کہ قاضی عیاض نے فرمایا، اسی طرح غالباً بعض کتب احناف میں بھی ایک قول اس کے جواز کا لکھا ہے لیکن مشہور قول کے پیش نظر مذاہب اربعہ میں نفل بلا عذر مضطجاً جائز نہیں، لہذا یہ حدیث محتاج تاویل ہے، امام خطابی نے اس کی یہ توجیہ کی ہے کہ یہ اس مفترض میں معذور پر محمول ہے جو قیام یا قعود پر قادر تو ہے لیکن بہت دقت اور مشقت کے ساتھ، مثلاً ایک شخص اتنا کمزور ہے کہ وہ بیٹھ کر فرض نماز پڑھ تو سکتا ہے لیکن بہت مشقت کے ساتھ تو ایسا شخص اگر لیٹ کر نماز پڑھ لے تو جائز ہے لیکن بیٹھ کر پڑھے گا

لے تو پھر اس صورت میں اگر حدیث کو منتفل غیر معذور پر محمول کیا جائے تو کچھ اشکال نہیں ۱۲۔

تو دو گنا ثواب ہوگا ورنہ آدھا، ایسے ہی ایک شخص کھڑا ہو کر نماز پڑھنے پر قادر تو ہے لیکن بڑی مشقت کے ساتھ سو یہ شخص اگر بیٹھ کر نماز پڑھے تو جائز ہے لیکن اگر کھڑے ہو کر پڑھے تو دو گنا ثواب ہوگا ورنہ آدھا۔ اور حضرت اقدس گنگوہی نے اس حدیث کو محمول تو اسی قسم کے معذور پر کیا ہے جو کلام خطابی میں مذکور ہے، یعنی جو بمشقت قیام اور قعود پر قادر ہو لیکن منتفل پر نہ کہ مفترض پر، وہ فرماتے ہیں (کافی الکوکب) کہ ایسے معذور کے لئے لیٹ کر نفل نماز تو جائز ہے لیکن فرض نماز جائز نہیں یعنی جو معذور فرض نماز بیٹھ کر پڑھنے پر قادر تو ہے لیکن بڑی مشقت کے بعد تو حضرت کے نزدیک اس کے لئے لیٹ کر فرض نماز پڑھنا جائز نہیں بیٹھنا ضروری ہے بخلاف نفل کے وہ لیٹ کر پڑھ سکتا ہے۔

علامہ سندی کی رائے علامہ سندی حاشیہ سنائی ۲۲۵ میں اس حدیث پر کلام کرتے ہوئے لکھتے ہیں کہ اس حدیث کے پیش نظر ہمارے بعض متاخرین نے نفل نماز مضطرباً بلا عذر کو جائز قرار دیا ہے لیکن اکثر علماء نے اس کا انکار کیا ہے اور لیٹ کر بغیر عذر نفل پڑھنے کو بدعت قرار دیا ہے، پھر اس کے بعد انہوں نے اس حدیث کی توجیہ یہ کی ہے کہ اس حدیث سے مقصود صحت صلوٰۃ اور فساد صلوٰۃ کو بیان کرنا نہیں بلکہ صلوٰۃ صحیحین میں سے احداہما کی فضیلت اخری پر بیان کرنا مقصود ہے، اب یہ کہ کوئی نماز صحیح ہے کوئی نہیں یہ قواعد سے معلوم ہوگا، بس حدیث کا مطلب یہ ہے کہ جو نماز قاعداً صحیح ہوگی اس کا ثواب قائماً پڑھنے سے نصف ہوگا خواہ وہ نماز فرض ہو یا نفل، ایسے ہی جو نماز مضطرباً صحیح ہوگی اس کا ثواب قاعداً پڑھنے سے نصف ہوگا نیز وہ لکھتے ہیں کہ یہ بات جو مشہور ہے کہ معذور کی نماز کا ثواب بیٹھ کر یا لیٹ کر پڑھنے سے ناقص نہیں ہوتا یہ بھی تسلیم نہیں انتہی کلام۔

اس لئے کہ یہ بات عمران بن حصین کی اس حدیث کے بظاہر خلاف ہے، لہذا اس حدیث کے پیش نظر یہ تسلیم کرنا ہوگا کہ عذر کی صورت میں بھی قاعداً نماز پڑھنا نقصان ثواب کا باعث ہے اور اس کے خلاف ہر کوئی صریح دلیل نہیں واللہ تعالیٰ اعلم۔

۳۔ حدثنا محمد بن سلیمان الانباری الخ۔ قوله۔ عن عمران بن حصین قال کان بنی الناصور، اور بعض نسخوں میں الناصور میں کے ساتھ ہے اور بخاری شریف کی ایک روایت میں کان بنی بواصیر، اور ایک دوسری روایت میں وکان مَبْسُوراً ہے بواصیر باصوری کی جمع ہے بواصیر تو مشہور مرض ہے مقعد میں درم ہو جاتی ہے، اور ناصور زخم کو کہتے ہیں اس کا تعلق بھی مقعد سے ہوتا ہے۔

قوله۔ فان لم تستطع فمقاعد، بیٹھ کر نماز پڑھی جائے تو کیفیت قعود کیا ہو اس میں اختلاف ہے، امام صاحب کے نزدیک افراش اولیٰ ہے جس طرح انقیات میں بیٹھتے ہیں یہی ایک روایت حنفی کی امام شافعی سے ہے، اور امام مالک کا ملاحظہ

لہذا اب اگر ہم اس حدیث کو شخص مقعد پر محمول کر لیں خواہ وہ منتفل ہو یا مفترض تو کوئی اشکال ہوگا۔

وصاحبین کے نزدیک تزییع (چوزانو بیٹھنا) اولیٰ ہے یہی ایک روایت امام شافعی کی ہے۔
ان حضرات کی دلیل یہ ہے کہ ہیئت قعود ہیئت قیام سے مختلف ہے اور یہ قعود چونکہ قیام کا بدل ہے اس لئے کہ اس کی ہیئت بھی قعود اصلی سے مختلف ہونی چاہیئے۔

قول۔ فان لم تستطع فعلی جنب،

معدور کی نماز مستقیماً ہو یا مضطرباً؟ لیٹ کر نماز پڑھنے کی دو صورتیں ہیں ایک مضطرباً علیٰ یمینہ یعنی دائیں کروٹ پر اور دوسری مستقیماً چٹ لیٹ کر اس طور پر کہ چہرہ اور قد میں قبلہ کی جانب ہوں، جمہور کے نزدیک پہلی صورت اولیٰ ہے اگرچہ جائز دونوں ہیں اور شافعیہ وجوب کے قائل ہیں لہذا ان کے نزدیک اگر کوئی شخص باوجود مضطرباً پڑھنے پر قدرت کے مستقیماً پڑھے تو نماز صحیح نہ ہوگی، اور مالکیہ و حنابلہ کے نزدیک صرف استجاب کا درجہ ہے، جمہور کی دلیل حدیث الباب ہے اور حنفیہ یہ کہتے ہیں کہ مستقیماً کا اشارہ ہوائے کعبہ یعنی اس کی فضا کی طرف واقع ہوگا اور فضا کعبہ آسمان تک قبلہ ہی ہے بخلاف مضطرب کے کہ اس کا اشارہ اپنے قدموں کی طرف ہوگا نہ کہ قبلہ کی جانب۔

۴۔ حدثنا احمد بن عبد اللہ بن یونس الخ، قوله۔ ما رأیت رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم یقرأ فی شئی یمن صلوۃ اللیل جالساً قطعت فی الخ، یعنی تہجد کی نماز آپ صلی اللہ علیہ وسلم کبر سن سے قبل کھڑے ہو کر ہی پڑھتے تھے اس کے بعد اخیر زمانہ عمر میں بیٹھ کر پڑھتے تھے۔

قولہ۔ حتی اذا بقی اربعون او ثلاثون آیۃ قدام الخ، یعنی جب نماز آپ صلی اللہ علیہ وسلم بیٹھ کر پڑھتے تھے تو اس وقت ایسا کرتے تھے کہ جب تیس چالیس آیات باقی رہ جائیں تو ان کو کھڑے ہو کر پڑھتے اس کے بعد رکوع میں جاتے تاکہ پوری نماز قاعدہ نہ ہو کچھ حصہ میں قیام بھی ہو جائے۔

۵۔ حدثنا مسدد الخ۔ قوله۔ کان رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم یصلی لیلاً طویلاً قائماً و لیلاً طویلاً قاعداً فاذا صلی قائماً جمع قائماً، یعنی بعض مرتبہ ایسا ہوتا کہ رات میں بہت دیر تک آپ نفلیں کھڑے ہو کر پڑھتے اور پھر اسی رات میں بعض نفلیں دیر تک بیٹھ کر پڑھتے اگر نماز قائماً شروع کرتے تو قائماً ہی رکوع میں جاتے اور اگر قاعداً شروع فرماتے تو قاعداً ہی رکوع میں جاتے، حاصل یہ کہ بعض رکعات پوری قائماً پڑھتے اور بعض پوری قاعداً یہ حدیث حدیث سابق کے خلاف ہے جس میں یہ ہے کہ جس نماز کو آپ قاعداً دفع تعارض بین الحیثین شروع فرماتے اس میں رکوع میں جانے سے قبل کھڑے ہو جاتے، اس تعارض کا مشہور جواب تو یہ ہے کہ یہ دو قسم کے منہول ہیں جو مختلف اوقات اور زمانوں پر منہول ہیں کسی زمانے میں اس طرح کرتے اور کسی

لے اس طور پر کہ سر اور منہ حوں کے نیچے بڑا سا تکیہ رکھتے تاکہ ایسا کر کے بغیر اس کے ایسا نہ ہو سکے گا ۱۲ منہ۔

میں اس طرح نہ ہمیشہ پڑھتے اور نہ ہمیشہ اُس طرح، اور حضرت گنگوہی کی تقریر میں اس کی ایک اور توجیہ مذکور ہے وہ یہ کہ اس دوسری حدیث کا مطلب یہ ہے کہ جب آپ صلی اللہ علیہ وسلم نماز میں بیٹھ کر قرأت پوری فرمائیے تو صرف رکوع میں جانے کے لئے کھڑے نہ ہوتے تھے بلکہ رکوع بھی اسی حالت میں کرتے، اور پہلی حدیث میں رکوع میں جانے سے قبل جو کھڑا ہونا مذکور ہے وہ اس طور پر کہ کھڑے ہو کر پہلے چند آیات پڑھتے پھر رکوع میں جاتے، کھڑے ہونے کے بعد فوراً رکوع کرنا وہاں مذکور نہیں اور یہاں اس دوسری حدیث میں کھڑے ہو کر فوراً رکوع میں جانیکی نفی ہے فلا تعارض بین الحدیثین۔

حدیث الباب سے ایک مسئلہ یہ بھی معلوم ہوا کہ جس طرح نفل نماز پوری بیٹھ کر پڑھنا جائز ہے بغیر عذر کے اسی طرح یہ بھی جائز ہے کہ بعض حصہ نفل نماز کا قائماً اور بعض قاعداً پڑھے خواہ قیام سے قعود کی طرف آئے یا قعود سے قیام کی طرف، منہل میں لکھا ہے کہ امام ابو حنیفہ و مالک شافعی وغیرہ اکثر علماء کا یہی مذہب ہے، اور ہدایہ میں یہ لکھا ہے کہ حناجین کے نزدیک نفل نماز قائماً شروع کرنے کے بعد بغیر عذر کے بیٹھنا جائز نہیں۔

۶۔ حدثنا عثمان بن ابی شیبۃ الخ قولہ۔ سالت عائشۃ اکان رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم یقرأ السورۃ فی رکعۃ قالت المفضل، بعض نسخوں میں بجائے السورۃ کے السورۃ (مفرداً) مذکور ہے اور یہی کی روایت کے لفظیہ میں ہل کان رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم یقرن بین السورۃ قالت من المفضل، حاصل سوال یہ ہے کہ کیا حضور صلی اللہ علیہ وسلم کئی کئی سورتیں ملا کر پڑھتے تھے تو انہوں نے جواب دیا کہ ہاں مفضل کی سورتوں میں سے ملا کر پڑھتے تھے، مفضل قرآن پاک کی سات منزلوں میں سے آخری منزل کا نام ہے سورہ حجرات یا ق سے لے کر آخر قرآن تک کیونکہ یہ سورتیں چھوٹی چھوٹی ہیں بار بار بسم اللہ کے ساتھ فصل آتا ہے اس لئے مفضل نام رکھا گیا، اب یہ کہ آپ صلی اللہ علیہ وسلم کن کن سورتوں کو ملا کر پڑھتے تھے وہ کونسی سورتیں ہیں اس کا بیان اسی کتاب میں ابواب مملوۃ اللیل کے بعد ایک باب آرہا ہے ۱۵۱ باب تحزیب القرآن میں آرہا ہے جس کا مضمون یہ ہے، عبد اللہ بن مسعود فرماتے ہیں کہ آپ صلی اللہ علیہ وسلم تہجد کی نماز میں ایک رکعت میں دو سورتیں ملا کر پڑھتے تھے النجم والرحمن فی رکعۃ وقد تبت والحادۃ فی رکعۃ والطور والذاریات فی رکعۃ الحدیث، اس حدیث کو حدیث النظائر سے تعبیر کر دیا کرتے ہیں کیونکہ اس میں مذکور ہے، کان رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم یقرأ النظائر، حضرت شیخ نے لکھا ہے کہ صاحب بدائع نے تصریح کی ہے لائیکرہ الجمع بین السورتین فی رکعۃ۔

قولہ۔ حین حطمت الناس، یعنی نفل نماز بیٹھ کر پڑھنا آپ نے اس وقت شروع کیا جب لوگوں نے آپ کو توڑ کر رکھ دیا، یعنی آپ لوگوں کی خدمت کرتے کرتے چور ہو گئے۔

باب کیف الجلوس فی التشہد

التحیات میں کیسے بیٹھنا چاہیے مسئلہ مختلف فیہ ہے۔

مذہب ائمہ امام ابوحنیفہ کے نزدیک تشہد اول ہو یا آخر دونوں میں اقرآش مسنون ہے یعنی بائیں پاؤں کو بچھا کر اس پر سرین رکھنا اور دایاں پاؤں کھڑا کرنا، اور امام مالک کے یہاں مطلقاً تورک ہے یعنی سرین کو زمین پر رکھنا اور دونوں پاؤں زمین پر بچھا کر دائیں جانب نکالنا، عورت کے حق میں حنفیہ بھی اسی کے قائل ہیں، اور امام شافعی و احمد کے نزدیک تشہد اول و ثانی میں فرق ہے، اول میں اقرآش، اور ثانی میں تورک اور جس نماز میں ایک ہی تشہد ہو جیسے فجر اور جمعہ کی نماز اس میں امام احمد کے یہاں اقرآش ہے اور امام شافعی کے نزدیک اس میں بھی تورک ہے، تو گویا امام احمد کے نزدیک تورک اس نماز کے ساتھ خاص ہو جو تشہد والی ہو اور امام شافعی کے یہاں یہ قید نہیں بلکہ جس تشہد کے بعد سلام ہے خواہ وہ ایک تشہد والی ہو یا دو اس میں تورک ہے۔

اصل منشأ تو اس اختلاف کا اختلاف احادیث ہے لیکن حکمت اور مصلحت کے درجہ میں شافعیہ کے نزدیک تورک کی علت طویل جلوس ہے اقرآش میں چونکہ نسبت مشقت ہوتی ہے اور تشہد اخیر طویل ہوتا ہے اس لئے اس میں تورک رکھا گیا، بخلاف تعدہ اولیٰ کے کہ اس میں بوجہ مختصر ہونے کے کوئی مشقت نہ تھی اس لئے اس میں اقرآش جو کہ اصل ہے اس کو باقی رکھا گیا، یہ تو شافعیہ کہتے ہیں اور حنابلہ یہ حکمت بیان کرتے ہیں کہ اصل تو قعود میں اقرآش ہے لیکن بعد میں آئینوالے کوتاہ معلوم ہو جائے کہ امام کون سے تشہد میں ہے اس لئے اول و آخر کی کیفیت جلوس میں فرق رکھا گیا ہے اور جن نمازوں میں ایک ہی تشہد ہوتا ہے وہاں فرق اور تمیز کی حاجت ہی نہیں۔

۱۔ حدثنا عبد اللہ بن مسلمۃ الخ۔ قولہ۔ عن ابن عمر قال سنتہ الصلوۃ ان تنصب رجلک الیمنی وتثنی رجلک الیسری۔ ابن عمر فرماتے ہیں تشہد میں بیٹھنے کا مسنون طریقہ یہ ہے کہ دایاں پاؤں کھڑا رکھے اور بائیں پاؤں کو موڑ لے یعنی موڑ کر زمین پر بچھا دے۔

یہ اثر ابن عمر مجمل ہے اس میں یہ نہیں بیان کیا گیا کہ بائیں پاؤں کو زمین پر بچھا کر کیا کرے؟ پاؤں پر ہی سرین رکھے یا زمین پر رکھے اگر پاؤں پر رکھنا مراد ہے تب تو یہ اقرآش ہو جائیگا اور اگر زمین پر رکھنا مراد ہے تب تو یہ تورک ہوگا، یہ روایت دراصل موطا امام مالک کہ ہے اس کے بعض طرق میں تو اسی طرح مجمل ہے، اور ایک دوسری روایت میں اس کی وضاحت مذکور ہے وہ یہ کہ سرین کو زمین پر رکھے نہ کہ قدم پر لہذا یہ تورک ہو جائیگا، اس روایت میں ایک اور اعتبار سے بھی اجمال ہے وہ یہ کہ یہ کیفیت جلوس مطلقاً ہے جیسا کہ مالکیہ کہتے ہیں یا صرف تعدہ اخیرہ میں۔

حافظ ابن حجر نے فتح الباری میں ایک دوسری روایت کو سامنے رکھ کر یہ فیصلہ کیا ہے کہ یہاں اس حدیث میں تعدہ اخیرہ

ہی مرا ہے کہا ہو مسلک الشافعیہ۔

حنفیہ کے دلائل اور حنفیہ جو مطلقاً اقرار اش کے قائل ہیں ان کا استدلال حدیث عائشہؓ اور حدیث السی فی الصلوۃ اور ایسے ہی وائل بن حجر کی روایات سے ہے (بذل مصل)

۲۔ حدثنا هناد بن السرى الخ. قوله اذا جلس في الصلوة افترش رجله اليسرى حتى استوى طهر قدمه چونکہ بایاں پاؤں آپ موڑ کر بچھاتے تھے اس لئے پشت قدم پر نشان پڑ گیا تھا۔ نعت میں لکھا ہے، اشوی السَّعْفَ اى اصْفَرَّ اللَّيْسُ، جب گھاس اور درخت کی ٹہنی خشکی کی وجہ سے پیلی ہو جائے، باب کی یہ آخری حدیث مرسل مخفی ہے اسلئے کہ ابراہیم مخفی جو کہ تابعی ہیں وہ اس کو براہ راست حضور صلی اللہ علیہ وسلم سے نقل کر رہے ہیں لیکن مشہور بین المحدثین یہ ہے مراسیل النخعی اقویٰ من مسانیدہ، کامر فی البذل ص ۱۱۱

باب من ذكر التورك في الزايرة

اس باب میں مصنف نے ابو حمید ساعدی کی حدیث متعدد طرق سے ذکر کی ہے یہ حدیث رفع یدین کے باب میں بھی گزر چکی ہے اس کے بعض طرق میں تعدۃ اولیٰ میں اقرار اش اور تعدۃ اخیرہ میں تورک مذکور ہے، جیسا کہ شافعیہ و حنابلہ کا مسلک ہے لیکن اس سلسلہ میں یہ حدیث مضطرب ہے جیسا کہ اس کا بیان بذل ص ۱۱۱ میں گزر چکا، اور یہاں بھی مصنف نے متن میں بیان کیا ہے۔

قوله - ويفتح اصابع رجله اذا سجد، یعنی سجدہ میں پاؤں کی انگلیوں کو کھڑا کر کے ان کو ذرا قبلہ کی طرف مائل کرے۔ یہ لفظ فار معجم کے ساتھ ہے۔

باب التشهد

ابحاث ثلاثہ یہاں پر یہ دو مسئلہ ہیں اول تشہد کا حکم، ثانی یہ کہ کس امام کے نزدیک کونسا تشہد راجح ہے اسلئے کہ تشہد متعدد صحابہ کی روایات سے مختلف الفاظ میں وارد ہے، تیسری بات الفاظ تشہد کی تشریح۔ بحث اول۔ امام مالک کے نزدیک تشہد اول و آخر دونوں سنت مؤکدہ ہیں، امام شافعی اور امام احمد علی القول بالصحیح کے نزدیک تشہد اول واجب اور تشہد ثانی فرض ہے، اور حنفیہ کی ظاہر الروایۃ میں دونوں واجب ہیں اور روایت ثانیہ یہ ہے کہ اول سنت اور ثانی واجب ہے۔

بحث ثانی۔ روایات حدیثیہ میں تین تشہد زیادہ مشہور ہیں، ۱۔ تشہد ابن مسعودؓ، ۲۔ تشہد ابن عباسؓ، ۳۔ تشہد

عمر بن الخطابؓ، تشہد ابن مسعودؓ کے الفاظ وہ ہیں جو ہم اور آپؐ پڑھتے ہیں اور تشہد ابن عباسؓ جو خود آگے اسی کتاب میں چند احادیث کے بعد آ رہا ہے اس کے الفاظ یہ ہیں التحیات المبارکات الصلوات الطیبات للہ السلام علیک ایہا النبی ورحمۃ اللہ وبرکاتہ الی الخیر، اور تشہد عمر جو موطا مالک میں اور مشکوٰۃ میں بھی ہے اس کے لفظ یہ ہیں التحیات للہ الزاکیات للہ الطیبات الصلوات للہ السلام علیک ایہا النبی الی الخیر، ان تینوں میں سے حنفیہ وحنابلہ نے تشہد اول اور امام شافعیؒ نے تشہد ثانی اور امام مالکؒ نے تشہد ثالث کو اختیار کیا ہے، تشہد ابن مسعود کی متعدد وجوہ ترجیح ہیں مگر یہ تشہد بیس سے زائد طرق سے مروی ہے مگر متعدد صحابہ سے مروی ہے ابو موسیٰ اشعریؓ ابن عمرؓ وعائشہؓ وجابر رضی اللہ عنہم اجمعین، امام ترمذیؒ فرماتے ہیں ہواصح حدیث مروی فی التشہد، اس کے اندر دو داؤ آتے ہیں بخلاف تشہد ابن عباسؓ و عمرؓ کے اس میں کوئی داؤ نہیں اسی لئے ایک قصہ مشہور ہے جو عائشہؓ ترمذیؒ میں شرح السنۃ سے نقل کیا ہے، ایک اعرابی امام ابو حنیفہؒ کے پاس آئے امام صاحب اپنے اصحاب کیساتھ بیٹھے تھے اس نے آکر سوال کیا بواؤ ائم بواؤین امام صاحب نے جواب دیا بواؤین اس پر اس اعرابی نے کہا بَارکَ اللہَ نیکَ کما بَارکَ فی لادِ ولا حاضرین کو کچھ پتہ نہ چلا کہ کیا سوال ہوا اور اس کا کیا جواب دیا گیا، شاگردوں کے استفسار پر امام صاحبؒ نے فرمایا کہ اس شخص نے مجھ سے تشہد کے بارے میں سوال کیا تھا کہ آپ کے نزدیک کونسا رائج ہے ایک داؤ والا جبریا کہ ابو موسیٰ اشعریؓ کے تشہد میں ہے یا دو داؤ والا جبریا کہ تشہد ابن مسعودؓ میں ہے تو میں نے جواب دیا دو داؤ والا تو اس نے مجھے دعا دی کہ جس طرح اللہ تعالیٰ نے درخت زیتون میں برکت فرمائی اسی طرح آپ کے علم میں بھی برکت فرمائی قال اللہ تعالیٰ مِنْ شَجَرَةٍ مَبْدُورَةٍ زَيْتُونَةٍ لَا شَرْقِيَّةٍ وَلَا غَرْبِيَّةٍ، مگر اس تشہد کی ایک خصوصیت یہ ہے کہ اس کے الفاظ تمام طرق و روایات میں ایک ہی ہیں کوئی اختلاف اس میں نہیں، یہ تشہد متفق علیہ ہے بخاری اور مسلم ہر دو نے اس کو اختیار کیا ہے۔

بحث ثالث - التحیات للہ یعنی جملہ الذراع تعظیم و تسلیم اللہ تعالیٰ شانہ کے لئے ہیں، ابوسلیمان خطابی مشہور شارح حدیث فرماتے ہیں کہ ہر زمانہ میں ہر بادشاہ کے لئے سلام و آداب کے طریق الگ الگ رہے ہیں لیکن حق تعالیٰ کی شایان شان ان میں سے کوئی سا بھی نہیں تھا اس لئے حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے ان تمام الذراع سلام کی طرف اشارہ کرتے

لہ اور یہ اشارہ کرنا وہی جناب رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم ہیں آپ سے بڑھ کر کوئی فصیح و بلیغ نہ ہوا نہ ہے، آپ ہی نے یہ تعظیم و تکریم اور بارگاہ رب العالمین میں سلام پیش کرنا یہ اسلوب اختیار فرمایا ہے، ایک اور موقوفہ پر آپؐ نے اللہ تعالیٰ کی حمد و ثناء اس طور پر فرمائی ہے، اللہم لا احصی ثناء علیک انت کما انیت علی نفسك، ملا علی قاریؒ نے لکھا ہے کہ ان شیت علی نفسك سے غالباً اس آیت کریمہ کی طرف اشارہ ہے، فَلَلهُ الْحَمْدُ رَبِّ السَّمَاوَاتِ وَرَبِّ الْأَرْضِ، رَبِّ الْعَالَمِينَ، وَلَهُ الْكِبَرُ بِمَا فِي السَّمَاوَاتِ وَالْأَرْضِ وَهُوَ الْعَزِيزُ الْحَكِيمُ،

میں آ رہا ہے وہ یہ کہ ان الفاظ کی ابتداء تو حضورؐ کی معراج کے موقع پر جسوقت آپ صلی اللہ علیہ وسلم اللہ کے حضور میں سلام و نیاز پیش کر رہے تھے اس کے جواب میں باری تعالیٰ کی طرف سے ہوئی تھی ہم تو ان الفاظ کے ناقل ہیں جیسے تم نے سنا ہو گا کہ ایک قسم اعراب کی اعراب حکائی ہوتی ہے، تو یہ الفاظ بھی یہاں ابتدائی نہیں بلکہ حکائی ہیں فالحمد للہ اشکال رفع ہو گیا، اور ایک جواب اس کا یہ ہے جو بعض مشایخ کے کلام سے مستفاد ہے کہ ہماری مراد تو یہ ہے کہ یا اللہ ہم دورانہما دعا کی جانب سے اپنے نبی کی بارگاہ میں ہماری طرف سے السلام علیک پہونچا دیجئے، جیسے ہمارے عرف میں سفر میں جانے والے سے کہہ دیا جاتا ہے کہ فلاں بزرگ کی خدمت میں ہماری طرف سے السلام علیکم پیش کر دینا۔

لطيفة التحیات شرح حدیث میں التحیات کے بارے میں لکھا ہے کہ جب واقعہ معراج میں حضور صلی اللہ علیہ وسلم اللہ تعالیٰ کی بارگاہ میں حاضر ہوئے تو آپ نے اللہ تعالیٰ شانہ کی حمد و ثناء ان مخصوص الفاظ میں عرض کی التحیات للہ والصلوات والطیبات تو اللہ تعالیٰ شانہ کی طرف سے جواب ملا السلام علیک ایہا النبی ورحمۃ اللہ وبرکاتہ (حضور صلی اللہ علیہ وسلم تو چونکہ کسی موقع پر بھی اپنی امت کو نہ بھولتے تھے اس لئے) آپ نے اللہ کی بارگاہ میں عرض کیا السلام علینا وعلی عباد اللہ الصالحین، مطلب یہ تھا کہ اے اللہ آپ کی جانب سے سلامتی صرف مجھ پر ہی نہیں بلکہ میرے ساتھ دوسرے نیک بندوں پر بھی ہونی چاہیے، یہ سارا منظر جبریل امین دیکھ رہے تھے تو اس پر انھوں نے فوراً فرمایا اشہدان لا الہ الا اللہ واشہدان محمداً عبده ورسوله۔

ایک اشکال و جواب چونکہ حضور صلی اللہ علیہ وسلم کی حمد و ثناء جناب باری میں لیلۃ المعراج میں ایک مخصوص مقام پر سدرۃ المنتہی سے آگے ہوئی تھی تو اس پر حضرت شیخ نے یہ اشکال لکھا کہ جبریل امین تو سدرۃ المنتہی پر پہنچ کر رک گئے تھے تو پھر وہ اس وقت مقام حمد و ثناء میں کہاں تھے کہ شہادتین پڑھتے؟ حضرت نے یہ اشکال اپنے ایک مکتوب گرامی میں کیا ہے بندہ کے ذہن میں اس کا جواب یہ ہے کہ ہو سکتا ہے واپسی میں جب حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے حضرت جبریل کو اپنی تمام سرگزشت سنائی، ہو تب انھوں نے ایسا کہا ہو اشہدان لا الہ الا اللہ واشہدان محمداً عبده ورسوله واللہ تعالیٰ اعلم۔

۱۔ حدثنا مسدد بن حازم قال۔ لا تقولوا السلام علی اللہ فان اللہ هو السلام، امام نووی فرماتے ہیں مطلب یہ ہے کہ سلام اللہ کے ناموں میں سے خود ایک نام ہے پھر السلام علی اللہ کا کیا مطلب، اور بعض دوسرے مفسرین نے یہ لکھا ہے کہ سلام جو ہے وہ دراصل سلامتی کی دعا ہے جس کے محتاج بندے ہیں اللہ کو اس دعا کی ضرورت نہیں وہ تو خود سلامتی دینے والے ہیں۔

قولہ۔ ثم لیخفی أحدکم من الدعاء أعجبه الیہ، یعنی تشہد کے بعد جس شخص کو جو دعا پسند ہو اور اسکے حال کے مناسب ہو وہ اللہ سے مانگے۔

تشہد کے اخیر میں دعاء

اس حدیث میں یہ مسئلہ اختلافی ہے کہ نماز میں کس کس قسم کی دعاء مانگ سکتے ہیں اس پر ہمارے یہاں مفصل کلام باب دعاء الاستفتاح میں قال مالک لا بأس بالدعاء فی الصلوۃ فی اولہ ووسطہ الخ کے ذیل میں گذر چکا خلاصہ کے طور پر اتنا سن لیجیے کہ اس میں تین مذہب ہیں عند المجہور ادعیۃ ماثورہ یعنی وہ تمام دعائیں جو قرآن و حدیث میں وارد ہیں پڑھ سکتے ہیں، اور کتب حنفیہ میں لکھا ہے کہ وہ دعائیں جو الفاظ قرآن کے مشابہ ہوں جن کا سوال غیر اللہ سے نہ کیا جاسکتا ہو وہ پڑھ سکتے ہیں، اور بعض علماء جیسے ابراہیم نخعی فرماتے ہیں، لا یدعی الا بما یوجب دفع القرآن۔

۲۔ حدیثنا تسیم بن المنذر الخ۔ قولہ۔ وكان یعلّمنا کلمات ولم یکن یعلّمناھن کما یعلّمنا التشہد، یعنی حضور صلی اللہ علیہ وسلم ہمیں ایک اور دعاء سکھاتے تھے مگر اس کو اتنے اہتمام سے نہیں سکھاتے تھے جتنے اہتمام سے تشہد سکھاتے تھے، اور یا مطلب یہ ہے کہ اس دوسری دعاء کو آپ صلی اللہ علیہ وسلم تشہد سے بھی زیادہ اہتمام سے سکھاتے تھے وہ دعاء آگے کتاب میں مذکور ہے میں سبق میں طلبہ سے کہا کرتا ہوں کہ یہ بڑی اچھی اور بہت جامع مانع دعاء ہے اس کو ضرور یاد کر کے پڑھنا چاہیے نماز کے اخیر میں سلام سے قبل اور اس کے علاوہ بھی دعائیں پڑھ سکتے ہیں بلکہ میں یہ بھی کہا کرتا ہوں کہ حدیث کی کتابوں میں سیکڑوں بلکہ ہزاروں دعائیں وارد ہیں ہر شخص کو چاہئے کہ ان دعاؤں کو سامنے رکھ کر کتابوں میں سے اپنے اپنے حال کے مناسب منتخب کر کے ایک کاپی پر لکھ لینی چاہئیں، ہمیشہ وظیفہ کے طور پر پڑھنے کے لئے۔

۳۔ حدیثنا عبد اللہ بن محمد النضلی الخ۔ قولہ۔ فذکر مثل دعاء حدیث الاعمش، حدیثنا اعمش اس باب کی پہلی حدیث ہے لیکن اس میں تو کوئی دعاء مذکور نہیں اسی لئے صاحب منہل نے لکھا ہے کہ یہاں پر لفظ دعاء نہیں ہونا چاہئے بلکہ اس طرح ہونا چاہئے فذکر مثل حدیث الاعمش، دوسری بات یہ ہے کہ ذکر کی ضمیر کا مرجع بھی کسی شارح نے نہیں لکھا لہذا ضمیر مطلق راوی کی طرف راجع ہوگی۔

قولہ۔ اذا قلت هذا اوقضیت هذا فقد قضیت صلوتک، امام خطابی فرماتے ہیں کہ اس جملہ کے بارے میں رواۃ کا اختلاف ہے بعض اس کو موعظہ اورایت کرتے ہیں اور بعض موقوفاً نیز وہ آگے لکھتے ہیں کہ اگر اس کا رفع ثابت ہو جائے تو پھر یہ دلیل ہوگی اس بات پر کہ تشہد کے بعد صلوۃ علی النبی واجب نہیں۔

نماز میں درود کا حکم | میں کہتا ہوں مسئلہ مختلف فیہ ہے حنفیہ مالکیہ کا مذہب تو یہی ہے البتہ امام شافعی و احمد کے نزدیک فرض ہے یعنی تعدۃ اخیرہ میں، یہاں پر بذل میں ایک مسئلہ اور بھی لکھا ہے وہ یہ کہ اس سے معلوم ہو رہا ہے کہ تعدۃ اخیرہ مقدار تشہد فرض ہے، میں کہتا ہوں مجہور علماء اور اکثر ثلاث کا مذہب بھی یہی ہے، لیکن مالکیہ کا اس میں اختلاف ہے وہ فرضیت کے قائل نہیں کفی الا نوار الساطع، نیز اس حدیث سے یہ بھی معلوم ہوا کہ تسلیم فی الصلوۃ فرض نہیں جیسا کہ حنفیہ کہتے ہیں خلافاً للمجہور، اس کی بحث باب الوضوء کے شروع میں و تحلیہا التسليم

کے تحت گذر چکی۔

۴۔ حدثننا عمرو بن عون الخ۔ قوله۔ فلما جلس فی اخر صلوته قال رجل من القوم اقرت الصلوة

بالنبر والذکوة۔

مضمون حیشہ

حطّان بن عبد اللہ کہتے ہیں کہ ایک مرتبہ کی بات ہے کہ ہمارے استاد ابو موسیٰ اشعری نے ہمیں نماز پڑھائی جب تشہد میں بیٹھے تو پیچھے سے کسی مقتدی نے نماز کی مدح و تعریف میں یہ جملہ کہا جو اوپر مذکور ہے، یعنی نماز کیساتھ تعلق اور محبت کی وجہ سے بیساختہ و ارادہ اس کی زبان سے یہ الفاظ نکل گئے جن کا مطلب یہ ہے کہ نماز نیکی اور گناہوں سے پاکی کے ساتھ برقرار رکھی گئی ہے، یعنی نماز اچھا عمل ہے اور اس سے گناہ بھی معاف ہوتے ہیں، جب ابو موسیٰ اشعری نماز سے فارغ ہوئے تو لوگوں کی طرف متوجہ ہو کر پوچھا یہ الفاظ کس نے کہے تھے؟ لوگ خاموش رہے دوبارہ پھر یہی سوال کیا پھر بھی وہ خاموش رہے تو ابو موسیٰ اشعری اپنے مخصوص شاگرد حطّان سے کہنے لگے کہ اے حطّان تو نے ہی کہے ہوں گے (کیونکہ جس کے ساتھ استاد کو زیادہ خصوصیت اور بہت تکلفی ہوتی ہے اسی کو ڈانڈا ہے) تو اس پر حطّان بولے کہ اجی میں نے تو نہیں کہے، لیکن مجھے اندیشہ یہی تھا کہ آپ مجھ کو ہی ٹوکیں گے، پھر اگے دریت میں یہ ہے کہ جس شخص نے یہ الفاظ کہے تھے ابو موسیٰ نے اس کو سمجھایا کہ نماز کے اندر اپنی طرف سے کچھ نہیں پڑھنا چاہیے بلکہ جو حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے ہمیں بتایا اور سکھایا ہے وہی پڑھنا چاہیے، اور پھر نماز کا مفصل طریقہ جو آپؐ نے صیابہ کو تعلیم فرمایا تھا اس کو بیان کیا۔

۵۔ حدثننا عاصم بن النضر الخ۔ قوله۔ زاد فاذا قرأ فانصتوا، گذشتہ حدیث کی سند میں قتادہ سے روایت کرنے والے ہشام تھے اور یہاں معمر کے والد سلیمان تیمی ہیں زاد کی ضمیر اسی کی طرف راجع ہے، قال ابو داؤد قوله۔ انصتوا لیس بمحفوظ ولم یجئ بہ الاسلیمان النبی۔

اس پر تفصیلی کلام فاتحہ خلف الامام کی بحث میں گذر چکا۔

واذا قرأ فانصتوا

۶۔ حدثننا قتیبہ بن سعید الخ۔ قوله۔ عن ابن عباس انه قال کان رسول

اللہ صلی اللہ علیہ وسلم یعلّمنا الشہد کما یعلّمنا القرآن الخ

تشہد ابن عباس رضی یہ وہی تشہد ابن عباس ہے جس کو شافعیہ نے اختیار کیا ہے، ہم کہتے ہیں کہ اس کے ساتھ ابن عباس

متفرد ہیں نیز اس کے الفاظ میں تمام رواۃ متفق بھی نہیں ہیں حضرات مالکیہ کہتے ہیں کہ ہمارا تشہد رائج ہے کیونکہ حضرت عمرؓ نے منبر پر اس کی تعلیم فرمائی تھی، حضرت شیخ زہرہ ابو حزیں لکھتے ہیں کہ ابن سعد و ولے تشہد کے الفاظ کو حضرت ابو بکر صدیقؓ نے منبر پر تعلیم فرمایا ہے کما ورد فی روایۃ الطحاوی۔

۷۔ حدثننا محمد بن داؤد الخ۔ قوله۔ عن سمرة بن جندب اما بعد، یہ مکتوب سمرہ کی یا یہ کہنے کے صحیفہ سمرہ

کی دوسری حدیث ہے اور پہلی حدیث البواب المساجد میں باب اتخاذ المساجد فی الدور میں گذر چکی ابھی چار اور باقی ہیں
قوله قال ابو داؤد و دلّت هذه الصحيفة ان الحسن سمع من سمرة،

سماع الحسن عن سمرة کی بحث | حضرت حسن بصری مشہور تابعی ہیں تابعین کے طبقہ وسطی میں ان کا شمار ہے اس میں تو شک نہیں کہ بعض صحابہ سے ان کا سماع ثابت ہے اور بعض سے ان کا سماع مختلف فیہ ہے، امام احمد اور ابو جاتم رازی جو فن رجال کے بڑے امام ہیں وہ فرماتے ہیں کہ حسن کا سماع ابن عمر، انس، عبداللہ بن مغفل، وعمر بن لکھب ان چاروں صحابہ سے ثابت ہے ان کے علاوہ اور بعض ایسے ہیں جن کے سماع میں بہت اختلاف ہے بعض تسلیم کرتے ہیں اور بعض نہیں، ایسے ہی کتب صحاح میں بہت سی روایات ایسی ہیں جن کو حسن سمرة بن جندب سے روایت کرتے ہیں ابھی قریب میں باب التہذیب عند الافتتاح میں حسن کی روایت سمرة سے گذر چکی ہے لیکن اس میں محدثین کا اختلاف ہے کہ سمرة سے حسن کا سماع ثابت ہے یا نہیں علامہ زبیلی نے نقیب الراہ میں اس پر تفصیلی کلام کیا ہے اس میں انھوں نے ہمارے تین قول ذکر کئے ہیں ۱۔ ایک جماعت کی رائے ہے جن میں امام دارقطنی اور امام نسائی بھی ہیں کہ حسن نے سمرة سے صرف حدیث العقیقہ سنی ہے چنانچہ بخاری شریف کی کتاب العقیقہ میں ہے ابن سیرین نے ایک شخص سے کہا کہ حسن بصری سے جا کر دریافت کرو کہ انھوں نے حدیث العقیقہ کس سے سنی، انھوں نے جواب دیا سمعہ من سمرة، ۲۔ ایک جماعت کہتی ہے کہ حسن کا سماع سمرة سے مطلقاً ثابت ہے یعنی حدیث العقیقہ کی قید نہیں بلکہ بعض اور حدیثیں بھی سنی ہیں جن کو وہ ان سے روایت کرتے ہیں اس کے قائل ہیں علی بن مدینی، امام بخاری و ترمذی اور حاکم صاحب مستدرک، امام ترمذی نے حسن عن سمرة کی بہت سی روایات پر صحت کا حکم لگایا ہے، ۳۔ ابن حبان اور یحییٰ بن مسیین کی رائے یہ ہے۔

لم یثبت مطلقاً۔
اس تمہید کے بعد یہ سمجھے کہ مصنف جو یہ فرما رہے ہیں کہ صحیفہ سمرة اس بات پر دلالت کرتا ہے کہ حسن کا سماع سمرة سے ثابت ہے

کلام مصنف پر ایک اشکال | حافظ ابن حجر تہذیب میں فرماتے ہیں کہ یہ بات ہماری سمجھ میں نہیں آئی کہ کیسے دلالت کرتا ہے؟ بظاہر حافظ کا اشکال صحیح ہے اس لئے کہ یہ بات پہلے گذر چکی کہ صحیفہ سمرة کی تمام روایات ایک ہی سند سے مروی ہیں اور وہ وہی سند ہے جو اوپر مذکور ہے اور اس میں حسن مذکور نہیں، باقی! حافظ کا اشکال اس وقت زیادہ قوی تھا اگر مصنف یہ فرماتے کہ یہ حدیث اس بات پر دلالت کرتی ہے حالانکہ ایسا نہیں کہا، اب ہو سکتا ہے کہ اس صحیفہ سے ضمناً اس کی کسی عبارت یا روایت سے یہ ثابت ہوتا ہو الایہ کہ حافظ نے اس پورے صحیفہ کا مطالعہ کیا ہو تو امر آخر ہے، اور صاحب پہل نے یہ توجیہ کی ہے کہ

اس صحیفہ کی اسانید میں سلیمان روایت کرتے ہیں سمرہ سے اور سلیمان وحسن بصری دونوں ایک ہی طبقہ کے ہیں لہذا جب ان میں سے ایک کا سماع ثابت ہے تو ظاہر یہ ہے کہ دوسرے کا بھی ثابت ہوگا اتحاد طبقہ کی وجہ سے۔

حضرت شیخ حاشیہ بذل میں لکھتے ہیں کہ مولوی عبد الجبار اہل حدیث جن کی بندہ سے خط و کتابت ہے انہوں نے مجھے لکھا ہے کہ شیخ حسین عرب یعنی بھوپالی نے اپنی کتاب قرۃ العینین میں لکھا ہے کہ انھوں نے سنن کے بعض نقلی نسخوں میں ایک سند دیکھی ہے جس میں اس طرح ہے حدثنا الحسن قال سمعت سمرۃ الخ یس اگر یہ نسخہ ثابت اور صحیح ہے تو پھر مصنف کی یہ بات بھی صحیح ہے۔ واللہ تعالیٰ اعلم بالصواب۔

بَابُ لُصُولَةِ عَلِيِّ بْنِ صَالِيٍّ لِّلَّهِ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ بَعْدَ التَّشَهُّدِ

مباحث اربعہ متعلقہ بدرود شریف | یہاں پر چند اسماں ہیں نماز میں درود پڑھنے کا حکم اور اس میں مذکور ائمہ و مصلوۃ کے معنی اور اس کی تفسیر آل محمد کا مصداق یہ مصلوۃ ابراہیمی میں تشبیہ پر کلام۔

بحث اول۔ شافعیہ و حنابلہ کے نزدیک تشہد اخیر کے بعد درود کا پڑھنا فرض ہے شافعیہ کے یہاں صرف اللہ صل علی محمد، اور حنابلہ و بعض شافعیہ کے یہاں مصلوۃ علی آلہ کا بھی حکم یہی ہے لہذا ان کے یہاں اللہ صل علی محمد و علی آل محمد پڑھنا فرض ہے۔ یہ فرضیت درود ان کے یہاں قعدہ اخیرہ میں ہے اور قعدہ اولیٰ میں ائمہ ثلاثہ کے یہاں درود نہیں ہے اور امام شافعی کا قول قدیم بھی یہی ہے البتہ ان کے قول جدید میں قعدہ اولیٰ میں بھی مصلوۃ علی النبی مستحب ہے جیسا کہ علامہ سخاوی نے القول البدیع میں لکھا ہے شافعیہ کا استدلال فرضیت درود میں آیت کریمہ یا ایہا الذین امنوا صلوا علیہ وسلموا تسلیما سے ہے اس لئے کہ امر مطلق و جوب کے لئے ہوتا ہے، حنفیہ کہتے ہیں کہ امر تکرار کا تقاضا نہیں کرتا لہذا درود صرف ایک مرتبہ پڑھنا فرض ہے جیسے حج عمر بھر میں صرف ایک مرتبہ فرض ہے اور آیت کریمہ میں حالت مصلوۃ کی تعیین نہیں ہے، قال الکرجی، اور امام طحاوی کی رائے یہ ہے کہ جب بھی حضور صلی اللہ علیہ وسلم کا نام نامی سے تو درود پڑھنا واجب ہے۔

۱۔ حدثنا حفص بن عمر الخ قولہ۔ ام السلام ففقد عرفنا کفایت نفسی علیک، آپ نے سلام پڑھنے کا طریقہ تو بتلادیا ہے یعنی التحیات میں جو آتا ہے السلام علیک ایہا النبی ورحمۃ اللہ وبرکاتہ۔

لے اور درود اکل یہ ہے، اللهم صلی علی سیدنا محمد وعلی آل سیدنا محمد کما صلیت علی سیدنا ابراہیم وعلی آل سیدنا ابراہیم وبارک علی سیدنا محمد وعلی آل سیدنا محمد کما بارکت علی سیدنا ابراہیم وعلی آل سیدنا ابراہیم فی العالمین، انت حمید مجید۔

قولہ۔ قولوا للہم صل علی محمد وآل محمد۔

بحث ثانی۔ آل کے مصداق میں چند قول ہیں۔ جن پر مال زکوٰۃ حرام ہے جیسے بنو ہاشم اور شافعیہ کے نزدیک حرمت زکوٰۃ میں بنو ہاشم کے ساتھ بنو المطلب بھی ہیں۔ ہر مومن متقی سے تمام امت اجابت سے ازواج مطہرات و اولاد اور ان کے علاوہ آپ کے وہ تمام خاندان والے جن پر صدقہ حرام ہے۔ اولاد فاطمہ اور ان کی نسل۔ آپ کی ازواج و ذریت، اور آل ابراہیم سے مراد حضرت اسماعیل و اسحاق اور ان کی اولاد۔

بحث ثالث۔ صلوٰۃ کے معنی اور تفسیر میں چند قول ہیں۔ مثلاً ثنار اللہ تعالیٰ علیہ عند ملائکتہ، اللہ تعالیٰ کا حضور صلی اللہ علیہ وسلم کی تعریف و توصیف کرنا ملائکہ کے سامنے۔ اللہ تعالیٰ کی رحمت رسول اللہ پر، صلوٰۃ بمعنی تعظیم یعنی اللہ تعالیٰ شانہ کی طرف سے آپ کا اعزاز و اکرام دنیا و آخرت میں دنیا میں آپ کے نام کو روشن اور آپ کے لئے ہوئے دین و شریعت کے بقا و ترقی کے ساتھ اور آخرت میں نیکو ثواب اور تشفی امت کے ذریعہ۔

بحث رابع۔ تشبیہ پر اشکال یعنی اس درود میں جس کو درود ابراہیمی کہتے ہیں صلوٰۃ محمدی کو صلوٰۃ ابراہیمی کے ساتھ تشبیہ دی گئی ہے کہ اے اللہ جیسی صلوٰۃ آپ ابراہیم علیہ السلام پر بھیجتے ہیں ایسی ہی ہمارے پیغمبر محمد پر بھی بھیجئے حالانکہ مشبہ بر اقویٰ ہوتا ہے مشبہ سے، تو کیا صلوٰۃ ابراہیمی زیادہ اقویٰ و اعلیٰ ہے صلوٰۃ محمدی سے؟

اس اشکال کی حافظ ابن حجر نے دس توجیہات ذکر کی ہیں من جلد ان کے ایک یہ ہے۔ علی یہاں پر تشبیہ نفس صلوٰۃ اور اصل صلوٰۃ میں ہے قدر اور مرتبہ کے اعتبار سے نہیں ہے جیسا کہ اس آیت کریمہ میں انا اوحینا الیک کما اوحینا الی نوح، کتب علیکم الصیام کما کتب علی الذین من قبکم، لہذا ہو سکتا ہے کہ صلوٰۃ محمدی افضل و اقویٰ ہو صلوٰۃ ابراہیمی سے۔ علی کما صلیت کا تعلق علی آل محمد سے ہے، علی محمد سے نہیں یعنی مشبہ صرف صلوٰۃ آل محمد ہے۔ مثلاً تشبیہ مجموع کی مجموع کیسا متھ ہے لہذا مشبہ بہ صلوٰۃ ابراہیم و آل ابراہیم ہے اور آل ابراہیم میں خود حضور صلی اللہ علیہ وسلم بھی داخل ہیں اس لئے کہ آپ صلی اللہ علیہ وسلم ابراہیم علیہ السلام کے بیٹے اسماعیل علیہ السلام کی اولاد میں سے ہیں لہذا مشبہ بہ کی جانب میں خود آپ بھی شامل ہیں۔ مثلاً مشبہ بہ کا مشبہ سے اقویٰ و افضل ہونا ضروری نہیں ہے کبھی اس کے برعکس بھی ہوتا ہے ہاں البتہ مشبہ بہ کا اظہار و اعتراف ہونا ضروری ہے کہ فی قولہ تعالیٰ، اللہ نور السموات والارض مثل منورۃ کمشکوۃ فیہا مصباح، دیکھیے اس آیت میں نور خدا مشبہ اور نور مصباح مشبہ بہ ہے اب ظاہر ہے کہ چراغ کی روشنی اللہ کے نور کیسا منے کیا ہے یقیناً کمزور ہے لیکن حسی اور مشاہد ہونے کی وجہ

سہ امام نووی نے اس میں مختصراً تین قول لکھے ہیں۔ جمیع الامۃ اس کو انھوں نے محققین کا قول قرار دیا ہے، علی بنو ہاشم و بنو المطلب،

مثلاً آپ کے اہل بیت و ذریت ۱۲ امنہ

بعض علماء جیسے طاؤس تشہد اخیر میں اس دعا کے وجوب کے قائل ہیں اور جمہور صرف استعجاب کے، نیز جمہور کے نزدیک یہ دعا تشہد اخیر میں پڑھی جائیگی جیسا کہ حدیث میں تصریح ہے اور ابن حزم ظاہری اس دعا کے وجوب کے قائل ہیں تشہد اول میں بھی۔

فائدہ ۷۰۔ امام نسائی نے تشہد کے بعد کیا اذعیہ میں وہ مشہور دعا بھی ذکر کی ہے جس کو سب پڑھتے ہیں، یعنی اللہم انی ظلمت نفسی الخ۔ یہ دعا حضرت ابو بکر صدیق رضی اللہ عنہ سے مروی ہے انھوں نے ایک مرتبہ حضور صلی اللہ علیہ وسلم سے عرض کیا تھا کہ مجھ کو کوئی دعا نماز میں پڑھنے کے لئے تعلیم فرما دیجئے اس پر آپ نے ان سے فرمایا کہ یہ دعا پڑھا کرو، یہ دعا دراصل بہت اہم ہے علامہ سندھی حاشیہ نسائی میں اس دعا کی شرح کرتے ہوئے لکھتے ہیں اس سے معلوم ہوتا ہے کہ ہر انسان اگرچہ وہ مرتبہ صدیقین ہی کو کیوں نہ پہونچ چکا ہو کثیر التقصیر انتہائی کوتاہی کرنے والا ہے وجہ اس کی یہ ہے کہ انسان پر اللہ تعالیٰ کی نعمتیں بیشمار اور بیحد و حساب ہیں جن میں سے اقل قلیل کے شکر ادا کرنے کی بھی اس میں طاقت نہیں ہے بلکہ حقیقت تو یہ ہے کہ بندہ کا اللہ تعالیٰ کی نعمتوں میں سے کسی نعمت کا شکر ادا کرنا یہ خود ایک مستقل نعمت ہے جو موجب شکر ہے گویا ہمارا شکر خود محتاج شکر ہے، لہذا اگر ہم اس توفیق شکر پر شکر کریں گے تو یہ شکر اشکر بھی ایک نعمت ہوگا لہذا اس کا بھی شکر واجب ہوگا وھذا الی غیر النہایہ، لہذا ثابت ہوا کہ بندہ ایک نعمت کا بھی شکر ادا نہیں کر سکتا چہ جائیکہ بیشمار نعمتوں کا اور یہ سراسر تقصیر اور ظلم ہے اسی لئے کہا ظلمت نفسی ظلم کثیراً۔

بَابُ اخْفَاءِ التَّشَهُّدِ

اسی طرح کا ترجمہ الباب ترمذی میں ہے باب ما جاء انہ یُخْفِی التَّشَهُّدَ، یہ مسئلہ اجماعی ہے سب کا اس پر اتفاق ہے کہ تشہد سر پڑھا جائے گا۔

قولہ۔ من السنۃ ان یُخْفِی التَّشَهُّدَ، صحابی کا قول من السنۃ کذا حدیث مرفوع کے حکم میں ہے صرح بہ الاصولیون

بَابُ الْاِشَارَةِ فِي التَّشَهُّدِ

اشارہ فی التَّشَهُّدِ کی روایات | تشہد میں اشارہ بالمسبحہ صحیح مسلم اور سنن کی روایات صحیحہ سے ثابت ہے، بخاری شریف میں مجھے اس کی حدیث نہیں ملی نہ ہی کسی کے کلام میں اس کا حوالہ

یعنی شکر اشکر کا شکر بھی ایک نعمت ہوگا لہذا شکر اشکر کا بھی شکر واجب ہوگا وھذا الی غیر النہایہ، لہذا ثابت ہوا کہ بندہ صرف ایک نعمت کا بھی شکر ادا نہیں کر سکتا تو پھر باقی نعمتوں کا نمبر کیسے آسکتا ہے واللہ الموفق والاحول ولا قوۃ الا باللہ ۱۲ سنہ۔

ملا، لیکن امام نووی نے شرح مسلم میں اس پر کوئی مستقل ترجمہ قائم نہیں کیا بلکہ انھوں نے اشارہ فی الشہد کی حدیث کو باب صفۃ الجلوس فی الصلوۃ کے ذیل میں ذکر کیا ہے اسی طرح جمہور علماء سلفاً و خلفاً اور مذاہب اربعہ اس کے استحباب پر متفق ہیں البتہ حنفیہ میں سے بعض متاخرین نے اس کو مکروہ سمجھا ہے، چنانچہ تنویر الابصار (در مختار کا متن) میں ہے ولا یستحب سبابة عند الشهادة و علیہ الفتویٰ، صاحب در مختار نے اور بھی بعض کتابوں کا حوالہ دیا ہے جن میں اشارہ بالاسباب کو مکروہ لکھا ہے، لیکن وہ خود یہ فرماتے ہیں کہ یہ روایت معتمد نہیں ہے، صحیح بھی ہے کہ اشارہ کرنا چاہئے جیسا کہ حضور صلی اللہ علیہ وسلم کے فعل سے ثابت ہے۔

ملا علی قاری کی تالیف اور ملا علی قاری نے اس اشارہ کے ثبوت میں ایک مستقل رسالہ لکھا ہے، ترمین العبارة فی تحقیق الاشارة، دراصل یہ رسالہ خلاصہ کیدانی (اسم کتاب) کے رد میں لکھا گیا ہے اس لئے کہ کیدانی نے اپنے اس رسالہ میں اشارہ بالاسباب کو حرام قرار دیا ہے جس کی ملا علی قاری نے اپنی اس تصنیف میں پر زور تردید فرمائی ہے، وہ لکھتے ہیں کہ بعض مسلمان ماوراء النہر اور اہل خراسان و عراق و روم و بلاد ہند جنھوں نے اس سنت کو ترک کیا ہے یہ قابل اعتبار نہیں کیونکہ یہ تحقیق کے بھی خلاف ہے اور اپنے مسلک بلکہ ائمہ اربعہ کے مسلک کے بھی خلاف ہے، حضرت شیخ نے حاشیہ بذل میں لکھا ہے کہ حضرت مجدد الف ثانی نے بھی اپنے مکتوبات میں اشارہ بالسمیہ کا انکار فرمایا ہے اور حضرت مجدد صاحب کی جانب سے مرزا مظہر جان جانا نے اپنے مکاتیب میں یہ عذر پیش کیا ہے کہ مجدد صاحب کے زمانہ میں ہندوستان میں کتب حدیث شہرہ نہیں ہوتی تھیں۔ اس کے بعد سمجھنا چاہئے کہ اشارہ بالسمیہ کی کیفیت میں ائمہ کے کچھ اختلافات ہیں ان کو بھی سینے۔

اشارہ سے متعلق مباحث اربعہ بحث اول۔ جمہور علماء ائمہ اربعہ کے نزدیک یہ اشارہ قبض اصابع کے ساتھ ہوگا اور مالکیہ کے مذہب کی تصریح الشرح الکبیر میں موجود ہے لیکن حضرت شیخ نے اوپر میں لکھا ہے کہ میں نے مدینہ منورہ میں اہل مدینہ کو بسط اصابع کے ساتھ اشارہ کرتے دیکھا ہے اور خطابی نے بھی اہل مدینہ اسی کو لکھا ہے۔

پھر حنفیہ و حنابلہ صورت اشارہ میں تخلیق کے قائل ہیں یعنی خضر و بنصر کو موڑ کر ابہام و وسطیٰ سے حلقہ بنایا جائے پھر سب سے اشارہ کیا جائے، اور شافعیہ کے نزدیک دو صورتوں میں سے کوئی سی ایک صورت اختیار کرے، عفت ترمین یا عقد تینیس پہلی کی شکل یہ ہے کہ رأس ابہام کو اصل مستح میں رکھے اور عقد تینیس کی شکل یہ ہے کہ رأس ابہام کو وسطیٰ کی جڑ میں رکھے، اور مالکیہ کے نزدیک (کنانی الشرح الکبیر) بوقت اشارہ عقد اصابع کی وہ بیست مستحب ہے جو تقریباً عقد تینیس کی ہوتی ہے، بایں فور کہ شروع کی تینوں انگلیوں کو موڑ لے (لحمہ ابہام سے ملائے) اور سب کو پھیلا کر ابہام کو غبر و وسطیٰ پر رکھ لے۔

بحث ثانی۔ وقت اشارہ حنفیہ کے نزدیک غمی کے وقت انگلی اٹھائے یعنی لا الہ پر اور عند الاثبات یعنی الا اللہ

پر اس کو رکھ لے۔ اور شافعیہ کے نزدیک الا انشر کے وقت اشارہ کرے اور پھر اخیر تک سب کو اٹھائے رکھے یہ حضرات ادب رفیع کے قائل ہیں
خابلہ کہتے ہیں یشیر کل سر علی لفظ الجلالہ یعنی جب بھی تشهد میں لفظ اللہ آئے تو اس پر اشارہ کرے۔ اور مالکیہ
کا مسلک یہ ہے کہ اشارہ بالسمت تشهد کے شروع سے آخر تشهد تک اور اس کے بعد بھی سلام تک کرے
بحث ثالث۔ مالکیہ اشارہ کے وقت تحریک سب سے پہلے شمالاً کے قائل ہیں ائمہ ثلاث اس تحریک کے قائل
نہیں ہیں اس کا ذکر آئندہ حدیث الباب میں بھی آ رہا ہے۔

بحث رابع۔ حنفیہ کے نزدیک قبض اصابع اشارہ کے وقت ہوگا شروع میں انگلیاں بسوط رہیں گی اور ائمہ
ثلاثہ کے نزدیک جس وقت تشهد کے لئے بیٹھے اسی وقت سے انگلیاں موڑی جائیں گی۔
تنبیہ۔ اشارہ کے وقت سب کو بالکل سیدھی اور آسمان کی طرف نہ کرے بلکہ اس کو قبلہ کی طرف مائل کرے جیسا کہ
آگے حدیث میں آ رہا ہے قدحناھا شیئاً۔

۱۔ حدثنا ابراہیم بن الحسن الخ۔ قوله۔ کان یشیر باصبعه اذا دعا ولا یجترکہما۔ عبد اللہ بن الزبیر
کی اس حدیث سے معلوم ہو رہا ہے کہ اشارہ کے وقت انگلی کو دائیں بائیں حرکت نہیں دی جائیگی جیسا کہ جمہور کا مسلک
ہے، مالکیہ تحریک کے قائل ہیں جیسا کہ باب کے شروع میں گذر چکا، ان کا استدلال دائل بن حجر کی حدیث سے ہے بیہقی
میں جس میں مذکور ہے فرائضہ یحسکہما، جمع بین اھدیشین اس طرح کیا گیا ہے کہ تحریک سے مراد عین اشارہ ہے
اس لئے کہ اشارہ تحریک ہی سے تو ہوتا ہے تو یہ اشارہ کے لئے انگلی کو اٹھانا اور رکھنا ہی تحریک ہے۔

قوله۔ ويتحامل النبي صلى الله عليه وسلم بيده اليسرى على فخذة اليسرى، تحامل کے معنی بوجھ ڈالنے
کے ہیں، اور یہاں مراد ہاتھ کو ران پر رکھنا اور اس کو بچھا دینا ہے، اور بائیں ہاتھ کی قید بظاہر اس لئے ہے کہ دایاں
ہاتھ تو مقبوض الاصابع ہوتا ہے آدمی کو اس کے ذریعہ اشارہ کرنا ہوتا ہے خصوصاً مالکیہ کے یہاں تو التیمات میں شروع
سے اخیر تک ہی اشارہ ہوتا رہتا ہے تو گویا وہ ہاتھ ایک دوسرے کام میں مشغول ہے بخلات بائیں ہاتھ کے کہ اس
سے کوئی کام نہیں لیا جاتا وہ بائیں ران پر بچھا رہتا ہے اور اس سے اشارۃ ایک اور بات بھی معلوم ہوتی ہے جو میرے
ذہن میں آیا کرتی ہے کہ التیمات میں مکر کو سیدھا رکھے پیچھے کی طرف کو نہ جھکائے جس طرح گدا لگانے کے وقت
کرتے ہیں جیسی تو تحامل علی الفخذ کے معنی پائے جائیں گے جو یہاں حدیث میں مذکور ہے اور میری اس بات کی تائید
اس روایت سے بھی ہوتی ہے جس میں یہ ہے کہ بائیں ہاتھ سے بائیں گھٹنے کا لقمہ بنا لے رہائیں ہاتھ کی انگلیوں کے

لہ مشہور عند الاحناف تو یہی ہے لیکن اس میں حضرت گنگوہی کی رائے یہ نہیں ہے وہ فرماتے ہیں یہ اشارہ سلام تک باقی رہنا چاہیے حدیث سے یہی ثابت
ہے (کنزانی تذکرۃ الرشید ص ۳۱۱) والکوک ص ۳۱۱ لیکن کوکب کاثر سے معلوم ہوتا ہے حضرت شیخ اس پر منشرح نہیں ہیں امداد الفتاویٰ میں بھی اسی تفصیل کلام ہے
اسکا حاصل یہی ہے کہ عند الاہانت اشارہ کو ختم کر دیا جائے میں نے اپنے بعض اساتذہ کو دیکھا ہے کہ وہ مسبحہ کو عند الاہانت بالکل تو نہیں رکھتے تھے البتہ ذرا جھکا لیتے تھے

سہرے گھٹنے کی طرف کو جھکائے) مسلم کی روایت میں ہے ویدہ السروی علی فخذہ السروی ویلقم کفہ السروی رکعتہ، قوله۔ رافعا اصبعہ السبابة قد احناها شیئا، اس پر کلام باب کے شروع میں گذر چکا، امام نسائی نے اس پر مستقل ترجمہ قائم کیا ہے باب اُحْنا السبابة فی الاشارة، انھوں نے اس باب میں جو حدیث ذکر کی ہے اس کے لفظ یہ ہیں، رافعا اصبعہ السبابة قد احناها شیئا، اور نسائی صلی کی ایک دوسری روایت میں ہے وانشاء باصبعہ التی تلی الایہام فی القبلة۔ یہ روایت زیادہ واضح ہے اس سے معلوم ہو رہا ہے کہ اشارہ قبلہ کی جانب ہونا چاہئے لا الی الفوق ولا الی الیمن والیسار، نیز نسائی کی اسی روایت میں ہے۔ وودھنی ببصرہ الیہا، یعنی اشارہ کیوقت نگاہ اسی انگلی کی طرف ہونی چاہئے تاکہ جو کام بھی ہو وہ اس کی طرف توجہ کیساتھ ہو اسی کا نام شروع حضور قلب ہے اللہم ارزقنا منہ شیئا۔

نماز میں نظر مصلیٰ کس طرف ہونی چاہئے؟ مسئلہ مختلف فیہ ہے مالکیہ کا مشہور مذہب یہ ہے جس کو صاحب منہل نے بھی ابن رشد کے حوالہ سے لکھا ہے کہ مصلیٰ کی نظر نماز میں سامنے قبلہ کی طرف ہونی چاہئے بغیر اس کے کہ کسی چیز کی طرف التفات کرے اور نہ سر نیچے کی طرف جھکائے (بعض صوفیوں کی طرح کیونکہ اس صورت میں رو بہ قبلہ نہیں رہے گا) شافعیہ وحنابلہ فرماتے ہیں نظر مصلیٰ موضع سجود کی طرف ہونی چاہئے اور شافعیہ نے تشہد کی حالت کو اس سے مستثنیٰ کیا اس وقت نگاہ اشارہ کی طرف ہونی چاہئے، اور علامہ شامی لکھتے ہیں کہ ہمارے یہاں ظاہر الروایۃ میں صرف اتنا منقول ہے کہ نظر مصلیٰ کا منہ سجود ہونا چاہئے، اور دوسرے مشائخ جیسے امام طحاوی اور کرخی سے یہ تفصیل منقول ہے کہ نظر مصلیٰ قیام کی حالت میں موضع سجود کی طرف اور رکوع میں قیام کی طرف اور حالت سجود میں نرمہ بینی کی طرف اور قعدہ میں اپنی گود کی طرف اور سلام کیوقت شانے کی جانب۔

باب کراہیۃ الاعتماد علی الید فی الصلوۃ

اس سے پہلے ایک باب گذر چکا ہے اعتماد علی العضا کا، باب الرجل یعتمد فی الصلوۃ علی عضا، اعتماد علی الید سے مراد یا تو عند الخوض ہے یعنی جب سجدہ سے فارغ ہو کر کھڑا ہونے لگے، مسئلہ مختلف فیہ ہے، حنفیہ وحنابلہ تو یہ کہتے ہیں کہ رکبتین پر ہاتھ رکھ کر کھڑا ہو، اور امام شافعی کے نزدیک زمین پر رکھ کر، اور مالکیہ کے مسلک کی تفصیل مع دیگر ائمہ کے رفع یدین والے باب میں ابو حنیفہ سعدی کی حدیث کے ذیل گذر چکی، اور یا اعتماد سے مراد قعدہ میں ہاتھ بجائے ران پر رکھنے کے زمین پر ٹیکنا، مصنف نے اس باب میں دونوں طرح کی روایتیں ذکر کی ہیں بعض میں پہلے معنی مراد ہیں اور بعض میں دوسرے

لے حافظ ابن کثیر نے اپنی تفسیر میں فرمایا جو حکم شطرہ آیہ کے ذیل میں لکھا ہے کہ اس سے مالکیہ نے اس پر استدلال کیا ہے کہ نظر مصلیٰ نماز میں سجدہ کی طرف ہونی چاہئے نہ جیسا کہ ائمہ ثلاثہ فرماتے ہیں کہ موضع سجود کی طرف ہونی چاہئے اس لئے کہ اس کے لئے ذرا سر نیچے کو جھکانا بڑی تکلف جو کہ کمال قیام کے سنانی ہے ۷۔ مالکیہ کے یہاں توجہ نہ اٹھنے وقت رکبتین زمین سے پہلے اٹھتے ہیں اسلئے یدین پہلے ہی سے زمین پر ہوتے ہیں ۱۲۔

باب فی تخفیف القعود

قولہ۔ کان فی الرکعتین الاولیین کاندہ علی التخصیف، رخصت رخصتہ کی جمع ہے بمعنی گرم پتھر۔
 شرح حیشد میں دو قول | اس حدیث کی تشریح میں دو قول ہیں، اول یہ کہ رکعتیں اولیں سے مراد قعدہ اولیٰ ہے اور مطلب یہ ہے کہ حضور صلی اللہ علیہ وسلم قعدہ اولیٰ کو مختصر کرتے تھے اور ایسی جلدی اٹھ جاتے تھے گویا گرم پتھر جس پر زیادہ دیر بیٹھا نہیں جاتا، یعنی صرف تشہد پڑھ کر اٹھ جاتے تھے درود و دعا نہ پڑھتے تھے، چنانچہ جمہور علماء وائمہ ثلاث کا یہی مذہب ہے اور امام شافعی کا قول قدیم بھی یہی ہے اور قول جدید ان کا یہ ہے جیسا کہ پہلے باب الصلوٰۃ علی النبی میں گذر بھی چکا کہ قعدہ اولیٰ میں بھی درود پڑھنا مستحب ہے لیکن صرف محمد پر بدون آل محمد کے اللہ صلی علیہ وسلم۔

مصنف کی طرح امام ترمذی و نسائی نے بھی حدیث کے یہی معنی مراد لیے ہیں نسائی کا ترجمہ باب التخصیف فی التشہد الاول اور ترمذی مشاء ماجار فی مقدار القعود فی الرکعتین الاولیین، اور دوسرا مطلب حدیث کا یہ بھی ہو سکتا ہے کہ رکعتیں اولیں سے مراد قعدہ اولیٰ نہیں بلکہ پہلی رکعت اور تیسری رکعت ہے پہلی رکعت پوری کر کے جب دوسری کے لئے کھڑے ہوتے تھے، اور ایسے ہی تیسری رکعت پڑھ کر جب چوتھی کے لئے کھڑے ہوتے تھے تو ایسی جلدی کھڑے ہو جاتے تھے گویا کہ آپ گرم پتھر پر ہیں، بظاہر اس صورت میں جلسہ استراحت کی نفی ہو رہی ہے، جلسہ استراحت انھیں دو رکعتوں میں ہوتا ہے ان لوگوں کے نزدیک جو اس کے قائل ہیں۔

قولہ۔ قلنا حتی یقوم قال حتی یقوم، اس عبارت میں اخلاق ہے اس کی تشریح ترمذی کی روایت سے ہوئی ہے جس کے لفظ یہ ہیں، قال شعبۃ شم حرث سغداً شفتیۃ بشیء فاقول حتی یقوم فیقول حتی یقوم، مطلب یہ ہے شعبہ کہتے ہیں کہ میں نے اپنے استاد سعد بن ابراہیم سے حدیث لے مذکورہ بالا الفاظ تو اچھی طرح سنے تھے اس کے بعد انھوں نے جو لفظ کہے وہ میں نے اچھی طرح نہیں سنے میں نے اپنے اطمینان کے لئے ان سے پوچھا کہ آگے حدیث کے لفظ حتی یقوم ہیں تو انھوں نے کہا ہاں حتی یقوم ہی ہیں۔

باب فی السلام

یوں سمجھئے کہ یہ صفت صلوٰۃ کا آخری باب ہے کیونکہ سلام افعال صلوٰۃ میں سے آخری فعل ہے، اور باب فی الیدین عند التحریر صفت صلوٰۃ کا پہلا باب تھا وہاں سے لے کر یہاں تک تقریباً کل شرائع ابواب ہیں جن سے میں فراغت ہو گیا،
 فله الحمد والمینۃ۔

جاننا چاہیے کہ کتاب الطہارۃ میں تحریر بہا التکبیر و تحلیہا التسليم حدیث کے ذیل میں دوسرے گزر چکے، ایک سلام کا حکم من حیث الفرض والوجوب اور دوسرے مسئلہ عدد سلام۔

یہاں پر مصنف کی غرض عدد سلام کو بیان کرنا ہے۔ ائمہ ثلاثہ اور جہور علماء نماز میں تسلیتین کے قائل ہیں اور امام مالک تسلیہ واحدہ کے تعلقاً

تسلیہ واحدہ اور تسلیتین کی بحث

وجہ ما کلاً الی الیہین، امام اور منفرد کے حق میں، اور تہجدی کے حق میں تین سلام پہلا سلام دائیں طرف دوسرا تعلقاً وجہ اور تیسرا سلام بائیں جانب بشرطیکہ اس طرف کوئی مصلی ہو ورنہ نہیں، امام شافعی فی قول اور بعض صحابہ جیسے ابن عمر و عائشہ اور ایسے ہی حسن بھری و عمر بن عبدالعزیز بھی تسلیہ واحدہ کے قائل ہیں، سبک السلام شرح بلوغ المرام میں لکھا ہے کہ تسلیتین کی روایات پندرہ صحابہ سے مروی ہیں جن میں سے بعض صحیح ہیں اور بعض حسن اور بعض ضعیف ہیں، عبداللہ بن مسعود کی حدیث جس کو مصنف یہاں لائے ہیں امام ترمذی نے اس کے بارے میں حدیث حسن صحیح لکھا ہے، حافظ نے التلخیص النجیر میں لکھا ہے اخرجہ الاربعۃ والدارقطنی وابن حبان نیز حافظ فرماتے ہیں کہ اس حدیث کی اصل صحیح مسلم میں ہے وہ یہ کہ مکرمہ میں ایک امیر تھے وہ جب نماز پڑھاتے تھے تو دوسرا سلام دائیں بائیں پھرتے تھے اس پر عبداللہ ابن مسعودؓ نے فرمایا اخی علقہا فان رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کان یفعلہ امام مالک کا استدلال عمل اہل مدینہ اور حدیث عائشہ سے ہے جس کے لفظ یہ ہیں ثم یسلم تسلیۃ رواہ اصحاب السنن والحاکم۔

امام ترمذی فرماتے ہیں واضح الروایات عن النبی صلی اللہ علیہ وسلم تسلیتان، اور تسلیہ واحدہ کی حدیث پر انہوں نے کلام فرمایا ہے، حافظ ابن حجر فتح الباری میں لکھتے ہیں کہ امام بخاری نے تسلیم کے سلسلہ میں متعدد ابواب قائم فرمائے ہیں مالکیہ کے رد میں بھی ایک باب منعقد فرمایا ہے، لیکن عدد تسلیم کی کوئی صریح حدیث ذکر نہیں فرمائی نہ تسلیتین کی اور نہ تسلیہ واحدہ کی البتہ امام مسلم نے دو حدیثیں ابن مسعود اور سعد بن ابی وقاص کی تسلیتین کے سلسلہ میں ذکر فرمائی ہیں، نیز حافظ لکھتے ہیں کہ ابن عبدالبر نے تسلیہ واحدہ کی روایات کو معطل قرار دیا ہے۔

ہمارے حضرت گنگوہی نے اس کی یہ توجیہ فرمائی ہے کہ یہ روایت محمول ہے رفع صوت اور جہر پر، یعنی پہلا سلام آپ زیادہ زور سے کہتے تھے بخلاف تسلیہ ثانیہ

تسلیہ واحدہ کی توجیہ

کے، اور اس کی تائید بعض الفاظ روایت سے ہوتی ہے۔ مثلاً ابو داؤد کی ایک روایت میں ہے یسلم تسلیۃ میکاً بوقظ اخلہ، کہ ایک سلام آپ اتنے زور سے کہتے تھے کہ سونے والے جاگ جائیں، اور بعض مشایخ نے یہ تاویل کی ہے کہ ممکن ہے آپ صلوۃ اللیل میں گاہے ایک سلام پر اکتفا فرماتے ہوں اور تسلیتین والی احادیث محمول ہیں فرض نماز پر

لقد یہ خدمت انہوں نے کہاں سے سیکھی ہے؟ بیشک حضور صلی اللہ علیہ وسلم ایسا ہی کیا کرتے تھے ۱۰۸۔

جو آپ مسجد میں سب کے ساتھ ادا فرمایا کرتے تھے۔

احقر کہتا ہے غالباً اسی لئے تسلیمہ واحدہ کی روایت کو مصنف نے یہاں ذکر نہیں کیا بلکہ اس کو ابواب صلوٰۃ اللیل میں لائے ہیں۔

۱۔ حدیثنا محمد بن کثیر ابو مصنف نے تسلیمتین کے بارے میں اولاً عبد اللہ بن مسعود کی حدیث ذکر فرمائی ہے اور ثانیاً وائل ابن حجر کی اور ثالثاً جابر بن عمرہ کی، ان تینوں روایات سے تسلیمتین کا ثبوت ہو رہا ہے، عبد اللہ بن مسعود کی حدیث کی سند بڑی لمبی ہے اس لئے کہ اس میں پانچ تحویل ہیں جن کی تفصیل آگے آئیگی۔

قولہ۔ کلہم عن ابی اسحاق عن ابی الاحوص، اس حدیث کی سند کا مدار ابوالاسحاق پر ہے، ابوالاسحاق سے روایت کرنے والے بہت ہیں، کلہم کی ضمیر کا مرجع ہر سند کا آخری راوی ہے چنانچہ پہلی سند کے آخری راوی سفیان ہیں اور دوسری کے زائدہ تیسری کے ابوالاحوص چوتھی کے عمر بن عبید یا نجوس کے شریک اور چھٹی کے آخری راوی اسرائیل یہ سب رواۃ اس حدیث کو روایت کرتے ہیں ابوالاحوص سے ابوالاسحاق ملتی الاسانید ہیں۔

نیز جاننا چاہیے تیسری سند میں جو ابوالاحوص آئے ہیں وہ اور ہیں ان کا نام سلام بن سلیم ہے اور اخیر میں جو ابوالاحوص آئے ہیں وہ عوف بن مالک ہیں۔

قولہ۔ قال ابوداؤد و هذا لفظ حدیث سفیان و حدیث اسحاق لم یفسرہ۔ یہاں پر حدیث میں دو جملے ہیں ایک شروع میں کان یسلم عن یمنہ وعن شمالہ۔ اور دوسرا آخر میں السلام علیکم ورحمۃ اللہ یہ جملہ ثانیہ جملہ اولیٰ ہی کی تفسیر ہے مصنف فرما رہے ہیں کہ اس جملہ تفسیر کو صرف سفیان نے ذکر کیا اسرائیل نے نہیں۔

قال ابوداؤد و رواہ زھیر عن ابی اسحاق و یحییٰ بن آدم عن اسرائیل عن ابی اسحاق عن عبد الرحمن ابن الاسود عن ابیہ،

شرح السند پہلی پانچ سندیں اس طرح تھیں کہ ان میں ابوالاسحاق اور عبد اللہ بن مسعود کے درمیان صرف ایک واسطہ تھا ابوالاحوص کا اور چھٹی سند میں جو اسرائیل کی ہے اس میں واسطہ تو ایک ہی ہے لیکن ابوالاحوص کے ساتھ اس وقت بھی شامل ہیں، اور رواہ زھیر سے جو سندیں مصنف بیان کر رہے ہیں ان میں ابوالاسحاق اور عبد اللہ بن مسعود کے درمیان دو واسطہ ہیں، عبد الرحمن بن الاسود اور اسود، تو گویا دو فرق ہوئے ایک تو یہ کہ گذشتہ اسانید میں ابوالاسحاق اور صحابی کے درمیان صرف ایک واسطہ تھا اور زھیر و یحییٰ بن آدم کی رواۃ میں دو واسطہ ہیں، اور دوسرا فرق تعین واسطہ کا ہے کہ وہاں واسطہ ابوالاحوص کا تھا اور یہاں بجائے اس کے عبد الرحمن ابن الاسود اور اسود کا ہے۔

قولہ۔ وعلقمۃ عن عبد اللہ، اس میں ایک احتمال تو یہ ہے کہ علقمہ کا عطف عبد الرحمن پر ہو اس صورت

فاسدہ - تسلیم کے الفاظ مسنون کیا ہیں اس کی تفصیل صاحب منہل نے لکھی ہے اس میں یہ بھی لکھا ہے کہ ائمہ ثلاث کے نزدیک السلام علیکم ورحمۃ اللہ مسنون طریقہ ہے اور مالکیہ کے نزدیک ورحمۃ اللہ کی زیادتی مسنون نہیں اور لکھا ہے کہ حنابلہ اور سرخسی من الحنفیہ اور رویانی و امام اکثر میں من الشافعیہ کے نزدیک سلام اول میں وبرکاتہ کی زیادتی بھی مستحب ہے احقر کہتا ہے کہ یہاں ایک اختلاف اور ہے وہ یہ کہ نسائی شریف کی بعض روایات میں سلام الی الیین میں السلام علیکم ورحمۃ اللہ اور سلام الی الیسار میں صرف السلام علیکم وارد ہے بدون ورحمۃ اللہ کے اور امام نسائی نے بھی الگ الگ دو باب قائم کئے ہیں پس ممکن ہے کہ آپ نے کبھی اس طرح بھی کیا ہو لیکن چونکہ اکثر روایات میں یہ فرق نہیں ہے اس لئے جمہور نے عدم فرق ہی کو اختیار کیا ہے منہل میں لکھا ہے حتیٰ یرحمہ بیاض خذہ سے معلوم ہوتا ہے کہ مصلیٰ کو چاہئے سلام کی وقت التفات یمیناً و شمالاً میں مبالغہ کرے، یہی مذہب ہے ائمہ ثلاث شافعیہ حنفیہ و حنابلہ کا اور مالک فی روایت اور دوسری روایت امام مالک سے یہ ہے کہ سلام کی وقت التفات سامنے کی جانب ہونا چاہئے مائلاً الی الیمین، حاصل یہ کہ ان کے نزدیک التفات یسر ہے صرف یمین کی جانب۔

۳۔ حدثنا عثمان بن ابی شیبۃ الخ باب کے شروع میں ہم نے بتایا تھا کہ اس باب میں مصنف نے تین صحابہ کی روایات لی ہیں ابن مسعود، وائل بن حجر، جابر بن سمرة، یہاں سے پہلی تیسری حدیث شروع ہو رہی ہے اس کو مصنف نے مستند طرق سے جن کے سیاق مختلف ہیں ذکر فرمایا ہے، ان میں سے بعض میں رفع یدین عند السلام پایا جا رہا ہے جس پر حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے نکیر فرمائی، اکثر محدثین تو یہی فرماتے ہیں کہ آپ کی یہ نکیر مالی ادا کم رافعی ایدیکم کا نہا اذ ناب خین شمس اس رفع عند السلام پر ہے، اور علماء احناف یہ فرماتے ہیں کہ آپ کی نکیر دونوں پر ہے رفع عند السلام پر بھی اور رفع فی اثنا الصلوۃ عند الركوع وغیرہ پر بھی، اس کی مزید وضاحت ہمارے یہاں رفع یدین کی بحث میں گزر چکی۔

باب الرد علی الامام

قول۔ ان ترد علی الامام وان نتحابت وان یسلم بعضنا علی بعض، رد علی الامام کا مطلب یہ ہے کہ جب مقتدی نماز میں السلام علیکم کہے تو کم کے خطاب میں امام کو بھی شامل کرے، اور باقی حدیث کا مطلب ظاہر ہے نمازیوں کو چاہئے کہ آپس میں ایک دوسرے سے محبت رکھیں اور ایک دوسرے کو سلام کریں نماز میں بھی اور خارج نماز بھی، نماز میں سلام کر نیکا مطلب یہ ہے کہ ہر مقتدی جب السلام علیکم کہے تو جس طرح اس میں امام کے سلام کی نیت کرے اسی طرح نماز میں شریک ہو نیوالے مقتدیوں کی نیت بھی کرے بلکہ علماء نے لکھا ہے کہ ملائکہ جو جماعت میں شریک ہوں ان کی بھی نیت کی جائے۔

بَابُ التَّكْبِيرِ بَعْدَ الصَّلَاةِ

قوله - عن ابن عباس قال كان يعلم انقضاء صلوة رسول الله صلى الله عليه وسلم بالتكبير - حضرت ابن عباس فرماتے ہیں کہ ہم لوگوں کو حضور صلی اللہ علیہ وسلم کی نماز (جو مسجد میں ہوتی تھی) اس کے پورا ہونے کا علم تکبیر کے ذریعہ ہوتا تھا یعنی فرض نماز کے بعد حضور صلی اللہ علیہ وسلم کے زمانہ میں صحابہ کرام نماز کے سلام کے بعد جہراً اللہ اکبر کہا کرتے تھے جس سے ہم سمجھتے تھے کہ اب مسجد میں نماز ختم ہوئی ہے۔

اس حدیث سے ذکر بالجہر کا استحباب فرض نماز کے بعد ثابت ہوتا ہے، بعض سلف اور ابن حزم ظاہری اس کے قائل تھے لیکن جہور اور ائمہ اربعہ اس کے قائل نہیں وہ اس کی توجیہ یہ کرتے ہیں ہوسکتا ہے کہ کچھ دنوں شروع اسلام میں ایسا ہوا ہو تعلیم ذکر کے لئے کیونکہ اس وقت آئے دن لوگ اسلام میں داخل ہوتے رہتے تھے وہ ان چیزوں سے چونکہ ناواقف ہوتے تھے تو ان نو مسلموں کو سکھانے کے لئے ایسا کیا جاتا ہوگا اس کا سلسلہ پھر بعد میں قائم نہیں رہا لہذا یہ ایک وقتی حکم تھا جو اسی وقت منسوخ ہو گیا تھا، اور بعض علماء نے اس کی توجیہ یہ کی ہے کہ اس حدیث میں تکبیر سے مراد تکبیرات تشریف ہیں جو کہ ایام تشریف میں شروع ہیں اور یہ ہر زمانہ کا حکم نہیں ہے، واللہ تعالیٰ اعلم۔

یہاں ایک اشکال ہوتا ہے کہ ابن عباس نماز میں خود کیوں شریک نہیں ہوتے تھے دور سے بیٹھے کیوں سنتے تھے، اس کا جواب امام نووی نے یہ لکھا ہے کہ یہ حضور صلی اللہ علیہ وسلم کے زمانہ میں کس نے تھی تو یہ واقعہ ان کے بچپن کا ہے، اور ایک جواب یہ بھی ہوسکتا ہے کہ اس حدیث کا تعلق سب لوگوں سے نہیں بلکہ ان صبیان اور نسا سے ہے جو گھر میں نماز پڑھتے ہوں ایسے ہی معذورین بھی۔

بَابُ حَذْفِ السَّلَامِ

قوله - قال رسول الله صلى الله عليه وسلم حذف السلام سنة - اس کی دو تفسیریں کی گئی ہیں، حذف الحركة عن لفظ العلالة، یعنی سلام کے اخیر میں جو لفظ اللہ ہے ورحمۃ اللہ میں اس کی حرکت کو حذف کر کے ساکن پڑھنا، اور دوسری تفسیر یہ کی گئی ہے الاسراع وترك المد والاطالة، یعنی نماز کا سلام جلدی سے کہہ کر فارغ ہو جانا زیادہ بکھر کر اور تجوید سے نہ پڑھنا، اس میں مصلحت یہ ہے کہ اگر امام صاحب اس لفظ کو خوب تجوید کے ساتھ کھینچ کر کہیں گے تو ممکن ہے کوئی مقتدی امام سے پہلے سلام کہہ کر فارغ ہو جائے تو اس میں

تقدم علی الامام لازم آئیگا جو جمہور کے نزدیک مفید صلوٰۃ ہے اور حنفیہ کے نزدیک مکروہ ہے۔
 ہمارے حضرت شیخ نور اللہ رحمہ اللہ بھی یہ چاہتے تھے کہ امام کا سلام مختصر ہو اس میں اطالہ ہونے پائے۔
 امام ترمذی اس حدیث کے بعد فرماتے ہیں قال ابن المبارک یعنی ان لاشئۃ مدّاً وروی عن ابیہم
 النخعی انه قال التکبیر جزمٌ والسلام جزمٌ، منہل میں لکھا ہے یہ مسئلہ اجماعی ہے اس میں کسی کا اختلاف نہیں
 اور مصلحت اس میں وہی ہے جو اوپر مذکور ہوئی، لیکن صاحب عون المعبود نے اس میں بعض اہل تشیع کا اختلاف نقل
 کیا ہے کہ وہ کہتے ہیں اس میں جلدی کرنا مکروہ ہے بلکہ سکون و وقار کے ساتھ ہونا چاہیے، لیکن علامہ شوکانی فرماتے
 ہیں وھو مردود بھذا الدلیل الخاص۔

باب اذا الحدث فی الصلوٰۃ

اس قسم کا باب کتاب الطہارۃ میں بھی گزر چکا یہ باب یہاں پر سکر رہے، لہذا اس مسئلہ میں اختلاف و دلائل سب
 وہیں گزر چکے، نیز اس مسئلہ کی طرف اشارہ باب فرض الوضوء میں لایقبل اللہ صلوٰۃ احدکم اذا حدث حتی یتوضا کے ذیل
 میں بھی گزر چکا۔

قوله۔ قال رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم اذا فسا احدکم فی الصلوٰۃ فلیتصرف فلیتوضا و لیعد
 صلوٰۃ، نماز میں اگر حدث لاحق ہو جائے تو وضوء کے بعد سابق نماز پر بنار کر سکتے ہیں یا نہیں ائمہ ثلاث کے یہاں جائز
 نہیں بلکہ نماز کا اعادہ و استیناف واجب ہے، حنفیہ کے نزدیک بنار جائز ہے البتہ اولی استیناف ہے ہاں تہمید حدث
 کی صورت میں بنار حنفیہ کے یہاں بھی جائز نہیں۔

باب فی الرجل یتطوع فی مکان الذی صلی فیہ المكتوبۃ

اس سے پہلے ابواب الامامۃ میں اس سلسلہ کا ایک باب گزر چکا ہے، باب الامام یتطوع فی مکانہ۔
 قوله۔ ایتعجز احدکم ان یتقدم او یتأخر انہ کیا تم سے اتنا نہیں ہو تا کہ فرض نماز سے فارغ ہونے کے
 بعد اپنی جگہ سے ہٹ کر آگے یا پیچھے یا دائیں بائیں ہٹ کر نفیس یا سفیس پڑھا کر دے، اس میں ترغیب ہے کہ ایسا کرنا
 چاہیے، اس میں علماء نے دو فائدے لکھے ہیں، ایک ازالہ اشتباہ دوسرے استکثار شہود، کیونکہ اگر فرض نماز کے
 بعد تمام نمازی اسی طرح اپنی جگہ پر دوبارہ نیت باندھیں گے سنتوں کی تو مسجد میں بعد میں داخل ہونے والے شخص کو
 اول و ہلہ میں یہ شبہ ہو سکتا ہے کہ جماعت کھڑی ہے نماز ہو رہی ہے، اور دوسری مصلحت جو بیان کی گئی وہ یہ ہے
 کہ قیامت کے روز زمین کا ہر وہ حصہ جس پر انسان نے عبادت کی ہو گی وہ گواہی دے گا، لہذا اپنے لئے شاہدوں

کو بڑھانا چاہیے۔ وفی المہنل وذلك لتکثیر مواضع السجود كما قال البخاری والبخوی لان مواضع السجود تشدد له يوم القيامة۔
کما فی قوله تعالیٰ یومئذ تصدّت اخبارھما

فتولہ صلی بنا امامنا یکثی ابا رشتہ ابو البور مشہد کے نام میں اختلاف ہے تقریباً التذیب میں لکھا ہے
قیل اسمہ رفاعہ بن یثربی ویقال عکسہ ویقال عمارۃ بن یثربی ویقال حیوان بن وُصیب وقیل جندب وقیل خشاش، اور
بعض کتب حدیث سے معلوم ہوتا ہے کہ یہ لفظ البور یہ ہے، حافظ فرماتے ہیں تقریب میں کہ اس کو ابن مندہ نے اسی
طرح ضبط کیا ہے، لیکن ابو داؤد کے نسخوں میں البور مشہد ہے، حضرت نے بذل میں اس راوی کی تحقیق میں بہت کچھ تحریر
فرمایا ہے ہم نے تو یہاں حافظ نے جو کچھ تقریب میں لکھا ہے اسی پر اکتفا کیا ہے۔
یہ کافی طویل حدیث ہے اس کا مضمون یہ ہے۔

مِضمون حدیث | اذرق بن قیس کہتے ہیں ایک مرتبہ ہمیں ایک امام نے نماز پڑھائی جس کی کثرت ابو رشتہ تھی
انھوں نے نماز پڑھانے کے بعد ایک واقعہ سنایا کہ ایک مرتبہ میں نے ایک نماز حضور صلی اللہ
علیہ وسلم کے ساتھ پڑھی اور حضرات شیخین ابو بکر و عمر کا معمول نماز میں اگلی صف میں دائیں جانب کھڑے ہونے کا
تھا تو ہوا یہ کہ ایک شخص جو نماز میں شروع سے شریک تھے حضور صلی اللہ علیہ وسلم کے سلام پھیرنے کے بعد اور حضور
کے قبلہ سے رُخ پھیر کر بیٹھنے کے بعد کا فتنا ابی رشتہ، اس کا مطلب یہ ہے کہ ابو رشتہ کہہ رہے ہیں کہ جس طرح
میں اس وقت تمہارے سامنے سلام پھیر کر رُخ بدل کا بیٹھا ہوں اسی طرح حضور بھی بیٹھے تھے، غرضیکہ وہ شخص
جو نماز میں شروع سے شریک تھا کھڑا ہوا اور جس جگہ فرض نماز پڑھی تھی وہیں نفل نماز پڑھنے لگا تو حضرت عمر کھڑے
ہوئے اور اس شخص کے دونوں مونڈھے پکڑ کر زور سے ہلائے اور فرمایا کہ اہل کتاب کی ہلاکت و بربادی اسی وجہ سے
ہوئی ہے کہ انکی نمازوں میں فصل نہیں ہوتا تھا فرض کو نفل کے ساتھ خلط کر دیتے تھے، اہل کتاب کا آسمانی کتابوں
میں تحریر کرنا اور احکام میں اپنی طرف سے تفسیر اور کمی و زیادتی کرنا تو مشہور ہے، غالباً حضرت عمر کی مراد یہ ہے کہ
جس جگہ فرض نماز پڑھی ہے فوراً اسی جگہ کھڑے ہو کر نفلیں پڑھنا یہ بھی ایک قسم کا خلط اور تغیر ہے، پھر حضور
نے جعفرت عمر کے اس فعل کی تصویب و تحمیل فرمائی۔

باب السہو فی السجدةین

سجدتین سے مراد رکعتیں ہے یعنی اگر کوئی شخص دو رکعت پڑھنا بھول جائے اور بجائے چار کے دو پر سلام
پھر دے تو اس کا کیا حکم ہے۔

یہاں سے ابواب السہو شروع ہو رہے ہیں یعنی سجدہ سہو اور اس کے احکام۔

سہو سے متعلق چند مسائل و ابحاث

یہاں پر اولا چند مسائل سن لیجئے۔ ۱۔ سجدہ سہو حنفیہ کے نزدیک واجب ہے اور امام شافعی کے نزدیک سنت ہے ۲۔ سجدہ سہو کے لئے تکبیر افتتاح کی ضرورت ہے یا نہیں ۳۔ ثلاث کے نزدیک نہیں امام مالک کے نزدیک ہے بشرطیکہ سجدہ سہو بعد السلام ہو اور اگر قبل السلام ہو تو پھر اس کے لئے تکبیر تحریمہ کی حاجت نہیں ۴۔ سجدہ سہو کے بعد دوبارہ تشہد پڑھنا ضروری ہے یا نہیں، ۵۔ ثلاث کہتے ہیں کہ اگر سجدہ سہو بعد السلام کیا ہے تب تو دوبارہ تشہد پڑھا جائے گا ورنہ نہیں، اور حنفیہ کے نزدیک ہر صورت میں پڑھا جائے گا، اور حسن بھری کا مذہب یہ ہے کہ سجدہ سہو کے بعد نہ تشہد ہے اور نہ تسلیم، اس مسئلہ کے لئے مصنف نے آگے چل کر مستقل باب باندھا ہے جس کے لفظ یہ ہیں، باب سجدتی السہو فیہما تشہد و تسلیم، ۶۔ سجدہ سہو قبل السلام ہے یا بعد السلام، حنفیہ کے نزدیک مطلقاً بعد السلام اور عند الشافعی مطلقاً قبل السلام، اور امام مالک کے یہاں تفصیل ہے کہ اگر وہ سہو جس کی وجہ سے سجدہ کر رہا ہو نقصان کے قبیل سے ہے تب تو سجدہ سہو قبل السلام ہوگا اور اگر وہ سہو زیادتی کے قبیل سے ہے تو سجدہ بعد السلام ہوگا، ان کا مذہب یاد کرنے کا طریقہ یہ ہے اتفاق للقاء والدال لللال، امام احمد فرماتے ہیں کہ ہر حدیث کو اس کے موقع پر استعمال کیا جائیگا، یعنی جس سہو میں حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے سجدہ قبل السلام کیا ہے ہم لوگ بھی اس سہو میں سجدہ قبل السلام کریں گے اور جس سہو میں آپ نے سجدہ بعد السلام کیا ہے اس میں ہم بھی سجدہ بعد السلام کریں گے۔ اور جو صورت کسی حدیث میں وارد نہیں ہوئی اس میں قبل السلام ہوگا، اسحاق بن راہویہ کا مذہب بھی مثل امام احمد کے ہے مگر وہ یوں فرماتے ہیں کہ جس سہو کے بارے میں حضور سے کچھ ثابت نہیں اس میں امام مالک کے قول کو لیا جائیگا، یعنی اگر وہ سہو نقصان کے قبیل سے ہے تو قبل السلام اور اگر زیادتی کے قبیل سے ہے تو بعد السلام، نیز امام مالک فرماتے ہیں کہ جب نقصان و زیادتی دونوں جمع ہو جائیں تو نقصان کو غلبہ دیتے ہوئے سجدہ قبل السلام ہوگا۔

۱۔ حدثنا محمد بن عبید اللہ۔ قال۔ عن ابی ہریرۃ قال قال صلی بنار رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم

احدی صلاتی العشی الظهر والعصر۔

مضمون حدیث

ابو ہریرہ فرماتے ہیں کہ ایک روز آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے ہم لوگوں کو ظہر یا عصر کی نماز پڑھائی اور دو رکعت پر ہی سلام پھیر دیا اور پھر مسجد میں آگے کی جانب ایک لکڑی گروٹی ہوئی تھی اپنے دونوں ہاتھ اس پر رکھ کر کھڑے ہو گئے غصہ کے اشار آپ کے چہرہ پر نمایاں تھے، دو رکعت پڑھنے کے بعد جو جلد باز تھے (جوان پارٹی) وہ فوراً مسجد سے جانے لگے یہ کہتے ہوئے قُصُرَتِ الصَّلٰوۃ قُصُرَتِ الصَّلٰوۃ یعنی نمازیں میں تخفیف ہو گئی، بجائے چار کے دو رکعت رہ گئیں نماز پڑھنے والوں میں حضرات شیعین ابو بکر و عمر بھی تھے حضور صلی اللہ علیہ وسلم سے کچھ عرض کرنے کی ان دونوں کی تو ہمت نہ ہوئی اس لئے کہ مشہور ہے نزدیکان را پیش بود حیرانی یعنی جو لوگ مقرب ہو آکرتے ہیں ان کو

ڈر زیادہ ہوا کرتا ہے اور عام لوگوں کو کوئی خاص پرواہ نہیں ہوتی، فقہام و جبل کل رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم یمتہ ذوالیہدین الخ ذوالیہدین نے حضورؐ سے عرض کیا یا رسول اللہ کیا بات ہوئی نماز میں قصر واقع ہو گیا یا آپ بھول گئے، اس سوال و جواب کے بعد آپؐ نے پہلی نماز پر بنا کر کہتے ہوئے دو رکعت اور پڑھیں اور سجدہ سہو بھی فرمایا اس حدیث میں چند باتیں ہیں ۱۔ ابو ہریرہ جو اس واقعہ کے راوی ہیں وہ کبھی تو شک کے ساتھ یہ فرماتے ہیں کہ یہ واقعہ ظہر یا عصر کی نماز کا تھا اور کبھی عصر کی تعیین اور کبھی ظہر کی تعیین فرمادیتے ہیں۔

شرح اس کا جواب یہ دیتے ہیں کہ اصل میں تو ان کو اس کی تعیین میں شک ہی تھا اسی لئے کبھی تو شک ہی کے ساتھ بیان کر دیتے تھے اور بعض مرتبہ سوچنے سے ظہر کی رائے غالب ہو جاتی تھی تو ظہر کی تعیین فرمادیتے تھے اور جب عصر کی رائے کو غلبہ ہوتا تھا تو عصر کی تعیین فرمادیتے تھے، ۲۔ اس حدیث میں ابو ہریرہ نے فرمایا کہ ہم لوگوں کو حضورؐ نے نماز پڑھائی، حنفیہ کہتے ہیں کہ یہ مراد نہیں کہ خود ابو ہریرہ کو پڑھائی ابو ہریرہ اس واقعہ میں شریک نہیں تھے، لہذا مراد یہ ہے کہ ہماری قوم کو اور ہماری جماعت کے لوگوں کو آپؐ نے نماز پڑھائی، یا یہ کہتے ہمارے مسلم بھائیوں کو آپؐ نے نماز پڑھائی اور حنفیہ کے نزدیک اس تاویل کی ضرورت اس لئے ہے کہ اس واقعہ میں ذوالیہدین کا موجود نہ ہونا یقینی ہے کیونکہ وہ جنگ بدر میں شہید ہو چکے تھے اس وقت تک ابو ہریرہ اسلام بھی نہیں لائے تھے ان کا اسلام لانا مکہ میں ہے لہذا یہ حدیث مرسل ابو ہریرہ ہوئی ابو ہریرہ نے اس کو کسی قدیم الاسلام صحابی سے سن کر بیان فرمایا۔

۳۔ کلام فی الصلوٰۃ کا مسئلہ مختلف فیہ ہے جو ہمارے یہاں پہلے گذر چکا حنفیہ حنبلیہ کے نزدیک کلام فی الصلوٰۃ مختلفاً قلیل ہوا کثیر عدلاً یا نسیاناً سب ناجائز اور مفسد صلوٰۃ ہے اور شافعیہ فرماتے ہیں کلام قلیل نسیاناً اگر ہو تو اس کی گنجائش اور جائز ہے، اور مالکیہ فرماتے ہیں کہ اگر کلام یسیر قصد اصلاح صلوٰۃ کی غرض سے ہو تو جائز ہے اور اگر ویسے ہی نسیاناً ہو تو ناجائز، یہ حضرات شافعیہ و مالکیہ دونوں اس حدیث سے استدلال کرتے ہیں لہذا یہ حدیث حنفیہ و حنبلیہ کے خلاف ہوئی۔

حدیث ذوالیہدین کی توجیہ عند الحنابلہ | خلافت تو حنبلیہ کے بھی ہونی چاہیے تھی مگر انھوں نے کلام فی الصلوٰۃ کی ایک خاص شکل کا استثناء کر دیا جس کو امام ترمذی نے اپنی سنن میں

حضرت امام احمد کی طرف سے نقل فرمایا ہے لہذا وہ اشکال سے بچ گئے وہ شکل یہ ہے کہ اگر کوئی شخص خواہ وہ امام ہو یا مقتدی نماز میں کلام یہ سمجھ کر کہے کہ میری نماز پوری ہو گئی خواہ واقع میں پوری نہ ہوئی ہو تو یہ صورت جائز ہے اور یہاں اس قسم میں ایسا ہی ہوا اس لئے کہ یہ تو ظاہر ہے کہ حضور صلی اللہ علیہ وسلم یہی سمجھ رہے تھے کہ میں نے نماز پوری پڑھائی کیونکہ آپؐ فرما رہے ہیں کہم أنش ولم تقصرو لیکن ذوالیہدین بھی یہی سمجھ رہے تھے کہ نماز پوری ہو چکی اور وہ یہی سوچ کر بولے تھے۔

در اصل وہ یہ سمجھتے تھے کہ اُسے دن نزول وحی سے احکام میں کمی زیادتی ہوتی رہتی ہے تو بظاہر نماز میں قصر ہوا ہے اور چار کی دورہ گئیں تاہم احتیاطاً انھوں نے آپ صلی اللہ علیہ وسلم سے دریافت کیا کہ آپ کو کہیں نسیان تو نہیں ہو گیا، اب رہ گئے احاث شکر اللہ مساعیہم ان کے یہاں کلام فی الصلوٰۃ کی کوئی صورت بھی مستثنیٰ نہیں۔

حنفیہ کی توجیہ و تقریر | انھوں نے اس کا جواب دیا کہ یہ واقعہ کلام فی الصلوٰۃ کے نسخ سے پہلے کا ہے کلام فی الصلوٰۃ کا نسخ اس واقعہ کے بعد ہوا ہے لہذا اس سے استدلال صحیح نہیں، جبور نے

کہا کہ یہ واقعہ نسخ کے بعد کا ہے کیونکہ کلام فی الصلوٰۃ کا نسخ مکہ میں ہو چکا تھا اور یہ واقعہ مدینہ کا ہے قرینہ اس کا عبد اللہ بن مسعود کی وہ حدیث ہے جو باب رد السلام فی الصلوٰۃ میں گذر چکی فلما رجعنا من عند النجاشی کیونکہ یہاں پر رجوع سے رجوع اول مراد ہے جو مکہ کی جانب ہوا تھا اور یہ قصہ ذوالیہدین او آخر ہجرت کا ہے کیونکہ اسکے راوی ابو ہریرہ ہیں جو سب میں اسلام لئے، ہماری طرف سے اولاً تو اس کا جواب یہ دیا گیا کہ جناب والا! یہ حدیث کسی کے بھی موافق نہیں ہے نہ شافعیہ کے نہ مالکیہ کے، کیونکہ شافعیہ نسیاناً کلام کے جواز کے قائل ہیں یہ کلام نسیاناً کہاں تھا یہ تو عموماً تھا کما صوفاً ہر اور مالکیہ کے بھی خلاف ہے اس لئے کہ ذوالیہدین کا کلام کو اصلاح صلوٰۃ کے ارادہ سے تھا لیکن سرعان الناس کا کلام تو اس فرض سے نہ تھا یہ جواب تو گویا الزامی تھا اور تحقیقی جواب ہمارا یہ ہے کہ یہ واقعہ ذوالیہدین نسخ الکلام فی الصلوٰۃ سے پہلے کا ہے، کیونکہ ہماری تحقیق یہ ہے کہ نسخ الکلام مدینہ میں اوائل ہجرت میں ہوا نہ کہ مکہ میں اور قرینہ اس پر زید بن ارقم کی وہ حدیث ہے جو باب النہی عن الکلام فی الصلوٰۃ میں گذر چکی جس میں اس طرح ہے فنزل قوله تعالى فتموا لله قانتين فامرونا بالسكوت ومنهين عن الكلام اور زید بن ارقم انصاری صحابی خود بھی مدنی ہیں اور یہ آیت بھی بالاتفاق مدنی ہے لہذا ماننا پڑے گا کہ نسخ الکلام فی الصلوٰۃ مدینہ میں ہوا اور وہ جو قرینہ آپ نے پیش کیا تھا ابن مسعود کی حدیث کا اس کے بارے میں ہم یہ کہتے ہیں کہ وہاں رجوع سے رجوع ثانی مراد ہے جو مدینہ کی جانب ہوا تھا اس صورت میں زید بن ارقم اور ابن مسعود دونوں کی حدیثیں متفق ہو جائیں گی ورنہ دونوں میں تعارض ہوگا، اور ابن مسعود کا رجوع ثانی الی المدینہ اوائل ہجرت میں تھا جنگ بدر سے پہلے کا تقریر فی محلہ۔

پس معلوم ہوا کہ نسخ الکلام بھی اوائل ہجرت میں ہوا اور یہ قصہ ذوالیہدین بھی اوائل ہجرت اور بدر سے پہلے کا ہے وجہ اس کی یہ ہے کہ ذوالیہدین جنگ بدر میں شہید ہوئے ہیں لہذا یہ قصہ بھی بدر سے پہلے کا ہے ابو ہریرہ اس میں خود شریک نہ تھے لہذا یہ حدیث مرسل صحابی ہے جب صورت حال یہ ہے کہ نسخ الکلام فی الصلوٰۃ اور اسی طرح قصہ ذوالیہدین دونوں کا وقوع بدر سے پہلے ہوا تو اب یقین کے ساتھ نہیں کہا جاسکتا کہ ان میں سے کون سے وقوع پہلے ہوا اور کون سے کا آخر میں، فلایصح الاستدلال به لاجل احتمال النسخ۔

جمہور کی طرف سے تردید | انھوں نے ہماری اس تقریر کا یہ جواب دیا کہ جنگ بدر میں شہید ہونے والے ذوالیہدین

نہیں ہیں بلکہ ذوالشمالین ہیں اور یہ صاحبِ قصہ ذوالیدین ہیں، امام زہری سے اس میں غلطی ہوئی کہ انھوں نے اس واقعہ کی روایت میں بجائے ذوالیدین کے ذوالشمالین کہہ دیا حالانکہ ایسا نہیں بلکہ صاحبِ قصہ ذوالیدین ہیں جن کا خلافتِ معاویہ میں انتقال ہوا اور ذوالشمالین ایک دوسرے صحابی ہیں جو جنگِ بدر میں شہید ہوئے، لہذا اس حدیث کو مرسل صحابی ماننے کی ضرورت نہیں یہ قصہ اوخر، ہجرت کا ہے البتہ ہر برہہ خود اس میں شریک تھے۔

ذوالیہدین و ذوالشمالین ایک ہی ہیں | ہمارے علماء نے جواب دیا کہ ذوالیہدین اور ذوالشمالین دونوں

نسائیؒ کی حدیث جس کو ابن شہاب الوسلہ سے روایت کرتے ہیں اور الوسلہ ابو ہریرہ سے جس میں یہ ہے کہ آپ صلی اللہ علیہ وسلم کو ایک مرتبہ سہو واقع ہوا فقال له ذوالشمالین اقصت الصلوة ام نسيت يا رسول الله فقال رسول الله صلى الله عليه وسلم اصدق ذوالبيدين، اور اسی طرح اس کو عمران بن ابی النس بھی الوسلہ سے روایت کرتے ہیں، دیکھئے اس روایت میں ایک ہی شخص پر ذوالیدین اور ذوالشمالین کا اطلاق ہو رہا ہے۔ علامہ سندھی حاشیہ نسائی میں لکھتے ہیں کہ ابن عبدالبر نے فرمایا کہ اس قصہ میں ذوالشمالین کہنے میں زہری متفرد ہیں کسی نے ان کی متابعت نہیں کی حالانکہ عمران بن ابی النس نسائی کی اس روایت میں زہری کی متابعت کر رہے ہیں، لہذا تفرد کا دعویٰ باطل ہے، حضرت سہارنپوریؒ نے بذل میں نسائی کے علاوہ بھی بعض کتب حدیث کا حوالہ دیا ہے کہ ان میں بھی اسی طرح ہے مثلاً مسند بزار اور طبرانی کی معجم کبیر میں معلوم ہوا کہ یہ دونوں ایک ہیں یہی رائے ابن حبان اور ابن سعد کی ہے اور اسی کو ترتیب دی ہے ابن الاثیر الجزری نے جامع الاصول میں اور برود نے الکامل میں اور ایک دوسری جماعت یہ کہتی ہے کہ یہ دونوں الگ الگ ہیں انھیں میں سے سبیلی ہیں اور سبیقی، ابن الاثیر الجزری صاحب مسند الغابہ اور ابن مندہ یہ سب حضرات یہ کہہ رہے ہیں کہ زہری سے اس میں غلطی واقع ہوئی، نیز انھوں نے کہا کہ دونوں ایک کیسے ہو سکتے ہیں جبکہ دونوں کے نام اور قبیلہ مختلف ہیں ذوالشمالین غیر بن عمرو الخزاعی ہیں اور ذوالیدین خرباق بن عمرو السملی ہیں، ہماری طرف سے جواب دیا گیا کہ ہو سکتا ہے خرباق لقب ہو اور غیر نام، اور اس کی تائید اس سے ہوتی ہے کہ ولیدیت دونوں کی ایک ہے یعنی عمرو، یہی بات کہ ایک خزاعی ہے دوسرا سملی۔ سو اس کا جواب یہ ہے کہ سملی نسبت ہے سلیم کی طرف جو اس قبیلہ کا جدِ اعلیٰ ہے اور سلیم دراصل دو ہیں سلیم بن ملک ان اور سلیم بن منصور، سلیم بن منصور بے شک غیر خزاعی ہے لیکن سلیم بن ملک ان خود قبیلہ خزاعہ سے ہے لہذا دونوں ایک ہو سکتے ہیں۔

۱۔ ابن الاثیر الجزری صاحب جامع الاصول اور ابن ادریہ ابن الاثیر الجزری صاحب اسد الغابہ دوسرے ہیں یہ دونوں سہجائی مہجائی ہیں یہاں ایک تیسرے شخص ہیں ابن الجزری، صاحب حصین حصین محمد بن محمد بن محمد الجزری ۱۲۷۲ھ -

حافظ کہتے ہیں کہ بعض ائمہ کی رائے ہے کہ یہ قصہ دونوں کے ساتھ پیش آیا ہو ذوالیہدین اور ذوالشمالین جن میں سے ایک میں ابوہریرہ شریک ہوں اور دوسرے کو انھوں نے مرسل روایت کیا ہو، نیز یہ بھی کہا گیا ہے کہ ذوالیہدین اور ذوالشمالین ہر دو لفظ کا اطلاق دونوں شخصوں پر ہوتا ہے اس وجہ سے اشتباہ واقع ہو گیا یہاں تک باب کی حدیث اول پر تفصیلی کلام ہو چکا۔

۲۔ حدیث عبد اللہ بن مسلم الخ۔ قولہ۔ وحدیث حماد استم۔ پہلی حدیث میں ایوب سے روایت کرنے والے حماد تھے اور یہاں مالک ہیں، مصنف کہہ رہے ہیں کہ حماد کی حدیث مالک کی حدیث سے اتم ہے، قال۔ صلی رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم لم یقل بتنا، یعنی حماد نے اپنی روایت میں ابوہریرہ کا قول صلی بنا رسول اللہ نقل کیا تھا اور مالک نے صرف صلی رسول اللہ کہا بتنا نہیں کہا۔

جنت کے مرسل ابوہریرہ ہونے پر کلام | یہ بات پہلے گذر چکی ہے ہماری طرف سے کہ اس واقعہ میں ابوہریرہ شریک نہیں تھے تو اگر انھوں نے صرف صلی رسول اللہ کہا ہے تب تو کوئی اشکال ہی نہیں اور اگر صلی بنا کہا تو اس کی تاویل گذر چکی کہ بنا سے مراد جماعتِ مسلمین ہے خود مستحکم اس میں داخل نہیں امام طحاوی نے اس کی بہت سی نظیریں پیش کی ہیں نزال بن سبرہ کہتے ہیں، قال لمارسل اللہ صلی اللہ علیہ وسلم، حالانکہ نزال تابعی ہیں انھوں نے حضور صلی اللہ علیہ وسلم کو نہیں دیکھا، اور طاؤس نے ایک موقع پر کہا قدم علینا معاذ بن جبل حالانکہ طاؤس وہاں موجود نہیں تھے ایسے ہی حسن بصری فرماتے ہیں خطبنا عتبہ بن غزوہ حالانکہ حسن اس خطبہ کی وقت موجود نہیں تھے، البتہ ایک روایت میں ہے ابوہریرہ فرماتے ہیں بیانا انا احدثی اس کا جواب یہ ہے کہ ہو سکتا ہے یہ روایت بالمعنی ہو۔

۳۔ حدیث ثناء علی بن نصر الخ۔ قولہ۔ وقال هشام یعنی ابن حسان کبر شتم کبر وسجد، یہاں تکبیر دو مرتبہ مذکور ہے، باب کے شروع میں سجدہ سہو کے طریقہ کے بیان میں گذر چکا ہے کہ امام مالک کے نزدیک اگر سجدہ سہو بعد السلام ہو تو اس صورت میں تکبیر تحریر یہ کہی جائیگی، ایک مرتبہ اللہ اکبر تحریر یہ کہ نیت سے کہے دوسری مرتبہ سجدہ میں جانے کے لئے، اس روایت سے مالکیہ کی تائید ہو رہی ہے، آگے چل کر مصنف فرما رہے ہیں کہ حماد بن زید کے علاوہ کسی نے بھی دو مرتبہ لفظ کبر نقل نہیں کیا لہذا یہ زیادتی شاذ ہے۔

۴۔ حدیث ثناء محمد بن یحییٰ بن فارس الخ۔ قولہ۔ ولم یسجد سجدتی السہو حتی یقننا اللہ ذلک، یعنی اس واقعہ میں حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے سجدہ سہو اس وقت کیا جب اللہ تعالیٰ نے آپ کے دل میں اس بات کا یقین ڈال دیا کہ ہاں واقعی مجھ سے سہو ہوا ہے اور بجائے چار کے دو رکعت پر سلام پھیر دیا ہے، بظاہر یہ اس اشکال کا

جواب ہے کہ جب آپ صلی اللہ علیہ وسلم کو اس بات کا یقین تھا کہ مجھ سے کوئی سہو نہیں ہوا جیسا کہ آپ نے فرمایا تھا لَمْ اَنْسَ وَلَمْ تَقْصُرْ تو پھر آپ نے لوگوں کے کہنے پر اپنے یقین کے خلاف عمل کیسے کیا تو راوی نے اس کا جواب دیا کہ آپ نے محض لوگوں کے کہنے پر ایسا نہیں کیا بلکہ اللہ تعالیٰ کے یقین پیدا کرنے کے بعد کیا، اور مسئلہ بھی یہی ہے چنانچہ درختاریں لکھا ہے کہ اگر امام اور مقتدیوں میں سہو کے بارے میں اختلاف رائے ہو جائے تو اگر امام کو اپنی بات پر یقین ہے تو نماز کا اعادہ یا سجدہ سہو نہ کرے اور اگر امام کو یقین نہ ہو تب قوم کی بات اختیار کرے، ویسے یہ مسئلہ بہت تفصیل طلب ہے علامہ شامی نے اس کی تفصیل لکھی ہے جو بذلل مجہود میں موجود ہے۔

تنبیہ۔ بعض روایات میں بجائے حتی یقنہ اللہ کے حتی نقاہ الناس آیا ہے اس کا مطلب بھی یہی لینا ہوگا کہ لوگوں کی تلقین اور اللہ تعالیٰ کے یقین دلانے کے بعد آپ نے سجدہ سہو کیا، اور بعض روایات میں سجدہ سہو کی مطلقاً نفی ہے چنانچہ آگے آ رہا ہے ولم یسجد سجدتی السہو، اسی لئے شراح نے لکھا ہے کہ زہری کی روایت اس سلسلہ میں مضطرب ہے۔

۵۔ حدثنا اسماعیل بن اسد الخ۔ قولہ۔ ثم سجد سجدتین وهو جالس بعد التسليم، اس روایت سے اور اس کے بعد آئیوالی دو روایتوں سے یہ معلوم ہو رہا ہے کہ اس موقع پر آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے سجدہ سہو بعد السلام کیا تھا جیسا کہ حنفیہ کا مسلک ہے اور یہ حدیث بالکلیہ کے خلاف ہے اس لئے کہ ان کے یہاں نقصان کی صورت میں سجدہ قبل السلام ہے اور یہ نقصان ہی کی صورت تھی لیکن اس کے باوجود آپ نے سجدہ سے بعد السلام کئے۔

۶۔ حدثنا مسدد الخ۔ قولہ۔ عن عمران بن حصین،

حدیث عمران بن حصین فی قصۃ السہو | اب تک ابو ہریرہ کی روایات کا سلسلہ چل رہا تھا اب یہ حدیث عمران بن حصین کی آئی ہے یہ گذشتہ روایت کے خلاف ہے اس میں یہ ہے کہ آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے ایک مرتبہ عمر کی نماز میں تین رکعت پر سلام پھیر دیا، اب اگر اس کو مستقل الگ واقعہ قرار دیا جائے تب تو کوئی اشکال نہیں، اور اگر یہ وہی ذوالیدین والا واقعہ ہے جس کے راوی ابو ہریرہ تھے تب تعارض ہو جائے گا۔ اس میں محدثین کا اختلاف ہے امام ابن خزیمہ اور ان کے متبعین کی رائے تعدد واقعہ کی ہے کہ یہ دو واقعہ الگ الگ ہیں، شوکانی نے اسی کو ظاہر قرار دیا ہے اور حافظ ابن حجر کی رائے عدم تعدد کی ہے کہ یہ دونوں حدیثیں ایک ہی واقعہ سے متعلق ہیں۔ میں کہتا ہوں اسی طرح آگے ایک تیسری حدیث آ رہی ہے معاویہ بن عبد الجبار کی اس میں بھی یہی ہے کہ آپ صلی اللہ علیہ وسلم کی جبکہ ایک رکعت باقی تھی تو آپ نے سلام پھیر دیا۔

لے بہتر یہ ہے کہ یوں کہا جائے کہ نفی مطلق جہاں ہے وہاں بھی مفید مراد ہے یعنی حتی یقنہ اللہ تعالیٰ۔

حدیث ابو ہریرہ و حدیث عمران، و حدیث معاویہ

ابن رسلان شارح البوداؤد کی رائے یہ ہے کہ یہ تینوں حدیثیں الگ الگ اور مختلف قصے ہیں ابو ہریرہ کی حدیث کا قصہ الگ ہے اس میں آپ کی دو رکعت رہ گئی تھیں، اور حدیث عمران اور معاویہ بن حدیج ان دونوں میں آپ سے ایک ایک رکعت سے بھول ہوئی تھی لیکن عمران بن حصین کی حدیث عصر کی نماز سے متعلق ہے اور معاویہ بن حدیج کی حدیث مغرب کی نماز کا قصہ ہے (کذا فی حاشیۃ البنذلی)

قولہ۔ تتم دخل قال عن مسلمة العجوة جمر مجرہ کی جمع ہے مصنف فرما رہے ہیں الحجۃ کا لفظ مسلمۃ بن محمد کی روایت میں ہے اور مصنف کے دوسرے استاذ یعنی مسد کی روایت میں نہیں ہے، مضمون حدیث یہ ہے کہ ایک مرتبہ آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے عصر کی نماز میں تین رکعت پر سلام پھیر دیا اور سلام پھیرنے کے بعد ازواج مطہرات کے حجروں میں سے کسی حجرہ میں اپنی جگہ سے اٹھ کر تشریف لے گئے کیونکہ آپ تو یہ سمجھ رہے تھے کہ نماز میں نے پوری پڑھائی ہے۔

فائدہ۔ تحفۃ الاحوذی شرح ترمذی میں علامہ عینی سے نقل کیا ہے کہ حضور صلی اللہ علیہ وسلم سے نماز کے اندر پانچ قسم کا سہو واقع ہوا ہے ترک القعدة الاولى التسلیم فی الركعتین فی الرباعیۃ، التسلیم علی ثلاث رکعات ولو سلم تعدد القصتين زیادۃ رکعت فصلی خمس رکعات، السجود علی الشک کی حدیث ابی سعید۔

باب اذا صلی خمسا

۱۔ حدثنا حفص بن عمر بن الخطاب۔ قولہ۔ صلی رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم الظهر خمسا، ایک مرتبہ آپ نے ظہر کی نماز بجائے چار کے پانچ رکعت پڑھا کر سلام پھیرا لوگوں نے لقمہ بظاہر اس لئے نہیں دیا کہ ممکن ہے حکم میں تغیر ہو گیا ہو اور بجائے چار کے پانچ ہو گئی ہوں، غرضیکہ آپ صلی اللہ علیہ وسلم سے عرض کیا گیا، آپ نے اس کی تلافی میں سجدہ سہو کر لیا، باقی اس روایت میں یہ مذکور نہیں کہ رکعت رابعہ پر آپ نے قعدہ کیا تھا یا نہیں۔

مذاہب ائمہ۔ جمہور علماء ائمہ ثلاث تو یہ فرماتے ہیں کہ دونوں صورتوں میں نماز صحیح ہو جائے گی سجدہ سہو کر لینا کافی ہے اور احناف یہ کہتے ہیں کہ چوتھی رکعت پر بیٹھنے کی صورت میں تو نماز صحیح ہو جائے گی، سجدہ سہو کر لینا کافی ہوگا، اور اگر بغیر قعدہ کے آدمی کھڑا ہو جائے تو اگر سجدہ میں جانے سے پہلے پہلے یاد آ جائے تو قعدہ کی طرف لوٹ آئے نماز درست ہو جائیگی اور اگر سجدہ میں چلا گیا تو حنفیہ کے نزدیک اس کی نماز باطل ہو جائیگی شیخین تو یوں فرماتے ہیں کہ اس کا فرض باطل ہوگا ویسے اس کی یہ نماز نفل ہو جائے گی لہذا ایک رکعت اور شامل کر لے اور امام محمد کے نزدیک مطلقاً ہی باطل ہو جائے گی۔

کیا یہ حدیث جمہور کی دلیل ہے؟ جمہور علماء اس حدیث سے استدلال کرتے ہیں، حنفیہ یہ کہتے ہیں غلط

بین الفرض والنفل مفسد صلوٰۃ ہے اگر کوئی شخص فرض نماز کو اس کی تکمیل سے پہلے نفل کے ساتھ غلط کر دے تو نماز باطل ہو جائے گی، قعدہ اخیرہ نہ کرنے کی صورت میں پانچویں رکعت میں داخل ہونے سے جس کا تحقق سجدہ سے ہوتا ہے غلط بین الفرض والنفل قبل تکمیل الفرض لازم آتا ہے اس لئے نماز باطل ہو جائے گی، بخلاف اس کے کہ قعدہ اخیرہ کر چکا ہو وہاں گو غلط لازم آئے گا، لیکن بعد تکمیل الفرض لہذا نماز درست ہو جائے گی، یہ بات تو حنفیہ کی اصولی ہے لیکن جمہور یہ کہتے ہیں کہ آپ کی یہ تفصیل حدیث کے خلاف ہے حدیث تو مطلق ہے حنفیہ کہتے ہیں کہ حدیث میں جو مذکور ہے یہ واقعہ جزئی ہے اب ظاہر ہے کہ مطلق کا تحقق اس کے دو فردوں میں سے کسی ایک فرد کے ضمن میں ہوگا لہذا یہاں اس واقعہ میں اب دو احتمال ہیں قعدہ اخیرہ کرنے کا اور نہ کر نیکا، لیکن وقوع ان میں سے یقیناً ایک ہی کا ہوا ہوگا اس لئے ہم نے صرف ایک ہی صورت اختیار کی اور وہ صورت وہ ہے جس کا قرینہ ہمارے پاس موجود ہے وہ قرینہ یہ ہے کہ راوی کہہ رہا ہے صلی اللہ علیہ وسلم اب ظہر تو ظہر جمعی ہوگی جب اس کے جملہ فرائض پائے جا چکے ہوں اور ان میں ایک قعدہ اخیرہ بھی ہے ہماری بات تو ہے یہ اب آگے آپ کا اختیار ہے۔

۲- حدثنا محمد بن عبد الله بن نمير عن - قوله - قال ابو داود في رواية حصين نعلوا الا عمنش،

یہاں پر مصنف نے اس حدیث کو دو طریق سے ذکر کیا اولاً بطریق منصور عن ابراہیم ثانیاً بطریق الا عمنش عن ابراہیم، اب یہاں مصنف طریق الا عمنش کو ترجیح دے رہے ہیں طریق منصور پر اس لئے کہ حصین نے اعش کی موافقت کی ہے اور اس کے بالمقابل جیسا کہ حضرت نے ہذل میں لکھا ہے امام بیہقی نے منصور کی روایت کو ترجیح دی ہے اعش کی روایت پر اب یہ کہ ان دونوں کی روایت میں فرق کیا ہے وہ سمجھنا چاہئے اور وہ یہ ہے کہ یہ واقعہ جو حدیث میں مذکور ہے کہ آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے ایک مرتبہ ظہر کی پانچ رکعت

لے لیکن حنفیہ نے جو شکل اختیار کی اس میں ایک عقلی اشکال ہے جس کو غالباً علامہ سندھی نے حاشیہ نسائی میں لکھا ہے وہ یہ کہ اگر یہ فرض کیا جاتا ہے کہ آپ نے چوتھی رکعت میں قعدہ کیا تھا تو اس میں تکرار سہو لازم آتا ہے وہ اس طرح ہم پوچھتے ہیں کہ آپ جب رابع میں بیٹھے تھے تو کیا سمجھ کر بیٹھے تھے اگر رکعت ثانیہ سمجھ کر بیٹھے تھے تو پھر کھڑے ہونے کے بعد ایک رکعت کیوں پڑھی دو پڑھنی چاہئے تھیں، لہذا یہ دوسرا سہو ہوا اور اگر آپ چوتھی ہی سمجھ کر بیٹھے تھے تو پھر پانچویں کے لئے کھڑے کیوں ہوئے، لہذا پہلی ہی صورت اختیار کرنی ہوگی اور اس میں تکرار سہو ہے، میں کہتا ہوں یہ بھی ممکن ہے کہ کہا جائے کہ حضور صلی اللہ علیہ وسلم چوتھی رکعت پر بیٹھے تو سمجھے اس کو چوتھی ہی سمجھ کر لیکن بعد میں آپ کو اس کے بارے میں تردد ہوا ہو کہ یہ چوتھی ہے یا تیسری اس بنا پر ایک اور رکعت آپ نے پڑھی اس پر یہ اشکال ہوگا کہ پھر آپ نے سجدہ سہو کیوں نہیں فرمایا اسکا جواب سوچ لیا جائے یا یہ کہا جائے کہ اس موقع پر آپ نے اسکو بیان جواز کے لئے ترک کر دیا ہوگا اصلے کہ بعض علماء کے نزدیک سجدہ سہو غیر واجب ہے۔

پڑھادیں تو سلام کے بعد صحابہ کے ٹوکنے پر سجدہ سہو فرمایا اور ایک قاعدہ کی بات آپ نے تنبیہ فرمائی تو حدث فی الصلوۃ مثنیٰ انبأ تکم بہ ولكن انما انا بشر انسى کما تنسون الخ یہ پورا جملہ آپ کتنے کب ارشاد فرمایا منصور کی روایت سے تو معلوم ہوتا ہے کہ یہ جملہ آپ نے سجدہ سہو وغیرہ سے فارغ ہونیکے بعد اخیر میں فرمایا اور اعمش کی روایت سے معلوم ہوتا ہے کہ یہ بات آپ نے سجدہ سہو کرنے سے پہلے ارشاد فرمائی، من حیث الفقہ والقواعد منصور کی روایت راجح ہوئی چاہیے ورنہ روایتہ الأعمش کے پیش نظر تو درمیان صلوۃ بات کرنا لازم آتا ہے، واللہ تعالیٰ اعلم۔

۳۔ حدثنا قتیبہ بن سعید الخ۔ قوہ۔ عن معاویۃ بن حدیج الخ اس روایت پر کلام ہمارے یہاں

گذشتہ باب کے اخیر میں گذر چکا۔

باب اذا شك في الثنتين والثلاث من قال يلقي الشك

اگر کسی شخص کو نماز کی حالت میں عدد رکعت میں شک و شبہ ہو تو اس کو کیا کرنا چاہیے، اس میں بعض علماء کی رائے تو یہ ہے کہ ایسے شخص کو چاہیے کہ شک واقع ہونے کے بعد فوراً بیٹھ کر سجدتین کے بعد سلام پھیر دے نہ استیناف کی ضرورت نہ تحریر کی اور نہ بنا علی الاقل کی یہ قول منسوب ہے حسن بھری کی طرف۔

حنفیہ کے نزدیک یہ مسئلہ مثلث ہے اس کی تین صورتیں ہیں ایک صورت میں استیناف مذابہ بائمہ کی تفصیل (از سر نو نماز پڑھی جائے گی) اور ایک صورت میں بنا علی الاقل المتیقن، اور ایک صورت میں بنا علی الظن الغالب، اور اسی کو تحریر کہتے ہیں، جس شخص کو نماز میں اس طرح کا شک و شبہ کثرت سے پیش نہ آتا ہو بلکہ اتفاقاً کبھی ہو جاتا ہو اس کے لئے استیناف ہے از سر نو نماز پڑھے، اور جس شخص کو شک و شبہ پیش آتا رہتا ہو اس کیلئے تحریر ہے، تحریر کے بعد جس طرف رجحان زائد ہو اس کو اختیار کرے اور اگر سوچنے کے باوجود کسی ایک جانب کو غلبہ نہ ہو تو پھر بنا علی الاقل ہے، مثلاً کسی شخص کو شبہ ہوا تھا کہ اس کی تین رکعت ہوئی یا چار تو اگر سوچنے سے کسی ایک جانب رجحان ہو جائے تو اس کو اختیار کرے ورنہ جو اقل متیقن ہے یعنی تین رکعت اس کو اختیار کرے لہذا ایک رکعت اور پڑھے، اور امام شافعی بنا علی الاقل کے قائل ہیں اور روایات میں جو تحریر کا ذکر آتا ہے اس کے بارے میں وہ فرماتے ہیں کہ تحریر کے معنی ہیں قصد کرنا یعنی جو بات مواب اور درست ہے اس کو اختیار کرنا، وہ فرماتے ہیں کہ مواب اور درست چیز اقل متیقن ہی ہے، اور امام مالک کا مسلک یہ ہے کہ اگر مصلی مستنجح ہے یعنی جس کو شک و شبہ کثرت سے پیش آتا رہتا ہے اس کے لئے حکم تحریر ہے اپنی تحریر پر عمل کرے اور اگر غیر مستنجح ہے تو اس کو چاہیے کہ بنا علی الیقین کرے، اور امام احمد کا مشہور مذہب یہ ہے کہ اس مسئلہ میں کہ امام اور منفرد کے درمیان

فرق ہے۔ امام کے لئے تحرری اور ظن غالب پر عمل کرنا بہت اور منفرد کے لئے بنا علی الاقل۔ امام احمد سے اس مسئلہ میں دو روایتیں اور ہیں ایک تحرری مطلقاً۔ بنا علی الاقل مطلقاً (ذکرہ الحافظ ابن الیقین) مذکورہ بالا تفصیل سے یہ بھی معلوم ہوا کہ ائمہ ثلاثہ میں سے کوئی استیناف کا قائل نہیں ہے بلکہ تحرری یا بنا علی الاقل، وہ یہ کہتے ہیں کہ استیناف کی روایت ضعیف ہے۔

استیناف کی دلیل میں کہتا ہوں استیناف کی روایت کتب صحاح میں سے تو کسی میں نہیں ہے صاحب بدایہ نے اس کو عبد اللہ بن مسعود سے مرفوعاً روایت کیا ہے اور بھی بعض دوسرے صحابہ کی طرف اس کو منسوب کیا ہے، لیکن حافظ ابن حجر نے الدراریہ میں لکھا ہے کہ یہ حدیث شیعہ مرفوعاً کہیں نہیں ملی ہاں موقوفاً علی ابن عمر مصنف ابن ابی شیبہ میں ملی ہے۔

۱۔ حدَّثَنَا مُحَمَّدُ بْنُ الْعَلَاءِ الْإِمْلِيُّ - قَوْلُهُ - عَنْ أَبِي سَعِيدٍ الْعَدَوِيِّ قَالَ قَالَ رَسُولُ اللَّهِ صَلَّى اللَّهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ إِذَا شَكَّ أَحَدُكُمْ فِي صَلَوتِهِ فَلْيَبْتَغِ الشُّكَّ وَلْيَبْنِ عَلَى الْيَقِينِ. اس حدیث سے شافعیہ استدلال کرتے ہیں کہ شک کی صورت میں بنا علی الاقل ہی کرنا چاہئے وہی مستعین ہے۔

حیث کی توجہ حنفیہ اور دوسرے حضرات فرماتے ہیں کہ چونکہ روایات میں تحرری کا بھی ذکر آتا ہے اس لئے اس حدیث کا مطلب یہ لیا جائے گا کہ جب باوجود تحرری کے کسی ایک جانب کا رجحان اور میلان نہ ہو اور شک ہی باقی رہے تو ایسے شخص کو بنا علی الاقل کرنا چاہئے اور ایسے شخص کے بارے میں حنفیہ بھی یہی کہتے ہیں۔

قَوْلُهُ - فَإِنْ كَانَتْ صَلَوتُهُ تَامَةً كَانَتِ الرُّكْعَةُ نَافِلَةً وَالسُّجُودَاتُ -

شرح حیث یعنی ایسے شخص کی نماز اگر ایک رکعت پڑھنے سے پہلے ہی پوری ہو چکی تھی تو یہ ایک رکعت نفل ہو جائے گی اور دو سجدے قائم مقام نفل کی دوسری رکعت کے ہو جائیں گے، تو گویا ایسے شخص کی چار رکعت فرض ہو جائیں گی اور دو نفل، اور اگر ایک رکعت شامل کرنے سے پہلے اس کی نماز ناقص تھی تو اب ایک رکعت پڑھنے سے اس کی نماز فرض پوری ہو جائیگی اور یہ دو سجدے زائد ہوں گے، سجدتین کو مرغمتین کہا گیا ہے یعنی شیطان کو رسوا اور ذلیل کرنے والے، شیطان نے تو شک میں ڈال کر یہ چاہا تھا کہ اس کی فرض نماز بھی پوری نہ ہو اور اس نے اپنی فرض نماز پوری کر کے مزید دو سجدہ کئے جس سے شیطان اپنے مقصد میں ناکام ہو کر ذلیل و خوار ہوا۔ مرغمتین ارغام سے ہے کہا جاتا ہے ارغم اللہ انفاہی النعمۃ بالارغام، ارغام بمعنی مٹی یعنی اللہ تعالیٰ اسکی ناک خاک آلود کرے۔ اور یہ ترغیم سے بھی ہو سکتا ہے جیسا کہ آگے آرہا ہے فالسجدتان نذر غیم للشیطان۔

بَابُ مَنْ قَالَ يَتِمُّ عَلَى الْتَرْظَنَةِ

یعنی تحرّی کرے اور جس طرف گمان غالب ہو اس کو اختیار کرے۔

۱۔ حَدَّثَنَا النَّضِيلِيُّ الْهَمَزِيُّ قَالَ قَالَ ابُو دَاوُدَ رَوَى عَنْ عَبْدِ الْوَاحِدِ عَنْ خَصِيفٍ وَلَمْ يَرْفَعْ وَوَاقِقُ عَبْدُ الْوَاحِدِ اَيْضًا سَفِيَانُ وَشَرِيكٌ وَاسْمَاعِيلُ مَحَاصِلُ يَكُنْ اسَ حَدِيثُ كَوْمَرُ فَوْفًا نَقْلُ كَرْنِي فِي تَلَاذُهْ خَصِيفُ فِي سَيِّ مُحَمَّدُ بْنُ سَلَمَةَ مُتَّفَرِدٌ فِي سَنَاطِخِ عَبْدِ الْوَاحِدِ فِي اسَ حَدِيثُ كَوْمَرُ فَوْفًا رَوَايَتُ كِيَا اَوْرَسَفِيَانُ وَغَيْرُهُ فِي اسَ فِي عَبْدِ الْوَاحِدِ كِي مُوَافَقَتُ كِي هِيَ اَكْرَحُ الْفَاظُ مَتْنُ كِي نَقْلُ كَرْنِي فِي سَفِيَانُ اَوْرَسَرِيَكُ وَغَيْرُهُ اَوْرَسُ فِي مُخْتَلَفُ فِي لَكِيْنُ مَوْقُوفًا نَقْلُ كَرْنِي فِي سَبِّ مُتَّفَقُ فِي سَبِّ

۲۔ حَدَّثَنَا مُحَمَّدُ بْنُ الْعَلَاءِ الْهَمَزِيُّ قَالَ اِذَا صَلَّيْتَ اَحَدَكُمْ فَلَمْ يَدْرِ اَدَامَ نَقَصٍ فَلْيَسْجُدْ سَجْدَتَيْنِ وَهُوَ قَاعِدٌ الْهَمَزِيُّ اسَ حَدِيثُ فِي تَحْرِيقِ يَابُنَّارَ عَلَيَّ الْاَقْلُ كَسِي كَا ذِكْرُ نَهْنِي، غَالِبًا هِيَ حَدِيثُ مَا خَذَّ هِيَ اسَ مَسْلُكُ كَا جَسُ كَوْمَسَنُ بَهْرِي وَغَيْرُهُ فِي اخْتِيَارُ كِيَا جَيَسَا كِي كُذْشَتَةُ بَابُ كِي شُرُوعُ فِي كُذْرُ جِيَا كَا

بَابُ مَنْ قَالَ بَعْدَ التَّسْلِيمِ

قَوْلُهُ عَنْ عَبْدِ اللَّهِ بْنِ جَعْفَرٍ، يَرْفَعُ اللَّهُ حُضْرَتِ عَلِيِّ بْنِ أَبِي طَالِبٍ كِي سَيِّطُ فِي سَمْعَارِ صَحَابِهِ فِي سَبِّ حُضُورِ صَلَّيَّ اللَّهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ كِي اِنْتِقَالُ كِي وَقْتُ دَسَ سَالُ عُمَرُ تَقِي۔ سَجْدَةُ سَهْوِ قَبْلُ السَّلَامِ هِيَ يَا بَعْدَ السَّلَامِ اسَ كِي تَفْصِيلُ شُرُوعُ فِي كُذْرُ جِيَا كَا

بَابُ مَنْ قَامَ مِنْ ثَنَتَيْنِ وَلَمْ يَتَسَهَّلْ

يَعْنِي قَعْدَةُ اَوَّلِي سَهْوِلُ جَائِي، حَدِيثُ الْبَابِ فِي هِيَ كِي اِيَكُ مَرْتَبَةُ اَبِّ صَلَّيَّ اللَّهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ سَيِّ اِيَسَا هُوَ كِيَا تَوَا اَبِّ فِي اسَ صَوْرَتُ فِي سَجْدَةِ سَهْوِ فَرَمَا يَا جَوَاقِلُ التَّسْلِيمِ تَقَا، سَهْوِ كِي يَهْ نَقْصَانُ وَالِي شَكْلُ تَقِي جَسُ فِي اَبِّ فِي سَجْدَةِ سَهْوِ قَبْلُ السَّلَامِ كِيَا اَبِّ شَا فَنِيَهْ كِي يِهَا تُو هَرْ جِيَا اَسِي طَرَحُ هُوَ تَا هِيَ اَوْرَسَا لَكِيَا سَ كُو نَقْصَانُ وَالِي صَوْرَتُ كِي سَا تَهْ فَاصُ كَرْتِي هِيَ، اَوْرَسَا رِي دَلِيلُ بَابُ سَابِقُ كِي حَدِيثُ هِيَ جَسُ فِي مَطْلَقًا سَجْدَةُ سَهْوِ بَعْدَ السَّلَامِ كَا حَكْمُ مَذْكُورُ هِيَ۔ قَوْلُهُ وَهُوَ قَوْلُ الزَّهْرِيِّ، اِمَامُ زَهْرِي كَا قَوْلُ كِي هِيَ هِيَ كِي صَوْرَتُ مَذْكُورُهُ فِي رُو هُوَ تَرَكُ الْقَعْدَةُ (اَوَّلِي) سَجْدَةُ سَهْوِ قَبْلُ التَّسْلِيمِ كِيَا جَائِي۔

بَابُ مَنْ لَسِيَ أَنْ يَتَشَهَّدَ وَهُوَ جَالِسٌ

الفرق بین الترتیبین | ترجمہ سابقہ اور اس ترجمہ میں تشہد اول کے نسیان کا بیان ہے لیکن فرق بین الترتیبین یہ ہے کہ پہلے ترجمہ میں یہ تھا کہ اس کو تشہد قیام کے بعد یاد آیا اور اس دوسرے باب میں اس کی قید نہیں ہے بلکہ عام ہے سیدھا کھڑا ہونے کے بعد یاد آیا یا اس سے پہلے۔

۱- حدثنا الحسن بن عمرو بن حوہ - قال رسول الله صلى الله عليه وسلم اذا قام الامام في

الركعتين فان ذكر قبل ان يستوي قاشئا فليجلس،

مسئلۃ الباب میں مذاہب ائمہ | امام شافعی اسی کے قائل ہیں اور حنفیہ کی ظاہر الروایۃ بھی یہی ہے اسی کو ابن الہمام نے بھی اختیار کیا ہے یعنی اگر تشہد اول کو بھول جائے تو اگر سیدھا کھڑا ہونے سے پہلے یاد آجائے تو تشہد کی طرف لوٹ آئے اور اگر سیدھا کھڑا ہونے کے بعد یاد آئے تو نہ بیٹھے تشہد کو ترک کر دے، اور دوسری روایت اس میں حنفیہ کی جو مشہور ہے وہ یہ کہ اگر ایسے وقت یاد آئے جبکہ اقرب الی القیام ہو تو کھڑا ہو جائے اور اگر اقرب الی القعود ہو تو بیٹھ جائے، اور مالکیہ کا مسلک یہ ہے کہ جو شخص قعدہ اولیٰ کو چھوڑ کر کھڑا ہونے لگے تو جب تک ہاتھ زمین پر ٹکے ہوئے ہیں تو یاد آنے پر لوٹ آئے اور اگر ہاتھ زمین سے اٹھ چکے ہیں تو پھر نہ لوٹے۔

اور اگر کوئی شخص اس قاعدہ کے خلاف کرے یعنی جس صورت میں کھڑا ہونا چاہیے تھا وہ بجائے کھڑے ہونے کے بیٹھ جائے تو اس کا کیا حکم ہے، امام مالک کے یہاں تو کچھ حرج نہیں نماز باطل نہ ہوگی حنفیہ کی بھی ایک روایت یہی ہے اور اسی پر فتویٰ ہے اور دوسری روایت یہ ہے کہ نماز باطل ہو جائے گی، اور شافعیہ کے نزدیک رجوع الی القعدہ جائز نہیں بلکہ حرام ہے اور اگر کوئی شخص لوٹ آئے عامداً عالماً، تخریماً تو اس کی نماز فاسد ہو جائے گی دان کان ناسیاً فلا تبطل مصلوۃ ویلزمہ القیام عند تذکرہ

قال ابو داؤد و لیس فی کتابی عن جابر الجعفی الا هذا الحدیث،

جابر جعفی کی جرح و تعدیل | جابر جعفی کی توثیق و تضعیف مختلف فیہ ہے ایک جماعت جیسے شعبہ اور سفیان وغیرہ نے اس کی توثیق کی ہے اور یحییٰ بن معین اور امام ابو حنیفہ نے اس کی تکذیب کی ہے وقال ما رأیت اکذب من جابر الجعفی، بذل میں لکھا ہے کہ یہ رافضی تھا بلکہ سبائی عبد اللہ بن سبا کے

لہ دراصل مالکیہ کا مذہب یہ ہے کہ سجدہ سے اٹھتے وقت رکعتیں زمین سے پہلے اٹھائے جائیں اور یدین بعد میں کما تقدم فی محلہ ۱۲ منہ۔

اصحاب میں سے، اور اس کی عادت روافض کی طرح تقیہ کی تھی اسی وجہ سے بعض محدثین کو اس کے بارے میں دھوکہ ہو گیا اور انہوں نے اس کی توثیق کر دی، واللہ تعالیٰ اعلم۔

۲۔ حدثنا عبید اللہ بن عمر الجشمی الخ۔ قوله۔ قال ابو داؤد وکذا رواه ابن ابی لیلی عن الشعبي مصنف کی غرض اس کلام سے کیا ہے اس میں دو احتمال ہیں اول یہ کہ مصنف یہ کلام مصنف کی تشریح فرما رہے ہیں کہ جس طرح اوپر والی روایت میں جس کے راوی زیاد بن علاقہ ہیں سجدہ سہو بعد السلام مذکور ہے اسی طرح ابن ابی لیلی اور ابو عیسیٰ ان دونوں نے بھی سجدہ سہو بعد السلام ذکر کیا، اور پھر آگے چل کر مصنف بعض دوسرے صحابہ جیسے سعد بن ابی وقاص اور عمران بن حصین وغیرہ کا مذہب بھی یہی نقل کر رہے ہیں کہ یہ سب حضرات سجدہ سہو بعد السلام کے قائل تھے مگر ہر صورت میں نہیں بلکہ اس صورت میں جو یہاں مذکور ہے یعنی تعدہ اولیٰ کے ترک کرنے کی صورت میں۔

اور دوسرا احتمال مصنف کی غرض میں یہ ہے کہ مغیرہ بن شعبہ کی اس حدیث کے بیان کرنے میں رواۃ مختلف ہیں، جابر جعفی نے تو اس کو حضور صلی اللہ علیہ وسلم کی حدیث قوی قرار دیا جیسا کہ باب کی پہلی حدیث میں ہے، قال رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم الخ اور جابر کے علاوہ دوسرے رواۃ جیسے زیاد بن علاقہ اور ابن ابی لیلی اور ابو عیسیٰ ان سب نے اس حدیث کو دوسری طرح بیان کیا وہ یہ کہ مغیرہ بن شعبہ نے ایک مرتبہ نماز پڑھائی جس میں تعدہ اولیٰ کو بھول کر کھڑے ہو گئے اور پھر بعد میں سجدہ سہو بعد السلام کیا اور پھر لوں فرمایا روایت رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم یصنع کما صنعت اس صورت میں یہ حدیث قوی نہیں بلکہ فعلی ہو گی۔ خلاصہ یہ کہ اکثر رواۃ نے اس حدیث کو فعلی اور جابر جعفی نے اس کو قوی قرار دیا۔

۳۔ حدثنا عمرو بن عثمان الخ۔ قوله۔ عن ثوبان عن النبی صلی اللہ علیہ وسلم قال لکل سہو سجدتان بعدما یسلم، ذرا غور سے سنئے۔

یہ حدیث سجدہ سہو بعد السلام میں تنفیہ کی مرتبہ دلیل ہے اور حدیث بھی قوی ہے نہ کہ فعلی اور اس میں قاعدہ کلیہ بیان کیا گیا ہے جیسے کہ تنفیہ کہتے ہیں فالحمد للہ، لیکن اس کی سند میں اسماعیل ابن عثا ہیں جو ضعیف ہیں۔

امام بیہقی کا نقد | چنانچہ امام بیہقی نے اسی بنا پر حدیث کو معرفۃ السنن والاثر میں ضعیف قرار دیا ہے، جواب اس کا یہ ہے کہ یہ بات مشہور بین المحدثین ہے جس کے خود بیہقی بھی قائل ہیں کہ ابن عثا کی روایت اہل حجاز و عراق سے تو ضعیف ہے اور شامیہ سے صحیح ہے اور یہاں پر ان کی یہ روایت عبداللہ بن عبیدہ کلامی سے ہے جو کہ شامی ہیں لہذا کوئی اشکال نہیں۔

دوسرا نقد | اس کے بعد سمجھیے کہ امام بیہقی نے اپنی ایک دوسری تصنیف یعنی سنن بیہقی میں اس حدیث پر معنوی حیثیت سے بھی کلام کیا ہے وہ یہ کہ اس حدیث سے معلوم ہو رہا ہے کہ ہر سہو کے لئے مستقل دو سجدے ہونے چاہئیں لہذا اگر کسی شخص کو نماز میں دو مرتبہ سہو واقع ہو تو اس کو چار کرنے چاہئیں حالانکہ ائمہ اربعہ میں سے یہ کسی کا مذہب نہیں البتہ ابن ابی لیلیٰ اس کے قائل ہیں کہ تکرار سہو سے تکرار سجود ہوتا ہے لہذا حنفیہ کا یہ مسئلہ مخدوش ہو گیا اس اشکال کا جواب ہماری طرف سے یہ دیا گیا ہے کہ لکل سہو میں لفظ کل مجموعی ہے افراد کی نہیں یعنی تمام سہوؤں کے لئے دو ہی سجدے ہیں لہذا کوئی اشکال نہیں، ایک اور بھی جواب ہو سکتا ہے کہ اس حدیث میں لفظ کل افراد مصلین کے اعتبار سے لایا گیا ہے یعنی جس مصلیٰ کو بھی سہو پیش آئے ہر مصلیٰ کے لئے یہی حکم ہے، یا انواع سہو کے اعتبار سے لفظ کل لایا گیا ہے یعنی جس نوع کا بھی سہو ہو خواہ نقصان کے قبیل سے ہو خواہ زیادتی کے قبیل سے سب کا حکم یکساں ہے، و هذا ان الجوابان الاخيران خاطري ابو عذرهما۔

ابن ابی لیلیٰ وغیرہ کا مسلک | اوپر ابن ابی لیلیٰ کا مذہب گذر چکا کہ ان کے نزدیک تکرار سہو سے تکرار سجود واجب ہوتا ہے، اور امام اوزاعی تکرار سہو کی صورت میں یہ فرماتے ہیں کہ اگر دو سہو ایک ہی قسم کے ہوں از قبیل نقصان یا از قبیل زیادتی اس صورت میں تو تکرار سجود نہ ہوگا اور اگر دو قسم کے سہو الگ الگ ہوں تب تکرار سجود ہوگا (من المنہل)

باب سجدتی السہو فیہما تشہد وتسلیم

یہ مسئلہ مختلف فیہ ہے اختلاف کی تفصیل ابواب السہو کے شروع میں گذر چکی۔

باب انصراف النساء قبل الرجال من الصلوة

ترجمہ اور حدیث دونوں واضح ہیں محتاج تشریح نہیں اس ترجمہ الباب اور حدیث الباب کا حوالہ ہمارے یہاں بہت پہلے باب طول القيام من الركوع وبين السجدين کی حدیث کے ذیل میں آچکا جہاں پر فُجِّلَتْ بَيْنَ التَّسْلِيمِ وَالْانْصِرَافِ مذکور ہے۔

باب كيف الانصراف من الصلوة

رفع التكرار بين الترجعتين | اس سلسلہ کا ایک باب ابواب الامامة میں گذر چکا باب الامام يخرف بعد التسليم انحراف کے معنی بھی انحراف ہی کے ہیں لہذا یہ بظاہر تکرار ہے اس پر تفصیلی کلام پہلی جگہ

گذر چکا لا حاجۃ الی الاعدادۃ۔

قولہ۔ فنکان ینصرف عن شقیہ۔ حضرت نے بذل میں انصراف کے معنی میں دونوں احتمال لکھے ہیں تحول الی القوم، اور مشی الی موضع الحاجۃ یعنی اٹھ کر جانا، ہم پہلی جگہ لکھ چکے ہیں کہ گذشتہ باب میں تحول الی القوم کو بیان کرنا مقصود تھا اور اس باب سے مشی الی موضع الحاجۃ مراد ہے، یعنی امام نماز سے فارغ ہو کر اٹھ کر دائیں طرف کو نکلے یا بائیں طرف کو اس احتمال کی تائید اس سے بھی ہوتی ہے کہ آگے روایت میں ہے قال عمارۃ ائیت الہدینۃ فرأیت منازل النبی صلی اللہ علیہ وسلم عن یسارہ، یعنی حضور صلی اللہ علیہ وسلم زیادہ تر نماز سے فارغ ہونے کے بعد بائیں طرف کو لوٹتے تھے، آگے راوی کہہ رہا ہے اس لئے کہ حضور کے حجازت بھی بائیں جانب میں تھے گویا اسی لئے آپ صلی اللہ علیہ وسلم اس طرف کو لوٹتے تھے۔

حضرت شیخ کی رائے | حضرت شیخ نے لامع الدراری کے حاشیہ میں اس موضوع پر تفصیلی کلام فرمایا ہے اور ایک بات یہ بھی تحریر فرمائی کہ انحراف و انصراف کے معنی میں سے ایک کو دوسرے کے تابع کیا جائے یعنی اگرچہ یہ دو معنی الگ الگ ہیں اس کے باوجود ایک کو دوسرے کے تابع کر سکتے ہیں، وہ اس طرح کے تحول الی القوم کو موضع حاجت کے تابع قرار دیا جائے، یعنی اگر امام کو مثلاً دائیں طرف جانا ہے، اس طرف حجرہ وغیرہ ہونے کی وجہ سے تو تحول الی القوم بھی دائیں طرف ہو اسی طرف رخ کر کے بیٹھے اور اگر موضع حاجت بائیں طرف ہو تو اسی طرف رخ کر کے بیٹھے ورنہ اگر ایسا نہ کیا گیا تو پھر اٹھ کر جانے کے وقت میں دوران یعنی گھومنا پڑے گا، جو کچھ ہم نے یہاں لکھا اور جو باب سابق میں یہ سب مل کر بحمد اللہ کافی دشانی بحث ہو گئی جس کا ماخذ حاشیہ لامع ہے۔

باب صلوۃ الرجل التطوع فی بیتہ

اس باب میں مصنف نے دو مرفوع حدیثیں ذکر فرمائی ہیں، حدیث ابن عمر اجعلوا فی بیوتکم من صلوۃکم، اور دوسری حدیث زید ابن ثابت کی صلوۃ المرء فی بیتہ افضل من صلوۃ فی مسجدی هذا الا المکتوبۃ، اور یہی دو حدیثیں امام ترمذی نے بھی ذکر فرمائی ہیں اسی طرح امام بخاری نے ابواب التہجد میں باب التطوع فی البیت ترجمہ قائم کر کے اس میں یہی حدیث ابن عمر ذکر فرمائی ہے۔

مذاہب علماء | امام نووی فرماتے ہیں کہ جمہور علماء رائے ثلاثہ وغیرہ کا مذہب یہی ہے کہ نوافل مطلقاً راتبہ وغیرہ راتبہ کا گھر میں پڑھنا مستحب ہے، وہ فرماتے ہیں سلف میں سے ایک جماعت کی رائے یہ ہے کہ ان سب کو مسجد میں پڑھنا اولیٰ ہے، اور تیسرا مسلک امام مالک اور سفیان ثوری کا ہے وہ یہ کہ نوافل بہاریہ کا مسجد میں ادا کرنا اولیٰ ہے اور نوافل لیلیہ کا گھر میں، حافظ فرماتے ہیں کہ امام مالک کا استدلال بخاری کی ایک روایت سے ہے

جس کے نظریہ میں وبعد المغروب رکعتیں فی بیتہ، اور ایک روایت میں ہے فناما المغرب والعشاء ففی بیتہ، لیکن حافظ نے اس استدلال پر اشکال کیا ہے وہ یہ کہ ظاہر یہ ہے کہ آپ صلی اللہ علیہ وسلم ایسا عدا نہیں کرتے تھے بلکہ اس وجہ سے کہ دن میں آپ لوگوں کے کاموں میں مشغول رہتے تھے اس لئے وہ مسجد میں ادا فرماتے تھے، اور رات میں مشغولی لوگوں کے ساتھ نہ ہوتی تھی اس لئے ان کو گھر میں ادا فرماتے تھے، اور ابن رشد نے اہام مالک کے مذہب کی حکمت یہ لکھی ہے کہ دن میں آدمی کے اپنے اہل بیت کے ساتھ مشغول ہو جانے کا اندیشہ ہے اس لئے نوافل ہناریہ کا مسجد ہی میں ادا کرنا اولیٰ ہے، اور رات کے وقت میں یہ اندیشہ کچھ زیادہ نہیں اس لئے اس کو گھر ہی میں پڑھنا اولیٰ ہے، لہذا اگر کسی شخص کو اپنے گھر والوں کے ساتھ مشغول ہو جانے کا اندیشہ نہ ہو تو نوافل ہناریہ کا بھی گھر میں پڑھنا اولیٰ ہوگا، ہمارے یہاں بحر الرائق وغیرہ میں بھی یہی لکھا ہے کہ اگر کسی شخص کو گھر میں جا کر مشغول ہو جانے کا اندیشہ نہ ہو تو پھر مسجد ہی میں پڑھنا اولیٰ ہے۔

اور معارف السنن ملا میں مولانا انور شاہ کشمیری سے نقل کیا ہے کہ اصل مذہب تو یہی ہے لیکن بعد میں ارباب فتاویٰ نے یہ لکھا ہے کہ اداء السنن فی المسجد ہی افضل ہے تاکہ روافض کے ساتھ بظاہر تشبہ نہ ہو جائے کہ وہ سنتیں نہیں پڑھتے، نیز جانتا چاہیے کہ اس حکم سے وہ نوافل مستثنیٰ ہیں جو اسلام کے شعائر سے ہیں ان کو مسجد ہی میں پڑھنا اولیٰ ہے جیسے عیدین و تراویح اور کسوف و استسقاء وغیرہ۔

قولہ۔ اجعلوا فی بیوتکم من صلواتکم انہ یعنی اپنی بعض نمازیں اپنے گھروں میں پڑھا کرو، ان بعض سے مراد ظاہر ہے کہ نفلیں ہیں اس لئے کہ فرض نمازیں تو جماعت کے ساتھ پڑھی جاتی ہیں اور محل جماعت مساجد ہیں، قولہ۔ ولا تتخذوها قبورا۔ یعنی جس طرح اموات اپنی قبور میں نماز نہیں پڑھتے اسی طرح ترک صلوٰۃ کر کے تم اپنے گھروں کو بمنزلہ قبور کے نہ بناؤ، یا یہ کہ جس طرح قبرستان میں نماز نہیں پڑھی جاتی اپنے گھروں کے ساتھ یہ معاملہ نہ کرو۔

شرح حیث

اس صورت میں یہ حدیث کا ٹکڑا ماقبل ہی کی تاکید ہوگا اور بعضوں نے اس کو جملہ مستالفہ قرار دیا ہے کہ یہ ایک دوسرا مستقل حکم ہے گھروں میں قبر نہیں بنانی چاہیے وہاں مردوں کو دفن نہ کیا جائے اور آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کو جو آپ کی منزل میں دفن کیا گیا سو یہ انبیاء علیہم السلام کی خصوصیت ہے، یہ جملہ دوسرے مطلب کی صورت میں بھی ماقبل سے مربوط ہو سکتا ہے، وہ اس طور پر کہ اگر گھروں میں قبریں بنائی جائیں گی اور وہاں مردوں کو دفن کیا جائیگا تو وہ گھر مقبرہ ہو جائیگا اور مقبرہ میں نماز پڑھنا مکروہ ہے حالانکہ گھروں میں نماز پڑھنے کا حکم ہے، اور بعض ظرف فار نے اس کا مطلب ایک اور لکھا ہے وہ یہ کہ گھروں میں نمازیں بھی پڑھنی چاہئیں اور اگر وہاں آئے تو اس کی ضیافت اور کھانا پلانا بھی چاہیے نہ جیسا کہ قبرستان میں ہوتا ہے کہ وہاں کوئی ضیافت

کرنے والا نہیں ہوتا۔

باب من صلی لغير القبلة ثم علم

یوں سمجھیے کہ یہ بغیر پلیٹ فارم کا اسٹیشن ہے جو اچانک آپہونچا، میرا مطلب یہ ہے کہ مصنفین کا طریق یہ ہے کہ جب وہ ایک لوز کے مسائل سے فارغ ہو کر دوسری قسم کے مسائل شروع کرتے ہیں تو اس کے لئے اولاً ایک جلی سرحی (عنوان کلی) قائم کرتے ہیں لفظ کتاب کے ساتھ یا اس کے مثل کوئی اور لفظ، اور پھر اس کے ذیل میں اس کے مناسب ابواب لاتے ہیں، یہاں پر مصنف نے ایسا نہیں کیا ہاں امام نسائی نے کیا ہے انھوں نے کتاب المساجد اور اس کے ابواب سے فارغ ہونے کے بعد کتاب القبلة سرحی قائم کی ہے اور پھر اس کے تحت چند ابواب اس کے مناسب لائے ہیں، منجملہ ان کے ایک ترجمہ انھوں نے یہ قائم کیا ہے باب استبانه الخطأ بعد الاجتهاد، اور پھر اس کے ذیل میں وہی حدیث ذکر کی جس کو امام ابوداؤد اس باب میں لائے ہیں، نسائی اور ابوداؤد کے ترجمہ کے لفظ اگرچہ مختلف ہیں لیکن مسئلہ دونوں ایک ہی بیان کر رہے ہیں۔

اس کے بعد آپ سمجھیے کہ جس مسئلہ کو مصنف یہاں بیان کر رہے ہیں وہ وقوع الخطأ فی التحری ہے جو فقہ کا ایک مشہور مسئلہ ہے وہ یہ کہ جس شخص کو سمت قبلہ کا صحیح علم نہ ہو اور نہ کوئی بتانے والا ہو تو اس شخص کا حکم یہ ہے۔

مسئلہ الباب میں مذاہب ائمہ | کہ ایسا شخص قبلہ کی تحری کرے یعنی قبلہ کے بارے میں غور و خوض کر کے ایک رائے قائم کرے اور جس جانب زیادہ میلان ہو اس کو قبلہ قرار دے کر اس کی طرف رخ کر کے نماز شروع کر دے، اور اگر بالفرض نماز کے اندر اس کی تحری بدل جائے تو نماز ہی میں اس جانب پھر بدل جائے اور اس دوسری جانب کے بارے میں بھی اگر رائے بدل جائے تو نماز ہی میں اس تیسری جانب اپنا رخ بدل دے حتیٰ کہ اگر چاروں جانب گھومنے کی نوبت آجائے تو کچھ مضائقہ نہیں نماز درست ہو جائیگی، یہ مذہب حنفیہ کا ہے اور یہی قول حنابلہ کا بھی ہے اور مالکیہ کے نزدیک اعادہ فی الوقت ہے لا بعد الوقت، اور شافعیہ کے اس میں دو قول ہیں، قسطلانی فرماتے ہیں اظہر القولین وجوب الاعادہ ہے اور قول ثانی عدم الاعادہ ہے، لیکن امام نووی نے شرح مسلم میں حدیث الباب کے تحت یہ لکھا ہے کہ اصح قول شافعیہ کا عدم الوجوب ہے اور حافظ ابن حجر نے صرف ایک ہی قول یعنی وجوب الاعادہ لکھا ہے، اس سے معلوم ہوتا ہے کہ قسطلانی کی بات ٹھیک ہے۔

لے ہمارے حضرت شیخ فرمایا کرتے تھے کہ امام نووی کی عادت ہے کہ جس مسئلہ میں امام شافعی کے دو قول ہوتے ہیں تو مسلم شریف کی حدیث ان کے جس قول کے مطابق ہوتی ہے اسی کے بارے میں وہ (نووی) لکھتے ہیں کہ یہی مذہب شافعی کا ہے ۱۲۔

۱۔ قولہ۔ عن النبی صلی اللہ علیہ وسلم واصحابہ كانوا یصلون نحو بیت المقدس فلما نزلت هذه الاية اخرجوا ابتداء ہجرت میں آپ صلی اللہ علیہ وسلم بیت المقدس کی جانب نماز پڑھتے تھے اس کے بعد تحویل قبلہ ہو گیا، تحویل قبلہ کب ہوا اور کتنی مدت تک آپ نے مدینہ منورہ کے قیام میں بیت المقدس کی جانب نماز پڑھی نیز قبل ہجرت مکہ مکرمہ میں آپ نماز کس طرف پڑھتے تھے یہ تمام بحثیں ہمارے یہاں کتاب الاذان میں احیلت الصلوۃ الی ثلاثۃ احوال الحدیث کے ذیل میں گزر چکیں۔

قولہ۔ فحضر رجل من بنی سلمۃ فناداهم وهم رکوع فی صلوۃ الفجر نحو بیت المقدس الا ان القبلة قد تحولت الی الکعبۃ الخ۔ جاننا چاہیے کہ جو قصہ اس حدیث میں مذکور ہے یعنی یہ کہ صحابہ کرام ایک مسجد میں صبح کی نماز پڑھ رہے تھے جس وقت رکوع میں پہنچے تو مسجد کے باہر سے ایک اعلان کرنے والے کا اعلان سنا۔ الا ان القبلة قد تحولت باخبر ہو جاؤ کہ قبلہ بدل گیا ہے۔

تحویل قبلہ کے بارے میں دو مختلف حدیثیں
یہ حدیث ابن عمر کی ہے اور یہ صبح کی نماز کا قصہ ہے جیسا کہ روایت میں تصریح ہے، نیز یہ حدیث بخاری و مسلم میں بھی ہے، اسی طرح کا ایک دوسرا قصہ جو بخاری و مسلم اور ترمذی میں بھی مذکور ہے اس میں عصر کی نماز کا ذکر ہے اور اس کے راوی ہر ابن عازب ہیں، اس کو تنازع نہ سمجھنا چاہیے بلکہ یہ دو قصہ الگ الگ ہیں عصر کی نماز والا قصہ جو برابر کی حدیث میں ہے وہ مسجد بنو حارثہ کا ہے جو داخل مدینہ ہے اور صبح کی نماز کا قصہ جس کے راوی ابن عمر ہیں جو یہاں ابوداؤد میں ہے یہ خارج مدینہ یعنی قبا کا واقعہ ہے۔ داخل مدینہ میں خبر پہلے پہنچ گئی یعنی عصر کی نماز میں اور قبا میں اطلاع اگلے روز ہوئی جبکہ وہ لوگ صبح کی نماز پڑھ رہے تھے، یہاں پر چند علمی بحثیں ہیں جن کا جاننا ضروری ہے۔

حدیث الباب سے متعلق مباحث عشرہ
بحث اول۔ تحویل قبلہ حضور صلی اللہ علیہ وسلم کی نماز کے اثناء میں ہوئی یا نہیں؟ اگر آپ کی نماز کے اثناء میں ہوئی ہے تو پھر کون سی نماز ہے اور کس مسجد میں، حضرت گنگوہی کی رائے یہ ہے تحویل خارج صلوۃ ہوئی حضور اقدس صلی اللہ علیہ وسلم کی نماز کے درمیان میں نہیں ہوئی، حضرت فرماتے ہیں اور جو ایسا کہتے ہیں وہ غلط ہے، علامہ سیوطی کی رائے بھی یہی معلوم ہوتی ہے۔ (کافی الاوجز) لیکن مشہور عند الشراح یہ ہے کہ فی وسط الصلوۃ ہوئی۔

بحث ثانی۔ اب یہ کہ کس نماز اور کس مسجد میں ہوئی، حافظ عینی نے اس میں روایات مختلف ہیں، ظاہر حدیث برابر سے معلوم ہوتا ہے وہ نماز ظہر ہے اسی طرح محدثین سعد نے طبقات میں ذکر کیا کہ آپ صلی اللہ علیہ وسلم پہلے مسجد نبوی میں نماز ظہر پڑھا رہے تھے دو رکعت پڑھا چکے تھے کہ تحویل قبلہ کا حکم نازل ہوا پس آپ نماز ہی میں پھر گئے، اور کہا گیا ہے کہ آپ ام بشر کی زیارت کے لئے بنو سلمہ میں تشریف لے گئے تھے انھوں نے آپ کے لئے کھانا تیار کیا تھا

ظہر کی نماز کا وقت آگیا آپ نماز میں مشغول تھے کہ اسی حال میں تحویل ہو گئی، تو گویا آدھی نماز آپ نے بیت المقدس کی طرف ادا فرمائی اور آدھی نماز بیت الشریہ کی طرف اسی وجہ سے اس مسجد کا نام مسجد القبلتین ہو گیا۔
 بحث ثالث - مخبر کی خبر پر مصطلحین کا استدراہ، اس سلسلہ میں دو قصہ ہیں ایک اہل قبا کا اور دوسرا بنو حارثہ کا جیسا کہ اس کی تفصیل شروع باب میں گذر چکی۔

بحث رابع - اس مخبر اور اعلان کرنے والے کا نام کیا تھا؟ مشہور یہ ہے کہ اس کا نام عباد بن بشر ہے وہو الراج۔ وقیل عباد بن نضیک، لیکن ابو داؤد کی روایت میں وجعل من بغی سلمة واقع ہے حالانکہ عباد بن بشر بنو حارثہ میں سے ہیں، پس ہو سکتا ہے کہ ایک واقعہ میں عباد بن بشر ہوں دوسرے میں کوئی اور۔

بحث خامس - نسخ القطعی بخبر الواحد، یعنی جس طرف صحابہ پہلے سے نماز پڑھ رہے تھے اس کا قبہ ہونا تو قطعی اور یقینی تھا اور مخبر کی یہ خبر خبر واحد ہے تو حکم قطعی خبر واحد سے کیسے منسوخ ہو گیا، اس کے دو جواب ہیں، اول یہ کہ یہ خبر واحد مختلف بالقرائن تھی اور جو خبر واحد مختلف بالقرائن ہو وہ مفید یقین ہوتی ہے جیسا کہ تم شرح نمبر میں پڑھ چکے ہو اور اس کی مثال بھی وہاں گذر چکی ہے لہذا یہ نسخ القطعی بالقطعی ہے نہ کہ بالظنی، اور دوسرا جواب یہ ہے کہ عہد صحابہ میں نسخ القطعی بخبر الواحد جائز تھا وجہ اس کی یہ ہے کہ احادیث کے جو مختلف درجات و مراتب ہیں کوئی حسن کوئی صحیح کوئی ضعیف، یہ اختلاف احوال سند کے اعتبار سے ہے جس درجہ کی سند ہوتی ہے اسی درجہ کی حدیث مانی جاتی ہے ورنہ حدیث من حیث الحدیث یعنی فی حد ذاتہ قطعی اور یقینی ہے اس کے ضعیف ہونے کا کوئی سوال ہی پیدا نہیں ہوتا بلکہ سند اور رواۃ کے ضعف کی وجہ سے

کرام اور حضور صلی اللہ علیہ وسلم کے درمیان کوئی واسطہ اور سند حائل ہی نہیں ہے اس لئے صحابی کے حق میں کوئی حدیث ضعیف ہو ہی نہیں سکتی کیونکہ وہ تو براہ راست اس کو حضور صلی اللہ علیہ وسلم کی زبان سے سنتے تھے لہذا صحابی کے حق میں خبر واحد بھی قطعی اور یقینی ہوتی تھی اس کا انکار کفر تھا۔

بحث سادس - کیفیت الاستدراہ یعنی یہ لوگ نماز میں کس طرح گھومے اس کا بیان طبرانی کی ایک روایت میں اس طرح ہے فتحوّل النساء مکان الرجال والرجال مکان النساء اس کی تشریح یہ ہے کہ بیت المقدس مکہ سے بالکل جانب مقابل میں ہے، بیت المقدس مدینہ سے بجانب شمال ہے اور مکہ بجانب جنوب ہے اب جب قبلہ شمال کے بجائے جنوب کی طرف ہو گیا تو یہ ممکن نہیں کہ امام اور مقتدی سب اپنی جگہ رہتے ہوئے صرف رخ کو بدل دیں اس لئے کہ اس صورت میں امام سب سے پیچھے ہو جائے گا اس کے آگے صف الرجال ہوگی اور اس سے آگے صف النساء تو سب سے آگے عورتوں کی صف ہو جائے گی، اور یہ بھی ممکن نہیں کہ امام تو اپنی جگہ ہوتے ہوئے رخ بدل دے اور مردوں اور عورتوں کی صفیں اپنی جگہ سے منتقل ہو کر امام کے پیچھے آجائیں اس لئے کہ امام کے پیچھے مسجد میں

اتنی گنجائش ہی نہیں کہ وہاں یہ سب سما جائیں اس لئے اس کی شکل یہ ہوئی کہ امام اپنی جگہ یعنی مقدم مسجد سے منتقل ہو کر منور مسجد میں آگیا اور عورتوں کی جماعت اپنی جگہ سے مردوں کی جگہ اور مرد اپنی جگہ سے منتقل ہو کر عورتوں کی جگہ میں آگئے (افادہ الحافظ ابن حجر)

بحث سابع۔ مذکورہ بالا صورت میں ظاہر ہے کہ نماز کے درمیان مٹھی اور عمل کثیر پایا گیا، یہ بات موجب اشکال ہے حافظ نے اس کے دو جواب لکھے ہیں اول یہ کہ ممکن ہے یہ واقعہ عمل کثیر کی تحریم سے قبل کا ہو کیونکہ ایک زمانہ وہ تھا جس میں کلام فی الصلوٰۃ اور عمل کثیر فی الصلوٰۃ جائز تھا بعد میں یہ سب کچھ منسوخ ہو گیا، دوسرا جواب یہ کہ ہو سکتا ہے یہ واقعہ تحریم کے بعد ہی کا ہو لیکن چونکہ یہ عمل کثیر نمازی کی مصلحت کے لئے تھا اسی لئے اس کو مستغفر قرار دیا گیا۔ بحث ثامن۔ اختلاف الروایات فی مدۃ النسخ۔

بحث تاسع۔ صلوٰۃ علیہ الصلوٰۃ والسلام بمکۃ ابن کانت ای فی ای جانب یہ دونوں بحثیں پہلے گزر چکیں کتاب الاذان میں۔

بحث عاشر۔ وہ احکام کون سے ہیں جن میں نسخ کا وقوع دو یا تین مرتبہ ہوا، ایک قول کی بنا پر تحویل قبلہ بھی اسی قبیل سے ہے اس کا بیان باب الوضوء مامست النار میں گذر چکا، تلك عشرة كاملة فلهذا الحمد والمنة قول۔ فمالوا کما هم رکوع الی الکعبۃ، اس میں کاف مفاجاة اور مبادرة کے لئے ہے اور لفظ رکوع راکع کی جمع ہے یعنی اعلان سنتے ہی وہ لوگ فوراً رکوع ہی کی حالت میں کعبہ کی طرف گھوم گئے، اس حدیث سے بہت سے فوائد مستفاد ہوئے جن کو شرح حدیث نے لکھا ہے بوجہ ان کے ایک یہ ہے کہ نسخ کا حکم مکلف کے حق میں اس وقت تک ثابت نہیں ہوتا جب تک اس کو اس کی اطلاع نہ ہو، دیکھیے یہاں پر نسخ قبلہ ایک دن پہلے ہو چکا تھا مگر اہل قبا کو اس کی اطلاع اگلے دن صبح کی نماز میں ہوئی تب انھوں نے اس پر عمل شروع کیا اور اس سے پہلے وہ اپنے اجتہاد سے اور استصحاب حال کے طور پر بیت المقدس ہی کی طرف نماز پڑھتے رہے حالانکہ ان کا یہ اجتہاد غلط تھا ای سے فقہار نے یہ مسئلہ مستنبط کیا کہ قبلہ کے بارے میں تخری اور اجتہاد میں غلطی واقع ہو جائے تو وہ معاف ہے۔ ائمہ کے مذاہب اس مسئلہ میں گذر رہی چکے ہیں۔

باب تفزیع ابواب الجمعة

ما قبل سے مناسبت | اب تک صلوٰۃ خمسہ اور ان سے متعلق احکام و مسائل کا بیان چل رہا تھا اب یہاں سے مصنف صلوٰۃ مخصوصہ جیسے جمہ اور استسقاء رکعت اور عیدین کا بیان شروع کرتے ہیں تفزیع کے معنی تفصیل اور تجزیہ کے ہیں، جو مضمون تفصیل طلب ہوتا ہے اور اس کے بارے میں مصنف کا قصد

مبقتد ابواب قائم کرنے کا ہوتا ہے تو اس کے شروع میں مصنف اکثر لفظ تفریع لگاتے ہیں لہذا یہ عنوان بمنزلہ کتاب کے ہے جس طرح اس کے تحت بہت سے ابواب ہوتے ہیں اسی طرح اس میں بھی، یہاں پر چند بحثیں ہیں۔
بحث اول۔ ماقبل سے مناسبت، اس کا بیان ابھی اوپر گذر چکا۔

بحث ثانی۔ لفظ جمعہ کی لغوی تحقیق اور وجہ تسمیہ، یہ مضمون کتاب الطہارۃ میں باب غسل الجمعة میں گذر چکا۔
بحث ثالث۔ خصائص الجمعہ، حافظ ابن قیم نے زاد المعاد میں یوم جمعہ کی تینتیس خصوصیات ذکر کی ہیں ان میں سے حافظ ابن حجر نے پچیس کا اختصار کیا جن کو حضرت نے بذل الجہود میں نقل فرمایا ہے، اور علامہ سیوطی نے اس پر ایک مستقل رسالہ لکھا ہے، "اللمعة فی خصائص الجمعة" اس میں انھوں نے جمعہ سے متعلق ایک نثر و خصائص و احکام ذکر فرمائے ہیں۔

افضل الايام کی تعیین | بحث رابع۔ افضل الايام کا مصداق اور اس کی تعیین، سو جانا چاہیے کہ اس سلسلہ میں روایات مختلف ہیں، مصنف نے اس باب میں جو پہلی حدیث ذکر کی ہے اس سے معلوم ہوتا ہے کہ افضل الايام جمعہ کا دن ہے، حافظ منذری لکھتے ہیں کہ اس حدیث کی تخریج امام ابو داؤد کے علاوہ امام ترمذی و نسائی نے بھی کی ہے، اور امام ترمذی نے فرمایا ہے ہذا حدیث صحیحہ، اور امام بخاری نے اس حدیث کا ایک ٹکڑا جو جمعہ کی ساعت اجابت سے متعلق ہے وہ ذکر کیا ہے، اور امام مسلم نے اس حدیث کا پہلا حصہ خیر یوم طلعت علیہ الشمس یوم الجمعة ذکر فرمایا ہے، شوکانی فرماتے ہیں اس حدیث سے معلوم ہوتا ہے کہ یوم الجمعہ افضل الايام ہے اور اسی کے ساتھ جزم کیا ہے ابن العربی نے لیکن صحیح ابن حبان میں عبد اللہ بن قریظ کی حدیث سے مرفوعاً مروی ہے افضل الايام عند اللہ تعالیٰ یوم النحر، اور صحیح ابن حبان میں جابرؓ کی حدیث سے مرفوعاً وارد ہے ما من یوم افضل عند اللہ تعالیٰ من یوم عرفۃ۔ حافظ عراقی نے ان روایات مختلفہ کے درمیان اس طرح جمع کیا ہے کہ یوں کہا جائے ایام اسبوع (ہفتہ) میں یوم الجمعہ افضل ہے، اور پورے سال کے ایام میں یوم عرفہ افضل ہے یا یوم النحر، نیز انھوں نے یہ بھی فرمایا کہ یوم الجمعہ کی فضیلت کی حدیث زیادہ صحیح ہے۔

۱۔ حَدَّثَنَا الْقَعْنَبِيُّ الْهَمَزُ۔ قَوْلُهُ۔ فِيهِ خَلْقُ آدَمَ وَفِيهِ اهْبَاطُ الْهَمَزِ

شرح حدیث میں شرح کے دو قول | جمعہ کے روز پیش آنے والے جن امور کا ذکر اس حدیث میں ہے اس کے بارے میں شرح کے دو قول ہیں جن کو امام نووی نے نقل کیا ہے،

۱۔ قاضی عیاض کی رائے یہ ہے کہ ان امور کو ذکر کرنے سے مقصود اثبات فضیلتہ للیوم نہیں ہے بلکہ جو امور عظام اس دن میں پیش آئے یا آئیں گے اس دن میں صرف ان کی اطلاع دینا مقصود ہے تاکہ انسان اس دن میں اعمال صالحہ کے لئے تیار ہو جائے حصول رحمت اور دفع نقمہ کے لئے، اس لئے کہ آدم علیہ السلام کا اخراج جنت سے اس دن میں ہونا اور اس دن میں قیامت کا قائم ہونا یہ کوئی فضیلت کی بات نہیں ہے۔

۵۔ اس کے بالمقابل ابو بکر بن العربی کی رائے عارضۃً الاحوذی شرح ترمذی میں یہ ہے کہ یہ تمام امور اثباتِ فضیلت ہی کے لئے ذکر کئے گئے ہیں اس لئے کہ آدم علیہ السلام کا جنت سے نکل کر دنیا میں آنا نسلِ عظیم اور اس ذریت کے وجود میں آنے کا سبب ہے جو انبیاء اولیاء و صلحاء پر مشتمل ہے، نیز ان کا جنت سے نکلنا طرہً اُنہ تھا بلکہ چند مدت کے لئے قفسِ حوائج کے طور پر تھا اور پھر لوٹ کر وہیں جانا تھا، اسی طرح اہل حق کا جنت میں دخول اور اہل باطل کا جہنم میں داخل ہونا یہ روز قیامت پر ہی موقوف ہے لہذا اس سے اس دن کی فضیلت ظاہر ہے۔

قولہ۔ وما من دابة الا وهي مُسيخة يوم الجمعة من حين تصبح حتى تطلع الشمس شفقاً من الساعة الا الجبن ولانسن، یعنی جمعہ کے دن صبح صادق سے لے کر طلوع شمس کے وقت تک جتنے بھی حیوانات ہیں جن والنس کے علاوہ وہ کان لگائے رہتے ہیں (صور کی آواز سننے کے لئے) قیامت کے خوف سے کیونکہ قیامت اسی دن میں آئیگی جیسا کہ اس سے پہلے اسی حدیث میں گذر چکا ہے، اس سے یہ بھی معلوم ہوا کہ قیامت کا وقوع جمعہ کے دن صبح صادق کی بوقت میں ہوگا۔ یہ بڑی عبرت کا مقام ہے کہ قیامت کا خوف اور اس کا فکر عام جانوروں کو تو لاحق ہو اور انسان کو نہ ہو۔ آگے اس حدیث میں ساعتِ اجابت کا ذکر ہے جس کو سن کر کعب احبار (جو کہ مخفرتین سے ہیں صدیق اکبرؓ کے زمانہ میں اسلام لائے اور توراہ کے بڑے عالم تھے) وہ ابو ہریرہؓ کو خطاب کر کے کہنے لگے کہ یہ ساعتِ اجابت سال کے صرف ایک جمعہ میں ہوتی ہے ابو ہریرہؓ نے فرمایا نہیں ہر جمعہ میں اس پر کعب نے توراہ اٹھا کر دیکھی اور پھر ابو ہریرہؓ کی تصدیق کی اور کہا صدق رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم، اس سے معلوم ہوا کہ شریعت محمدیہؐ گذشتہ آسمانی کتابوں کے لئے مُصدّق ہے۔ اور یوں بھی کہہ سکتے ہیں کہ گذشتہ آسمانی کتابیں اس کے لئے مُصدّق ہیں۔ قال ابو ہریرہؓ ثم لقيت عبد الله بن سلام۔ حضرت ابو ہریرہؓ بعد میں عبد اللہ بن سلام سے ملے اور جو کچھ گفتگو ان کی کعب احبار سے ہوئی تھی اس کو ان سے ذکر کیا اس پر عبد اللہ بن سلام نے فرمایا میں جانتا ہوں وہ کون سی ساعت ہے، ابو ہریرہؓ کے دریافت

لئے یہ روایت یہاں مختصر ہے پوری مفصل روایت نسائی شریف ص ۷۱ میں ہے اس میں یہ بھی ہے ابو ہریرہؓ فرماتے ہیں کہ میں ایک مرتبہ کوہ طور پہنچا میں نے وہاں کعب احبار کو پایا ایک دن وہاں قیام رہا میں ان کو حضور صلی اللہ علیہ وسلم کی حدیثیں سناتا تھا اور وہ مجھ کو توراہ کی باتیں سناتے تھے اسی ذیل میں ابو ہریرہؓ نے ان کو فضیلتِ جمعہ کی یہ حدیث بھی سنائی جس پر کعب احبار نے یہ کہا کہ یہ ساعتِ اجابت سال میں صرف ایک مرتبہ ہوتی ہے نیز اس میں یہ ہے کہ واپسی میں میری ملاقات عبد اللہ بن سلام سے ہوئی اور میں نے ان سے عرض کیا کہ میں طور سے واپس آ رہا ہوں وہاں میری کعب احبار سے ملاقات ہوئی تھی، اور جو کچھ ان کے ساتھ گفتگو ہوئی تھی اس کو جب عبد اللہ بن سلام سے نقل کر رہے تھے تو جب نقل کرتے کرتے یہاں پہنچا کہ کعب احبار نے یہ کہا تھا ذلک یوم فی کل سنۃ، تو اس پر فوراً عبد اللہ بن سلام بولے کذب کعب، پھر آگے ابو ہریرہؓ نے پوری بات بتائی کہ ہاں میں نے بھی ان کی تردید کی تھی اور پھر بعد میں انھوں نے اس کو تسلیم کر لیا۔ ۱۲ منہ۔

کرنے پر انہوں نے بتایا کہ وہ جمعہ کے دن آخری ساعت ہے آگے مضمون حدیث واضح ہے۔

قوله - وفيه النفخة وفيه الصعقة -

شرح حیرشہ اور عدد نفثات میں علماء کا اختلاف | نفثہ سے مراد نفثۃ البعث ہے جس کو نفثۃ الإخبار بھی کہتے ہیں یعنی نفثہ ثانیہ جس سے سب لوگ زندہ ہو کر قبروں سے

اٹھیں گے اور صعقہ سے مراد نفثۃ الصعق ہے یعنی نفثہ اولیٰ جس سے سب جاندار مر جائیں گے کہانی قولہ تعالیٰ ونفخ فی الصور فصعق من فی السموات ومن فی الارض الا من شاء اللہ ثم نفخ فیہ اخری فاذا هم قیام یظنون، اس آیت سے بظاہر یہی معلوم ہو رہا ہے کہ نفثۃ الصعق نفثہ اولیٰ ہے جس سے سب مر جائیں گے اس کے بعد دوبارہ صور پھونکا جائیگا جس سے سب زندہ ہو جائیں گے جس کو نفثۃ البعث کہا جاتا ہے لیکن آیت شریفہ کی ترتیب تو قیاس کے مطابق ہے کہ اول کو اولاً ذکر کیا اور ثانی کو ثانیاً، لیکن حدیث میں ترتیب اس کے برعکس ہے۔ جانا چاہیے کہ عدد نفثات میں اختلاف ہے دو تو متفق علیہ ہیں نفثۃ الاماتۃ اور نفثۃ البعث (نفثۃ الإخبار) اور بعض علماء کی رائے یہ ہے کہ نفثات تین ہیں دو تو وہ جو اوپر مذکور ہوئے اور ایک ان دونوں سے پہلے ہوگا جس سے زمین میں زلزلہ آئے گا اور تسخیر جبال و تکویر شمس اور انگدار نجوم اور تسخیر البحار وغیرہ امور عظام کا وقوع ہوگا لیکن اس نفثہ سے لوگ مریں گے نہیں سخت حیران و سرگردان ہو جائیں گے پھر اس کے بعد نفثہ ثانیہ و ثانیہ پائے جائیں گے جن کا ذکر اس حدیث میں ہے اور بعض نے چوتھی اور پانچویں قسم بھی ذکر کی ہے جس کی تفصیل لایح الداراری میں ہے۔

۲- حدثنا هارون بن عبد الله الخ - قوله - فاكش واعلى من الصلوة فيه، اس سے جمعہ کے دن خاص طور سے صلوٰۃ علی النبی صلی اللہ علیہ وسلم کا مامور ہونا معلوم ہو رہا ہے، اور بھی بہت سی روایات میں جمعہ کے دن خصوصیت سے درود کی ترغیب وارد ہے۔

باب الاجابة ایتہ ساعتہ فی یوم الجمعة

یوم جمعہ کی فضیلت اس وجہ سے بھی ہے کہ اس میں ایک ساعت شریفہ اجابت ہے جس میں جو دعا بھی اللہ تعالیٰ سے مانگی جائے گی آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا کہ وہ قبول ہوتی ہے، اس ساعتہ اجابت کا ذکر صحیحین بلکہ تمام ہی صحاح ستہ میں موجود ہے، البتہ اس ساعت کی تعیین میں روایات کا شدید اختلاف ہے۔

ساعتہ اجابتہ میں اقوال اور قول رائج کی تعیین مع وجہ ترجیح | حافظ ابن حجر نے اس میں بیالیس قول تفصیل کے ساتھ لکھے ہیں اور ہر قول کے بارے میں کتب حدیث سے روایات پیش کی ہیں اور پھر اخیر میں

لے حضرت سہارنپوری نے بذل میں ان تمام اقوال کو اختصار اور حذف روایات کیساتھ ذکر فرمایا ہے ۱۲ منہ۔

ایک اور قول کا اضافہ کیا ہے جس کے بارے میں فرماتے ہیں کہ وہ مجھ کو شمس الدین انجری کی مشہور کتاب المحسن الحصین میں ملے، صاحب حصن حصین نے اس سلسلہ میں آٹھ اقوال ذکر کرنے کے بعد یہ لکھا ہے کہ میری رائے یہ ہے کہ انہما وقت قراءۃ الامام الفاتحۃ فی صلوة الجمعة الی ان یقول امین، اور پھر حافظ نے اخیر میں لکھا ہے کہ ان تمام اقوال میں ازجہ الاقوال دو قول ہیں ایک وہ جو حدیث ابو موسیٰ اشعری میں مذکور ہے اور دوسرا وہ جو عبد اللہ بن سلام کی حدیث میں ہے۔

میں کہتا ہوں کہ عبد اللہ بن سلام کی حدیث تو ہمارے یہاں پہلے گذر چکی جس میں ہے ہی آخر ساعة من يوم الجمعة، یہ روایت ابو داؤد کے علاوہ ترمذی اور نسائی میں بھی ہے نیز ابو داؤد میں حضرت جابر سے بھی مرفوعاً یہی منقول ہے اور ابو موسیٰ اشعری کی حدیث آگے ابو داؤد میں آ رہی ہے جس کے لفظ یہ ہیں۔ ہی ما بین ان یجلس الامام الی ان تقضى الصلوة یعنی جس وقت امام خطبہ دینے کے لئے منبر پر جا بیٹھے اس وقت سے لے کر نماز کے پورا ہونے تک، حضرت امام شافعی، امام نووی، بیہقی، ابن العربی، قرطبی ان سب حضرات نے اسی کو اختیار کیا ہے اس لئے کہ عبد اللہ بن سلام کی حدیث تو سنن کی روایت ہے اور یہ ابو موسیٰ اشعری کی حدیث اہل الصیحین یعنی صحیح مسلم میں موجود ہے صرف الشذی میں لکھا ہے کہ امام ابو حنیفہ و احمد نے سنن کی روایت کو اختیار کیا ہے امام ترمذی نے امام احمد سے نقل کیا ہے اکثر الاحادیث علی ذلک اس قول والے یہ کہتے ہیں کہ صحیحین یا اہل الصیحین کی روایت کو ترجیح اس وقت ہوتی ہے جبکہ محدثین نے نقد نہ کیا ہو اور یہاں ایسا نہیں ہے بلکہ ابو موسیٰ کی حدیث پر جرح کی گئی ہے کہ صحیح یہ ہے وہ ابو بردہ کا قول ہے خمرہ کے علاوہ کسی اور نے اس کو مرفوعاً روایت نہیں کیا، نیز منقطع ہے اس لئے کہ خمرہ کا سماع اپنے باپ سے ثابت نہیں، اور بعض رواۃ نے اس کو موقوفاً علی ابی موسیٰ روایت کیا ہے۔ غرضیکہ مسلم کی یہ روایت معطل ہے اور منخلہ اقوال کے ایک قول یہ ہے کہ یہ ساعت اب باقی نہیں رہی شروع میں حضور صلی اللہ علیہ وسلم کے زمانہ میں تھی بعد میں اٹھالی گئی، لیکن محدثین جیسے قاضی عیاض اور ابن القیم ابن عبد البر وغیرہ حضرات نے اس قول کی تردید فرمائی ہے کہ یہ غلط ہے، ابن قیم فرماتے ہیں کہ یہ تو کہہ سکتے ہیں کہ اس کی تعیین اٹھالی گئی جیسا کہ ایک روایت میں ہے ثم السیہتا رواہ احمد والحاکم، اور اصل ساعت کے بارے میں یہ کہنا غلط ہے، چنانچہ ایک جماعت کی رائے یہ ہے کہ یہ ساعت جمعہ کے دن میں پوشیدہ ہے اس کا صحیح علم کسی کو نہیں مثل لیلۃ القدر اور اسم اعظم کے لہذا جمعہ کے روز کثرت سے دعا کر کرنی چاہیے اس امید پر کہ ساعت اجابۃ میسر ہو جائے رافعی اور صاحب مغنی کا میلان اسی طرف ہے۔

لہ اسی طرح اسحق بن راہویہ و ابن الماکیۃ الطرطوشی و حکم العلامی الن شیخ ابن الزمکانی شیخ الشافعیہ فی وقتہ کان یختارہ و یکلیہ عن لعل الشافعی و قال ابن عبد البر انہ اثبت شئی فی ہذا الباب ۱۲۔

باب فضل الجمعة

مقصود صلوة جمعہ کی فضیلت کو بیان کرنا ہے، اور مصنف نے اس باب میں جو حدیث ذکر کی ہے اس میں صلوة جمعہ اور خطبہ دونوں کی فضیلت مذکور ہے، امام بخاری نے بھی یہ ترجمہ قائم کیا ہے اور پھر اس باب میں انہوں نے تبکیر الی الجمعہ والی روایت ذکر فرمائی ہے فکانما اقترب بکذبت فکانما اقترب بقرۃ الخ۔

قولہ - اذا کان یوم الجمعة غدت الشیاطین برأیاء الی الاسواق۔

مضمون حدیث یعنی جب جمعہ کا دن ہوتا ہے تو شیاطین کی جماعتیں اپنے مخصوص جھنڈے اور علامتوں کے ساتھ علی الصباح بازاروں کی طرف نکل جاتے ہیں تاکہ جو لوگ اپنی اپنی ضرورتوں سے بازار گئے ہیں یا بازاروں ہی میں دکانوں پر کام کرتے ہیں تو ان کے لئے یہ شیاطین موانع اور رکاوٹیں پیدا کریں جمعہ کی طرف جانے سے، اور اس کے بالمقابل فرشتے جمعہ کے دن صبح کو مساجد کے دروازوں پر جا کر بیٹھ جاتے ہیں تاکہ ہر آنے والے کا نام اس کے خانہ میں لکھتے ہیں، پہلی ساعت میں آنے والے کا نام اس کے خانہ میں اور دوسری ساعت میں آنے والے کا نام دوسرے خانہ میں وکذا۔ اور یہ ناموں کے لکھنے کا سلسلہ خطیب کے منبر پر پہنچنے تک جاری رہتا ہے اس کے بعد فرشتے اپنے مخالف اور رجسٹروں کو لپیٹ کر رکھ دیتے ہیں۔

قولہ - بالترابیش اور الربا مکث، اول تربیش کی جمع ہے اور ثانی ربیشہ کی، تربیشہ بمعنی روکنا اور ربیشہ بمعنی مانع و عارض،

باب الشدید فی ترک الجمعة

قولہ - من ترک ثلاث جمع تھاونا بہا طبع اللہ علی قلبہ۔

شرح حدیث تھاونا سے مراد تساہل اور عدم اہتمام ہے یعنی جو شخص محض غفلت اور تساہل کی وجہ سے بغیر عذر شرعی کے تین جمعہ کی نمازیں ترک کر دے تو اللہ تعالیٰ اس کے قلب پر مہر لگا دیتے ہیں، یعنی ایسا شخص قساوت قلب میں مبتلا ہو جاتا ہے جس سے پھر خیر کی بات اس کے اندر نہیں اترتی، اور طبع سے مراد کفر کی مہر نہیں ہے جیسے کہ اس آیت کریمہ میں ختم اللہ علی قلوبہم وعلیٰ سمعہم الآیہ اس لئے کہ ترک جمعہ سے آدمی کافر نہیں ہوتا ایسے ہی تھاونا سے مراد استخفاف و اہانتہ نہیں ہے اس لئے کہ استخفاف تو ایک جمعہ کا بھی کفر ہے پھر تین کی قید کیسی؟ اسی لئے طبع سے بھی کفر کی مہر مراد نہیں لی جاسکتی ہاں البتہ اگر یہاں ثلاث کی قید نہ ہوتی تو پھر یہ ممکن تھا کہ تھاونا سے مراد استخفاف اور طبع سے طبع کفر مراد لیا جائے۔ واللہ تعالیٰ اعلم۔

اس حدیث میں ثلاث کیساتھ متوالیا کی قید نہ کر نہیں اسی لئے علماء نے لکھا ہے کہ اگر کوئی شخص پورے سال میں ایک جمعہ کی نماز بھی ترک کرے اور پھر دوسرے سال میں دوسرے جمعہ کی اور تیسرے سال میں تیسرے جمعہ کی تب بھی وہ اس وعید کا مستحق ہوگا اللہم احفظنا منہ، البتہ مسند الفردوس کی ایک حدیث مرفوعہ میں جو حضرت انسؓ سے مروی ہے متوالیا کی قید ہے من ترک ثلاث جمیع متوالیات (من المہل)

بَابُ كَفَارَةِ مَنْ تَرَكَهَا

ترک جمعہ بلا عذر ظاہر ہے کہ گناہ کبیرہ ہے اول تو مسلمان سے اس کا صدور ہونا ہی نہ چاہیے لیکن اگر ہو جائے تو اس کی تلافی کے لئے توبہ اور استغفار لازم ہے بلکہ بطور کفارۃ سیئہ کے دینار یا نصف دینار جیسا کہ حدیث میں مذکور ہے حسب گنجائش صدقہ کرنا بہتر ہے، اور یہ امر ندب و استحباب کے لئے ہے البتہ جمعہ کی نماز کے بدلہ من تغفار ظہر واجب ہے اور وہی اس کا اصل بدلہ ہے۔

قوله۔ قال ابو داؤد وھکذا رواه خالد بن قیس خالفني الاسناد ووافقه فی البقی۔

قول ابو داؤد کی تشریح | اس حدیث کی سند اور متن دونوں میں رواۃ کا اختلاف ہے متن کا اختلاف ہمाम کی روایت میں اس طرح ہے، فلیتصدق بدینار وان لم یجد فبنصف دینار، اور دوسری روایت میں بجائے دینار کے درہم کا لفظ ہے اور اس میں صاع حنظلہ او نصف صاع کا اضافہ ہے اور اس سے آگے تیسری روایت میں جس کے راوی سعید بن بشر ہیں اس میں مد اور نصف مد کا ذکر ہے اور سند کے اختلاف کی تفصیل یہ ہے کہ اس حدیث کا مدار قتادہ پر ہے قتادہ سے روایت کرنے والے متعدد ہیں ایک ہمام ہیں جن کی روایت باب کے شروع میں ہے وہ اس کو قتادہ سے اس طرح روایت کرتے ہیں عن قتادہ بن وکیعہ عن سمرة بن جندب، دوسرے شاگرد قتادہ کے خالد بن قیس ہیں مصنف کہہ رہے ہیں کہ خالد نے ہمام کی اسناد میں مخالفت کی ہے لیکن مصنف نے اس کو بیان نہیں کیا، یہی قی میں خالد کی روایت موجود ہے جس کی سند اس طرح ہے عن قتادہ عن الحسن بن سمرة، یعنی قتادہ اور سمرہ کے درمیان بجائے قتادہ کے حسن کا واسطہ ہے اور تیسرے شاگرد قتادہ کے ایوب ہیں جن کی کنیت ابو العلاء ہے انہوں نے اس حدیث کو مرسل ذکر کیا صحابی کا نام ترک کر دیا، چوتھے شاگرد سعید بن بشر انہوں نے متن کو اسی طرح بیان کیا جس طرح ایوب نے یعنی بدرہم او نصف درہم، لیکن ایک دوسرا فرق کر دیا وہ یہ کہ بجائے صاع حنظلہ کے مد ذکر کیا اور سند میں ان کی یہ مخالفت کی کہ سمرہ

لے بخلاف ہمام کے کہ انہوں نے درہم کے بجائے دینار ذکر کیا تھا، ۱۲۰

کو بھی ذکر کیا۔ بخلاف ایوب کے کہ انھوں نے سمرہ ذکر نہیں کیا بلکہ حدیث کو مرسلًا ذکر کیا تھا۔

باب من تجب علیہ الجمعة

یعنی کن کن لوگوں پر جمعہ کی نماز فرض ہے صرف اہل مصر پر یا اہل قریہ پر بھی، ایسے ہی جو لوگ خارج مصر اطراف مصر میں رہتے ہیں ان پر بھی واجب ہے یا نہیں، بخاری و ترمذی کا ترجمہ اس طرح ہے باب ما جاز من کم یؤتی الی الجمعة، یعنی آبادی سے کتنے فاصلہ پر رہنے والوں کو جمعہ کے لئے آنا ضروری ہے۔ اس کے بعد جانا چاہیے کہ یہاں پر دو مسئلے ہیں ایک تو مسئلۃ الباب یعنی من تجب علیہ الجمعة جس کو مصنف جرح یہاں بیان کر رہے ہیں اور دوسرا مسئلہ ہے محل اقامۃ جمعہ یعنی جمعہ کی نماز کس جگہ قائم کیجا سکتی ہے اور کہاں نہیں، اس کا باب آگے آ رہا ہے باب الجمعة فی القری۔

۱- حدثنا احمد بن صالح الخ۔ قوله۔ كان الناس ينتابون الجمعة من منازلهم ومن العوالي۔ یہ حدیث حضرت عائشہؓ کی ہے امام بخاری نے بھی اس کو اسی باب میں ذکر کیا ہے، اس حدیث سے امام بخاری اسی طرح امام ابو داؤد وغیرہ حضرات یہ ثابت کرنا چاہ رہے ہیں کہ اہل قریہ پر بھی جمعہ واجب ہے۔ اور قرطبی وغیرہ بعض علماء نے یہ بھی لکھا ہے کہ یہ حدیث حنفیہ کے خلاف ہے کیونکہ وہ اہل قریہ پر جمعہ واجب قرار نہیں دیتے، لیکن خود حافظ ابن حجر اور دوسرے شرح شافعیہ نے اس کی تردید کی ہے اور یہ کہاہے کہ یہ حنفیہ کے خلاف نہیں ہے بلکہ اس سے تویہ ثابت ہو رہا ہے کہ اہل قریہ پر جمعہ کی نماز واجب نہیں اس لئے کہ اگر واجب ہوتی تو وہ لوگ باری باری کیوں آتے سب کو آنا چاہیے تھا، اس اشکال سے بچنے کے لئے امام خطابی نے ایک عجیب بات کہی وہ یہ کہ شافعیہ کے یہاں یہ مسئلہ مختلف فیہ ہے کہ جمعہ کی نماز فرض لعینہ ہے یا فرض علی الکفایہ اور یہ کہا کہ اکثر فقہاء کی رائے یہی ہے کہ وہ فرض علی الکفایہ ہے، لیکن دوسرے شرح شافعیہ نے خطابی کے اس قول کی پرزور تردید کی ہے کہ مذاہب اربعہ اس بات پر متفق ہیں کہ جمعہ فرض عین ہے۔ (من البذل)

۲- حدثنا محمد بن یحییٰ بن فارس الخ۔ قوله۔ عن عبد الله بن عمرو عن النبي صلى الله عليه وسلم قال الجمعة على كل من سمع النداء۔ اس باب میں مصنف نے دو حدیثیں ذکر کی ہیں، پہلی حدیث کان الناس ينتابون الجمعة، اور دوسری یہ امام ترمذی اس حدیث پر لکھتے ہیں وہ قال الشافعی واحمد، اور ابن العربی مالکی شارح ترمذی نے امام مالک کی طرف بھی اس کو منسوب کیا ہے، گویا ائمہ ثلاث کا یہی مذہب ہے۔

شرح حدیث

حدیث کا ترجمہ یہ ہے کہ جمعہ ہر اس شخص پر واجب ہے جو جمعہ کی اذان کو سنے بغا ہر اس سے معلوم ہوتا ہے کہ جو جمعہ کی اذان نہ سنے اس پر واجب نہیں، لیکن پشندگان مصر کے بارے میں تمام علماء کا اتفاق ہے کہ ان پر جمعہ کی نماز واجب ہے اذان کی آواز سنیں یا نہ سنیں حافظ ابن حجر وغیرہ شرح نے اس کی توجیہ یہ کی ہے کہ سننے سے مراد عام ہے کہ حقیقتاً ہو یا حکماً یعنی بالفعل سماع پایا جائے یا بالقوہ، کیونکہ شہر والے اگر نہ بھی سنیں لیکن اگر متوجہ ہوں تو سن تو سکتے ہیں۔

اور احقر کو اس میں شیخ ابن الہمام کی بات پسند آئی وہ فرماتے ہیں کہ اس حدیث کا تعلق اہل محل حدیث عند الحنفیہ مصر سے نہیں ہے بلکہ یہ ان لوگوں کے حق میں ہے جو نماز مصر یعنی اطراف مصر میں رہتے ہیں کہ اگر ان تک اذان کی آواز پہنچتی ہے تو وہ شہر میں اگر جمعہ کی نماز ادا کریں اور اگر نہ پہنچے تو پھر ان پر جمعہ کی نماز واجب نہیں۔

اس کے بعد جانا چاہیے کہ نماز مصر کے مصداق میں فقہاء کے مختلف اقوال ہیں حاشیہ ترمذی میں بحوالہ ابن الہمام لکھا ہے واختلاف فیہ، اور پھر انھوں نے چند اقوال ذکر کئے۔ جہاں تک شہر کی اذان کی آواز پہنچنے والے تین فرسخ کے اندر اندر ۳۰ ایک میل کے بقدر ۴۰ دو میل کے بقدر ۵۰ چھ میل کے بقدر ۶۰ جو لوگ شہر سے لٹنے فاصلہ پر رہتے ہیں کہ اگر وہ شہر میں جمعہ کی نماز ادا کر کے شام ہونے سے پہلے بلا تکلف اپنے مقام پر پہنچ سکتے ہیں تب تو ان پر جمعہ واجب ہے ورنہ نہیں، صاحب بدائع نے اسی قول کو پسند فرمایا ہے وهذا احسن اھ۔

میں کہتا ہوں کہ اس آخری قول کو مسافہ غدویہ سے تعبیر کرتے ہیں اور دراصل یہ ایک حدیث سے ماخوذ ہے جو ترمذی میں بروایت ابو ہریرہ مذکور ہے کہ آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا الجمعة علی من آذاه اللیل الی اہلہ لیکن یہ حدیث بالاتفاق ضعیف ہے امام ترمذی نے بھی اس پر کلام کیا ہے، ترمذی میں ہے کہ کسی شخص نے امام احمد کے سامنے اس حدیث کو پیش کیا تو وہ اس پر بہت ناراض ہوئے اور فرمایا استغفر ربک استغفر ربک،

حدیث الباب امام محمد کے قول کی دلیل ہے اس کے بعد آپ سنئے کہ حضرت سہارنپوریؒ نے بذل المجہود میں شرح منیہ سے اطراف مصر والوں کے بارے میں نقل کیا ہے کہ جو لوگ

مصر سے باہر رہتے ہیں اور ان کے اور مصر کے درمیان فرتجہ یعنی خلا رہے ہو بلکہ عمارت وہاں تک ملتی چلی گئی ہو تو ان پر جمعہ کی نماز واجب ہے خواہ سماع نماز ہو یا نہ ہو، اور جو لوگ ایسے ہیں کہ ان کے اور مصر کے درمیان مزرعہ دھکیٹ (یا مرغی) چراگاہ (کا فصل ہو تو ایسے لوگوں پر جمعہ کی نماز واجب نہیں ہے اگرچہ اذان کی آواز سنتے ہوں، لیکن امام محمد سے روایت ہے کہ اگر اس طرح کے لوگ اذان جمعہ کی آواز سنتے ہوں تو ان پر جمعہ کی نماز واجب ہے

اور نہ سنتے ہوں تو نہیں، میں کہتا ہوں باب کی یہ دوسری حدیث امام محمد کی اس روایت کے بہت قریب ہے۔
 قال ابو داؤد روی هذا الحديث جماعة عن سفیان مقصوداً على عبد الله بن عمرو، یعنی اس حدیث میں رواۃ کا اختلاف واضطراب ہے اس کو سفیان سے روایت کرنے والے بہت سے ہیں اکثر نے اس حدیث کو نوفاً ذکر کیا اور قبیصہ نے جو اوپر سند میں مذکور ہیں اس کو سفیان سے سنداً یعنی مرفوعاً ذکر کیا۔

باب الجمعة في اليوم المطير

یومِ مطیر اور یومِ ماطر اور یومِ مَطَر اور یومِ مَطَر سب طرح بولا جاتا ہے، یعنی بارش کا دن۔
 دراصل وجوبِ جمعہ اور صحۃ جمعہ کے لئے بہت سی شرطیں ہیں جس طرح وجوبِ جماعت کے لئے بھی بعض شرائط ہیں اگر ان شرائط میں سے کوئی شرط نہ پائی جائے تو جماعت کی نماز ساقط ہو جاتی ہے مطر کثیر ان اعذار میں سے ہے جو مسقطِ جماعت ہیں تو جب اس کی وجہ سے جماعت ساقط ہو جاتی ہے تو جمعہ بھی ساقط ہو جائیگا اس لئے کہ جمعہ کی نماز بغیر جماعت کے صحیح نہیں۔

۱- حدَّثنا محمد بن کثیر الخ۔ عن ابی الملیح عن ابیہ، البراء الخ کے نام میں اختلاف ہے قیل اسمہ عامر وقیل زید، اور ان کے باپ کا نام اسامہ بن عمیر ہے، (قالہ الترمذی ص ۲)

ان یوم حنین کان یوم مطر فامر النبی صلی اللہ علیہ وسلم منادیہ ان الصلوۃ فی الرجال، یعنی جنگ حنین کے روز بارش ہو رہی تھی تو حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے مؤذن سے اعلان کرایا الصلوۃ فی الرجال، یعنی قافلاً والے اپنے اپنے خیموں میں الگ بغیر جماعت کے نماز پڑھ لیں، یعنی ظہر کی اس لئے کہ جمعہ کی نماز تو بغیر جماعت کے نہیں ہوتی۔

مناسبة الحديث بالترجمة | اس حدیث سے معلوم ہوا کہ بارش کی وجہ سے جماعت ساقط ہو جاتی ہے لہذا اس کی وجہ سے جمعہ بھی ساقط ہو جائے گا کما تقدم آنفاً۔

اس حدیث میں اگرچہ جمعہ کا ذکر نہیں ہے، لیکن طریقۂ استدلال وہ ہے جو ہم نے ذکر کیا، اور حضرت نے بذل میں یہ لکھا ہے کہ مطابقت اس طور پر ہے کہ آنے والی حدیث سے معلوم ہو رہا ہے کہ یہ واقعہ جمعہ کے دن کا تھا۔

۲- حدَّثنا نصر بن علی الخ۔ قوله عن ابی الملیح عن ابیہ انه شهد النبی صلی اللہ علیہ وسلم من الحدیبیۃ فی یوم جمعة واصابهم مطر الخ۔ دیکھئے اس میں جمعہ کے دن کی تصریح ہے، لیکن میں کہتا ہوں کہ جمعہ کا دن ہونے سے یہ لازم نہیں آتا کہ اس کا تعلق بھی صلوۃ جمعہ سے ہو۔ بلکہ ہو سکتا ہے کہ اس کا تعلق صلوۃ ظہر یا صلوۃ عصر سے ہو۔ کیونکہ حضور صلی اللہ علیہ وسلم کا اپنے اسفار کے دوران براری میں جمعہ پڑھنا

پڑھنا ثابت نہیں، لہذا اس واقعہ میں اگر بارش نہ بھی ہوتی تب بھی آپ جمعہ ادا نہ فرماتے، لہذا طریقہ استدلال وہی بہتر ہے جو ہم نے اوپر ذکر کیا۔

بذل الجہود میں اس کی ایک اور توجیہ لکھی ہے وہ یہ کہ اگر تسلیم کر لیا جائے کہ آپ صلی اللہ علیہ وسلم دوران سفر مقام حدیبیہ میں جمعہ کی نماز ادا فرما لیا کرتے تھے۔

لیکن اس موقع پر بارش کی وجہ سے ادا نہیں فرمائی تو اس کی وجہ یہ ہو سکتی ہے کہ حدیبیہ اگرچہ بوار کی میں سے ہے لیکن توابع مکہ سے ہے جس طرح کہ منیٰ شیخین کے نزدیک توابع مکہ سے ہے اسی لئے وہ وہاں جمعہ کی نماز کے قائل ہیں۔ بخلاف امام محمد کے ان کے نزدیک وہاں جمعہ کی نماز جائز نہیں۔ واللہ تعالیٰ اعلم۔

باب التخلف عن الجماعة في الليلة الباردة

ترجمہ الباب کا حاصل یہ ہے کہ سخت سردی حضورؐ جبکہ رات کا بھی وقت ہو ان اعذار میں سے ہے جو مسقط جماعت میں توجب سخت سردی مسقط جماعت ہے تو اس سے معلوم ہوا کہ مسقط جمعہ بھی ہے کیونکہ جمعہ بغیر جماعت کے صحیح نہیں۔

مناسبة الحديث بالترجمہ | اسی مناسبت سے مصنف اس ترجمہ الباب کو کتاب الحجہ میں لائے ہیں، ورنہ رات میں جمعہ کی نماز کہاں ہوتی ہے؟

حضرتؒ نے بذل میں لکھا ہے کہ ابن بطال نے اس بات پر اجماع نقل کیا ہے کہ بزد اور مطر دونوں تاخر عن الجماعة کے لئے عذر ہیں، اور علامہ شامیؒ نے وہ اعذار جو مسقط جماعت ہیں بیس شمار کرائے ہیں اور ان کو نظم میں ذکر کیا ہے حاشیہ لایع ۲ میں بھی مذکور ہیں منجملہ ان کے بزد شدید بھی ہے۔

۱- حدثنا عثمان بن ابی شیبۃ الخ۔ قوله۔ فقال فی آخر ندائہ الاصلواتی و حالکم۔ فی آخر ندائہ کا مطلب یہ نہیں ہے کہ اذان ہی کے بیچ میں یہ کلمات کہے بلکہ بعد الفرائض عن الاذان مراد ہے اس لئے کہ اس سے پہلی روایت میں گذر چکا۔ نادى ابن عمر بالصلوة بضجنان ثم نادى ان صلوا فی و حالکم۔ لفظ ثم سے سمجھ میں آ رہا ہے کہ بعد میں۔

۲- حدثنا عبد اللہ بن محمد النقیعی الخ۔ قوله۔ نادى منادی رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم بذلک فی المدینۃ۔ ابن عمر کی گزشتہ اور آئندہ سب روایتوں سے یہ معلوم ہو رہا ہے کہ یہ واقعہ سفر کا ہے لیکن ابن اسحاق کی اس روایت میں ان سب کے خلاف ہے، اس حدیث کا مدار نافع پر ہے نافع کی تلامذہ میں سے صرف محمد بن اسحاق نے فی المدینۃ کا لفظ کہا ہے اور دوسرے تلامذہ ایوب اور عبید اللہ نے فی السفر کہا، ظاہر یہ ہے کہ ابن اسحاق

کو اس میں دہم ہوا

۳۔ حَدَّثَنَا مَسَدُ بْنُ الْحِمْزِ - قَوْلُهُ - عَنْ ابْنِ عَبَّاسٍ قَالَ لَمَّا دُنِيَ فِي يَوْمٍ مَطِيرٍ أَذَانُ النَّبِيِّ - اس روایت میں یہ ہے کہ حضرت ابن عباسؓ نے بارش کے دن میں اپنے مؤذن سے یہ کہا کہ جب وہ اذان دے تو بجائے حی علی الصلوٰۃ کے صَلُّوْا فِیْ بَیوتِکُمْ کہے۔

ابن عمرؓ کی گذشتہ روایات سے معلوم ہوتا ہے کہ حضور صلی اللہ علیہ وسلم یہ اعلان اذان کے بعد کراتے تھے نہ کہ اثنار اذان میں، بظاہر ابن عباسؓ نے ایسا اپنے اجتہاد سے کہا، اور آگے جو روایت میں آرہا ہے کہ لوگوں نے اس کو اچھا نہیں سمجھا تو اس پر انھوں نے فرمایا کہ حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے ایسا ہی کیا تھا، ہو سکتا ہے اس کا تعلق مطلق اعلان سے ہو نہ کہ اعلان فی اثنار الاذان سے۔

الكلام فی اثنار الاذان لیکن امام احمدؒ نے ابن عباسؓ کی حدیث سے اس بات پر استدلال کیا کہ اذان کے درمیان کلام کرنا بلا کراہت جائز ہے، اور داؤدی جو مشہور محدث ہیں وہ یہ فرماتے ہیں کہ کلام فی اثنار الاذان تو جائز نہیں اور نہ اس پر اس حدیث سے استدلال صحیح ہے بلکہ ایسا ہے کہ اس قسم کے موقع پر جو اذان کہی جاتی ہے تو یہ کلمات خود اس اذان کا جزو بن جاتے ہیں ان کو بھی اذان میں شامل کیا جائے گا۔ اور حنفیہ کے نزدیک کلام فی الاذان مکروہ ہے اور امام مالک وشافعی کے نزدیک خلاف اولیٰ۔

بَابُ الْجُمُعَةِ لِلْمَمْلُوكِ وَالْمَرْأَةِ

۱۔ حَدَّثَنَا عَبَّاسُ بْنُ عَبْدِ الْعَظِيمِ - قَوْلُهُ - الْجُمُعَةُ حَقٌّ وَاجِبٌ عَلَى كُلِّ مُسْلِمٍ إِلَّا أُولَئِكَ عِبْدُ مَمْلُوكٍ أَوْ مَرْأَةٍ أَوْ صَبًى أَوْ مَرِيضٍ - یہ حدیث مرسل صحابی ہے طارق بن شہاب اگرچہ صحابی ہیں لیکن صغیر السن ہیں ان کا سماع حضور صلی اللہ علیہ وسلم سے ثابت نہیں۔

اس حدیث کا مضمون یہ ہے کہ چار شخصوں پر جمعہ کی نماز واجب نہیں، غلام، عورت، صبی، مریض۔ جاننا چاہیے کہ جمعہ کی نماز ہر شخص کے حق میں واجب نہیں بلکہ اس مسلم پر واجب ہے جو مرد ہو، مقيم ہو، اور حر ہو، ابو داؤد کی اس حدیث میں مسافر کا استثناء نہیں ہے، مسافر کا حکم طبرانی کی روایت میں ہے جس کے راوی ابن عمرؓ ہیں لیکن علی المسافر جمعۃ (سبیل السلام) ائمہ اربعہ کا مذہب یہی ہے کہ ان سب پر جمعہ فرض نہیں البتہ داؤد ظاہری کا عہد میں اختلاف ہے ان کے نزدیک مملوک پر بھی جمعہ واجب ہے لقولہ تعالیٰ فَاسْعَوْا إِلَى ذِكْرِ اللَّهِ، اسی طرح مجنون پر بھی واجب نہیں، بذال مجہود میں لکھا ہے کہ حنفیہ کے نزدیک وجوب جمعہ کے لئے چھ شرطیں ہیں، العقل، والبلوغ، والحریۃ، والدکورة والاقامۃ، وصحة البدن۔

باب الجمعة في القرى

یہ دوسرا مسئلہ ہے جس کا ذکر ہمارے یہاں اس سے پہلے باب من تجب علیہ الجمعة کے شروع میں آیا تھا یعنی محل

اقامة جمعة۔

**محل اقامة جمعة اور اس میں
انکسار ربعہ کے مذاہب**

جانتا چاہیئے کہ جمعہ کی نماز ہر جگہ قائم نہیں کی جاسکتی چنانچہ اس پر علماء کا اتفاق ہے کہ براری اور مناہل الاعراب یعنی جنگل بیابان اور پانی کے چشمے جہاں اہل خیام (خانہ بدوش) چند روز کے لئے مقیم ہو جاتے ہیں ایسے مقام پر اقامت جمعہ بالاتفاق صحیح نہیں، یہی وجہ ہے کہ اس پر سب کا اتفاق ہے کہ میدان عرفات میں حجاج کیلئے جمعہ کی نماز قائم کرنا صحیح نہیں بلکہ محل اقامت جمعہ مستقل بستی اور آبادی ہونی چاہیئے خواہ مختصر سا ہی گاؤں ہو چنانچہ شافعیہ و حنابلہ کے نزدیک جیسا کہ ان کی کتب سے معلوم ہوتا ہے یہ ہے جمعہ کی نماز ہر ایسی بستی میں قائم کر سکتے ہیں جو مستقل آباد ہو، یعنی چند روز کے لئے عارضی وہاں قیام نہ ہو وہاں باقاعدہ تعمیر شدہ مکانات ہوں خواہ کچے پائے پاس پاس ہوں جس طرح آبادی میں ہوا کرتے ہیں ایسا نہ ہو کہ ایک گھر یہاں اور دوسرا مثلاً ایک فرلانگ پر، ان کی کتب میں یہ لکھا ہے کہ دو گھروں کے درمیان تین سو ذراع کا فاصلہ اگر ہو تو ایسی بستی میں اقامت جمعہ جائز نہیں نیز یہ کہ کم از کم نماز میں چالیس آدمی شریک ہوں، اور کتب مالکیہ میں لکھا ہے کہ وہاں بازار اور مسجد بھی ہو اس لئے کہ ان کے یہاں غیر مسجد میں جمعہ کی نماز صحیح نہیں اگرچہ وہ شہر ہو۔

الحاصل جمہور علماء کے نزدیک مطلقاً قریہ صغیرہ ہو یا کبیرہ دونوں میں جمعہ جائز ہے۔

اور مذہب حنفی میں تصریح ہے کہ مصر شرائط جمعہ میں سے ہے اور اہل فتاویٰ نے قصبہ اور قریہ کبیرہ کو بھی اسی حکم میں لکھا ہے جس قریہ کی مردم شماری تین چار ہزار ہو مطلقاً مسلم خواہ غیر مسلم۔ نیز وہاں ضروری حوائج کی اشیاں بھی ملتی ہوں و کانیں ہوں یہ قریہ کبیرہ اور قصبہ کہلاتا ہے اس میں بھی اقامت جمعہ جائز ہے، اور مصر کی تعریف یہ لکھی ہے بکدة کبيرة فیہا سکت و اسواق و کذا فیہا امنیہ و قاضی، یعنی وہ بڑا شہر جس میں باقاعدہ سڑکیں ہوں گلی کوچے اور بازار ہوں۔ امیر یا قاضی ہو۔

نماز جمعہ میں کتنے افراد کی شرکت ضروری ہے | اور یہ جو ہم نے کہا کہ شافعیہ و حنابلہ کے یہاں چالیس آدمیوں کی شرکت ضروری ہے اس میں دوسرے انکسار کے مذاہب

لہ کذا فی الادب، ذی السہل ذہبت الشافعیۃ والحنابلۃ الی انہما قاعا م فی کل قریۃ فیہا اربعون رجلاً احراراً بالغین عتلاً یقیمین بہا لا یتعطلون عنہا الا لما جہزہ اللہ

یہ ہیں، امام مالک کے نزدیک بارہ افراد کا حاضر ہونا ضروری ہے، اور امام ابو حنیفہ کے نزدیک امام کے علاوہ تین نفر کا ہونا ضروری ہے، اور صاحبین کے نزدیک امام کے علاوہ دو کا ہونا کافی ہے، اب دلائل کی بحث باقی رہ گئی۔

۱۔ حدیث عثمان بن ابی شیبہ الخ۔ قولہ۔ عن ابن عباس قال ان اول جمعة جمعت في الاسلام

بعد جمعة جمعت في مسجد رسول الله صلى الله عليه وسلم بالمدينة لجمعة جمعت بجوا في فترته من قري البصرين۔ مصنف نے اس باب میں جمعہ فی القری کے اثبات کے لئے دو حدیثیں ذکر کی ہیں، ایک ابن عباس کی یہ حدیث یعنی حدیث جوائی دوسری کعب بن مالک کی حدیث جو اس کے بعد آ رہی ہے۔

حدیث اول سے استدلال اس طور پر ہے اس سے معلوم ہو رہا ہے کہ حضور صلی اللہ علیہ وسلم کے زمانہ میں جوائی میں جو کہ قریہ تھا نماز جمعہ قائم کی گئی اس سے صاف ظاہر ہو رہا ہے کہ اقامت جمعہ فی القریہ جائز ہے۔

اس کے بعد جاننا چاہیے کہ باب کی یہ پہلی حدیث بادی الرائی

بحث الباب جمعہ فی القری کے خلاف ہے

یہ تو منافیہ اور جہور کی دلیل ہے، لیکن درحقیقت یہ حدیث حنفیہ کی دلیل ہے جیسا کہ بذل الجہود میں علامہ شوق نیوی سے نقل کیا ہے، وہ اس طور پر کہ اس حدیث میں تصریح ہے اس بات کی کہ قریہ جوائی سے قبل مدینہ منورہ کے اطراف و نواح میں کسی قریہ میں نماز جمعہ قائم نہیں کی گئی، اب دیکھنا چاہیے کہ یہ قائمہ الجمعہ فی جوائی کس سن کا واقعہ ہے چنانچہ واقعہ کی اور اسی طرح حافظ ابن حجر نے تفریح کی ہے کہ یہ واقعہ اس وقت کا ہے جبکہ وفد عبد القیس حضور صلی اللہ علیہ وسلم کی خدمت میں آیا تھا تو واپسی پر انہوں نے وہاں پہونچ کر جمعہ قائم کیا یہ واقعہ سنہ ۶ھ کا ہے یعنی حضور صلی اللہ علیہ وسلم کے وصال سے تقریباً دو سال قبل کا واقعہ ہے۔ اب سوال یہ ہے کہ کیا اس طویل عرصہ تک اطراف و نواح مدینہ میں چالیس افراد بھی اسلام لا کر نہیں پھیلے تھے، ظاہر ہے کہ سترہ تک بہت سے قریہ میں اسلام پہونچ چکا تھا اسلام کا شیعورع و اشتہار ہو چکا تھا اس کے باوجود وہاں جمعہ کی نماز نہیں ہوتی تھی سو اس کی وجہ سوا اس کے کیا ہو سکتی ہے کہ اقامت جمعہ فی القریہ جائز نہیں ہے۔ فریق ثانی نے اس حدیث سے استدلال کا جو رخ اختیار کیا ہے یعنی لفظ قریہ اس کے بارے میں ہمارے علماء نے فرمایا ہے کہ یہاں دو امر قابل تحقیق ہیں۔ اول یہ کہ قریہ کا اطلاق صرف دیہات ہی پر ہوتا ہے یا مضر شہر پر بھی ثانی یہ کہ واقعہ اور نفس الامر کیا ہے۔ آیا جوائی کوئی معمولی سا دیہات تھا یا قصبہ و شہر تھا۔

امر اول سے متعلق عرض ہے کہ قرآن و احادیث میں متعدد مقامات پر بڑے بڑے شہروں پر قریہ کا اطلاق کیا گیا ہے مثلاً قالوا لولا نزل هذا القرآن على رجل من القريتين عظيم الآية یہاں پر قریتین سے مراد مکہ اور طائف ہے جن کا شہر ہونا مسلم ہے، اور مثلاً واسئل الفتویۃ التي کنا فیہا الآية اس آیت میں فتویہ سے مراد مصر ہے، لہذا صرف لفظ قریہ کے اطلاق کی وجہ سے اس حدیث سے استدلال کرنا صحیح نہیں کیونکہ معلوم

ہو چکا کہ قریہ کا اطلاق بڑے شہر پر بھی ہوتا ہے۔

امرتانی سے متعلق عرض ہے کہ بہت سے ائمہ نے جوئی کو شہر بتایا ہے چنانچہ ابن التین اور ابن الاعرابی وغیرہ نے اس پر مدینہ کا اطلاق کیا ہے امر القیس شاعر کے کلام سے بھی یہی معلوم ہوتا ہے کہ جوئی کوئی معمولی سا گاؤں نہیں تھا کیونکہ اس نے اپنے قافلہ کو تجارت جوئی کے ساتھ تشبیہ دیتے ہوئے کہا ہے۔

ع وَرَحْنَا كَأَنَّمَا نَحْنُ جَوَائِي عَشِيَّةً

تعالیٰ النجاج بین عدل و محقق

یعنی ہمارا قافلہ سامان اور شکاروں کو لے کر جب واپس ہوا تو ایسا معلوم ہو رہا تھا کہ وہ تجارت جوئی کا قافلہ ہے جو سامان لے کر جا رہا ہے، تجارت جوئی کے ساتھ تشبیہ اسی وقت موزوں ہے جبکہ وہ معمولی سا گاؤں نہ ہو، ان دو کے علاوہ ایک تیسری چیز بھی دیکھنے کی ہے وہ یہ کہ اہل جوئی کے عمل سے استدلال کے لئے یہ بھی ضروری ہے کہ آپ صلی اللہ علیہ وسلم کو اس حجج کا علم بھی ہوا ہو، پس خلاصہ کلام یہ ہوا کہ اس حدیث سے استدلال کی صحت تین امور پر موقوف ہے، جن میں سے ایک بھی ثابت نہیں۔ ۱۔ عدم اطلاق القریہ علی المدینہ۔ ۲۔ کون جوئی قریہ لامدینہ، ۳۔ اطلاع علیہ السلام علی ہذا الحجج و تقریرہ، واللہ تعالیٰ اعلم بالصواب۔

۲۔ حَدَّثَنَا قُتَيْبَةُ بْنُ سَعِيدٍ أَنَّهُ قَالَ: عَنْ عَبْدِ الرَّحْمَنِ بْنِ كَعْبٍ بْنِ مَالِكٍ وَكَانَ قَائِدًا بَعْدَ

مَا ذَهَبَ بِبَصْرَةَ۔

مضمون حین شد

کعب بن مالک صحابی جب نابینا ہو گئے تھے تو ان کے بیٹے عبد الرحمن ان کے قائد تھے یعنی ہاتھ پکڑ کر لیجانے والے وہ اپنے والد کعب بن مالک سے روایت کرتے ہیں کہ میں نے اپنے والد کعب کو دیکھا کہ جب بھی جمعہ کے روز وہ جمعہ کی اذان کی آواز سنتے تو اسعد بن زرارہ کے لئے دعاء رحمت و مغفرت کیا کرتے تھے، عبد الرحمن کہتے ہیں کہ ایک روز میں نے اپنے والد سے اس کی وجہ دریافت کی تو انھوں نے فرمایا لَآئِهٖ اَوَّلُ مَنْ جَمَعَ بَنَاتِیْ هَزَمَ النَّبِیْتُ، کہ اسعد بن زرارہ کے لئے دعاء اس لئے کرتا ہوں کہ انھوں نے ہی یہاں مدینہ منورہ کے ایک مقام جس کا نام ہزم النبیت ہے ہم لوگوں کو سب سے پہلے جمعہ کی نماز پڑھائی تھی، من حرۃ بنی بیاضۃ، مدینہ میں ایک جگہ کا نام ہے فقیع العضمات، یہ بھی ایک جگہ ہے، دراصل فتح اس نشیبی زمین کو کہتے ہیں جہاں پانی جمع ہو کر گھاس اگ جائے اس حدیث کے ذکر کرنے سے بھی مصنف کا مقصود آقاہ جمعہ فی القریہ کو ثابت کرنا ہے، دیکھیے! اہل مدینہ کو اسعد بن زرارہ مقام ہزم النبیت میں جمعہ کی نماز پڑھاتے تھے، ہزم النبیت یہ ایک قریہ ہی تو ہے شہر تو نہیں۔

جواب الحنفیہ عن الحدیث الثانی | ۱۔ اس حدیث کے ساتھ محمد بن اسحاق متفرد ہیں جو شکم فیہ اور مدلس ہیں اور وہ

اس کو عن کے ساتھ روایت کر رہے ہیں لہذا حدیث ضعیف ہے۔ علا ان حضرات نے یہ کام یعنی اقامت جمعہ اپنی رائے اور اجتہاد سے اس وقت میں کیا تھا جبکہ جمعہ کی نماز شروع بھی نہ ہوئی تھی چنانچہ مصنف عبدالرزاق میں ایک روایت ہے مرسل ابن سیرین جس کے لفظ یہ ہیں جَمَعَ اهل المدينة قبل ان يفتد مهرا رسول الله صلى الله عليه وسلم وقبل ان تنزل الجمعة..... واجتمعوا الى اسعد بن زرارة فضلى بهم يومئذ، خلاصہ اس روایت کا یہ ہے کہ حضور صلی اللہ علیہ وسلم کی مدینہ تشریف آوری سے قبل اہل مدینہ نے مشورہ کیا کہ یہود و نصاریٰ ہر ایک نے اپنی عبادت کے لئے ایک دن مقرر کر رکھا ہے جس میں جمع ہو کر وہ عبادت کرتے ہیں لہذا ہمیں بھی ایک دن متعین کرنا چاہیے چنانچہ باہمی مشورہ سے جمعہ کا دن متعین ہوا۔ عزم النبیؐ خارج مدینہ کوئی مستقل بستی نہ تھی بلکہ یہ جگہ اطراف مدینہ ہی میں سے ہے جیسا کہ ان روایات کے الفاظ سے معلوم ہوتا ہے جن کو صاحب معجم البلدان نے ذکر کیا ہے اور وہاں سے حضرت نے بذل الجہود میں ان روایات کو نقل فرمایا ہے ان مذکورہ بالا امور کو سامنے رکھتے ہوئے اس حدیث سے استدلال کیونکر درست ہو سکتا ہے۔

دلائل الخفية علا اثر علی، یعنی حضرت علیؑ کی وہ حدیث موقوف جس کی تخریج عبدالرزاق اور ابن ابی شیبہ نے متعدد اسانید کے ساتھ کی ہے جس کے لفظ یہ ہیں لاجمعة ولا تشریق الا فی مصر جامع، لیکن امام نوویؒ نے اس کے بارے میں لکھا ہے اتفقوا علی ضعفه، جواب یہ ہے کہ اس کے ضعف پر اتفاق نووی کے علاوہ کسی اور نے نعتل نہیں کیا، ہاں یہ کہہ سکتے ہیں کہ اس کے بعض طرق ضعیف ہیں جس میں حجاج بن ارطاة ہے، اور بعض طرق اس کے صحیح ہیں جس کا اعتراف حافظ ابن حجر نے بھی الدرایہ فی تخریج احادیث الہدایہ میں کیا ہے۔

علا دوسری دلیل ہماری طرف سے پیش کی گئی ہے عدم التجمیع فی قیام مع شریعیۃ الجمعة قبل ذلك بمكة، وضاحت اس کی یہ ہے کہ جمعہ کی مشروعیت سورہ جمعہ کے نزول سے قبل مکہ مکرمہ میں ہوئی تھی جیسا کہ تسلیم کیا ہے اس کو علامہ سیوطی شافعیؒ نے اتفاق میں اور شیخ ابن حجرؒ کی شافعی نے شرح المنہاج میں اسی طرح علامہ شروکانی نے نیل الاوطار میں (اگرچہ حافظ ابن حجرؒ عسقلانی نے اس کو تسلیم نہیں کیا، لیکن مکہ مکرمہ میں آپؐ کو اقامتہ جمعہ پر قدرت نہ ہوئی اور قبا میں یقیناً قدرت تھی کیونکہ آپؐ کا قیام وہاں چودہ یا چوبیس روز ہوا جیسا کہ بخاری شریف کی دو مختلف روایتیں ہیں اور اس کے باوجود بالا اتفاق وہاں آپؐ نے جمعہ قائم نہیں کیا جس کی وجہ یہی تھی کہ وہ قریہ تھا، بلکہ وہاں سے مستقل ہونیکے بعد مدینہ کے راستہ میں مسجد بنو سالم میں جمعہ کی نماز آپؐ صلی اللہ علیہ وسلم نے ادا فرمائی۔ حافظ ابن قیمؒ نے اس اشکال کا جواب یہ دیا کہ آپؐ کا قیام قبا میں صرف چار روز رہا پیر کے روز آپؐ وہاں پہنچے اور جمعہ کے روز صبح کی وقت وہاں سے مدینہ کی طرف روانہ ہو گئے حالانکہ بخاریؒ کی ایک روایت میں آپؐ کا وہاں

نہ بخاری شریف میں ابواب الہجرة میں بضعة عشر یوماً مذکور ہے اور ابواب الساجد میں اربعة وعشرين یوماً

قیام چودہ روز اور ایک دوسری روایت میں چوبیس روز مذکور ہے ویسے اہل تاریخ کا بھی اس مسئلہ میں اختلاف ہے، سیرۃ ابن ہشام میں محمد بن اسحاق صاحب المغازی کا قول چار روز قیام کا منقول ہے، اسی طرح حافظ ابن حجر نے فتح الباری ص ۱۹۵ میں ابن حبان اور موسیٰ بن عقبہ ان دونوں کا قول بھی محمد بن اسحاق کے موافق ذکر کیا ہے، لیکن حافظ ابن کثیر نے البدایہ والنہایہ ص ۱۹۵ میں موسیٰ بن عقبہ سے بائیس یوم کا قیام نقل کیا ہے اور واقدی سے چودہ یوم نقل کیا ہے البتہ محمد بن اسحاق سے چار یوم ہی نقل کیا ہے،

۳۔ تیسری دلیل حدیث عائشہ کان الناس یتتابون اجمعت من سنازہم ومن العوالی جو چند باب پہلے گذر چکی ہے اور اس پر کلام بھی گذر چکا ہے۔

۴۔ چوتھی دلیل ہماری وہ حدیث ہو سکتی ہے جو آئندہ باب میں آ رہی ہے جس کا مضمون یہ ہے کہ ایک مرتبہ عید اور جمعہ دونوں جمع ہو گئے تو آپ نے عید کی نماز پڑھانے کے بعد اعلان فرمایا جس کا جی چاہے وہ جمعہ کی نماز کے لئے بٹھرے اور جو جانا چاہے وہ چلا جائے وانا مجتمعون اور میں تو جمعہ کی نماز پڑھنی ہی ہے یعنی اہل مدینہ کو اور جو اہل قریہ عید کی نماز کے لئے آئے تھے وہ بغیر جمعہ ادا کر کے جاسکتے ہیں اس لئے اہل قریہ پر جمعہ کی نماز واجب ہی نہیں ہے، حضرت امام شافعی نے اس کی یہ تاویل فرمائی کہ اگرچہ اہل قریہ پر نماز جمعہ واجب ہے لیکن اس خاص صورت میں یعنی جب جمعہ کے روز عید بھی ہو تو اہل قریہ سے جمعہ کی نماز ساقط ہو جاتی ہے، جمعہ فی القریہ کی بحث، مجد اللہ پوری ہو گئی حنفیہ کے پاس اور بھی قرآن میں لیکن یہاں دلائل کا استقصاء مقصود نہیں ہے ہمارے اکابر نے اس مسئلہ پر مستقل رسائل بھی تصنیف فرمائے ہیں حضرت گنگوہی نے اثبات القریہ فی تحقیق اجمعت فی القریہ اور حضرت شیخ الہند نے ایضاح الادلہ۔ اور حضرت تھانوی نے التحقیق فی اشراط المصرت لجمع۔ ان کا مطالعہ کرنا چاہیے

باب اذا وافق یوم الجمعة یوم عید

یعنی اگر عید جمعہ کے روز کی ہو تو پھر اس کا حکم کیا ہے؟ جمعہ و عید دونوں نمازیں ادا کی جائیں گی یا صرف ایک۔

۱۔ حدیثنا محمد بن کثیر۔ قولہ۔ شہدت معاویہ بن ابی سفیان وهو یسال زید بن ارقم قال اشہدت مع رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم عیدین اجتماع فی یوم قال نعم۔ ایسا بن ابی رملہ کہتے ہیں کہ میں حضرت معاویہ

۲۔ وار ہے، اس پر حافظ نے لکھا ہے کہ بعض نسخوں میں اسی طرح ہے اور اکثر میں اربعۃ عشر۔ لوثا ہے اور وہی صحیح ہے، غرضیکہ اس مسئلہ میں حافظ صاحب بھی پریشان ہیں اس لئے کہ حافظ صاحب تو بخاری شریف کے بڑے وفادار شارح ہیں اور حتی الامکان اختلاف روایات کی صورت میں بخاری کی روایت ہی کو راجح قرار دیتے ہیں اور اس معاملہ میں بخاری شریف کی روایت ان کے مسلک کے خلاف پڑ رہی ہے، ۱۲۔

کے پاس حاضر تھا اس وقت جبکہ وہ سوال کر رہے تھے حضرت زید بن ارقم رضی اللہ عنہ سے کہ کیا آپ حضور صلی اللہ علیہ وسلم کی خدمت میں کسی ایسے روز موجود تھے جس میں دو عیدیں جمع ہوئی ہوں انھوں نے فرمایا ہاں، عیدین کا اطلاق تغلیباً جمعہ اور عید پر کیا گیا ہے۔

فقال کیف صنع الخ: پوچھا پھر حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے اس دن کیا کیا تھا زید بن ارقم نے جواب دیا کہ آپ نے عید کی نماز پڑھا کر لوگوں کو جمعہ کی نماز کے بارے میں عام اجازت دیدی کہ جس کا جی چاہے پڑھے نہ چاہے نہ پڑھے۔

مسئلۃ الباب میں مذاہب علماء اس مسئلہ میں علماء کا اختلاف ہے، امام احمد کا مذہب یہ ہے کہ جو شخص امام کے ساتھ عید کی نماز ادا کر لے تو اب اس سے جمعہ کی نماز ساقط ہو جاتی ہے یعنی جمعہ

پڑھنا اس پر ضروری نہیں لیکن جمعہ نہ پڑھنے کی صورت میں ظہر کی نماز پڑھنا ضروری ہوگا وہ ساقط نہ ہوگی، لیکن یہ حکم ان کے یہاں غیر امام کا ہے امام سے جمعہ ساقط نہیں ہوتا، امام مالک سے بھی ایک روایت یہی ہے اور دوسری روایت یہ ہے لابدن الحجۃ، اور یہی حنفیہ کا مذہب ہے، اور امام شافعی یہ فرماتے ہیں کہ اہل شہر کے لئے تو جمعہ کی نماز پڑھنا ضروری ہے لیکن وہ گاؤں والے جو شہر میں عید کی نماز ادا کرنے کے لئے آئیں ان کو عید کی نماز کے بعد اختیار ہے جمعہ پڑھنے اور نہ پڑھنے کا۔ غرضیکہ اجتماع عیدین کی شکل میں اہل شہر پر تو دونوں نمازیں واجب ہیں البتہ اہل قریہ سے اس دن جمعہ کی نماز ساقط ہو جاتی ہے، لیکن اس کے بجائے ظہر پڑھنا ضروری ہے اور حنفیہ کے نزدیک تو اہل قریہ پر جمعہ کی نماز مطلقاً واجب ہی نہیں چاہے عید کا دن ہو یا نہ ہو۔

۲۔ حدثنا محمد بن طریف الخ۔ قولہ۔ عن عطاء بن ابی رباح قال صلی بنا ابن الزبیر

مضمون حدیث عبد اللہ بن الزبیر جب مکہ کے امیر تھے تو ایک مرتبہ کا واقعہ ہے کہ جمعہ کے روز عید ہوئی تو انھوں نے صبح کی وقت میں عید کی نماز لوگوں کو پڑھائی پھر اس کے بعد جب جمعہ کا وقت آیا تو لوگ جمعہ پڑھنے کے لئے گئے لیکن وہ جمعہ پڑھانے کے لئے اندر سے باہر تشریف ہی نہ لائے اس لئے مجبوراً لوگوں نے ظہر کی نماز تنہا پڑھی، ابن عباسؓ اس وقت مکہ میں موجود نہ تھے بلکہ سفر میں تھے جب وہاں سے وہ واپس تشریف لائے تو اہل مکہ نے ان سے اس واقعہ کو ذکر کیا تو انھوں نے فرمایا احصاء السنۃ، یعنی انھوں نے شرعی قاعدہ کے مطابق کیا، ابن الزبیر کے فعل کو تو یہ کہا جاسکتا تھا کہ وہ فعل صحابی ہے حدیث مرفوعہ نہیں لیکن حضرت ابن عباسؓ تو اس کو حدیث کے موافق فرما رہے ہیں، اس کا جواب ہم آگے چل کر دیں گے۔

۳۔ حدثنا محمد بن المصنف الخ۔ قولہ۔ فمن شاء اجزا الا من الجمعة وانا معجبون۔ یعنی آپ

یعنی عند الجہر خلافاً لطار بن ابی رباح فانما ظہر ایضاً کان المتن لم یزید بہما حتی صلی العصر ۱۲۔

نے فرمایا آج کے دن دو عیدیں جمع ہو گئی ہیں تو جو شخص یہ چاہے کہ عید کی نماز اس کو کافی ہو جائے جمعہ سے توبہ ہو سکتا ہے لیکن ہم تو بہر حال جمعہ پڑھیں گے، حنفیہ اور شافعیہ یوں کہتے ہیں کہ ہم سے مراد اہل مدینہ ہیں اور جن کو آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے نہ پڑھنے کی اجازت دی ہے وہ اہل قریہ ہیں جو مدینہ میں آپ کے ساتھ عید کی نماز پڑھنے کیلئے آگئے تھے، تو آپ نے یہ جمعہ نہ پڑھنے کی اجازت صرف ان دیہاتی لوگوں کو دی تھی، اور حنفیہ کے نزدیک اہل قریہ پر جمعہ کی نماز واجب ہے ہی نہیں اور شافعیہ کے نزدیک اگرچہ واجب ہے لیکن اس صورت خاصہ میں واجب نہیں، لہذا یہ حدیث حنفیہ کے خلاف نہیں، یہی جواب گذشتہ احادیث کا بھی ہے اور وہ جو ابن عباس نے مطلقاً نہ پڑھنے کی سب کے لئے اجازت دی تھی سو یہ اپنے علم اور زعم کے مطابق کہا ہوگا، ابن عباس حضور صلی اللہ علیہ وسلم کے زمانہ میں حذیفہ السن تھے ہو سکتے تھے حضور کی مراد نہ سمجھ سکے ہوں اور حدیث کو انھوں نے عام سمجھا ہو حالانکہ حضور کی اجازت اہل قریہ کے لئے تھی نہ کہ اہل مدینہ کے لئے اور اگر بالفرض ان احادیث میں ترک جمعہ کی اجازت کو عام ہی مانا جائے گا قال احمد تو پھر جواب جمہور کی طرف سے یہ ہو گا کہ ہمارا استدلال عموماً سے ہے یعنی ان احادیث اور دلائل سے جن سے جمعہ کی فرضیت مطلقاً ثابت ہے عید اور غیر عید کا کوئی فرق نہیں اور اس باب کی احادیث اتنی قوی نہیں ہیں جو ان دلائل کا مقابلہ کر سکیں۔ واللہ تعالیٰ اعلم بالصواب۔

بَابُ مَا يَقْرَأُ فِي صَلَاةِ الصُّبْحِ يَوْمَ الْجُمُعَةِ

قولہ۔ عن ابن عباس ان رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کان یقرأ فی صلوة الفجر تغزیل السجدة وھل اتی علی الانسان حین من الدھر، اور طبرانی کی ایک روایت میں عبد اللہ بن مسعود کی حدیث سے یہ دیکھ دیا ہے، یعنی آپ صلی اللہ علیہ وسلم ہمیشہ جمعہ کے دن صبح کی نماز میں سورہ سجدہ اور سورہ دھر تلاوت فرماتے تھے، اور اس حدیث کے دوسرے طریق میں جو آگے کتاب میں مذکور ہے یہ زیادتی ہے و فی صلوة الجمعة بسورۃ الجمعة واذا جاءك المنافقون، جمعہ کی نماز کی قراءۃ کے لئے مستقل باب بالقرآنی صلوة الجمعة، آگے کتاب میں آ رہا ہے اس پر کلام دہیں کریں گے۔

جمعہ کے روز صبح کی نماز میں ان دو سورتوں کا پڑھنا شافعیہ اور حنابلہ کے یہاں سنت ہے لیکن حنابلہ مذاہب ائمہ یہ کہتے ہیں کہ ان دو سورتوں کو پڑھا جائے بغیر مواظبتہ کے (منہل) اور حنفیہ کے نزدیک ان سورتوں کا پڑھنا احیاناً مستحب ہے مآثور کے اتباع کی نیت سے اور انھیں سورتوں کو مستعین کر لینا اور ان پر مداومت کرنا حنفیہ

کے نزدیک مکروہ ہے، اب رہ گیا مذہب مالکیہ کا ان کے نزدیک مشہور قول میں فرض نماز میں ایسی سورت کا پڑھنا جس میں سجدہ ہو مکروہ ہے حتیٰ کہ جمعہ کے دن صبح کی نماز میں بھی سورۃ سجدہ کا پڑھنا اور دوسری روایت ان کی یہ ہے کہ از دھام کیوقت یعنی جب جماعت بڑی ہے تب کراہت ہے ورنہ نہیں، تیسری روایت ان کی یہ ہے کہ یکرہ فی السریۃ دون الجہریۃ اور شافعیہ کا مذہب یہ ہے کہ سجدہ والی سورت کا پڑھنا فرض نماز میں جائز ہے لیکن سجدہ تلاوت ذکر سے قبل سجدہ عالماً بتحریمہ بطلت الصلوۃ اور امام احمد کا مذہب یہ ہے کہ یکرہ فی السریۃ دون الجہریۃ فان قراء لا یسجد۔ وعند الحنفیۃ یکرہ فی السریۃ ونحو جمیعۃ وعید، یہ تمام تفصیل الفیض السامی میں مذکور ہے، امام نسائی نے باب قائم کیا ہے باب السجود فی الغریفۃ، مذکورہ بالا تفصیل سے معلوم ہوا کہ یہاں پر دوسرے ہیں اول سجدہ والی سورت کا فرض نماز میں پڑھنا، ثانی یہ کہ فرض نماز میں اگر سجدہ والی سورت پڑھی جائے تو اس میں سجدہ تلاوت کیا جائے یا نہیں۔

لطیفہ۔ یہ پہلے اچھا کہ شافعیہ کے یہاں ان سورتوں پر مواظبت بہتر ہے، اور حنفیہ کے یہاں احياناً، اس پر شیخ ابن الہمام لکھتے ہیں کہ مسئلہ تو یہ تھا کہ فعل پر مواظبت نہ کی جائے بلکہ احياناً پڑھائے، اور بعض حنفیۃ المعصر نے کیا یہ کہ ان سورتوں کے ترک پر مواظبت کرنے لگے ہیں، میں کہتا ہوں بخلاف شافعیہ وغیرہ کے کہ وہ فعل پر مواظبت کرتے ہیں، چنانچہ ایک ہندی عالمی شخص کا قصہ سنا گیا۔ بے کہ وہ حج کر کے واپس اپنے وطن ہندوستان آیا تو یہاں آکر وہاں کی باتیں سنائیں تو اس نے یہ بھی بتایا کہ ہم نے وہاں ایک عجیب بات یہ دیکھی کہ جمعہ کے دن صبح کی نماز وہاں ہمیشہ تین رکعتیں ہوتی ہیں، اور حضرت گنگوہی کی تقریر میں یہ ہے کہ ہمارے نزدیک ان سورتوں کا پڑھنا احياناً مستحب ہے یا اکثر اور کثرت میں دو احتمال ہیں فی نفسہ کثرت یا کثرة الوجود علی الغم یعنی نہ پڑھنے کے مقابلہ میں ان سورتوں کا پڑھنا زائد ہو۔

باب اللبس للجمعة

۱۔ حدثنا القعنبي۔ قوله۔ ان عمر بن الخطاب رأى حلة سياراء يعني تباع عند باب المسجد، اس کو حالت سیراء صفت کے ساتھ اور حلة سیراء اصناف کے ساتھ دونوں طرح پڑھا گیا ہے، سیراء ایک خاص قسم کا کپڑا ہوتا ہے جس میں ریشم بھی ہوتا ہے اور بعضوں نے اس کی تفسیر خالص ریشمی کپڑے کے ساتھ بھی کی ہے۔

قوله۔ في حلة عطاردة، عطارد حضور صلی اللہ علیہ وسلم کے زمانہ میں ایک شخص تھا جو حضور رہی کے زمانہ میں بعد میں اسلام لے آیا تھا اس کو کسی بادشاہ نے ریشمی حلتہ دیا تھا جس کو وہ فروخت کرنا چاہتا تھا جیسا کہ طبرانی کی ایک روایت میں ہے، تو حضرت عمر اس جوڑے کو لے کر حضور کی خدمت میں حاضر ہوئے کہ اگر آپ فرمائیں تو میں اس کو آپ کے لئے خرید لوں لفظ عطارد کو منصرف اور غیر منصرف دونوں طرح پڑھ سکتے ہیں، فلکسا ہا عمرا خالہ مشن کا ہمسک، پھر حضرت عمرؓ نے وہ جوڑا اپنے ایک مشرک بھائی کو پہنا دیا جو کہ میں رہتا تھا بعض کہتے ہیں کہ وہ ان کا اخیانی بھائی تھا اور بعض کہتے ہیں رضائی

اس کا نام عثمان بن حکیم لکھا ہے، اس میں اختلاف ہے کہ بعد میں وہ اسلام لائے یا نہیں، مردوں کے لئے لبس تحریر ناجائز ہے اس کی تفصیل کتاب اللباس میں آئے گی۔

بذل میں لکھا ہے کہ اس حدیث سے مستفاد ہو رہا ہے کہ کفار فروع اسلام یعنی
الفوائد الحاصلة من الحدیث اسلامی احکام کے مکلف نہیں اس لئے کہ حضرت عمر اس بات کو جانتے تھے کہ وہ

مشرک اس لباس تحریر کو ضرور پہنے گا اور ظاہر یہ ہے کہ حضور کو اس ار سال کا علم تھا اسی طرح یہ بھی معلوم ہوا کہ مسلمان اپنے مشرک رشتہ دار کے ساتھ احسان اور صلہ رحمی کر سکتا ہے البتہ اس کے ساتھ مودت اور دلی تعلق ممنوع ہے۔

حضرت لکھتے ہیں اس سے ایک اور مسئلہ مستفاد ہوتا ہے جس کے امام صاحب قائل ہیں وہ یہ کہ امام صاحب کے نزدیک کسی مسلمان کا اپنے مکان یا دوکان کو ایسے شخص کو کرایہ پر دینا جائز ہے جس کے بارے میں یہ معلوم ہو کہ وہ اس کو کسی حرام کام میں استعمال کرے گا مثلاً بیع خمر وغیرہ یا کسی مجوسی یا دشمنی کو کرایہ پر دینا جس کے بارے میں معلوم ہو کہ وہ اس میں اپنا کوئی مذہبی کام کرے گا آتش پرستی اور بت پرستی وغیرہ۔

۲۔ حدثنا احمد بن صالح الخ۔ قوله۔ وجدنا عمر بن الخطاب حلة استبرق تباع بالسوق الخ۔ جو ریشم کا ایک قسم کا ہوتا ہے اس کو دیباچہ کہتے ہیں ماریق من الحدید اور استبرق وہ ریشم جو دبیز ہو ماعظمن الحدید

۳۔ حدثنا احمد بن صالح الخ۔ قوله۔ ان محمد بن یحییٰ ابن حبان حدثنا، یہ حدیث مرسل ہے اس لئے کہ محمد بن یحییٰ تابعی ہیں۔ قوله۔ ماعلیٰ احدکم ان یجکد او ماعلیٰ احدکم۔ یہ شک راوی ہے کہ اس طرح فرمایا تھا یا اس طرح۔

مطلب حدیث یہ ہے کہ آپ صلی اللہ علیہ وسلم ارشاد فرما رہے ہیں کہ تم میں سے کسی ایک کے لئے اس میں کیا حرج ہے کہ جمعہ کے دن کے لئے دو کپڑے تیار رکھے کہ جب جمعہ کا دن آئے تو ان کو پہن لیا کرے، سوئی ٹوٹی مہنتہ، سوائے روز مرہ کے کپڑوں کے، یعنی جن کپڑوں کو پہن کر آدمی پورے ہفتہ کام کرتا ہے خدمت کرتا ہے ان کے علاوہ خاص جمعہ کے دن کے لئے کپڑوں کا ایک جوڑا ہونا چاہئے قال عمرو واخبرنی ابن ابی حنیبل۔

اوپر سند میں ابن وہب کے دو استاد مذکور ہیں ایک یونس دوسرے عمرو، عمرو کی پہلی روایت یحییٰ بن سعید سے تھی اب ابن وہب یہ کہہ رہے ہیں کہ میرے استاد عمرو اس حدیث کو جس طرح یحییٰ

سعید سے روایت کرتے ہیں اس طرح ابن ابی حنیبل سے بھی روایت کرتے ہیں لیکن فرق دونوں میں یہ ہے کہ پہلی روایت کو تو حضور صلی اللہ علیہ وسلم سے نقل کرنے والے محمد بن یحییٰ ہیں جو کہ تابعی ہیں لہذا وہ روایت تو مرسل ہوئی، اور اس دوسری

روایت میں محمد بن یحییٰ بن حبان اور حضور کے درمیان ابن سلام کا واسطہ ہے لہذا یہ روایت بجائے مرسل کے مسند ہوگی۔ لیکن ابن سلام کے مصداق میں دو احتمال ہیں اگر اس نے مراد عبد اللہ بن سلام صحابی ہیں تب یہ روایت منقطع ہوگی کیونکہ

ابن حبان کا سماع عبد اللہ بن سلام سے ثابت نہیں اور دوسرا احتمال یہ ہے کہ ابن سلام سے مراد عبد اللہ بن سلام کے بیٹے ہوں جن کا نام یوسف ہے جیسا کہ آئندہ روایت میں آ رہا ہے یہ صفار صحابہ میں سے ہیں اور ابن حبان نے ان کا زمانہ پایا ہے لہذا اس صورت میں یہ روایت مسند اور متصل ہوگی۔

بَابُ التَّحْلُقِ يَوْمَ الْجُمُعَةِ قَبْلَ الصَّلَاةِ

قوله۔ ان رسول الله صلى الله عليه وسلم نهى عن الشراء والبيع في المسجد، مسجد کے اندر بیع و شراء یہ مسجد کا استعمال فی غیر ما وضع له ہے اس لئے کہ مساجد کی بنا نماز تلاوت قرآن اور ذکر اللہ کے لئے ہے۔ یہ نہی حنفیہ و شافعیہ کے نزدیک کراہت کے لئے ہے غیر معتکف کے حق میں اور حنابلہ کے نزدیک مطلقاً تحریم کے لئے بیع قلیل ہو یا کثیر معتکف ہو یا غیر معتکف حضرت امام احمدؒ اس میں متشدد ہیں اور بعض شافعیہ کے نزدیک مطلقاً جائز ہے، اور امام طحاوی کی رائے جس کو انھوں نے شرح معانی الآثار میں روایات سے ثابت کیا ہے یہ ہے کہ ممانعت نفس بیع و شراء سے نہیں بلکہ کثرت بیع و شراء سے ہے، یہ بھی خرید و فروخت کر رہا ہے اور وہ بھی کر رہا ہے حتیٰ کہ مسجد کی حالت بازار کے مشابہ ہو جائے، ایک دو آدمی متفرق طور پر اگر بیع و شراء کر لیں تو اس میں کچھ مضائقہ نہیں، چنانچہ امام طحاویؒ نے ایک روایت سے حضرت علیؓ کا مسجد میں بیٹھ کر خضف نعل (جو تاسیبا درست کرنا) ثابت فرمایا ہے جس کا علم حضور صلی اللہ علیہ وسلم کو بھی تھا، چنانچہ حضورؐ نے ان کے بارے میں ایک واقعہ کے ذیل میں فرمایا ولکنہ خاضف النعل فی المسجد امام طحاویؒ فرماتے ہیں اس سے معلوم ہوا کہ عمل فی المسجد جائز ہے مگر نفس عمل نہ کہ کثرت عمل چنانچہ اگر بہت سے لوگ مسجد میں اپنے اپنے جوتے درست کرنے بیٹھ جائیں جس سے مسجد کی ہیئت ہی بدل جائے تو ظاہر ہے کہ اس کی کون اجازت دے سکتا ہے۔

وان تنشد فیہ ضالۃ، اس کا بیان ابواب المساجد میں باب فی کراہیۃ النشاد الضالۃ فی المسجد کے ذیل میں گذر چکا، وان ینشد فیہ شعر۔

النشاد الشعر فی المسجد کی بحث | اس حدیث میں النشاد شعر فی المسجد سے منع کیا گیا ہے اور بہت سی روایات سے اس کا جواز معلوم ہوتا ہے، چنانچہ امام ترمذیؒ اس حدیث کے ذیل میں فرماتے ہیں وقد روی عن النبی صلی اللہ علیہ وسلم فی غیر حدیث رخصۃ فی النشاد الشعر فی المسجد، چنانچہ یحییٰ

لے اس لئے کہ محمد بن یحییٰ کی پیدائش ۳۳ھ میں ہے اور عبد اللہ بن سلام کی وفات ۳۳ھ میں ہوئی ۱۲۰ منہ

میں ہے کہ ایک مرتبہ حضرت عمرؓ کا گزر مسجد نبوی کے پاس کو ہوا اس وقت میں حضرت حسان حضورؐ کے شاعر مسجد میں شعر پڑھ رہے تھے تو حضرت عمرؓ نے ان کی طرف تیز نگاہ سے دیکھا تو اس پر حضرت حسان نے عرض کیا، کنت انشدنیہ وفیہ من هو خیر منک، کہ میں مسجد میں اشعار اس شخص کی موجودگی میں پڑھا کرتا تھا جو تم سے افضل تھے (یعنی حضورؐ) اسی طرح ترمذی کی ایک روایت میں ہے حضرت عائشہؓ فرماتی ہیں کہ حضور صلی اللہ علیہ وسلم حضرت حسانؓ کے لئے مسجد میں منبر رکھواتے تھے پھر وہ اس پر کھڑے ہو کر اشعار میں کفار کی جھوکتے تھے یہ حدیث ترمذی میں ابواب الاستیذان کے اواخر میں ہے اور اسی جگہ حضرت انسؓ کی ایک اور حدیث میں یہ ہے کہ حضور صلی اللہ علیہ وسلم عمرۃ العقیار میں جب مکہ مکرمہ میں داخل ہو رہے تھے تو عبد اللہ بن رواحہؓ آپ کے آگے یہ اشعار پڑھتے ہوئے چل رہے تھے۔

خلو ابی الکفار عن سبیلہ ÷ الیوم نضر بکم علی تنزیلہ۔

حزرا یزید الہام عن مقلہ ÷ ویذہل الخلیل عن خلیلہ

روایات متعارضہ کے درمیان تطبیق | الحاصل۔ اس سلسلہ میں جواز اور منع دونوں طرح کی روایات وارد ہیں، جمہور علماء نے ان کے مابین تطبیق اس طرح فرمائی ہے کہ

منع کا تعلق ان اشعار سے ہے جن میں تفاخر ہو یا ایسے شمس کی مدح ہو جو قابل مدح نہیں یا ایسے شخص کی مذمت، جسکی مذمت جائز نہیں اور جب اشعار کے اندر دین و اسلام کی مدح اور کفار کی مذمت یا اور حکمت کی باتیں اور مکارم اخلاق کی ترغیب ہو تو اس میں کچھ مضائقہ نہیں ہے

شرح حدیث ابن العری ابنی اور امام نووی وغیرہ نے یہی لکھا ہے اور ایک عالم ہیں ابو عبد اللہ البونی انکی رائے یہ ہے کہ احادیث الہی احادیث اذن کیلئے ناسخ ہیں لیکن انکی موافقت نہیں کی (من المنہل) امام طحاویؒ کی رائے یہاں پر یہی ہے کہ مخالفت مطلقاً الشارح سے نہیں بلکہ اسکی کثرت اور غلبہ سے ہے کہ بہت سے لوگ مسجد میں بیٹھ کر شعر و شاعری اور بیت بازی کرنے لگیں یہ ممنوع ہے۔

وہنی عن التعلی قبل الصلوۃ یوم الجمعة۔ یعنی جمعہ کے دن جمعہ کی نماز سے پہلے بعض لوگ مسجد میں آکر

لے ابن العری فرماتے ہیں کہ الشارح اشعر فی المسجد میں کچھ حرج نہیں جبکہ وہ اشعار دین اور دینداری کی مدح میں ہوں اگرچہ (مضنا ان اشعار میں علی نادات العرب)۔ غمرا اور اس کی صفات خمیشہ کا ذکر مدح ہی کے طور پر کیوں نہ ہو،

قصیدہ بانث سعاد | اور تحقیق کہ مسجد میں مدح کی ہے کعب بن زبیرؓ نے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی اپنے مشہور

قصیدہ میں (قصیدہ بانث سعاد سے مشہور ہے) جس کا شروع مصرع یہ ہے، ع۔ بانث سعاد فقلبی الیوم متبول

حس میں آگے چل کر مدح فخر کے بارے میں اس طرح ہے کاندہ منہن بالراح معلول، بذل میں لکھا ہے حافظ عراقی فرماتے ہیں کہ یہ قصیدہ ہم تک متعدد طرق سے پہنچا ہے لیکن ان میں ایک طریق بھی صحیح نہیں محمد بن اسحاق نے بھی اس قصیدہ کو ذکر کیا ہے لیکن بسند منقطع وہ فرماتے ہیں۔

(بلیغ ماہر)

حلقہ بنا کر بیٹھیں اس سے منع کیا گیا اس لئے کہ یہ بیعت نماز کی ہیئت کے خلاف ہے صف بندی کے خلاف ہے اس سے قطع صفوں لازم آتا ہے جب کچھ لوگ مسجد میں حلقہ بنا کر بیٹھ جائیں گے تو اتنا حصہ صف سے منقطع ہو جائے گا اور بھی بعض خرابیاں ہیں مثلاً یہ کہ جب لوگ حلقہ بنا کر بیٹھتے ہیں تو بات چیت میں مشغول ہو جاتے ہیں حالانکہ مسجد میں یہ آمد نماز ادا کرنے کے لئے ہوئی ہے نہ کہ بات چیت کے لئے نیز شرح نے یہ بھی لکھا ہے کہ تحلیق کی ممانعت عام ہے خواہ پڑھنے لکھنے کے لئے ہو یا مذاکرہ و مشورہ کے لئے ہو، اور حدیث میں قبل الصلوٰۃ کی قید سے معلوم ہو رہا ہے کہ بعد الصلوٰۃ تحلیق فی المسجد ممنوع نہیں نماز کے بعد حلقہ بنا کر بیٹھ سکتے ہیں، اسی طرح جمعہ کے دن کے علاوہ دوسرے ایام میں تحلیق کی اجازت ہے جمعہ کے روز کی خصوصیت تو اس لئے ہے کہ اس دن مسجد میں ہجوم ہوتا ہے لوگ بہت پہلے سے مسجد میں جمع ہونا شروع ہو جاتے ہیں، تبکیر الی الجمہ کے حکم کی وجہ سے، اور حلقہ بنا کر بیٹھنے میں اول تو نماز کی ہیئت باقی نہیں رہتی جس کے لئے آئے ہیں دوسرے یہ کہ جگہ میں تنگی ہو جاتی ہے اس لئے کہ حلقہ کے بیچ میں تو جگہ خالی پڑی رہتی ہے وہاں کوئی دوسرا بیٹھ نہیں سکتا وغیرہ وغیرہ خرابیاں ہیں، اور امام طحاوی کی رائے یہاں بھی وہی ہے کہ ممانعت نفس تحلیق کی نہیں بلکہ کثرت تحلیق کی ہے کہ مختلف لوگ اپنے اپنے حلقے الگ الگ بنا کر مسجد میں بیٹھ جائیں، صرف ایک آدھ حلقہ بنا کر بیٹھیں کوئی مضائقہ نہیں، واللہ تعالیٰ اعلم بالصواب۔

باب اتخاذ المنبر

یہ ترجمہ دوسرے حضرات مصنفین نے بھی قائم کیا ہے، چنانچہ امام بخاری اور امام ترمذی نے باب الخطبہ علی المنبر باب باندھا ہے۔

ترجمہ الباب کی غرض حضرت گنگوہی کی تقریر الکوکب الدرری میں لکھا ہے، شاید اس سے مقصود مصنف کا یہ ثابت کرنا ہے کہ یہ بدعت یا خلاف تواضع نہیں اور اس میں شاید کوئی کبھی یہ سمجھے کہ یہ جب بارہ اور متکبرین کی عادت ہوگی، نہیں، بلکہ یہ تو حضور صلی اللہ علیہ وسلم سے ثابت ہے، نیز لکھا ہے کہ حضور کے منبر کے تین درجہ تھے تیسرے پر آپ بیٹھتے تھے اور آپ کے قد میں درجہ ثانیہ پر ہوتے تھے، پھر آپ صلی اللہ علیہ وسلم کے بعد صدیق اکبرؓ ادا دوسرے پر بیٹھتے تھے اور اول پر تدم ہوتے تھے، پھر اس کے بعد عمر فاروقؓ تیسرے پر بیٹھتے تھے اور زین پر قدیم ہوتے تھے، پھر حضرت عثمانؓ چونکہ اب اور کوئی درجہ باقی نہ تھا اس لئے وہ سب سے اوپر والے درجہ پر بیٹھتے تھے اور حاشیہ کوکب میں لکھا ہے کہ شروع میں چند سال حضرت عثمانؓ نے یہ کیا کہ آخری درجہ پر بیٹھتے تھے حضرت عمرؓ کی طرح

— اور اگر تسلیم کر لیا جائے کہ یہ قصیدہ آپ کے سامنے مسجد میں پڑھا گیا ہے تو پھر ہم کہتے ہیں کہ ہمیں کسی جگہ عمر کی مدح نہیں کی گئی البتہ رقیہ عمر کی مدح میں ہے (بذل)

پھر بعد میں اوپر والے پر بیٹھنے لگے تھے۔

۱- حَدَّثَنَا قُتَيْبَةُ بْنُ سَعِيدٍ الْخِزْمِيُّ قَالَ قَالَ رَجُلًا اتَّوَسَّلَ بَيْنَ سَعْدِ السَّاعِدِيِّ وَقَدْ امْتَرَأَ وَافٍ

الْمَنْبَرِ مِمَّ عَوْدًا لَمْ يَخُذْ.

مضمون حدیث

بعض لوگ سہل بن سعد کے پاس آئے جو منبر شریف کی لکڑی میں اختلاف کر رہے تھے اور آپس جھگڑ رہے تھے انھوں نے ان کو ان سے پوچھا کہ آپ کا منبر شریف کس درخت کی لکڑی سے بنایا گیا ہے انھوں نے کہا ہاں واقعی میں اس بات کو اچھی طرح جانتا ہوں کہ وہ کس لکڑی سے بنایا گیا ہے اور بننے کے بعد سب سے پہلے آپ صلی اللہ علیہ وسلم جب اس پر بیٹھے تھے سب میرے ذہن میں ہے سب میرا دیکھا ہوا ہے۔

الحی فدلنا امراؤا۔ مضمون حدیث یہ ہے کہ آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے ایک انصاری عورت کے پاس یہ کہلایا کہ تم اپنے غلام یعنی خادم سے جو بڑھی کا کام کرتا ہے میرے لئے منبر بنادو چنانچہ اس عورت نے اپنے غلام سے کہہ کر منبر بنوا دیا۔ قولہ۔ من طرفاء الغابة۔ غابہ مدینہ کے قریب ایک جگہ کا نام ہے طرفار کہتے ہیں درخت جھاڑو کو، اور بخاری کی روایت میں بجائے اس کے من اثل الغابة ہے لیکن اس میں کوئی تعارض نہیں وہ طرفار درخت کی ایک قسم ہے لکھا ہے کہ طرفار کی چار قسمیں ہیں جن میں سے ایک اثل بھی ہے، پھر اگلے حدیث میں یہ ہے کہ جب وہ منبر بن گیا اور اس کو اس کی جگہ رکھ دیا گیا تو پہلے روز آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے اس پر کھڑے ہو کر نماز پڑھائی تبکیر تحریمہ قیام اور رکوع اسی پر کئے اور سجدہ اس سے اتر کر زمین پر کیا، اور پھر آپ نے منبر پر نماز پڑھنے کی مصلحت بیان فرمائی کہ تاکہ تم میری نماز کو دیکھ کر اس کا اچھی طرح اتباع کر سکو کیونکہ پچھلی صفوں والے پورے طور پر امام کو نہیں دیکھ سکتے ہیں بخلاف اس کے کہ جب منبر پر کھڑے ہو کر نماز پڑھی جائیگی تو ظاہر ہے کہ سب مقتدی دیکھ سکیں گے۔

یہ حدیث متفق علیہ ہے بخاری و مسلم دونوں میں ہے، اس انصاری عورت کے نام میں اختلاف ہے کہا گیا ہے لم یعرف اسمها وقیل اسمها فکیہمة وقیل عاشئة۔ اسی طرح اس غلام کے نام میں بھی اختلاف ہے قیل اسمہ قبیصة وقیل باقوم اور بعض کتب میں باقوم رومی لکھا ہے وقیل یمون حافظ نے اس آخری قول کو اختیار کیا ہے۔

دفع تعارض بین الروایات | اس حدیث کے ظاہر سے معلوم ہوتا ہے کہ آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے خود اس عورت کے پاس منبر کے لئے کہلایا تھا اور بخاری کی ایک روایت میں یہ ہے کہ

اس عورت نے خود حضور سے عرض کیا تھا یا رسول اللہ الا اجعل لك شيئاً تقعد علیه۔ اس کی توجیہ یہ ہو سکتی ہے کہ ابتداءً خود اس عورت نے درخواست کی بعد میں حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے بھی اس کی یاد دہانی اور تکمیل کے لئے قاصد بھیج دیا ہو۔

فاسد لا۔ تاریخ خیس میں لکھا ہے کہ اس منبر کا اتنا ذمہ میں ہوا اور علامہ عینی نے ابن سعد سے نقل کیا ہے

اور مولانا انور شاہ کشمیری کی قطعی طور پر رائے یہ ہے کہ اس کا انتخاب دسویں میں ہوا وہ فرماتے ہیں کہ میرے پاس متعدد روایات ایسی ہیں جو اس پر دلالت کرتی ہیں۔

۲۔ حدثنا الحسن بن علی الخ۔ قوله۔ ان النبی صلی اللہ علیہ وسلم لیسابڈن، یہ لفظ باب تفعیل سے ہے تشدید وال کے ساتھ یا مجرد سے تخفیف کے ساتھ دونوں طرح اس کو پڑھا گیا ہے سب سے پہلے یہ لفظ ابواب الامامت میں باب ماجار ما یومر بہ الماموم من اتباع الامام میں گزرا ہے وہیں اس کی تحقیق گزر چکی، اس کے بعد دوبارہ یہ مضمون باب الرجل یتعمد فی الصلوۃ علی عصا میں اس طرح گزرا ہے ان رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم لیسابڈن اسق وحمل اللحم، اب تیسری مرتبہ یہ لفظ یہاں آیا ہے۔

قال لہ تنہیم الدارحی الا اتخذتک منبرا یا رسول اللہ الخ باب کی اس دوسری حدیث میں یہ ہے کہ حضرت تنہیم داری نے آپ صلی اللہ علیہ وسلم کی خدمت میں منبر بنانے کی پیشکش کی اور پھر انھوں نے ہی اس کو بنایا۔

ایک اور دفع تعارض یہ حدیث گذشتہ حدیث کے خلاف ہے اول تو یہ حدیث سنن کی روایت ہے ابو داؤد اور بیہقی نے اس کو روایت کیا ہے اور پہلی حدیث متفق علیہ ہے ظاہر ہے کہ ترجیح اسی کو ہوگی اور یا یہ تو جہیہ کجائے کہ اصل تو وہ ہے جو باب کی پہلی حدیث میں گزرا لیکن اس کی خبر تنہیم داری کو نہ تھی اس لئے انھوں نے بھی اپنی طرف سے آپ کی خدمت میں درخواست پیش کی آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے اس کو منظور فرمایا اس طور پر کہ وہ بھی اس سلسلہ میں سعی کریں اور جس عورت سے بڑانے کے لئے کہا گیا ہے اس سے جا کر ملیں اور بنائیں لہذا کریں چنانچہ ایسا ہی ہوا واللہ اعلم۔

قوله۔ مرقاۃین، اس سے معلوم ہوتا ہے کہ منبر شریف کے صرف دو درجے تھے حالانکہ مشہور روایت میں یہ ہے کہ اس کے درجات (سیڑھیاں) تین تھے، جواب یہ ہے ممکن ہے کہ اس روایت میں سب سے اوپر کا درجہ جس پر آپ بیٹھے تھے اس کو شمار نہ کیا ہو لہذا مطلب یہ ہوا کہ جن درجات کے ذریعہ سے چڑھتے تھے وہ دو تھے۔

منبر شریف کے بارے میں ایک واقعہ منہل میں لکھا ہے (جیسا کہ پہلے گزر چکا) کہ اس میں تین درجات تھے اور اسی طرح اس کی یہ ہیئت چلتی رہی یہاں تک کہ حضرت معاویہؓ نے اپنی

خلافت کے زمانہ میں مروان کو جو اس وقت امیر مدینہ تھا یہ لکھا کہ اس منبر شریف کو اس کی جگہ سے اکھاڑ کر یہاں میرے پاس ملک شام میں بھیج دو چنانچہ مروان نے اس حکم کی تعمیل میں اس کو اس کی جگہ سے اکھاڑا اور حضرت معاویہؓ کی جانب بھیجنے کا ارادہ کیا تو مدینہ میں ایک دم سورج گہن ہو گیا تمام مدینہ تاریک ہو گیا حتیٰ کہ دن میں ستارے نمودار ہو گئے اور سنت آندھی چلنے لگی مروان گھبرا گیا مسجد میں آکر اس نے لوگوں کو خطبہ دیا اور اس میں یہ کہا کہ تم لوگ یہ سمجھتے ہو گے کہ اس منبر کو میں امیر المؤمنین کے پاس بھیجنا چاہتا ہوں اور وہ اس کو منگانا چاہتے ہیں لیکن ایسا نہیں ہے نہ امیر المؤمنین ایسا

چاہتے ہیں اور نہ میں ایسا کر سکتا ہوں، امیر المؤمنین نے تو مجھ کو یہ حکم دیا ہے کہ میں اس کے درجات میں اضافہ کر کے اس کو بلند کروں چنانچہ اس نے اس میں نیچے کی جانب تین مزید درجات کا اضافہ کرا کے اسی جگہ نصب کرا دیا۔

واقعہ حنین الجذع | اور وہ حنین الجذع کا واقعہ تو کتب حدیث میں مشہور ہے جو آپ صلی اللہ علیہ وسلم کے معجزاتِ باہرہ میں شمار ہوتا ہے جو بخاری شریف ص ۱۲۵ پر ہے کہ شروع میں آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کھجور کے ایک تنے سے جو مسجد نبوی میں قائم تھا ٹیک لگا کر خطبہ دیا کرتے تھے پھر جب منبر بن گیا اور بجائے اس تنے کے آپ منبر پر تشریف فرما ہوئے تو وہ تنہ بوجہ فراق کے اس اونٹنی کی طرح بلبلا نے لگا جس کا بچہ گم ہو گیا، ہو اس آواز کو تمام اہل مسجد نے سنا تو آپ منبر شریف سے اتر کر اس جذع کے قریب تشریف لے گئے اور اس پر اپنا دست مبارک رکھا جس پر وہ ساکن ہو گیا، حنین الجذع والی روایت چونکہ ابوداؤد شریف میں نہیں ہے اس لئے اس کو مقام کی مناسبت سے ذکر کر دیا گیا۔

باب موضع المنبر

قولہ کان بین منبر رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم و بین الحائط کقدر ممد الشاة۔

شرح حدیث | حائط سے مراد سامنے کی دیوار یعنی جدار قبلہ ہے، منبر شریف مسجد کے اندر سامنے والی دیوار جہاں امام کی محراب ہوتی ہے اس کے متصل تھا، دیوار اور منبر کے درمیان فاصلہ تقریباً ایک ذراع کے بقدر جتنی جگہ میں کو بکری گذر سکتی ہے اتنا تھا، بذل میں لکھا ہے کہ منبر شریف محراب کی دائیں جانب تھا استقبال قبلہ کی صورت میں، یعنی مسجد کے اندر قبلہ رو کھڑے ہونے والے کے اعتبار سے دائیں جانب تھا، منہل میں لکھا ہے کہ اس حدیث کی تخریج بخاری اور مسلم دونوں نے کی ہے نیز یہ کہ یہ حدیث اس پر دلالت کرتی ہے کہ منبر مسجد کے اندر دیوار سے بالکل ملا ہوا نہیں ہونا چاہیے بلکہ دونوں کے درمیان تھوڑا سا فاصلہ ہونا چاہئے۔

باب الصلوة يوم الجمعة قبل الزوال

اس باب کا تعلق اوقاتِ منہیہ سے ہے، اس سلسلہ کے متعدد ابواب صلوة الخوف کے بعد ابواب التطوع و رکعات الستہ کے ذیل میں آرہے ہیں، گویا اوقاتِ منہیہ کا اصل بیان وہاں آ رہا ہے اس لئے اس کی تفصیل تو ہم انشاء اللہ وہیں بیان کریں گے۔ یہاں اس باب میں خاص جمعہ کے دن وقتِ مکروہ کا بیان ہے، دراصل جمہور علماء ائمہ ثلاث کے مذاہب ائمہ | نزدیک اوقاتِ مکروہ تین ہیں، وقت الطلوع، وقت الغروب، وقت الاسوار یعنی نصف النہار اور امام مالک کے نزدیک صرف دو ہیں وقت الاسوار کے نزدیک وقتِ مکروہ نہیں، جمعہ ہو یا غیر جمعہ کسی دن بھی اس وقت

ہیں ان کے نزدیک نماز پڑھنا مکروہ نہیں، البتہ امام شافعی کے نزدیک جمعہ کے دن کی تخصیص ہے کہ اس میں عند الاستوار نقل نماز پڑھ سکتے ہیں یہی رائے امام ابو یوسف کی ہے، اور اکثر علماء کی رائے یہ ہے کہ اوقات منہیہ کے بارے میں جمعہ اور غیر جمعہ دونوں برابر ہیں، حضرت امام شافعی کی دلیل باب کی پہلی حدیث ہے۔

۱۔ حدثنا محمد بن عيسى الخ۔ قوله۔ عن ابی قتادة عن النبی صلی اللہ علیہ وسلم انہ کرا

الصلوة لصف النهار الا یوم الجمعة وقال ان نجهنم تسجرا الا یوم الجمعة، یعنی نصف النہار جس کو ہمارے عرف میں زوال کا وقت کہتے ہیں میں نماز پڑھنا مکروہ ہے مگر جمعہ کا دن اس سے مستثنیٰ ہے صرف جمعہ کے روز نصف النہار میں نماز پڑھنا جائز ہے اور اس کی وجہ آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے یہ ارشاد فرمائی کہ ہر دن میں نصف النہار کے وقت جہنم کو دھکیا جاتا ہے سوائے یوم جمعہ کے کہ اس روز اس وقت میں تسجیر جہنم نہیں ہوتی۔

امام شافعی اور امام ابو یوسف نے اسی حدیث سے استدلال فرمایا ہے، جہور کی طرف دلیل شافعیہ کا جواب سے اس کا جواب یہ ہے کہ یہ حدیث ضعیف ہے منقطع ہے ابو الخلیل کا سماع ابو قتادہ سے ثابت نہیں جیسا کہ خود کتاب میں آگے آ رہا ہے اور مطلق منع کی حدیث صحیح ہے اس پر کوئی کلام نہیں، نیز محرم اور بیح میں جب تعارض ہوتا ہے تو ترجیح محرم کو ہوتی ہے۔

یہاں ایک بات یہ بھی سمجھ لینی چاہیے کہ عزالت شافعیہ کے نزدیک اوقات منہیہ میں مکہ مکرمہ کا استثناء

میں ان کے نزدیک کوئی وقت وقت مکروہ نہیں وہاں ہر وقت نماز پڑھی جاسکتی ہے اس کی دلیل میں وہ حضرت جابر بن مطعم کی وہ حدیث مرفوعہ پیش کرتے ہیں جو اُن کے کتاب کج میں باب المطواف بعد العصر ۲۶ کے تحت آ رہی ہے لا تمنعوا احدا یطوف بهذا البیت ویصلی اى ساعة مشاء من لیل او نهار ہماری طرف سے اس کا جواب انشاء اللہ وہیں لینگا۔

دلیل شافعیہ پر نقد قولہ۔ قال ابو داؤد ہو مرسل، مرسل بمعنی منقطع ہے، چونکہ یہ حدیث جس پر مصنف کلام فرما رہے ہیں مذکورہ بالا مسئلہ میں شافعیہ کی دلیل ہے اس لئے شیخ ابن حجر مکی شراح مشکوٰۃ جو کہ شافعی ہیں انھوں نے مصنف کے اس نقد کا جواب یہ دیا ہے کہ کچھ حرج کی بات نہیں یہ حدیث طریق موسول سے بھی ثابت ہے اس پر ملا علی قاری حنفی فرماتے ہیں کہ اس کا حوالہ پیش کیجئے کہ کس طریق موصول سے ثابت ہے اور وہ کس کتاب میں ہے۔

باب فی وقت الجمعة

یعنی جمعہ کی نماز فرض کا وقت اس تعالٰی سے معلوم ہو رہا ہے کہ گذشتہ باب کا تعلق جمعہ کی فرض نماز سے نہ تھا بلکہ جمعہ کے

کے روز بوقت نصف النہار نفل نماز سے تھا۔

نماز جمعہ قبل الزوال میں اختلاف علماء | اس کے بعد جانتا چاہیے کہ ائمہ ثلاث اور جمہور علماء کے نزدیک جمعہ کی نماز کا وقت وہی ہے جو ظہر کی نماز کا جس کی ابتداء بعد الزوال ہوتی ہے

اور امام احمد و اسحق بن راہویہ اور بعض سلف کا اس میں اختلاف ہے ان کے نزدیک جمعہ کی نماز قبل الزوال بھی جائز ہے اس باب میں مصنف نے دو حدیثیں ذکر فرمائی ہیں ایک حضرت انس بن مالک رضی اللہ عنہ کی کہ حضور صلی اللہ علیہ وسلم کا معمول جمعہ کی نماز بعد الزوال پڑھنے کا تھا۔ یہ حدیث تو جمہور کی دلیل ہے۔

حنابلہ کی دلیل اور اس کا جواب | اور باب کی دوسری حدیث جو سلمۃ بن الاکوع سے مروی ہے جس کے لفظ یہ ہیں اکتان الصلی مع رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم الجمعة شہ

نصف وقت وليس للحيطان في عہ اس حدیث سے حنابلہ استدلال کرتے ہیں کہ جمعہ کی نماز قبل الزوال جائز ہے کیونکہ حدیث کا مطلب یہ ہے کہ ہم حضور صلی اللہ علیہ وسلم کیساتھ جمعہ کی نماز پڑھ کر جب اپنے گھر وں کی طرف لوٹتے تھے تو اس وقت تک بھی غریبی دیوار وں کا سایہ زمین پر نہ ہوتا تھا، ظاہر بات ہے قبل الزوال ہر چیز کا سایہ دیوار ہو یا کچھ اور وہ غریبی جانب پڑتا ہے اور بعد الزوال جب سورج مغرب کی جانب ڈھلتا ہے تو اس وقت میں غریبی دیوار کا سایہ یقیناً شرقی جانب پڑے گا اور یہاں راوی یہ کہہ رہا ہے کہ جب ہم جمعہ کی نماز سے فارغ ہو کر لوٹتے تھے تب بھی غریبی دیوار کا سایہ نہ ہوتا تھا اب لامحالہ اس کا مقتضی یہ ہے کہ یہ تسلیم کیا جائے کہ جمعہ کی نماز قبل الزوال پڑھی گئی کہ ہونہی بھلا۔ اس کا جواب جمہور کی طرف سے یہ دیا گیا ہے کہ یہ حدیث بخاری اور نسائی میں بھی ہے وہاں اس حدیث میں ایک زیادتی ہے وليس للحيطان في عہ يستظل به۔ یعنی اتنا سایہ نہیں ہوتا تھا جس سے سایہ حاصل کیا جاسکے اور وہ دھوپ سے بچنے کے لئے کافی ہو جائے تو معلوم ہوا کہ مطلق ظل کی نفی نہیں ہے اس لئے کہ قاعدہ ہے جب نفی مقید پر داخل ہوتی ہے تو اس کا تعلق قید سے ہوتا ہے جیسے کہیں ما جاء فی زید و اکب، تو یہاں مطلق محیی کی نفی مراد نہیں ہے بلکہ قید کی و ہوا رکوب۔

عن سهل بن سعد قال كنا لنقبل ونتغدى بعد الجمعة۔ اس حدیث سے بھی جمعہ قبل الزوال پر استدلال کیا گیا ہے اس طور پر کہ غدا صبح کے کھانے کو کہتے ہیں جو قبل الزوال ہوا اور عشاء شام کے کھانے کو، اسی طرح قبل الزوال اس ستراحت کو کہتے ہیں جو قبل الزوال ہو۔ اور اس حدیث میں صحابی فرما رہے ہیں کہ ہم لوگ حضور صلی اللہ علیہ وسلم کے زمانہ میں غدا اور قبل الزوال دونوں جمعہ کی نماز کے بعد کرتے تھے، لہذا اس سے معلوم ہوا کہ جمعہ کی نماز زوال سے پہلے پڑھتے تھے،

لہ لیکن بذل الجہود میں گذشتہ باب ہی کے تحت نماز جمعہ (فرض) کا اختلاف ذکر کر دیا گیا ہے خود حضرت نے بھی اس پر تنبیہ فرمائی ہے ۱۲ منہ۔

اس لئے کہ اگر بعد الزوال جمعہ پڑھا تو اس کے بعد جو کھانا ہوگا اس کو غدار کہنا صحیح نہ ہوگا بلکہ ایسے کھانے کو تو عشر کہتے ہیں ایسے ہی قیلولہ بھی اگر بعد الزوال ہوگا تو اس کو قیلولہ کہنا صحیح نہ ہوگا۔
اس کا جواب یہ ہے کہ جو چیز جس چیز کے قائم مقام ہوتی ہے اس پر اسی کا اطلاق ہوتا ہے، جو شخص ناظم کی جگہ بیٹھ کر کام کرے گا خواہ وہ چند روز ہی کے لئے ہو تو اس کو بھی ناظم کہہ سکتے ہیں، البوداد اور نسائی کی کتاب الصوم میں ایک روایت ہے عرباض بن ساریہ فرماتے ہیں ایک مرتبہ حضور صلی اللہ علیہ وسلم سحری نوش فرما رہے تھے میں سامنے سے گذر رہا تھا تو آپؐ نے فرمایا ھَلُمَّ اِنِی الْغَدَاءُ الْمُبَارَکَ، اس حدیث میں سحری پر جو اخیر شب میں کھائی جاتی ہے آپؐ نے غدار کا اطلاق فرمایا چونکہ روزدار کی سحری غدار کے قائم مقام ہوتی ہے اس لئے آپؐ اس کا غدار کا اطلاق فرمایا، ہمارے حضرت شیخ نور اللہ رحمہ اللہ فرمایا کرتے تھے کہ ارے بھائی تم جمعہ کی نماز کو کھینچ کر ادھر لارہے ہو اس غدار اور قیلولہ کو دوسری طرف کیوں نہیں سرکا دیتے۔

باب النداء یوم الجمعة

باب کی پہلی حدیث ہے، اخبرنی السائب بن یزید ان الاذان کان اولہ حین یجلس الامام علی

المنبر یوم الجمعة الخ۔

شرح حدیث سائب بن یزید صنفار صحابہ میں سے ہیں حضور صلی اللہ علیہ وسلم سے ان کا سامع ثابت ہے حضورؐ کے انتقال کے وقت یہ کس تھے سات سال کی عمر تھی (ترمذی مشہد ۲) وہ فرماتے ہیں کہ حضورؐ اور شیخین کے زمانہ میں جمعہ کے روز ایک ہی اذان تھی جس وقت امام منبر پر پہنچتا ہے، حضرت عثمان غنیؓ نے اپنے زمانہ میں مسلمانوں کی کثرت کو دیکھتے ہوئے تیسری اذان کا اضافہ فرمایا جو مسجد سے باہر ایک جگہ پر جس کا نام زوراء ہے دی جاتی تھی۔ اضافہ کی علت کی طرف اشارہ خود حدیث میں موجود ہے لوگوں کی کثرت کیونکہ پہلی اذان تو مسجد کے اندر منبر کے قریب دی جاتی تھی جس کی آواز کا سب لوگوں تک پہنچنا مشکل تھا، اس اذان کو ثالث تعلقباً کہہ دیا گیا اقامت کو بھی دونوں اذانوں کے ساتھ شامل کر لیا گیا، اور ایک روایت میں بجائے بالاذان الثالث کے بالاذان الاول ہے، ان میں کوئی منافات نہیں حضرت عثمانؓ والی اذان کو ثالث کہنا باعتبار مشروعیت کے ہے کہ پہلے سے دو مشروع تھیں بعد میں پھر یہ تیسری مشروع ہوئی، اور اول کہنا اس کو اس اعتبار سے ہے کہ یہ فعلاً ان دونوں پر مقدم ہے۔

۲- حدثنا النضلی الخ۔ قولہ۔ عن السائب بن یزید قال کان یؤذن بین یدی رسول اللہ

صلی اللہ علیہ وسلم اذا جلس علی المنبر یوم الجمعة علی باب المسجد، یہ اسی پہلی حدیث کا دوسرا

طریق ہے پہلے کو ابن شہاب سے روایت کرنے والے یونس تھے اور اس کو ان سے روایت کر نیوالے محمد بن اسحاق ہیں، محمد بن اسحاق کی روایت میں ایک زیادتی ہے جو یونس کی روایت میں نہ تھی۔

جمعہ کی اذان ثانی کے محل کی تعیین | وہ یہ کہ اس میں محل اذان کی تعیین ہے یعنی علی باب المسجد، کہ یہ اذان خطیب کے منبر پر بیٹھنے کے بعد اس کے سامنے باب مسجد پر

ہوتی تھی مسجد کا یہ باب شمالی جانب تھا خطیب کے سامنے اور بجانب جنوب قبلہ کی جانب حضور صلی اللہ علیہ وسلم کا منبر شریف اور مصلی تھا، اور اس کے بظاہر متبادر معنی یہ ہیں کہ یہ اذان خارج مسجد ہوتی تھی، لیکن یہ زیادتی بخاری کی روایت میں نہیں ہے اور اس کے راوی بھی محمد بن اسحاق ہیں جو متکلم فیہ ہیں، روایات بخاری کے سیاق کے پیش نظر کہہ سکتے ہیں کہ یہ اذان منبر کے قریب مسجد میں ہوتی تھی چنانچہ مہلب شارح بخاری فرماتے ہیں۔

الحکمة فی جعل الاذان فی هذا المحل ليعرف الناس بجلوس الامام على المنبر فينصتون له اذا خطب یعنی اس جگہ اذان دلوانے کی مصلحت یہ ہے کہ جو لوگ امام سے فاصلہ پر ہیں مسجد کے پچھلے حصہ میں مسجد کے اندر سے آواز آنے پر ان کو معلوم ہو جائے کہ اب امام منبر پر پہنچ چکا اور وہ اس کے لئے الفصاات اختیار کر لیں۔ اگرچہ مہلب کی بیان کردہ حکمت پر حافظ نے ابن اسحاق کی روایت کے الفاظ کے پیش نظر یہ اشکال کیا ہے کہ یہ اذان تو باب مسجد پر ہوتی تھی پس ظاہر یہ ہے کہ یہ اذان تو مطلق اعلام کے لئے ہوتی تھی نہ کہ خاص الفصاات کے لئے ہاں جب دوسری اذان کا اضافہ بعد میں ہوا تو اب کہہ سکتے ہیں کہ پہلی اذان تو نفس اعلام ہی کے لئے ہوتی تھی اور جو خطیب کے سامنے ہوتی تھی وہ الفصاات کے لئے (کذا فی الفتح ص ۳۷)

اس سے معلوم ہوا کہ حافظ ابن حجر کو یہ بات تسلیم ہے کہ حضرت عثمانؓ کے زمانہ میں جمعہ کے روز پہلی اذان مقام زور پر خارج مسجد اور یہ دوسری اذان خطیب کے سامنے مسجد میں ہوتی تھی، اگرچہ مہلب کے کلام کا تقاضا تو یہ ہے کہ یہ اذان حضور ہی کے زمانہ سے منبر کے قریب مسجد میں ہوتی آ رہی ہے اسی لئے صاحب ہدایہ لکھتے ہیں

واذا صعد الامام المنبر جلس واذن المؤذنون بين يدي المنبر بذلك جرى التوارث وایسے تو عام طور سے فقہاء نے داخل مسجد اذان کو مکروہ اور خلاف اولیٰ لکھا ہے لیکن ہمارے حضرت سہارنپوری صاحب بذل الحمود نے اپنی تالیف تنبیض الاذان فی تحقیق محل الاذان

میں لکھا ہے کہ یہ کراہت اور خلاف اولیت عام اذان کے اعتبار سے ہے جمعہ کی اذان ثانی سے اس کا تعلق نہیں اس کے احکام الگ ہیں، چنانچہ اس اذان کے بارے میں ایک جید مان مشہور ہے بتاؤ وہ کون سی اذان ہے جس میں زیادہ رفع صوت مطلوب نہیں، حضرت کو اس کے لئے مستقل تصنیف کی نوبت اس لئے پیش آئی کہ اس زمانہ میں بریلویوں کی جانب سے یہ فتنہ اٹھا تھا کہ اس اذان ثانی کا مسجد میں کہنا بدعت اور مکروہ تحریمی ہے

بذل الجہود میں حضرت علی باب المسجد کے ذیل میں لکھتے ہیں تہسک بہ رئیس اهل البدعة فی زماننا
احمد رضا البریلوی واذا ذاع الفتن والشروع فی هذه المسئلة وكتب فیها الكتب والرسائل ولی فیها
رسالة وحیزة الخ۔

۳۔ حدثنا هناد بن السری الخ۔ قوله۔ عن السائب قال لم یکن لرسول الله صلى الله علیه وسلم
الامؤذن واحد بلال۔ یہ حدیث بخاری شریف میں بھی ہے اسیر امام بخاریؒ نے ترجمہ باندھا ہے باب المؤذن الواحد
یوم الجمعة۔

حدیث پر ایک اشکال اور اسکا جواب | یوم الجمعة کی قید سے ایک اشکال رفع ہو گیا وہ یہ کہ آپ صلی اللہ علیہ
وسلم کے لئے بلال کے علاوہ ایک اور بھی مؤذن تھے ابن ام مکتوم چنانچہ
روایت میں آتا ہے لا یضربکم اذان بلال فانہ یؤذن بلیل فکلوا واشربوا حتی یؤذن ابن ام مکتوم۔
جواب اس کا ترجمہ الباب سے ظاہر ہو گیا کہ راوی کی مراد جمعہ کی نماز کا مؤذن ہے اور وہ صرف بلال ہی تھے
اسی طرح روایات سے ثابت ہے کہ آپ صلی اللہ علیہ وسلم کے تیسرے مؤذن سعد قرظ بھی تھے لیکن ان کو آپ نے مسجد
قبار کا مؤذن بنایا تھا نہ کہ مسجد نبوی کا اسی طرح آپ کے مؤذنین میں ابو محمد ورہ کا شمار ہے لیکن ان کو آپ نے مکہ میں
مسجد حرام کا مؤذن بنایا تھا اور یہاں گفتگو مسجد نبوی کے مؤذن میں ہو رہی ہے۔
اور اصل اشکال کا ایک جواب اور بھی دیا گیا ہے وہ یہ کہ مؤذن سے مراد تاذین ہے کہ آپ صلی اللہ علیہ وسلم
کے زمانہ میں جمعہ کے لئے صرف ایک اذان ہوتی تھی۔

خاندہ :- امام ابو داؤدؒ نے تو حذیقا تعدد مؤذنین کے لئے کوئی باب قائم نہیں فرمایا بخلاف امام نسائی کے کہ
انہوں نے اس سلسلہ کے کئی باب باندھے ہیں، چنانچہ ایک ترجمہ الباب یہ ہے المؤذنان للمسجد الواحد۔ اور دوسرا ترجمہ
یہ ہے قل یؤذنان جمیعا وفرادی تیسرا ترجمہ یہ ہے اذان المنفردین فی السفر۔

باب الامام یکلم الرجل فی خطبته

یعنی خود خطیب دوران خطبہ کسی شخص سے بات کر سکتا ہے؟ حضرت نے بذل میں ملا علی قاریؒ سے نقل کرتے ہوئے
تحریر فرمایا ہے کہ مسئلہ یہ ہے حنفیہ کے نزدیک خطیب کا کلام کرنا فی انشاء الخطبہ مکروہ ہے ہاں اگر وہ کلام امر بالمعروف
کے قبیلہ سے ہے تو جائز ہے اور حاشیہ بذل میں علامہ شعرانی سے یہ نقل کیا ہے کہ کلام خطیب جبکہ وہ مصلحت صلوة
کے لئے ہو امام مالک کے نزدیک مباح ہے خلافاً للامة الشافعیہ۔

فائدہ :- اس ترجمہ الباب کے ذیل میں ایک اور مسئلہ بھی آسکتا ہے وہ یہ کہ منبر پر پہنچ کر تسلیم خطیب میں اختلاف ہے حنفیہ اور مالکیہ اس کے قائل نہیں بخلاف امام احمد وشافعی کے کہ ان کے نزدیک خطیب کا منبر پر پہنچ کر السلام علیکم کہنا سنت ہے، چنانچہ حریم شریفین میں اسی پر عمل ہے اس سلسلہ کی روایات کو علامہ زبیلی نے نصب الرایہ میں ذکر کیا ہے ابن ماجہ اور طبرانی وغیرہ کی روایات ہیں جو یکسر ضعیف ہیں، بلکہ ابن ماجہ کی روایت کو تو بعضوں نے جن میں امام ابو حاتم رازی بھی ہیں موضوع قرار دیا ہے۔

اس باب کا مقابل چند ابواب کے بعد آ رہا ہے باب الکلام والا امام خطب۔ یعنی خطبہ کے وقت میں حاضرین مسامین میں سے کسی کا کلام کرنا، اس کا حکم وہیں آئیگا۔ اس باب میں مصنف نے صرف ایک ہی حدیث حضرت جابر کی بیان کی ہے؛ مضمون حدیث | ایک مرتبہ جمعہ کے روز جناب رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم جب منبر پر پہنچے (ممکن ہے بعض لوگوں کو آپ نے کھڑا دیکھا ہو) تو آپ نے فرمایا لوگو بیٹھ جاؤ، جس وقت حضور نے یہ ارشاد فرمایا اس وقت عبداللہ بن مسعود مسجد میں داخل ہو رہے تھے، مسجد کے دروازہ ہی پر تھے کہ اچانک حضور کا یہ فرمان سنا تو پھر آگے نہیں بڑھے بلکہ وہیں دروازہ پر بیٹھ گئے امر شریف کے انتشار میں جب آپ نے ان کو دیکھا کہ وہیں بیٹھ گئے تو فرمایا تعال یا ابن مسعود۔

قال ابوداؤد هذا يعرف مرسل، یعنی معروف روایات سے یہ معلوم ہوتا ہے کہ یہ حدیث عطاء سے مرسل مروی ہے (بغیر ذکر صحابی کے)

ومخلد وهو شیخ۔ لفظ شیخ ادنیٰ درجہ کی تبدیل کے لئے ہے بظاہر یہ کہنا چاہتے ہیں کہ اس حدیث کو بجائے مرسل کے مسنداً روایت کرنے والے مخلص بن یزید راوی ہیں اور وہ کچھ زیادہ ثقہ نہیں ہیں۔

باب الجلس اذا صعد المنبر

خطیب کا منبر پر پہنچنے کے بعد شروع میں بیٹھنا اذان پورا ہونے کے انتظار میں جمہور علماء اور ائمہ اربعہ کے نزدیک مستحب ہے، لیکن امام نووی نے اس میں حنفیہ کا اختلاف لکھا ہے کہ وہ اس کے قائل نہیں اور یہ کہ امام مالک کی بھی ایک روایت یہی ہے، حضرت شیخ ابو جزمہ میں لکھتے ہیں کہ اس مسئلہ میں حنفیہ کا اختلاف ابن بطال وغیرہ بعض شراح نے بھی نقل کیا ہے لیکن یہ نقل صحیح نہیں علامہ عینی نے شرح بخاری میں اس پر شدت سے رد فرمایا ہے اور اسی طرح علامہ باجی مالکی نے بھی مالکیہ کا مذہب جمہور کے موافق لکھا ہے۔

بَابُ الْخُطْبَةِ قَائِمًا

مسائل الباب | بذل میں شوکانی سے نقل کیا ہے کہ خطبہ کا قائم ہونا عند الجہور واجب ہے اور حنفیہ کے نزدیک سنت، اور حاشیہ بذل میں امام احمد کا مسلک حنفیہ کے موافق لکھا ہے یعنی سنیت۔ نیز یہ کہ مالکیہ کے اس میں دونوں قول ہیں کما فی الشرح الکبیر للرد دیر، لیکن ابن العربی مالکی کا مختار و جوہر قیام ہے کما فی عارضۃ الاحوذی، اسی طرح بدائع میں لکھا ہے کہ حنفیہ کے نزدیک خطبہ کے اندر قیام شرط نہیں، قاعدہ بھی جائز ہے، اگے وہ لکھتے ہیں روى عن عثمان انه كان يخطب قاعدًا حين كبر وأسننً اور شوکانی لکھتے ہیں، اخرج ابن ابی شیبہ عن طاووس قال خطب رسول الله صلى الله عليه وسلم قائمًا وابوبكر وعمر وعثمان، واول من جلس على المنبر معاوية، وفي رواية منه ان معاوية انما خطب قاعدًا لما كثر شتم بطنه ولحمه.

۱۔ حدثنا عبد الله بن محمد النفيلي الز۔ قوله۔ كان يخطب قائمًا ثم يجلس ثم يقوم فيخطب، یہاں پر دو مسئلے ہیں اول یہ کہ دونوں خطبے واجب ہیں یا ایک، دوسرے یہ کہ جلوس بین الخطبتین کا کیا حکم ہے؟ سو جہور علماء جس میں حنفیہ و مالکیہ بھی ہیں کے نزدیک واجب خطبہ واحدہ ہے اور خطبہ ثانیہ سنت، اور امام شافعی و جوہر الخطبتین کے قائل ہیں اور امام احمد سے دور روایتیں ہیں لیکن مشہور ان سے وجوب کی روایت ہے کما فی المغنی وغیرہ، اور جلوس بین الخطبتین جہور علماء کے نزدیک سنت اور امام شافعی کے نزدیک واجب ہے (کذا قال الشافعی والقاری والشوکانی) یہاں ایک مسئلہ اور ہے وہ یہ کہ نفس خطبہ کا حکم کیا ہے؟ جواب یہ ہے کہ جہور علماء رائے اربعہ کے نزدیک خطبہ جمعہ واجب اور شرط صحت صلوٰۃ ہے۔

کیا خطبہ جمعہ رکعتین کے قائم مقام ہے؟ | امام نووی فرماتے ہیں اس لئے کہ جمعہ کی نماز میں جو قصر ہوا ہے بجائے چار رکعات کے دو پڑھی جاتی ہیں تو یہ قصر خطبہ ہی کی وجہ سے ہے گویا خطبہ رکعتین کا بدل ہے (مہل)، حاشیہ بذل میں لکھا ہے کہ امام مالک نے بھی مدونہ میں اسی کی تصریح کی ہے اور کتب متناہلہ سے بھی یہی معلوم ہوتا ہے، لیکن حنفیہ کے یہاں ایسا نہیں چنانچہ در مختار ص ۱۵۱ میں ہے وہل ہسی قائمۃ مقام رکعتین الا صلاہ لابل کشطرها فی الشواہب، اسی لئے حنفیہ کے نزدیک خطبہ جمعہ کے لئے وہ شرائط نہیں

لہ علامہ شافعی لکھتے ہیں هذا تاویل لما ورد به الاثر من ان الخطبة كسطر الصلوة فان مقتضاها انها قامت مقام ركعتين من الظاهر كما قامت الجمعة مقام ركعتين منه فيشترط لها شروط الصلوة كما هو قول الشافعي ۱۲ منہ۔

ہیں جو نماز کے لئے ہیں جیسے استقبال قبلہ طہارت وغیرہ، یہ مذاہب تو ائمہ اربعہ کے ہوئے، اور حسن بصری، ابن حزم داؤد ظاہری اور ابن حبیب مالکی کے نزدیک خطبہ صرف مستحب ہے نہ شرط ہے نہ واجب علامہ شوکانی کا میلان بھی اسی طرف ہے (منہل)

قولہ۔ فقد والله صلیت مع اکثر من المعنی صلوۃ حضرت جابرؓ فرما رہے ہیں جو شخص یہ کہے کہ آپ صلی اللہ علیہ وسلم خطبہ بیٹھ کر دیتے تھے وہ کاذب ہے اس لئے کہ میں آپؐ کے ساتھ دو ہزار سے زائد نمازیں پڑھی ہیں، اس سے جمعہ کی نمازیں مراد نہیں بلکہ مطلق فرض نمازیں ہیں اس لئے کہ آپؐ نے صرف مدنی زندگی میں جو کہ دس سال ہے نماز جمعہ ادا فرمائی ہے اور دس سال میں تقریباً چار سو اسی جمعہ آتے ہیں۔

۲۔ حدثنا ابراہیم بن موسیٰ الخ۔ قولہ۔ عن جابر بن سمرة قال کان لرسول اللہ صلی اللہ علیہ

وسلم خطبتان یجلس بینہما یقرأ القرآن ویذکر الناس۔

ارکان خطبہ اس میں کسی قدر اختلاف ہے، علامہ شعرانی کی تالیف میزان الکبریٰ میں لکھا ہے کہ عند الشافعی واحد اور امام مالک کے قول رائج میں خطبہ کے ارکان پانچ ہیں، حمد و ثنا، صلوۃ و سلام علی النبی صلی اللہ علیہ وسلم التذکیر یعنی وعظ و نصیحت، القراءۃ، الدعا، التلمین والموثقات، اور امام ابو حنیفہ و مالک فی روایت فرماتے ہیں حقیقت خطبہ مطلق ذکر ہے یعنی ذکر اللہ کا قال اللہ تعالیٰ۔ اذان و اذان للصلوۃ من یوم الجمعة فاسمعوا لى ذکر اللہ لہذا ان کے نزدیک صرف تہلیل یا تسبیح یا تحمید کافی ہے، اور صاحبین فرماتے ہیں لا بد من کلام یسمی خطبہ عادی یعنی ایسا مختصر سا کلام جس کو عرف میں خطبہ کہا جاتا ہو (میزان) اور صاحب منہل نے شافعیہ و حنابلہ کے نزدیک ارکان خطبہ پانچ ہی لکھے ہیں، اور مالکیہ کے یہاں انھوں نے لکھا ہے کہ اس کے ارکان آٹھ ہیں، بعض شرائط کو بھی انھوں نے اس میں شامل کر کے آٹھ کہہ دیا ہے مثلاً اس کا عربی میں ہونا اور جہراً ہونا، مسجد میں ہونا وغیرہ وغیرہ انھوں نے شافعیہ و حنابلہ کا مذہب بھی یہی لکھا ہے کہ خطبہ کا عربی میں ہونا شرط ہے۔

باب الرجل یخطب علی قوس

۱۔ حدثنا سعید بن منصور الخ اس حدیث کے راوی صحابی کا نام حکم بن حزن ہے، قولہ۔ متوکثراً علی عصا او قوس فحمد اللہ واثنی علیہ، اس حدیث سے معلوم ہوا کہ آپ صلی اللہ علیہ وسلم جمعہ کے دن خطبہ دیتے وقت عصا یا کمان کو دست مبارک میں رکھتے تھے اور اس پر ٹیک لگا کر کھڑے ہوتے تھے۔

مسئلہ الباب میں مذاہب ائمہ جہور علماء اور ائمہ ثلاث کا مطلق مسلک یہی ہے خطیب کو چاہیے کہ کسی لکڑی

وغیرہ پر اعتماد کر کے کھڑا ہو، اس کی حکمت یہ لکھی ہے کہ اس کے اندر ہاتھوں کو فعلِ عبث اور حرکت سے روکنا اور سکون کی کیفیت حاصل ہونا ہے جیسا کہ نماز میں بحالت قیام وضع الیدین کی بھی ایک حکمت یہی بیان کی گئی ہے بعض خطباء اور مقررین کی عادت ہوتی ہے کہ وہ دورانِ بیان ہاتھوں کو بار بار چلاتے اور حرکت دیتے ہیں، یہ چیز خلاف سنت ہے، تو عصا کا ہاتھ میں ہونا سکون کی حالت قائم کرنے میں معین ہے۔

اب یہ کہ عصا کون سے ہاتھ میں ہونا چاہیے، شافعیہ و مالکیہ کے نزدیک دائیں ہاتھ میں اور حنابلہ کے نزدیک کسی ایک ہاتھ میں، پھر شافعیہ یہ کہتے ہیں کہ بائیں ہاتھ کو منبر پر کنارہ پر رکھے تاکہ دوسرا ہاتھ بھی مشغول رہے، اور حنابلہ یہ کہتے ہیں کہ اختیار ہے دوسرے ہاتھ کو خواہ منبر کے کنارہ پر رکھے یا اس کا ار سال کرے، صاحبِ منہل لکھتے ہیں کہ ان تفاسیل کی کوئی دلیل یا ثبوت حدیث میں نہیں ہے، یہ مذاہب تو ہوسے جمہور اور ائمہ ثلاث کے رہ گیا مسئلہ حنفیہ کا فقہاء احنات کی بات اس سلسلہ میں میرے خیال میں محقق و منقح نہیں ہے، وہ حضرات یہ فرماتے ہیں کہ جس ملک کو مسلمانوں نے عنوةً قتال کے ذریعہ فتح کیا ہو وہاں خطیب کو چاہیے کہ متکلماً علی سیفِ خطبہ دے اور یہ تلوار اس کے بائیں ہاتھ میں ہونی چاہیے اور گویا اس میں اشارہ ہے اس بات کی طرف کہ یہ ملک تلوار کے ذریعہ فتح ہوا ہے سو اگر تم لوگ خدا نخواستہ اسلام سے پھر گئے تو ہمارے میں یہ تلوار باقی ہے کذا فی مرقی الفلاح اس پر علامہ طحطاوی لکھتے ہیں کہ اس میں اشارہ ہے اس بات کی طرف کہ اتکار علی عصایا علی قوس مکروہ ہے، لیکن اس میں ابن امیر الحاج نے بحث کی ہے وہ یہ کہ البوداد و غیرہ کی روایات سے یہ ثابت ہے کہ آپ مدینہ میں عصایا قوس پر اتکار فرماتے تھے (پھر اس کو مکروہ یا خلاف سنت کہنا کیونکر صحیح ہے)

مضمون چہ شد یہ ہے صحابی فرماتے ہیں: میں حضور صلی اللہ علیہ وسلم کی خدمت میں ایک وفد میں شامل ہو کر حاضر ہوا، ہم سب رفقاء کل سات تھے جن میں ساتواں میں تھا یا کل نو تھے جن میں نواں میں تھا، ہم حضورؐ کی خدمت میں پہنچے اور آپ سے دعا کی درخواست کی، آپ نے ہمارے لئے کچھ کھجوریں منگائیں اور مسلمانوں کی حالت اس وقت میں کچھ کم تھی، یعنی مالی حالت کمزور سی تھی۔

قوله: ولكن سد دوا وبشروا

شرح چہ شد آپ صلی اللہ علیہ وسلم ارشاد فرما رہے ہیں کہ ہر عمل کو علی وجہ الکمال اور کا حقہ کرنا کسی کے بس کی بات نہیں، لہذا جتنا تحمل ہو اس کے بقدر کوشش کرتے رہو اور میانہ روی اختیار کرو نہ بالکل ہی

لے یہ اسلئے کہا کہ ممکن ہے کسی کو یہ خیال ہو کہ ہمانوں کی خاطر صرف کھجور کے ذریعہ کی گئی اس سے زائد بکرا وغیرہ کہ ذریعہ کیوں نہیں کی نان گوشت وغیرہ کھلاتے، مگر لوگوں کو بشارتیں سننا سننا کہ ان کو عمل کی ترغیب دیتے رہو، جیسے ہمارے حضرت شیخؒ نے فضائل کے مسائل تصنیف فرما کر اس کام کو بخوبی انجام دیا۔ ۱۲

ہارو اور نہ اس کا ہتھیہ کرو کہ ہر عمل کو علی وجہ الکمال کر کے رہیں گے۔ قال اللہ تعالیٰ۔ فاتقوا اللہ ما استطعتم کہ حسب استطاعت تقویٰ کی زندگی بسر کرو وقال النبی صلی اللہ علیہ۔ لن یثابہ الدین احد الا غلبہ کہ جو شخص دینی کاموں میں اپنی طاقت سے زیادہ کوشش کر کے آگے بڑھنا چاہے گا تو وہ مغلوب ہو جائے گا اور اس سے نہ ہو سکے گا لہذا اعتدال کی راہ اختیار کرنی چاہیے جس میں نہ افراط ہو اور نہ تقریط۔

۲۔ حدثنا مسدد الخ۔ قولہ۔ عن عدی بن حاتم ان خطیباً خطب عند النبی صلی اللہ علیہ وسلم

فقال من یطع اللہ ورسولہ ومن یعصہما فقال قثم او اذهب بئس الخطب انت۔ یہ روایت مختصر ہے اس میں خطبہ کے پورے الفاظ مذکور نہیں، روایت کے اصل الفاظ جیسا کہ دوسری کتب حدیث مسلم شریف وغیرہ سے معلوم ہوتا ہے اس طرح ہیں من یطع اللہ ورسولہ فقد رشحہ ومن یعصہما فقد غوی۔

پس الخطب انت کی توجیہات | اس خطیب پر آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے جو نکیر فرمائی اس کے بارے میں عام شرح کی رائے یہ ہے کہ یہ نکیر اس لئے ہے کہ اس خطیب نے اللہ اور رسول کو ایک ہی ضمیر میں جمع کر دیا اور ان دونوں کے لئے ضمیر تشنیہ کو استعمال کیا حالانکہ ضمیر تشنیہ میں ایہام تسویہ ہے گویا اللہ اور رسول دونوں کو العیاذ باللہ ایک ہی درجہ میں رکھا جا رہا ہے لیکن اس پر یہ اشکال ہوتا ہے کہ اللہ اور رسول کے لئے ضمیر تشنیہ کا استعمال بہت سی روایات مرفوعہ میں ثابت ہے مثلاً من کان اللہ ورسولہ احب الیہ مما سواہما اس کا جواب عز الدین ابن عبد السلام نے یہ دیا کہ یہ آپ صلی اللہ علیہ وسلم کی خصوصیت ہے دوسرے کے لئے جائز نہیں، پھر اس پر یہ اشکال کیا گیا ہے کہ حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے خطبہ کے یہی الفاظ ضمیر تشنیہ کے ساتھ عبد اللہ ابن مسعودؓ کو بھی سکھائے ہیں تو پھر آپ کی خصوصیت کہاں ہوئی لہذا یہ جواب صحیح نہیں، اور بھی چند جواب دئے گئے ہیں۔ مثلاً یہ نکیر خصوصیت مقام کی وجہ سے ہے یعنی موقع و محل کے خلاف ہونے کی وجہ سے ممکن ہے اس موقع پر حاضرین و سامعین میں بعض ایسے ہوں جن کے بارے میں تسویہ کا دہم و گمان ہو سکتا ہو مثلاً یہ نکیر خصوصیت متکلم کی وجہ سے ہے اس کے حال اور اسلوب بیان سے تسویہ کا دہم ہو سکتا تھا مثلاً مقصود اس نکیر سے بیان اولویت ہے نہ کہ عدم جواز۔

امام طحاوی کی رائے | یہاں تمام شرح سے الگ ہے حضرت شیخ نور اللہ رحمہ فرماتے تھے کہ مجھے اس میں امام طحاوی کی رائے بہت پسند ہے انھوں نے اپنی تصنیف مشکل الآثار میں اس کے بارے میں یہ لکھا ہے کہ آپ صلی اللہ علیہ وسلم کو یہ نکیر وقف فی غیر محلہ کی وجہ سے تھی کہ اس خطیب نے بے جگہ اپنا سانس

لے جیسے ایک پاکستانی شخص کو میں نے دیکھا کہ وہ حاجیوں کو طواف کراتے وقت طواف کی دعائیں ان سے پڑھوا رہا تھا اور دعا،

توڑ کر وقف کر دیا جس سے فساد معنی لازم آجاتا ہے۔ دیکھیے! یہاں پر کلام میں دو شرطیں ہیں، اور ہر شرط کے بعد متصلاً اس کی جزاء مذکور ہے من یطیع اللہ ورسولہ شرط ہے فقد رشد اس کی جزاء ہے اور من یعصمہما دوسری شرط ہے فقد غوی اس کی جزاء ہے، اس خطیب نے پہلی شرط کی جزاء پر وقف کرنے کے بجائے دوسری شرط پر سانس توڑا۔ من یطیع اللہ ورسولہ فقد رشد ومن یعصمہما یہاں تک ایک سانس میں پڑھ کر وقف کیا اور فقد غوی کو مستقل سانس میں پڑھا جس کی وجہ سے فقد رشد کا تعلق ماقبل و مابعد دونوں شرطوں سے ہو گیا اور مطلب یہ ہو گیا کہ جو شخص اللہ ورسول کی اطاعت کرتا ہے وہ کامیاب ہے اور جو ان دونوں کی نافرمانی کرتا ہے وہ کامیاب ہے اور جو ان دونوں کی نافرمانی کرتا ہے۔

۳۔ حدیثنا محمد بن بشار الف۔ قولہ۔ عن بنت الحارث بن النعمان، صحیح بنت حارثہ ہے جیسا کہ آگے آ رہا ہے ان کی کنیت ام ہشام ہے یہ عمرہ بنت عبدالرحمن کی اغیانی بہن ہیں، اگلی روایت سے معلوم ہوتا ہے کہ اس حدیث کو ام ہشام سے ان کی بہن عمرہ بھی روایت کرتی ہیں۔

قولہ۔ قالت ما حفظت قاف الامن فی رسول اللہ، ام ہشام کہتی ہیں کہ مجھ کو سورہ قاف زبانی صرف اس وجہ سے یاد ہو گئی ہے کہ میں اس کو آپ صلی اللہ علیہ وسلم سے خطبہ جمعہ میں سنا کرتی تھی آپ اس کو ہر جمعہ کے خطبہ میں پڑھا کرتے تھے خطبہ کے ارکان کیا ہیں اس میں اختلاف ہمارے یہاں پہلے گزر چکا، علماء کا اس میں اختلاف ہو رہا ہے کہ محل قرأت کون سا خطبہ ہے خطبہ اولی یا ثانیہ؟ بذل الجہود میں دوسرے علماء کے اقوال لکھنے کے بعد حنفیہ کا مذہب یہ لکھا ہے کہ ان کے یہاں خطبہ اولی میں قرأت قرآن مسنون ہے۔

قولہ۔ قالت وكان تنور رسول الله صلى الله عليه وسلم وتنورنا واحداً.

شرح جیشد | ام ہشام کہتی ہیں کہ ہمارا اور آپ صلی اللہ علیہ وسلم کا تنور جس پر روٹی پکتی ہے ایک ہی تھا، گویا یہ حضور سے اپنا جوار اور پڑوس ثابت کر رہی ہیں کہ اسی قرب اور پڑوس کی وجہ سے وہ ہر جمعہ حضور صلی اللہ علیہ وسلم کیساتھ پڑھتی تھیں، اور جو وہ بات نقل کر رہی ہیں وہ انھیں اچھی طرح محفوظ ہے یہی مقصد اس کلام کے ذکر کرنے سے۔

قولہ۔ كانت صلوة رسول الله صلى الله عليه وسلم قصداً وخطبته قصداً۔ قصد بمعنی مقصد و مقصد

→ میں جب لائونل پر پہنچتا تو کہتا لائونل ولا یعنی دوسرے لاپروہ وقف کرتا اور پھر دوسرے سانس میں کہتا قوتہ الا باللہ حالانکہ ہونا تو یہ چاہیے لائونل ولا قوتہ، ان طواف کرنے والوں میں بعض عرب بھی تھے تو وہ اس کے اس طرز سے بڑے پریشان نظر آئے کہ یہ لائونل ولا کیا چیز ہے اس پر مجھے بڑی ہنسی آئی کہ یہ بیچارے عرب اس غبی کے ساتھ کہاں پھنس گئے ۱۲ یہ واقعہ بھی وقف فی غیر محلہ کی ایک لغز ہے ۱۲

یعنی آپ صلی اللہ علیہ وسلم کی نماز اور خطبہ دونوں معتدل ہوتے تھے اور آپ کا خطبہ دراز نہیں ہوتا تھا جس سے سننے والوں میں سے کوئی اکتائے جیسا کہ اکثر خطباء کی عادت اطالۃ خطبہ کی ہوتی ہے۔

تنبیہ۔ نماز اور خطبہ کے معتدل ہونے کے لئے یہ ضروری نہیں کہ دونوں برابر ہوں بلکہ نماز جمعہ خطبہ سے نسبتاً طویل ہونی چاہیے چنانچہ مسلم شریف میں حضرت عمارؓ کی حدیث مرفوعہ میں ہے آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا ان طول صلوۃ الرجل وقصر خطبته مثنیۃ من فقہہ، کہ آدمی کی نماز کا طویل ہونا اور خطبہ کا قصیر ہونا اس کے فقیہ ہونے کی علامت ہے کہ اس حدیث میں نماز کے طول سے فی نفسہ کی اطالۃ مراد نہیں بلکہ بالنسبۃ الی الخطبۃ، وجہ اس کی ظاہر ہے کہ نماز اصل اور مقصود ہے اور خطبہ اس کے متعلقات میں سے ہے، فقہار نے لکھا ہے کہ خطبہ کی مقدار طوالت مفصل کی سورتوں میں سے کسی ایک سورت کے بقدر ہونی چاہیے۔

بَابُ رَفْعِ الْيَدَيْنِ عَلَى الْمَذْبَرِ

یہ وہی چیز آگئی جو ہم نے باب الرجل یخطب علی قوس میں بیان کی تھی کہ ہاتھ میں عصا لینے کی ایک حکمت یہ بھی ہے کہ دوران خطبہ خطیب اپنے ہاتھ نہ چلا سکے۔

قوله۔ رَأَى عِمَارَةَ بْنَ دُوَيْبَةَ بَشْرَ بْنَ مَرْوَانَ وَهُوَ يَدْعُو فِي يَوْمِ جُمُعَةٍ فَقَالَ عِمَارَةُ قُبِحَ اللَّهُ

هَاتَيْنِ الْيَدَيْنِ۔

مضمون حدیث عمارہ ایک صحابی ہیں انھوں نے بشر بن مروان جو عبد الملک بن مروان کا بھائی اور امیر کوذمتہ کو دیکھا کہ وہ جمعہ کے دن خطبہ دیتے ہوئے اپنے ہاتھوں کو حرکت دے رہا تھا، عمارہؓ نے برملا اس پر نکیر فرمائی کہ خدا ان ہاتھوں کا ناس کرے، اور آگے فرمایا میں نے حضور صلی اللہ علیہ وسلم کو دیکھا ہے کہ کبھی کبھی خطبہ میں اپنی صرف ایک انگلی یعنی مسبحہ سے اشارہ فرمایا کرتے تھے اس سے زائد نہیں۔

قوله۔ مَا رَأَيْتُ رَسُولَ اللَّهِ صَلَّى اللَّهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ يَشَاهُرُ أَيْدِيَهُ، میں نے حضور صلی اللہ علیہ وسلم دوران خطبہ خواہ آپ منبر پر ہوں یا غیر منبر پر کبھی ہاتھ اٹھاتے ہوئے اور چلاتے ہوئے نہیں دیکھا۔

بَابُ اقْصَارِ الْخُطْبِ

اختصار خطبہ کا مضمون گذشتہ باب سے پہلے گزر چکا۔

بَابُ الدُّنُومَنِ الْإِمَامِ عِنْدَ الْمَوْعِظَةِ

اس پر کلام کتاب الطہارۃ میں غسل یوم الحجۃ کے باب میں ثم بکروا بتکر و مشی ولم یرکب ودنا من الامام الحدیث کے ذیل میں گزر چکا۔

قوله۔ قال وجدت فی کتاب ابی بھظیدۃ ولم اسمعه منه۔ معاذ بن ہشام کہہ رہے ہیں کہ یہ حدیث جو میں بیان کر رہا ہوں اس کو اپنے والد یعنی ہشام کی کتاب میں پایا ہے جو کتاب کہ انھیں کے ہاتھ کی لکھی ہوئی ہے اور میں نے اس حدیث کو ان سے براہ راست نہیں سنا۔

تحمل حیشہ کی قسم وجادہ جاننا چاہیے کہ یہ تحمل حدیث کے اقسام میں سے جن کا ذکر شروع کتاب میں ابتداء مباحث کے ذیل میں گزر چکا ہے وہ قسم ہے جس کو وجادہ کہتے ہیں کہ کسی راوی کو کسی محدث کے ہاتھ کی لکھی ہوئی کچھ حدیثیں کسی کتاب یا کاغذ پر مل جائیں بشرطیکہ وہ اس محدث کے خط کو پہچانتا بھی ہو اس کتاب سے نقل کرنے والے کے لئے یہ جائز نہیں کہ حدیثی یا اخیر فی فلاں کہے بلکہ وجہت فی کتاب فلاں کہنا چاہیے، اکثر علماء کے نزدیک وجادہ سے نقل کی ہوئی حدیث منقطع کے حکم میں ہے، اور یہاں تو سند میں انقطاع کی تصریح ہے کیونکہ وہ کہہ رہے ہیں ولم اسمعه منه، وجادہ پر کلام بذل ۱۸۶ میں یہاں پر اور آئندہ کتاب الصلوۃ کے اواخر میں ص ۱۸۷ پر بھی آرہا ہے۔

قوله۔ فان الرجل لا يزال يتبع اعمد حتى يؤخر في الجنة

شرح حیشہ حدیث میں امام کے قریب ہونے کا حکم ہے، ظاہر ہے کہ یہ امام کا قرب اسی وقت حاصل ہو سکتا ہے جب اول وقت مسجد میں پہنچ کر صف اول میں بیٹھے، فرما رہے ہیں کہ جو شخص امام سے دور رہے گا بوجہ تاخیر کے ہو سکتا ہے کہ جنت میں داخلہ بھی نہ پہنچے اور بعد میں ہو اور یا مطلب یہ ہے کہ جب مسجد میں دیر سے پہنچنے کی وجہ سے پچھلی صفوں میں رہ جائیگا تو جنت میں بھی نیچے ہی کے درجات کا حصول ہوگا درجات عالیہ سے محروم ہو جائے گا اگرچہ جنت میں فرور داخل ہوگا۔

بَابُ الْإِمَامِ يَقْصِرُ الْخُطْبَةَ لِلْأَمْرِ

یعنی کسی پیش آنے والے عارض کی وجہ سے امام خطبہ کو منقطع کر سکتا ہے یا نہیں؟ حدیث الباب سے معلوم ہوا کہ ہاں کر سکتا ہے۔

خطبنا رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم فاقبل الحسن والحسين عليهما قميضان احمران

يعشران وليقومان

مضمون حشر ایک مرتبہ حضور صلی اللہ علیہ وسلم ہمیں منبر پر خطبہ دے رہے تھے آپ نے دیکھا کہ سامنے سے آپ کے دونوں نواسے حسن اور حسین آ رہے ہیں دونوں نے سرخ قیص پہن رکھی تھی اور اتنے وقت وہ دونوں بچے چلتے چلتے گرتے تھے اور اٹھتے تھے جب آپ نے یہ کیفیت دیکھی تو آپ خطبہ روک کر منبر سے اترے اور ان دونوں کو اٹھا کر اپنے پاس منبر پر بٹھالیا اس کے بعد پھر آپ نے خطبہ شروع فرمایا۔

اس حدیث سے ترجمۃ الباب کا ثبوت ہو رہا ہے کہ عارض کی وجہ سے خطیب خطبہ منقطع کر سکتا ہے نیز یہ بھی معلوم ہوا کہ کلام فی الخطبہ جائز ہے اس کا مستقل باب بھی گذر چکا وہاں یہ گذر چکا ہے کہ خطیب کا کلام اگر امر بالمعروف کے قیل سے ہو یا کسی ضرورت یا مجبوری کی وجہ سے ہو تو بالاتفاق جائز ہے ورنہ بلا ضرورت کلام حنفیہ کے نزدیک مکروہ ہے لیکن خطبہ اس سے فاسد نہیں ہوتا۔

ملا علی قاریؒ نے یعشران و یقومان پر لکھا ہے کہ ان دونوں کا بار بار گرنے کی وجہ سے تھا بہت بھوٹے تھے، لیکن حضرت نے بذل میں یہ لکھا ہے کہ ایسا نہیں کیونکہ اس وقت ان کی عمر بظاہر چار سال اور تین سال کی تھی اس لئے کہ حسن کی پیدائش رمضان ۳؎ میں ہے اور حسین کی شعبان ۳؎ میں اور منبر کی بناء ۳۷۰ یا ۳۷۱ میں ہے اور تین چار سال کا بچہ اتنا چھوٹا اور کمزور نہیں ہوتا کہ بار بار گرے بلکہ ظاہر یہ ہے کہ ان کا یہ گرنے کا طول قیص کی وجہ سے تھا وہ اپنے قیص میں اٹک کر گر رہے تھے۔

میں کہتا ہوں کہ حضرت کی رائے کی تائید بعض الفاظ روایت سے بھی ہوتی ہے چنانچہ نسائیؒ کی روایت کے لفظ ہیں یعشران فی قیصہما۔

قولہ۔ ثم قال صدق الله، انما اموالکم واولادکم فتنہ اور ابن ماجہ کی روایت میں رسولہ کی زیادتی ہے صدق الله ورسوله، اب یا تو اس کو وہم راوی قرار دیا جائے یا اس کی مناسب تاویل کی جائے۔

باب الاحتباء والامام یخطب

یعنی سامعین کا خطبہ کے وقت گوٹ مار کر بیٹھنا، اس باب میں مصنفؒ نے دو حدیثیں ذکر کی ہیں پہلی ممانعت کی

لہ مثلاً کہا جائے کہ تقدیر عبارت یہ ہے صدق الله وصدق رسولہ یعنی اللہ نے سچ کہا جس کی رسول اللہ تصدیق کرتے ہیں، اور یہ بھی کہہ سکتے ہیں کہ اگرچہ یہ قول تو اللہ ہی کا ہے لیکن امت تک تو بواسطہ رسول ہی کے پہنچا ہے اس حیثیت سے اس کو بڑھا دیا گیا۔

دوسری جواز کی۔

علماء نے منع کی حکمت یہ لکھی ہے کہ نشست کی یہ سیئت جالب لوم ہے کیونکہ اس طرح بیٹھنے میں آرام زیادہ ملتا ہے اس لئے اس میں نیند آنے کا خطرہ ہے، لیکن جمہور اور ائمہ اربعہ سبھی اس کے جواز کے قائل ہیں۔

جمہور کی طرف سے حدیث کا جواب | یہ ہے کہ ضعیف ہے ابو مرحوم جس کا نام عبد الرحیم بن یسویں ہے وہ راوی ضعیف ہے اور دوسری حدیث یہ ہے عن یعلیٰ بن شداد

قال شهدت مع معاوية بيت المقدس الخ یعلیٰ بن شداد کہتے ہیں کہ میں ایک مرتبہ حضرت معاویہؓ کے ساتھ بیت المقدس حاضر ہوا انھوں نے ہمیں جمعہ کی نماز پڑھائی تو جب میں وہاں پہنچا تو میں نے دیکھا کہ اکثر صحابہ کرام جو مسجد میں موجود تھے وہ امام کے خطبہ کے وقت جہوہ کئے ہوئے بیٹھے تھے۔

یہ دوسری حدیث جمہور کی دلیل ہو سکتی ہے امام طحاویؒ نے منع کی روایت کو جہوہ مستأنفہ پر محمول کیا ہے یعنی آدمی عین خطبہ کے دوران اپنی نشست بدلے اور جہوہ باندھ کر بیٹھے، کیونکہ یہ بظاہر استماع خطبہ اور توجہ الی الامام میں محفل ہے، اور جواز کی روایت جہوہ سابقہ پر محمول ہے یعنی خطبہ شروع ہونے سے پہلے اسی طرح بیٹھا ہوا ہو، اور ایک جواب پہلے آئی چکا کہ منع کی روایت ضعیف ہے۔

قال ابو داؤد ولم يبلغني ان احداً كرهها الا عبادة بن نسي، اور امام ترمذی جامع ترمذی میں فرماتے ہیں وقد كرهه قوم من اهل العلم العجوة يوم الجمعة والامام يعظ، بذل میں لکھا ہے کہ مکحول شامی وعطارا وحسن بصری ان تینوں سے بھی ایک قول کراہت کا منقول ہے۔

باب الكلام والامام يعظ

خطبہ جمعہ کے وقت بات کرنا، جمہور علماء اور ائمہ ثلاث کے نزدیک حرام ہے اور شافعیہ کے دو قول مذاہب ائمہ | ہیں ایک مثل الجمہور، دوسرا قول عدم حرمت کلام ہے یہ ان کا قول جدید ہے اور اسی کے قائل ہیں۔ سفیان ثوری اور داؤد ظاہری اور یہ کہ الفات صرف مستحب ہے، نیز حرمت کلام عند الجمہور خطبہ شروع ہونے پر ہے یہی رائے صاحبین کی ہے اور امام ابو حنیفہ کے نزدیک کلام کی حرمت خروج امام اور اس کے منبر پر پہنچنے ہی سے ہو جاتی ہے امام صاحب کا استدلال اس روایت مرفوعہ سے ہے اذا خرج الامام فلا صلوة ولا كلام لیکن ابن الہمام فرماتے ہیں کہ اس حدیث کا رفع غریب ہے معروف یہ ہے کہ یہ زہری کا کلام ہے جس کو امام مالکؒ نے مؤطا میں ذکر کیا ہے جس کے لفظ یہ ہیں خروجه يقطع الصلوة وكلامه يقطع الكلام، اور اسی کو صاحبین نے اختیار کیا ہے یعنی نماز کی کراہت نفس خروج امام پر اور حرمت کلام کی ابتدا خطبہ شروع ہونے پر ہے، منہل میں لکھا

ہے کہ یہ اس شخص کے حق میں ہے جو خطبہ سن رہا ہو خواہ مسجد میں ہو یا خارج مسجد، اور جس شخص کو خطبہ کی آواز نہ پہنچ
سی ہو دور ہو نیکی وجہ سے جمہور کے نزدیک تو اس کا حکم بھی یہی ہے یعنی حرمت کلام، لیکن امام احمد اور ابراہیم
مخفی فرماتے ہیں لا یحرم فی حقہ۔

۱۔ حدیثنا المقننی الخ۔ قولہ۔ اذ اقلت انصت والامام یخطب فقد لغوت۔ یہ حدیث مشہور ہے صحاح
ستہ میں موجود ہے۔

نحو کہتے ہیں اس کلام کو جس میں کوئی فائدہ نہ ہو وقیل الاثم وقیل المیل عن الصواب (راہ راست سے ہٹنا) یہ
حدیث حرمت کلام عند الخطبہ میں جمہور کی دلیل ہے اس لئے کہ جب اس وقت امر بالمعروف منوع ہے تو عام بات بطریق
اولیٰ ممنوع ہوگی۔

فائدہ ۱۔ امام بخاری نے اس سلسلہ میں دو باب قائم کیے ہیں باب الاستماع الی الخطبہ۔ اور دوسرا باب الانصات
یوم الجمعة، انصات کہتے ہیں کسی کلام کو سننے کی نیت سے خاموش رہنا یہ عام ہے خواہ آواز پہنچ رہی ہو یا نہ پہنچ رہی ہو
کہ ہو مسلک الجمہور وقد تقدم فیہ خلاف احمد والنخعی۔

۲۔ حدیثنا مسدد الخ۔ قولہ۔ عن النبی صلی اللہ علیہ وسلم قال یحضر الجمعة ثلثة نفیر لہ۔

مضمون حیشد

یہ ہے کہ جمعہ کی نماز میں شرکت کرنے والے تین قسم کے آدمی ہیں ۱۔ وہ لوگ جو خطبہ کی وقت
میں کوئی فعل عبث یا بات چیت کریں ایسے لوگوں کا حکم یہ ہے کہ ان کے حصہ میں وہی نفع چیز
آئے گی جمعہ کا ثواب اور اس کی فضیلت ان کے حق میں کچھ نہیں ۲۔ جو شخص خطبہ کے وقت میں کلام یا فعل عبث تو کچھ نہیں
کرتا لیکن بجائے استماع خطبہ کے دعا مانگے میں مشغول ہو جاتا ہے تو اس کے حق میں بھی فائدہ یقینی نہیں ہے، اللہ
تعالیٰ کو اختیار ہے اس کو عطا کرے یا نہ کرے ۳۔ جو لوگ بغیر تخطی رقاب اور بغیر کسی کو ایذا دینے خاموشی کے ساتھ
مسجد میں بیٹھیں تو ایسے ہی لوگوں کے لئے جمعہ کی نماز اس جمعہ سے لے کر آئندہ جمعہ تک کفارہ سیئات ہوتی ہے اور
تین دن مزید برآں۔

باب استیذان المحدث للامام

یعنی اگر کسی مقتدی کو نماز میں حدث لاحق ہو جائے تو اب وہ مسجد سے جانے کے لئے امام سے کیسے اجازت
طلب کرے اس لئے کہ امام تو نماز میں مشغول ہے۔

در اصل اس ترجمہ کے قائم کرنیکا منشا یہ ہے کہ کلام پاک میں ہے واذا کالوامعہ
علی امر جامع لم یذہبوا حتی یستأذنوا، یعنی صحابہ کرام آپ صلی اللہ علیہ وسلم

ترجمۃ الباب کی غرض

کی مجلس سے بغیر استیذان کے نہیں جاتے تھے، اس سے معلوم ہوا کہ آدمی کو چاہیے کہ مجلس سے بغیر صدر مجلس کی اجازت کے نہ اٹھے، لہذا مقتدی کو بھی چاہیے کہ امام سے استیذان کے بغیر مسجد سے نہ نکلے۔ سو مصنف کی غرض بظاہر اس ترجمہ سے رخصت بیان کرنا ہے ترک استیذان کی کہ اس وقت میں استیذان ساقط ہے امام کے نماز میں مشغول ہونے کی وجہ سے یا اس طرح کہیے کہ غرض کیفیت استیذان کو بیان کرنا ہے اور وہ کیفیت یہ ہے جو حدیث الباب سے معلوم ہو رہی ہے فلیأخذ بالنفسہ ثم لیستخسرف، یعنی اپنی ناک کو ہاتھ سے پکڑ کر جائے، ناک پکڑنے میں گویا اظہار عذر ہے کہ کسی عذر کی وجہ سے جا رہا ہوں۔

أخذ الف میں بظاہر اشارہ ہے رعاۃ کی طرف لیکن چونکہ اس کی یہاں تصریح نہیں اس لئے اس کو کذب نہیں کہہ سکتے بلکہ یہ ستر العورة اور اخفاء القبیح کے قبیل سے ہے یعنی اپنے کسی عیب یا نقص کی پردہ پوشی۔ اپنے کسی نقص کو دوسروں کے سامنے ظاہر کرنا بلا کسی ضرورت یا معلومت کے مناسب نہیں، نیز ایسا کرنے میں لوگوں سے سلامتی ہے ورنہ وہ مذاق اڑائیں گے یا غیبت میں مبتلا ہوں گے، تو ایسا کرنا اپنے لحاظ سے بھی بہتر ہوا اور دوسروں کے لحاظ سے بھی قال ابو داؤد ورواہ حماد بن سلمۃ الخ۔ گذشتہ روایت ابن جریر کی ہے جو انہوں نے ہشام سے روایت کی ہے۔ مصنف فرما رہے ہیں کہ حماد اور ابوالاسامہ نے اس حدیث کو جب ہشام سے روایت کیا تو سند کے آخر میں عروہ کے بعد عائشہ کو ذکر نہیں کیا لہذا روایت مرسل ہو گئی تو کہنا یہ ہے کہ اس حدیث کو بعض رواۃ نے مسنداً اور بعض نے مرسلۃ نقل کیا ہے۔

باب إذا دخل الرجل والإمام یخطب

یعنی اگر کوئی شخص مسجد میں ایسے وقت داخل ہو جبکہ خطبہ جمعہ ہو رہا ہو تو کیا اس وقت تحیۃ المسجد پڑھنی چاہیے یا نہیں؟ امام شافعی و احمد اس کے قائل ہیں حنفیہ و مالکیہ منکر ہیں۔ اس باب میں مصنف نے صرف ایک ہی حدیث ذکر کی ہے یعنی سلیم غطفانی کا قصہ متعدد طرق سے۔

قوله۔ عن جابر بن عبد اللہ عن رجل من أصحاب رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم یخطب فقال أحلیب یا فلان قال لا فقال فتم فارکع، اس شخص کا نام سلیم غطفانی ہے جیسا کہ دوسری اور تیسری حدیث میں اس کی تصریح ہے اور یہی نام بخاری و مسلم کی روایت میں بھی ہے ان کے نسب میں اختلاف ہے قیل سلیم بن حدیبہ وقیل سلیم ابن عمرو، لیکن طبرانی کی ایک روایت میں بجائے سلیم کے نعمان بن قنول وارد ہے، علامہ عینی کی رائے تو تعدد واقعہ کی ہے اور حافظ کا میلان عدم تعدد کی طرف ہے وہ کہتے ہیں کہ صحیح سلیم ہی ہے۔ شافعیہ و حنابلہ اس حدیث سے استدلال کرتے ہیں۔

حدیث کے جوابات

دوسرے حضرات نے اس کے متعدد جواب دیئے ہیں مگر دارقطنی کی روایت سے معلوم ہوتا ہے کہ آپ صلی اللہ علیہ وسلم اس شخص کے لئے خطبہ روک کر کھڑے رہے وانقَضَتِ عن الخطبة ۲۰ یہ واقعہ شروع فی الخطبہ سے قبل پیش آیا چنانچہ امام نسائی نے سنن کبریٰ میں باب قائم کیا باب الصلوۃ قبل الخطبۃ ۲۰ نسخ الکلام فی الصلوۃ سے پہلے کا واقعہ ہے اسلئے کہ خطبہ حکم میں صلوۃ کے ہے پھر جب خطبہ کے دوران امر بالمعروف و نہی عن المنکر موزع ہو گیا جو کہ فرض کام ہے تو تحیۃ المسجد بھی جو کہ نفل ہے بطریق اولیٰ منسوخ ہو گئی، قالہ الطحاوی و ابی داؤد العربی ۲۰ شخص مذکور کی خصوصیت ہے اس لئے کہ روایت میں آتا ہے کان ذابذاذاً ۱۰ کہ یہ شخص بہت خستہ حال اور نادار و فقیر تھا، ایک روایت میں ہے وکان عریاناً تو آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے لوگوں کو اس پر صدقہ کرنے کی طرف متوجہ کرنے کے لئے خطبہ کے دوران اس کو نماز پڑھنے کا حکم فرمایا تاکہ لوگ اس کی خستہ حالی پر مطلع ہو کر اس کی اعانت کریں چنانچہ لوگوں نے اس کی اعانت کی کھڑے وغیرہ اس کی طرف پھینکے کافی روایت فالقہ اشیا باً ۱۵ یہ شخص صاحب ترتیب تھا اور غالباً فجر کی نماز اس نے پڑھی نہیں تھی اس لئے آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے اس کو اولاً قنۃ نماز پڑھنے کا حکم فرمایا، چنانچہ اس کی تائید بعض الفاظ روایت سے ہوتی ہے جیسے اَمَلْتُکُمْ یا فُلان اس لئے کہ اگر تحیۃ المسجد سے اس حدیث کا تعلق ہوتا تو پھر آپ کو سوال کی حاجت نہ تھی اس لئے کہ وہ شخص آپ کے سامنے مسجد میں داخل ہوا تھا اور اس کا تحیۃ المسجد نہ پڑھنا ظاہر تھا۔ ۱۵ یہ حدیث خبر واحد ہے جو احادیث صحیحہ اور نص قطعی کے خلاف ہے قال اللہ تعالیٰ واذ اقرئ القرآن فاستمعوا له الایہ، تو اس وقت میں نماز پڑھنا استماع خطبہ کے خلاف ہے لہذا اس حدیث پر عمل نہیں کیا جائیگا، لیکن ایک اشکال باقی رہ گیا وہ یہ کہ آپ صلی اللہ علیہ وسلم تو قاعدہ کلیہ بیان فرما رہے ہیں اذ اجاء احدکم یوم الجمعة والامام یخطب فلیصل رکعتین، اس کا جواب یہ ہو سکتا ہے کہ یہ حدیث یسبح ہے اور دوسری احادیث محرم ہیں اور قاعدہ ہے کہ محرم اور یسبح کے تعارض کیوقت محرم کو ترجیح ہوتی ہے واللہ تعالیٰ اعلم۔

باب تخطی رقاب الناس یوم الجمعة

یعنی اگر کوئی شخص مقدم مسجد اور صف اول کی فضیلت کو حاصل کرنے کے لئے لوگوں کی گردنوں کو پھلانگتا ہوا آگے بڑھے جمعہ کے روز تو اس کی ممانعت کا بیان، صف اول کی فضیلت حاصل کرنے کا یہ طریقہ غلط ہے کہ لوگوں کی گردنوں کو پھلانگتا ہوا آگے جا کر بیٹھے بلکہ اس کا صحیح طریقہ تسکیر الی الجمعہ ہے جس کی فضیلت احادیث میں وارد ہے یعنی اول وقت میں مسجد پہنچ کر اس فضیلت کو حاصل کیا جائے نہ کہ تاخیر سے آ رہے ہیں اور تخطی رقاب کرتے ہوئے اگلی صف میں پہنچنے کی کوشش کر رہے ہیں، دراصل تخطی رقاب اکرام مسلم کیناف ہے بلکہ اس میں ایذا و مسلم ہے جو حرام ہے خواہ

جمعہ کا دن ہو یا غیر جمعہ کا دن۔ لیکن چونکہ عموماً اس کی لزبت جمعہ ہی کے روز آتی ہے ہجوم ہونے کی وجہ سے اس لئے اس کی قید لگا دیتے ہیں امام نوویؒ نے اس کی حرمت کی تصریح کی ہے اور دوسرے حضرات نے مکروہ لکھا ہے، بعض سے اس میں تشدد منقول ہے کعب احبار سے منقول ہے وہ فرماتے ہیں لان اذرع الجماعة احب الی من ان اتخطی الرقاب۔

تخطی رقاب کب جائز ہے؟ لیکن اس میں کچھ مستثنیات ہیں، چنانچہ بعض علماء نے امام کو اس سے مستثنیٰ کیا ہے یعنی اس کے حق میں جائز ہے گو اس کو بھی چاہیے کہ احتیاط سے آگے بڑھے ایسے ہی اگر اگلی صف میں فرج باقی ہے تو اس کو پر کرنے کے لئے تخطی رقاب کی اجازت ہے، ایسے ہی بعض علماء نے اس مسئلہ میں اس شخص کا بھی استثناء کیا ہے جس شخص کے گزرنے کو لوگ موجب برکت سمجھتے ہوں مثلاً پیر درم شد یا اور کوئی بزرگ نیز فقہار نے قبل خروج الامام اور ایسے ہی عدم ایذار کی صورت میں تخطی کی گنجائش لکھی ہے، اور عدم ایذار یہ ہے کہ کسی کے کپڑے یا ہاتھ پاؤں کو نہ روند جائے۔

وعید شدید ایک روایت مرفوعہ میں جس کی تخریج امام ترمذی اور ابن ماجہ نے کی ہے تخطی رقاب پر ہے۔
 وعید وارد ہوئی ہے من تخطی رقاب الناس یوم الجمعة اتخذ جسراً الی جہنم جو شخص تخطی رقاب کرے جمعہ کے دن تو اس کو جہنموں کو جہنم تک پہنچانے کے لئے پل بنایا جائے گا یعنی وہ اس کو روندے ہوئے جائیں گے، یہ مطلب اس صورت میں ہے جب کہ اتخذ کو فعل مجہول پڑھا جائے، بعض علماء کہتے ہیں کہ یہ بہت سخت ہے صحیح یہ ہے کہ یہ معروف کا صیغہ ہے اس صورت میں مطلب یہ ہوگا کہ اس نے اپنے جہنم میں جانے کے لئے راستہ ہموار کر لیا۔

باب الرجل ینفس الامام یخطب

قوله۔ اذا نفس احدکم وهو فی المسجد فلیتحول من مجلسه ذلک الی غیرہ۔ ترمذی کی روایت میں یوم الجمعة کی زیادتی ہے اذا نفس احدکم یوم الجمعة۔
 حدیث کا مطلب تو ظاہر ہے کہ جو شخص جمعہ کے دن مسجد میں جا کر جس جگہ بیٹھتا ہے اگر اس کو وہاں بیٹھے بیٹھے نفاس (ادنگھ) آنے لگے تو اس کو وہاں سے اٹھ کر اپنی جگہ بدل دینی چاہیے تاکہ اس نقل و حرکت اور تبدیل مکان سے اس کی نیند جاتی رہے، حدیث کے مضمون پر تو کوئی اشکال نہیں۔

مصنف کے ترجمہ پر اشکال لیکن مصنفؒ نے اس میں اپنے اجتہاد سے جو عموم پیدا کیا ہے کہ خواہ خطبہ ہو رہا ہو تب بھی اٹھ جانا چاہیے یہ موجب اشکال ہے اس لئے کہ خطبہ کی وقت میں انفس

اور استماع کے علاوہ کسی دوسری چیز میں لگنا ممنوع ہے حتیٰ کہ اعتبار کی بھی ممانعت ہے جیسا کہ پہلے گذر چکا کہ امام طحاویؒ فرماتے ہیں یہ حدیث جبوہ مستانہ پر محمول ہے، تو جب نشست بدلنے کی ممانعت ہے تو تبدیل مجلس کی کیسے گنجائش ہو سکتی ہے، لیکن مصنف چونکہ اس کو جائز کہہ رہے ہیں لہذا کہا جائے گا کہ یہ ان کا اپنا مسلک ہے۔

باب الامم يتكلم بعد ما ينزل المنبر

امام صاحب کے نزدیک خروج امام یعنی امام کے منبر پر پہنچنے سے لے کر فراغ عن الصلوٰۃ تک بات چیت کرنا مکروہ ہے اور صاحبین کے نزدیک خطبہ شروع ہونے سے اس کے ختم تک بات کرنا مکروہ ہے لہذا ان کے نزدیک کلام بعد نزول الامم من المنبر جائز ہے لیکن یہ بھی واضح رہے کہ یہ مقتدی کے حق میں ہے، اور خود امام کے حق میں ظاہر یہ ہے کہ جائز ہے اور اس ترجمہ کا تعلق امام ہی سے ہے اس سے پہلے باب الامم یکلم الرجل فی خطبۃ گذر چکا اس کی طرف رجوع کیا جائے۔

مضمون حیشد حضرت انسؓ فرماتے ہیں کہ میں نے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کو دیکھا بعض مرتبہ ایسا ہوتا کہ آپ منبر پر سے اترتے تو کوئی صاحب حاجت اپنی حاجت کے سلسلہ میں آپ سے کلام کرنا چاہتا تو آپ اس سے بات کر لیتے تھے اس کے بعد نماز پڑھاتے تھے لیکن مصنف نے اس حدیث پر خود اشکال کیا چنانچہ فرماتے ہیں قال ابو داؤد والحدیث لیس بمعروف عن ثابت، مصنف فرما رہے ہیں کہ یہ حدیث منکر اور شاذ ہے جریر بن حازم اس کے ساتھ متفق ہیں ان کے علاوہ کسی اور نے اس کو ثابت سے روایت نہیں کیا، امام ترمذی نے بھی اس حدیث کے بارے میں یہی فرمایا کہ یہ وہم ہے بلکہ صحیح یہ ہے کہ جو بات اس حدیث میں مذکور ہے یعنی کسی صاحب حاجت کا آپ صلی اللہ علیہ وسلم سے کلام کرنا یہ جمعہ کی نماز اور خطبہ کا قصہ نہیں ہے بلکہ یہ واقعہ عشاء کی نماز کے وقت کا ہے ایک مرتبہ کی بات ہے کہ عشاء کی نماز کے لئے اقامت ہو چکی تھی نماز شروع ہونے والی تھی کہ ایک صاحب حاجت آپ صلی اللہ علیہ وسلم کے قریب ہوا اور آپ سے بات کرنے لگا۔

باب من ادرك من الجمعة ركعة

قولہ۔ قال رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم من ادرك ركعة من الصلوة فقد ادرك الصلوة حدیث کے دو مطلب ہو سکتے ہیں۔ ۱۔ جو شخص کسی بھی نماز کا بقدر ایک رکعت کے وقت پالے تو اس کے ذمہ میں وہ نماز واجب ہو گئی جیسے کوئی شخص کسی نماز کے بالکل اخیر وقت میں اسلام میں داخل ہوا یا حائضہ اپنے حیض سے پاک ہوئی،

۲۔ اس سے فضیلت جماعت مراد ہے کہ جس نے ایک رکعت جماعت کے ساتھ پالی اس کو فی الجملہ فضیلت جماعت حاصل ہوگی، اس حدیث میں اگرچہ جمعہ کا کوئی ذکر نہیں ہے لیکن صلوٰۃ اپنے عموم کی بنا پر جمعہ کو بھی شامل ہے۔
جمعہ کی نماز میں مسبوق ہونیوالے کا حکم | یہاں ایک مسئلہ اور اختلافی ہے وہ بھی اس حدیث سے مستنبط ہوتا ہے وہ یہ کہ اگر کوئی جمعہ کی نماز میں مسبوق ہو جائے تو اس کا

کیا حکم ہے، طائفہ بن السلف عطاؤس و مجاہد کا مسلک یہ ہے کہ امام کے ساتھ دونوں رکعت کا ملنا ضروری ہے بلکہ خطبہ کا بھی لہذا اگر کسی شخص سے خطبہ جمعہ فوت ہو گیا تو وہ اب ظہر کی نیت سے چار رکعت پڑھے اور ائمہ ثلاث اور امام محمدؒ یہ فرماتے ہیں کہ صحت جمعہ کے لئے امام کے ساتھ کم از کم ایک رکعت کا پڑھنا ضروری ہے اگر کسی کی دونوں رکعت امام کے ساتھ فوت ہو جائیں مثلاً التحیات میں اگر شامل ہو تو اس کی جمعہ کی نماز فوت ہوگئی اسی پر ظہر کی بنا کرنی چاہیے، اور شیخین امام ابو حنیفہ و ابو یوسف کے نزدیک امام کے ساتھ ایک رکعت کا ملنا ضروری نہیں بلکہ تسلیم امام سے پہلے جو شخص تکبیر تحریر کرے کہ شامل ہو جائے اس کے لئے جمعہ کی نماز درست ہے۔

جمہور کا استدلال حدیث الباب سے ہے یہ حدیث سنن اربعہ کی ہے اور شیخین کا استدلال شیخین (بخاری و مسلم) کی حدیث سے ہے جو ہمارے یہاں بھی باب السعی الی الصلوٰۃ میں گذر چکی، ما اذو کتم فصلوا وما فاتکم فاستنوا، جتنی نماز امام کے ساتھ ملے اس کو امام کے ساتھ پڑھ لو اور جو امام کے ساتھ ملنے سے فوت ہو جائے اس کو پورا کر لو۔ اس سے معلوم ہوتا ہے کہ جو نماز امام کے ساتھ پڑھنے سے فوت ہوئی ہے اسی کو پڑھا جائے اور ظاہر ہے یہاں جو نماز امام کے ساتھ فوت ہوئی ہے وہ صلوٰۃ جمعہ ہے لہذا مسبوق اسی کو پڑھے گا۔

باب مَا يَقْرَأُ فِي الْجُمُعَةِ

اس سلسلہ میں مصنف نے تین حدیثیں ذکر کی ہیں۔

۱۔ نعمان بن بشیرؓ کی کہ آپ صلی اللہ علیہ وسلم عیدین اور جمعہ کی نماز میں سورۃ الاعلیٰ اور سورۃ الفاشیہ پڑھا کرتے تھے۔
 ۲۔ یہ بھی نعمان بن بشیرؓ سے مروی ہے کہ پہلی رکعت میں سورۃ الجمعہ اور دوسری میں سورۃ الفاشیہ۔

۳۔ ابو ہریرہؓ کی حدیث پہلی رکعت میں سورۃ الجمعہ اور دوسری میں سورۃ المنافقون، پہلی اور دوسری حدیث احادیث صحیحین یعنی مسلم شریف میں بھی مذکور ہے اور امام بخاریؒ نے اس سلسلہ میں نہ کوئی ترجمہ الباب قائم کیا اور نہ کوئی حدیث ذکر فرمائی، ائمہ فقہ کا اس میں اختلاف ہے۔

مختار ائمہ | منہل میں لکھا ہے امام شافعی و احمد کے نزدیک افضل یہ ہے کہ پہلی رکعت میں سورۃ الجمعہ اور دوسری میں

سورة المنافقون پڑھی جائے، اور امام مالک کے نزدیک اولیٰ یہ ہے کہ پہلی رکعت میں سورة الجمعة اور دوسری میں سورة الغاشیہ، حنفیہ یوں کہتے ہیں کہ امام کو اختیار ہے جمعہ ہو یا غیر جمعہ جو کسی سورت چاہے پڑھے۔

اس سے پہلے باب مایقرأ فی صلوٰۃ الصبح یوم الجمعة کے تحت میں بذل المجهود میں حسن بھری کا قول مصنف ابن ابی شیبہ سے یہ نقل کیا ہے کہ انہ یقرؤ الامام بمشائء، اور بھی بعض صحابہ اور علماء سے کسی خاص سورت کے قصد کی کراہت نقل کی گئی ہے جیسے عبداللہ بن مسعود اور سفیان بن عیینہ ابواسحاق مروزی۔

پھر جانتا چاہیے کہ حنفیہ کا مذہب وہ نہیں جو صاحب منہل اور دوسرے شراح لکھ رہے ہیں بلکہ ہمارے فقہار نے تصریح کی ہے کہ جو سورتیں احادیث میں منقول ہیں ان کا نماز میں احیاناً پڑھنا مندوب و مستحب ہے۔

تہ۔ عن جعفر عن ابیہ، یہ جعفر۔ جعفر صادق میں جو بیٹے ہیں محمد باقر کے، بیٹے کا لقب صادق اور باپ کا لقب باقر ہے اہل بیت میں سے ہیں۔ سلسلہ نسب اس طرح ہے جعفر بن محمد بن علی بن حسین بن علی بن ابی طالب حضرت حسینؑ کے بیٹے کا نام بھی علی ہے اور لقب زین العابدین ہے۔

باب الرجل یاتم بالامام و بینہما جدار

مسئلۃ الباب اور حدیث الباب کو سمجھنے کے لئے اولاً جمہور علماء اور حنفیہ کا فقہی اختلاف سمجھ لیجئے۔ وہ یہ ہے کہ شافعیہ وغیرہ کے نزدیک اختلاف مکان صحت اقتدار سے مانع نہیں، مثلاً امام مسجد میں ہوا اور مقتدی خارج مسجد یا یہ کہ امام سڑک کی اس طرف ہوا اور مقتدی دوسری طرف درمیان میں سڑک حائل ہو، یا درمیان میں کوئی ہنر حائل ہو سامنے سے امام مقتدی کو نظر آ رہا ہو، بلکہ صحت اقتدار سے مانع ان کے یہاں حیولت ہے، حیولت بھی وہ جو موجب اشتباہ حال امام ہو نہ کہ نفس حیولت، اور حنفیہ کے نزدیک ان دونوں میں سے ہر ایک صحت اقتدار سے مانع ہے اختلاف مکان بھی اور وہ حیولت بھی جس سے مقتدی پر اپنے امام کا حال مشتبہ ہو رہا ہو یعنی یہ پتہ نہ چل رہا ہو کہ وہ اس وقت کو تسار کن ادا کر رہا ہے اس کے بعد اب آپ مضمون حدیث سنئے۔

عن عائشۃ رضی اللہ عنہا قالت صلی رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم فی حجرته والناس یاتقون بہ من وراء العجور۔ یعنی ایک مرتبہ حضور صلی اللہ علیہ وسلم اپنے حجرہ میں نماز پڑھ رہے تھے اور لوگوں نے آپ کے

لہ معنی الدر المختار ان کان طریق ناقدًا فمانع والا فلا.... والحاثل لا ینع الاقتدار ان لم یشبہ حال الامام بما ع اور دیتہ ولم یختلف المكان حقیقۃً ولا حکماً۔

یہی نیت باندھ رکھی تھی حجرہ سے باہر۔

شرح حیث نہ بحث نخل بہ المقام | حجرہ کے مصداق میں دو قول ہیں، حجرہ عائشہؓ جو حضورؐ اور ان کا مسکن تھا یا حجرہ الحصیر یعنی مسجد کے ایک کونے میں بوریاقائم کر کے اعتکاف وغیرہ کے موقع پر آپ کے لئے ایک حجرہ سانباندیا جاتا تھا، پس اگر یہاں حدیث میں حجرہ سے حجرہ الحصیر مراد ہے تب تو کوئی اشکال نہیں کیونکہ نہ تو یہ اختلاف مکان کی صورت ہے اور نہ ایسی حیلولت جو موجب اشتباہ ہو۔ لہذا حدیث کسی کے خلاف نہیں اور اگر حجرہ سے حجرہ عائشہ مراد ہے تو اس صورت میں ظاہر ہے کہ اختلاف مکان پایا گیا جو حنفیہ کے نزدیک مانع عن الاقتدار ہے۔ لہذا حدیث حنفیہ کے خلاف ہوئی اور جمہور کے خلاف اس لئے نہیں کہ ان کے یہاں اختلاف مکان تو ہر حال مانع عن الاقتدار نہیں ہے البتہ حیلولت ان کے نزدیک مانع ہے اور یہاں اگرچہ حیلولت بھی پائی گئی مگر ایسی جدلت نہیں جو موجب اشتباہ ہو اس لئے کہ بخاری کی روایت میں ہے فتی ای الناس شعنن النبی صلی اللہ علیہ وسلم توجب مقتدیوں کو حضور صلی اللہ علیہ وسلم نظر آرہے تھے تو اشتباہ حال کہاں پایا گیا، لہذا حنفیہ کو جواب کی فکر کرنی چاہیے۔ ایک جواب تو یہ ہو سکتا ہے ظاہر یہ ہے کہ یہاں حدیث میں حجرہ الحصیر مراد ہے اس لئے کہ اگر حجرہ عائشہؓ مراد ہو تو پھر یہ اشکال ہو گا کہ آپ صلی اللہ علیہ وسلم صحابہ کو کیسے نظر آرہے تھے جیسا کہ بخاری شریف کی روایت میں ہے۔ کیا حجرہ شریف کی دیواریں ایسی محقر اور چھوٹی تھیں کہ باہر کا آدمی اندر کے آدمی کو دیکھ لے ایک جواب تو یہ ہو یا یہ جواب تو ہے منعی۔ دوسرا جواب تسلی ہے کہ ہم مانتے ہیں کہ حجرہ سے مراد حجرہ عائشہؓ ہی ہے، تو اختلاف مکان کا جواب یہ ہو گا کہ ہمارے یہاں مانع عن الاقتدار وہ اختلاف مکان ہے جو حقیقتہً بھی ہو اور حکماً بھی، یہاں اختلاف مکان اگرچہ حقیقتہً پایا گیا مگر حکماً نہیں، اس لئے کہ مسجد میں صحابہ کی جو صف لگی ہوئی تھی وہ حجرہ کے دروازہ سے متصل تھی، اور حجرہ شریف کا دروازہ مشہور ہے کہ مسجد کی جانب کھلا ہوا تھا، توجب مسجد کی صغیر حجرہ شریف کے دروازہ تک پہنچ گئیں تو اتصال صفوں کی وجہ سے مکان حکماً متحد ہو گیا فاحمد اللہ علی ذلک کسی صورت میں حدیث ہمارے خلاف نہ ہوئی، مجھے اس حدیث کے حل کرنے میں بہت غور کرنا پڑا، واللہ الموفق ولہ الحمد والمآل۔

باب الصلوٰۃ بعد الجمعة

اس باب سے مقصود جمعہ کے دن کی سنتوں کو بیان کرنا ہے لیکن مصنفؒ نے ترجمہ کو سنن بعدیہ کیساتھ خاص کیا ہے سنن قبلیہ سے ترجمہ میں کوئی تعرض نہیں کیا، حضرت امام بخاریؒ نے ترجمہ اس طرح قائم کیا ہے باب الصلوٰۃ بعد الجمعة و قبلہا انھوں نے ترجمہ میں ذکر تو دونوں کا کیا ہے لیکن خلاف قیاس ذکر میں بعدیہ کو مقدم اور قبلہ کو مؤخر کر دیا جس کی یقیناً کوئی

وجہ ہوگی، وجہ وہ یہی ہے کہ جو حدیث امام بخاری نے باب کے تحت میں ذکر کی ہے اس میں سنن قبلیہ کا ذکر ہی نہیں ہاں امام بخاری نے روایت بطور والی روایت ذکر فرمائی ہے جس میں یہ ہے کہ آپ صلی اللہ علیہ وسلم قبل الظهر رکعتیں اور اسی طرح بعد الظهر رکعتیں پڑھتے تھے۔

شرح بخاری نے لکھا ہے کہ امام بخاری جمعہ کی نماز کو ظہر پر قیاس کرتے ہوئے جو سنتیں ظہر کے لئے مشروع ہیں انہیں کو بطریق قیاس جمعہ کے لئے بھی ثابت کرنا چاہتے ہیں اسلئے کہ جمعہ ظہر کی نماز کا بدلہ ہے، اور یہ بھی کہا گیا ہے کہ امام بخاری نے ابن عمر کی اس روایت کی طرف اشارہ کیا ہے جو سنن ابو داؤد میں مذکور ہے (باب کی پہلی حدیث یہی ہے)

اس کے بعد جانا چاہیے کہ جمعہ کی سنن بعدیہ تو بالاتفاق ثابت ہیں اور ائمہ اربعہ بھی ان کے قائل ہیں، امام ترمذی، امام شافعی و احمد کا مذہب رکعتیں بعد الحجۃ نقل کیا ہے، اور طرفین کے نزدیک بعد کی سنتیں چار رکعت ہیں اور امام ابو یوسف کے نزدیک چھ رکعت ہیں۔ اور امام مالک کا مشہور مذہب جو آگے اپنے مقام پر آئے گا یہ ہے کہ وہ روایت کے مطلقاً قائل ہی نہیں سوائے سنت الفجر کے، غرضیکہ جمعہ کی سنن بعدیہ کے ثبوت پر ائمہ اربعہ کا اتفاق ہے۔

جمعہ کی سنن قبلیہ میں مذاہب ائمہ | البتہ سنن قبلیہ میں اختلاف ہے حنبلیہ اس کے قائل نہیں اور مصنف، قیم حنبلی نے تو سنن قبلیہ کا شدت سے انکار کیا ہے اس طور پر کہ حضور صلی اللہ علیہ وسلم کا معمول جمعہ کی نماز کے لئے خروج بعد الزوال کا تھا یعنی زوال کے بعد متصلاً حجرہ شریف سے مسجد میں تشریف لاتے اور سیدھے منبر پر پہنچ جاتے تھے تو سنن قبلیہ کا وقت ہی کہاں ہوتا تھا! اور شافعیہ کی اس میں دو روایتیں ہیں، نفی، اثبات، امام نووی نے اثبات کو ترجیح دی ہے اور یہی حنفیہ کا مذہب ہے۔

۱- حدیث مسدد الخ۔ قولہ۔ کان ابن عمر یطیئ الصلوۃ قبل الجمعة ویصلی بعدھا رکعتین فی بیۃ۔ یہ فعل اگرچہ ابن عمر کا ہے اور اس لحاظ سے یہ حدیث موقوف ہے، لیکن آگے وہ فرما رہے ہیں، ان رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کان یفعل ذلک اس لئے یہ حدیث مرفوع ہوگئی۔

سنن قبلیہ کا ثبوت | اس حدیث سے صلوۃ قبل الحجۃ و بعد الحجۃ دونوں کا ثبوت ہو رہا ہے اسی لئے بعض شرح بخاری نے لکھا ہے (کہما تقدم قریباً) کہ امام بخاری کا اشارہ ترجمۃ الباب کے ذیل سے اسی حدیث ابن عمر کی طرف ہے مگر چونکہ یہ حدیث امام بخاری کی شرط کے موافق نہ تھی اس لئے اس کو نہیں لیا صرف اشارہ اس کی طرف کر دیا، لیکن حافظ کو اس حدیث سے سنن قبلیہ کے ثبوت میں اشکال ہے اول تو اس لئے کہ کان یفعل ذلک کا اشارہ بعض نے کہا کہ صرف ویصلی بعدھا رکعتین فی بیۃ، کی طرف ہے مجموعہ کی طرف نہیں، اور دوسرا

اشکال حافظ نے سنن قبلہ کے بارے میں وہی کیا جو اوپر حافظ ابن قیم سے نقل کیا جا چکا جس کا خلاصہ یہ ہے کہ طویل الصلوٰۃ قبل الجمعة سے کیا مراد ہے اگر قبل الزوال مراد ہے تب تو یہ جمعہ کا وقت نہ ہونے کی وجہ سے یہ جمعہ کی سنتیں کہاں ہوئیں۔ اور اگر یہ کہا جائے کہ بعد الزوال مراد ہے تو پھر یہ کیسے صحیح ہو سکتا ہے اس لئے کہ آپ صلی اللہ علیہ وسلم تو زوال کے بعد فوراً مسجد میں تشریف لاتے اور اسی وقت منبر پر تشریف لیجاتے اور اول وقت میں جمعہ کی اذان شروع ہو جاتی تھی پھر سنتوں کا وقت کہاں؟

مزید دلائل جانتا چاہیے کہ قائلین سنن قبلہ کا استدلال ابن عمر کی اس حدیث کے علاوہ اور بھی بعض دوسری احادیث سے ہے مثلاً عبد اللہ بن مغفل کی حدیث متفق علیہ بین کل اذانین صلوٰۃ اس حدیث کے عموم میں جمعہ کی اذان بھی آجاتی ہے اور بعض صریح روایات بھی ہیں چنانچہ سنن ابن ماجہ اور طبرانی میں ابن عباس سے مروی ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم یصلی قبل الجمعة اربعاً، لکن فیہ مبشر بن عیسٰی من الرضاعین، ایسے ہی حجاج بن ارطاة اور عطیہ عوفی دونوں ضعیف ہیں، علامہ زبیلی نے نصب الرایہ میں اور بھی متعدد روایات ذکر کی ہیں جن میں سے بعض ایسی بھی ہیں جن کی سند پر انھوں نے کوئی کلام اور نقد نہیں کیا، اسی طرح امام ترمذی فرماتے ہیں وروی عن عبد اللہ بن مسعود انه کان یصلی قبل الجمعة اربعاً وبعدھا اربعاً۔ یہ پہلے گزر چکا کہ امام نووی نے بھی ثبوت ہی کے قول کو اختیار فرمایا ہے۔

۲۔ حدثنا الحسن بن علی الخ۔ قوله۔ اخبرني عبد بن عطاء ان نافع بن جبیر ارسله الى السائب

بن یزید یسأله عن شیء یرای منه معاویة فی الصلوٰۃ۔

مضمون حدیث عمر بن عطاء کہتے ہیں کہ مجھ کو نافع بن جبیر نے سائب بن یزید کے پاس بھیجا یہ سائب صغار صحابہ میں سے ہیں تاکہ میں ان سے جا کر یہ سوال کر دوں کہ کیا ہے تمہاری وہ چیز جس کو حضرت معاویہ نے تم سے دیکھا (مطلب یہ ہے کہ تمہارے اور معاویہ کے درمیان کیا واقعہ پیش آیا تھا اور تمہارے کس فعل کو دیکھ کر انھوں نے نیکر فرمائی تھی) انھوں نے بتایا کہ ایک مرتبہ میں نے حضرت معاویہ کیساتھ مقصورہ میں نماز جمعہ ادا کی نماز کے بعد میں نے سنتوں کی نیت فوراً بلا فصل اسی جگہ باندھ لی، معاویہ جب اپنی نماز پڑھ کر اندر گھر میں چلے گئے تو انھوں نے مجھ کو بلایا اور فرمایا فرض نماز کے بعد اسی جگہ سنت نہیں پڑھنی چاہئے، فرض اور نفل میں وصل نہیں کرنا چاہیے بلکہ فصل ہونا چاہیے جس کی دو صورتیں ہیں یا تو وہاں سے اٹھ کر دوسری جگہ پڑھے یا درمیان میں کلام وغیرہ کے ذریعہ فصل ہو جائے۔

اس حدیث میں مقصورہ کا لفظ آیا ہے مقصورہ اس مختصر سے کمرہ کو کہتے ہیں جو مسجد میں محراب کی جگہ بنایا جاتا تھا تاکہ اس میں امام اور اس کے خواص نماز پڑھ سکیں، امام نووی فرماتے ہیں اس سے معلوم ہوا کہ مقصورہ کا مسجد میں بنانا

جائز ہے اگر اہل ایمان مصلحت اور ضرورت سمجھے، پہلے زمانہ میں خلفاء کے لئے یہ بنایا جاتا تھا، سب سے پہلے اس کو حضرت معاویہ نے اپنے تحفظ کے لئے بنوایا تھا جبکہ ایک خارجی نے ان پر حملہ کر دیا تھا، قاضی عیاض فرماتے ہیں کہ مقصود میں نماز جمعہ اس وقت جائز ہو سکتی ہے جبکہ اس میں نماز پڑھنے کی اجازت عام ہو اور اگر چند لوگوں کے لئے مخصوص ہو تو پھر اس میں نماز صحیح نہ ہوگی (اس لئے کہ اس صورت میں وہ مقصودہ حکم جامع سے خارج ہو جائے گا یا یوں کہئے کہ اذن عام محبت جمعہ کے شرائط میں سے ہے) حضرت ابن عمرؓ کے بارے میں لکھا ہے کہ وہ مقصودہ میں نماز نہیں پڑھتے تھے اور اگر پہلے سے اس میں ہوتے تو نماز کھڑی ہونے پر باہر آ جاتے تھے۔

۳- قولہ۔ عن عطاء عن ابن عمر قال كان اذا كان بمكة قال في غير عطاء کی طرف اور کان کی ابی عمر کی طرف راجع ہے یعنی ابن عمر جب مکہ میں ہوتے تھے تو جمعہ کی نماز کے بعد ذرا اُگے بڑھ کر اولاً دو رکعت اور اس کے بعد پھر تھوڑا سا اُگے ہو کر چار رکعت پڑھا کرتے تھے اور جب وہ مدینہ میں ہوتے تھے تو جمعہ کی نماز کے بعد بجائے مسجد کے گھر آ کر صرف دو رکعت پڑھا کرتے تھے اور فرماتے تھے کہ آپ صلی اللہ علیہ وسلم بھی ایسا ہی کرتے تھے شرح نے لکھا ہے کہ شاید اس فرق کی وجہ یہ ہو کہ آپ کا مکان مکہ میں حرم سے دور ہو اس لئے حرم ہی میں سنتیں پڑھ لیتے تھے اور مدینہ میں چونکہ آپ کا بیت جس میں آپ میقم تھے وہ بالکل مسجد سے متصل تھا اس لئے وہاں پڑھتے تھے۔

۴- قولہ۔ اخبرني عطاء انه راى ابن عمر يصلي بعد الجمعة فيمنما عن مصلا الذی صلی فیہ الجمعة الخ۔ نماز انبیاء سے ہے نیز کے معنی جدا کرنا اس کو باب الافعال میں لے گئے، ابن عمرؓ جمعہ کی نماز کے بعد سنتیں پڑھتے تھے پس ہٹتے اور جدا ہوتے تھے اس جگہ سے جہاں جمعہ کی نماز پڑھی ہے قلیلاً تھوڑا سا، اور دو رکعت پڑھتے تھے، ثم یمشی النفس من ذلك، اور پھر تھوڑا اور ہٹتے تھے اور چار رکعت پڑھتے تھے، اس سے معلوم ہوا کہ ابن عمرؓ جمعہ کے بعد چھ رکعت پڑھتے تھے، اولاً دو پھر چار، حنفیہ میں سے امام ابو یوسف بھی اسی کے قائل ہیں لیکن وہ فرماتے ہیں کہ پہلے چار رکعت پڑھی جائیں پھر دو۔ غالباً اس کی وجہ یہ ہے کہ ایک حدیث میں آتا ہے لا یصلی بعد مکتوبة مثلاً۔

باب صلوٰۃ العیدین

صلوات مخصوصہ کا بیان چل رہا ہے اس سلسلہ کی ایک نماز یعنی نماز جمعہ کا بیان گذر چکا، عیدین سے مراد عید الفطر اور عید الانبیاء ہے۔

وجہ تسمیہ عید عود سے ماخوذ ہے دراصل عود تھا قاعدہ اعلان و اوساکن مابقی کسور پائے جانے کی وجہ سے عید

ہو گیا، بعض تو وہ تسمیہ یہ لکھتے ہیں یہ خود سے ماخوذ ہے کہ چونکہ یہ دن ہر سال خوشی اور مسرت کو لے کر لوٹتا ہے اس لئے عید کہتے ہیں اور مسرت و خوشی کس بات کی ہے؟ وہ تکمیل صیام اور مغفرت ذنوب اور جہنم سے خلاصی کی ہے اس لئے کہ عید الفطر رمضان المبارک کے بعد کا پہلا دن ہے اور ماہ رمضان میں گناہوں کی معافی اور جہنم سے خلاصی کا ہونا بکثرت روایات سے ثابت ہے، اور عید الاضحیٰ کا دن یوم عرفہ کے بعد آتا ہے اور یوم عرفہ افضل الايام ہے اس میں لاکھوں سال کا جیسی عظیم عبادت کرتے ہیں، اس میں بھی بکثرت گناہ معاف ہوتے ہیں اور جہنم سے خلاصی ہوتی ہے اسی لئے کہتے ہیں کہ عید کے دن کی خوشی اسی شخص کے لئے ہے جس نے رمضان المبارک کی قدر دانی کر کے اپنے گناہوں سے معافی کا پروانہ حاصل کر لیا ہو لہذا بس الجدید و اکل الشریبہ نیز کہا گیا ہے کہ عید کا یہ تسمیہ عائدہ سے ماخوذ ہے بمعنی فائدہ و انعام، اس دن چونکہ عوائد (الغائمات البیہ) کی کثرت ہوتی ہے اس بنا پر اس کو عید کہا جاتا ہے۔

عید الفطر کی نماز لکھا ہے کہ سہ میں شروع ہوئی اور اسی سنہ کے ماہ شعبان میں صوم کی فرضیت ہے۔

صلوۃ عید کا حکم | صلوۃ العیدین عند الخفۃ واجب ہے لانه علیہ السلام واطب علیہما بغیر تنک. وقلوہ تعالیٰ فصل لم یکت و انصر و قوله تعالیٰ و لنکتبن و اللہ صلی ما ہذا کم، کہا گیا ہے کہ آیت اولیٰ عید الاضحیٰ پر محمول ہے اس کی نماز اور قربانی، اور آیت ثانیہ کا اشارہ عید الفطر کی طرف ہے، اور چہرہ کے نزدیک سنت مؤکدہ ہے، ابو سعید اصطخری اور امام احمد کے مشہور مذہب میں فرض کفایہ ہے، جو ہرہ نیزہ میں لکھا ہے کہ خفۃ کے اس میں دو قول ہیں الاول انہا واجبۃ و ہوا مشہور و قیل مستہ مؤکدۃ قال فی المسبوط دہو الالفطر۔

قوله - قدم رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم الہدینۃ ولہم یومان یلعبون فیہما فقال ما ہذا ان الیوم

شرح حدیث | آپ صلی اللہ علیہ وسلم جب ہجرت فرما کر مدینہ تشریف لائے تو جو مسلمان وہاں رہتے تھے ان کو آپ نے دیکھا کہ سال کے دو دن میں کھیل کود کرتے اور خوشی مناتے ہیں آپ صلی اللہ علیہ وسلم کے سوال پر جب نے عرض کیا کہ ان دنوں میں خوشی منانے کا سلسلہ ہمارے یہاں پہلے سے جاری ہے زمانہ جاہلیت سے، ان دو دنوں سے مراد نوروز اور مہرجان ہے، نوروز یکم جنوری میں آفتاب کی تحویل برج حمل میں ہوتی ہے، اور مہرجان میں آفتاب کی تحویل برج میزان میں ہوتی ہے لکھا ہے کہ

لہ اس پر یہ اشکال نہ کیا جائے کہ جب صلواتیں الہدیین کا ثبوت نص قطعی سے ہے تو حدیث کی نماز فرض ہونی چاہیے، جواب یہ ہے کہ یہ نص ثبوت کے اعتبار سے تو گو قطعی ہے لیکن دلائل کے اعتبار سے قطعی نہیں یعنی ان دو دنوں میں جس میں ثبوت سے جس مضمون کو ثابت کیا جا رہا ہے ان آیتوں کی دلالت اس پر قطعی نہیں ہے، دوسرے معنی کا بھی احتمال ہے، قطعی ثبوت کے لئے یہ ضروری نہیں کہ وہ قطعی الدلالت بھی ہو، اور فرضیت اس وقت ثابت ہو سکتی ہے جب وہ نص قطعی الثبوت والدلالت دونوں ہو، ۱۲۔

یہ دونوں وحی حرامت اور برودت کے اعتبار سے بہت مستدل ہوتے ہیں اور یہ کہ دن اور رات ان میں برابر ہوتے ہیں۔ کہا گیا ہے کہ قدیم زمانہ کے حکماء و افضیہ علم ہیئت نے ان دنوں کو اختیار کیا تھا دوسرے لوگ ان کا اس میں اتہام کرتے رہے یہاں تک کہ انبیاء علیہم السلام تشریف لائے تو انہوں نے اس کا ابطال اور تردید فرمائی چنانچہ آگے حدیث میں آپ صلی اللہ علیہ وسلم بھی فرما رہے ہیں ان اللہ قد ابد لکم رہما خیرا منہما، کہ اللہ تعالیٰ نے اسے مسلمانوں کو اظہار تشکر اور خوشی منانے کے لئے ان دو دنوں کے بدلہ میں دو اور دن عطا کئے ہیں جو ان سے بہتر ہیں۔ یوم الاحیاء اور یوم النفل۔ یہ دو دن ان سے کیوں بہتر ہیں وجہ اس کی ظاہر ہے کہ ان دنوں کا انتخاب حکماء و فلاسفہ کی طرف سے تھا اور ان دو دنوں کا انتخاب اللہ تعالیٰ اور اس کے رسول اور انبیاء و اولیاء کی طرف سے ہے۔

کفار کے تہواروں میں شرکت | علمائے اس حدیث کے ذیل میں لکھا ہے کہ کفار کے تہوار اور خوشی کے دنوں میں مسلمانوں کا خوشی منانا سخت ترین معصیت ہے، ابو حفص کبیر کہنئی فرماتے ہیں کہ جو شخص نیروز میں کسی مشرک کو کوئی معمولی سا ہدیہ مثلاً بیضہ اس یوم کی تعلیم کے اعتقاد کے ساتھ بھیجے تو وہ کافر ہو جائے گا اور اس کے تمام اعمال جھٹ ہو جائیں گے، اور اگر تعلیم یوم کے طور پر نہیں بلکہ صرف اظہار محبت و تعلق کے لئے ایسا کرے تب کفر نہ ہوگا البتہ تشبہ کی وجہ سے مکروہ ضرور ہوگا احتراز اس سے بھی ضروری ہے۔

باب وقت الخروج الى العيد

عید کی نماز کا وقت بالاتفاق ارتقاء شمس سے زوال تک ہے، اگر عید کی نماز پہلے دن اس کے وقت میں نہ پڑھی گئی تو بعد میں اس کی قضاء ہے یا نہیں؟ مسئلہ مختلف فیہ ہے اس کا مستقل باب آگے آ رہا ہے

قولہ۔ فقال انا لکنا قد فرغنا ساعتنا هذا، مضمون حدیث یہ ہے کہ عبد اللہ بن بشر جو کہ ایک صحابی ہیں وہ حضور صلی اللہ علیہ وسلم کے بعد اپنے زمانہ میں لوگوں کے ساتھ عید کی نماز کے لئے گئے لیکن امام صاحب اس وقت تک عید گاہ نہیں پہنچے تھے تو انہوں نے اس تاخیر کو محسوس کیا اور اس پر نکیر فرمائی اور فرمایا کہ حضور صلی اللہ علیہ وسلم کے زمانہ میں تو ہم اس وقت تک عید کی نماز پڑھ کر فارغ بھی ہو جایا کرتے تھے۔

وذلك حين التسبیح، یہ بظاہر عبد اللہ بن بشر کا کلام ہے، مطلب یہ ہے کہ عید کی نماز کا اول وقت اور اس کے وقت کی ابتداء اسی وقت سے ہو جاتی ہے جس وقت تسبیح یعنی نفل نماز پڑھنا جائز ہوتا ہے، یعنی سورج نکلنے کے جتنی دیر بعد نفل نماز پڑھنا جائز ہوتا ہے وہی عید کی نماز کا بھی وقت ہے (لہذا عید اول وقت ہی میں پڑھنی چاہئے) (کذا فی النہج) اور حضرت نے بذل میں لکھا ہے کہ ذلک میں التسبیح یزید بن خیر کا کلام ہے اور لفظ ذلک کا اشارہ اس وقت کی طرف ہے،

جس میں پہنچنے سے امام نے تاخیر کی تھی، اور مراد یزید بن خنیز کی یہ ہے کہ جس وقت تک امام نہیں آیا تھا یہ وہ وقت تھا جس میں نفل پڑھنا جائز ہو جاتا ہے (یعنی اول وقت عید) فائدہ :- یہ تو ہم پہلے بیان کر چکے ہیں کہ عید کی نماز کا وقت ارتفاع شمس سے زوال تک ہے، مزید اس میں یہ جانئے کہ بعض روایات میں یہ آتا ہے کہ آپ صلی اللہ علیہ وسلم عید الفطر کی نماز اس وقت ادا فرماتے تھے جبکہ سورج دو نیزہ کی بلندی پر ہو اور عید الاضحیٰ کی نماز اس وقت پڑھتے تھے جب سورج ایک نیزہ پر ہو۔

كان النبي صلى الله عليه وسلم يصلي بنا يوم الفطر والشمس على قيد رمحين ولاضحى على قيد رمح اس سے معلوم ہوا کہ عید الاضحیٰ کی نماز میں تعویل اور عید الفطر میں نسبتاً تاخیر مسنون ہے۔

باب خروج النساء في العيد

عورتوں کا خروج عام نمازوں میں اور جو کچھ اس میں اختلاف ہے وہ اپنے مقام پر گذر چکا اس باب میں خاص عید کی نماز کے لئے خروج نساء کو بیان کرنا مقصود ہے کہ کیا عورتیں عید کی نماز کے لئے عید گاہ جاسکتی ہیں یا نہیں۔

۱۔ حدیثنا موسیٰ بن اسماعیل الخ۔ امرنا رسول الله صلى الله عليه وسلم ان نخرج ذوات

الخدور يوم العيد قيل فالحيف.

ام عطیہ فرماتی ہیں کہ آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے ہمیں حکم فرمایا کہ عید کے روز ہم گوشہ نشین لڑکیوں کو بھی نماز عید کے لئے نکالیں، خدور خدور کی جگہ ہے خدور پردہ کو کہتے ہیں اور اس کا اطلاق گھر کے اس کونے پر بھی ہوتا ہے جس پر پردہ لٹکا ہوتا ہے جس میں عام طور پر باکرہ لڑکیاں اٹھتی بیٹھتی ہیں، جب حدیث میں ذوات الخدور کے نکلنے کا حکم ہے تو اس سے بڑی عمر کی عورتوں کا حکم بطریق اولیٰ معلوم ہو گیا آگے حدیث میں ہے کہ آپ سے دریافت کیا گیا کہ حائضہ عورتیں اس دن کیا کریں تو آپ نے فرمایا کہ ان کو بھی مجامع خیر و برکت میں حاضر ہونا چاہیے مسلمانوں کی دعا میں شریک ہونا چاہیے نیز آپ نے ایک عورت کے سوال پر فرمایا کہ جس عورت کے پاس برقع یا چادر وغیرہ ہو تو اس کی سہیلی کو چاہئے کہ اس کو ستر کے لئے اپنی چادر کا ایک حصہ اڑھا دے۔

۲۔ حکمت و مصلحت اس میں یہ لکھی ہے کہ عید الاضحیٰ میں نماز سے فراغ کے بعد قربانی اور اس کے متعلق امور کو انجام دینا ہے لہذا نماز بھی جلد کی جائے بخلاف عید الفطر کے کہ وہاں نماز کے بعد عید سے متعلق کوئی اور خاص کام نہیں، ایک اور بات بھی ہے کہ عید الاضحیٰ میں نماز سے قبل اساک یعنی ترک اکل و شرب مستحب، اور شرب اکل و شرب کی اقتداء ضیافت اللہ یعنی قربانی کے گوشت سے ہو۔ ۱۲ منہ۔

مسئلہ الباب میں مذاہب ائمہ | اس حدیث سے تو معلوم ہو رہا ہے کہ سب عورتوں کو نماز کے لئے عید گاہ جانا چاہئے اب دیکھنا یہ ہے کہ اس میں فقہا کیا کہتے ہیں ائمہ میں سے امام احمد کا اس حدیث پر عمل ہے ان کے نزدیک مطلقاً شائبہ وغیرہ شائبہ سب کے لئے ہے جائز ہے لیکن چند شرائط کے ساتھ۔ عدم التقیب، عدم التزین بالثیاب الفاخرہ، اور بعض علماء کے نزدیک عورتوں کا عید کی نماز کے لئے جانا مطلقاً مکروہ ہے جیسے سفیان ثوری، ابراہیم غنئی اور ابن المبارک وغیرہ تیسرا مذہب اس میں ائمہ ثلاثہ حنفیہ شافعیہ مالکیہ کا ہے وہ فرماتے ہیں بجز للہائز دون الشواب، لیکن انہیں شرطوں کے ساتھ جو اوپر مذکور ہوئیں، اس سے معلوم ہوا کہ جمہور علماء اور ائمہ ثلاثہ کے نزدیک اس مسئلہ میں نماز عید اور عام نمازوں کے حکم میں کوئی فرق نہیں سب کا حکم یکساں ہے البتہ خباہہ نماز عید اور دوسری نمازوں میں فرق کے قائل ہیں اور ظاہر احادیث سے خباہہ ہی کی تائید ہوتی ہے کیونکہ دوسری نمازوں میں خروج کی ترغیب کسی حدیث میں نہیں صرف اجازت وارد ہے بخلاف صلوٰۃ عید کے کہ اس میں آپ صلی اللہ علیہ وسلم امر باخرجوا فداءً ہیں، واللہ اعلم بالصواب۔

۲۔ حدیثنا محمد بن عبید الخ۔ قولہ۔ ويعتزل العتيقن مصلى المسلمين، یعنی عائفہ عورتیں جب نماز کے لئے عید گاہ جائیں تو عید گاہ سے علیحدہ ایک طرف بیٹھ جائیں، یہ اعتزال کا حکم اس لئے نہیں کہ عائفہ کو عید گاہ میں داخل ہونا ممنوع ہے کیونکہ عید گاہ مسجد کے حکم میں نہیں بلکہ اس لئے ہے کہ قطع صفوف لازم نہ آئے اگر سب عورتوں کے ساتھ ملی بیٹھیں گی نیز اس جگہ کے طوٹ رونے کا بھی احتمال ہے۔

۳۔ حدیثنا النفی الخ۔ قولہ۔ فیکتبن مع الناس، یعنی خارج صلوٰۃ، اس لئے کہ وہ تو نماز میں شامل ہی نہیں ہیں البتہ تکبیر کہنے میں دوسروں کے ساتھ شریک رہیں۔

۴۔ حدیثنا ابو الولید، قولہ۔ عن ام عطیة ان رسول الله لما قدم المدينة جمع نساء الانصاريين، یہ واقعہ فتح مکہ کے بعد کا ہے یعنی آپ صلی اللہ علیہ وسلم فتح مکہ کے بعد جب مدینہ منورہ میں واپس آئے تشریف لائے تو اس وقت آپ نے انصاری عورتوں کو ایک مکان میں جمع کر کے بیعت فرمایا تھا، بذل میں لکھا ہے کہ فتح مکہ کے روز مکہ میں آپ پر یا ایہا النبی اھا جاءک المؤمنات یتابعنک آیت شریفہ جس میں بیعت کا مضمون مذکور ہے نازل ہوئی تھی، اس موقع پر آپ نے مردوں کو صفا پر بیعت فرمایا تھا اور عورتوں کو صفا کے نیچے، اس کے بعد پھر مدینہ منورہ واپسی پر انصاری عورتوں کو بیعت فرمایا جو کہ بیعت النساء کے نام سے مشہور ہے، بیعت میں جن چیزوں پر عہد لیا گیا تھا وہ اس آیت کے اندر مذکور ہیں اور یہ آیت سورہ محتمنہ میں ہے۔

اگے حدیث میں بیعت کی صورت مذکور ہے وہ یہ کہ آپ نے حضرت عمرؓ کو اپنی طرف سے بیعت کرنے کے لئے انصاری عورتوں کے پاس بھیجا وہ دروازہ پر جا کر کھڑے ہو گئے اور باہر ہی سے انہوں نے ان کو سلام کیا عورتوں نے اس کا

جواب دیا پھر فرمایا کہ میں حضورؐ کی جانب سے بھیجا ہوا آیا ہوں بیعت کرنے کے لئے اور مضمون بیت پر ان سے بیعت لی۔
 قوله۔ ان نخرج فیہما العین والعشق، عشق عاتق کی جمع ہے اس کی جمع عواتق بھی آتی ہے باکرہ لڑکی
 کو کہتے ہیں۔ یا بمعنی شاہ یا بالغہ یا وہ جو قریب البلوغ ہو اس سے پہلے ذوات المحذور کا لفظ حدیث میں آچکا اسی کی طرف
 اشارہ ہے۔

باب الخطبة يوم العيد

عیدین کا خطبہ سنت ہے۔ بخلاف خطبہ جمعہ کے کہ وہ واجب ہے اور شرط بھی اسی لئے نماز پر مقدم ہے اور خطبہ
 عیدین بالاتفاق نماز سے مؤخر ہے۔

۱۔ حدثننا ابن العلام الخ۔ قوله۔ عن ابی سعید الخدری قال اخرج مروان المنبر فی یوم عید

فبدأ بالخطبة قبل الصلوة۔

مضمون حدیث ابو سعید خدریؓ فرماتے ہیں کہ ایک مرتبہ ہم جبکہ مروان امیر مدینہ تھا عید کی نماز کے لئے عید گاہ
 پہنچے تو وہاں جا کر دیکھا کہ مروان نے خطبہ دینے کے لئے منبر نکوار کھا تھا پھر جب نماز کا
 وقت آیا تو مروان نے ابتداً خطبہ سے کی اور نماز کو مؤخر کر دیا۔

فقام رجل فقال یا مروان خالفت السنة، ایک شخص نے کھڑے ہو کر مروان پر اعتراض کیا کہ آپ نے دو کام
 خلاف سنت کئے، ایک اخراج المنبر جبکہ حضور صلی اللہ علیہ وسلم خطبہ عید منبر پر نہیں دیتے تھے اور دوسری چیز ابتداً
 بالخطبة، اس پر ابو سعید خدریؓ نے فرمایا کہ اس نہی عن المنکر کرنے والے نے حق ادا کر دیا۔

مروان کے بارے میں لکھا ہے کہ وہ اپنے خطبہ میں اہل بیت علی واصحاب علی پر تقریض اور ان کی مذمت کرتا تھا۔
 اس لئے بہت سے لوگ اس کا خطبہ بغیر سننے اٹھ جایا کرتے تھے جب اس نے یہ دیکھا تو پھر دوسری حرکت یہ کی کہ خطبہ
 کو نماز پر مقدم کر دیا کیونکہ بغیر نماز کے لوگ واپس نہیں ہو سکتے تھے اس لئے مجبوراً ان کو خطبہ سننا پڑتا تھا، فقام رجل
 کے بارے میں حافظ نے لکھا ہے کہ شاید اس سے مراد ابو مسعود بدریؓ ہیں جیسا کہ معصف عبد الرزاق کی روایت سے معلوم
 ہوتا ہے، اور بعض روایات سے معلوم ہوتا ہے کہ نکیر کرنے والے خود ابو سعید خدریؓ تھے پس ہو سکتا ہے کہ یہ دو
 واقعہ الگ الگ ہوں۔

اول من قدم الخطبة تقدیم خطبہ کے بارے میں امام ترمذیؒ میں فرماتے ہیں یقال اول من خطب قبل حید
 مروان، اس پر کوکب میں لکھا ہے یعنی بنیبت فاسدہ ورنہ مروان سے پہلے خطبہ کی تقدیم
 عثمان بن عفانؓ کر چکے ہیں، لیکن ان کی تقدیم کا منشاء کچھ اور تھا وہ یہ کہ ان کے زمانہ تک مسلمانوں کی بہت کثرت ہو گئی تھی

آخر تک عید گاہ پہنچتے ہی رہتے تھے تو انہوں نے اس خیال سے کہ لوگوں کی نماز عید فوت نہ ہو نماز کو خطبہ سے مؤخر فرما دیا تھا اور اس پر اس زمانہ کے صحابہ یا تابعین میں سے کسی نے انکار نہیں فرمایا لہذا ان کا یہ فعل فعل حسن ہوا۔ حضرت شیخ جوئے حاشیہ کو کتب میں لکھا ہے کہ علامہ سیوطی نے تاریخ الخلفاء میں تقدیم الخطبہ علی الصلوٰۃ کو اولیات عثمان سے شمار کیا ہے، نیز یہ بھی کہا گیا ہے اول من قدم الخطبۃ علی الصلوٰۃ معاویۃ جیسا کہ مصنف عبد الرزاق کی ایک روایت سے معلوم ہوتا ہے، لیکن بعض علماء رجن میں ملا علی قاری بھی ہیں (کافی البذل) نے لکھا ہے کہ حضرت عثمان یا معاویہ کی جانب تقدیم خطبہ کی نسبت غلط ہے اس لئے کہ حدیث الباب میں تقرر ہے کہ مروان سے پہلے ایسا کسی نے نہیں کیا چنانچہ بخاری کی روایت ص ۱۲۱ میں ہے فقال ابو سعید فلم یزل الناس علی ذلك حتی خرجت مع مروان الخ اسی طرح بخاری شریف کی ایک دوسری روایت میں ہے ابن عباس فرماتے ہیں شہد العید مع رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم والی بکرو عمرو عثمان فکلہم کانوا یصلون قبل الخطبۃ اسی طرح علامہ عینی بھی یہی فرماتے ہیں کہ عثمان کی طرف اس کی نسبت درست نہیں۔

تنبیہ۔ حدیث الباب میں مذکور ہے اخراج مروان المنہج اس میں یہ اشکال ہے کہ یہ بخاری و مسلم کی روایت کے خلاف ہے بخاری شریف ص ۱۳۱ میں ہے ابو سعید خدری فرماتے ہیں کہ میں امیر مدینہ مروان کے ساتھ عید گاہ پہنچا تو وہاں پہنچ کر دیکھا ایک منبر بنا ہوا تھا جس کو کثیر بن الصلت نے بنایا تھا تو مروان نے اس پر خطبہ کے لئے چڑھنے کا ارادہ کیا، اس روایت سے معلوم ہو رہا ہے کہ وہاں منبر بنا ہوا تھا تو پھر اخراج منبر جو ابو داؤد کی روایت میں مذکور ہے اس کا کیا مطلب؟ اس کا جواب یہ دیا گیا ہے کہ ابو داؤد کی روایت بنا منبر سے پہلے کی ہے، ہو سکتا ہے کہ مروان ابتداء میں مصلیٰ میں رکھواتا ہو پھر بعد میں لوگوں کے اعتراض پر بجائے اس کے مستقل وہیں بنوا لیا ہو۔

وجوب تبلیغ | اس حدیث میں امر بالمعروف اور نہی عن المنکر کا امر مذکور ہے منہل ص ۳۱۶ میں لکھا ہے کہ یہ امر بالاجماع وجوب کے لئے ہے، قاضی عیاض فرماتے ہیں کہ امر بالمعروف اور نہی عن المنکر دعائم اسلام سے ہے (اسلام کا ایک اہم رکن) جس کے وجوب پر سب کا اتفاق ہے بجز روافض کے، صاحب منہل لکھتے ہیں کہ امر بالمعروف کے لئے شرط نہیں کہ امر کرنے والا خود بھی عامل ہو اس لئے کہ یہاں پر دو حق جمع ہو رہے ہیں ایک خود برائی سے روکنا، دوسرے دوسرے کو برائی سے روکنا، یہ دونوں حق الگ الگ اور مستقل ہیں ایک حق کے نہ پائے جانے سے دوسرا حق ساقط نہیں ہوگا، یہ الگ بات ہے کہ درجہ کمال یہ ہے کہ خود بھی عامل ہو۔

تبلیغ کس کس پر واجب ہے | اور وہ پھر آگے لکھتے ہیں کہ اسلام کے وہ واجبات جو بالکل ظاہر ہیں جیسے نماز اور روزہ ایسے ہی وہ محرمات جن کی حرمت مشہور ہے جیسے زنا و شرب خمر وغیرہ ان چیزوں کی تبلیغ میں علماء و غیر علماء سب برابر ہیں یہ فریضہ سب پر یکساں عائد ہوتا ہے البتہ اسلام کے جواہر

معنی اور غیر ظاہریں ان کا ابلاغ علماء کے ساتھ خاص ہے۔

۲- حدیثنا احمد بن حنبل ابو۔ قوله۔ فلما فرغ نبي الله صلى الله عليه وسلم نزل فاقى النساء، لفظ نزل پر اشکال ہے کیونکہ اس سے معلوم ہوتا ہے کہ آپ منبر وغیرہ کسی بلند چیز پر خطبہ دے رہے تھے۔ اور پہلے گدڑ چکا کہ یہ خلاف سنت ہے آپ سے عید گاہ میں منبر پر خطبہ دینا ثابت نہیں اسی لئے حافظؒ نے اس لفظ کی تاویل کی ہے کہ یہ کہ نزول سے مراد نزول من مکان الی سافل نہیں ہے بلکہ مطلق انتقال من مکان الی مکان ہے۔

مضمون حیدر | یہ ہے کہ آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے نماز کے بعد خطبہ اولاً مردوں کو دیا، عورتیں عید گاہ میں چونکہ طبعاً اور ایک طرف تھیں وہاں تک خطبہ کی آواز نہیں پہنچتی تھی اس لئے آپ مردوں کی جگہ سے مستقل ہو کر جس جانب عورتیں تھیں وہاں تشریف لے گئے، حضرت بلالؓ آپ کے خادم ساتھ تھے آپ ان کے ہاتھ کے سہارے سے چل رہے تھے آپ تو خطبہ دینے میں مشغول تھے حضرت بلالؓ نے کپڑا بچھا رکھا تھا کیونکہ آپ خطبہ میں صدقہ کی ترغیب بھی دیتے تھے اس لئے عورتیں اس میں اپنے پہننے کے زیور کان کی بالی ہاتھ اور پاؤں کی انگوٹھی غرضیکہ جس کے پاس جو شادہ اس کپڑے پر ڈال رہی تھی، ہمارے حضرت شیخؒ فرمایا کرتے تھے کہ اہل مدارس جلسوں میں جو چنڈہ کرتے ہیں اس کی اصل یہ حدیث ہے وَيُطَقِّينَ وَيُلَقِّينَ اِدھر سے یہ ڈال رہی ہے اُدھر سے وہ ڈال رہی ہے، وَقَالَ ابْنُ بَكْرٍ مَغْنَمًا ایک راوی نے تمہارا اور ایک نے تمہارا کہا، فَتَحَتَا تار کے ساتھ مفر ہے اور قبح بغیر تار کے جمع ہے، بڑی انگوٹھی کو کہتے ہیں۔

قوله۔ ان النبی صلی اللہ علیہ وسلم تَوَلَّی یومَ العید قوساً فخطب علیہ، تَوَلَّی ماضی مجہول کا صیغہ ہے
تَوَلَّی سے بمعنی عطاء کرنا یعنی آپ صلی اللہ علیہ وسلم کو حید کے روز گمان پیش کی گئی آپ نے اس کے سہارے پر کھڑے ہو کر
خطبہ دیا، ابواب الجمع میں باب الرجل یخطب علی قومیں گزر چکا، اس کے متعلقات وہاں دیکھے۔

باب ترك الاذان في العيد

عیدین کی نماز بلا اذان و اقامت کے ہے عند الاثمۃ الاولیۃ، حافظ عراقی اور ابن قدامہ حنبلی نے اس پر اجماع نقل کیا ہے البتہ ابن قدامہ نے عبداللہ بن زبیر کے بارے میں لکھا ہے کہ وہ عیدین کے لئے اذان و اقامت کے قائل تھے اور بھی بعض حضرات کا نام اس میں لیا جاتا ہے چنانچہ کہا جاتا ہے اول من اذن فی العیدین ابن زیاد و قیل حجاج و قیل مروان و قیل معاویہ۔ ابن العربی فرماتے ہیں کہ معاویہ کی طرف اس کی نسبت غیر موثق طریق سے ہے۔

۱- حدثنا محمد بن كثير. قوله - قال رجل ابن عباس اشهدت العيد مع رسول الله صلى الله

علیہ وسلم قال نعم ولولا من لقی منه ما شهدت من الصغر۔

مضمونِ حید کسی شخص نے حضرت ابن عباسؓ سے سوال کیا کہ کیا حضور صلی اللہ علیہ وسلم کے زمانہ میں آپ حضور کے ساتھ عید گاہ گئے ہیں اور عید کی نماز پڑھی ہے انہوں نے فرمایا کہ ہاں ایسا ہوا ہے اور اگر میرا حضورؐ سے خصوصی تعلق اور رشتہ نہ ہوتا تو شاید میں آپ کے ساتھ بوجہ کس ہونے کے عید گاہ نہ جاسکتا تھا (اس لئے کہ چھوٹے بچے بڑوں کے ساتھ بدون کسی خصوصی قرابت یا تعلق کے ایسے مجامع میں کہاں شریک ہوتے ہیں یہ سب جانتے ہی ہیں کہ حضرت ابن عباسؓ حضور صلی اللہ علیہ وسلم کے چچا کے لڑکے تھے اور اس کے علاوہ علم و فضل و عقل و دانش کے حامل تھے۔

فاتی رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم العلم الذی عند دار کثیر بن الصلت، ابن عباس حضور صلی اللہ علیہ وسلم کے عید گاہ تشریف لیجانے کو بیان کر رہے ہیں اور یہ کہ اس وقت عید گاہ کس جگہ تھی اس کا پتہ بتا رہے ہیں کہ حضورؐ اس میدان میں تشریف لے گئے تھے جس میں ایک خاص قسم کی نشانی اور علامت تھی، اور یہ جگہ کثیر بن الصلت کے مکان کے قریب ہے، مراد یہ ہے کہ اس وقت کثیر بن الصلت کا مکان جس جگہ ہے اس کے قریب عید گاہ تھی، کثیر ابن الصلت کبار تابعین میں سے ہیں، اس روایت سے یہ نہ سمجھا جائے کہ یہ مکان حضور صلی اللہ علیہ وسلم کے زمانہ میں بھی موجود تھا، اس لئے کہ یہ مکان حضورؐ کے وصال کے ایک مدت بعد بنایا پہلے نہیں تھا۔

اس حدیث سے یہ بھی معلوم ہوا کہ حضورؐ کے زمانہ میں جہاں عید گاہ تھی اس کی کوئی خاص علامت اور نشانی بھی تھی کوئی بنا یا ستون مثلاً

واضح رہے کہ یہ روایت متفق علیہ ہے امام بخاری و مسلم دونوں نے اس کی تحریک کی ہے۔

قولہ۔ ولہم یدکرا اذا فاقا ولا اقامۃ، راوی کہتا ہے کہ حضرت ابن عباسؓ نے اس سوال کے جواب میں عید کی نماز کے لئے اذان و اقامت میں سے کسی کا بھی ذکر نہیں کیا، لہذا اس سے معلوم ہوا کہ عید کے لئے اذان و اقامت نہیں تھی

باب التکبیر فی العیدین

تکبیرات عیدین سے متعلق مسائل اربعہ حکم التکبیر، عدد التکبیر، محل التکبیر۔ مسئلہ اولیٰ یہ تکبیرات عیدین حنفیہ و مالکیہ کے یہاں واجب ہیں

امام شافعی و احمد کے نزدیک سنت

مسئلہ ثانیہ۔ اس کے اندر علماء کے دس قول ہیں جن کو حضرت نے بذل الجہود میں ذکر فرمایا ہے ہم یہاں ان میں سے

عرف ائمہ اربعہ کے مذاہب بیان کرتے ہیں، ائمہ ثلاث کے نزدیک رکعت اولیٰ میں سات تکبیرات ہیں اور رکعت ثانیہ میں پانچ، لیکن امام شافعی کے نزدیک پہلی رکعت میں سات تکبیریں تحریمہ کے علاوہ ہیں اور مع تحریمہ کے آٹھ ہیں، اور امام مالک و احمد کے نزدیک سات تکبیریں مع تحریمہ کے ہیں، اور حنفیہ کے نزدیک کل تکبیرات چھ ہیں ہر رکعت میں تین تکبیریں مسئلہ ثالثہ۔ ائمہ ثلاث کے نزدیک محل تکبیر دو رکعت میں قبل القراءت ہے، اور حنفیہ کے نزدیک فرق ہے رکعت اولیٰ میں تکبیرات قبل القراءت ہیں اور رکعت ثانیہ میں قبل الركوع، اس صورت میں موالات بین القراءتین ہو جائیگی اور جمہور کے نزدیک تکبیرات قراءتین کے وسط میں ہو جاتی ہیں، شرح احیاء میں لکھا ہے کہ موالات بین القراءتین اور تکبیر ثلاثا عبد اللہ بن مسعود، ابو موسیٰ اشعری، ابو سعید خدری، براہ بن عازب اور ابو ہریرہ رضی اللہ عنہم سے منقول ہے چنانچہ مصنف عبد الرزاق میں علقمہ اور اسود سے روایت ہے ایک مرتبہ کہ واقعہ ہے عبد اللہ بن مسعود تشریف فرما تھے اور اس وقت ان کے پاس حذیفہ اور ابو موسیٰ اشعری موجود تھے کہ ان حاضرین میں سے سعید بن العاص نے تکبیرات عیدین کے بارے میں سوال کیا، حضرت حذیفہ نے فرمایا اشعری سے سوال کرو اس پر ابو موسیٰ نے فرمایا عبد اللہ بن مسعود سے سوال کرو اس لئے کہ وہ ہم میں سب سے اقدم و اعلم ہیں، ابن مسعود سے سوال کیا گیا تو انھوں نے عدد تکبیرات اور ان کی ترتیب وہی بیان کی جس کے حنفیہ قائل ہیں۔

یہاں ایک مسئلہ اختلافی اور ہے وہ یہ کہ تکبیرات عیدین امام ابو حنیفہ و شافعی و احمدیوں کے نزدیک رفع یدین کے ساتھ ہیں اور امام مالک کی ایک روایت یہ ہے کہ رفع یدین صرف تکبیر تحریمہ میں ہو گا باقی تکبیرات میں نہیں والیہ ذہب ابو یوسف۔

۱- حدیث ثقاتیۃ الخ۔ قولہ۔ عن عائشۃ ان رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کان یکبیر فی الفطر والاضحیٰ فی الاولیٰ سبع تکبیرات و فی الثانیۃ خمساً۔ یہ حدیث عدد تکبیرات میں ائمہ ثلاث کا مستدل ہے، اس کی سند میں ابن اسیم اعرازی ہے جو متکلم فیہ ہے، اور واقعہ یہ ہے کہ حسیا کہ امام احمد سے منقول ہے کہ تکبیرات عید کے سلسلہ میں کوئی بھی حدیث صحیح و قوی نہیں ہے۔

۲- حدیثنا محمد بن العلاء الخ۔ قولہ۔ فقال ابو موسیٰ کان یکبیر اربعاً تکبیرہ علی الجنائز۔ ابو موسیٰ اشعری کی یہ حدیث جس کی تصدیق حضرت حذیفہ نے بھی کی ہے حنفیہ کی دلیل ہے ان کے نزدیک پہلی رکعت میں مع تکبیر تحریمہ چار تکبیرات ہیں، اسی طرح دوسری میں مع تکبیر رکوع چار ہیں۔

دلیل حنفیہ پر شافعیہ کا نقد | اس پر شافعیہ وغیرہ نے یہ کلام کیا ہے کہ اسکی سند میں ایک راوی ابو عاصمہ ہے جو مجہول ہے، نیز عبد الرحمن بن ثوبان یہ ضعیف ہے، جواب اس کا یہ دیا گیا ہے کہ عبد الرحمن بن ثوبان کی جرح متفق علیہ نہیں ہے بلکہ بہت سے علمائے ان کی توثیق کی ہے، بذل میں اس پر تفصیلی کلام ہے

ایسے ہی لکھا ہے کہ ابو عائشہ سے روایت کرنے والے یہاں سند میں مکمل ہیں اور ان کی متابعت کی ہے خالد بن معدان نے جیسا کہ تہذیب التہذیب وغیرہ کتب رجال میں موجود ہے۔

علامہ زیلعی فرماتے ہیں مسکت عنہ ابو داؤد شمس البندری ورواۃ احمد فی مسندہ۔

بَاب مَا يَقْرَأُ فِي الْأَضْحَى وَالْفِطْرِ

حدیث الباب میں یہ ہے کہ ایک مرتبہ حضرت عمر نے ابو واقد لیشی سے سوال فرمایا کہ آپ صلی اللہ علیہ وسلم عیدین کی نماز میں کیا پڑھتے تھے انھوں نے کہا کہ سورۃ قاف اور سورۃ قمر پڑھتے تھے اور اس سے پہلے ابواب الجعد میں نعمان ابن بشیر کی حدیث سے گزر چکا کہ آپ عیدین اور جمعہ میں ستر اسم ربک الاعلیٰ اور هل اتاک حدیث الغاشیہ پڑھا کرتے تھے، یعنی کبھی وہ پڑھتے تھے اور کبھی یہ۔

بَاب الْجُلُوسِ لِلْخُطْبَةِ

قولہ۔ قَالَ اَنَا نَخْطُبُ فَمَنْ احْتَبَا انْ يَجْلِسَ لِلْخُطْبَةِ فَلْيَجْلِسْ وَمَنْ احْتَبَا انْ يَذْهَبَ فَلْيَذْهَبْ۔ بذل الجہود میں لکھا ہے اس سے معلوم ہوا کہ استماع خطبہ کے لئے بیٹھنا واجب نہیں انتہی کلام، لیکن اگر بیٹھے تو انصات اور سکوت اس کے لئے لازم ہے۔

قال ابو داؤد هَذَا مَرْسَلٌ، یعنی صحیح یہ ہے کہ یہ حدیث مرسل عطا ہے صحابی یعنی عبداللہ بن السائب کا ذکر یہاں سند میں صحیح نہیں، کسی راوی نے صحابی کا نام غلطی سے بڑھا کر اس حدیث کو مسند بنا دیا حالانکہ دراصل یہ روایت مرسل تھی۔

بَابُ الْخُرُوجِ إِلَى الْعِيدِ فِي طَرِيقٍ وَيَرْجِعُ فِي طَرِيقٍ

حدیث الباب میں ہے ابن عمرؓ فرماتے ہیں کہ آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے عید گاہ جانے کے لئے ایک راستہ اختیار کیا اور واپسی کے لئے دوسرا راستہ، فقہاء نے بھی اس اختلاف طریق کو مستحب لکھا ہے، اس کی علما نے بہت سی حکمتیں لکھی ہیں، حافظ ابن حجرؒ فرماتے ہیں کہ بیس سے زائد یہ سامنے حکم جمع ہو چکی ہیں مثلاً۔ ۱۔ شہادۃ الطریقین و سکاہما من الشغلین، یعنی تاکہ بروز قیامت دونوں راستے اس شخص کے حق میں گواہی دیں ایسے ہی دونوں جگہوں کے ساکنین جن والنس ۲۔ اسلام کی شان و شوکت کا اظہار ۳۔ حصول البرکۃ للطریقین۔

بَابُ ذَا الْمَخْرَجِ الْإِمَامَ لِلْعِيدِ مِنْ يَوْمِهِ يَخْرُجُ مِنَ الْغَدِ

یعنی عید کی نماز اگر کسی وجہ سے عید کے دن نہ پڑھی جاسکی تو اگلے روز اس کی قضا کی جائے گی۔

۱۔ حَدَّثَنَا حَفْصُ بْنُ عَمْرٍو، قَوْلَهُ: إِنْ رَكِبْنَا جَاؤَا إِلَى النَّبِيِّ صَلَّى اللَّهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ يَشْهَدُونَ أَنَّهُمْ

رَأَوْا الْهَيْلَالَ بِالْأَمْسِ فَأَمَرَهُمْ أَنْ يَغْطُرُوا وَإِذَا أَصْبَحُوا أَنْ يَخْرُجُوا إِلَى مَصْلَاهُمْ، يَعْنِي أَيْكَ قَائِلَهُ أَوْ جَمَاعَتَهُ
 آپ صلی اللہ علیہ وسلم کی خدمت میں آئی مدینہ کے باہر سے اور انہوں نے اگر یہ شہادت دی کہ انہوں نے گزشتہ کل اتنیس
 تاریخ کو ہلال عید دیکھا تھا آپ نے ان کی شہادت قبول فرماتے ہوئے لوگوں کو روزہ افطار کرنے کا حکم دیدیا اور
 یہ کہ اگلے روز عید گاہ نماز کے لئے پہنچیں۔

مسئلہ الباب میں مذاہب ائمہ | اس سے معلوم ہوا کہ عید کی نماز کی قضا ہے اگر امام اور قوم سب کی فوت ہو جائے
 عید الفطر کی صرف اگلے روز تک اور عید الاضحیٰ کی یوم النحر کے آخری دن تک حنفیہ کا

مذہب یہی ہے جیسا کہ ہدایہ میں لکھا ہے اور بذل میں بھی، لیکن حضرت شیخ نے حاشیہ بذل میں لکھا ہے کہ امام طحاوی نے عید
 کی نماز کی قضا صرف امام ابو یوسف کا مذہب نقل کیا ہے، اور امام صاحب کی طرف یہ منسوب کیا ہے کہ وہ قضا کے قائل
 نہیں ہیں، علامہ شوکانی نے امام احمد، امام ابو حنیفہ و صاحبین کا مذہب مشروعیت قضا لکھا ہے، اور ملا علی قاری نے
 امام شافعی کے اس میں دو قول ذکر کئے ہیں لیکن روضۃ المتعین ص ۲۲۷ میں لکھا ہے یُسْتَقْرَأُ قَضَاءُ هَذَا الْخُرُوجِ وَقَتَهَا
 اور علامہ شعرائی نے امام مالک کا مذہب عدم قضا لکھا ہے اور یہی انوار ساطعہ سے بھی معلوم ہوتا ہے، خلاصہ یہ کہ ائمہ
 ثلاثہ کے نزدیک قضا ہے اور مالکیہ کے یہاں نہیں۔

یہاں پر ایک مسئلہ اور ہے جس کے لئے امام بخاری نے ترجمہ قائم کیا ہے باب إِذَا فُتِيَ الْعِيدُ بِصَلَاةٍ رَكْعَتَيْنِ، کہ
 اگر کسی شہر میں عید کی نماز ہو چکی ہو اور ایک شخص اس میں شریک نہیں ہو سکا تو اس شخص کے حق میں بھی قضا ہے یا نہیں،
 حضرت شیخ نے تراجم بخاری مسئلہ میں لکھا ہے کہ مالکیہ کی اس میں چار روایات ہیں راجح یہ ہے کہ ایسے شخص کے لئے قضا عید
 مستحب ہے منفرداً لا جماعۃً ایسے ہی شافعیہ کے نزدیک بھی مشروع ہے منفرداً، وعند الخليل لا يستحب قضا بها لو لم يأتها قبل الزوال
 وبعده علی صفتها اور حنفیہ کا مسلک در مختار میں یہ لکھا ہے ولا يصليها وحده ان فاتت مع الامام۔

۲۔ حَدَّثَنَا حَمُوزَةُ بْنُ نَصْرٍ، قَوْلَهُ: كُنْتُ أَغْدُو مَعَ أَصْحَابِ رَسُولِ اللَّهِ صَلَّى اللَّهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ

إِلَى الْمَسْجِدِ، أَيْكَ مَحَابِلِ بَكْرٍ مَبْشَرٌ فَرَمَاتِي هِيَ كَمْ عِيدٌ غَاةٌ جَاتِي تَحْتَهُ بَطْنُ بَطْمَانَ كَرَّاسَةٍ (بَطْمَانَ أَيْكَ وَادِي كَا
 نام ہے) اور پھر اسی راستے سے لوٹتے تھے، اس سے معلوم ہوا کہ تبدیل طریق ضروری نہیں ہے صرف سنت یا مستحب ہے۔

اس حدیث کو ترجمہ الباب سے کوئی مناسبت نہیں بلکہ ترجمہ سابقہ کے مناسب ہے، لہذا اس حدیث کو یہاں ذکر کرنا بظاہر ناخین کا تصرف ہے۔

باب لصلاة بعد صلاة العيد

عید کے روز عید کی نماز سے پہلے یا بعد میں نفل نماز پڑھنا خفیہ کے یہاں مکروہ ہے امام اور غیر امام سب کیلئے۔ قبل العید تو مطلقاً اور بعد صلوة العید صرف مصلیٰ میں گھر پر پڑھ سکتا ہے ابن ماجہ کی حدیث میں ہے کہ آپ صلی اللہ علیہ وسلم بعد العید گھر میں رکعتیں پڑھتے تھے، اور امام شافعیؒ کے نزدیک کراہت صرف امام کے حق میں ہے مطلقاً اور مقتدی کے لئے مطلقاً جائز ہے، اور امام مالکؒ فرماتے ہیں امام کے حق میں تو کراہت مطلقاً ہے اور مقتدی کے حق میں کراہت اس وقت ہے جب نماز عید مصلیٰ میں ہو اور اگر مسجد میں ہو کسی عذر بارش وغیرہ کی وجہ سے تو پھر مقتدی کے حق میں مکروہ نہیں (المنہل وغیرہ) اور حنابلہ کا مذہب مغنی وغیرہ میں یہ لکھا ہے کہ کراہت خاص موضع صلوة کیساتھ ہے خواہ وہ مصلیٰ ہو یا مسجد اس کے علاوہ دوسری جگہ مطلقاً جائز ہے۔

قوله۔ خرج رسول الله صلى الله عليه وسلم يوم فطر فصلى ركعتين لم يصل قبلها ولا بعدها، مذاہب ائمہ کی تفصیل ترجمہ الباب کے تحت گذر چکی، یہ حدیث امام شافعی کے مسلک کے عین مطابق ہے کیونکہ اس حدیث کا تعلق امام سے ہے آپ صلی اللہ علیہ وسلم امام تھے آپ نے عید سے قبل یا بعد نفل نماز نہیں پڑھی اور یہی شافعیہ کہتے ہیں کہ کراہت صرف امام کے لئے ہے مالکیہ بھی یہی کہتے ہیں کہ کراہت امام کے لئے ہے اور مقتدی کے حق میں ان کے یہاں تفصیل ہے۔

قوله۔ تلقى خروصها، كان في بالي، وسخا بها، لگے کا بار۔

باب يصلي بالناس في المسجد اذا كان يوم مطر

اصل یہ ہے کہ عید کی نماز محراب یعنی عید گاہ میں پڑھی جائے الا عذر مثل المطر۔ چنانچہ حدیث الباب میں ہے کہ ایک مرتبہ مدینہ منورہ میں عید کے روز بارش ہو رہی تھی جس کی وجہ سے آپ نے نماز بجائے عید گاہ کے مسجد میں ادا فرمائی، جہور علماء ائمہ ثلاثہ کا مذہب بھی یہی ہے، اس میں امام شافعی کا اختلاف ہے وہ فرماتے ہیں کہ عید میں بھی اصل یہی ہے کہ اس کو مسجد میں ادا کیا جائے، اگر سب لوگ مسجد میں سما سکتے ہوں وہ فرماتے ہیں کہ حضور صلی اللہ علیہ وسلم کا عید کی نماز کے لئے خروج الی الصلٰی ضیق مسجد کی وجہ سے تھا۔

جماع ابواب صلوٰۃ الاستسقاء وتفریعہا

ضمیر ابواب کی طرف راجع ہے اسی تفریع ابواب صلوٰۃ الاستسقاء، لفظ جماع بروزن کتاب و بروزن رمان دونوں طرح صحیح ہے بمعنی جامع یا مجموع، یہ لفظ اس سے پہلے ابواب الامامة میں بھی آچکا یعنی ابواب الاستسقاء کی تفصیل کا مجموعہ یا جامع بیان۔ شروع میں بطور تمہید چند باتوں کا جاننا ضروری اور حدیث الباب کو سمجھنے کے لئے مفید ہے۔ بحث اول۔ استسقاء کی لغوی تحقیق، استسقاء سقیا سے ماخوذ ہے یعنی بارش، اور استسقاء کے معنی ہونے طلب السقیا، اللہ تعالیٰ سے بارش طلب کرنا۔

ثانی۔ اس کی مشروعیت عامہ میں ہوئی۔

ثالث۔ صلوٰۃ استسقاء اس امت کے خصائص میں سے ہے۔

رابع۔ جمہور علماء ائمہ ثلاث اور صاحبین کے نزدیک استسقاء کے لئے نماز باجماعت مشروع و سنون ہے اور امام اعظم ابو حنیفہ کے نزدیک اس کی حقیقت دعاء و استغفار ہے ان کے نزدیک استسقاء کے لئے نماز باجماعت سنون یا مشروع نہیں (قولان) لوگ اگر تہاہدون جماعت نماز پڑھیں تو کچھ مضائقہ نہیں، اس پر کلام باب کی پہلی حدیث کے ذیل میں آ رہا ہے۔

خامس۔ صلوٰۃ استسقاء میں سب علماء کے نزدیک خطبہ سنون ہے سوائے امام صاحب کے کیونکہ وہ نماز باجماعت ہی کے قائل نہیں، لیکن خطبہ زمین پر ہو گا منبر پر نہیں۔

سادس۔ خطبہ کے دوران تحویل رد دار امام کے لئے ائمہ ثلاث اور امام محمد کے نزدیک سنت ہے امام صاحب کے نزدیک سنت نہیں لعدم الخطبة والصلوٰۃ بجماعة اور امام ابو یوسف سے روایت مختلف ہے۔

سابع۔ اس نماز میں امام احمد اور شافعی کے نزدیک تکبیرات زوائد مشروع ہیں عید کی نماز کی طرح، یہی ایک روایت امام محمد سے ہے اور امام مالک و ابو یوسف کے نزدیک اس میں تکبیرات زوائد نہیں ہیں،

ثامن۔ استسقاء کی نماز کا وقت جمہور کے نزدیک وہی ہے جو عید کا ہے اور ایک روایت میں امام شافعی سے یہ ہے کہ مطلقاً جس وقت چاہیں پڑھ سکتے ہیں۔

۱۔ حدثنا احمد بن محمد الخ۔ قوله۔ عن عباد بن تیمم عن عتمة ان رسول الله صلى الله عليه وسلم

خرج بالناس يستسقي فصلى بهم ركعتين جهر بالعقراء فيهما الخ۔ یہ حدیث علم عباد کی ہے جن کا نام عبد اللہ بن زید بن عامر ہے۔

روایات الباب کا جائزہ اور استقار کیلئے نماز کا ثبوت

اس باب میں مصنف نے صرف دو حدیثیں ذکر کی ہیں ایک ان کی دوسری حضرت ابن عباس کی پہلی حدیث کو متعدد طرق سے اور دوسری کو صرف ایک طریق سے ذکر کیا ہے اور اس کے بعد آنے والے باب میں مصنف نے متعدد روایات ذکر

کی ہیں مختلف صحابہ سے لیکن ان میں سے اکثر میں صلوٰۃ کا ذکر نہیں بلکہ صرف دعاء کا ہے، صرف ایک روایت حضرت عائشہؓ کی ایسی ذکر کی ہے جس میں نماز مذکور ہے لیکن مصنف نے اس پر غرابت کا حکم لکھا ہے جیسا کہ وہاں اُسے گا تو گویا سن ابی داؤد میں دسیوں روایات میں سے صرف تین میں نماز کا ذکر ہے، عبد اللہ بن زید بن عاصم، ابن عباسؓ، عائشہؓ۔

امام بخاریؒ نے استقار کے لئے متعدد تراجم والو اب قائم کئے ہیں جن میں متعدد حدیثیں ذکر کی ہیں، لیکن ان میں سے نماز کا ذکر صرف عبد اللہ بن زید بن عاصم کے بعض طرق میں ہے اور یہی حال مسلم شریف کا بھی ہے، حاکم ابن القیم نے زاد المعاد میں اور شیخ عبدالحی محدث دہلوی نے سیر السعاده کی شرح میں تحریر فرمایا ہے کہ آپ صلی اللہ علیہ وسلم سے استقار (بارش کی دعاء) چھ مرتبہ ثابت ہے اور ان چھ میں سے صرف ایک مرتبہ میں نماز کا ثبوت ملتا ہے، اسلئے امام صاحب فرماتے ہیں کہ استقار کی حقیقت دعاء واستغفار ہے کہ قال اللہ تعالیٰ، اَسْتَغْفِرُكَ وَارْتَبِكُمْ اِنَّهٗ كَانَ غَفَّارًا يُرْسِلُ السَّمَاءَ عَلَیْكُمْ مِدْرَارًا، آیت کریمہ میں نزول مطر کو استغفار پر مرتب کیا گیا ہے، ہدایہ میں امام صاحب سے نقل کیا ہے انھوں نے فرمایا کہ حضور صلی اللہ علیہ وسلم سے استقار منقول ہے لیکن اس میں صلوٰۃ منقول نہیں، اس پر علامہ زیلیعی نے نصب الرایہ میں اعتراض کیا کہ ثبوت صلوٰۃ کا انکار صحیح نہیں، اس کا جواب شیخ ابن الہمام نے دیا کہ صاحب ہدایہ کی مراد مطلقاً نفی نہیں ہے بلکہ جس استقار کا وہ ذکر کر رہے ہیں خاص اس استقار میں نماز کی نفی مقصود ہے چنانچہ ایک دوسرے کے بعد صاحب ہدایہ خود فرماتے ہیں فَعَلَّكَ مَوْءِدَةً وَتَرَكَهُ اُخْرٰی۔

حاصل یہ کہ استقار حضور صلی اللہ علیہ وسلم سے بکثرت منقول ہے لیکن اس میں نماز کا ثبوت صرف ایک مرتبہ میں ہے تو پھر نماز کو سنت کیسے کہہ سکتے ہیں اس لئے کہ سنون آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کے دائمی معمول یا کم از کم معمول اکثری کو کہتے ہیں اور یہاں ایسا نہیں ہے، اسی طرح ایک روایت میں ہے کہ حضرت عمرؓ کے زمانہ میں ایک مرتبہ قحط سالی ہوئی تو وہ حضور صلی اللہ علیہ وسلم کے عم محترم حضرت عباسؓ کو اپنے ساتھ مصلیٰ میں لے گئے ان کو تو ممبر پر بٹا دیا اور خود برابر میں بچے کھڑے ہو گئے اور ان کے وسیلہ سے دعاء مانگنے لگے اللھم اِنَّا نَتَوَسَّلُ اِلَیْكَ بِعَمِّ نَبِیِّكَ اور دیر تک دعاء مانگتے رہے ممبر پر اترنے نہیں پائے تھے کہ بارش شروع ہو گئی، حدیث الباب میں ہے وَجِہًا بِالصَّوَاعَةِ اَکْبَرُ اَرْبَعَةِ کَی یہی مذہب ہے کہ استقار کی نماز میں قرأت جہراً ہوگی۔

۲۔ حَدَّثَنَا ابْنُ السَّرْحِ الْخَزَنَدَرُ۔ قَوْلُهُ۔ اِنَّہٗ سَمِعَ عَلَّہُ اَنْ کَانَ مَعَ عَبْدِ اللّٰہِ بْنِ زَیْدِ بْنِ عَاصِمٍ ہے کہ تقدم امام بخاریؒ فرماتے ہیں سفیان بن عیینہ کو یہاں پر وہم ہوا کہ یہ عبد اللہ بن زید صاحب اذان ہیں یعنی عبد اللہ بن زید بن عبد ربہ

حالانکہ ایسا نہیں ہے۔

۳۔ حَدَّثَنَا مُحَمَّدُ بْنُ عَوْفٍ الْإِمَامُ - قَوْلُهُ - وَتَحَوَّلَ رَدَائِشُهُ وَجَعَلَ عَطْفَهُ الْإِيْمَنَ عَلَى عَاتِقِهِ الْإِيْسَرُ وَجَعَلَ عَطْفَهُ الْإِيْسَرُ عَلَى عَاتِقِهِ الْإِيْمَنَ، عَطْفٌ چادر کو کہتے ہیں یہاں مراد اس کا ایک سر ہے۔
تحويل ردار کا طریقہ مطلب یہ ہے کہ تحويل ردار آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے اس طور پر کی کہ ایں کو ایسر اور ایسر کو ایں یعنی چادر کا جو سر دائیں مونڈھے پر تھا اس کو بائیں پر کر لیا اور جو بائیں مونڈھے پر تھا اس کو دائیں پر کر لیا بذل میں لکھا ہے کہ یہ اس وقت ہے جبکہ چادر مدور ہو اور اگر مربع ہو تو اعلیٰ کو اسفل اور اسفل کو اعلیٰ کریں گے، اور اگر قبا ہو تو اس کو پلٹ دے بطانہ کو نظارہ کرے اور ظہارہ کو بطانہ یعنی اندر کا حصہ باہر اور باہر کا حصہ اندر۔

قَوْلُهُ - فَلَمَّا ثَقُلَتْ قَلْبُهَا عَلَى عَاتِقَتِهِ - یعنی آپ صلی اللہ علیہ وسلم اپنی چادر کی تحويل شروع میں اس طور پر کرنا چاہتے تھے کہ اعلیٰ کو اسفل اور اسفل کو اعلیٰ کر دیں مگر یہ ہونہ سکا اس میں دشواری ہوئی تو پھر آپ نے تحويل ردار کی دوسری صورت اختیار فرمائی چادر کے ایں کو ایسر اور ایسر کو ایں کر دیا۔

۴۔ حَدَّثَنَا عَبْدُ اللَّهِ بْنُ مَسْلَمَةَ الْإِمَامُ - قَوْلُهُ - عَنْ عَبْدِ بْنِ تَعِيمٍ أَنَّ عَبْدَ اللَّهِ بْنَ زَيْدٍ - اس روایت میں عم عباد کے نام کی تصریح مذکور ہے گذشتہ روایت میں نام کی تصریح نہیں تھی۔ وَاسْتَبَقَ لَهَا ارَادَانِ يَدِ عَوَا سَتَقْبَلُ الْقِبْلَةَ ثُمَّ تَحَوَّلَ رَدَائِشُهُ۔

اس حدیث سے معلوم ہو رہا ہے کہ تحويل ردار آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے استقبال قبلہ کے بعد فرمائی حالانکہ خفیہ کے یہاں تحويل ردار مقدم ہے استقبال قبلہ پر کیونکہ ان کے یہاں صلوٰۃ استسقاء کا طریقہ یہ ہے کہ اولاً دو رکعت نماز پڑھی جائے نماز سے فارغ ہونے کے بعد امام لوگوں کو خطبہ دے اور اثنائے خطبہ میں تحويل ردار کرے اور پھر خطبہ پورا ہونے کے بعد امام مستقبل قبلہ کھڑا ہو کر دعا مانگے، لہذا اس حدیث کی توجیہ یہ کی جائے کہ لفظ ثم کو یہاں واؤ کے معنی میں لیا جائے تاکہ مخالفت ترتیب کا اشکال رفع ہو جائے، اور شافعیہ کے یہاں صلوٰۃ استسقاء کا طریقہ یہ ہے کہ کما فی الانوار الساطعہ کہ اولاً دو رکعت نماز پڑھی جائے نماز کے بعد امام دو خطبے لوگوں کو دے خطبہ اولیٰ میں دعا استسقاء کرے اور پھر خطبہ ثانیہ کے اثنائے استقبال قبلہ اور تحويل ردار کرے اور اپنے خطبہ کو پورا کر کے فارغ ہو جائے، اس کیفیت مذکورہ کا مقتضی یہ ہے کہ اس حدیث کو شافعیہ کے بھی خلاف کہا جائے کیونکہ اس حدیث میں دعا استسقاء استقبال قبلہ کے بعد ہے حالانکہ شافعیہ کے یہاں دعا استسقاء خطبہ اولیٰ ہی میں ہو جاتی ہے۔

۵۔ حَدَّثَنَا النَّفِیْسِيُّ الْإِمَامُ - قَوْلُهُ - خَرَجَ رَسُولُ اللَّهِ صَلَّى اللَّهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ مُتَبَذِّلًا الْإِمَامُ - آپ صلی اللہ علیہ وسلم

ثیابِ بدلہ یعنی بہت معمولی اسادے لباس میں نکلے، زاد عثمان حنفی علی المسند، مصنف کے دو اساتذہیں انیس سے ایک نے یہ زیادتی ذکر کی اور دوسرے، استاذ فغلی کی روایت میں یہ زیادتی نہیں، اس سے اگلے باب میں حدیث عائشہؓ میں بھی منبر کا ذکر ہے لیکن محدثین کا اس میں کلام ہے، چنانچہ اس آنیوالی حدیث عائشہ کے بارے میں مصنف نے فرمایا،
ہذا حدیث غریب اسی طرح حافظ ابن القیم نے بھی زاد المعاد میں ذکر منبر کے ثبوت میں تردد کا اظہار کیا ہے فرماتے ہیں فی القلب منہ مثنیٰ، نیز بخاری شریف کی ایک روایت میں ہے ایک مرتبہ عبداللہ بن یزید انصاری نے بہت سے صحابہ کی موجودگی میں صلوٰۃ استسقاء پڑھائی روایت کے الفاظ یہ ہیں فاستسقی فقام لہم علی رطبیلہ علی غیر منبر۔ اسی طرح روایات میں تصریح ہے اس بات کی کہ عید کی نماز کے لئے اخراج منبر نہیں ہوتا تھا بلکہ اس میں خطبہ زمین پر رکھ کر ہو کر ہوتا تھا اس لئے شرح نے لکھا ہے کہ اگر عید میں منبر نہیں ہوتا تھا تو استسقاء میں بطریق اولیٰ نہیں ہونا چاہیے، کیونکہ اس میں تو اظہارِ تواضع و مسکنت زائد ہوتا ہے، فلم یخطب خطبکم ہذا، جمہور علماء چونکہ استسقاء میں خطبہ کے قائل ہیں اس لئے وہ کہتے ہیں کہ اس روایت میں نفی نفس خطبہ کی نہیں بلکہ نفی کا تعلق قید سے ہے نہ کہ مقید سے، یعنی جیسے خطبہ تم لوگ دیتے ہو آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے ایسا خطبہ نہیں دیا، اور امام صاحب چونکہ اس میں خطبہ کے قائل نہیں لہذا ان کی طرف سے کہا جائے گا کہ اصل خطبہ ہی کی نفی ہے چنانچہ اگلے کلام سے اس کی تائید ہوتی ہے،
ولکن لہم یزل فی الدعاء والتمسرع۔

بَابُ رَفْعِ الْيَدَيْنِ فِي الْاسْتِسْقَاءِ

یعنی صلوٰۃ الاستسقاء کے بعد پہلے خطبہ ہوتا ہے خطبہ پورا ہونے کے بعد امام کو پانی سے قائل ہاتھ اٹھا کر مستقبل قبلہ دعار کرے یہ تو حنفیہ کے یہاں ہے اور شافعیہ کے نزدیک دعار تو رفع یدین ہی کے ساتھ ہوگی، لیکن خطبہ اولیٰ میں مستقبل الی الناس ہوگی وقد تقدم تفصیل۔

۱۔ حدیث امجد بن سلمۃ المرادی۔ قوله۔ عن عیین مولیٰ بنی ابی اللحم، ابی اللحم ایک مشہور

محبابی میں جنگ احد میں شہید ہوئے، ان کے نام میں اختلاف ہے، کئی قول ہیں جو بذل میں مذکور ہیں ایک قول یہ ہے کہ ان کا نام عبداللہ بن عبداللہ ہے، آبی اللہم ان کو اس لئے کہتے ہیں کہ یہ گوشت نہیں کھاتے نئے آبی اسم فاعل کا صیغہ ہے انکار کرنے والا، اور بعض کہتے ہیں کہ یہ اسلام لانے سے پہلے حالت کفر میں بھی جو حیوان غیر اللہ یعنی اصنام کے نام پر ذبح کئے جاتے تھے ان کو نہیں کھاتے تھے، یہاں پر راوی غیر ہیں یہ بھی محبابی ہیں اور آبی اللہم کے آزاد کردہ غلام ہیں اسی لئے ان کو مولیٰ آبی اللہم کہتے ہیں اور یہاں روایت میں مولیٰ بنی آبی اللہم مذکور ہے یہ بعد کے اعتبار سے ہے اصل یہ مولیٰ آبی اللہم کے ہیں لیکن ظاہر ہے کہ آبی اللہم کی وفات کے بعد ان کے بیٹوں کے مولیٰ کہلائیں گے (بذل)

قوله۔ لا یجاوز برهما رأسه۔ آئندہ آنیوالی روایت سے معلوم ہوتا ہے کہ آپ صلی اللہ علیہ وسلم استسقاء کے علاوہ کسی اور موقع پر دعا میں رفع یدین نہیں کرتے تھے، علماء نے اس کی تاویل یہ کی ہے مراد یہ ہے کہ جس مبالغہ کے ساتھ رفع یدین آپ صلوٰۃ استسقاء میں کرتے تھے ایسا کسی دوسرے موقع پر نہیں کرتے تھے، اور یہاں اس حدیث میں یہ ہے کہ آپ استسقاء میں دعا کی وقت ہاتھوں کو سر سے اونچا نہیں کرتے تھے، معلوم ہوا کہ سر کے برابر رکھتے تھے ظاہر ہے کہ اس میں بھی مبالغہ فی الرفع ہے، فلا تعارض بینہما قالوا فی تاویل الحدیث۔

۲۔ حدثنا ابن ابی شلفہ الخ۔ قوله۔ انت النبی صلی اللہ علیہ وسلم بواکی۔

شرح جیشد بواکی ہاکیۃ کی جمع ہے یعنی نفوس ہاکیہ، بعض رونے والے مرد یا مراد لہذا ہاکیات ہیں یعنی کچھ عورتیں اور بچے روتے ہوئے آپ کی خدمت میں آئے (قطع سالی سے پریشان ہو کر) اور بعض سنوں میں اس طرح ہے رایت النبی صلی اللہ علیہ وسلم یوکی، صیغہ مضارع کے ساتھ یعنی یعتجد۔ مراد ہاتھ اٹھا کر دعا مانگنا ہے۔

اللہم استقنا، یہ مجر د میں باب ضرب سے آتا ہے، یہاں مجر د سے بھی ہو سکتا ہے اور باب انفال سے ہمزہ قطعی کے ساتھ بھی احتمال ہے یا اللہ ہمیں ایسی بارش عطا فرما جو ہمارے لئے معین اور فریاد رس ثابت ہو، مریثا، خوشگوار نیک انجام، مریثا، اس کو فتح یم اور ضم یم دونوں کے ساتھ پڑھا گیا ہے یعنی سبزہ اگانے والی، مراعت سے ماخوذ ہے جس کے معنی سبزہ کے ہیں، فتح کی صورت میں مجر د سے ہوگا مریثا مراعت سبزہ زار ہونا اور ضمہ کی صورت میں باب انفال سے اَرَاغَ یُرِیغَ اَرَاغَ نیز کیا گیا ہے کہ یہ لفظ مریثا ہا موصدہ کے ساتھ ہے اس صورت میں یہ ماخوذ ہوگا ریس سے فاطمقت علیہم السماء فوراً مدینہ والوں پر ہادل چھا گیا۔

۳۔ قوله۔ کای لا یرفع یدیدہ الذی الاستسقاء، یہ نفی یا تو وہ اپنے علم کے اعتبار سے کر رہے ہیں ورنہ رفع یدین کیساتھ آپ صلی اللہ علیہ وسلم کا دعا مانگنا دوسرے مواقع پر بھی ثابت ہے، اور بایہ کہا جائے کہ نفس رفع کی نفی مقصود نہیں بلکہ مبالغہ فی الرفع کی نفی مراد ہے اس پر کلام پہلے گذر چکا۔

۴۔ قوله۔ وجعل بطونہما معایلی الارض، یعنی دعا کی وقت ہاتھوں کو پٹ لیا تفاؤلاً قلب حال کی طرف اشارہ کے لئے، شافعیہ کی کتابوں میں بھی یہی لکھا ہے کہ دعا کے لئے ہاتھ پٹ کر اٹھائے جائیں تو اس صورت میں یہ تحویل ردا کے لئے

لہ دعا استسقاء ایک تویسہ اللہم استقنا غیثاً مریثاً مریثاً نافعاً طیباً عاجلاً غیو آجل۔ دوسری دعا آگے آ رہی ہے اللہم استق ہادک وبہا شک وانشر رحمتک وانھی بکذلک البیت ۱۲۔

کے قبیل سے ہوا جیسا اور بعض شراح کی رائے یہ ہے کہ یہ حدیث اپنے ظاہر پر نہیں ہے ہاتھوں کا پلٹنا مراد نہیں ہے بلکہ راوی کی غرض مباہلہ فی الریح کو بیان کرنا ہے کہ آپ صلی اللہ علیہ وسلم دھار میں ہاتھوں کو اتنا بلند کرتے چلے گئے کہ سر کی طرف جھکانے کی وجہ سے کہیں کی پشت آسمان کی طرف ہو گئی۔

۵۔ حدیثنا ہارون بن سعید ۱۰۔ قولہ۔ فامر بسبب موضعہ فی المصنئ، اس پر کلام ہمارے یہاں پہلے

آچکا، قولہ۔ انکم شکوتم جہد دیا رکم واستیقار المطوعین ابان زمانہ عنکم، تم نے مجھ سے خشک سالی اور قحط سالی کی شکایت کی اور بارش کے مؤخر ہو جانے کی اس کے اول وقت سے یعنی جس وقت بارش ہونی چاہیے تھی اس وقت نہیں ہوئی اور مؤخر ہوتی جا رہی ہے، قولہ۔ ثم اقبل علی الناس ونزل فصلی رکعتین۔

فی الیث تقدیم الخطبۃ علی الصلوۃ اس حدیث میں نماز کا ذکر خطبہ کے بعد ہے اور خطبہ مقدم ہے جو تمام روایات اور مذاہب کے خلاف ہے، جواب یہ ہے کہ یہ حدیث غریب ہے کما سیاقی قربانی المتن، نیز اس حدیث میں اخراج منبر بھی مذکور ہے حالانکہ وہ بھی ثابت نہیں جیسا کہ پہلے گذر چکا۔
۶۔ حدیثنا مسدد ۱۰ یہ وہ حدیث ہے جو بخاری و مسلم میں بھی ہے۔

مضمون حدیث | ایک مرتبہ آپ صلی اللہ علیہ وسلم خطبہ جمعہ دے رہے تھے اس وقت ایک شخص نے آپ کی خدمت میں قحط سالی کی شکایت کی تو آپ نے اسی وقت اٹھ کر خطبہ میں دھار کے لئے ہاتھ اٹھائے، اسی لئے امام بخاری نے اس پر ترجمہ قائم کیا ہے باب الاستسقاء فی خطبۃ الجمعۃ، اور پھر ہاتھ کے ہاتھ موسلا دھار بارش شروع ہو گئی اور اگلے جمعہ تک مسلسل ہوتی رہی، اگلے جمعہ میں اسی طرح خطبہ کے دوران اسی شخص نے یا کسی دوسرے نے بارش کی کثرت کی شکایت کی اس پر آپ صلی اللہ علیہ وسلم مسکرائے لوگوں کی حالت کے سرعت انقلاب پر کہ پہلے بارش نہ ہونے سے پریشان تھے اب اس کی کثرت سے گھبرا رہے ہیں، وان السماء لمثل الزجاجة، یعنی آسمان پہلے سے بالکل ایسا مان تھا جیسے شیشہ ہوتا ہے نام کو بادل نہیں تھا چنانچہ فوراً ہوا چلی اور اس نے بادلوں کو نمودار کیا بہت سے بادل جمع ہو گئے ثم ارسلت السماء عزالیہا بس پھر کیا تھا! پھر تو آسمان نے اپنے دہانے کھول دیئے، عزالی عزلا کی جمع ہے شکیں کے دہانے کو کہتے ہیں قولہ۔ ثم قال حوالینا ولا علینا یہ آپ صلی اللہ علیہ وسلم کا کمال ادب ہے اور نعمت بارش کی پوری پوری قدر دانی، آپ نے یہ نہیں فرمایا اللہم اجس المطر عنا کہ ہم سے بارش کو روک لے اس میں اللہ کی نعمت سے اکتانایا جاتا ہے، اور ایک نعمت کی ناقدری ہے اس لئے یہ فرمایا یا اللہ اس بارش کے رخ کو بدل دے جہاں اس کی ضرورت ہو وہاں اس کو مستقل فرما دے ہم اس نعمت سے شکم سیر ہو گئے۔

قولہ۔ فظنرت انی السحاب یتصدع حول المدیۃ کا نہ اھلیل، راوی کہتے ہیں کہ آپ صلی اللہ علیہ وسلم کی دھار کے بعد سارے بادل مدینہ کی آبادی سے سٹ کر اس کے چاروں طرف اوپر نیچے اس طرح جمع ہو گئے جس سے

ایسی شکل بن گئی جیسے سر کے اوپر تاج کی ہوتی ہے۔

بَابُ صَلَاةِ الْكُسُوفِ

ابحاث ثمانیہ | یہاں پر چند بحثیں ہیں، معناه لغۃً والفرق بینہ و بین الخسوف، حکم صلوة الکسوف، متی وجد الکسوف فی زمنہ صلی اللہ علیہ وسلم وصل فیہ تعدد، صلوة الکسوف کا طریقہ اور تعدد رکوع میں اختلاف روایات، دفع المعارض بین تلك الروایات، وقت صلوة الکسوف، هل فیہا خطبة ام لا، هل فی خسوف القمر صلوة ام لا۔ بحث اول۔ کسوف کے معنی ہیں تغیر الی سواد یعنی مائل بسیاہی ہونا بے نور ہو جانا، مشہور عند الفقہاء یہ ہے کہ کسوف فاس ہے شمس کے ساتھ اور خسوف قمر کے ساتھ لیکن توسعاً ایک کا استعمال دوسرے میں ہوتا ہے، وقیل بالعکس، یعنی کسوف قمر کے لئے اور خسوف شمس کے لئے لیکن یہ غلط ہے کیونکہ قرآن میں خسوف کا استعمال قمر میں ہوا ہے فاذا برق البصر وخسف القمر الآية (قال العینی)

بحث ثانی۔ کسوف کے وقت نماز باجماعت پڑھنا متفق علیہ مسئلہ ہے اسے تھاریں تو اگرچہ اختلاف ہے کہ تقدم اور یہ نماز سنت مؤکدہ ہے ائمہ اربعہ کے نزدیک، اور میں نے بعض کتب مالکیہ میں دیکھا وہ لکھتے ہیں کہ سنت عین ہے اور کہا گیا ہے کہ سنت کفایہ، اور بعض شافعیہ جیسے ابن خزیمہ اور ایسے ہی بعض حنفیہ سے وجوب منقول ہے۔

بحث ثالث۔ ملا علی قاریؒ نے لکھا ہے کہ پہلی بار حضور صلی اللہ علیہ وسلم کے زمانہ میں کسوف شمس میں پایا گیا اور امام نوویؒ اور ابن الجوزیؒ نے بجائے شمس کے قمر لکھا ہے، اور دوسری مرتبہ اس کا وقوع جو تمام صحاح کی روایات میں مشہور و معروف ہے اس دن ہے جس دن آپ کے بیٹے ابراہیم کا انتقال ہوا جو مشہور قول کی بنا پر سنہ ۱۱ میں پیش آیا اگرچہ سنہ ۱۱ کا بھی ایک قول ہے تاریخ وقوع بھی دس مئی ماہ میں اختلاف ہے، ربیع الاول یا رمضان

لے مسلم شریف میں زہری روایت کرتے ہیں عروہ سے کہ انھوں نے فرمایا لا تقل کسفت الشمس ولكن قل خسفت، لیکن یہ خلاف مشہور ہے اگرچہ ایک قول یہ بھی ہے جو عروہ کہہ رہے ہیں کہ خسوف شمس کیساتھ خاص ہے ممکن ہے عروہ کا رائے یہی ہو لیکن حضرت گفتگوی کی تقریر مسلم جو محل المفہم کے نام سے طبع ہوئی ہے اس میں حضرت نے کلام عروہ کی یہ توجیہ کی ہے کہ زہری کی اصل روایت جو عروہ سے تھی وہ بلفظ خسفت الشمس تھی لیکن زہری نے بوقت روایت بجائے خسفت کے کسفت الشمس نقل کیا ہے، عروہ نے جب یہ سنا تو زہری پر رد کیا کہ جس طرح تم نے مجھ سے روایت میں سنا ہے اسی طرح روایت کرو، تمہیں اس میں تغیر کا اختیار نہیں اور ان کی یہ مراد نہیں ہے کہ کسوف کا استعمال شمس میں نہیں ہوتا واللہ تعالیٰ اعلم بالصواب۔

اس وقت ان کی عمر کیا تھی؟ کہا گیا ہے بعمر سولہ ماہ اور کہا گیا ہے بعمر اٹھارہ ماہ، اور ولادت ذی الحجہ ششمہ میں ہے۔ پھر جاننا چاہیے کہ کلی طور پر اس میں علماء کا اختلاف ہو رہا ہے کہ حضور صلی اللہ علیہ وسلم کے زمانہ میں کسوف اور صلوٰۃ کسوف میں تعدد ہوا یا نہیں، ایک جماعت امام احمد و بخاری و بیہقی وغیرہ عدم تعدد کی قائل ہے، اور ایک دوسری جماعت اسحاق بن راہویہ، ابن خزمیہ، خطابی، نووی، ابن الجوزی تعدد کی قائل ہے۔

بحث رابع۔ صلوٰۃ الکسوف کا طریقہ حنفیہ کے نزدیک وہی ہے جو اور دوسری نمازوں کا ہے قرأت طویلہ کیساتھ صرف دو رکعت پڑھی جائیں گی، قرأت سرأ ہوگی یا جہراً مسئلہ مختلف فیہ ہے، جمہور علماء اور ائمہ ثلاثہ کے نزدیک سرأ ہوگی، امام احمد و صاحبین کے نزدیک جہراً۔ بخلاف صلوٰۃ الاستسقاء کے کہ اس میں قرأت بالاتفاق جہراً ہوگی، اسی طرح صلوٰۃ الکسوف میں تکبیرات زوائد بالاتفاق نہیں ہیں، بخلاف صلوٰۃ الاستسقاء کے کہ اس میں اختلاف ہے نیز عند الجمہور اس میں خطبہ نہیں ہے بخلاف امام شافعی کے کہ وہ اس میں خطبہ کے قائل ہیں۔

اور جمہور علماء ائمہ ثلاثہ کے نزدیک صلوٰۃ الکسوف کا طریقہ باقی نمازوں سے بالکل مختلف ہے ان کے یہاں صلوٰۃ الکسوف کی دو رکعت ہیں ہر رکعت میں دو رکوع اور دو قیام ہیں ایک رکوع کر کے پھر قیام کیطرن لوٹ آئے دوسرے قیام کے بعد پھر دوسرا رکوع کیا جاتے، سجود اور تشہد وغیرہ دوسری نمازوں ہی کیطرح ہیں۔

روایات حدیثیہ تعدد رکوع و قیام کے بارے میں بہت مختلف ہیں کتب صحاح میں رکوع واحد کی بھی روایات موجود ہیں اور دو رکوع سے لے کر پانچ رکوع تک کی بھی ہیں، ان روایات میں سے امام بخاری نے صرف رکوعین کی روایات کو لیا ہے، اور امام مسلم نے صحیح مسلم کے اندر رکوعین اور تین و چار رکوع والی روایات کو بھی لیا ہے، اور امام ابو داؤد نے مزید برآں پانچ رکوع والی روایت کو بھی لیا ہے، لیکن ائمہ ثلاثہ نے ان روایات میں سے صرف رکوعین والی روایات کو اختیار کیا ہے اور باقی کو ترک کر دیا ہے، اور حنفیہ یوں کہتے ہیں کہ جس طرح آپ نے دو سے زائد رکوع والی روایات کو ترک کر دیا ہے تو ہم کہتے ہیں کہ ایک سے زائد یعنی دو رکوع والی روایات کو بھی ترک کر دینا چاہیے اس لئے کہ مشہور ہے اذا تعارضت متماثلان، لہذا رکوع واحد والی احادیث جو قیاس اور اصل کے مطابق ہیں انہیں کو اختیار کیا جائے اس لئے کہ اقل متیقن وہی ہیں اور رکوع واحد سے زائد والی روایات مشکوک ہیں۔

بحث خامس۔ اب ان روایات متعارضہ میں تطبیق اور دفع تعارض کی شکل کیا ہے، اس میں علماء کی دو جماعتیں ہیں، ایک جماعت وہ ہے جو حضور صلی اللہ علیہ وسلم کے زمانہ میں تعدد کسوف کی قائل ہے اور دوسری جماعت عدم تعدد کی جو حضرات تعدد کے قائل ہیں وہ یہ کہتے ہیں کہ یہ اختلاف اختلاف المباح کے قبیل سے ہے یعنی سب طرح جائز اور مباح ہے آپ نے اس نماز کو کبھی اس طرح پڑھا اور کبھی اس طرح۔

اور جو حضرات تعدد کے قائل نہیں انہوں نے دفع تعارض کے لئے طریق ترجیح کو اختیار کیا اور رکوعین والی

روایات کو رائج اور باقی سب روایات کو معطل اور وہم رواۃ قرار دیا ہے، اور علماء احناف رکوع واحد کی روایات کو ترجیح دیتے ہیں اس لئے کہ اول تو یہ قیاس اور اصل کے مطابق ہیں دوسرے اس لئے کہ صلوۃ الکسوف میں روایات دو طرح کی ہیں فعلیہ اور قولیہ، فعلیہ میں تو کافی اختلاف ہے اور روایات قولیہ تعارض سے سالم ہیں ان سے صرف رکوع واحد ہی کا ثبوت ہوتا ہے، ان روایات کی نشاندہی ہم آگے انشاء اللہ کریں گے ہذا دوسری نماز کی کی طرح اس میں بھی ایک ہی رکوع ہوگا۔

تقدیر رکوع والی روایات کی توجیہ ہمارے بعض مشایخ سے اس طرح منقول ہے کہ چونکہ آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے اس نماز میں عجائب و غرائب کا مشاہدہ فرمایا، اور عالم آخرت کے بعض مناظر آپ کو دکھائے گئے، جنت اور اس کی نعمتیں جہنم اور اس کی بلائیں اور مصیبتیں، اسی لئے کبھی آپ دعا مانگتے اور کبھی پناہ چاہتے اور کبھی آپ نماز ہی کی حالت میں آگے کی طرف قدم بڑھاتے جنت کے درختوں کے خوشنوں کو پکڑنے کے لئے اور کبھی جہنم کی لہڑیوں سے بچنے کے لئے پیچھے کو ہٹتے، اور ان تمام باتوں کے باوجود قرارت و قیام اتنا طویل تھا جو معمول کے بالکل خلاف ہے، تو اس لئے بعض بعض صحابہ کو کبھی کبھی آپ کے دعا یا پناہ مانگنے کی وجہ سے یہ شبہ ہوتا کہ شاید اب رکوع میں جا رہے ہیں پھر پتہ چلتا کہ نہیں گئے لہذا کھڑے ہو جاتے اور چونکہ قیام کی مقدار بہت لمبی تھی اس لئے مختلف لوگوں کو کئی بار اس کی نوبت آئی، تو یہ وجہ ہوئی دراصل تقدیر رکوع کی جمع میں اس طرح کی بات کا پیش آجانا کہ مستبعد نہیں ہے، یہاں ہمارے زمانہ میں جس جماعت میں ہجوم اور لوگوں کی کثرت ہوتی ہے مثلاً عید کی نماز میں عید گاہ کے اندر اس قسم کی غلط فہمی کی نوبت آجاتی ہے۔

بحث سادس: حنفیہ و حنابلہ کے نزدیک وقت مکروہ کے علاوہ میں پڑھ سکتے ہیں اور امام شافعی کے نزدیک مطلقاً ہر وقت پڑھ سکتے ہیں اور امام مالک کے نزدیک صلوۃ الکسوف کا وقت وہی ہے جو عید کی نماز کا ہے۔

بحث سابع: امام شافعی اس میں خطبہ کے قائل ہیں بخلاف جمہور کے، امام بخاری نے اس پر ایک مستقل باب قائم کیا ہے باب خطبۃ الامام فی الکسوف، جمہور یہ کہتے ہیں کہ کسوف کے موقع پر آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے نماز قائم کرنے اور تکبیر اور صدقہ کا حکم دیا ہے اور خطبہ کا آپ نے امر نہیں فرمایا اور آپ نے اگرچہ نماز کے بعد خطبہ دیا تھا لیکن وہ خطبہ معروفہ نہیں تھا بلکہ وہ ایک مخصوص تنبیہ تھی جو اس وقت کے مناسب تھی اس لئے کہ زمانہ جاہلیہ میں یہ سمجھتے تھے کہ کسوف شمس اسی وقت ہوتا ہے جب کوئی حادثہ یا نئی بات پیش آئے، جس روز مدینہ میں کسوف شمس ہوا اسی دن آپ صلی اللہ علیہ وسلم کے بیٹے، ابراہیم کی وفات کا قصہ بھی پیش آیا تھا جس سے ان لوگوں کا خیال کی اور تائید ہو سکتی تھی اس لئے آپ نے اس خاص موضوع سے متعلق کچھ ارشاد فرمایا تھا، لہذا اس صلوۃ الکسوف کا خطبہ نہیں کہا جاسکتا۔

بحث ثامن : امام بخاری نے اس پر مستقل باب قائم کیا ہے باب الصلوة فی خسوف القمر، لیکن اس کے تحت میں امام بخاریؒ جو حدیث لائے ہیں اس میں صرف کسوف شمس کا ذکر ہے خسوف قمر کا نہیں، بعض شراح نے تو یہ کہا ہے کہ اس حدیث کے بعض طرق میں خسوف قمر کا ذکر ہے امام بخاری نے اس کی طرف اشارہ کیا ہے، اور بعض یہ کہتے ہیں کہ امام بخاری خسوف قمر میں نماز کو قیاس سے ثابت کرنا چاہتے ہیں کہ جس طرح کسوف میں نماز ہے اسی طرح خسوف میں حنفیہ کے نزدیک خسوف قمر میں نماز باجماعت مسنون نہیں فرمادی فرادئی پڑھ سکتے ہیں امام مالک بھی اس میں جماعت کے قائل نہیں بخلاف امام شافعی و احمد کے، دونوں اس میں صلوة باجماعت کے قائل ہیں، امام ترمذی جامع ترمذی میں فرماتے ہیں ویسوی اصحابنا ان یصلی صلوة الکسوف فی جماعۃ فی کسوف الشمس والقمر، حضور صلی اللہ علیہ وسلم سے اس میں نماز ثابت ہے یا نہیں، علماء کا اس میں اختلاف ہے صحاح ستہ یا کسی مشہور روایت سے اس کا ثبوت نہیں ہے، حافظ ابن قیم نے بھی ثبوت کا انکار کیا ہے، علامہ قسطلانیؒ میں لکھتے ہیں کہ سیرت ابن حبان کی ایک روایت میں ہے انہ صلی اللہ علیہ وسلم صلی بالناس فی خسوف القمر سنۃ خمس، بعض علماء نے اس کی یہ تاویل کی ہے کہ اس سے آپؐ کا خود نماز پڑھنا مراد نہیں بلکہ امر بالصلوة مراد ہے، واللہ تعالیٰ اعلم۔ بہر کیف اگر یہ روایت صحیح ہے تو ثبوت کے لئے کافی ہے۔

حضرت شیخ کی الابواب والتراجم میں اس پر مزید کلام ہے اس کو دیکھ لیا جائے، اس باب کے ابتدائی مباحث پورے ہو گئے۔

۱۔ حدثنا عثمان بن ابی شیبۃ الخ۔ قولہ۔ فقام النبی صلی اللہ علیہ وسلم قیاماً شدیداً، یہ قیام بوجہ بویل ہونے کے شدید تھا فقہاء نے تصریح کی ہے کہ اس نماز میں قوم کی رعایت اور تخفیف مطلوب نہیں بلکہ قرارت طویل ہونی چاہیے اگرچہ شاق گذرے، یہ پہلے گزر چکا کہ اس نماز میں قرارت امام صاحب اور جمہور کے نزدیک سرگہ

لہ جن کا اجمال اور فہرست یہ ہے۔ مثنیٰ الکسوف لثنتہ والفرق بینہ وبين الخسوف وقال مروۃ لا تقولوا الخ حکم سنۃ مؤکدة عند الاربعۃ ومن بعض الخنفیۃ الوجوب، مثنیٰ وھد یوم مات ابراہیمؑ اور ربیع ۱۱ اور رمضان سنۃ ۱۱ وھل فیہ تعدد؟ قال البخاری والبیہقی لا عند الخطابی والنووی، نعم قاری سنۃ ابن الجوزی سنۃ ۱۱۔ صفۃ صلوة الکسوف برکوع او برکوعین، القراءۃ سر عند الجمہور وعند احمد والصابین جہراً۔ وقتہا غیر المکرہ عندنا فاحمد وعندنا شافعی مطلقاً وعند مالک وقت العید۔ الخلفۃ عندنا شافعی فقط بحث تعدد البرکوع فی البخاری کو مان لا غیر وفی سلم الی اربع رکعات وفی ابی داؤد الی خمس۔ القائلون بالتعدد حملوہ علی اختلاف المباح، وبعدم التعدد اختاروا التریج۔ طلبہ حدیث اور جدید مدرسین کی سہولت کے پیش نظر اجمال لکھ دیا ہے۔ واللہ الموفق۔

امام احمد اور صاحبین کے نزدیک جہراً ہمارے علماء کبھی امام صاحب کے قول پر عمل کر لیتے ہیں کبھی صاحبین کے ہمارے یہاں مدرسہ مظاہر علوم میں بھی اب تک دونوں طرح ہو چکا ہے بعض مرتبہ سر آگئی اور بعض مرتبہ جہراً۔ اگر قرأت سر ہوگی تو طویل قیام زیادہ شاق گزریگا اور جہراً ہونے کی صورت میں چونکہ توجہ استماع قرآن کی طرف ہو جاتی ہے اس میں زیادہ احساس نہیں ہوتا۔

قوله۔ حتی ان رجالاً یومضون لیغشی علیہم متافاً مرہم حتی ان سجالات السماء لینیصت علیہم۔

یعنی طویل قیام کی وجہ سے بعض لوگوں پر غشی طاری ہو جاتی تھی (اور وہ گر پڑتے تھے) اور غشی سے افاقہ میں لانے کے لئے ان پر پانی کے ڈول بہائے جاتے تھے۔

شرح حدیث

یہاں پر یہ سوال ہوتا ہے کہ لوگ تو سب نماز میں مشغول ہوتے تھے پھر ان پر پانی کون ڈالتا تھا، جواب یہ ہے ہو سکتا ہے کہ نماز سے فارغ ہونیکے بعد یہاں نامراد ہو یا یہ کہا جائے کہ غشی طاری ہونیسکی وجہ سے ظاہر ہے کہ ان کی وضو، ٹوٹ جاتی تھی نماز سے وہ خارج ہو جاتے تھے تو یا تو انھیں میں سے بعض بعض پر پانی ڈالتے ہوں گے یا ہر ایک قدرے افاقہ حاصل ہونے کے بعد اپنے اوپر خود ڈالتا ہوگا، قوله۔ حتی تجلت الشمس، یعنی آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے اتنی لمبی نماز پڑھی کہ نماز سے فارغ ہونے تک سورج کی روشنی بھی صاف ہو گئی، ہذا یہیں لکھا ہے مقصود یہ ہے کہ یہ پورا کسوف کا وقت نماز و دعا میں گزرنے چاہیے جب تک سورج صاف نہو اسی میں لگا رہے خواہ نماز کو طویل کر لے یا بجائے نماز کی تطویل کے اگر چاہے تو نماز کے بعد دعا کو لمبی کر دے یہاں تک کہ سورج صاف ہو جائے ویسے ایک روایت امام صاحب سے یہ بھی ہے (کافی البذل) کہ دو ہی رکعت کی قید نہیں بلکہ چار اور اس سے زائد بھی پڑھ سکتے ہیں۔

باب من قال اربع رکعات

رکعات سے مراد رکوعات ہیں، یہ ترجمہ جمہور کے مسلک کے مطابق ہے ان کے یہاں صلوۃ الکسوف کی رکعتیں میں چار رکوع ہیں، ہر رکعت میں دو رکوع۔

لیکن اس باب میں مصنف نے جو روایات ذکر فرمائی ہیں وہ ہر رکعت میں دو رکوع اور میں رکوع حتی کہ پانچ رکوع تک کی روایات ہیں اس لئے اشکال سے بچنے کے لئے یہ کہنا ہوگا کہ مصنف کی غرض اس ترجمہ سے مطلق تعدد رکوع کو ثابت کرنا ہے اب چاہے وہ دو ہوں یا اس سے زائد، اس صورت میں اکثر احادیث الباب کی مطابقت ترجمۃ الباب سے ثابت ہو جائیگی مگر اشکال ایک اور ہے وہ یہ کہ اس باب میں مصنف وحدت رکوع والی روایات بھی لائے ہیں اس کا جواب یہ سمجھ میں آتا ہے کہ ممکن ہے

ترجمۃ الباب کی غرض

مصنف کی مراد ترجمہ الباب سے یہ ہو، من قال اربع رکعات او اقل او اکثر من ذلک۔ یعنی اختلاف روایات کو بیان کرنا مقصود ہے، اور یہ یہ کہا جائے کہ ترجمہ الباب سے مقصود تو تعدد رکوع ہی کو بیان کرنا ہے لیکن توحید رکوع والی روایات کو بنا بر اصل کے ذکر کر دیا کہ ایک رکوع ہونا تو اصل ہے ہی، یا پھر اقرار کر لیا جائے کہ ان روایات کو اس باب سے کوئی مناسبت نہیں یہ کیا ضروری ہے کہ ہر اشکال کا حل نکل ہی آئے۔

۱۔ حدثنا احمد بن یونس المزملی۔ قال۔ انہ شهد خطبۃ یومئذ لسمرة بن جندب قال قال سمرة بینما انا وغلام من الانصار نمری غرضین لنا حتی اذا کان فی الشمس قیلاً ومجیداً وثلاثۃ فی عین الناظر من الافق اسودت حتی اضت کأنہا تنومۃؕ ایہ۔ یہ اس باب کی ساتویں حدیث ہے اسکے راوی سمرة بن جندب صحابی ہیں اور غلام من الانصار سے مراد شاید سمرہ کے بیٹے عبد الرحمن ہیں جیسا کہ اس روایت سے معلوم ہوتا ہے جو آئندہ باب من قال یرکع رکعتین میں آ رہی ہے۔

مضمون حدیث | سمرة بن جندب فرماتے ہیں ایک مرتبہ میں اور ایک انصاری لڑکا حضور صلی اللہ علیہ وسلم کے زمانہ میں تیر اندازی اور نشانہ باندھنے کی مشق کر رہے تھے (صحابہ کرام جہاد کی تیاری میں سواری اور تیر اندازی وغیرہ کی مشق کیا کرتے تھے) یہاں تک کہ جب سورج دیکھنے والے کی نگاہ میں دو یا تین نیزے کے بقدر بلند ہوا تو اچانک سیاہی اور تاریکی میں تبدیل ہونے لگا، اور بے نور ہوتے ہوئے ایسا ہو گیا گویا کہ وہ توتر ہے، یہ ایک گھاس کا نام ہے جو رنگت میں سیاہی مائل ہوتا ہے۔

فقال احدنا لصاحبه انطلق بنا الی المسجد فواللہ لیحدثنک شأن هذه الشمس لرسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم فی اقدار حدکثاً، ہم نے ایک دوسرے سے کہا کہ اس کام یعنی تیر اندازی کو چھوڑ کر مسجد نبوی کی طرف چلنا چاہئے۔ بخدا سورج کی یہ حالت رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے لئے ان کی امت کے حق میں کوئی خاص کام پیدا کرے گی۔ مطلب یہ ہے کہ ہمیں اس وقت چاہیئے کہ حضور کی خدمت میں پہنچیں اور وہاں جا کر دیکھیں کہ آپ صلی اللہ علیہ وسلم اس وقت کیا کرتے ہیں اور اس موقع کے لئے امت کو کس چیز کی تعلیم فرماتے ہیں۔ فقال خذ معنا فاذا هو بارز، دفعنا کا ترجمہ تو یہ ہے کہ ہمیں دھکے دیئے گئے اور مراد یہاں تیز چلنا ہے جیسے کوئی دھکے دے کر چلا رہا ہو فاذا هو بارز یعنی ہم نے وہاں جا کر دیکھا کہ حضور صلی اللہ علیہ وسلم باہر مجلس میں تشریف فرما ہیں۔ یہ بزدل سے ہے جس کے معنی ظہور کے ہیں اور مطلب یہ ہے کہ کسوف شمس کے وقت میں آپ گھر پر نہیں رہے بلکہ باہر لوگوں کے درمیان میں جلوہ افروز تھے (تشریف فرما تھے)

۱۲۔ اور بعض نسخوں میں باز ہے آرزو کہتے ہیں بجم اور جمع کو یعنی اس وقت آپ صلی اللہ علیہ وسلم لوگوں کی ایک جماعت میں تھے۔ ۱۲۔

توحد رکوع کی حدیث

اس حدیث میں حضرت عمرؓ نے صلوٰۃ الکسوف کی جو کیفیت بیان کی ہے اس میں صرف ایک ہی رکوع مذکور ہے لہذا یہ حدیث حنفیہ کی دلیل ہے۔

۲- حدثنا موسى بن اسماعيل الخ - قوله - عن قبيصة الهلالي، یہ قبيصة ابن الخمارق کی حدیث بھی حنفیہ کے موافق ہے اس میں صرف ایک رکوع مذکور ہے اور ایک خوبی کی بات اس میں یہ ہے کہ یہ قول و فعل دونوں کو جامع ہے چنانچہ اس کے اخیر میں حضور صلی اللہ علیہ وسلم کا یہ ارشاد ہے فاذا رايتوها فصلوها كحدث صليتها من المكتوبة احدث اسم تفصيل کا صیغہ ہے جس کے معنی اقرب کے ہیں اور حدیث کے معنی جدید کے آتے ہیں یعنی ابھی قریب میں جو تم نے فرض نماز پڑھی ہے اس جیسی دو رکعت پڑھا کر دو (کسوف شمس کی وقت) اور قریب میں جو نماز پڑھی تھی وہ فجر کی نماز تھی اس لئے کہ کسوف کی نماز آپؐ نے جو پڑھی تھی وہ چاشت کی وقت تھی اسی طرح حنفیہ کی ایک اور دلیل باب من قال یرک رکعتین میں آ رہی ہے اس میں عبد اللہ بن عمرو بن العاص کی حدیث مذکور ہے جس میں صرف ایک ہی رکوع ہے۔ اسی طرح چوتھی حدیث دیگر روایات

حضرت ابو بکرہ کی ہے نسائی میں ان النبی صلی اللہ علیہ وسلم صلی رکعتین مثل صلواتکم هذه۔

بَابُ الْقِرَاءَةِ فِي صَلَوةِ الْكُسُوفِ

۱- حدثنا حميد الله بن سعد الخ - قوله - فعززت قراءته، میں نے آپ صلی اللہ علیہ وسلم کی مقدار قرات کو دیکھ کر اندازہ لگایا کہ آپ نے سورہ بقرہ پڑھی ہوگی اس سے معلوم ہو رہا ہے کہ اس نماز میں قرات سر ہوگی ورنہ اندازہ لگانیکا کیا مطلب، اور آگے حدیث میں یہ ہے انداز یہ ہے کہ آپ نے دوسری رکعت میں سورہ آل عمران پڑھی ہوگی، اور اس سے اگلی حدیث میں قراءۃ طویۃ فنجہوبہا وارد ہے حالانکہ دونوں حدیثیں عائشہ ہی سے مروی ہیں، لہذا دونوں میں تعارض ہو گیا، اس کا جواب امام احمد سے یہ منقول ہے وہ فرماتے ہیں کہ اس حدیث کے ساتھ زہری متفر دیں، اور ایک توجیہ حافظ نے فتح الباری میں یہ کی ہے کہ ممکن ہے اس سے مراد کسوف القمر ہو نہ کہ کسوف الشمس، میں کہتا ہوں یا یہ تاویل کیجائے کہ بعض آیات کا جہر کہ نامراد ہے بلا قصد کے۔

بَابُ اِيْنَادِي فِيْهَا بِالْصَّلَوةِ

یعنی کیا نماز کسوف کے لئے اعلان کیا جائے گا یہ ایک سوال ہے اور حدیث الباب سے اس کا جواب معلوم ہو رہا ہے کہ الصلوٰۃ جامعۃ وغیرہ الفاظ سے لوگوں کو اطلاع کیجائے گی۔

بَابُ الصَّدَقَةِ فِيهَا

فیہا ای فی حالۃ الکسوف، اور یا یہ کہا جائے کہ ضعیف راجع ہے صلوٰۃ کسوف کی طرف یعنی فی صلوٰۃ الکسوف اور فی بمعنی مع ہے یعنی کسوف کی وقت نماز کے ساتھ صدقہ وغیرہ کرنا جیسا کہ حدیث الباب میں مذکور ہے اس سے معلوم ہوا کہ کسوف شمس میں نماز کے علاوہ صدقہ بھی کرنا چاہیے۔

ہمارے اطراف میں مسلمانوں کا اس پر عمل دیکھنے میں نہیں آیا البتہ یہاں کے مقامی ہندو اس پر ضرور عمل کرتے ہیں صدقہ خیرات کرتے ہیں ہندو فقیر کسوف شمس کی وقت میں انے دیکھا ہے کہ نکل کھڑے ہوتے ہیں۔

بَابُ لَعْنَتِ فِيهَا

غلاموں کو آزاد کرنا حسب توفیق اگر کسی کے پاس غلام ہو ورنہ اس زمانہ میں عام طور سے جہاد ہوتا ہے نہ لوگوں کے پاس غلام باندیاں ہیں۔

بَابُ مَنْ قَالَ يَرْكِعُ رَكَعَتَيْنِ

ترجمہ الباب اور حدیث کی تشریح | رکتین سے مراد بظاہر اس کے معنی حقیقی ہیں رکوعین مراد نہیں۔ اور غرض ترجمہ کی یہ ہے یعنی رکتین رکتین، یعنی ایک ساتھ چار رکعت نہ پڑھی جائیں بلکہ دو رکعت پڑھ کر دیکھا جائے اگر سورج صاف ہو گیا تو پھر دوبارہ دو رکعت اور پڑھے چنانچہ حدیث الباب میں ہے فبعد یصلی رکتین رکتین ویسأل عنها، یعنی دو رکعت پڑھ کر آپ دریافت فرماتے سورج کے بارے میں صاف ہوا کہ نہیں اور پھر دوبارہ دو رکعت پڑھتے، علامہ عینی نے حدیث کی شرح اسی طرح کی ہے اور حافظ ابن حجر کی رائے یہ ہے کہ حدیث میں رکتین سے مراد رکوعین ہے اور مطلب حدیث کا حافظ نے یہ لیا ہے کہ آپ صلی اللہ علیہ وسلم ایک قیام اور ایک رکوع کے بعد آدمی کو بھیج کر معلوم کرتے کہ سورج صاف ہوا یا نہیں، اور حافظ نے یہ بھی لکھا ہے کہ بظاہر یہ معلوم کرنا نماز میں اشارے کے ذریعہ سے ہوگا اور علامہ عینی نے جو معنی بیان کئے ہیں وہ ظاہر حدیث کے علاوہ مسلک احناف کے بھی مطابق ہیں اول تو اس لئے کہ حنفیہ رکوعین فی رکعت کے قائل نہیں دوسرے اس لئے کہ ہمارے بعض فقہار نے لکھا ہے کہ صلوٰۃ الکسوف میں

اسے اس تاویل کا حاجت اس لئے ہے کہ عین نماز کی حالت میں صدقہ کیسے کیا جاسکتا ہے ۱۲ جیسا کہ شافعیہ کا مذہب ہے کہ انکے یہاں ہر رکعت میں دو رکوع اور دو قیام ہوتے ہیں ۱۲۰ منہ

دو رکعت سے زائد بھی پڑھ سکتے ہیں چار اور چھ کما فی البذل ۲۲۷ اور حضرت گنگوہی نے حدیث میں رکعتین سے رکوعین مراد لیا ہے جس طرح حافظ ابن حجر نے لیکن یہاں جو حدیث میں مذکور ہے اس کا مطلب وہ نہیں لیا جو حافظ نے اختیار کیا کہ آدمی بھیجکر معلوم کراتے بلکہ یہاں جو حدیث میں مذکور ہے کہ نماز میں اللہ تعالیٰ سے سوال اور دعا کرتے تھے شمس کے بارے میں کہ اللہ اس کی حالت درست فرمادے اور اس کی روشنی کو واپس کر دے، اور علامہ عینی والے مطلب کو حضرت نے اس لئے نہیں اختیار فرمایا کہ یہ روایات مشہورہ کے خلاف ہے اس لئے کہ حضورؐ سے کسوف میں صرف دو رکعت پڑھنا ثابت ہے اس سے زائد نہیں۔

۱۔ حدیثنا موسیٰ بن اسماعیل الخ۔ یہ عبد اللہ بن عمرو بن العاص کی حدیث ہے اور حنفیہ کی دلیل ہے کہ تقدم قبل ذلک۔ قوله۔ ثم نفع فی اخر سجودہ فقال اُنْ اُنْ۔ یعنی آپ صلی اللہ علیہ وسلم سجدہ میں زور سے سانس لے رہے تھے جیسے کہ سانس چڑھنے کی وقت ہوتا ہے۔

ایک اشکال و جواب
فقال اُنْ اُنْ اس میں یہ اشکال ہے کہ نماز میں تلفظ و تکلم پایا گیا تو نماز فاسد ہونی چاہیے کیونکہ بعض حروف ظاہر ہو گئے ہیں، اس کا جواب حضرت گنگوہیؒ نے یہ دیا ہے کہ راوی کا مقصد یہ نہیں ہے کہ آپ بعینہ اُنْ اُنْ کہہ رہے تھے بلکہ نفع اور سانس لینے سے جو آواز برآمد ہو رہی تھی اس کو سمجھانے کے لئے راوی اپنے الفاظ میں اس کو اس طرح تعبیر کر رہا ہے، راوی کا مقصد وحکایت صوت اور نقل آثار نہ ہے نہ یہ کہ آپ کی زبان سے بعینہ یہ لفظ نکل رہے تھے۔ جیسے کہ صوت غراب کو غاق سے تعبیر کرتے ہیں تو یہ مطلب سمجھتا ہے کہ کوئی ایسی لفظ بولتا ہے بلکہ یہ تو اس کی آواز کی نقل ہے۔ سبحان اللہ کیا عمدہ توجیہ ہے۔

۲۔ حدیثنا مسدد الخ۔ قوله۔ عن عبد الرحمن بن سمرہ قال بیما انا اتضحی۔ یہ حدیث اس سے پہلے باب میں قال اربع رکعات کے ذیل میں گزر چکی وہاں ہم اس کا حوالہ بھی دے چکے ہیں۔

باب الصلوة عند الظلمة ومحوها

یعنی اگر کسوف کے علاوہ کوئی اور خوف و خطر کی بات پیش آجائے مثلاً تیز ہوا آندھی یا دن میں تاریکی چھا جانا ایسے ہی زلزلہ وغیرہ، اس سلسلہ میں امام بخاریؒ نے بھی باب باندھا ہے۔ باب ما قیل فی الزلازل والاکیات لیکن اس پر انھوں نے لفظ صلوٰۃ کیساتھ باب نہیں باندھا اور نہ باب کے تحت میں ایسی روایت ذکر کی جس میں نماز کا ثبوت ہو، لیکن ہمارے مصنف نے لفظ صلوٰۃ کے ساتھ باب باندھا ہے، حضرت شیخؒ نے تراجم بخاری میں لکھا ہے کہ ابن قدامہ حنبلی نے صرف زلزلے کے وقت نماز پڑھنا امام احمد کا مذہب لکھا ہے اور دوسری آیات و حوا

امام بخاری اور مصنف کے
ترجمۃ الباب میں فرق

کی وقت نہیں۔ انھوں نے امام مالک و شافعی کا مذہب بھی یہی لکھا ہے اس لئے کہ حضور صلی اللہ علیہ وسلم سے غیر کسوف کے لئے نماز پڑھنا ثابت نہیں، اور حنفیہ کا مذہب انھوں نے یہ لکھا ہے کہ ان کے یہاں تمام آفات کی وقت نماز مستحب ہے اس لئے کہ آپ نے کسوف کی نماز کی علت یہ بیان فرمائی ہے کہ وہ آیۃ من آیات التدرجہ ہذا جملہ آیات کی وقت نماز پڑھنی چاہیے۔

مذہب ائمہ لیکن حافظ ابن حجر نے فتح الباری میں یہ لکھا ہے کہ مسئلہ مختلف فیہ ہے اور امام احمد و اسحاق وغیرہ کا مذہب انھوں نے بلا تخصیص زلزلے کے یہ لکھا ہے کہ ان کے نزدیک ایسے مواقع میں نماز پڑھی جاتے گی، اور امام شافعی کے بارے میں یہ لکھا ہے کہ انھوں نے ان امور کے لئے نماز پڑھنے کو صحت حدیث پر معلق کیا ہے یعنی اگر حدیث ثابت ہو جائے تو پھر نماز پڑھی جائے گی، حافظ فرماتے ہیں کہ ابن عباس سے اس سلسلہ میں روایت ثابت ہے مصنف عبد الرزاق وغیرہ میں موجود ہے اور حنفیہ کا مذہب یہ ہے کہ ایسے مواقع میں نماز بلا حثمت پڑھنا مستحب ہے۔

باب السجود عند الآيات

حوادث کی وقت اللہ کے سامنے سجدہ میں گر جانا۔

تولہ۔ قیل لابن عباس ماتت فلانة بعض ازواج النبی صلی اللہ علیہ وسلم فحضر ساجدا بعض ازواج سے مراد صفیہؓ میں یا حفصہؓ (قالہ القاری) اور جمع الفوائد ص ۲۲۲ میں سودہؓ کی تصریح ہے۔

شرح حدیث اور سجدہ منفردہ میں مذاہب ائمہ اس کے بعد جانا چاہئے کہ سجدہ منفردہ حنفیہ مالکیہ کے یہاں مشروع نہیں بخلاف شافعیہ و حنابلہ کے کہ ان کے یہاں تعبد بالسجدة المنفردة معتبر ہے لہذا حنفیہ و مالکیہ اپنے مسلک کے مطابق یہاں پر سجدہ کو مصلوۃ پر محمول کرتے ہیں، یہی اختلاف سجدہ شکر میں بھی ہے، چنانچہ امام مالک کے نزدیک وہ مکروہ ہے شافعیہ وغیرہ کے نزدیک مشروع بلکہ مستحب ہے صاحبین کا مذہب بھی یہی ہے اور امام صاحب کے نزدیک غیر مشروع ہے، بعض کہتے ہیں کہ امام صاحب کی رائے یہ ہے کہ مشروع تو ہے لیکن مستحب اور سنت نہیں، اس کتاب یعنی سنن ابوداؤد میں کتاب الجہاد کے اخیر میں سجدہ شکر پر مستقل ایک باب آ رہا ہے "باب فی سجود الشکر" بذل ص ۳۳۰۔

تولہ۔ قال رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم اذا رايتم اية فاسجدوا، یعنی جب تم کوئی حادثہ آفت ساویہ

ملے حافظ نے اس میں ایک روایت حضرت عائشہؓ سے بھی مرفوعہ نقل کی ہے جو کہ صحیح ابن حبان میں ہے جس کے لفظ یہ ہیں، صلوات الايات سنت رکعات واربع سجعات ۱۲۰ منہ۔

یا رضیہ دیکھو تو سجدہ کیا کرو، شافعیہ و حنابلہ کے یہاں یہ حدیث اپنے ظاہر پر ہے، اور ان کے نزدیک صلوٰۃ بھی مراد لے سکتے ہیں کیونکہ ایک روایت میں ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم اذا حزبه امر بادرالی الصلوٰۃ اور حنفیہ کے اصول و مسلک کا مقتضی یہ ہے کہ اس سے مراد صلوٰۃ ہی ہے۔ (مکمل مقدم قریناً)

تفریح ابواب صلوٰۃ السفر باب صلوٰۃ المسافر

یہاں پر پانچ مسائل ہیں (کمانی حاشیۃ الامع والاوجز)

۱۔ مسافۃ القصر، یعنی سفر شرعی کی تعریف جس میں نماز قصر کے ساتھ پڑھی جاتی ہے اس مسئلہ کے لئے باب مستقل آگے آ رہا ہے۔ ۲۔ متى یقصر المسافر، یعنی مسافر شرعی کو نماز میں قصر کس جگہ سے شروع کرنا چاہئے۔ ۳۔ رخصۃ القصر فی ای سفر۔ کیا ہر سفر شرعی میں نماز کو قصر پڑھ سکتے ہیں یا کسی خاص سفر میں؟ ۴۔ حکم القصر یعنی مسافر کو نماز قصر کرنا رخصت کا درجہ ہے یا عزیمت کا، قصر ہی ضروری ہے یا اتمام بھی جائز ہے۔ ۵۔ مدۃ الاقامۃ، یعنی وہ مدت کیا ہے جس میں قیام کی نیت سے مسافر شرعی مقیم کے حکم میں ہو جاتا ہے۔ یہ پانچ مسائل ہیں جن کا بیان اپنے اپنے باب میں آجائے گا، بعض مسائل ابھی اور ہیں تطوع فی السفر سفر میں سنتیں پڑھی جائیں گی یا نہیں اذان فی السفر جمع بین الصلوٰتین فی السفر مذکورہ بالا باب سے مصنف کا مقصود جو تھا مسئلہ بیان کرنا۔ بحث رابع۔ مسئلہ مختلف فہم ہے حنفیہ کے نزدیک قصر واجب اور اتمام ناجائز ہے اگر کوئی شخص اتمام کرے تو حنفیہ یہ فرماتے ہیں کہ اگر اس شخص نے رکعتیں پر قعدہ کیا تب تو نماز درست ہو جائے گی ورنہ فاسد و جب اس کی یہ ہے کہ حنفیہ کے یہاں سفر میں قصر یعنی رکعتیں رخصت کے طور پر نہیں ہیں بلکہ دو رکعت ہی عزیمت ہیں پھر اس پر زیادتی کیسے جائز ہو سکتی ہے۔

حدیث عائشہ کا مضمون
جو کہ حنفیہ کی تائید ہے

باب کی پہلی حدیث یعنی حدیث عائشہؓ سے حنفیہ کی تائید ہوتی ہے اس لئے کہ حدیث عائشہؓ کا مضمون یہ ہے کہ شروع میں نماز میں دو دو رکعت ہی فرض ہوئی تھیں سفر ہو یا حضر، پھر بعد میں اس میں ترمیم ہوئی وہ یہ کہ حضر کی نماز میں تو اضافہ ہو گیا کہ وہ بچائے دو کے چار ہو گئیں، اور نماز سفر کو اس کے سابق حال پر برقرار رکھا گیا، اس سے معلوم ہو رہا ہے کہ سفر میں دو ہی رکعت اصل میں، یہ مسلک تو حنفیہ کا ہے، اور شافعیہ وغیرہ کے نزدیک سفر میں رکعتیں بطریق رخصت ہیں اور عزیمت سفر میں بھی چار ہی رکعات ہیں لہذا اتمام بھی جائز ہے شافعیہ کا استدلال آیت کریمہ، وَاِذَا حَضَرَکُمْ فِی الْاَرْضِ لِلْیَسْرِ عَلَیْکُمْ جُنَاحٌ اَنْ تَقْصُرُوا مِنَ الصَّلٰوٰۃِ سے ہے جس سے معلوم

ہو رہا ہے کہ مسافر کے لئے قصر سہولت کے لئے ہے، اگر وہ قصر کرے تو اس میں کوئی حرج نہیں، نفی حرج کا تقاضا یہ ہے کہ اگر چاہے تو اتمام بھی کر سکتا ہے جو کہ اصل ہے اور حدیث عائشہ کی وہ یہ تاویل کرتے ہیں کہ سفر کی نماز کو اس کے حال پر برقرار رکھا گیا یعنی لمن اراد ان یقصر علی الرکعتین (قالہ النووی ۲۱۱) اس کے برخلاف حنفیہ حدیث عائشہ کو تو اس کے ظاہر پر رکھتے ہیں اور آیت کریمہ کا جواب یہ دیتے ہیں کہ یہ آیت صلوٰۃ سفر سے متعلق نہیں ہے بلکہ صلوٰۃ الخوف سے متعلق ہے جیسا کہ خود آیت میں اس کی تصریح ہے اور قصر سے مراد قصر الصفتہ ہے نہ کہ قصر العدد و بعبارة اخرى المراد القصر من حیث کیفیۃ الامن حیث الکمیۃ، یعنی بجائے چار کے دو رکعت پڑھنا مراد نہیں ہے بلکہ نماز کو خفیف اور مختصر پڑھنا، کہ خوف کی حالت میں مختصر سی نماز جلدی سے پڑھ لی جائے اس کو طویل نہ کیا جائے۔ اور اگر اس کو صلوٰۃ سفر ہی پر محمول کیا جائے تو پھر یوں کہا جائے گا کہ اس آیت میں مسافر کی نماز پر قصر کا اطلاق حقیقتہً اور فی حدیثاتہ نہیں ہے بلکہ بالنسبۃ الی صلوٰۃ الحضر، یعنی حضر کی نماز کے لحاظ سے سفر کی نماز کو قصر کہہ دیا گیا ورنہ فی الواقع وہ پوری ہی ہے (اور قرینہ اس پر حدیث عائشہ ہے)

قصر و اتمام میں مذاہب ائمہ کی تفصیل | اس کے بعد جاننا چاہیے کہ شافعیہ وغیرہ کے نزدیک اگرچہ اتمام جائز ہے لیکن افضل قصر ہی ہے امام نوویؒ نے شرح مسلمؒ میں اسی قول کو صحیح اور مشہور لکھا ہے، دوسری روایت ان کی یہ ہے کہ اتمام افضل ہے اور تیسری یہ ہے ہما سوار، اور علامہ ساوی مالکی نے لکھا ہے کہ قصر امام مالک کے نزدیک سنت مؤکدہ ہے اور او جہ سے معلوم ہوتا ہے کہ ایک قول ان کا وجوب قصر کا ہے اور ایک استحباب کا بھی اور امام احمد کا ایک قول یہ ہے کہ قصر افضل ہے، کما فی نیل المآرب، اور ایک قول یہ ہے کہ سنت ہے کما فی الروض المربع نیز امام احمد سے منقول ہے حب العافیۃ عن ہذہ المسئلۃ خلاصہ مذاہب یہ نکلا کہ حنفیہ کے نزدیک اتمام ناجائز اور دوسرے علماء کے نزدیک ان کے ایک قول کی بنا پر ناجائز اور ایک قول کی بنا پر جائز۔ اور شافعیہ کے مسلک کی تحقیق حاشیہ پر لکھ دی گئی۔ ان کے یہاں ایک صورت میں اتمام افضل ہے اور ایک میں قصر افضل ہے لیکن اتمام جائز بہر حال ہے بخلاف مالکیہ و حنابلہ کے ان کے ایک قول میں اتمام ناجائز ہے۔

۲- حدثنا احمد بن حنبل اخذہ - یعلی بن امیۃ، ان کو یعلی بن منیہ بھی کہتے ہیں امیہ والد کانام

لہ شافعیہ کا مسلک مشہور علی الاصلۃ یہ ہے کہ ان کے یہاں اتمام افضل ہے، لیکن امام نوویؒ نے اس کے برعکس قصر کو افضل لکھا ہے بظاہر مرجح وہ ہے جو شافعیہ کی مشہور کتاب شرح اتقا میں لکھا ہے کہ جس مسافر کا سفر علی مسانۃ یومین یا مہلتین ہو اس کے حق میں تو اتمام افضل ہے (کیونکہ وہ بعض علماء کے نزدیک مسافری نہیں ہے) اور اگر اس کا سفر علی مسانۃ ثلاثۃ مراحل یا ثلاثۃ ایام ہے تو اس کے حق میں قصر افضل ہے خروج تاج من غلاف الی حنیفۃ ۱۰۰

ہے اور منیہ والدہ کا مشہور صحابی ہیں، قال قلت لعمر بن الخطاب ارایت اقصار الناس الصلوة، وانما قال الله عز وجل ان خفتم ان يفتنکم الذین کفروا۔ یہ باب کی دوسری حدیث ہے اور پہلی حدیث یعنی حدیث عائشہؓ پر کلام ترجمۃ الباب کے تحت ہو چکا۔ اس حدیث میں جو سوال و جواب مذکور ہے وہ ظاہر ہے محتاج تشریح نہیں اس حدیث کے آخر میں ہے فاقبلوا صدقتہ، یعنی سفر کی نماز میں جو قصر کیا گیا ہے وہ اللہ تعالیٰ کی طرف سے ایک بخشش ہے اس کو قبول کرو۔

اس حدیث سے حنفیہ و شافعیہ دونوں ہی استدلال کرتے ہیں، حنفیہ کہتے ہیں کہ یہ ہماری دلیل ہے فاقبلوا امر کا صیغہ ہے جس سے معلوم ہوتا ہے کہ قصر فی صلوۃ السفر واجب ہے، اور شافعیہ یہ کہتے ہیں کہ یہ حدیث ہمارے موافق ہے اس لئے کہ اس سے معلوم ہو رہا ہے سفر میں رکعتیں پڑھنا بطریق قصر ہے رکعتیں پر قصر کا اطلاق اسی وقت درست ہو گا جبکہ اصل فریضہ چار رکعات ہوں۔

بذل الجہود میں حنفیہ کے مسلک کی تائید میں بالتفصیل سات دلیلیں ذکر کی ہیں، سب سے پہلی دلیل اس میں یہ لکھی ہے کہ حضور

وجوب قصر میں حنفیہ کے دلائل

صلی اللہ علیہ وسلم سے مشہور روایات کے اعتبار سے اپنے تمام اسفار میں قصر ہی ثابت ہے، ہمیشہ آپ قصر فرماتے تھے اگر اتمام جائز ہوتا تو کبھی تو آپ بیان جواز کیلئے ایسا کرتے، اور دوسری دلیل بذل میں یہی یعلیٰ بن امیہ والی حدیث ہے شافعیہ تو اس کے بارے میں یہ کہتے ہیں کہ متصدق علیہ پر قبول صدقہ واجب نہیں بلکہ اس کو دونوں اختیار ہیں ہماری طرف سے اس کا یہ جواب دیا گیا کہ ایسی چیز کا تصدق جس میں تملیک کا احتمال نہ ہو جیسے یہاں پر رکعتیں تو وہ حکم میں استقاط کے ہوتا ہے یعنی صاحب حق نے اپنا حق ساقط کر دیا لہذا اس کا تحقق دوسرے شخص کے قبول کرنے پر موقوف نہیں بلکہ ہر حال میں ساقط ہو جائے گا۔

۲۔ حد ثنا احمد بن حنبل انہ۔ قولہ۔ قال ابو داؤد رواہ ابو عاصم وحماد بن مسعود

کہ رواہ ابن بکر۔

شرح السند

مصنف نے اس حدیث یعنی کو دو سندوں سے ذکر کیا ہے دونوں کا مدار ابن جریر پر ہے پہلی سند میں ابن جریر سے روایت کرنے والے یحییٰ القطان تھے اور یہاں دوسری سند میں عبد الرزاق اور محمد بن بکر ہیں، دونوں سندوں میں جو فرق ہے مصنف اس کو بتا رہے ہیں اور یہ کہہ رہے ہیں کہ ابو عاصم اور حماد بن مسعود نے بھی اسی طرح روایت کیا جس طرح محمد بن بکر نے کیا ہے، وہ فرق یہ ہے کہ پہلی سند میں ابن جریر اور عبد اللہ بن بابیہ کے درمیان واسطہ عبد الرحمن بن عبد اللہ کا تھا اور اس دوسری سند میں بجائے عبد الرحمن کے ان کے والد عبد اللہ کا ہے، اور اس فرق کو اس طرح بھی تعبیر کر سکتے ہیں کہ پہلی

سند میں ابن جریر کے استاذ عبد الرحمن تھے اور دوسری میں عبد الرحمن کے والد عبد اللہ ہیں۔
 تنبیہ۔ بذل الجہود میں اس مقام کی تشریح شروع میں اس طرح کی ہے جس سے یہ وہم ہوتا ہے کہ فرق دونوں
 سندوں میں واسطہ اور عدم واسطہ کا ہے حالانکہ ایسا نہیں بلکہ فرق تبدیل واسطہ کا ہے پھر آگے چلکر حضرت نے جو
 تحقیق فرمائی وہ صاف ہے۔

باب متى يقصر المسافر

ترجمۃ الباب کی تشریح | ترجمۃ الباب کے دو مطلب ہو سکتے ہیں ایک یہ کہ جو شخص سفر شروع کر رہا ہے
 وہ اپنی نماز میں قصر کب سے کرے مسئلہ اختلافی ہے۔

تقریبی طور پر ائمہ اربعہ کا مذہب یہ ہے اذ اخرج من بیوت المصر یعنی آبادی سے باہر نکلنے کے بعد سے نماز میں قصر
 شروع کرے، امام شافعی کا مشہور قول یہ ہے کہ اس میں سور البلد (شہر پناہ) کا اعتبار ہے جو بڑے شہروں میں ہوا
 کرتی ہے اس کو پار کرنے کے بعد قصر شروع کر دے اگرچہ وہاں آبادی ختم نہ ہو رہی ہو اور مجاہد سے منقول ہے کہ
 اگر سفر کی ابتداء دن میں ہوئی تو رات آنے سے پہلے قصر نہ کرے، اور اگر سفر کی ابتداء رات سے ہوئی ہے تو دن
 ہونے سے پہلے قصر نہ کرے اس کے بالمقابل عطاء کا مذہب یہ ہے کہ آبادی کے اندر بھی قصر جائز ہے۔
 اور دوسرا احتمال ترجمۃ الباب میں یہ ہے کہ مصنف کی غرض اہل مسافرت قصر کو بیان کرنا ہے یعنی کس
 سفر کے اندر قصر ہوتا ہے یعنی سفر شرعی کی مقدار۔

حدیث الباب سے معلوم ہوتا ہے کہ مصنف کی غرض اسی مسئلہ کو بیان کرنا ہے اس میں اختلاف ہے جو آگے آ رہا

۱۔ حدثنا ابن بشار۔ قال۔ کان رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم اذا اخرج مسیوقاً ثلاثاً

امیال او ثلاثہ قصر امسخر..... یعنی رکعتیں۔

حدیث سے ظاہر یہ کہ | مسافرت قصر یعنی سفر شرعی کی مقدار میں اختلاف ہے، ظاہر یہ کہ نزدیک اس کی
 مقدار تین میل ہے اور طائفہ ظاہر یہ کہ امام ابن حزم کے نزدیک ایک میل ہے،
 ظاہر یہ کہ استدلال اسی حدیث سے ہے لیکن اس سے استدلال آؤ لا تو اسلے

صحیح نہیں کہ حدیث میں شک راوی مذکور ہے تین میل اور تین فرسخ کے درمیان شعبہ کو شک ہو رہا ہے، ایک فرسخ
 تین میل کا ہوتا ہے اس حساب سے تین فرسخ کے نو میل ہوتے ہیں، ثانیاً جمہور کہتے ہیں کہ آپ صلی اللہ علیہ وسلم نہ
 تین میل پر قصر کرتے تھے اور نہ تین فرسخ پر، یہ حدیث یا تو اختصار پر مبنی ہے یا ظن راوی پر بلکہ وہم راوی پر،
 صحیح صورت حال وہ ہے جو باب کی حدیث ثانی میں مذکور ہے جس کا حاصل یہ ہے کہ حضور نے اپنے سفر مکہ میں مدینہ

سے روانہ ہونے کے بعد ذوالحلیفہ پہونچکر جو کہ سفر کی پہلی منزل ہے وہاں آپ نے نماز قصر پڑھی جو مدینہ سے تقریباً چھ میل کے فاصلہ پر ہے اب اگر کوئی شخص یہ کہے کہ حضور صلی اللہ علیہ وسلم چھ میل کی مسافت پر قصر فرماتے تھے تو یہ صحیح نہ ہوگا اس لئے کہ ذوالحلیفہ آپ کا مقصد سفر نہیں تھا وہ تو درمیان کی منزل تھی جیسے کوئی سہارنپور سے دہلی کے لئے روانہ ہو اور راستہ میں دیوبند کے اسٹیشن پر نماز قصر پڑھے تو اس کے معنی یہ سمجھنا ہی ہوتے کہ دیوبند تک کے سفر میں قصر کیا جائے گا۔

یہ تو ہوا باب کی پہلی حدیث پر کلام اور ظاہر یہ کہ استدلال کا جواب۔

اب آپ مسافت قصر کے بارے میں ائمہ اربعہ کے مذاہب سنیں۔

مسافت قصر میں ائمہ اربعہ کے مذاہب

ائمہ ثلاثہ کے نزدیک سفر شرعی کی مقدار یومان او یومؑ
 ولیلۃ، یعنی صرف دو دن بغیر رات کو شامل کئے اور یا ایک دن اور ایک رات، او مرحلتان، مرحلہ بڑی منزل کو کہتے ہیں، او اربعۃ تبرؤ، بڑد برید کی جمع ہے برید چھوٹی منزل کو کہتے ہیں جو بارہ میل کی ہوتی ہے، یعنی چھوٹی چار منزلیں یا بڑی دو منزلیں اوستہ عشر فرسخا، ایک فرسخ تین میل کا ہوتا ہے لہذا سولہ فرسخ کے اڑتالیس میل ہوئے، یہ تفصیل ہے ائمہ ثلاثہ کے مسلک کی۔

وعندنا ثلثۃ ایام من أقصر ایام السنۃ بسیر الابل ومشی الاقدام او ثلثۃ مراحل، یعنی تین دن یا تین بڑی منزلیں، اصل تحدید ہمارے یہاں یہی ہے۔ قال فی الہدایۃ ولا عبرۃ بالفراسخ یعنی ہمارے اصل مذہب میں امیال و فراسخ کا اعتبار نہیں، لیکن حاشیہ ہدایہ میں لکھا ہے کہ البتہ مشایخ حنفیہ یعنی متاخرین نے فراسخ کا اعتبار کیا ہے، پھر اس میں انھوں نے تین قول لکھے ہیں۔ اکیس فرسخ، اٹھارہ فرسخ، پندرہ فرسخ، اور یہ بھی لکھا ہے کہ فتویٰ درمیانی قول پر ہے یعنی اٹھارہ فرسخ پر، چونکہ ایک فرسخ تین میل کا ہوتا ہے اٹھارہ کو تین میں ضرب دیئے سے چوں میل ہوتے ہیں لیکن بعد کے مفتیان کرام کا فتویٰ اڑتالیس میل پر ہے۔
 تنبیہ:- مذکورہ بالا مسلک جمہور سے پتہ چلتا ہے کہ ایک مرحلہ جو بیس میل کا ہوتا ہے اس حساب سے انھوں نے مرحلتین کی مقدار اڑتالیس میل بیان کی ہے اب جب مذہب حنفی میں سفر شرعی کی مقدار تین مراحل ہیں تو اس کی مجموعی تعداد میلوں کے اعتبار سے بہتر میل ہوتی ہے، یہ چیز قابل غور ہے،

فائدہ:- مشہور یہ ہے کہ عند الحنفیہ سفر شرعی کی مقدار جمہور کی مقدار سے زائد ہے اس پر ہمارے استاد مرشد حضرت شیخ نور اللہ مرقدہ یہ اشکال فرماتے تھے کہ مشہور تو یہ ہے حالانکہ جس طرح اڑتالیس میل مسافت سفر جمہور کے یہاں ہے اسی طرح ہمارے علماء بھی لکھتے ہیں تو پھر فرق کیا رہا لیکن اس کا جواب ہم نے اوپر جو مذاہب کی تشریح کی ہے اس سے خود بخود حل ہو جاتا ہے وہ یہ کہ اصل تو ہمارے یہاں تقدیر بالزمان ہے یا بالمرحل اور وہ

ہمارے یہاں جمہور سے زائد ہے ان کے یہاں دو دن ہیں اور ہمارے یہاں تین دن اور یہ تقدیر بالامیال تو متاخرین اور اہل فتویٰ کی ایجاد ہے،

بَابُ الْإِذَانِ فِي السَّفَرِ

سفر میں اذان غیر مؤکد ہے یعنی صرف مستحب ہے، عند الاربۃ۔ ہدایہ میں لکھا ہے کہ مسافر کے لئے صرف اقامت پر اکتفا کرنا جائز ہے، لیکن اذان و اقامت دونوں کا ترک مکروہ ہے البتہ داؤد ظاہری اور عطار کے نزدیک مسافر کے حق میں بھی فرض ہے۔

نیز جاننا چاہیے کہ اذان منفرد کے حق میں بھی مستحب ہے عند الجمہور والائمۃ الثلاثہ۔ اور امام مالک سے مروی ہے کہ منفرد کے لئے صرف اقامت ہے، وقیل لایستحب وقیل یستحب لمن یرجو حضور الجماعۃ۔

قولہ۔ سمعت رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم یقول یغضب ربک عز وجل من راعی غنم فی

رأس شظیۃ بجبل یؤذن بالصلوۃ۔ اللہ تعالیٰ اس چرواہے سے بہت خوش ہوتے ہیں (یا پسند کرتے ہیں) جو پہاڑ کی بلندی پر اذان دیتا ہے۔

اس حدیث کی ترجمۃ الباب سے مطابقت میں اشکال ہے ترجمۃ الباب میں مسافر کا ذکر ہے اور حدیث میں چرواہے کا جس کے لئے مسافر ہونا ضروری نہیں بلکہ عام ہے، جواب یہ ہے کہ اس عموم ہی سے استدلال ہے، لیکن اولیٰ یہ تھا مصنف کے لئے کہ وہ اس باب میں مالک بن انحورث کی حدیث کو ذکر کرتے جیسا کہ اس کو امام نسائی، ترمذی اور امام بخاری نے ذکر کیا ہے امام بخاری نے اس سلسلہ میں حدیث ابو ذر کو بھی ذکر فرمایا ہے جس سے اذان فی السفر ثابت ہوتا ہے۔

بَابُ الْمَسَافِرِ صَلَّى وَهُوَ يَشْكُ فِي الْوَقْتِ

مسئلہ اجماعی یہ ہے کہ آدمی کو جب تک دخول فی الوقت کا یقین نہ ہو جائے اس وقت تک اس کو نماز شروع کرنا جائز نہیں مسافر ہو یا مقيم، ترجمہ میں مسافر کی قید اجترازی نہیں بلکہ اس حیثیت سے ہے کہ وقت کے بارے میں شک زیادہ تر سفر ہی کی حالت میں پیش آتا ہے۔

قولہ۔ فقلنا زالت الشمس اولم تنزل صلی الظهر، اس سے مقصود راوی کا مبالغہ فی التخیل کو بیان

کرنا ہے کہ سفر میں آپ ظہر کی نماز کو بالکل اول وقت میں ادا فرماتے تھے، ہم سوچتے تھے خبر نہیں اچھی طرح زوال بھی ہوا یا نہیں؟

باب الجمع بین الصلوتین

سفر کے احکام چل رہے ہیں منجملہ ان کے ایک حکم یہ ہے کہ سفر کی وجہ سے جمع بین الصلواتین جائز ہے، اور یہ بات دسیوں احادیث سے ثابت ہے لیکن ملہار کا اس میں اختلاف ہو رہا ہے کہ جمع سے مراد جمع حقیقی ہے یعنی من حیث الوقت (ایک نماز کو دوسری نماز کی وقت میں پڑھنا) یا جمع صوری جس کا مطلب یہ ہے کہ پہلی نماز کو اس کے بالکل اخیر وقت میں ادا کیا جائے اور دوسری نماز کو اس کے اول وقت میں، یہاں صرف صورتہ جمع ہے حقیقہ نہیں اس کو جمع من حیث الفعل سے بھی تعبیر کرتے ہیں۔

مہرور علمائے ثلاث احادیث کو جمع حقیقی پر محمول کرتے ہوئے اس کے جواز کے قائل ہیں اور حضرات احناف جمع صوری کے۔ احادیث اس سلسلہ میں محمل ہیں بعض سے بظاہر جمع حقیقی سمجھ میں آتا ہے اور بعض سے صراحتہ جمع صوری کی تائید ہوتی ہے، آگے کتاب میں دونوں طرح کی روایات آرہی ہیں۔

ہمارے حضرت شیخؒ اپنی تقاریر میں بکثرت یہ بات فرمایا کرتے تھے کہ احناف کے اصول میں سے یہ ہے کہ وہ اختلاف روایات کے وقت اوفیٰ بالقرآن کو اختیار کرتے ہیں اور ظاہر بات ہے کہ روایات کو

اختلاف روایات کے وقت
اوفیٰ بالقرآن کو ترجیح

جمع صوری پر محمول کرنا ہی اوفیٰ بالقرآن ہے، قال اللہ تعالیٰ: ان الصلوۃ کانت علی المؤمنین کتاباً موقوتاً، تفسیر بیضاوی میں لکھا ہے، ای فرضاً محدود الاوقات لایجوز اخراجہا عن اوقاتها فی شئ من الاحوال۔ سیطرہ جلال الدین سیوطی لکھتے ہیں کتاباً مکتوباً ای فرضاً موقوتاً ای مقدراً وقتہا فلا تقضہ عنہ۔ شکوۃ کی شرح التعلیق الصبیح ص ۱۲۶ میں شیخ اکبر محی الدین ابن العربیؒ سے نقل کیا ہے کہ یہ بات بالکل واضح ہے کہ نمازوں کے اوقات ہر ایک کا الگ الگ نفوس صحیحہ و صریحہ سے ثابت ہے لہذا کسی نماز کو اس کے وقت معین کے علاوہ دوسرے وقت میں پڑھنے کا جواز اس وقت تک نہیں ہو سکتا جب تک کہ اس کا ثبوت نص صریح غیر محتمل نہ ہو جائے اور یہاں پر ایسا نہیں اس لئے کہ جمع بین الصلوتین کی روایات محتمل اور مستحکم فیہ ہیں یا صحیح ہیں لیکن نص نہیں۔

اس کے بعد جاننا چاہیے کہ جمع بین الصلوتین میں چھ مذہب مشہور ہیں۔ ۱۔ الجواز مطلقاً ہو مذہب الاثرۃ الثلاثة ۲۔ عدم الجواز

جمع بین الصلوتین میں مذہب ائمہ

مطلقاً و حقول الیٰ منقذہ والصاحبین والبعثی والحسن، لیکن عرفات اور مزدلفہ میں جو جمع بین الصلوتین ہوتا ہے وہ اس سے مستثنیٰ ہے ان دونوں جگہوں میں جمع بین الصلوتین بالاجماع جائز ہے۔

۱۲۔ بخوار جمع اذا جددہ السیر یعنی کوئی جلدی کا سفر ہو (ایمر جنسی) یہ امام مالک کا مشہور قول ہے، ۱۳۔ بخوار جمع اذا ارادہ قطع الطريق بظاہر مطلب یہ ہے کہ اگر جمع بین الصلوٰتین اس مصلحت سے کیا جا رہا ہو کہ سفر جلدی طے ہو جائے گا تب تو جائز ہے ورنہ محض تفریحاً اور سہولت پسندی کے طور پر جائز نہیں یہ ابن حبیب مالکی کا قول ہے۔ ۱۴۔ جمع بین الصلوٰتین گو جائز ہے لیکن مع الکراہۃ یہ امام مالکؒ کی ایک روایت ہے ۱۵۔ ابن حزم ظاہری کا مذہب یہ ہے کہ جمع بین الصلوٰتین تاخیراً جائز ہے تقدیراً نہیں، ان کی رائے یہ ہے کہ آپ صلی اللہ علیہ وسلم سے جمع بین الصلوٰتین سفر میں صرف تاخیراً ثابت ہے (مثلاً ظہر اور عصر دونوں کو عصر کے وقت میں پڑھنا) تقدیراً ثابت نہیں۔
 ۱۶۔ خلاصہ۔ جمع بین الصلوٰتین کے اسباب مختلف ہیں ۱۷۔ لاجل الاستحاضۃ چنانچہ اس سلسلہ کی روایات ابواب الاستحاضۃ میں گزر چکی ہیں ۱۸۔ جمع بین الصلوٰتین لاجل السفر (یہ تو زیر بحث ہی ہے) ۱۹۔ جمع بین الصلوٰتین فی الحضر لاجل المرض، یہ ائمہ میں سے صرف امام احمدؒ کے نزدیک جائز ہے ۲۰۔ جمع فی الحضر لاجل المطر۔ یعنی حضر کی حالت میں بارش کی شدت کی وجہ سے دو نمازوں کو ایک وقت میں جمع کر دینا یہ ائمہ ثلاثہ کے نزدیک جائز ہے حنفیہ کے نزدیک نہیں (بلکہ ان کے نزدیک تو کوئی بھی قسم جائز نہیں) لیکن امام مالکؒ یہ فرماتے ہیں کہ یہ جمع یلیتین میں تو جائز ہے اور نہایتین (ظہر و عصر) میں جائز نہیں، چنانچہ بارش کی کثرت کی وجہ سے ان کے نزدیک مغرب و عشاء دونوں کو جمع کر سکتے ہیں۔ لوگ مسجد میں مغرب کی نماز پڑھنے کے لئے گئے وہاں زوردار بارش شروع ہو گئی تو یہ لوگ اگر مغرب کے ساتھ عشاء بھی پڑھ لیں تاکہ دوبارہ بارش میں نہ آنا پڑے تو جائز ہے لیکن ظہر و عصر میں ایسا کرنا جائز نہیں کیونکہ دن میں کوئی زیادہ پریشانی نہیں، بخلاف امام شافعیؒ احمدؒ کے کہ ان کے یہاں ظہر اور عصر کو بھی جمع کر سکتے ہیں۔

کیا جمع فی الحضر بھی جائز ہے؟ | جمع فی الحضر کی ایک قسم اور باقی رہ گئی یعنی بلا کسی عذر اور مجبوری کے جمع بین الصلوٰتین کرنا، یہ قسم ائمہ اربعہ میں سے کسی کے نزدیک جائز

نہیں ہاں بعض دوسرے علماء کے نزدیک جائز ہے بشرط ان لا یخذلہ عادة ذہب الیہ ابن سیرین وریۃ الراۃ وابن المنذر وجماعۃ من اصحاب الحدیث۔

اب ہم ان تہمیدی مباحث و مسائل کے بعد جن کا جانا بہت ضروری اور مفید تھا اصل مضمون حدیث کو لیتے ہیں
 ۱۔ حدثنا القعنبی عن مالک عن ابی الزبیر المکیؒ: یہ جمع بین الصلوٰتین کے بارے میں حضرت معاذؓ کی حدیث ہے جس کو مصنفؒ نے مختلف طرق سے ذکر کیا ہے اس کے بعض طرق میں جمع تقدیم مذکور ہے۔ ابن حزم ظاہری سفر میں جمع تاخیر کے تو قائل ہیں لیکن جمع تقدیم کے قائل نہیں وہ فرماتے ہیں کہ جمع تقدیم کسی صحیح حدیث سے ثابت نہیں، اور یہ پہلے آچکا کہ احناف نے جمع تقدیم کے قائل ہیں اور نہ جمع تاخیر کے ان کے

نزدیک ان سب احادیث میں جمع سے جمع صوری مراد ہے۔

لیکن جمع صوری والی توجیہ و تاویل جمع تاخیر میں تو بسہولت چل سکتی ہے لیکن جمع تقدیم میں مشکل ہے اس لئے کہ جمع تاخیر کا مطلب یہ ہے جیسا کہ بعض

جمع تقدیم و جمع تاخیر پر بحث

روایات میں اس کی تصریح ہے کہ حضور صلی اللہ علیہ وسلم جب کسی سفر کے درمیان کسی منزل سے کوچ فرماتے تھے تو اگر اس وقت ظہر کا وقت شروع نہ ہوتا تو بغیر نماز پڑھے وہاں سے روانہ ہو جاتے اور پھر آگے چل کر ظہر کے آخر وقت میں ظہر و عصر کو جمع فرما لیتے، یہ تو ہوئی جمع تاخیر، اس میں حنفیہ کی توجیہ بسہولت چل سکتی ہے کہ ظہر کو اس کے آخر میں پڑھا اور عصر کو اس کے اول وقت میں۔

اور جمع تقدیم جو کہ بعض روایات ضعیفہ سے ثابت ہے اس کی صورت یہ وارد ہے کہ آپ صلی اللہ علیہ وسلم جب کسی منزل سے کوچ فرماتے تو اگر اس وقت زوال ہو چکا ہوتا تو ظہر اور اس کے بعد ساتھ ہی عصر بھی پڑھ لیتے تھے تو اب دیکھیے یہ جمع تقدیم ہے اس میں جمع صوری کی توجیہ بہت مشکل ہے، خلاف ظاہر ہے اس کا جواب ہمارے پاس یہ ہے کہ جمع تقدیم ثابت ہی نہیں ہے کما اعترف بہ ابن حزم۔

اس کے بعد آپ سمجھیے باب کی یہ پہلی حدیث معاذ بن جبل کی ہے اس کو مصنف نے کئی طریق سے ذکر کیا ہے یہ پہلا طریق مالک عن ابی الزبیر ہے اس

روایات الباب کا تجزیہ

میں صرف جمع تاخیر مذکور ہے اس کے بعد مستقلاً ہی حدیث هشام بن سعد کے طریق سے آ رہی ہے اس میں جمع تقدیم مذکور ہے۔

جواب یہ ہے کہ ہشام راوی ضعیف اور متکلم فیہ ہے، اسی طرح چند احادیث کے بعد پھر یہی حدیث معاذ ایک اور طریق سے آ رہی ہے یزید بن ابی حبیب عن ابی الطفیل اس میں بھی جمع تقدیم موجود ہے لیکن اس روایت پر محدثین نے نقد کیا ہے خود مصنف نے بھی قال ابوداؤد لم یروہذا الحدیث الا قتیبة وحده ان کے علاوہ کسی اور نے بیث سے اس میں جمع تقدیم کو ذکر نہیں کیا، یہی بات امام ترمذی نے بھی فرمائی ہے قال الترمذی حسن غریب تفرد بہ قتیبة والمعروف عند اهل العلم حدیث معاذ من حدیث ابی الزبیر عن ابی الطفیل عن معاذ، بلکہ ابن الجوزی نے تو اس حدیث معاذ کو جس میں جمع تقدیم موجود ہے موضوع قرار دیا ہے، اسی طرح آگے کتاب میں حضرت انس کی حدیث آ رہی ہے اس سے بھی صاف طور سے یہ معلوم ہوتا ہے کہ آپ صلی اللہ علیہ وسلم صرف جمع تاخیر فرماتے تھے جمع تقدیم نہیں۔

۲۔ حدثنا سليمان بن داود العتكي - قوله - ان ابن عمر استصبر على صفة وهو بمكة - مضمون حدیث حضرت ابن عمر کے پاس جبکہ وہ مکہ میں تھے، ان کی اہلیہ صفیہ کا قاصد پہنچا اور وہاں جا کر ان کی

اہلیہ کے بارے میں چلایا یعنی ان کی اہلیہ کی طرف سے فریاد و استغاثہ کیا، استغراخ کے معنی ہیں مصیبت کے وقت کسی کو پکارنا اعانت کے لئے، ترمذی کی روایت میں بجائے اس کے استغیث کا لفظ ہے۔ دراصل ان کی اہلیہ جو غالباً مدینہ منورہ میں تھیں وہ شدید بیمار ہوئیں تو انھوں نے اپنے شوہر ابن عمرؓ کے پاس جبکہ وہ مکہ میں تھے ایک قاصد کے ذریعہ یہ کہلا کر بھیجا انی فی آخر یوم من ایام الدنیا واول یوم من الآخرة، کہ یہ میری زندگی کا آخری دن ہے اگر صورت دیکھنا چاہو تو فوراً آ جاؤ، چنانچہ اس پر وہ فوراً وہاں سے روانہ ہو گئے اور یہ عصر کے بعد کا وقت تھا راستہ میں جب مغرب کا وقت ہوا تو خادم نے عرض کیا کہ نماز پڑھ لیجئے مگر انھوں نے اس وقت نہیں پڑھی بلکہ چلتے ہی رہے آگے حدیث میں ہے۔

فساد حتی غاب الشفق فنزل فجمع بینہما یعنی غروب شفق کے بعد وہ سواری سے اترے اور مغرب وعشاء کو عشاء کے وقت میں جمع فرمایا۔ بظاہر یہ جمع حقیقی ہے لیکن صورت حال یہ ہے کہ مصنف نے اس واقعہ کو مختلف طرق سے مکرر کر اس باب میں ذکر کیا ہے آگے ایک روایت کے الفاظ یہ ہیں۔ حتی اذا کان قبل غیوب الشفق نزل فصلى المغرب ثم انتظر حتى غاب الشفق فصلى العشاء۔

اس روایت میں تصریح ہے کہ وہ غروب شفق کے بعد نہیں بلکہ اس سے پہلے غروب کے قریب سواری سے اترے اور مغرب کی نماز پڑھی پھر عشاء دیر انتظار فرمایا یہاں تک کہ جب غروب شفق ہو گیا تب عشاء کی نماز پڑھی، بحمد اللہ تعالیٰ یہ روایت بالکل مرتع اور صاف ہے، لہذا جس روایت میں یہ ہے کہ غروب شفق کے بعد وہ سواری سے اترے اس سے مراد قرب غروب ہے، اسی طرح نسائی شریف کی ایک روایت میں ہے حتی اذا کان فی آخر الشفق نزل اس سے بھی یہی معلوم ہو رہا ہے کہ ان کا نزول غروب شفق سے قبل ہوا۔ یہ تو اگرچہ ابن عمرؓ کا فعل اور ان کا واقعہ ہے لیکن آگے روایت میں مزید برآں یہ آ رہا ہے ثم قال ان رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کان اذا عجل بہ امرٌ صنع مثلاً الذی صنعت۔ ابن عمرؓ اس جمع سواری کے بعد فرما رہے ہیں کہ حضور صلی اللہ علیہ وسلم بھی سفر میں ایسا ہی کیا کرتے تھے، معلوم ہوا اس سلسلہ کی تمام ہی روایات میں جمع سے مراد جمع سواری ہے فللہ الحمد والمآل۔

۳۔ حدیثنا یزید بن خالد الخزیمی عن حضرت معاذؓ کی وہ حدیث ہے جس میں جمع تقدیم مذکور ہے جس پر کلام ہمارے یہاں پہلے گذر چکا۔

۴۔ حدیثنا قتیبہ بن سعید عن ابن عمرؓ قال ما جمع رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم بین المغرب والعشاء قط فی السفر الا مرة؛ اس میں بڑا اشکال ہے کہ حضورؐ نے صرف ایک ہی مرتبہ سفر میں مغرب وعشاء کو جمع فرمایا، آپؐ نے تو بار بار جمع فرمایا ہے، جواب یہ ہے کہ راوی کا مقصود مطلق سفر نہیں ہے بلکہ کسی خاص سفر

کے بارے میں کہہ رہے ہیں کہ اس میں آپ نے صرف ایک مرتبہ جمع فرمایا۔ فلا اشکال۔

۵۔ حدیثنا القعنبی الخ۔ عن عبد اللہ بن عباس قال صلی رسول اللہ علیہ وسلم الظهر والعصر

جمعاً والمغرب والعشاء جمعاً فی غیر خوف ولا سفر۔ اور بعض روایات میں اس طرح ہے صلی رسول اللہ علیہ وسلم ثمانیاً جمعاً وسبعا جمعاً۔ ظہر وعصر دونوں ملا کر آٹھ رکعات ہوتی ہیں وہ آپ نے ایک ساتھ ملا کر پڑھیں اور مغرب وعشاء دونوں ملا کر سات رکعات ہوتی ہیں وہ بھی آپ نے ایک ساتھ پڑھیں۔

جمع فی الحضر | یہ جمع بین الصلوٰتین فی السفر نہیں ہے جیسا کہ روایت میں اس کی تصریح ہے بلکہ یہ جمع فی الحضر ہے اسی لئے امام ترمذی نے اس حدیث کو ابواب السفر میں ذکر نہیں کیا بلکہ ابواب السفر شروع ہونے

سے پہلے ایک مستقل باب میں ذکر کیا ہے، یہ واقعہ خاص مدینہ منورہ کا ہے جیسا کہ آئندہ روایت میں اس کی تصریح ہے اس طرح کا جمع ائمہ ثلاثہ کے نزدیک بارش کے موقع پر جائز ہے کما تقدم فی اول الباب۔

قال مالک ادری کان ذلک فی مطور۔ امام مالک فرماتے ہیں میرا خیال یہ ہے کہ ایسا آپ نے بارش کی وجہ سے کیا ہوگا، لیکن یہ خیال صحیح نہیں اس لئے کہ آئندہ روایت میں آ رہا ہے من غیر خوف ولا مطور۔ لہذا اب اس حدیث کا جواب بہت مشکل ہو گیا، چنانچہ امام ترمذی نے کتاب العطل میں فرمایا ہے کہ میری اس کتاب یعنی جامع ترمذی میں دو حدیثیں ایسی ہیں جن کے ترک پر علماء کا اتفاق ہے اور وہ خلافت اجماع ہیں، ان دو میں ایک حدیث تو یہی ہے جو زیر بحث ہے اور دوسری حدیث کتاب الحدود کی ہے کہ آپ نے شارب خمر کے متعلق فرمایا کہ اس کو چوتھی مرتبہ میں قتل کر دیا جائے۔

ان دو حدیثوں کا خلافت اجماع ہونا ائمہ اربعہ اور مشہور مذاہب کے اعتبار سے ہے ورنہ بعض علماء اس کے قائل ہیں چنانچہ پہلے گذر چکا کہ طائفۃ من الظاہر یہ اور ابن سیرین وغیرہ کے نزدیک کبھی کبھی ایسا کرنا جائز ہے لیکن تنفیہ کے لئے اس کا جواب آسان ہے کہ جس طرح سفر کی روایات کا محل ان کے نزدیک جمع صوری ہے ایسے ہی وہ یہاں بھی کہہ سکتے ہیں۔

۶۔ حدیثنا محمد بن عبید الخ۔ قوله۔ حتی اذا کان قبل غیوب الشفق نزل فصلی المغرب

ثم انتظر حتی غاب الشفق فصلی العشاء، یہ روایت جیسا کہ پہلے گذر چکا جمع صوری کے بارے میں مرتفع ہے اور حنفیہ کی بہت واضح دلیل ہے، اس سے اگلی روایت میں آ رہا ہے حتی اذا کان عند ذهاب الشفق نزل اس سے بھی ہماری تائید ہوتی ہے۔

۷۔ حدیثنا سلیمان بن حرب الخ۔ قوله۔ صلی بنا رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم بالمدينة

ثمانیاً وسبعا، یہ جمع بین الصلوٰتین فی الحضر والی روایت ہے جس پر کلام پہلے گذر چکا۔

۸۔ حدیثنا عبد الملک بن شعیب الخ۔ قولہ۔ فسارحتی غاب الشفق وتصوبت النجوم،

یہ وہی ابن عمر کی حدیث ہے جس میں تھا ان ابن عمر استمرغ علی صفیہ اس روایت کو مصنفؒ کی بار ذکر کر چکے ہیں اس سے پہلے اس کے لفظ بجائے غاب الشفق کے قبل غیوب الشفق گذر چکے ہیں، لہذا یہاں بھی وہی مراد لیا جائے گا۔ مشہور ہے کہ قریب الشی کو عین الشی کا حکم دیدیا جاتا ہے۔ تصویب النجوم کا لفظی ترجمہ ہے جب ستارے بچے کو اتر آئے اور مراد یہ ہے کہ وہ ظاہر ہو گئے اور چمکنے لگے۔ مغرب کا وقت تقریباً ڈیڑھ گھنٹہ تک رہتا ہے اور ستارے بعض مرتبہ ایک آدھ گھنٹے بعد ہی چمکنے لگتے ہیں، لہذا یہ ہمارے خلاف نہیں ہے۔

قولہ۔ ان الجمع بینہما من ابن عمر کان بعد غیوب الشفق۔

یہ اسماعیل بن عبد الرحمن راوی کا مقولہ ہے، حضرت اقدس گنگوہی کی تقریر میں یہ ہے کہ اگر کسی روایت میں صراحۃً یہ بھی آجائے کہ آپؐ نے مغرب وعشاء کو غروب شفق کے بعد جمع کیا (جیسا کہ یہاں اس روایت میں ہے) یا یہ تصریح آجائے کہ

جمع بین الصلوتین کی ایک لطیف توجیہ

آپؐ نے ظہر وعصر کو عصر کے وقت میں جمع فرمایا تب بھی اس سے جمع حقیقی ہونا لازم نہ آئے گا ہاں اگر یہ آئے کہ ظہر وعصر کو آپؐ نے عصر کے وقت میں ادار فرمایا (بجائے لفظ جمع کے لفظ ادار) تو بیشک اس کا مطلب جمع حقیقی ہوگا وجہ اس کی یہ ہے کہ جمع بین الفعلین کا تحقق فعل ثانی کی ابتداء سے ہوگا نہ کہ فعل اول کی ابتداء سے لہذا اگر ظہر کو اس کے آخر وقت میں پڑھ کر عصر کو عصر کے اول وقت میں شروع کیا جائیگا تو دیکھیے جمع کا تحقق تو عصر ہی کے وقت میں ہوا حالانکہ ہر نماز اس کے وقت میں ادار کی گئی ہے، لہذا راوی کا یہ کہنا کہ آپؐ نے ظہر وعصر کو عصر کے وقت میں جمع فرمایا، درست ہے حنفیہ کے خلاف نہیں۔ سبحان اللہ! محدث گنگوہی نے کیسی عمدہ بات بیان فرمائی۔

۹۔ حدیثنا قتیبہ وابن مویہ الخ۔ عن النبی بن مالک الخ۔ مضمون حدیث یہ ہے کہ آپؐ کا معمول

یہ تھا کہ دوران سفر کسی منزل سے روانگی اگر زوال شمس سے پہلے ہوتی تب تو آپؐ بغیر نماز ادار کئے روانہ ہو جاتے اور پھر آگے چل کر کسی جگہ اتر کر ظہر وعصر کو ایک ساتھ پڑھتے (یہ تو کوئی جمع تاخیر)

اور اگر روانگی سے پہلے زوال شمس ہو جاتا تو صرف ظہر کی نماز پڑھ کر وہاں سے روانہ ہوتے (عصر نہ پڑھتے) اس حدیث میں جمع تاخیر کا ثبوت اور جمع تقدیم کی نفی ہے، اس کا حوالہ ہمارے یہاں شروع بحث میں گذر چکا ہے۔

جمع تقدیم کی نفی

۱۰۔ حدیثنا قتیبہ بن سعید، یہ معاذ بن جبل کی وہ حدیث ہے جس میں جمع تقدیم مذکور ہے اس پر کلام بالتفصیل باب کے شروع میں گذر چکا۔

باب التطوع في السفر

جاننا چاہیے کہ حالت سفر میں نوافل مطلقہ کا پڑھنا بالاتفاق مستحب ہے کوئی اس کا منکر نہیں ہے البتہ رواتب یعنی سنن مؤکدہ میں اختلاف ہے جمہور توان کے استحباب کے بھی قائل ہیں لیکن بغیر تاکد و اہتمام کے اور صحابہ میں ابن عمرؓ اس کے منکر ہیں، حنفیہ کے یہاں مختلف روایتیں ہیں اول مثل جمہور کے یعنی مطلقاً استحباب دوسرا قول مطلقاً عدم استحباب، تیسرا قول یہ ہے کہ سیر کی حالت میں عدم استحباب اور نزول (منزل پر پہنچ کر) کی صورت میں استحباب، روایات حدیثیہ بھی اس سلسلہ میں مختلف ہیں۔

۱۔ حدثنا قتیبہ بن سعید الخ۔ عن البراء بن عازب قال صحبت رسول الله صلى الله عليه وسلم ثمانين عشرين سنة فما رأيته ترك ركعتين اذا زاغت الشمس، حضرت براءؓ کی اس روایت سے رواتب کا ثبوت ہو رہا ہے شافعیہ وغیرہ کے نزدیک قبل الظهر رکعتیں ہی سنت ہیں۔

۲۔ حدثنا القعنبي الخ۔ صحبت ابن عمر في طريق قال فصلی بنا ركعتين۔

ابن عمرؓ کی یہ حدیث حدیث البراءؓ کے خلاف ہے اس میں رواتب کی صاف نفی ہے جبکہ براءؓ کی روایت میں اثبات مذکور ہے بلکہ خود ابن عمرؓ سے نفی و اثبات دونوں مروی ہیں، شرح حدیث نے دفع تعارض کی مختلف شکلیں لکھی ہیں (۱) نفی کا تعلق رواتب سے ہے اور اثبات کا تعلق نوافل مطلقہ سے ہے (۲) نفی کا تعلق تاکد و اہتمام سے ہے نفس فعل سے نہیں بغیر اہتمام کے پڑھ لیتے تھے (۳) نفی کا تعلق سنن قبلہ سے ہے اور ثبوت کا سنن بعدیہ سے، امام بخاری کا میلان اسی طرف ہے (۴) نفی غالب حال کے اعتبار سے ہے اور اثبات احیاناً پر محمول ہے (اکثر نہیں پڑھتے تھے کبھی کبھی پڑھ لیتے تھے اختارہ السلامۃ العینی۔

قولہ۔ و صحبت عثمان فلم يزد علي ركعتين، اس میں اشکال ہے اس لئے کہ حضرت عثمانؓ کے بارے میں منقول ہے کہ وہ اخیر میں بچائے قصر کے تمام کرنے لگے تھے، لہذا اس کی تاویل یہ کیجائیگی کہ یہ غالب پر محمول ہے یعنی اکثر زمانہ تک وہ قصر ہی کرتے رہے لیکن یہاں روایت میں حتی قبضہ الشر موجود ہے، لہذا میرے خیال میں یہ تاویل کیجائے کہ راوی کی غرض اس کلام سے قصر و اتمام کو بیان کرنا نہیں ہے بلکہ فرض نماز پر اکتفا کرنا مراد ہے کہ سنن نہیں پڑھتے تھے۔ واللہ تعالیٰ اعلم بالصواب۔

باب التطوع على السراحة والوتر

نوافل کو سواری پر بیٹھ کر اشارے سے پڑھنا مطلقاً عذر و بلا عذر بالاتفاق جائز ہے جمہور علماء و ائمہ ثلاثہ

کے نزدیک وتر کا حکم بھی یہی ہے کیونکہ جہور وجوب وتر کے قائل نہیں اس لئے ان کے نزدیک وتر نوافل کے حکم میں ہے اسی لئے مصنف نے ترجمۃ الباب میں وتر کو ذکر کیا ہے، حنفیہ کے نزدیک وتر علی الراجلہ بلا عذر جائز نہیں اس مسئلہ میں صاحبین امام صاحب کے ساتھ ہیں اگرچہ عدم وجوب وتر میں صاحبین جہور کے ساتھ ہیں یہ بات یاد رکھنے کی ہے۔

۱۔ حدثنا احمد بن صالح الخ۔ کان رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم یسبح علی الراجلۃ اثناء وجہ توجہہ ویؤتس علیہا، توجہ در اصل توجہ تھا امدی التائین کو تخفیفاً حذف کر دیتے ہیں یہ واحد مؤنث غائب کا صیغہ ضمیر راجع کی طرف راجع ہے۔

حدیث وتر علی الراجلہ کا جواب | یہ حدیث حنفیہ کے خلاف ہے امام طحاوی نے اس کا جواب یہ دیا ہے کہ راوی ابن عمر نہ انہ کان یصلی علی راحلۃ ویوتر بالارض ویزعم ان رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کان یفعل کذلک۔

نیز مصنف ابن ابی شیبہ میں بھی بعض روایات ایسی ہیں جن میں یہ ہے کہ حضرت ابن عمر نماز وتر کے لئے سواری سے نزل فرماتے تھے، لہذا یوں کہا جائیگا کہ وتر علی الراجلہ کی روایات احکام وتر اور وجوب وتر سے پہلے کی ہیں وتر کے استحکام وجوب کا تحقق دفعہ نہیں ہوا بلکہ تدریجاً ہوا ہے۔

نظر طحاوی | امام طحاوی نے مذہب احناف کی ترجیح بطریق نظر ایسے ثابت فرمائی ہے کہ یہاں پر دوسرے اجماعی ہیں اول یہ کہ فرض نماز بلا عذر زمین پر بیٹھ کر پڑھنا جائز ہے اسی طرح سواری پر بلا عذر پڑھنا ناجائز ہے۔

دوسرا مسئلہ یہ کہ نفل نماز بلا عذر بھی زمین پر بیٹھ کر پڑھنا جائز ہے، اسی طرح سواری پر بھی جائز ہے، اب ان دو اجماعی مسئلوں کو سامنے رکھنے سے یہ نتیجہ نکلتا ہے کہ قاعدہ یہ ہے کہ جو نماز زمین پر بلا عذر بیٹھ کر پڑھنا جائز اس کا سواری پر بھی پڑھنا جائز ہے اور جس نماز کا زمین پر بلا عذر بیٹھ کر پڑھنا جائز ہے اس کا سواری پر بھی بلا عذر پڑھنا جائز ہے۔

اب دیکھنا چاہیے کہ وتر کا کیا حال ہے اس کو زمین پر بیٹھ کر بلا عذر پڑھنا جائز ہے یا ناجائز، ہم دیکھتے ہیں کہ اس پر سب کا اتفاق ہے کہ وتر کو بلا عذر زمین پر بیٹھ کر پڑھنا جائز ہے، لہذا قاعدہ مذکورہ کا تقاضا یہ ہے کہ سواری پر بھی ناجائز ہونا چاہیے۔

۲۔ حدثنا مسدد الخ۔ قولہ۔ ان رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کان اذا سافر فاراد ان یبتلعوا مستقبل بآنتہ القبلة۔ حدیث شریف سے معلوم ہوا کہ تطوع علی الراجلہ میں تکبیر تحریمہ کے وقت استقبال قبلہ کرنا چاہئے اس کے بعد جس طرف کو بھی جانا ہو سواری کا رخ ادھر کر دے بذل میں لکھا ہے کہ ایسا کرنا ناشافیہ کے

نزدیک تو واجب ہے اور حنفیہ کے نزدیک صرف مستحب اور اولیٰ ہے نیز اس میں یہ بھی ہے کہ اگر فرض نماز سواری پر پڑھی جا رہی ہو (للعذر) تو اس میں حنفیہ کے یہاں بھی استقبال عند التحریمہ شرط ہے۔

اس کے بعد جاننا چاہیے کہ صلوٰۃ علی الدابہ میں جہت سفر ہی قائم تمام قبلہ ہے ابتداء بھی انتہاء بھی البتہ عند التحریمہ اگر استقبال قبلہ

ہو تو مستحب ہے واجب نہیں خواہ فرض نماز ہو خواہ نفل حنفیہ اور جمہور سب کا مسلک یہی ہے البتہ حنابلہ کی ایک روایت یہ ہے کہ عند التحریمہ استقبال قبلہ شرط ہے (کما فی زاد المستقن) لہذا بذل وغیرہ بعض کتب میں جو شافعیہ کا مسلک اشتراط قبلہ عند التحریمہ لکھا ہے وہ محل نظر ہے، ایسے ہی حنفیہ کے نزدیک جب مجبوری کے وقت فرض نماز سواری پر جائز ہے تو استقبال قبلہ عند التحریمہ بھی ساقط ہو جاتا ہے کما حقہ الشافعی۔

۳۔ حدثنا القعنبي عن قولہ۔ عن عبد الله بن عمر انه قال رأيت رسول الله صلى الله عليه

وسلم يصلي على حمار وهو متوجه الى خيبر خيبر يدينه من الجانب شماله اور کہ بجانب جنوب، لہذا اس صورت میں استدبار قبلہ پایا گیا۔ جو سواری پر نماز پڑھنے کی صورت میں جائز ہے۔

تنبیہ:- یہ حدیث مسلم میں بھی موجود ہے امام نووی لکھتے ہیں کہ اس حدیث پر دار قطنی نے نقد کیا ہے کہ صلوٰۃ علی الحمار فعل انس سے ثابت ہے حضور سے صلوٰۃ علی المراحله (اونٹنی) ثابت ہے نہ کہ صلوٰۃ علی الحمار دگو آپ سے رکوب علی الحمار ثابت ہے یہ امر آخر ہے) وہ کہتے ہیں وہم اس میں عمرو بن یحییٰ المازنی سے ہوا، واللہ تعالیٰ اعلم

باب الفريضة على الرحلة من عدم

قولہ۔ هل رخص للنساء ان يصلين على الدواب الخ۔ قولہ۔ فی شدۃ والارضاء۔

شرح حدیث حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا سے سوال کیا گیا کیا عورتوں کے لئے یہ جائز ہے کہ وہ سوار ہونے کی حالت میں سواری پر فرض نماز پڑھ لیں، عورتوں کی تخصیص سوال میں شاید اس لئے کی ہو کہ وہ صنف نازک ہیں ممکن ہے ان کے لئے اس کی گنجائش ہو، جواب دیا جائز نہیں نہ یسر میں نہ عسر میں نہ مشقت میں نہ سہولت میں اور یہ مطلب نہیں کہ عذر میں نہ غیر عذر میں اس لئے کہ مجبوری اور عذر کی حالت میں تو مردوں اور عورتوں سبھی کے لئے جائز ہے۔

باب متى يتم المسافر

مسافر نماز کا اتمام کب کرے گا؟ جب سفر پورا کر کے اپنے وطن واپس آجائے یا یہ کہ سفر میں منزل پر پہنچکر

وہاں اقامت کی نیت کرے۔

مدت اقامت میں مذاہب ائمہ
اب یہ کہ مدت اقامت کیا ہے، حنفیہ کے نزدیک پندرہ روز ہے ان آثار صحابہ کی بنا پر جو کتب حدیث ترمذی وغیرہ میں مذکور ہیں اسی طرح صاحب ہدایہ اور علامہ زلیعی نے تفصیل سے لکھے ہیں اور ائمہ ثلاثہ کے نزدیک چار دن ہیں، لکھا قال الترمذی فی جامعہ۔

اور جمہور کی دلیل یہ ہے حضور اقدس صلی اللہ علیہ وسلم نے حجۃ الوداع میں مہاجرین سے فرمایا کہ وہ ادارنسک کے بعد مکہ مکرمہ میں دن سے زائد قیام نہ کریں (کیونکہ مہاجر کو غیر مہاجر میں قیام جائز نہیں) اس سے معلوم ہوا تین دن کا قیام شرعاً قیام نہیں ہے، حدیث کے لفظ نسائی شریف ۱۲۱ میں یہ ہیں یسکت المہاجر بعد قضاء نسک ثلاثاً۔ لیکن قیام وہ معتبر ہے جو نیت اور عزم کے ساتھ ہو اگر بغیر نیت کے ویسے ہی ٹھہر رہے تو مسافر ہی رہے گا بالاجماع وان اتی علیہ بسنن جیسا کہ امام ترمذی نے اس پر اجماع نقل کیا ہے میں کہتا ہوں ائمہ ثلاثہ اور جمہور کا مسلک تو یہی ہے لیکن شافعیہ کا مسلک شرح اقناع ۱۲۲ میں مجھے اس طرح ملا ہے کہ یہ قول ان کے یہاں موجود ہے اور قول راجح یہ ہے کہ بدون نیت کے اٹھارہ روز تک تو مسافر ہی رہے گا قمر کو تار ہے اس کے بعد اگر ٹھہرے تو اتمام کرے گا اگرچہ اقامت کی نیت نہ کرے نیز واضح رہے کہ نیت اقامت اس جگہ میں معتبر ہے جہاں اقامت کی صلاحیت ہو بخلاف سفر جہاد کے اس لئے کہ ارض عدو میں اقامت کی صلاحیت نہیں چنانچہ مروی ہے کہ صحابہ کرام راہر مز میں نو ماہ تک مقیم رہے نماز میں قمر ہی کرتے رہے (البیہقی من حدیث انس) اسی طرح ابن عمر نہ آئند بیجان میں چھ ماہ تک مقیم رہے قمر کرتے رہے (المصنف بعد الزواق)

۱۔ حدثنا موسیٰ بن اسماعیل الخ۔ قولہ۔ عن عمران بن حصین قال غزوت مع رسول اللہ صلی

اللہ علیہ وسلم۔

احادیث الباب کا تجزیہ
جاننا چاہیے کہ اس باب میں مصنف نے اولاً عمران بن حصین کی حدیث ذکر فرمائی (صرف ایک طریق سے) اس کے بعد ابن عباس کی حدیث ذکر کی تین طریق سے ان سب کا تعلق توفیق مکہ کے غزوہ سے ہے اس کے بعد ایک حدیث انس کی ذکر فرمائی اس کا تعلق

۱۔ مزید تفصیل ان کے یہاں یہ ہے کہ اگر کسی شخص کا سفر ایسی حاجت کے لئے ہے جس کے بارے میں اس کو یقین ہے کہ وہ کام چار دن میں نہیں ہوگا بلکہ چار سے متجاوز ہو جائے گا تو ایسا مسافر خود بخود مقیم ہو جائیگا خواہ نیت نہ کرے اور اگر وہ حاجت ایسی ہے جسکے بارے میں ہر دن توقع ہے کہ پوری ہو جائیگی تو ایسی صورت میں اٹھارہ روز تک تو مسافر ہی رہے گا اسکے بعد بغیر نیت کے بھی مقیم ہو جائیگا

حجۃ الوداع کے سفر سے ہے۔

عمران بن حصین کی حدیث میں مدت اقامت مکہ میں اٹھارہ دن مذکور ہے، اور ابن عباس کی حدیث میں مدت اقامت ایک میں پندرہ دن مذکور ہے اور دو میں سترہ دن، ویسے اس سلسلہ میں روایات تین ہیں ۱۷-۱۸-۱۹۔ مشہور اور زیادہ صحیح روایت انیس دن والی ہے توجیہ اس اختلاف کی یہ کرتے ہیں کہ جس نے یوم الدخول و یوم الخروج دونوں کو مستقل شمار کیا اس نے انیس بیان کیا اور جس نے ان دونوں کو ساقط کر دیا اس نے سترہ دن بیان کیے اور جس نے دونوں کو ملا کر ایک کر دیا اس نے اٹھارہ دن بیان کیے، لیکن یہاں باب کی ایک روایت میں پندرہ دن بھی مذکور ہیں اس کی توجیہ یہ ہو سکتی ہے کہ شاید راوی نے یہ سمجھا کہ جس روایت میں سترہ واقع ہے وہ یوم الدخول و یوم الخروج کو مستقل شمار کر کے ہیں اس لئے اس نے اس میں دو دن کم کر دیئے وہ پندرہ رہ گئے۔

۲ حدثنا موسى بن اسماعيل ومسلم بن ابراهيم انهما قولا عن النس بن مالك قال حدثنا مع رسول الله صلى الله عليه وسلم في حديث الن سفر حجۃ الوداع سے متعلق ہے اس لئے اس میں مدت اقامت دس دن مذکور ہے آپ صلی اللہ علیہ وسلم اس سفر میں چار ذی الحجہ کو مکہ مکرمہ پہنچے اور ۱۲ ذی الحجہ کی صبح کو مکہ مکرمہ سے واپسی فرمائی۔

آپ نے فتح مکہ والے سفر اور حجۃ الوداع دونوں میں نماز قصر ادا فرمائی، حالانکہ عندا جمہور مدت اقامت کل چار دن ہے جواب ظاہر ہے وہ یہ کہ آپ کا یہ قیام بغیر نیت اقامت کے تھا اور ارض عدو میں تو اگر نیت بھی کرے تو معتبر نہیں اور حجۃ الوداع والی روایت کا جواب جمہور یہ دیتے ہیں کہ آپ کا یہ دس روز کا قیام ایک جگہ میں نہیں تھا بلکہ مختلف مواضع میں تھا کبھی آپ مکہ میں ہیں کبھی منی میں اور کبھی عرفات اور مزدلفہ میں غرضیکہ کسی ایک جگہ آپ چار دن مسلسل نہیں ٹھہرے۔

تنبیہ۔ مصنف نے اس باب میں جو روایات ذکر کی ہیں نہ وہ جمہور کا مستدل ہیں مدت اقامت کے سلسلہ میں نہ حنفیہ کا بس ایک لحاظ سے شافعیہ کا مستدل بن سکتی ہیں کہ مسافر کا قیام اگر اٹھارہ دن سے متجاوز ہو جائے تو پھر وہ بغیر نیت اقامت کے بھی مقیم کے حکم میں ہو جاتا ہے۔ ہمارے یہاں فریقین کے دلائل کی طرف اشارہ باب کے شروع میں گذر چکا۔

باب اذا قام بارض العدو يقصر

جمہور علماء کے نزدیک بغیر نیت اقامت کے مقیم نہیں ہوتا وان اقی علیہ سنون امام ترمذی نے اس پر علماء کا اجماع نقل فرمایا ہے، اور ارض عدو میں نیت اقامت معتبر بھی نہیں ہے، لیکن اس میں شافعیہ کا مسلک ہم پہلے نقل کر چکے ہیں ممکن ہے وہ غیر ارض عدو سے متعلق ہو، فلیست۔

بَاب صَلَوةِ الْخَوْفِ

اہتمام مصنف

جانتا ہے کہ مصنفؒ نے صلوٰۃ الخوف کی روایات اور کیفیات کو جس اہتمام سے بیان کیا ہے صحاح ستہ کے مصنفین میں سے کسی نے بھی اتنی تفصیل اور اہتمام سے بیان نہیں کیا۔ امام نسائیؒ نے بھی اس کی روایات کو خوب تفصیل سے بیان کیا ہے لیکن اتنا نہیں، مصنفؒ نے یہ صورت اختیار کی ہے کہ اولاً وہ ترجمہ الباب میں اپنے الفاظ میں صلوٰۃ الخوف کا ایک طریقہ لکھتے ہیں اور پھر باب کے ضمن میں اسی کے موافق حدیث لا کر اس کو ثابت کرتے ہیں، چنانچہ مصنفؒ نے صلوٰۃ الخوف کے لئے آٹھ ابواب قائم کئے ہیں ہر ترجمہ الباب میں ایک نئی کیفیت صلوٰۃ الخوف کی بیان کی ہے۔

ائمہ اربعہ کے نزدیک یہ تمام طریقے مشروع ہیں اختلاف صرف اولویت میں ہے البتہ اخیر کے جو دو باب ہیں ساتواں اور آٹھواں وہ جہود کے مسلک کے خلاف ہیں اسی لئے جہود وہاں پر تاویل کرتے ہیں تاویل کا بیان جب وہ باب آئیں گے وہیں آجائیگا، مصنفؒ نے اگرچہ ابواب تو آٹھ ہی قائم کئے ہیں لیکن صورتیں ان ابواب میں گیارہ آگئیں یعنی اختلاف رواۃ کے ضمن میں میرے نزدیک اس سے زائد نہیں ہیں اگرچہ امام نوویؒ نے تو یہ لکھا ہے کہ امام ابو داؤد نے اس کی سولہ صورتیں ذکر کی ہیں۔

حضرت شیخؒ نے موطا کی شرح "اوجز السالک" میں صلوٰۃ الخوف کے شروع میں آٹھ بحثیں بیان فرمائی ہیں اور بجملا ان کی طرف اشارہ حاشیہ لایع میں فرمایا ہے اس میں چند بحثیں ہیں بھی یہاں بیان کرنی ہیں۔ (۱) صلوٰۃ الخوف کی مشروعیت کب ہوئی، اس کے سنہ کی تعیین (۲) آپ سے صلوٰۃ الخوف کن کن مواضع میں اور کتنی مرتبہ پڑھنا ثابت ہے۔ (۳) صلوٰۃ الخوف حضورؐ کے بعد بھی مشروع ہے یا نہیں (۴) عین حالت قتال میں نماز جس کو "صلوٰۃ المسایفہ" کہتے ہیں جائز ہے یا نہیں۔ (۵) صلوٰۃ الخوف سفر ہی میں مشروع ہے یا حضر میں بھی (۶) خوف کی وجہ سے عدد رکعات میں بھی کچھ کمی آتی ہے یا نہیں۔

بحث اول: صلوٰۃ الخوف کی مشروعیت کس موقع پر اور کس سنہ میں ہوئی اس میں شدید اختلاف ہے جس کو دیکھ کر تعجب ہوتا ہے

صلوٰۃ الخوف سے متعلق مباحث ستہ

جس کی تفصیل او جز میں دیکھی جاسکتی ہے لیکن ابو داؤد میں اس سلسلہ کی ایک روایت ہے جس کی طرف حافظ ابن حجرؒ کا بھی میلان ہے، اور زاد المعاد میں ابن القیمؒ نے بھی اسی کو اختیار کیا ہے اس لئے ہم اسی کو یہاں لکھتے ہیں۔ وہ یہ ہے کہ ابو عیاش الزرقانی کی روایت میں تصریح ہے کہ آپؐ نے صلوٰۃ الخوف سب سے پہلے مقام "عسفان" میں پڑھی اور غزوہ عسفان بالاتفاق سترہ میں ہے، اور او جز میں واقعہ سے نقل کیا ہے، کہ مقام عسفان میں آپؐ کی یہ نماز

عمرۃ الحدیبیہ کے موقع پر تھی، عمرۃ حدیبیہ بھی بہر حال مسلمہ ہی میں ہے اس سے معلوم ہوا کہ اس نماز کی مشروعیت مسلمہ میں ہوئی، ابو عیاش کی اس روایت کا مضمون جو کتاب میں مذکور ہے وہ یہ ہے کہ ہم نے حضور کے ساتھ مقام عسفان میں ظہر کی نماز پڑھی اور اس موقع پر مشرکین کے لشکر کے امیر خالد بن الولید تھے جب صحابہ نماز پڑھ کر فارغ ہو گئے تو مشرکین آپس میں کہنے لگے۔ لعدا صبا غزوۃ کو کنا حملنا علیہم وھم فی الصلوۃ، اف! ہم سے یہ بڑی غلطی ہو گئی کہ ہم نے موقع کھودیا کیسا اچھا ہوتا کہ ہم مسلمانوں پر نماز کی حالت میں حملہ کر دیتے۔ ابو داؤد کی روایت میں تو اتنا ہی ہے، ایک دوسری روایت میں یہ ہے (ذکرہ فی البذل ۲۵۵) وکذا فی مشکوۃ کہ اس پر بعض مشرکین نے کہا کوئی قلق کی بات نہیں ابھی ان کی ایک اور نماز آنے والی ہے جو ان کے نزدیک مال دادا دے زیادہ محبوب ہے یعنی عصر کی نماز اس میں ہم ان پر حملہ کر دیں گے ان لوگوں کے درمیان یہ گفتگو ہو رہی تھی کہ بین الظہر والعصر آیت القمر جس میں صلوۃ الخوف مذکور ہے وہ نازل ہو گئی، دشمن چہ کند چو مہربان باشد دوست، دشمن اگر قویست مہربان قوی تر است چنانچہ حضور نے لشکر کے دو حصے کر کے صلوۃ الخوف کے طریقہ پر عصر کی نماز پڑھائی۔

غزوۃ خندق میں صلوۃ الخوف کیوں نہیں پڑھی گئی

اس پر آپ ایک اور بات سنئے وہ یہ کہ تمام علماء کا اس پر اتفاق ہے کہ آپ نے غزوۃ خندق میں صلوۃ الخوف نہیں پڑھی اسی لئے اس میں آپ کی کئی نمازیں قضا ہوئیں، لیکن اس میں اختلاف ہے کہ اس غزوہ میں آپ نے صلوۃ الخوف کیوں نہیں پڑھی اس میں چند قول ہیں ایک یہ کہ مشرکین نے قتال کی وجہ سے آپ کو موقع ہی نہیں دیا کہ پڑھتے اور بعض کہتے ہیں قتال میں مشغولی کی وجہ سے نماز کا خیال نہیں رہا، ایک قول اس میں یہ ہے کہ اس وقت تک یہ نماز مشروع ہی نہیں ہوئی تھی، ابو داؤد کی مذکورہ بالا روایت سے اسی آخری قول کی تائید ہوتی ہے اس لئے کہ اس پر اتفاق ہے کہ غزوۃ عسفان خندق کے بعد ہے اور حال یہ ہے کہ اس نماز کی مشروعیت غزوۃ عسفان ہی میں ہوئی۔

ایک تاریخی مسئلہ کا حل

ایک اور تاریخی مسئلہ سنئے وہ یہ کہ اس پر سب کا اتفاق ہے کہ آپ نے غزوۃ ذات الرقاع میں صلوۃ الخوف پڑھی ہے لیکن اس میں مؤرخین و محدثین کا اختلاف یہ ہے کہ ذات الرقاع غزوۃ خندق پر مقدم ہے یا اس کے بعد ہے دونوں رائے ہیں، مذکورہ بالا ترتیب اور مضمون کا مقتضی یہ ہے کہ غزوۃ ذات الرقاع خندق کے بعد پیش آیا گو یا ایک تاریخی اختلافی مسئلہ مل ہو گیا، بحث ثانی: اس میں بھی علماء کا اختلاف ہے بذل میں حضرت نے مراتی الفلاح سے نقل کیا ہے کہ آپ نے صلوۃ الخوف ۲۳ مرتبہ پڑھی ہے، اور ابو جزیس حضرت یحییٰ نے ابن العربیؒ سے بھی یہی نقل کیا ہے، لیکن حافظ ابن قیمؒ تحریر فرماتے ہیں معشرفات، امام نووی فرماتے ہیں ابن القصار مالکی نے ذکر کیا ان النبی صلی اللہ علیہ وسلم صلاھا فی عشرة

مواظن اور علامہ زبلی فرماتے ہیں (کما فی الاویز) بعض فقہا فرماتے ہیں کہ حضورؐ نے صلوٰۃ الخوف دس مواضع میں پڑھی ہے لیکن وہ قول جس پر اصحاب السیر والینازی کا استقرار ہوا وہ یہ ہے کہ آپؐ نے یہ نماز صرف چار مواضع میں پڑھی ہے ذات الرقاع، بطن نخل، عسکان، ذی قرد۔ ابن العربیؒ فرماتے ہیں صلوٰۃ الخوف کی کیفیت میں بہت سی روایات وارد ہیں ان میں زیادہ صحیح سؤلہ روایات ہیں جو آپس میں مختلف ہیں اور ابن القیمؒ زاد المعاد میں فرماتے ہیں کہ ان کیفیات مختلفہ میں اصل صرف چھ کیفیات اور طرق ہیں وہ فرماتے ہیں کہ بعض نے اس سے زائد بھی لکھے ہیں ان لوگوں نے جہاں ذرا رواۃ کا اختلاف دیکھا کسی کیفیت میں اس کو مستقل صورت قرار دیدیا کہ حضورؐ نے اس طرح بھی پڑھی ہے۔ حالانکہ وہ اختلاف رواۃ ہے، حافظ ابن حجرؒ نے بھی اسی رائے کی تائید کی ہے اور یہ پہلے گذر چکا کہ سنن ابو داؤد میں اس کی گیارہ صورتیں مذکور ہیں۔

بحث ثالث۔ صلوٰۃ الخوف جمہور علما اور ائمہ اربعہ کے نزدیک حضور صلی اللہ علیہ وسلم کی وفات کے بعد بھی مشروع ہے، ابو یوسف فی روایت اور ابن حنفیہ، مرزی، یہ حضرات فرماتے ہیں کہ صلوٰۃ الخوف آپؐ کے ساتھ خاص تھی۔ لہذا نقالی واذا کنت فیہم فاقم لہم الصلوٰۃ۔ لیکن عند الجمہور آپؐ کے بعد بھی جائز ہے اس لئے کہ صحابہ کرامؓ سے آپؐ کے بعد پڑھنا ثابت ہے اور آیت سے جو تخصیص معلوم ہوتی ہے حضور صلی اللہ علیہ وسلم کے ساتھ اس کا جواب یہ دیا گیا ہے کہ۔ اذکنت۔ سے جو تخصیص سمجھ میں آ رہی ہے وہ آپؐ کے وجود کے اعتبار سے نہیں کہ جب تک آپؐ دنیا میں موجود ہیں اسی وقت تک یہ نماز پڑھی جائے بلکہ بیان حکم کے لحاظ سے ہے اور مطلب یہ ہے کہ جب آپؐ موجود ہیں تو اپنی امت کو صلوٰۃ الخوف کا طریقہ خود پڑھ کر دکھائیے یعنی تعلیم قرنی پر اکتفا نہ کیجئے۔ لیکن اس کے باوجود ہمارے فقہاءؒ لکھتے ہیں کہ صلوٰۃ الخوف اپنی مخصوص کیفیت کے ساتھ اُس وقت پڑھنا اولیٰ ہے جب کہ تمام لوگ مبصر ہوں ایک ہی امام کے پیچھے نماز پڑھنے پر جیسا کہ حضورؐ کے پیچھے تمام صحابہؓ چاہتے تھے تاکہ کسی کی دل شکنی نہ ہو اور اگر ایسی صورت نہ ہو تو پھر اولیٰ یہ ہے کہ دو امام الگ الگ ایک جماعت کو یکے بعد دیگرے پوری پوری نماز پڑھا دے۔

بحث رابع۔ حاشیہ لامع میں لکھا ہے کہ صلوٰۃ المسایف حنفیہ کے نزدیک جائز نہیں، صاحب ہدایہؒ فرماتے ہیں کہ اگر میں حالت قتال میں نماز جائز ہوتی تو پھر حضورؐ کی غزوہ خندق میں نمازیں قضا نہ ہوتیں، ہاں جمہور اور ائمہ ثلاث کے نزدیک جائز ہے ماسیما اور اکثامع الکثر والفر۔ بخلاف حنفیہ کے کہ ان کے نزدیک مع المسایف یا مع المشی نماز باطل ہے اور بعض علماء کا تو مذہب یہ ہے کہ التمام الحرب یعنی گھمسان کی لڑائی میں اگر کسی طرح بھی نماز پڑھنے پر قدرت نہ رہے تو صرف تسبیح و تحمید، تہلیل و تکبیر پر بھی اکتفا کرنا جائز ہے اس وقت یہ تسبیحات

لہ اس میں ایک قول یہ ہے کہ اس وقت تک صلوٰۃ الخوف مشروع ہی نہیں ہوتی تھی (دکما سبق)

نماز کے قائم مقام ہو جاتی ہیں، امام بخاریؒ نے بھی اس مسئلہ کو "باب الصلوٰۃ عند مناهضة الحصون ولقاء العدو" میں بیان کیا ہے اور ان لوگوں کی تردید کی ہے جو یہ کہتے ہیں کہ ایسے موقع پر تکبیر و تسبیح کافی ہو سکتی ہے۔
بحث خامس: ۱۔ جمہور و منہم الاربعۃ کے نزدیک صلوٰۃ الخوف حضرت میں بھی مشروع ہے سفر کے ساتھ خالص نہیں، امام نوویؒ نے امام مالک کا مذہب عدم الجواز فی الحضر نقل کیا ہے، لیکن یہ غلاب تحقیق ہے، البتہ ابن الماجنون المالکی کے نزدیک سفر کے ساتھ خالص ہے۔

بحث سادس: ۲۔ جمہور علماء ائمہ اربعہ کے نزدیک خوف کی وجہ سے عدد رکعات میں کوئی کمی نہیں ہوتی، بعض علماء جیسے ابن عباس، حسن بصری، طاؤس اسحق بن راہویہ کے نزدیک شدق قتال کی صورت میں بجائے دو کے ایک رکعت پر اکتفا کرنا بھی جائز ہے، اور ایک قول تو یہ ہے کہ اگر نماز پر قدرت ہو تو صرف تسبیح و تحمید اور تکبیر ہی نماز کے قائم مقام ہو جاتی ہے (کما تقدم)

اب ان تہمیدی امور کے بعد آپ اصل مقصود کے بارے میں سنئے وہ یہ کہ ائمہ اربعہ میں سے کس امام کے نزدیک کونسا طریقہ صلوٰۃ الخوف کا مختار اور راجح ہے یہ ہمارے یہاں پہلے گذر چکا ہے کہ روایات مجھ سے صلوٰۃ الخوف کی سولہ صورتیں ثابت ہیں اور جمہور کے نزدیک ان سبھی طرق سے صلوٰۃ الخوف ادا کرنا جائز ہے البتہ ترجیح میں اختلاف ہے گو بعض علماء ایسے بھی ہیں جو ترجیح کے بھی قائل نہیں چنانچہ اسحق بن راہویہ انہی میں سے ہیں، امام ترمذیؒ نے جامع ترمذی میں ان کا منقولہ نقل کیا ہے "ورای اسحق بن راہویہ ان کل ماروی عن النبی صلی اللہ علیہ وسلم فی صلوٰۃ الخوف فهو جائز و هذا علی قدر الخوف ولسنا نختار حدیث سہل بن ابی حمثۃ علی غیرہ من الروایات

صلوٰۃ الخوف میں مختارات ائمہ
حنفیہ کے یہاں اولیٰ یہ ہے کہ امیر شکر کو چاہئے کہ لشکر کی دو جماعتیں بنائے ایک جماعت دشمن کے مقابلے میں کھڑی ہو جائے اور ایک جماعت امام کے پیچھے امام اس کو ایک رکعت پڑھائے ایک رکعت پڑھ کر یہ جماعت دشمن کے مقابلے میں چلی جائے اور جو جماعت دشمن کے مقابلے میں تھی وہ یہاں امام کے پیچھے آجائے امام اس کو بھی ایک رکعت پڑھائے امام کی تو چونکہ دونوں رکعت ہو گئیں اس لئے وہ تو اتنی نماز تہنای پوری کر کے سلام پھیر دے اور یہ طائفہ ثانیہ جس نے امام کیساتھ ایک رکعت پڑھ لی ہے دشمن کے مقابلے میں چلی جائے اس کے بعد اب طائفہ اولیٰ اپنی باقی ماندہ رکعت اسی جگہ یا جس جگہ جماعت ہوئی تھی وہاں جا کر پڑھ لے اور سلام پھیر دے پھر اس کے بعد طائفہ ثانیہ بھی اپنی باقی ماندہ رکعت اسی طرح پڑھ کر نماز پوری کر لے۔

اس کیفیت میں مشی فی حال الصلوٰۃ تو لازم آتی ہے لیکن تقدم علی الامام لازم نہیں آتا جو جمہور کی کیفیت میں پایا جاتا ہے۔

اثر ثلاثہ کے نزدیک اولی صورت یہ ہے کہ جب طائفہ اولی امام کیساتھ ایک رکعت پڑھ چکے تو وہ اسی وقت اپنی دوسری رکعت تنہا پڑھ کر سلام پھیر دے اور دشمن کے مقابلے میں چلی جائے اور پھر طائفہ ثانیہ آئے۔ امام اس کو ایک رکعت پڑھائے اور یہ طائفہ اسی وقت اپنی دوسری رکعت بھی پڑھ لے، اب یہ کہ امام دوسری رکعت پڑھنے کے بعد اس طائفہ ثانیہ کا انتظار کرے سلام میں اور دونوں ایک ساتھ سلام پھیریں یا انتظار نہ کرے بلکہ امام تنہا سلام پھیر دے، یہ مختلف فیہ ہے، امام شافعی و احمد فرماتے ہیں کہ انتظار کرے اور جب طائفہ ثانیہ رکعت ثانیہ سے فارغ ہو جائے تو دونوں ایک ساتھ سلام پھیریں، امام مالک بھی پہلے تو اسی کے قائل تھے بعد میں انھوں نے اس سے رجوع کر لیا اور فرمایا کہ انتظار نہ کرے، شافعیہ و حنابلہ کا استدلال یزید بن رومان کی روایت سے ہے اور مالکیہ کا استدلال قائم بن محمد کی روایت سے ہے یہ دونوں روایتیں آگے کتاب میں تیسرے باب کے ذیل میں آرہی ہیں جاننا چاہیے کہ مذکورہ بالا صلوۃ الخوف کی صورت جس کو اثر ثلاثہ نے اختیار کیا ہے اس کو مالکیہ و حنابلہ تو مطلقاً اختیار کرتے ہیں اور حضرت امام شافعی اس کیفیت کو اس وقت اختیار کرتے ہیں جب دشمن قبیلے کی جانب میں نہ ہو اور اگر دشمن قبیلے کی جانب میں ہو تو اس وقت ان کے نزدیک ایک دوسری صورت اولی ہے وہ یہ کہ امام پورے لشکر کی دو صفیں بنا کر دونوں کو ایک ساتھ نماز شروع کرادے قیام اور رکوع دونوں صفیں امام کیساتھ کریں اس کے بعد امام اور صف اول والے تو سجدے میں چلے جائیں اور صف ثانی والے قومہ ہی میں کھڑے رہیں دشمن سے بھاؤ کے لئے (کیونکہ دشمن سامنے قبیلے کی جانب میں ہے) جب امام اور صف اول سجدے سے فارغ ہو کر کھڑے ہو جائیں تب یہ صف ثانی والے سجدے میں جائیں اور دونوں سجدوں سے فارغ ہو کر کھڑے ہو جائیں اب ہر ایک صف کی ایک ایک رکعت پوری ہو گئی، اس کے بعد صفوں کی ترتیب بدل دی جائے اگلی صف والے پیچھے آجائیں اور پچھلی صف والے آگے آجائیں اور دوسری رکعت حسب سابق پوری کر کے سب ایک ساتھ سلام پھیر دے۔

مصنف نے سب سے پہلے جو باب قائم کیا ہے اس میں صلوۃ الخوف کی یہی صورت بیان کی ہے۔
فائدہ ۱۔ اثر ثلاثہ نے نماز کی جو کیفیت اختیار کی ہے وہ سہل بن ابی حمزہ کی حدیث میں مذکور ہے اور امام شافعی نے دشمن کے بجانب قبلہ ہونے کی صورت میں جو صورت اختیار کی ہے وہ ابو عیاش زرقی کی حدیث میں مذکور ہے، اور حنفیہ نے جو کیفیت اختیار کی ہے وہ آگے کتاب میں صلوۃ الخوف کے ابواب میں سے باب سادس میں آرہی ہے جس کے شروع میں ہے، وصلى عبد الرحمن بن سمرة هكذا۔

فائدہ ثانیہ ۱۔ جاننا چاہیے کہ جمہور کے طریق میں ہر دو طائفہ کی رکعتیں میں موالاة ہے یعنی ہر طائفہ امام کیساتھ ایک رکعت پڑھ کر اسی وقت اپنی دوسری رکعت پڑھ کر نماز پوری کر لے، اس کیفیت میں رکعتیں کے تسلسل

دو اولاۃ کی وجہ سے مثنیٰ فی الصلوٰۃ لازم نہیں آتی، اور حنفیہ والی شکل میں کسی بھی طائفے کی رکعتیں میں موالاۃ نہیں ہے بلکہ یہ ہے کہ ہر ایک طائفہ امام کے ساتھ صرف ایک رکعت پڑھ کر چلی جائے اور پھر اس کے بعد ترتیب وار دونوں طائفے یکے بعد دیگرے اپنی دوسری رکعت پڑھیں۔

حدیثنا مسعید بن منصور، یہ صلوٰۃ الخوف کے باب اول کی حدیث ہے اور یہ ابو عیاش زرقی کی وہی حدیث ہے جس کو امام شافعی نے اس وقت میں اختیار کیا ہے جبکہ دشمن بجانب قبلہ ہو، جس کی تفصیل باب کے شروع میں گذر چکی ابو عیاش کا نام امام ترمذی فرماتے ہیں زید بن صامت ہے یہ انصاری صحابی ہیں۔

قولہ، کنا مع رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم بعسفان، عسفان مکہ مدینے کے راستے میں مکہ مکرمہ کے قریب ایک جگہ کا نام ہے، بعض روایات میں ضحطان کا لفظ آتا ہے دونوں صحیح ہیں، ضحطان بھی جگہ کا نام ہے یہ غزوہ ان دونوں کے درمیان ہوا تھا، یا یوں کہیے جیسا کہ بعض روایات میں ہے مسلمانوں کا لشکر مقام عسفان میں اور مشرکین کا ضحطان میں تھا۔

غزوہ عسفان بنو لحيان کے ساتھ جمادی الاولیٰ سلسلہ میں ہوا لیکن اس میں قتال کی نوبت نہیں آئی بلکہ دشمن سے ملاقات بھی نہیں ہوئی۔

قولہ وصلّاہایوم بنی سلیم، یعنی غزوہ بنو سلیم لفظ یوم کا استعمال حرب کے معنی میں عرب لگ کرتے ہیں، میں نے ایک مرتبہ اپنے عالی شان استاذ الادیب الاریب مولانا اسعد اللہ صاحب سے سنا تھا، ایام الجرب حروبہا اس غزوے کو غزوہ بحر ان بھی کہتے ہیں۔

یہاں پر ایک اشکال ہے وہ یہ کہ یوم بنی سلیم سلسلہ میں پیش آیا جنگ بدر اور جنگ احد کے درمیان اس وقت تک تو صلوٰۃ الخوف مشروع ہی نہیں ہوئی تھی

ایک اشکال و جواب

کیونکہ اس کی مشروعیت جیسا کہ اوپر گذر چکا غزوہ عسفان میں ہوئی ہے جو سلسلہ میں ہوا، حضرت بنی ہاشم بذل میں لکھا ہے کہ اصحاب السیر نے اس غزوے کے بیان میں صلوٰۃ الخوف کا ذکر نہیں کیا واللہ تعالیٰ اعلم۔

صاحب منہل نے اس کا یہ جواب دیا ہے کہ ممکن ہے یہ غزوہ : و مرتبہ پیش آیا ہو ایک مرتبہ سلسلہ میں جیسا کہ مشہور ہے دوسری مرتبہ غزوہ عسفان کے بعد پہلی مرتبہ اس میں صلوٰۃ الخوف نہیں پڑھی دوسری مرتبہ میں پڑھی ہو۔ اس لئے کہ اس روایت میں پڑھنے کی تصریح ہے۔

باب من قال يقوم مع الإمام

یہ صلوٰۃ الخوف کا باب ثانی ہے اس میں مصنف نے صلوٰۃ الخوف کی جو صورت ذکر کی ہے وہ تقریباً وہی ہے

جس کو ائمہ ثلاثہ نے اختیار کیا ہے معمولی سافرق ہے کہ امام نے طائفہ اولیٰ کو ایک رکعت پڑھائی اس کے بعد اس نے طائفہ نے اپنی دوسری رکعت تنہا پڑھ لی جیسا کہ جمہور کے یہاں ہوتا ہے لیکن ابھی اس طائفہ نے سلام نہیں پھیرا بغیر سلام کے چلی گئی (مخلاف جمہور کے کہ ان کے نزدیک سلام کے بعد جاتی ہے) اس کے بعد طائفہ ثانیہ نے ایک رکعت امام کیساتھ پڑھ کر دوسری رکعت اپنی پڑھ لی پھر امام نے سلام ان دونوں طائفوں کیساتھ پھیرا۔

حدثنا عبید اللہ بن معاذ الخ۔ قوله۔ فجعلهم خلفه صفین۔

یہ تفسیر واضح نہیں لیکن غلط بھی نہیں اس کی تشریح اس طرح ہو سکتی ہے کہ امام نے ایک طائفہ کو تو اپنے پیچھے کر لیا اور دوسرے طائفہ کو دشمن کے مقابلے میں لیکن چونکہ دشمن بظاہر امام کی

حدیث کی ترجمہ الباب سے مطابقت میں دشواری اور اس کا حل

بشت کی طرف (قبلہ کی جانب مقابل میں) تھا اس لئے وہ دوسرا طائفہ بھی اس لحاظ سے امام کے پیچھے ہوا۔

حتیٰ صلی الذین خلفہم رکعة، یعنی امام طائفہ اولیٰ کو ایک رکعت پڑھا کر کھڑا ہوا یہاں تک کہ اس طائفہ نے اپنی دوسری رکعت پڑھی۔

الذین کا مصداق طائفہ اولیٰ ہے اور خلفہم میں ہم کا مصداق طائفہ ثانیہ ہے اگر یہاں خلفہم کے بجائے خلفہ ہوتا تو بہت واضح بات تھی اس لئے کہ طائفہ اولیٰ فی الواقع امام ہی کے پیچھے ہے نہ کہ طائفہ ثانیہ کے پیچھے۔ حضرت نے بذل میں لکھا ہے کہ تفسیر ابن جریر طبری میں بھی یہ روایت ہے اس میں خلفہم ہی ہے باقی خلفہم جیسا کہ یہاں کتاب میں ہے جس کا مطلب یہ ہوا کہ وہ طائفہ اولیٰ جو طائفہ ثانیہ کے پیچھے ہے (یہ بظاہر صحیح نہیں لہذا محتاج تاویل ہے) تاویل یہ ہو سکتی ہے کہ یہ مقام مقام حرب ہے تو یوں سمجھئے کہ جو طائفہ دشمن کے مقابلے میں کھڑی ہے وہی آگے بڑھنے والی اور مقدم ہے اور جو طائفہ بجائے دشمن کے امام کے ساتھ اس کے پیچھے کھڑی ہے وہ گویا مؤخر ہے (یعنی دشمن سے) غالباً اسی لحاظ سے اس روایت میں طائفہ اولیٰ کو طائفہ ثانیہ کے پیچھے قرار دیا گیا ہے۔ وھذا التوجیہ خاطر البوعذرہ، فظہرت المطابقة بین الحدیث والترجمة فلفہ الحمد والمنہ۔ حضرت سہارنپوری کو بھی بذل الجہود میں اس مقام کے حل کرنے میں دشواری اٹھانی پڑی۔ حدیث الباب اور ترجمہ الباب میں مطابقت کا مسئلہ بھی ان کتابوں میں اہمیت رکھتا ہے خصوصاً صحیح بخاری اور سنن صغریٰ للنسائی میں۔

بشم تقدّموا۔ طائفہ اولیٰ اپنی دونوں رکعتوں کو پڑھ کر (سلام سے پہلے ہی) دشمن کی جانب چلی گئی دیکھیے! یہاں دشمن کے مقابلے میں جانے کو تقدم کہا گیا ہے حالانکہ دشمن آگے یعنی قبلہ کی جانب نہیں ہے اس سے ہماری مذکورہ بالا توجیہ کی تائید ہو رہی ہے خوب سمجھ لیجئے۔

وتأخر الذین کانوا قد امہم اور وہ طائفہ ثانیہ جو طائفہ اولیٰ سے مقدم تھی امام کے پیچھے آگئی۔

قال البوداؤد اماراوية يحيى بن سعيد الخ یہ عبارت یہاں زائد ہے بذل کے نسخے میں ہے اور بعض نسخوں میں نہیں ہے اس کا اصل محل آئندہ باب کا آخر ہے چنانچہ وہاں بھی آرا ہے

باب من قال اذا صلى ركعة وثبت قائماً

یعنی امام جب طائفہ اولی کو ایک رکعت پڑھا کر کھڑا ہو گیا تو اس طائفہ نے اپنی دوسری رکعت اسی وقت پڑھ کر سلام پھیر دیا۔

ائمہ ثلاثہ کی اختیار کردہ صورت

یہ تیسرا باب ہے اس ترجمہ میں اور سابق ترجمہ میں صرف یہ فرق ہے یعنی سلام پھرنے اور نہ پھرنے کا پہلے ترجمہ میں یہ تھا کہ طائفہ اولی دو نول رکعت پڑھ کر بغیر سلام کے چلی گئی اور یہاں یہ ہے کہ اس نے سلام بھی پھیر دیا یہ بعینہ وہ صورت ہے جس کو ائمہ ثلاثہ نے اختیار کیا ہے امام مالک و احمد نے مطلقاً اور امام شافعی نے دشمن کے غیر قبلہ کی طرف ہونے میں۔

حدثنا القعنبي عن مالك عن يزيد بن رومان عن صالح بن خوات عن حماد بن عيسى عن علي بن صالح بن خوات روايت کرتے ہیں ان صحابی نے حضور صلی اللہ علیہ وسلم کیساتھ نماز پڑھی اس سے مراد یا تو سہل بن ابی حمزہ ہیں کیا نظر من روایت بخاری یا صاحب کے والد خوات بن جبیر ہیں کہا جزم بر النوى۔

یوم ذات الوقاع۔ اس غزوہ کا نام ذات الوقاع یا تو اس لئے ہے کہ اس میں مسلمانوں کے پاس سواریاں بہت کم تھیں اکثر پیدل تھے۔ پیدل چلنے کی وجہ سے (پہاڑی راستوں میں) پاؤں زخمی ہو گئے تھے اس لئے صحابہ کو پیروں پر خرق، یعنی کپڑے کی پٹیاں باندھنی پڑی تھیں، یا اس لئے کہتے ہیں کہ وہاں ایک پہاڑ تھا مختلف الائوان پتھروں والا جیسے مختلف رنگ کی پٹیاں ہوا کرتی ہیں، یا اس لئے کہ مسلمانوں کے مجنڈوں میں مختلف رنگ کی پٹیاں تھیں۔

قوله: شہنا نصرفت ای بعد السلام و نہ اسو الفرق بین الترتیمین کہا اوضاحت قبل ذلک، ثم ثبت جالساً یزید بن رومان کی روایت ہے جس میں امام کا طالعہ ثانیہ کے لئے انتظار کرنا مذکور ہے وقد سبق تفصیل، قال مالکاً وحديث یزید بن رومان أحب ما سمعت إلی امام مالک فرماتے ہیں یزید بن رومان کی حدیث ان سب روایات میں جو میں نے اپنے اساتذہ سے سنی ہیں میرے نزدیک زیادہ پسندیدہ ہے، لیکن ہم شروع میں بتا چکے ہیں کہ بعد میں امام مالک نے اس قول سے رجوع کر کے قاسم بن محمد کی روایت کو اختیار کر لیا تھا جو اس کے بعد متصلاً آ رہی ہے۔

حدثنا القعنبی عن مالک عن یحیی بن سعید عن القاسم بن محمد انہ یہی ہے وہ قاسم کی روایت

قال ابو داود واهما رواية يحيى بن سعيد عن القاسم بن غزوة عن يزييد بن رومان الا انه خالفه

فی السلام، اس کی تفصیل ہمارے یہاں کئی بار گزر چکی۔

باب من قال یکبرون الخ

یہ چوتھا باب ہے اس میں جو کیفیت مذکور ہے وہ یہ ہے کہ امام پورے لشکر کے دو حصے کرے ایک کو فی مقابلۃ العدو اور ایک کو اپنے پیچھے کھڑا کرے (جیسا کہ عام طور سے صلوة النخف میں ہوتا ہے) پھر دونوں طائفے امام کے ساتھ تکبیر تحریرہ میں شرکت کر کے نماز کی نیت باندھ لیں اگرچہ وہ طائفہ ثانیہ جو دشمن کے مقابلے میں ہے مستد برقلہ ہی ہو (اس کے باوجود وہ بھی نماز کی نیت باندھ لے) پھر امام طائفہ اولیٰ کو جو اس کے پیچھے ہے ایک رکعت پڑھا دے اور یہ طائفہ ایک رکعت پڑھ کر دشمن کی طرف چلی جائے اور وہ طائفہ جو دشمن کے مقابلے میں نماز کی نیت باندھ کر کھڑی ہے یہاں امام کے پیچھے آکر اولاً تنہا بغیر امام کے رکوع و سجود کر کے کھڑی ہو جائے۔

اب امام اس کو رکعت ثانیہ پڑھائے (امام کی اور طائفہ ثانیہ کی دونوں رکعت پوری ہو گئیں) اس کے بعد طائفہ اولیٰ دشمن کی طرف سے یہاں امام کے پیچھے آئے اور اپنی دوسری رکعت تنہا پڑھے اتنے امام اور طائفہ ثانیہ اس کا انتظار کرے جب اس طائفے کی یہ رکعت پوری ہو جائے تو امام اور دونوں طائفے سب ایک ساتھ سلام پھیر دیں۔ نماز کی اس کیفیت میں طائفہ اولیٰ کی رکعتیں میں موالاة (تسلل) نہیں ہے بخلاف طائفہ ثانیہ کے کہ اس کی رکعتیں میں موالاة ہے اسی لئے طائفہ ثانیہ کی رکعت ثانیہ پہلے ہوئی اور طائفہ اولیٰ کی بعد میں لیکن نماز سے فراغ اور سلام سب ایک ساتھ ہی ہوا۔

حدثنا الحسن بن علی الخ، قوله - عام غزو ولا نجد، اس سے مراد غزوہ ذات الرقاع ہے جیسا کہ اگلی روایت میں اس کی تصریح ہے یہ غزوہ ۳۷ء میں پیش آیا، قوله - فذهبوا الى العدو، طائفہ اولیٰ ایک رکعت پڑھ کر دشمن کی طرف چلی گئی واقبلت الطائفة التي كانت مقابلي العدو فزكعوا وسجدوا، طائفہ ثانیہ نے امام کے پیچھے آکر تنہا اپنا رکوع و سجود کیا ورسول الله صلى الله عليه وسلم قد اثم، حضور صلی اللہ علیہ وسلم اتنے کھڑے ہی رہے اب جبکہ اس طائفہ ثانیہ کی پہلی رکعت پوری ہو گئی فزكع رسول الله صلى الله عليه وسلم ركعة اخرى وركعوا، تو حضور نے اور اس طائفہ ثانیہ نے رکعت ثانیہ پڑھی (اب حضور کی اور طائفہ ثانیہ کی دونوں رکعتیں پوری ہو گئیں) ثم اقبلت الطائفة التي الخ پھر طائفہ اولیٰ جو امام کے ساتھ ایک رکعت پڑھ کر چلی گئی تھی وہ آئی اور آکر اس نے اپنی دوسری رکعت پڑھی۔ دیکھیے! اس سے معلوم ہوا کہ طائفہ ثانیہ کی رکعت ثانیہ طائفہ اولیٰ سے پہلے ہوئی (دیکھو مذکور فی ترجمۃ الباب)

فسلم رسول الله صلى الله عليه وسلم وسلموا جميعاً، پھر امام اور دونوں طائفوں نے ایک ساتھ سلام پھیرا ما شاء الله، حدیث شریف ترجمۃ الباب کے بالکل مطابق ہے۔

حدثنا محمد بن عمرو الرازی یہ حدیث سابق کا طریق ثانی ہے، پہلی حدیث کی سند میں جو ابوالاسود آئے تھے ان کا نام محمد بن الاسود ہے جو یہاں اس سند میں مذکور ہے وہاں ان کے شاگرد حیوة بن شریح تھے اور یہاں محمد بن اسحاق، حیوة اور محمد بن اسحاق کی روایتوں میں جو فرق ہے مصنف اس کو بیان کرنا چاہتے ہیں، قَالَ فَلَمَّا قَامَا مَشُوا الْقَهْقَرَى یعنی طائفہ اولی جب امام کیساتھ ایک رکعت پڑھ کر جانے لگی تو وہ قہقری (الطی پیروں) گئی تاکہ استقبال قبلہ باقی رہے استبدار نہ ہو جائے پہلی روایت میں مذہبوا الى العدو مذکور تھا اور یہاں قہقری کی قید ہے، قَالَ ابوداؤد وامن عبید اللہ بن سعید حدثنا یہ حدیث الباب کا تیسرا طریق ہے مصنف کا مقصود اختلاف روایہ کو بیان کرنا ہے کہ غزوۂ ذات الرقاع میں آپ نے جو صلوۃ الخوف ادا فرمائی تھی اس کی کیفیت بیان کرنے میں روایہ کا اختلاف ہے، اس تیسرے طریق میں صلوۃ الخوف کی جو کیفیت مذکور ہے وہ ترجمہ الباب کے خلاف ہے مگر چونکہ مصنف کا مقصود صرف اختلاف روایہ کو بیان کرنا ہے اس لئے عدم مطابقت بین الحدیث والترجمہ کا اشکال صحیح نہ ہوگا۔

بہر حال اس میں جو صورت مذکور ہے وہ یہ ہے کہ شروع میں امام نے طائفہ اولی کو ایک رکعت پڑھائی جس میں قیام اور رکوع

صلوۃ الخوف کی ایک (مزید ضمنی) صورت

اور پہلا سجدہ کیا اور ایک سجدہ کر کے امام تو بٹھ گیا اور طائفہ نے تہنہ دوسرا سجدہ کیا ایک رکعت پوری ہونے کے بعد یہ طائفہ دشمن کی طرف قہقری چلا گیا اور طائفہ ثانیہ نے امام کے پیچھے اگر تکبیر تحریمہ کہی اور قیام و رکوع کیا اور پہلا سجدہ امام کیساتھ کیا امام کا یہ دوسرا سجدہ تھا امام صاحب تو کھڑے ہو گئے اور اس طائفہ نے اپنا دوسرا سجدہ کیا۔ سجدے کے بعد وہ بھی کھڑی ہو گئی (اب امام اور ہر دو طائفے کی ایک ایک رکعت ہو گئی) اب دوسری رکعت امام اور ہر دو طائفے نے ایک ساتھ بہت جلدی جلدی پڑھی اور جلدی میں کوئی کسر نہیں چھوڑی (کیونکہ پورا شکر نمازیں مشغول ہو گیا دشمن کی طرف سے حملے کا اندیشہ تھا) نماز پوری ہونے پر سب نے امام کے ساتھ سلام پھیرا۔ اس روایت میں اس بات کی تصریح نہیں کہ دوسری رکعت کے وقت طائفہ ثانیہ امام کے پیچھے آگئی تھی یا نہیں بلکہ وہیں سے نماز میں شرکت کی واللہ اعلم چوتھا باب پورا ہوا۔

باب من قال یصلی بکل طائفۃ ثم یسلم فیکوم کل صف

یہ پانچواں باب ہے اس کا حاصل یہ ہے کہ طائفہ اولی امام کیساتھ ایک رکعت پڑھ کر چلی جائے اور طائفہ ثانیہ آجائے امام اس کو بھی ایک رکعت پڑھائے (امام کی تو چونکہ دونوں رکعت پوری ہو گئیں اس لئے) وہ سلام پھیر دے اور طائفہ اولی و ثانیہ دونوں ایک ساتھ اپنی رکعت ثانیہ پڑھ کر ایک ساتھ سلام پھیر دیں۔

اس ترجمہ الباب اور حدیث الباب دونوں سے بظاہر نہ کہ صراحتاً یہی معلوم ہوتا ہے کہ رکعت ثانیہ کو ہر دو طائفہ علی التوالی یعنی فی وقت واحد پڑھے اور اس کے بعد جو باب سادس آ رہا ہے اس میں جو صورت مذکور ہے وہ بھی یہی ہے۔
باب خامس و سادس میں فرق | فرق صرف اتنا ہے کہ اُنے والے ترجمہ میں اور اس کی حدیث میں اس بات کی تصریح ہے کہ امام کے سلام کے بعد رکعت ثانیہ کو ہر دو طائفہ علی التناقب دیکے بعد دیگئے، پڑھیں اور اگر باب اول کو بھی علی التناقب ہی پر محمول کیا جائے تو پھر فرق بین الترجمتین یہ ہو سکتا ہے کہ ترجمہ اولیٰ میں مراد یہ ہے کہ طائفہ ثانیہ اپنی رکعت ثانیہ وہیں امام ہی کے پیچھے پڑھے اور طائفہ اولیٰ اپنی جگہ دشمن کے قریب پڑھے۔ بخلاف ترجمہ ثانیہ کے کہ اس میں اس بات کی تصریح ہے کہ طائفہ ثانیہ اور اولیٰ دونوں نے اپنی رکعت ثانیہ امام کے پیچھے آکر پڑھی۔

اس باب خامس میں مصنف نے حضرت ابن عمرؓ کی حدیث (جو کہ متفق علیہ ہے) **حدیث الباب (حدیث ابن عمرؓ)** بخاری و مسلم نے اس کی تخریج کی ہے (ذکر فرمائی ہے) اس کیفیت میں طائفہ اولیٰ کی رکعتیں میں موالات نہیں ہے (بلکہ وہ اپنی ایک رکعت پڑھ کر چلی گئی) جیسا کہ حنفیہ کہتے ہیں لیکن طائفہ ثانیہ کی رکعتیں میں موالات ہے اور یہ چیز حنفیہ کے خلاف اور جمہور کے موافق ہے پس یہ حدیث سن و جبہ حنفیہ کے اور سن و جبہ جمہور کے موافق ہے لیکن حافظ نے فتح الباری میں لکھا ہے کہ حدیث ابن عمرؓ میں جو کیفیت مذکور ہے اس کو حنفیہ نے اختیار کیا ہے بلکہ علامہ زبلی نے بھی یہی لکھا ہے، اور حضرت شیخ نے بھی اجز میں یہی نقل فرمایا ہے عرصہ دراز کی بات ہے کہ بندے کو اس میں بڑا تردد رہا کہ اس کو حنفیہ کے موافق کیسے قرار دیا جا رہا ہے آخر کار بندے نے فتح الباری کو دیکھا اس سے بڑی تشبیہ ہوئی انھوں نے لکھا ہے ہذا الحدیث یحل علی بعض المذنبین اور پھر آگے یہ بھی لکھا کہ حنفیہ کا تمام مدعی فلاں حدیث سے ثابت ہوتا ہے میں نے اللہ کا شکر ادا کیا کہ تردد رخن ہو گیا بلکہ یہ کہیے کہ تردد کی تائید ہو گئی اور عرف الشذی میں شاہ صاحب نے ایک اور ہی راستہ اختیار فرمایا وہ فرماتے ہیں کہ حنفیہ کے نزدیک صلوۃ الخوف کی دو کیفیتیں ہیں ایک وہ جس کو فقہاء احناف اپنی کتب میں لکھتے ہیں دوسری وہ جس کو شراح لکھتے ہیں۔ پھر اس کے بعد بندے نے اصل فتح الباری کی طرف رجوع کیا اس میں دیکھا حافظ صاحب فرماتے ہیں علامہ رافعی نے لکھا ہے کہ ابن عمرؓ کی اس حدیث میں صلوۃ الخوف اس طرح مذکور ہے اور پھر بعینہ وہ شکل لکھی جو حنفیہ کے یہاں رائج ہے اس پر حافظ نے اشکال کیا کہ حدیث ابن عمرؓ کے کسی طریق میں مجھے صلوۃ الخوف کی کیفیت اس طرح نہیں ملی پھر حافظ فوراً اسی سطر میں لکھتے ہیں وبہذا کیفیۃ اخذ الحنفیۃ بندے کے خیال میں یہ آتا ہے کہ حافظ کے کلام میں ہذا کا اشارہ کیفیت مذکورہ فی حدیث عمرؓ کی طرف نہیں ہے بلکہ اس کیفیت کی طرف ہے جس کو حافظ نے رافعی سے نقل کیا ہے اور وہ واقعی حنفیہ والی صورت ہے جس کو فقہاء احناف لکھتے ہیں اس صورت میں

حافظ کی بات اپنی جگہ درست ہو جائے گی اور یہ کہنے کی ضرورت نہیں رہے گی کہ حنفیہ کے یہاں صلوٰۃ النخوت کی دو صورتیں ہیں ایک وہ جو ان کی کتب میں مذکور ہے اور ایک وہ جو شرح حدیث میں مذکور ہے۔ واللہ سبحانہ و تعالیٰ اعلم۔

باب من قال یصلی بکل طائفۃ رکعتہ ثم یسلم فیقوم الذین خلفہم الخ

یہ باب سادس ہے اس پر کلام باب سابق میں گذر چکا۔ اس باب میں مصنف نے عبداللہ بن مسعودؓ کی حدیث ذکر کی ہے اور گذشتہ باب میں حضرت ابن عمرؓ کی حدیث تھی دونوں حدیثیں اس بات میں متفق ہیں کہ طائفۃ اولیٰ کی رکعتیں میں موالات نہیں ہے اور طائفۃ ثانیہ کی رکعتیں میں موالات ہے۔

قوله۔ وصلى عبد الرحمن بن سمرة هكذا الا ان الطائفة التي صلى بهم ركعة الخ۔
عبدالرحمن بن سمرہ کی یہ حدیث اور اس میں جو کیفیت مذکور ہے وہ بعینہ وہی کیفیت ہے جو مختار حنفیہ ہے جیسا کہ سب سے پہلے باب کے شروع میں تمہیدی مضامین کے ذیل میں گذر چکا ہے۔

قال ابو داود حدثنا بذلك الخ مصنف نے اولاً صلوٰۃ عبدالرحمن کے واقعہ کو تعلیقاً یعنی بلا سند کے ذکر فرمایا تھا اب اس کے بعد اس کی سند کو اس متن کے ساتھ جوڑتے ہیں اسی لئے بذلك کا لفظ بڑھایا۔ بلا سند متن ذکر کرنے کو اصطلاح میں تعلیق کہتے ہیں اور ذکر سند کو وصل کہتے ہیں تو یہ اس تعلیق کا وصل ہوا۔
صلوٰۃ النخوت کی کیفیت کے بارے میں حنفیہ کی ایک دلیل تو یہ عبدالرحمن بن سمرہ کی حدیث موقوف ہوئی اور دوسری دلیل ان کی اثر ابن عباسؓ ہے یعنی ابن عباسؓ کی وہ حدیث موقوف جس کو امام محمدؒ نے کتاب الآثار میں امام اعظمؒ کی سند سے روایت فرمایا ہے (ذکرہ ابن الہمام فی فتح القدیر)

باب من قال یصلی بکل طائفۃ رکعتہ ولا یقضون

یہ ساتواں باب ہے جس میں یہ ہے کہ امام طائفیتین میں سے ہر طائفۃ کو ایک ایک رکعت پڑھائے اور بس اس پر اکتفا کیا جائے وہ طائفۃ از خود دوسری رکعت نہ پڑھے۔ ائمہ اربعہ میں سے کوئی اس کا قائل نہیں، ابن عباسؓ، حذیفہؓ، اسحق بن راہویہؓ، سفیان ثوریؓ وغیرہ بعض علماء اس کے قائل ہیں۔ یہ مسئلہ سب سے پہلے باب میں تمہیدی مضمون کے ذیل

لے حافظ کے کلام کی توجیہ تو کسی طرح ہو جائیگی لیکن امام نوویؒ جو حافظ سے مقدم ہیں وہ بھی شرح مسلم میں یہی لکھ رہے ہیں کہ اس صورت کو حنفیہ نے اختیار کیا ہے معلوم۔ نہیں یہ بات کہاں سے چلی ہے کہ حنفیہ نے اس کو اختیار کیا ہے۔ واللہ تعالیٰ اعلم ۱۲۔

میں گزر چکا ہے امام احمد کی بھی ایک روایت اس کے جواز کی بعض شراح نے لکھی ہے امام ترمذی نے امام احمد سے نقل کیا ہے کہ صلوٰۃ الخوف کے بارے میں جتنی روایات وارد ہیں سب صحیح ہیں کوئی غیر صحیح روایت میرے علم میں نہیں۔
بہر حال رکعت واحدہ کی روایات صحیح اور ثابت ہیں لیکن جمہور کی طرف سے اس کی تاویل یہ کی جاتی ہے مراد یہ ہے کہ امام کیساتھ ایک رکعت ہر طائفے نے پڑھی اور لایعقون جو روایت میں ہے اس کا مطلب یہ لیتے ہیں کہ بعد میں یعنی خوف زائل ہونے کے بعد صلوٰۃ الخوف کی قضا نہیں ہے ایک مرتبہ جو پڑھ لی وہ صحیح ہو گئی۔ صاحب منہل لکھتے ہیں کہ یہ جوابات غیر ظاہر ہیں اور ان لوگوں کا مذہب قوی معلوم ہوتا ہے جو یوں کہتے ہیں کہ خوف میں ایک رکعت بھی جائز ہے۔

باب من قال یصلی بکل طائفۃ رکعتین

یہ آٹھواں باب ہے جس میں یہ ہے کہ امام ہر طائفہ کو پوری نماز پڑھا دے۔ یہ شافعیہ اور بعض علماء کے نزدیک جائز ہے جو صلوٰۃ المفترض خلفا المستقل کو جائز کہتے ہیں جمہور اور ائمہ ثلاث کے نزدیک ناجائز ہے۔ حنفیہ وغیرہ نے اس کا یہ جواب دیا ہے کہ ممکن ہے یہ اس وقت کی بات ہو حین کانت المریضۃ تصلى مرتین یعنی یہ اس زمانے کی بات ہوگی جب فرض نماز کو مکمل پڑھنا جائز تھا بعد میں یہ منسوخ ہو گیا تھا۔ ایک جواب یہ بھی دیا گیا ہے کہ جمہور کے نزدیک صلوٰۃ الخوف سفر کے ساتھ خاص نہیں بلکہ حضر میں بھی جائز ہے جیسا کہ ابتدائی مباحث میں گزر چکا ہے، ہو سکتا ہے کہ یہ واقعہ حضر کا ہو اس لئے آپ نے ہر طائفے کو دو دو رکعت پڑھائی اور دو دو رکعت انھوں نے خود پڑھی لیکن اس میں یہ اشکال ہو گا کہ پھر آپ نے رکعتیں پر سلام کیوں پھیرا؟ و لیکن ان یہ جواب عنہ انہ خاص بہ اور یہ بھی کہا جاسکتا ہے کہ یہ واقعہ تو سفر ہی کا ہے لیکن آپ نے تمام کو اختیار فرمایا اور صحابہ کرام نے قصر کو۔ واللہ تعالیٰ اعلم۔

قال ابو داؤد وکذلک فی المغرب یکون للامام ست رکعات مصنف بطریق قیاس فرماتے ہیں کہ اس آخری باب میں صلوٰۃ الخوف کا جو طریقہ مذکور ہے کہ امام ہر طائفے کو پوری نماز پڑھا دے ایسا اگر مغرب کی نماز میں کیا جائیگا تو امام کی چھ رکعت ہو جائیں گی اور قوم کی تین۔

صاحب منہل نے لکھا ہے کہ صرف قیاس ہی نہیں بلکہ دارقطنی اور حاکم کی ایک روایت مرفوعہ میں اسی طرح مذکور ہے جس کے راوی ابو بکرہ ہیں اور حافظ نے جو یہ لکھا ہے کہ صلوٰۃ الخوف کی روایات میں صلوٰۃ مغرب کی کیفیت کسی حدیث میں وارد نہیں حافظ کی یہ بات مسلم نہیں اور یہ بھی ممکن ہے کہ حافظ صاحب کی مراد یہ ہو کہ مغرب کی رکعات کے تجزیہ کے بارے میں کوئی روایت ثابت نہیں (منہل) لیکن اکثر علماء چونکہ صلوٰۃ المفترض خلف المستقل کے قائل نہیں ہیں اس لئے ان کے یہاں مغرب کی تین ہی رکعات کا تجزیہ ہو گا وہ یہ کہ حنفیہ و مالکیہ کے نزدیک

امام طائفہ اولیٰ کو رکعتیں پڑھائے اور طائفہ ثانیہ کو ایک رکعت اور امام شافعی و احمد کے نزدیک بہتر تو یہی ہے لیکن جائز یہ بھی ہے کہ اس کا عکس کیا جائے طائفہ اولیٰ کو ایک رکعت اور طائفہ ثانیہ کو رکعتیں پڑھائے۔ یہاں تک صلوٰۃ الخوف کے ابواب پورے ہو گئے۔ اس کے بعد جی چاہا کہ احداً للصحیحین یعنی صحیح مسلم میں صلوٰۃ الخوف کے بارے میں جو روایات مذکور ہیں ان کی نشاندہی یہاں کر دی جائے تاکہ موجب بصیرت ہو حضرت امام بخاری نے صلوٰۃ الخوف کی روایات کو یکجا ذکر نہیں فرمایا بعض روایات کو کتاب الصلوٰۃ اور بعض کو کتاب المغازی میں ذکر فرمایا ہے۔ دراصل امام نووی کا کلام بندے کی نظر سے گزرا وہ مجھ کو پسند آیا اس پر یہ خیال پیدا ہوا کہ اس کی تلخیص کر دی جائے۔ وہ فرماتے ہیں کہ امام مسلم نے صلوٰۃ الخوف سے متعلق چار روایات ذکر فرمائی ہیں۔

(۱) حدیث ابن عمرؓ کے بعد انھوں نے اس حدیث میں صلوٰۃ الخوف کی جو صورت مذکور ہے اس کو بیان کیا (جس کو نقل کر نیکی ہمیں ضرورت نہیں) ہمارے یہاں سنن ابو داؤد میں یہ حدیث باب خامس میں مذکور ہے امام نووی فرماتے ہیں اس کیفیت کو امام اوزاعی اور اشہب مالکی نے اختیار کیا ہے۔

(۲) وہ فرماتے ہیں کہ دوسری حدیث سہل ابن ابی حمزہؓ کی ہے جس کی کیفیت یہ ہے انہی میں کہتا ہوں ہمارے یہاں یہ حدیث باب ثانی و ثالث میں مذکور ہے۔ امام نووی فرماتے ہیں اس کیفیت کو امام مالک و شافعی اور ابو ثور وغیرہ نے اختیار کیا ہے۔ (۳) حدیث جابرؓ جس کی کیفیت یہ ہے انہی ہمارے یہاں یہ کیفیت باب اول میں ابو عیاش زرقیؓ کی حدیث سے مروی ہے۔ امام نووی فرماتے ہیں اس کیفیت کو شافعی ابن ابی لیلیٰؓ ابو یوسفؒ نے اختیار کیا ہے جبکہ دشمن قبلہ کی جہت میں ہو۔ (۴) حدیث جابرؓ میں کیفیت مذکور یہ ہے کہ آپؐ نے ہر ایک طائفے کو دو دو رکعت پڑھائیں۔ ہمارے یہاں یہ صورت باب ثامن میں ابو بکرہؓ کی حدیث سے مروی ہے۔ خود امام نووی نے بھی لکھا ہے کہ یہ کیفیت سنن ابو داؤد میں ابو بکرہؓ کی حدیث سے مروی ہے وہ فرماتے ہیں کہ ائمہ میں سے امام شافعی اس کے قائل ہیں اور حسن بصریؒ سے بھی یہ منقول ہے۔ اس کے بعد انھوں نے کچھ اور روایات ذکر کیں جن میں ابن مسعودؓ کی حدیث کو بھی ذکر کیا ہے جو ہمارے یہاں باب سادس میں گذر چکی ہے وہ فرماتے ہیں وبهذا اخذ ابو حنیفہ ۱۲۔

بَابُ صَلَوةِ الطَّالِبِ

یوں سمجھیے کہ صلوٰۃ الخوف کا تکملہ ہے مصنف نے ترجمۃ الباب میں صرف ایک جز کو ذکر فرمایا ہے، طالب کا مقابل مطلوب ہے اسی لئے امام بخاریؒ نے ترجمہ قائم فرمایا۔ باب صلوٰۃ الطالب والمطلوب راکتبا وایمانا، حدیث الباب کے مضمون سے پہلے مسئلہ فقہیہ غلافیہ سنئے، طالب وہ مرد مجاہد ہے جو دشمن کے تعاقب میں ہو اور اس کے پیچھے بھاگ رہا ہو اور مطلوب اس کے برعکس وہ شخص مسلم جو اپنی جان بچانے کیلئے بھاگ رہا ہو اور کوئی کافر اس کے تعاقب میں ہو۔

مذہب ائمہ | مطلوب کے بارے میں تو اتفاق ہے (اس کے مجبور ہونے کی وجہ سے) کہ وہ راکباً ایماہ کے ساتھ فرض نماز پڑھ سکتا ہے باقی ماثیاً یعنی چلتے چلتے بھی پڑھ سکتا ہے یا نہیں۔ شافعیہ و حنابلہ کے نزدیک ماثیاً بھی پڑھ سکتا ہے بخلاف حنفیہ کے کہ ان کے یہاں مسئلہ مصرح ہے ماثیاً جائز نہیں رکوب کی صورت میں تو چونکہ سیر فعل دابہ ہے اس لئے اس کی گنجائش ہے، اور مشی کی صورت میں سیر خود فعل معلیٰ ہے وہ جائز نہیں حضرت شیخ نے تراجم بخاری میں لکھا ہے کہ امام بخاری کا میلان بھی حنفیہ کے مسلک کی طرف معلوم ہوتا ہے۔

طالب کے بارے میں اختلاف ہے حنفیہ کے نزدیک تو اس کی نماز راکباً مطلقاً جائز نہیں شافعیہ و مالکیہ کے نزدیک طالب کی نماز ایک قید کے ساتھ جائز ہے وہ قید مالکیہ کے یہاں خوف فوب عدو ہے اور شافعیہ کے نزدیک خوف انقطاع عن البرقار ہے کہ اگر طالب سواری سے نیچے اتر کر نماز پڑھتا ہے تو اس کو اپنے رفتار سے جدا ہونے کا اندیشہ ہے اور احتمال ہے اس کا کہ دشمن اس کی طرف عود کرے اور یہ طالب خود ہی مطلوب بن جائے۔

حدثنا ابو معمر عبد الله بن عمرو الخ۔ قوله عن ابن عبد الله بن انيس عن ابيه قال بعثني رسول الله صلى الله عليه وسلم الى خالد بن سفيان الهمذلي الخ۔

شرح حدیث | عبد اللہ بن انیس سے ان کے بیٹے جن کا نام بھی عبد اللہ ہے (ویسے ان کے کئی بیٹے ہیں جن میں ایک کا نام عبد اللہ ہے) روایت کرتے ہیں کہ حضور صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم نے مجھے یہ حکم فرمایا کہ تم ایک کافر کو قتل کر کے آؤ جس کا نام خالد بن سفیان ہے جو تم کو مقام عرفات کے قریب ملے گا (یہ کافی لمبا سفر تھا) میں سے لے کر عرفات تک (وہ کہتے ہیں کہ میں اس کام کے لئے مدینے سے چل دیا یہاں تک کہ عرفات کے قریب تک پہنچ گیا۔ اور جس جگہ حضور نے فرمایا تھا وہ مجھے وہیں ملا ادھر عصر کی نماز کا بھی وقت ہو چکا تھا تو میں نے سوچا کہ اگر میں اس کافر کی طرف نماز سے پہلے ہی متوجہ ہو گیا تو ہو سکتا ہے کہ اس کے ساتھ مشغول ہونے کے بعد نماز کو تاخیر ہو جائے۔

روایت کے الفاظ نقلت انی لاحظ ان یکون بینی وبینہ ما ان اؤخرا الصلوۃ کا لفظی ترجمہ یہ ہے پس کہا میں نے اپنے دل میں کہ میں اندیشہ کرتا ہوں اس بات کا کہ پائی جلتے میرے اور اس کافر کے درمیان ایسی چیز کہ (جس کی وجہ سے) میں نماز کو مؤخر کر دوں۔ لفظ ان یہاں زائد ہے۔

اس لئے میں نماز کی نیت باندھ کر اس کافر کی طرف چلتا رہا اور اشارے سے نماز بھی پڑھتا رہا (اس کے پاس پہنچنے تک نماز بھی پوری ہو گئی) جب میں اس کے قریب پہنچا تو اس نے مجھ سے سوال کیا کہ تو کون ہے؟ میں نے کہا میں ایک عرب ہوں (جیسا کہ تم بھی عرب ہو لہذا تمہارا بھائی اور ہمدرد ہوں) میں نے اس کے پاس آئیکا مقصد بتایا کہ میں اس لئے آیا ہوں مجھے یہ معلوم ہوا ہے کہ تم اس شخص (رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم) کے لئے لوگوں کو دہانے کے لئے جمع کر رہے ہو میں اس میں تمہاری مدد کے لئے آیا ہوں اس نے کہا انی لعی خالت میثک میں اسی کام میں

لگا ہوا ہوں میں تھوڑی دیر تک اس کے ساتھ اسی طرح بات چیت کرتا ہوا چلتا رہا یہاں تک کہ جب (وہ میری طرف سے مطمئن ہو گیا اور سمجھ گیا کہ یہ اپنا ہی آدمی ہے) اس نے مجھے حملے کا موقع دیا تو میں اپنی تلوار سے اس پر غالب آ گیا اور وہ ٹھنڈا ہو گیا۔

ماستفید من الحديث

کافر کو اس طرح بات بنا کر دھوکے میں ڈال کر قتل کرنا بالاجماع جائز ہے
حدیث میں کعب بن الاشرف یہودی کے قتل کا قصہ مشہور ہے چنانچہ محمد بن مسلمہ نے حضور صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم کی صریح اجازت کے بعد اس کو اسی طرح دھوکے میں ڈال کر قتل کیا تھا۔ قصہ ابوداؤد کی کتاب الجہاد میں آگیا اور بخاری میں تو زیادہ تفصیل سے ہے بڑا دلچسپ واقعہ ہے۔

عبداللہ بن انیس والی اس حدیث کو امام بیہقی نے دلائل النبوة میں بھی ذکر کیا ہے اس میں ہے کہ یہ صحابی اس کافر کا سر اپنے ساتھ مکہ سے مدینہ لائے اور حضور کے سامنے لا کر رکھ دیا اس میں یہ بھی ہے کہ آپ نے ان صحابی کو دور سے آتا دیکھ کر فرمایا افلح الوجه (یہ شخص اپنے مقصد میں کامیاب ہو گیا) اس پر ان صحابی نے فوراً کہا افلح وجهک یا رسول اللہ کہ اصل کامیابی تو آپ کے لئے ہے یا رسول اللہ اس کے بعد حضور ان کو اپنے ساتھ اپنے دولت خانے پر لے گئے اور ان کو ایک عصا مرحمت فرمایا کہ اس کو اپنے پاس رکھنا اور اس عصا کے ساتھ مجھ سے جنت میں ملنا چنانچہ انھوں نے وفات سے قبل وصیت فرمائی کہ اس کو میرے ساتھ میری قبر میں دفن کر دیا جائے چنانچہ ان کی اس وصیت پر عمل کیا گیا یہ واقعہ سلسلہ میں پیش آیا اور اس سفر میں ان صحابی کے اٹھارہ روز صرف ہوئے (منہل) اسی واقعہ کی وجہ سے عبداللہ بن انیس کا لقب صاحب الخضر ہو گیا۔ رضی اللہ تعالیٰ عنہ وعن سائر الصحابة ورضی عن ابوسلیتم اس حدیث سے معلوم ہوا کہ طالب کے لئے بھی صلوة رکعت بلکہ ماشاء جائز ہے جو شافعیہ و مالکیہ کے نزدیک اگرچہ ایک قید کیساتھ

حدیث الباب جمہور کے خلاف ہے

جائز ہے لیکن بظاہر وہ قید یہاں مفقود ہے اور حنفیہ و حنابلہ کے نزدیک تو جائز ہی نہیں البتہ مطلوب کے لئے جائز ہے عند الجمہور رکابوا ماشاء دونوں طرح اور حنفیہ کے نزدیک صرف رکعت۔ غرض کہ یہ حدیث حنفیہ ہی نہیں بلکہ فقہ ائمہ کے بھی خلاف ہے۔ جواب اس کا یہ ہو سکتا ہے کہ یہ مسئلہ مسائل خلافیہ میں سے ہے فرض نماز سے اس کا تعلق ہے اس کے لئے جس مضبوط دلیل کی ضرورت ہے وہ یہاں مفقود ہے کیونکہ یہ فعل صحابی ہے معلوم نہیں حضور کو اس کی اطلاع ہوئی یا نہیں۔ اور اگر مان بھی لیں ظاہر یہ ہے کہ اطلاع ہوئی ہوگی تو یہ بھی ممکن ہے کہ یہ ان صحابی کی خصوصیت ہو۔ انھوں نے اس طرح یہ نماز حضور کے ایک فرمان کی تکمیل کے لئے پڑھی تھی جس کا خصوصی طور سے اہل کو مکلف بنایا گیا تھا اور حضور کی خصوصی اجازت یا سکوت کے بعد حوا میں کیا تا مل ہو سکتا ہے غرض کہ خصوصیت محل کا یہاں احتمال نمایاں ہے، نہلا معندی واللہ تعالیٰ اعلم۔ اور ممکن ہے یہ اس زمانہ کا واقعہ ہو جب نماز میں غلطی

باب تفریع ابواب المَطْوَع و رکعات السنۃ

یہ بڑا اسٹیشن آگیا۔ کتاب الصلوٰۃ میں اولاً مصنف نے عام نمازوں کے احکام بیان کئے۔ اس کے بعد مخصوص نمازوں کا بیان شروع ہوا، جمعہ، عیدین، استسقام، کسوف پھر ابواب السفر اور اس کے اخیر میں صلوٰۃ الخوف۔ اب یہاں سے نوافل اور سنن کو بیان کرتے ہیں اسی کے ضمن میں وتر اور تراویح کو بھی بیان فرمایا ہے۔ جمہور کے نزدیک صلوٰۃ الوتر چونکہ سنت ہے اس لئے اس کو بھی اسی کے ضمن میں لے لیا۔

اس کے بعد جانتا چاہیے کہ تطوع، سنت، نفل، مندوب، مستحب، یہ سب الفاظ قریب المعنی ہیں یعنی وہ عبادت جس کی شریعت میں ترغیب آئی ہے اور ترک بھی جائز ہے۔ ویسے سنت کا اطلاق عموماً سنت مؤکدہ پر ہوتا ہے اور نفل مندوب، مستحب وغیرہ کا سنت غیر مؤکدہ پر اور لفظ تطوع عام ہے وہ دونوں کو شامل ہے لہذا ترجمۃ الباب میں عطف الخاص علی العام ہوا ہے۔

نیز جانتا چاہیے کہ سنن و نوافل کی مشروعیت میں حکمت ملتا ہے بلکہ ابوداؤد کی ایک حدیث میں اس کی تصریح ہے کہ فرض نمازوں میں اگر کچھ نقص واقع ہوا ہو تو اسکی تکلیفی ہو جائے نیز فرض نماز کی اہمیت اور اس کی استعداد پیدا کرنے کے لئے اس طور پر کہ شروع میں نفس کو نفل میں مشغول رکھا جائے تاکہ فرض نماز جو کہ اصل ہے اس کے شروع ہونے تک انقطاع عن الغیر ہو جائے اور پھر فرض نماز پوری توجہ اور نشاط سے پڑھی جائے۔ تہجد کی نماز سے پہلے شروع میں دو مختصر رکعتیں جو حدیث میں آئے ہیں اس کی مصلحت بھی ایک ہی بتلاتے ہیں کہ شروع میں دو رکعت مختصر پڑھ لی جائیں تاکہ سستی اور نیند کا اثر دور ہو جائے۔

نیز جانتا چاہیے کہ جمہور علماء فرض نمازوں کے لئے روایت روایت کے بارے میں مالکیہ کا اختلاف

لیکن مالکیہ اس میں جمہور کے ساتھ نہیں وہ فرماتے ہیں نماز کی بس دو ہی قسمیں ہیں، محدود اور غیر محدود، محدود یعنی فرض نمازیں جو ستین ہیں جن میں کسی قسم کی زیادتی نہیں ہو سکتی اور غیر محدود یعنی نفل نماز جس میں کوئی توقیت و تحدید نہیں آدمی کو اختیار ہے جتنی چاہے پڑھے لیکن صاحب منہل شارح ابی داؤد جو کہ مالکی ہیں وہ لکھتے ہیں پھر بھی بہتر یہ ہے کہ جو تعداد احادیث میں وارد ہے وہ پڑھے یعنی اربع قبل الظهر و اربع بعدھا، اربع قبل العصر و ست بعد المغرب، البتہ صرف صبح کی دو سنتوں کے بارے میں ان کا ایک قول یہ ہے کہ وہ سنت ہیں اور دوسرا قول یہ کہ وہ رغیب ہیں رغیبہ کا رتبہ ان کے یہاں سنت سے کم اور نفل سے زائد ہے اس کے بعد آپ سمجھئے کہ روایت کی تعداد میں اختلاف ہے شافعیہ و حنابلہ کے یہاں دس رکعت ہیں۔ اور حنفیہ کے یہاں بارہ۔ فرق ظہر

کی سن قبلہ میں ہے، ہمارے یہاں چار رکعات ہیں ان کے یہاں رکعتیں۔

قولہ۔ عن ام حبیبہ قالت قال النبی صلی اللہ علیہ وسلم من صلی فی یوم الخ اور نسائی شریف کی روایت میں ہے من ثابہ علی سنتی عشرة رکعة یہ باب کی پہلی حدیث ہے حضرت ام حبیبہ حضور کا ارشاد نقل کرتی ہیں کہ جو شخص روزانہ بارہ رکعات نفل نماز پڑھے تو اس کے لئے جنت میں ایک محل بنا دیا جاتا ہے ثابہ مشاہیر سے ہے جس کے معنی مواظبتہ کے ہیں، اس حدیث میں روایت کی تعداد بارہ مذکور ہے اس کے بعد دوسری حدیث حضرت عائشہ کی ہے اس میں بھی قبل الظهر چار رکعات ہیں لیکن تیسری حدیث ابن عمر کی آگے آ رہی ہے اس میں قبل الظهر کھتین ہیں جیسا کہ شافعیہ وغیرہ کہتے ہیں ممکن ہے کبھی آپ رکعتیں پر اکتفا کرتے ہوں یا یہ کہ مسجد میں دو رکعت کما قال ابن عمر اور گھر میں چار رکعت کما فی حدیث عائشہ۔ عائشہ گھر کا حال بیان فرما رہی ہیں اور ابن عمر مسجد کا ممکن ہے کہ مسجد والی رکعتیں تحیۃ المسجد ہوں۔ دکان یصلی لیلاً طویلاً قاشاً و لیلاً طویلاً جالساً۔

شرح حدیث

یعنی آپ رات کے ایک حصہ میں دیر تک نماز قائماً پڑھتے رہتے تھے اور ایک حصہ میں دیر تک بیٹھ کر پڑھتے رہتے تھے یعنی ایک ہی شب میں کچھ نفلیں کھڑے ہو کر اور کچھ بیٹھ کر پڑھتے تھے، اور بعض شرح نے یہ معنی لکھے ہیں کہ آپ رات میں بڑی لمبی لمبی رکعات پڑھتے تھے بعض راتوں میں کھڑے ہو کر اور بعض راتوں میں بیٹھ کر، اور تیسرے معنی یہ لکھے ہیں کہ آپ رات میں بکثرت نماز پڑھتے بکثرت قیام و قعود کرتے، بندے کے نزدیک پہلا مطلب رائج ہے بلکہ متعین ہے اس لئے کہ معنی متبادر وہی ہیں اسی کو صاحب منہل نے لکھا ہے۔

فاذا افترا وهو قاشم رکع وسجد وهو قاشم الخ چونکہ پہلے معلوم ہو چکا کہ آپ تہجد کی نماز قائماً اور قاعد دونوں طرح پڑھتے تھے اس پر آگے فرماتی ہیں کہ اگر آپ نماز کو قائماً شروع کرتے تو رکوع و سجود بھی قائماً ہی کرتے یعنی ایسا نہ ہوتا کہ نماز شروع تو کی قائماً اور پھر رکوع میں جانے سے پہلے بیٹھ جائیں اور رکوع بیٹھ کر کریں۔ پھر آگے فرماتی ہیں کہ اگر آپ نماز کو بیٹھ کر شروع فرماتے تو رکوع و سجود بھی اسی طرح کرتے یہ نہیں کہ نماز تو شروع کی تھی بیٹھ کر اور پھر رکوع میں جانے سے پہلے کھڑے ہو جائیں اور کھڑے ہو کر رکوع میں جائیں۔ یہ تو ہے اس جملے کا مطلب۔

تعارض بین الحدیثین کا جواب

لیکن علماء نے لکھا ہے کہ اس طرح کرنا ثابت ہے کہ نماز شروع فرمائی آپ نے قاعداً اور پھر رکوع و سجود کیا قائماً، جیسا کہ ابواب التہجد سے پہلے باب فی صلوة القاعد میں حضرت عائشہ ہی کی ایک حدیث گزری ہے جس کا مضمون یہ ہے کہ آپ تہجد کی نماز ہمیشہ کھڑے ہو کر پڑھتے تھے یہاں تک کہ جب بڑھاپا آ گیا تو پھر بیٹھ کر پڑھنے لگے تھے اور اکثر قرأت بیٹھ کر

ہی کرتے تھے پھر جب تقریباً تیس چالیس آیات باقی رہ جاتیں تو کھڑے ہو کر ان کو پورا کرتے اور پھر رکوع میں جاتے اس کا مشہور جواب یہ ہے کہ یہ اختلاف اوقات و ازمناہ پر محمول ہے ایک زمانے کا حال وہ ہے جس کو یہاں فرما رہی ہیں اور کسی زمانے کا حال وہ ہے جو گذشتہ باب میں گزرا، نہ ہمیشہ اس طرح کرتے اور نہ ہمیشہ اس طرح۔ اس کا ایک جواب اور بھی ہو سکتا ہے جو حضرت گنگوہی کی تقریر میں ہے وہ یہ کہ یہاں وہ خوفی کر رہی ہیں کہ رکوع میں جلنے سے پہلے آپ کھڑے نہ ہوتے تھے یعنی قرات پوری کرنے کے بعد بلکہ اگر رکوع سے پہلے کھڑا ہونا منظور ہوتا تو اس کے لئے کچھ آیات روک لیتے اور کھڑے ہونے کے بعد ان کو پڑھ کر تب رکوع میں جاتے تو نفی کھڑے ہونے کے بعد فوراً رکوع میں جلنے کی ہے فلا تعارض بین الروایتین (مسئلہ) اگر نماز بیٹھ کر شروع کی جائے اور پھر اس کو کھڑے ہو کر پورا کیا جائے تو اس میں جہور کے نزدیک کوئی گمراہی نہیں کیونکہ اس میں انتقال من الادنی الی الاعلیٰ ہے لیکن بعض کے نزدیک مکروہ ہے اور اس کا عکس یعنی قائم شروع کر کے بیٹھ جاتے اور پھر قعداً اس کو پورا کرے سو اگر ایسا عذر سے کیا ہے تب کچھ مضائقہ نہیں اور اگر بلا عذر کیا عذر جہور تو اس میں بھی کچھ حرج نہیں لیکن امام ابو حنیفہ کے نزدیک جائز منع الکراہت ہے، اور صاحبین و اشہب من المالکیہ کے نزدیک جائز ہی نہیں (منہل)

باب رکعتی الفجر

قولہ عن عائشۃ لم یکن علی شیء من النوازل اشد معاہدۃ منہ علی الرکعتین قبل الصبح، حضرت عائشہ فرماتی ہیں کہ آپ کسی نفل نماز کا اتنا اہتمام نہیں فرماتے تھے جتنا صبح کی سنتوں کا، معاہدہ کے معنی محافظت اور نگرانی کے ہیں، یعنی اہتمام اور رعایت، صاحب نہل فرماتے ہیں اس حدیث میں مالکیہ پر رو ہے اس لئے کہ وہ ان دو رکعتوں کی رغیبہ کہتے ہیں، یعنی صرف ایک رغبت کی چیز جو زیادہ اہم نہ ہو جس کا مرتبہ سنت سے کم ہوتا ہے اور بعض علما جیسے حسن بصری وہ تو ان رکعتین کے وجوب کے قائل ہیں۔

باب فی تخفیفہما

عن عائشۃ ۛ قالت حتی انی لاقول ہل قرا فیہما بام القرآن، صبح کی سنتوں میں تخفیف قرات حضور اقدس صلی اللہ علیہ وسلم سے ثابت ہے حضرت عائشہ فرماتی ہیں کہ آپ یہ سنتیں اتنی مختصر پڑھتے تھے کہ میں اپنے دل میں کہتی تھی معلوم نہیں آپ نے ان میں سورہ فاتحہ بھی پڑھی ہے یا نہیں یعنی ضم سورۃ تودر کنار سورہ فاتحہ ہی میں تردد فرمادی ہیں۔ اسی وجہ سے علما کا اختلاف ہو گیا کہ اس نماز میں قرات ہے یا نہیں۔ ابو بکر بن الامم ابن علیہ، بعض ظاہریہ

اسیں مطلقاً قرارت کے قائل نہیں ہیں اور امام مالک و بعض شافعیہ صرف سورۃ فاتحہ کے قائل ہیں (یعنی) جمہور علماء فاتحہ اور ضم سورۃ دونوں کے قائل ہیں، چنانچہ حضرت عائشہ کی اس حدیث کے بعد مصنف نے متعدد صحابہ کی روایات سے ثابت کیا کہ اس نماز میں اور نمازوں کی طرح فاتحہ مع ضم سورۃ ہے، ابو ہریرہ کی حدیث میں آرہا ہے کہ آپ صلی اللہ علیہ وسلم ان دو رکعت میں سورۃ کافرون اور قل بواللہ احد پڑھتے تھے اور ابن عباس و ابو ہریرہ کی ایک دوسری حدیث میں آرہا ہے کہ آپ پہلی رکعت میں قولوا امنا باللہ وما انزل الینا وما انزل الی ابراہیم الایۃ ونحن لہ مسلمون تک اور دوسری رکعت میں امنا باللہ واشہد بانا مسلمون۔ ربنا امنا بما انزلت واتبعنا الرسول فاكتبنا مع الشاهدين۔

ان احادیث سے دو باتیں ثابت ہوئیں اول یہ کہ اس نماز میں پوری قرارت یعنی فاتحہ مع ضم سورۃ مشروع ہے، دوسری یہ بات کہ قرارت مختصر ہے جیسا کہ ترجمۃ الباب میں مذکور ہے ان روایات کے علاوہ مصنف نے اس باب میں دو حدیثیں اور ذکر کر دی ہیں جو بظاہر ترجمۃ الباب کے مطابق نہیں ہیں، ایک حدیث حضرت بلالؓ کی جس کے اخیر میں حضورؐ کا ارشاد ہے لو اصبحت اکثر صبا اصبحت لکعتھما واحسنھما واجملھما کہ جتنی دیر آج صبح کی نماز کو ہوئی ہے اگر اس سے زیادہ بھی دیر ہو جاتی تب بھی میں ان دو سنتوں کو پڑھتا اور خوب اچھی طرح پڑھتا پوری حدیث کا مضمون یہ ہے حضرت بلالؓ فرماتے ہیں ایک مرتبہ کا واقعہ ہے کہ ہمیشہ کے معمول کے مطابق میں حضورؐ کو صبح کی نماز کی اطلاع کے لئے حجرۃ عائشہ پر پہنچا تو حضرت

مضمون حدیث

عائشہ نے مجھ سے ایک سوال فرمایا اس سوال وجواب میں کافی دیر ہو گئی صبح خوب روشن ہو گئی، فقام بلال فاذاذہ بالصلوۃ و تابع اذاذہ، بلالؓ فرماتے ہیں کہ حضرت عائشہ کے سوال وجواب سے فارغ ہونیکے بعد میں حضورؐ کے قریب گیا اور آپ کو نماز کی اطلاع کی اور پہلے درپے اطلاع کرتا ہی رہا کچھ دیر بعد آپ اندر سے باہر تشریف لائے اور نماز پڑھائی نماز کے بعد میں نے آپ سے پوری صورت حال بیان کی کہ اماں جی نے مجھے بات میں لگا لیا تھا جس کی وجہ سے مجھے اطلاع کرنے میں دیر ہوئی و انہ ابطأ علیہ بالخروج یعنی آپ نے اس کے باوجود باہر تشریف لانے میں مزید دیر کی اس کی کیا وجہ؟ آپ نے فرمایا کہ میں سنتیں پڑھ رہا تھا انہوں نے عرض کیا یا رسول اللہ بہت دیر ہو گئی تھی (یعنی ایسے میں سنتیں ترک فرما دیتے) اس پر آپ نے فرمایا جو اوپر گزر چکا لو اصبحت اکثر صبا اصبحت الخ۔

اس حدیث کو ترجمۃ الباب سے بظاہر مناسبت نہیں اسی طرح اس کے بعد ابو ہریرہ کی جو حدیث مرفوع ہے لاتدعوہما وان طردتکم الغیل

مناسبة الحديث بالترجمة

اس کو بھی بظاہر ترجمہ سے مناسبت نہیں۔ بندے کے نزدیک اس کا جواب یہ ہو سکتا ہے کہ ترجمۃ الباب میں صراحتہً تو اگرچہ تخفیف فی القرات ہی مذکور ہے لیکن تخفیف فی القراءۃ نفس قرارت کو مستلزم ہے۔ لہذا یہ کہا جائے کہ نصف کی غرض دونوں کو شامل ہے۔ نفس قرارت کا اثبات اور دوسرے اس میں تخفیف۔

اب تمام روایات کو ترجمے سے مناسبت ہو گئی، ان دو حدیثوں کا تعلق نفس قرات سے ہے
اس طور پر کہ ان دو حدیثوں سے ان سنتوں کی بڑی اہمیت معلوم ہو رہی ہے اور یہ کہ ان کو احسن
واجل طریق سے ادا کیا جائے تو جب عام سنتوں میں قرات ہے تو ان میں کیوں نہ ہوگی نیز بغیر قرات کے حسن و جمال کیسے
پیدا ہوگا اور ہمارے استاد محترم حضرت مولانا اسماعیل صاحب نے حدیث ہلال کی مناسبت اپنے مخصوص ادیبانہ ظریفانہ
انماز میں اس طرح ثابت کی ہے کہ اس حدیث میں احسن تھا و اجملتہا کو جمال سے نہ لیا جائے بلکہ اجمال سے ای آتہا طلی وجہ
الاجمال اجمال سے تخفیف مستفاد ہو رہی ہے۔

فائدہ :- حضرت امام محمدی نے شرح معانی الآثار میں صبح کی سنتوں میں قرات ثابت کرنے کے لئے ایک مستقل
باب قائم کیا ہے اور ان لوگوں کی تردید کی ہے جو ان میں قرات کے قائل نہیں ہیں اور پھر مزید برآں ان سنتوں میں بجائے
تخفیف کے طول قرات کو اس طور پر ثابت فرمایا کہ احادیث سے ان سنتوں کا اشرف المتلوع ہونا معلوم ہوتا ہے، نیز
آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا افضل الصلوٰۃ طول القیام کہ وہ نماز سب سے بہتر ہے جس میں قیام طویل ہو وہ فرماتے ہیں کہ
جب یہ سنتیں اشرف المتلوع ہیں اور سب سے اشرف رکن نماز کا طول قیام اور تطویل قراءۃ ہے تو یہ نماز تو تطویل قراءۃ
کی سب لواظیل سے زیادہ مستحق ہے امام محمدی نے کافی تفصیل سے اس معنون کو لکھا ہے اور اپنے مدعی کے اثبات میں
بعض آثار اور اکابر کے معطولات جمع کئے ہیں۔

قولہ - عن ابی ہریرۃ قال قال رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم لاتدعوهما وان طردکم الخیل - لاتدعوا
ودع یدع ودعایہ نہی کا میغ ہے۔

شرح حدیث یعنی مت چھوڑو تم ان دو رکعتوں کو اگرچہ تم کو تمہارا لشکر (جہاد میں جانیوالا) دھکیل
رہا ہو کہ جلدی چلو یعنی کیسا ہی عجلت کا وقت ہو پھر بھی ان کو نہ چھوڑا جائے۔ خیل تو
گھوڑے کو کہتے ہیں مگر اس کا اطلاق گھوڑے سوار پر بھی ہوتا ہے۔ یہاں مراد گھوڑے سوار قافلہ ہے دوسرے معنی
حدیث کے یہ بھی بیان کئے گئے ہیں کہ خیل سے مراد خیل عدو ہے یعنی اگرچہ دشمن کا لشکر تم کو دھکیل رہا ہو یعنی تمہاری
اور اس کی دھکا پھیل ہو رہی ہو پھر بھی ان سنتوں کو ترک نہ کرو۔

حدیثنا محمد بن الصباح بن سفیان نا عبد العزیز بن محمد الخ - قولہ - یقرأ فی رکعتی العنصر

قل اٰمنا باللہ وما انزل علینا فی الركعة الاولى، پہلی رکعت میں آپ یہ آیت قل اٰمنا باللہ الخ اور دوسری میں
ربنا اٰمنا باللہ انزلت الخ پڑھتے تھے۔

روایت میں وہم راوی اور اسکی اصلاح اس میں اشکال ہے وہ یہ کہ قل اٰمنا باللہ وما انزل علینا یہ آیت
بعد میں ہے سورہ آل عمران میں تیسرے پارے کے آخر میں

اور رتبا اُمتنا یہ مقدم ہے یہ تیسرے پارے کے وسط میں ہے۔ یہ خلاف ترتیب ہے۔ قرآنہ منکوسہ ہے جیسے کوئی پہلی رکعت میں قل ہو اللہ پڑھے اور دوسری رکعت میں تَبَّتْ يَدَايَ پڑھے جواب یہ ہے کہ اس روایت میں محمد بن الصباح جو کہ ضعیف راوی ہے اس کو وہم ہوا و ما انزل علینا کے بجائے و ما انزل الینا ہونا چاہیے جیسا کہ اس سے پہلی حدیث میں گذر چکا، اور یہ آیت یعنی و ما انزل الینا سورہ بقرہ میں پہلے پارے کے اخیر میں ہے دونوں آیتیں چونکہ بالکل ملتی جلتی ہیں اس لئے غلطی ہو گئی ان دونوں آیتوں میں ایک فرق تو الینا اور علینا کا ہے دوسرا یہ کہ پہلے پارے کے آخر میں جو آیت ہے اس کے شروع میں قولوا ہے اور دوسری آیت کے شروع میں قل مفرد کا صیغہ ہے۔ یہ حدیث سنن بیہقی میں بھی ہے بطریق سعید بن منصور عن عبد العزیز اس میں یہ غلطی نہیں بلکہ گذشتہ حدیث کے مطابق ہے۔

اس کے بعد جاننا چاہیے کہ یہاں البوداؤد کی روایت میں تو یہ ہے کہ صبح کی سنتوں کی رکعت ثانیہ میں اُمتنا باللہ و اشہد بانا مسلمون رتبا اُمتنا بما انزلت الخ پڑھتے تھے اور مسلم شریف کی ایک روایت میں ہے کہ رکعت ثانیہ میں آپ قُلْ يَا أَهْلَ الْكِتَابِ تَعَالَوْا إِلَى كَلِمَةٍ سَوَاءٍ بَيْنَنَا وَبَيْنَكُمْ أَلَّا نَعْبُدَ إِلَّا اللَّهَ پڑھتے تھے لہذا اتباع سنت میں کبھی سورہ کافرون و اخلاص اور کبھی یہ دو آیتیں سورہ بقرہ وال عمران والی پڑھنی چاہئیں۔ واللہ الموفق حدیثوں کو بہت غور و اہتمام کیساتھ عمل کی نیت سے پڑھنا چاہیے اس سے علم میں برکت اور دل میں نورانیت آتی ہے

بَابُ الْأَضْطِجَاعِ بَعْدَهَا

عن ابی ہریرۃؓ قَالَ قَالَ رَسُولُ اللَّهِ ﷺ إِذَا صَلَّيْتُ أَحَدَكُمْ الرُّكْعَتَيْنِ قَبْلَ الصُّبْحِ فَلْيَضْطَجِعْ عَلَى يَمِينِهِ۔ صبح کی سنتوں کے بعد فرض نماز سے پہلے تھوڑی دیر کے لئے لیٹنا حضور صلی اللہ علیہ وسلم کے فعل سے صحیح بخاری میں حضرت عائشہؓ کی حدیث سے ثابت ہے یہاں کتاب میں باب کی مذکورہ بالا پہلی حدیث جس کے راوی ابو ہریرہؓ ہیں یہ حدیث قولی ہے اس میں حضور کا امر مذکور ہے کہ ایسا کرنا چاہیے۔ یہ حدیث سنن کی روایت ہے سند احمد، البوداؤد، ترمذی کی یہ قولی حدیث ضعیف ہے اس کی سند میں ایک راوی عبد الواحد بن زیاد ہے جو مشکم فیہ ہے نیز اس حدیث میں اضطراب بھی ہے بعض طرق کے لحاظ سے یہ حدیث قولی نہیں بلکہ فعلی ہے امام بیہقی کی رائے ہے کہ اس کا فعلی ہونا ہی محفوظ ہے نیز بخاری شریف کی حدیث عائشہؓ بھی گو سند اقویٰ ہے لیکن اس میں عمل اضطجاع کے لحاظ سے اضطراب ہے چنانچہ یہاں باب کی دوسری حدیث عائشہؓ ہی کی ہے اس میں اضطجاع قبل سنۃ الفجر منقول ہے اور قاضی حیاض کے نزدیک یہی راجح ہے انھوں نے اضطجاع بعد سنۃ الفجر والی روایت کو مرجوح قرار دیا ہے جبکہ اضطجاع قبل السنۃ کے استحباب کا کوئی بھی قائل نہیں۔

یہ تو اس مسئلہ پر کلام ہوا روایتی حیثیت سے اب فقہی حیثیت سے بھی سمجھئے وہ یہ کہ اضطجاع بعد سنۃ الفجر کا مسئلہ

معرکہ الارام ہے اس میں شدید اختلاف ہے بعض اس میں مفراط ہیں اور بعض مفراط اور بعض معتدل، ایک جماعت جس میں ابن حزم ظاہری بھی ہیں انہوں نے اس میں افراط سے کام لیا اور اس ضمیمہ کو واجب بلکہ صبح کی نماز کی صحت کے لئے شرط قرار دیا اور بعض نے اس میں تفریط سے کام لیا اور اس کو مکروہ قرار دیا اس لئے کہ حضرت ابن عمر کا اس پر عمل نہ تھا بلکہ وہ اس سے لوگوں کو منع کرتے تھے اور فرماتے تھے ائی فُضِّلَ افضل من السلام یعنی یہ لیٹنا اس لئے تو ہے کہ فرض سنت کے ساتھ غلط نہ ہو جائے وہ فرماتے ہیں کہ جب سنت پڑھ کر سلام پھیر دیا اور اس کے بعد پھر فرض نماز شروع کی تو کیا یہ تسلیم فصل کے لئے کافی نہیں ہے۔ اسی طرح ابن مسعود نے اس کو فعل رابہ کیساتھ تشبیہ دی ہے کہ چوپائے کی طرح کیوں لیٹ لگاتے ہو، ابراہیم غنی سے منقول ہے انها ضجعة الشيطان۔

ائمہ اربعہ کے مذاہب اس میں یہ ہیں (۱) حضرت امام شافعی کے نزدیک یہ اضطرار مستحب ہے اگرچہ مسجد ہی میں کیوں نہ ہو (۲) امام مالک فرماتے ہیں مباح ہے اگر نواب اور فضیلت کی نیت نہ ہو ورنہ مکروہ ہے (۳) وعن احمد روایات الاستحباب وعدمہ۔ (۴) حنفیہ کہتے ہیں نہ مکروہ ہے اور نہ مستحب۔ حضور سے یہ ثابت ضرور ہے لیکن گھر میں نہ کہ مسجد میں برائے استراحت نہ برائے تشریع و ترغیب۔ اور ابن العربی فرماتے ہیں يستحب لمن قام باللیل للاستراحة۔

قوله۔ فقال له مروان بن الحكم اما يجزيك احمدا نامشاه الى المسجد قال لا مروان ابو هريره سے کہا کہ کیا صبح کی سنتیں گھر سے پڑھ کر مسجد تک چل کر جانا یہ فصل بین الفرض والنفل کے لئے کافی نہیں ہے، انہوں نے فرمایا کافی نہیں ہے۔ فبلغ ذلك ابن عمر فقال اكش ابو هريره على نفسه، جب یہ سوال وجواب حضرت ابن عمر تک پہنچا تو انہوں نے سن کر فرمایا کہ ابو هريره کا اتنی کثرت سے روایت کرنا یہ بھرمار خود اپنے نفس پر زیادتی ہے یعنی اس میں انہی کا نقصان ہے کیونکہ کثیر روایت میں وقوع خطا کا قوی احتمال ہے بھول چوک آدمی کے ساتھ لگی ہوئی ہے۔ فتقبل لابن عمر هل تنكرو شيئا الخ کیا آپ ابو هريره کی روایت کر دہ کسی حدیث کا رد تین کیساتھ انکار کرتے ہیں کہ فلاں روایت ان کی غلط ہے انہوں نے جواب دیا کہ یہ مطلب نہیں کہ وہ اپنی طرف سے غلط صحیح حدیثیں بیان کرتے ہیں بلکہ میرا مقصد یہ ہے کہ وہ حدیثیں بیان کرنے میں جبری ہیں اور ہم بزدل ہیں اب اللہ ہی بہتر جانے کہ اُن سے کہاں بے احتیاطی ہوئی اور کہاں نہیں، فبلغ ذلك ابو هريره، ابو هريره تک یہ چہ میگوئیاں پہنچنی تو انہوں نے سن کر فرمایا لوگ حدیثیں یاد نہیں رکھتے اور میں کو کشش کر کے یاد رکھتا ہوں اسی لئے کثرت سے روایت بھی کرتا ہوں اس میں میرا کیا قصور؟ حضرت ابو هريره کثرت روایت میں مشہور ہیں صحابہ کرام کے درمیان میں یہ بات مشہور تھی اور بعض صحابہ ان پر اعتراض بھی کرتے تھے جیسا کہ یہاں اس روایت میں بھی ہے صحابہ کے اعتراض پر ان کو ناگواری بھی ہوا کرتی تھی وہ فرماتے کہ تم لوگوں سے حدیثیں یاد تو ہوتی نہیں

مجھ پر اعتراض کرتے ہو پھر ایک صحابی کو مخاطب کر کے جو مجلس میں موجود تھے فرمایا کہ تم نے مشاء کی نماز حضور کیساتھ پڑھی تھی؟ انہوں نے کہا ہاں پڑھی تھی ابو ہریرہ نے پوچھا بتاؤ حضورؐ نے اس میں کون سی سورتیں پڑھی تھیں وہ بتا نہیں سکے ابو ہریرہ فرمانے لگے بس! اور فرمایا بحمد اللہ مجھے یاد ہے میں بتا سکتا ہوں، اور پھر وہ سورتیں بتا دیں۔

حدثنا عباس بن الصنبري قال: خرجت مع النبي صلى الله عليه وسلم الصلوة الصبح فكان لا يمر برجل الا ناداه بالصلوة او حرّكه برجله. ابو بكره صحابي جن کا نام نافع بن الحارث ہے فرماتے ہیں میں حضورؐ کے ساتھ صبح کی نماز کے لئے جا رہا تھا تو راستے میں جو بھی (لیٹا ہوا) ملتا تو آپ اس کو آواز دیتے یا اس کے پاؤں کو ہلاتے (تاکہ بیدار ہو جائے) اس حدیث کو ترجمہ الباب سے یہ مناسبت ہو سکتی ہے کہ شاید یہ لوگ جن کو آپ اٹھاتے تھے وہی لوگ ہوں جو صبح کی سنتوں کے بعد لیٹے تھے۔

باب اذا درك الامام ولم يصل ركعتي الفجر

اگر صبح کی نماز کھڑی ہو جائے اور کسی نے ابھی تک سنت الفجر نہیں پڑھی تو اس کو کیا کرنا چاہیے؟

مذہب ائمہ مسئلہ اختلافی ہے بذل میں شوکانی سے اس میں تو قول لکھے ہیں مگر میرا معمول تو اکثر ائمہ اربعہ کے مذاہب بیان کرنے کا ہے، امام شافعی و امام احمد، واسحاق کے نزدیک اس وقت سنتیں پڑھنا مطلقاً مکروہ ہے اور امام مالک فرماتے ہیں دو شرطوں کے ساتھ پڑھ سکتے ہیں اول خارج مسجد دوسرے یہ کہ فرض کی دونوں رکعت جماعت کے ساتھ ملتی ہوں اگر ایک رکعت بھی فوت ہوتی ہو تب نہیں، حنفیہ کے نزدیک بھی دو شرطیں ہیں ایک یہ کہ خارج مسجد پڑھے یا کم از کم جماعت کی صف کیساتھ اختلاف نہ ہو درمیان میں کوئی چیز حائل ہو اور دوسری یہ کہ دونوں رکعتیں فوت ہونیکا اندیشہ نہ ہو اگر صرف ایک فوت ہوتی ہو تب پڑھ سکتے ہیں۔ اس میں ایک مذہب ظاہریہ کا بھی ہے وہ یہ کہ اگر کوئی شخص صبح کی سنت یا اور کوئی سنت یا نفل پڑھ رہا ہو اور اس اثناء میں مسجد میں نماز کھڑی ہو جائے تو اس شخص کی وہ نفل نماز فوراً باطل ہو جاتی ہے حتیٰ کہ اگر نماز اس کی پوری ہو چکی ہو اور صرف سلام پھیرنا باقی ہو اور ادھر جماعت کھڑی ہو جائے تب بھی وہ نماز فاسد ہو جائیگی بلکہ ایسے شخص کو چاہیے کہ اس نماز کو اسی طرح چھوڑ کر جماعت کیساتھ شامل ہو جائے۔

تولد۔ جاء رجل والنبي صلى الله عليه وسلم يصلي الصبح فصلى الركعتين ثم دخل مع النبي صلى الله

عليه وسلم في الصلوة الخ۔ مضمون حدیث واضح ہے آگے حدیث میں یہ ہے کہ آپؐ نے اس شخص سے دریافت کیا

لہ چنانچہ بخاری ۱۳۱ پر ہے قل ابو ہریرۃ یقول الناس اکثر ابو ہریرۃ نلقیت رجلاً تقلت بم وستر رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم الباری فی الغنۃ فقال لا ادري فقلت لم تشهد ما قال بلی قلت لکن انما ادري قرأ سورة کذا وکذا۔

تیرے نزدیک ان دونوں نمازوں میں سے کون سی نماز معتبر ہے جو تنہا پڑھی وہ یا جو ہمارے ساتھ پڑھی وہ۔ مطلب یہ ہے کہ نماز کھڑی ہونے کے بعد سنت یا نفل نماز تو ہوتی ہی نہیں لہذا اب آگے صرف فرض نماز رہ گئی تو اب ان دونوں نمازوں میں سے جو تو نے پڑھی ہیں تیرے نزدیک کونسی قابل اعتبار ہے؟ یا یہ مطلب ہے کہ تو یہاں کس نماز کے لئے آیا تھا فرض نماز کے لئے یا سنت کے لئے۔ اگر سنت پڑھنا مقصود تھا تو اس کے لئے تو گھر بہتر تھا اور اگر فرض نماز مقصود تھی تو اس میں کیوں دیر کی۔ آتے ہی جماعت کیساتھ شریک کیوں نہ ہوا۔

عن ابی ہریرۃؓ قال قال رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم اذا قیمت الصلوۃ فلا صلوۃ الا المکتوبۃ۔ مذاہب تو اس سلسلہ میں ابھی گزرے ہیں حنفیہ و مالکیہ کے نزدیک اس کا مطلب یہ ہے کہ جس جگہ جماعت کی نماز ہو رہی ہے اس جگہ سوائے فرض نماز کے اور کوئی نماز نہ پڑھنی چاہیے اس لئے اگر کوئی شخص فرض کیجے اپنے گھر میں سنتیں پڑھ رہا ہے جیسا کہ افضل بھی یہی ہے اور حال یہ کہ مسجد میں نماز کھڑی ہوگئی تو کیا اس شخص کی نماز درست نہ ہوگی؟ بالا جماع درست اور جائز ہے۔ پس معلوم ہوا کہ حدیث کا مطلب وہ ہے جو ہم نے بیان کیا۔ واللہ تعالیٰ اعلم۔

باب من فاتہ متی یقضیہا

اگر کوئی شخص صبح کی سنتیں قبل الفرض نہیں پڑھ سکا تو پھر کب پڑھے؟ عطار، طائوس اور ائمہ میں سے امام شافعی کے نزدیک فرض نماز کے بعد طلوع شمس سے پہلے پڑھ سکتا ہے، لیکن امام ترمذی نے امام شافعی و احمد دونوں کا مذہب یہ لکھا ہے کہ طلوع شمس کے بعد پڑھے لیکن شوکانی نے حافظ عراقی سے نقل کیا ہے کہ امام شافعی کا صحیح قول یہ ہے کہ فرض نماز کے بعد طلوع شمس سے پہلے پڑھ سکتا ہے۔ دوسرا مذہب ائمہ ثلاثہ حنفیہ حنبلیہ، مالکیہ کا ہے ان کے نزدیک طلوع شمس سے پہلے پڑھنا مکروہ ہے۔

یہاں ایک مسئلہ اور ہے وہ یہ کہ سنتوں کی قضا ہے بھی یا نہیں۔ شافعیہ حنبلیہ اس کے قائل ہیں حنفیہ مالکیہ کے نزدیک سنت نماز کی قضا ہی نہیں البتہ صبح کی سنت کی قضا فی الجملہ ہے۔ امام ابو حنیفہ والیوسف قویوں فرماتے ہیں کہ سنت کی قضا تبعاً للفرض ہے الی الزوال بالاستقلال نہیں چنانچہ لیلۃ التفریس کے واقعہ میں حضور نے صبح کی سنتوں کی قضا فرض نماز کے ساتھ فرمائی تھی۔ اور امام محمد کے نزدیک ان کی قضا انفراداً بھی مستحب ہے۔ امام مالک فرماتے ہیں ان احب اگر جی چاہے تو قضا کر لے اعتبار ہے۔

حدثنا عثمان بن ابی شیبۃ ناہن نمیر عن سعد بن سعید حدثنی محمد بن ابراہیم عن قیس

ابن عمرو قال رای رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم الخ۔ یہ سعد بن سعید محمی بن سعید انصاری مشہور امام الجرح والتعذیل کے بھائی ہیں (ترمذی ص ۵) مضمون حدیث تو واضح ہے کہ ایک شخص نے حضور کے سامنے صبح کی نماز کے بعد

دور کعت پڑھیں آپ نے فرمایا صبح کی نماز (فرض) کی تو صرف دو رکعت ہیں اس نے عرض کیا میں نے فرض نماز سے جو قبل سنتیں ہیں وہ نہیں پڑھی تھیں اس کے بعد حدیث میں ہے فسکت رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم۔ مجوزین حضرات (شافعیہ وغیرہ) اس حدیث سے استدلال کرتے ہیں مالفین (ائمہ ثلاثہ) نے اس کے کئی جواب دیئے ہیں (۱) یہ حدیث منقطع ہے کما قال الترمذی اس لئے کہ محمد بن ابراہیم کا سماع قیس بن عمرو سے ثابت نہیں، (۲) جب اس وقت میں تقوع کی ہنسی دوسری احادیث صحیحہ سے ثابت ہے تو ایسی صورت میں آپ کا سکوت تقریر پر دلالت نہیں کرے گا (۳) ہو سکتا ہے یہ واقعہ منع سے قبل کا ہو (۴) صحیح یہ ہے کہ یہ حدیث مرسل ہے، کما قال الترمذی، اسی طرح آگے امام ابو داؤد نے بھی یہی بات فرمائی ہے۔ (۵) ابو داؤد کی اس روایت میں تو یہ ہے کہ آپ نے اس پر سکوت فرمایا لیکن ترمذی شریف میں اس کے بجائے یہ ہے فلا اذا جس کے دو مطلب ہو سکتے ہیں ایک یہ کہ تب بھی نہیں یعنی نہیں پڑھنی چاہیئے۔ دوسرا یہ کہ اب نہیں یعنی اگر یہ بات ہے کہ (سنتیں نہیں پڑھی تھیں) تو پھر میں منع نہیں کرتا۔

قال ابو داؤد روحی عبد ربہ ویعنی ابنا سعید هذا الحديث مرسلًا۔ اس حدیث کی سند میں جو اختلاف واضطر اب ہے مصنف اس کو بیان کر رہے ہیں۔ اوپر سند میں سعد بن ابی سعید آئے تھے انہوں نے اس حدیث کو مسنداً ذکر کیا تھا (بذکر السند الی الصحابی) اور سعد بن سعید کے باقی دو صحابی عبد ربہ اور یحییٰ ان دونوں نے اس کو مرسلاً ذکر کیا ہے یعنی سند میں صحابی (قیس بن عمرو) کو ذکر نہیں کیا۔ یہ اوپر اچکا کہ امام ترمذی نے بھی اس حدیث کو مرسل فرمایا ہے۔ ان جدہم زیداً

اختلاف نسخ اور نسخہ صحیحہ کی تعیین بہت سے نسخوں میں اسی طرح ہے زیداً لیکن یہ غلط ہے یحییٰ بن سعید کے دادا کا نام زید نہیں بلکہ قیس ہے جیسا کہ اوپر سند میں مذکور ہے لیکن صحیح اور معتد نسخوں میں اس جگہ نہ لفظ زید مذکور ہے اور نہ لفظ قیس بلکہ اس طرح ہے ان جدہم صلی مع النبی صلی اللہ علیہ وسلم اور اگر ہو بھی تو زید آئے بجائے قیساً ہونا چاہیئے کیونکہ یحییٰ بن سعید کے اجداد مسلمین میں کوئی زید نامی شخص نہیں ہے۔

تنبیہ۔ اگر کوئی کہے کہ مصنف اس حدیث کو مرسل بتا رہے ہیں حالانکہ یہاں سند میں یحییٰ بن سعید کے دادا کا ذکر ہے جو صحابی ہیں پھر حدیث مرسل کیسے ہوئی؟ جواب اس کا ظاہر ہے کہ یہاں ذکر صحابی رجال سند میں نہیں ہے سند تو ان جدہم سے پہلے پوری ہو گئی۔ ان جدہم سے تو متن حدیث شروع ہو رہا ہے۔

باب الرابع قبل الظهر وبعدھا

قالت ام حبیبہ زوج النبی صلی اللہ علیہ وسلم من حافظ علی أربع رکعات قبل الظهر

داربع بعدھا حرم علی الناس اس حدیث میں من تحافظ فرمایا گیا ہے من صلی نہیں فرمایا اس سے معلوم ہوا کہ یہ فضیلت من ایک مرتبہ پڑھنے سے حاصل نہ ہوگی بلکہ محافظہ اور مداومت سے ہوگی۔

روایات کثیرہ شہیرہ میں بعد از نظر رکعتیں آتا ہے اور اس روایت میں اربع رکعات مذکور ہے لہذا یہ کہا جائے گا کہ ان میں رکعتیں تو مؤکدہ ہیں اور رکعتیں غیر مؤکدہ۔ یہاں ایک رائے اور ہے جو آگے آ رہی ہے۔

اس حدیث میں ہے حرم علی الناس کہ یہ شخص آگ پر حرام ہو جاتا ہے۔ اس میں چند احتمال ہیں ایک یہ کہ اس سے مراد مطلقاً عدم دخول فی النار ہے اور یہ بات اللہ تعالیٰ کی رحمت سے کچھ بعید نہیں ہے کہ ان سنتوں پر اہتمام کی بدولت بالکل ہی وہ معاف فرمادیں۔ یا یہ کہ اگر جہنم میں اپنی معافی کی وجہ سے داخل بھی ہوا تو آگ اس کے پورے جسم کو نہ کھا سکیگی کم از کم مواضع سجود محفوظ رہیں گے (کمافی روایت) یا یہ کہا جائے کہ خلود فی النار کی نفی ہے نفس دخول کی نہیں۔ اس پر اشکال ہوگا کہ یہ بات تو ہر مسلمان کے بارے میں ملے ہے جواب یہ ہے کہ اس میں اشارہ اور بشارت ہے خاتمہ بالخیر کی (اور یہ بات ہر مسلمان کے حق میں ثابت نہیں)

قوله عن ابی ایوب عن النبی صلی اللہ علیہ وسلم قال اربع قبل الظهر لیس فیہن تسلیم تفتح لہن ابواب السماء، ابواب کا نام خالد بن زید انصاری ہے۔ اس حدیث کی سے معلوم ہوا کہ ظہر سے پہلے جو چار سنتیں ہیں وہ ایک سلام سے ہونی چاہئیں جیسا کہ حنفیہ کا مسلک ہے اور شافعیہ و حنابلہ کے نزدیک اول تو قبل الظہر سنت کی دو ہی رکعت ہیں دوسرے یہ کہ ان کے نزدیک تسلیم علی الرکعتین اولیٰ ہے۔ صلوٰۃ اللیل والنہار مثنیٰ مثنیٰ حدیث کے پیش نظر یہ حدیث آگے آئی والی ہے اس نماز کے لئے آسمان کے دروازے مفتوح ہو جاتے ہیں تاکہ یہ سنتیں آسمان پر پہنچ جائیں۔ الیہ یصعد الکلم الطیب والعمل الصالح یرفعہ،

اور بعض شراح کی رائے یہ ہے کہ اس حدیث میں ظہر کی سنن قبلہ کا ذکر نہیں ہے بلکہ وہ نماز ہے جس کو سنتہ الزوال یا صلوٰۃ الزوال کہتے ہیں جس کے صوفیہ خاص طور سے قائل ہیں بلکہ محدثین بھی چنانچہ امام ترمذی نے ۶۱ میں اسکے لئے مستقل باب باندھا ہے۔ باب ما جاری الصلوٰۃ عند الزوال، اور اس میں انہوں نے عبد اللہ بن السائب کی حدیث ذکر کی جو ان رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کان یصلیٰ اربعاً بعد ان تزول الشمس قبل الظہر وقال انہا ساعۃ تفتح فیہا ابواب السماء وأحب ان یصعد لی فیہا عمل صالح و فی الباب عن علی و ابی ایوب و ہذا حدیث حسن غریب ابویوب کی حدیث جس کا امام ترمذی حوالہ دے رہے ہیں وہی ہے جو ہمارے یہاں ابوداؤد میں مل رہی ہے، تحفۃ الاحوذی میں ہے

ما قطع ارقی فرماتے ہیں یہ چار رکعت سنتہ الظہر کے علاوہ ہیں ان کا نام سنتہ الزوال ہے

قال ابوداؤد بلغنی عن یحییٰ بن سعید انه قال لو حدثت عن عبیدۃ بشیء اخرجہ یحییٰ بن سعید

فرماتے ہیں کہ اگر میں عبیدہ بن مسعود سے حدیث لیتا تو یہ حدیث ضرور لیتا، مگر چونکہ وہ ضعیف ہے اس لئے نہیں لیتا۔ اب یہ کہ وہ حدیث ضرور کیوں لیتے؟ ممکن ہے یہ وجہ ہو کہ اس حدیث کا مضمون ان کو بہت پسند ہو، کیونکہ اس میں بڑی ادنیٰ فضیلت مذکور ہے۔

باب الصلوة قبل العصر

اس باب میں مصنف نے دو حدیثیں ذکر کی ہیں ایک قوی، دوسری فعلی، قوی میں عصر سے قبل چار رکعت مذکور ہیں، اور حدیث فعلی میں یہاں ابوداؤد میں تو دو رکعت ہی مذکور ہیں، لیکن ترمذی شریف میں چار رکعت مذکور ہیں، اسی لئے ہمارے فقہار نے لکھا ہے کہ عصر سے پہلے اختیار ہے دو رکعت اور چار رکعت کے درمیان۔

رحمہم اللہ امر! صلی قبل العصر اربعاً، یہ جملہ خبریہ بھی ہو سکتا ہے اور دعائیہ بھی، یعنی یا تو آپ خیر رہے ہیں کہ ایسا ہے اور یا دعا دے رہے ہیں کہ اللہ تعالیٰ رحم فرمائے ایسے شخص پر، لوگ بزرگوں دعا کی درخواستیں کرتے پھرتے ہیں حضور کی دعا سے زیادہ ادنیٰ دعا کس کی ہو سکتی ہے اس کو وصول کرنے کی سعی کرنی چاہیے۔ واللہ الموفق۔

(فائدہ) اربع رکعات قبل العشاء کا ثبوت | فقی سنن سعید بن منصور من حدیث البراء رفعہ من صلی قبل العشاء اربعاً کان کم تہجد من لیلۃ، ومن صلاہن بعد العشاء کمثل من لیلۃ القدر۔ واخرجه البيهقي من حدیث عائشہ موقوفاً، واخرجه النسائي والدارقطني موقوفاً علی کعب، (الدرایہ ص ۱۹۸) عن سعید بن جبیر: کانوا یستحبون اربع رکعات قبل العشاء الاخرۃ۔ (تحفۃ قیام اللیل لمردی ص ۱۳۱) تنبیہ :- سقطت الجملة الاولى من حدیث البراء رضی اللہ تعالیٰ عنہ من طبعۃ نصیب الراہ، فلیتنہ

باب الصلوة بعد العصر

اوقات منہیہ کی ابتداء | یہ سمجھیے کہ یہاں سے اوقات منہیہ کا بیان شروع ہو رہا ہے، امام ابوداؤد نے تو اس سلسلے کے صرف دو ہی باب قائم کئے ہیں اور امام نسائی نے اس موضوع پر بہت سارے ابواب قائم کئے ہیں، ان ابواب کو گماحقہ سمجھنا اس پر موقوف ہے کہ اوقات منہیہ میں صحابہ و تابعین کے جو اختلافات ہیں وہ ذہن میں ہوں ورنہ سخت الجھن پیش آ سکتی ہے، کیونکہ روایات میں شدید اختلاف ہے اور اسی وجہ سے علماء کے مذاہب بھی مختلف ہیں ہمارے حضرت شیخ رحمہ اللہ بخاری کے تراجم کے بارے میں اکثر فرمایا کرتے تھے کہ امام بخاری کی غرض کا معلوم کرنا مذاہب ائمہ سے اچھی طرح واقفیت پر موقوف ہے۔ لہذا آپ اولاً ان اختلافات کو سنئے!

بعض صحابہ اور ابن حزم ظاہری کے نزدیک تمام اوقات میں نماز جائز ہے کسی وقت کا استثناء نہیں وہ کہتے ہیں کہ ہنی منسوخ ہے حدیث جبیر بن مطعم لا تمنعوا احداً طاف بهذا البيت وصلى آية سابعة ساء من ليل ادنار ولفوه عليه السلام من ادرك ركعة من الصبح قبل ان تطلع الشمس الخ۔ دوسرا مذاہب یہ ہے کہ ایک جماعت صحابہ اور تابعین کی جیسے

ابن عمر وعائشہ، عطاء، طاؤس، ابن المنذر کا مسلک یہ ہے کہ جن احادیث میں بعد الصبح اور بعد العصر نماز کی ممانعت ہے اس سے مقصود استیعاب وقت نہیں ہے بلکہ عین طلوع و عین غروب خاص اس وقت میں پڑھنا ممنوع ہے کیونکہ اس وقت عبدة الشمس شمس کی عبادت کرتے ہیں، چنانچہ حضرت عائشہؓ فرماتی ہیں وہم عصر انہا نہی رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم عن الصلوة ان يتحرها طلوع الشمس وغروبها، یعنی حضرت عمرؓ جو لوگوں کو بعد العصر بعد الفجر نماز پڑھنے سے مطلقاً منع کرتے ہیں یہ غلط ہے اس لئے کہ ممانعت اس کی ہے کہ آدمی طلوع شمس اور غروب شمس کا قصد کر کے ان دو وقتوں میں نماز پڑھے، یہ حضرات یوں کہتے ہیں کہ احادیث میں مطلق بعد الفجر وبعد العصر جو آیا ہے وہ اس خیال سے کہ ایسا نہ ہو کوئی شخص عصر کے بعد نماز پڑھے اور اس میں تہادمی اور طول ہوتا چلا جائے اور وہ نماز طلوع اور غروب تک پہنچ جائے تو یہ ظاہری عموم و اطلاق قطع ذریعہ کے طور پر ہے اور ایک روایت ابن عمرؓ سے یہ ہے کہ صبح کی نماز کے بعد تو طلوع شمس تک تطوع مکروہ ہے (اس باب کی تیسری حدیث کیوجہ سے) اور بعد العصر تطوع الی الاصفار جائز ہے۔ اس کے بعد ممنوع ہے (اس باب کی پہلی حدیث کیوجہ سے) لیکن حضرت عمرؓ اور ابن عباسؓ اور بہت سے صحابہ و تابعین اور اکثر ائمہ کے نزدیک نہی عن الصلوة بعد الصبح وبعد العصر عام ہے طلوع، غروب کے ساتھ خاص نہیں ہے۔

یہ اختلافات تو صحابہ اور تابعین کے درمیان میں ہیں۔ اب آپ ائمہ اربعہ کے مذاہب بھی سمجھیے! (۱) امام مالک کے نزدیک اوقات نہی صرف چار ہیں عین طلوع، عین غروب، بعد الفجر، بعد العصر، وقت الاستواء یعنی نصف النہار ان کے نزدیک ان اوقات میں شامل نہیں، بخلاف باقی ائمہ ثلاثہ کے کہ ان کے نزدیک اوقات منہیہ خمسہ ہیں۔ وقت الاستواء بھی ان میں داخل ہے نیز جمہور کے نزدیک منع نوافل سے ہے قضاء سے نہیں (وکنذالاعند المالکیۃ) خواہ وہ قضاء فرائض کی ہو یا سنن مؤکدہ کی، اور ائمہ ثلاثہ میں سے شافعیہ یہ فرماتے ہیں کہ نوافل کی دو قسم ہیں، ذات السبب اور غیر ذات السبب جو نوافل ذات السبب میں اتنے نزدیک ان کو بھی اوقات منہیہ میں پڑھ سکتے ہیں، البتہ قسم ثانی کا پڑھنا منع ہے۔

اور حنفیہ کے نزدیک اوقات منہیہ دو قسم پر ہیں۔ اول طلوع وغروب، اور نصف النہار، اور ثانی بعد الفجر وبعد العصر قسم اول میں تو عدم الجواز مطلقاً ہے نہ اس میں قضاء نماز جائز ہے نہ نوافل (والاعصر یومہ عند الغروب)، اور قسم ثانی میں نوافل تو ممنوع ہیں قضاء جائز ہے۔ ۱۷

۱۷ اس لئے کہ یہ پہلے گزر چکا کہ شافعیہ حنبلیہ کے نزدیک روایت کی قضاء مستحب ہے شافعیہ کے نزدیک تو تمام اوقات منہیہ میں جائز ہے اور حنبلیہ کے نزدیک اوقات منہیہ میں سے بعد العصر تو جائز ہے جیسا کہ معنی میں اس کی تصریح ہے اسکے علاوہ باقی اوقات منہیہ میں جائز نہیں۔ ۱۸ واما صلاة الجنازة وجمعة التسلاوة ففیہ تفصیل عندنا معروف یعنی انہما یجوزان بعد العصرین مطلقاً واما فی الاوقات الثلاث فان حضرت الجنازة و تکلیت آیتہ السجدة فیہا فیجوز والا فلا، لکن الاولی التاخیر وعند الشافعی تجوز فی الاوقات الخمسة وعند مالک و احمد تجوز بعد العصرین ولا یجوز فی الاوقات الباقیۃ وھی عند احمد ثلاثہ وعند مالک اثنان فان وقت الاستواء عندہ لیس من الاوقات المنہیۃ ۱۹

حدثنا أحمد بن صالح الخ - قوله - ارسلوا إلى عائشة زوج النبي صلى الله عليه وسلم -

مضمون حدیث

یہ ہے کہ کریب جو کہ ابن عباس کے آزاد کر وہ ہیں ان کو حضرت ابن عباس وغیرہ نے حضرت عائشہ کی خدمت میں بھیجا کہ ان سے جا کر عرض کرو کہ ہمیں یہ بات پہونچی ہے کہ آپ بعد العصر کعتین پڑھتی ہیں والا نہ کہ ہمیں یہ بات معلوم ہوئی ہے کہ حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے بعد العصر نفل سے منع فرمایا ہے (حضرت عائشہ نے سوال کے جزا اول کی طرف تو التفات نہیں فرمایا اور جز ثانی کے بارے میں فرمایا کہ ام سلمہ سے معلوم کرو ان لوگوں نے کریب کو پھر ام سلمہ کے پاس بھیجا اسی اخرا لفظ جس میں یہ ہے کہ آپ نے فرمایا کہ اس وقت (بعد العصر) میں نے جو کعتین پڑھی ہیں وہ نفل نماز نہیں تھی بلکہ ظہر کے بعد کی سنتیں تھیں جن کو میں وقت پر نہیں پڑھ سکا تھا جس کی وجہ یہ ہوئی اتانی ناس من عبد القیس بالاسلام اور بعض روایات میں یہ ہے کہ میرے پاس ثلاثین صدقہ (صدقہ کے اونٹ) آئے تھے ان کے انتظام میں لگنے کی وجہ سے ظہر کی سنت نہیں پڑھ سکا تھا ممکن ہے کہ دونوں باتیں پیش آئی ہوں ثلاثین صدقہ بھی اور وفد عبد القیس بھی جو اسلام لانے کی غرض سے آیا تھا۔

المسائل الثابتة بالحديث

اس حدیث سے معلوم ہوا کہ عصر کے بعد نفل نماز پڑھنا منع ہے اور حضور نے جو پڑھی تھی وہ نفل مطلق نہیں تھی بلکہ سنت ظہر کی قضاء تھی۔ دوسری بات یہ معلوم ہوئی کہ روایت کی قضا ہے چنانچہ شافعیہ و حنابلہ کا مسلک یہی ہے کہ ان کی قضا مستحب ہے، حنفیہ مالکیہ کے نزدیک روایت کی قضا نہیں ہے سوائے سنت الفجر کے۔ طحاوی کی روایت میں ایک زیادتی ہے وہ یہ کہ ام سلمہ نے آپ سے سوال کیا افتقننہما اذا احاطتا قال لا کہ اگر ہماری سنت نماز فوت ہو جائے تو کیا ہم بھی اس کی قضا کریں آپ نے فرمایا نہیں معلوم ہوا کہ یہ آپ کی خصوصیت ہے اور خصوصیت کی ایک دلیل یہ بھی ہے عائشہ فرماتی ہیں کہ اس کے بعد پھر حضور ان دو رکعتوں کو بعد العصر ہمیشہ پڑھتے ہی رہے۔ نیز آگے باب ما یؤمر بہ من القصد فی الصلوة میں آ رہا ہے وکان اذا عمل عملاً اثبتہ، نیز اسی باب میں آ رہا ہے کان عملہ ینبئہ اس حدیث سے شافعیہ نے استدلال کیا کہ روایت کی قضا اوقات مکروہ میں کر سکتے ہیں۔ اسی طرح نوافل ذات السبب کی اس کا جواب مہرور نے یہ دلیل ہے کہ یہ بھی آپ ہی کی خصوصیت ہے جس طرح سنت کی قضا آپ کی خصوصیت

باب من رخص فیہما اذا کانت الشمس مرتفعة

عن علی ان النبی صلی اللہ علیہ وسلم نہی عن الصلوة بعد العصر الا والشمس مرتفعة۔ یہ حدیث اس جماعت کی دلیل ہے جو یوں کہتی ہے کہ نہی عن الصلوة بعد العصر بعد الصبح و بعد العصر میں مطلق بعدیت مراد نہیں ہے بلکہ بعدیت منفصلہ یعنی طلوع وغروب کا وقت، لیکن جیسا کہ پہلے معلوم ہو چکا کہ مہرور صحابہ و ائمہ اربعہ تو اس رائے سے

متفق نہیں ہیں دوسری احادیث کے عموم و اطلاق کی وجہ سے۔ لہذا ان کے نزدیک یہ حدیث مؤول ہے۔

حدیث الباب کا محمل عند الفقہاء | تاویل ائمہ فقہ نے اپنے اپنے مسلک کے مطابق کی ہے۔ شافعیہ نے اس کو محمول کیا ہے ان نوافل پر جو ذات السبب ہوں کہ

ایسی نوافل ان کے نزدیک اصغر شمس تک جائز ہیں۔ اور حنفیہ نے اس کو محمول کیا ہے بعض مخصوص نمازوں پر مثلاً قضا المکتوبہ اور صلوٰۃ الجنازہ (کما فی بعض تقاریر المحدث الکنگوسی) اگر کوئی سوال کرے کہ تفصیل کا منشا کیا ہے جواب ظاہر ہے کہ اختلاف روایات کے وقت دفع تقارض کے لئے، اور حضرت سہارنپوری نے بذل المجہود میں اس کی یہ تاویل فرمائی ہے کہ نہی عن الصلوٰۃ میں صلوٰۃ سے مراد نفل نہیں ہے بلکہ عصر کی فرض نماز اور بعد العصر سے مراد بعد دخول وقت العصر ہے مطلب یہ ہو کہ عصر کی نماز کی تاخیر نہیں کرنی چاہئے ارتفاع شمس تک پڑھ لینی چاہئے۔

قولہ لا صلوٰۃ بعد صلوٰۃ الصبح۔ اسی طرح اس سے اگلی حدیث میں ہے حتى تصلي الصبح اس سے بظاہر معلوم ہو رہا ہے کہ طلوع کی ممانعت طلوع فجر سے متعلق نہیں بلکہ اس کا تعلق صبح کی نماز سے ہے، یہی مذہب حسن بصری کا ہے کہ طلوع فجر کے بعد بھی صبح کی نماز سے پہلے متفل جائز ہے اور امام مالک کے نزدیک بھی یہی حکم ہے اس شخص کا جس سے صلوٰۃ اللیل فوت ہو جائے لہذا یہ روایت جہور کے خلاف ہوئی لیکن چونکہ بعض دوسری روایات میں طلوع کا لفظ وارد ہے اس لئے جہور نے اسی کو اختیار کیا ہے چنانچہ مسند احمد میں ہے حتى تطلع الشمس قولہ فانها تطلع بین فترتی شیطان۔ اس کی تشریح ہمارے یہاں جلد اول میں مواقیت الصلوٰۃ میں گذر چکی۔

حق یَعْدِلُ الرُّمُحَ ظِلًّا، یہاں تک کہ نیزہ اپنے سایہ کے برابر ہو جائے۔

شرح حدیث | بظاہر اس کا مطلب یہ نکلتا ہے کہ ایک مثل کا وقت ہو جائے لیکن ظاہر ہے کہ یہ مراد نہیں بلکہ یہاں تو نصف النہار جس کو وقت الاستوار کہتے ہیں مراد ہے۔ صحیح مسلم کی روایت کے لفظ بہت صاف اور واضح ہیں حتى يستقل الظل بالرمح استقلال کے معنی میں چڑھنا یعنی رُمُح کا سایہ رُمُح پر چڑھ جائے یعنی زمین پر نہ پڑے، یہ حجاز، مکہ، مدینہ کے اعتبار سے ہے کہ وہاں سخت گرمی کے زمانے میں اشیاء کا سایہ اصلی

سے لیکن ہندو کو اس تاویل پر اشراف نہیں ہے اس لئے کہ اگر کوئی شخص ارتفاع شمس تک عصر کی نماز نہ پڑھے تو اس کو اب نماز پڑھنے سے منع نہ ہوگا ایسا کیا جائیگا بلکہ وہ شخص اس وقت بھی مامور بن الشرع ہے اور فرض کا۔ لہذا امام ترمذی نے فرمایا کہ ملا کا اجماع ہے اس پر کہ طلوع فجر کے بعد طلوع جائز نہیں ۱۱ حافظ ابن حجر نے اس پر اشکال کیا کہ اجماع نقل کرنا صحیح نہیں کیونکہ اس میں بعض ملا کا اختلاف ہے ۱۲۔

نصف النہار کے وقت بالکل نہیں رہتا بلکہ زوال کے بعد سایہ زمین پر پڑنا شروع ہوتا ہے، البوداؤد کی اس روایت کا مطلب بھی وہی لیا جائیگا جو مسلم کی روایت کا ہے۔

حدیث میں ریح کی تخصیص بالذکر اس لئے ہے کہ عرب لوگوں کی عادت تھی کہ جب وہ معرفت وقت کا ارادہ کرتے تھے تو اپنے نیزوں کو زمین میں گاڑتے تھے اور پھر ان کے سایہ کو دیکھتے تھے۔ فی الواقع اس کی کوئی تخصیص نہیں ہے بلکہ ہر قائم اور سیدھی چیز کے ذریعے سے سایہ کی مقدار معلوم کی جاسکتی ہے۔

قوله لا تلتصوا بعد الفجر الا سجدة تین۔

حدیث کی تفسیر اس کے صحیح اور مرادی معنی جیسا کہ امام ترمذی نے بیان کئے ہیں لا تلتصوا بعد طلوع الفجر الاربعین یعنی فجر سے مراد طلوع فجر ہے نہ کہ صلوٰۃ فجر، اور سجدہ تین سے مراد رکعتیں ہیں اور رکعتیں سے مراد صبح کی دو سنتیں یہاں تین احتمال عقلاً اور ہیں جو مراد نہیں بلکہ وہ معانی بعض اساتذہ نے طلب کی تسمیہ اذہان کے طور پر ذکر کر دیئے ہیں (۱) لا تلتصوا بعد طلوع الفجر الا سجدتین (سجدتین کو حقیقی معنی پر محمول کیا جائے) (۲) لا تلتصوا بعد صلوٰۃ الفجر الا سجدتین (سجدتین کے حقیقی معنی) (۳) لا تلتصوا بعد صلوٰۃ الفجر الا رکعتین (سجدتین سے مراد رکعتیں۔ ذکر تہذیب المعانی الاربعہ فی الکوکب الدری۔

قوله کان یصلی بعد العصر وینہی عنہا، معلوم ہوا کہ صلوٰۃ بعد العصر آپ کی خصوصیت ہے اور منع امت کے

حق میں ہے۔

باب الصلوٰۃ قبل المغرب

رکعتیں قبل صلوٰۃ المغرب کا روایتی حیثیت سے ثبوت رکعتیں قبل المغرب کا مسئلہ بھی موجب غلیبان ہے احادیث صحیحہ بخاری مسلم وغیرہ میں مغرب سے پہلے دو رکعت پڑھنے کا امر بھی وارد ہے لیکن اس کے باوجود نہ خود حضور صلی اللہ علیہ وسلم سے روایات مشہورہ میں

ان کا پڑھنا ثابت ہے نہ اکابر صحابہ سے بلکہ حضرت ابن عمرؓ نے تو جیسا کہ آگے کتاب میں آ رہا ہے صاف انکار فرمایا کہ میں نے حضورؐ کے زمانے میں رکعتیں قبل المغرب پڑھتے ہوئے کسی کو نہیں دیکھا۔ البتہ صحیح ابن حبان اور سنن سید ابن منصور میں عبد اللہ بن مغفل کی روایت ہے کہ آپؐ نے قبل المغرب رکعتیں پڑھی ہیں اسی طرح اسی باب میں حضرت انسؓ کی روایت ہے کہ میں نے حضورؐ کے زمانے میں قبل المغرب رکعتیں پڑھی ہیں اس پر شاگردے دریافت کیا، کیا حضورؐ نے تم کو پڑھتے ہوئے دیکھا ہے فرمایا کہ ہاں دیکھا ہے لیکن آپؐ نے نہ ہم سے اس کا امر فرمایا اور نہ نہیں فرمائی، نیز متفق علیہ (بخاری و مسلم کی) روایت ہے۔ حضرت انسؓ فرماتے ہیں جب مغرب کی اذان شروع ہوتی تھی، قام ناس من اصحاب النبی صلی اللہ علیہ وسلم یبسترون السواری تو صحابہ میں سے کچھ لوگ ستولوں

کی طرف پلکتے تھے تاکہ نماز کھڑی ہونی سے قبل دو رکعت پڑھ لیں۔ سیاق روایت سے مستفاد ہو رہا ہے کہ اکابر و مشاہیر صحابہ ایسا نہیں کرتے تھے جیسا کہ لفظ ناسخ سے مترشح ہوتا ہے اور میرے ذہن میں یہ آتا ہے کہ وہ ایسے ہی اشخاص ہوں گے جیسا کہ ایک دوسری روایت میں آتا ہے فخرج سرعان الناس یقولون قهرت الصلوة قهرت الصلوة، نیز جس روایت میں اسکا امر وارد ہے وہاں آپ نے لسن شاء بھی فرمایا کہ جس کا جی چاہتا ذکر ثواب و فضیلت اور ترغیبی کوئی پہلو اختیار نہیں فرمایا معلوم ہوا کہ یہ رکعتیں صرف مرخص فیہ ہیں مندوب اور مرغوب فیہ نہیں ہیں۔

یاد پڑتا ہے کہ بعض حواشی میں میں نے دیکھا تھا کہ رکعتیں قبل المغرب کا جو امر بعض روایات میں وارد ہے وہ کوئی مستقل حکم نہیں ہے بلکہ اس کا تعلق بنی عن الصلوة بعد العصر سے ہے اور مقصد حضور کا یہ ہے کہ عصر کے بعد تطوع کی جو ہنی ہے وہ غروب پر آکر منہتی ہو جاتی ہے البتہ غروب کے بعد کوئی نفل پڑھنا چاہے تو پڑھ سکتا ہے یعنی اپنا شوق پورا کر سکتا ہے (گو خلاف اولیٰ ہے)

اس نماز کے بارے میں فقہاء کے اقوال | احقر کہتا ہے یہی وجہ ہے کہ ائمہ اربعہ میں سے کوئی بھی انکے استحباب کا قائل نہیں ہے جیسا کہ فقہ کی کتب فروع سے معلوم ہوتا ہے (کافی ہامش الکوکب الدرۃ) اگرچہ امام احمد سے اس کا استحباب نقل فرمایا ہے لیکن حضرت شیخ حاشیہ کوکب میں لکھتے ہیں کتب حنابلہ سے صرف اباحت معلوم ہوتی ہے نہ کہ استحباب،

حنفیہ کے یہاں اس میں دو قول ہیں صاحب درمختار وغیرہ نے تو کراہت کا قول اختیار کیا ہے اور بذل الطہود میں حضرت سہارنپوری کا میلان بھی اسی طرف ہے۔ اور شیخ ابن الہمام نے اباحت کو ترجیح دی ہے اور یہ کہ کراہت کی کوئی وجہ نہیں ہے حضرت اقدس گنگوہی کی رائے بھی اباحت ہی کی ہے بشرطیکہ تکبیر اولیٰ فوت نہ ہو۔

اور بعض صحابہ و تابعین جن کے اسماء صاحب مہمل نے یہ لکھے ہیں۔ عبد الرحمن بن عوف، ابی بن کعب، انس، جابر، عبد الرحمن بن ابی لیلیٰ، حسن بصری، اسحق ان رکعتیں کے استحباب کے قائل ہیں، امام نووی نے شرح مسلم میں ان رکعتیں کے استحباب ہی کا ترجمہ قائم کیا ہے آگے وہ فرماتے ہیں کہ اس میں ہمارے اصحاب کے دو قول ہیں اشہر القولین

لہ کوکب میں اس طرح ہے لیکن لایح الدارۃ میں حضرت نے لکھا رکعتیں کے استحباب کو تسلیم فرمایا ہے اور یہ کہ آپ سے اس کا ثبوت فعلاً تو نہیں ہے لیکن قولاً و تقریراً ہے اور حضرت کی ایک اور تقریر میں تقریر ہے کہ اگر کوئی شخص بجمعت ان رکعتیں کو پڑھ سکتا ہو تو ایسا کرنا مستحب ہے (حاشیہ لایح) کوکب میں یہ بھی لکھا ہے کہ عدم روایت، عدم وجود کی دلیل نہیں ہے، یہ ابن عمر کی حدیث کے جواب کی طرف

یہ ہے کہ مستحب نہیں، اور اصح القولین عند المحققین یہ ہے کہ مستحب ہیں، اور لکھا ہے کہ سلف میں بھی اس میں دو جماعتیں ہیں جو جماعت عدم استحباب کی قائل ہے اس میں انہوں نے خلفاء راشدین کے نام لکھے ہیں، امام مالک اور اکثر فقہاء کا بھی یہی مسلک لکھا ہے لیکن خود امام نووی کی رائے استحباب کی ہے۔

عن عبد الله بن مغفل قال قال رسول الله صلى الله عليه وسلم بين كل اذانين صلوة انما اس میں تغليب ہے مراد اذان اور اقامت ہے تغلیباً اذانین فرمایا جیسے کہتے ہیں تسمین، قرین وغیرہ۔ یہ حدیث متفق علیہ ہے امام بخاری و مسلم دونوں نے اس کی تخریج کی ہے جو علماء مغرب میں بھی اذان و اقامت کے درمیان تطوع کے قائل ہیں ان کی تو یہ حدیث دلیل ہے اور اپنے عموم پر ہے اور جو علماء اس کے قائل نہیں وہ کہتے ہیں آپ نے ایسا تغلیباً فرمایا یا لاکثر حکم انکل کے طور پر، اور دوسرا جواب وہ یہ دیتے ہیں کہ مسند بزار، بیہقی دارقطنی، میں الا مغرب کا استثناء مذکور ہے لیکن یہ استثناء والی روایت ضعیف ہے۔ حیان بن عبید اللہ اس استثناء کے ساتھ متفرد ہے۔ اور یہ یہ کہا جائے کہ یہ حدیث پانچ نمازوں میں سے چار کے حق میں تو استحباب و ترغیب پر محمول ہے اور ایک نماز مغرب کے حق میں جواز پر محمول ہے۔ اسلئے کہ جواز تو بہر حال مغرب میں بھی ہے واللہ تعالیٰ اعلم۔

سئل ابن عمر عن الركعتين قبل المغرب فقال ما رأيت احدا على عهد رسول الله صلى الله عليه وسلم يصليهما الا حضرت نكوى، کے نزدیک چونکہ رکعتیں قبل المغرب جائز بلکہ مستحب ہیں (دکما تقدم) اس لئے حضرت فرماتے ہیں عدم رویت عدم وجود کو مستلزم نہیں نیز قاعدہ ہے کہ مثبت اولیٰ ہے نافی سے (اللوکوب)

لیکن شیخ ابن الہمام فرماتے ہیں یہ قاعدہ کلیہ نہیں چنانچہ جس مقام پر نفی من جنس مایعرف بدلیلہ ہو وہاں وہ نفی اثبات کے برابر ہوتی ہے اسلئے کہ اثبات کو نفی پر ترجیح اس لئے ہے کہ مثبت کے پاس زیادتی، علم ہے بخلاف نفی کے کہ وہ کبھی ظاہر حال کے اعتقاد سے بھی کر دیتے ہیں بغیر دلیل کے، لیکن جو نفی مایعرف بدلیلہ کے قبیل سے ہو وہ صرف ظاہر حال کے اعتبار سے نہیں ہوتی وہاں نافی کے پاس بھی دلیل ہوتی ہے اور ابن عمر کی یہ بات کہ ہم نے کسی کو رکعتیں پڑھتے ہوئے نہیں دیکھا گویا اپنا مشاہدہ بیان کر رہے ہیں لہذا یہ بلا دلیل نہیں ابن الہمام کا مقصد صرف قاعدہ اصولیہ پر متنبہ کرنا ہے ورنہ یہ پہلے گزر چکا ہے کہ وہ ان رکعتیں کی اباحت کے قائل ہیں

باب صلوة الضحیٰ

نفوی تحقیق | بعض کہتے ہیں یہ اضافت بحدف مضاف ہے اسی صلوة وقت الضحیٰ، لیکن ظاہر یہ ہے کہ یہ اضافت

بمعنی فی ہے ای صلوٰۃ فی الضحیٰ، جیسے صلوٰۃ اللیل ای صلوٰۃ فی اللیل۔

ضحیٰ ضحوة کی جمع ہے جیسے ضحیٰ ضحیۃ کی، ضحیٰ ایک مخصوص وقت کا نام ہے یعنی وقت ارتقاء شمس، اس وقت سے لیکر اسی قبل نصف النہار لیکن وقت مختار اس نماز کا ربیع النہار کے بعد سے ہے کہ فی الدر المختار وغیرہ بعض علماء نے لکھا ہے کہ ربیع النہار تک کا وقت ضحوة صغریٰ ہے اور ربیع النہار سے الی نصف النہار یہ ضحوة کبریٰ کہلاتا ہے بعد سمجھئے کہ صلوٰۃ الضحیٰ کے سلسلے میں روایات حدیث میں بہت اختلاف ہے نفیاً واثباتاً جیسا کہ روایات الباب کو دیکھنے سے انداز ہو جائیگا۔ صلوٰۃ الضحیٰ کی روایات صحاح ستہ میں موجود ہیں۔ اور سبھی معنفین نے اس کے لئے ابواب قائم کئے ہیں۔ حضرت امام بخاری نے بھی اس سے متعلق متعدد ابواب قائم کئے ہیں البتہ امام نسائی نے اس کا کوئی باب منعقد نہیں فرمایا گو روایت اس کی نسائی میں موجود ہے۔

صلوٰۃ الضحیٰ کے بارے میں اختلاف روایات

عبدالرحمن بن ابی یعلیٰ فرماتے ہیں مجھ سے کسی صحابی نے نہیں بیان کیا کہ حضور صلوٰۃ الضحیٰ پڑھتے تھے سوائے ام ہانی کے کہ انہوں نے فرمایا کہ آپ نے فتح مکہ کے دن اس کی آٹھ رکعات پڑھی ہیں اسی طرح حضرت عائشہ فرماتی ہیں کہ میں نے حضور کو صلوٰۃ الضحیٰ پڑھتے ہوئے نہیں دیکھا البتہ میں خود پڑھتی ہوں، یہ دونوں روایتیں صحیح بخاری میں ہیں۔ صحیح مسلم میں ہے عائشہ فرماتی ہیں کہ آپ صبح کی چار رکعات پڑھتے تھے ویزید ما شاء اللہ۔ آگے ایک روایت میں آ رہا ہے حضرت عائشہ سے سوال کیا گیا، کیا حضور صلوٰۃ الضحیٰ پڑھتے تھے قالت لا الا ان یجئ من مغیبہ، یعنی اگر آپ صبح کے وقت اپنے کسی سفر سے واپس تشریف لائے تب تو پڑھتے تھے یہ روایت صحیح مسلم میں بھی ہے۔ یہ چند روایات نمونہ کے طور پر لکھی گئی ہیں۔

اختلاف روایات کی توجیہات

علماء نے اس اختلاف کی مختلف توجیہات فرمائی ہیں (۱) اثبات کا تعلق نفس صلوٰۃ سے ہے اور نفی کا تعلق دوام سے ہے (۲) نفی کا

تعلق وجود سے نہیں بلکہ رویت سے ہے کہ میں نے نہیں دیکھا (۳) نفی کا تعلق اہمار سے ہے یعنی آپ صلوٰۃ الضحیٰ علی وجہ الشہرہ والاعلان نہیں پڑھتے تھے۔

امام خطاب فرماتے ہیں صلوٰۃ الضحیٰ کا ثبوت حضور سے تو اتر اثبات ہے اس کا انکار جیسا کہ بعض علماء سے منقول ہے صحیح نہیں بلکہ نفی کی روایات مؤول ہیں، چنانچہ یہاں سنن ابوداؤد میں متعدد روایات اس کی ترفیع اور فضیلت میں موجود ہیں صحیح بخاری ۱۵۵۱ میں ہے ابو ہریرہ فرماتے ہیں اوصانی خلیلی صلی اللہ علیہ وسلم بثلاث لا اذعن حق اموت صوم ثلاثة ايام من كل شهر و صلوٰۃ الضحیٰ و نوم علی وبترا ابن جریر طبری نے بھی اس کی روایات کا مد تو اتر کو پہونچنا لکھا ہے، کمافی ہامش اللامع ۱۵۱۶ حافظ ابن حجر فرماتے ہیں حاکم نے صلوٰۃ الضحیٰ کے اثبات میں جو روایات وارد ہیں ان کو ایک مستقل جز میں جمع کیا ہے اور اس کے رواۃ کو بیس مجاہد تک پہونچا دیا ہے۔

صلوۃ الضحیٰ میں فقہاء کے اقوال | نیز حافظ فرماتے ہیں ابن قیم نے اس میں علماء کے چھ قول ذکر کئے ہیں حضرت شیخ نے لکھا ہے امہ ابو اس کے استحب پر متفق ہیں، البتہ تاکد، وعدم تاکد میں اختلاف ہے، امام شافعی و مالک کے نزدیک مستحب علی التاکد ہے، حنفیہ کے نزدیک مستحب ہے بلا تاکد امام احمد کے نزدیک مستحب ہے بغیر دوام اور مواقبتہ کے یعنی احوالاً، ابن عمر کے نزدیک بدعت ہے، وکیل لا یشترع الالباب دجب کوئی خاص اور نہیات پیش آئے جیسے آپ نے فتح مکہ کے دن پڑھی تھی

صلوۃ الاشراف کی تحقیق | اس کے بعد جانئے کہ عام طور سے فقہاء و محدثین صرف صلوۃ الضحیٰ کو ذکر کرتے ہیں اسی کا باب باندھتے ہیں صلوۃ الاشراف کو ذکر نہیں کرتے مشایخ سلوک و صوفیاء کرام کے نزدیک یہ دو نمازیں ہیں ایک صلوۃ الاشراف جو ارتفاع شمس سے ربع نہار تک پڑھی جاتی ہے اور دوسری صلوۃ الضحیٰ جس کا افضل وقت ربع نہار کے بعد سے نصف النہار کے قریب تک ہے، احیاء العلوم اور اس کی شرح میں ان دونوں نمازوں کی تصریح موجود ہے کہ حضور صلی اللہ علیہ وسلم سے یہ دونوں نمازیں ثابت ہیں اور اس کی اصل حضرت علی کی وہ حدیث مرفوعہ ہے جو جامع ترمذی شامی ترمذی اور نسائی میں موجود ہے کان رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم اذا كانت الشمس من ههنا كهشيت هاهنا عند العصر صلى ركعتين واذا كانت الشمس من ههنا كهشيت هاهنا عند الظهر صلى اربع ركعات۔ کہ جب سورج صبح کے وقت بجانب مشرق اتنا بلند ہو جاتا تھا جتنا کہ عصر کے وقت بجانب مغرب ہوتا ہے تو اس وقت آپ رکعتیں پڑھتے تھے (یہ تو ہوائی اشراق کی نماز) اور جب سورج بجانب مشرق اتنا بلند ہوتا تھا جتنا کہ بجانب مغرب ظہر کے وقت ہوتا ہے تو اس وقت آپ چار رکعات پڑھتے تھے (یہ ہوائی صلوۃ الضحیٰ چاشت کی نماز)

حضرت شیخ تو یہی فرماتے تھے کہ محدثین کے یہاں یہ دو نمازیں الگ نہیں ہیں، صوفیاء کے یہاں ہیں لیکن لمعات شرع مشکوٰۃ میں شیخ عبدالحق محدث دہلوی نے اس پر بحث فرمائی ہے وہ تحریر فرماتے ہیں کہ لوگوں کے درمیان میں تو یہ دو نمازیں متعارف ہیں ایک بوقت ارتفاع شمس بقدر رُخ اور زمین جس کو وہ صلوۃ الاشراف کہتے ہیں اور دوسری نماز ربع نہار پر پڑھتے ہیں جس کو وہ صلوۃ الضحیٰ کہتے ہیں اکثر احادیث میں ان دونوں نمازوں پر صلوۃ الضحیٰ ہی کا اطلاق کیا گیا ہے اور بعض احادیث میں اس پر صلوۃ الاشراف کا بھی اطلاق کیا گیا ہے جس کو علامہ سیوطی نے جمیع الجوامع میں طبرانی کے حوالے سے روایت کیا ہے کہ آپ نے ام ہانی سے اس حدیث کے بعد (ابن آدم ضمن لی رکعتین اول النہار الکفک آخرہ) فرمایا یا ام ہانی هذه صلوۃ الاشراف۔ اور شیخ علی متقی نے تو جمیع الجوامع کی ترتیب (کنز العمال) میں صلوۃ الاشراف کے عنوان کے تحت ایک مستقل باب منعقد فرمایا ہے مگر پھر آگے چلکر صاحب لمعات اپنی رائے اس طرح لکھتے ہیں کہ فی الواقع یہ مستقل دو نمازیں نہیں ہیں بلکہ صحیح صورت حال یہ

ہے کہ حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے اس نماز کو کبھی اس وقت میں پڑھا ہے (اول نہار) اور کبھی اُس وقت میں پڑھا، (ربیع نہار) اس لئے بعض لوگوں نے یہ سمجھا کہ یہ دو نمازیں الگ الگ ہیں، انتہی کلام۔ اس سے بظاہر معلوم ہوتا ہے کہ حضرت علی متقی صاحب کنز العمال کے نزدیک یہ دو نمازیں ہیں گو حضرت شیخ عبدالحق محدث دہلوی کو اس سے اتفاق نہیں یضیح علی کل سلاخی من ابن آدم (وفی روایۃ من احدثکم) صدقة الفی شرح حدیث | صدقة ترکیب میں صبح کا اسم ہے اور جارجور اپنے متعلق سے مل کر اس کی خبر ہے ای تقسیم الصدقة واجبہ علی کل سلاخی ————— سلامی جمع ہے سلامیہ کی، سلامیہ بمعنی ائمة (انگلی کا پورا) یعنی روزانہ تم میں سے ہر ایک شخص پر اس کے جوڑوں اور پوروں کی طرف سے صدقہ واجب ہوتا ہے، مطلب یہ ہے کہ آدمی کے بدن میں جیسا کہ مشہور ہے تین سو ساٹھ جوڑ ہیں اور ہر روز ہر شخص اپنے تمام اعضاء اور جوڑوں کی سلامتی کے ساتھ صبح کرتا ہے۔ پس اس نعمت عظمیٰ کے شکر میں ہر بندے پر اس کے اعضاء کی طرف سے روزانہ صدقہ واجب ہوتا ہے، اب یہاں یہ سوال ہوتا تھا کہ ہر شخص میں اتنی استطاعت کہاں ہے کہ روزانہ تین سو ساٹھ صدقہ کرے۔ اس لئے آپ نے ارشاد فرمایا تسلیمہ علی من لقی صدقة وامره بالمعروف صدقة الفی غرض کہ ہر نیکی صدقہ ہے، اور دو رکعت نماز چاشت کی ان تمام صدقات کے لئے کافی ہے (ان کے قائم مقام ہے) اس لئے کہ مقصد تو ہر عضو اور جوڑ کی طرف سے اللہ تعالیٰ کا اس پر جو حق واجب ہے اس کو ادا کرنا ہے، اور نمازیں چونکہ بدن کا ہر عضو اور جوڑ اللہ تعالیٰ کی اطاعت میں متحرک ہو جاتا ہے اس لئے سب اعضاء کی طرف سے حق واجب ادا ہو جاتا ہے،

عن ابی امامۃ ان رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم قال صلوة فی اثر صلوة لا لغوبینہما کتاب فی علیین ایک نماز کے بعد دوسری نماز (خواہ نفل کے بعد فرض ہو یا اس کا عکس) اس طور پر پڑھنا کہ ان دونوں کے درمیان وہ مصلیٰ کوئی لغو اور بے فائدہ کلام یا نفل نہ کرے تو یہ مقبول ترین عمل ہے، کتاب بمعنی مکتوب اور علیین اس رجسٹر کا نام ہے جس میں ابراہیم کے اعمال صالحہ درج ہوتے ہیں، اور بعض کہتے ہیں کہ ایک مقام کا نام ہے ساتویں آسمان پر عرش کے نیچے، غرض کہ کوئی نامناسب قول یا نفل جس میں کچھ ثواب اور فائدہ نہ ہو (نہیں)

مناسبة الحدیث بالترجمہ | اس حدیث کو باب سے مناسبت اس طرح ہے کہ یہ مختصر ہے اور مطول حدیث مسند احمد میں ہے، اس میں سبحة الصبحی کا ذکر ہے (بذل) احقر کہتا ہے کہ یہ حدیث اسی سند کے ساتھ سنن ابوداؤد میں ابواب الجماعۃ کے ذیل میں باب ماجاء فی فضل المشی الی الصلوة میں

ملہ احقر نے لغات میں یہ مضمون لہجہ معترضہ شیخ کے وصال کے بعد دیکھا تھا، اگر شیخ کی حیات میں دیکھ لیتا تو ان کو اس سے مطلع کرتا یقیناً بہت محفوظ ہوتے یغفر اللہ لہ، یہ مضمون الضعیف السامی میں بھی لکھا گیا ہے،

گذر چکی ہے اس میں تسبیح الضحیٰ کا لفظ مذکور ہے ،

اس حدیث شریف سے معلوم ہوا کہ فضول کام اور لغویات کا اثر انسان کے عمل صالح پر پڑتا ہے ، اور عمل صالح کے مقبول ہونے میں یہ چیزیں رکاوٹ بنتی ہیں ، لہذا لغویات سے بچ کر اپنے اعمال صالحہ کی حفاظت کرنی چاہیے

واللہ الموفق ، قوله عن نعيم بن همار قال سمعت رسول الله صلى الله عليه وسلم يقول قال الله عز وجل ابن ادم لا تعجزني من اربع ركعات في اول نهارك اقولك آخره . نعيم بن همار صحابی ہیں ان کے نام میں اختلاف ہے بعض کہتے ہیں نعيم بن همار وقيل نعيم بن خمار وقيل ابن هبار وقيل ابن همام والصحيح ابن همار (كذا قال الترمذي) ترجمہ یہ ہے ۔ اے ابن آدم نہ فوت کر تو مجھ سے چار رکعات کو اپنے اول نہار میں ، کفایت کروں گا میں تیرے بہت او حوائج کی آخر نہار تک ” جب کسی شخص سے کوئی کام نہ ہو سکے اور فوت ہو جائے تو اس وقت کہا جاتا ہے ”عجزه الامر“ یعنی اس سے وہ کام فوت ہو گیا۔

اس حدیث میں جن چار رکعات کا ذکر ہے ان سے صبح کی سنتیں اور فرض بھی مراد ہو سکتی ہیں اور چاشت کی چار رکعات بھی ، مصنف نے دوسرے معنی مراد لئے ہیں ،

قوله فقالت لا الا ان يجهي من مغيبه - حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا فرما رہی ہیں حضور چاشت کی نماز نہیں پڑھتے تھے الایہ کہ اپنے کسی سفر سے (چاشت کے وقت) لو اپنے تشریف لائے ہوں ، اس پر کلام ہمارے یہاں اس باب کے شروع میں گذر چکا ہے ، یہ ان لوگوں کی دلیل ہے جو کہتے ہیں چاشت کی نماز بغیر کسی سبب کے مشروع نہیں ، اس سلسلہ کی روایات متعارضہ کے درمیان تطبیق اور توجیہ شروع باب میں گذر چکی ،

قوله هل كان رسول الله صلى الله عليه وسلم يقرن معا بين السور قالت من المفصل - وشرن يقربن باب ضرب وضر دونوں سے ہے یعنی کیا آپ نفل نمازیں دو دو سورتیں ملا کر پڑھتے تھے ، فرمایا ہاں مفصل کی سورتوں میں سے ایسا کرتے تھے ، مفصل کی جن دو سورتوں کو ملا کر آپ تہجد کی نماز میں پڑھتے تھے اس کی تفصیل آگے کتاب میں ”باب تخريب القرآن“ میں آرہی ہے ۔ عبد اللہ بن مسعود کی حدیث میں جس کو حدیث انفار سے بھی تعبیر کرتے ہیں ،

قوله انها قالت ما سبّح رسول الله صلى الله عليه وسلم سبحة انضحي قط واني لا سبّحتها حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا فرما رہی ہیں حضور نے صلوۃ الضحیٰ بالکل نہیں پڑھی لیکن میں پڑھتی ہوں ، اس حدیث کا حوالہ اور توجیہ باب کے شروع میں آچکی ہے ، مثلاً یہ کہ دوام کی نفی ہے ، مکما قال البیهقی ”یا رویت کی نفی ہے کہ میں نے نہیں دیکھا ، اس لئے کہ چاشت کے وقت حضور عائشہ رضی اللہ عنہا کے پاس عامتہ نہیں ہوتے تھے یا تو مغرب ہوتے تھے یا اس وقت آپ سجد میں ہوتے تھے ،

عنه اس شخص کو فلاں کام نے عاجز کر دیا اور وہ کام اس کے قابو میں نہیں آیا بلکہ فوت ہو گیا ۱۷

حضرت عائشہ کا حیرت انگیز اہتمام عمل

یہاں حضرت عائشہ فرما رہی ہیں "لیکن میں خود یہ نماز پڑھتی ہوں"۔ موطا مالک کی ایک روایت میں ہے وہ فرماتی ہیں

«لَوْ لَيْسَ لِي أَبَوَايَ مَا تَرَكْتُهُمَا» کہ اگر کوئی بالفرض مجھ سے یہ آکر کہے کہ تمہارے ماں باپ دونوں زندہ ہو کر پھر دنیا میں آگئے (ان سے ملنے چلو) تو میں اس وقت بھی اس نماز کو نہیں چھوڑ سکتی، اللہ اکبر! ان حضرات صحابہ کرامؓ و صحابیات کے یہاں آخرت کی تیاری میں اعمال کا کس قدر اہتمام تھا، اور فی الواقع آخرت کا مسئلہ ہی اس قابل کہ اس کیسا اہتمام کیا جائے وہاں کی زندگی لامتناہی ہے کروڑوں سال گزرنے پر بھی ختم ہونے کا نام نہیں، وہاں کی ہر چیز راحت ہو یا مصیبت دائمی ہے، ہمارے اسلاف و اکابر بھی بحمد اللہ تعالیٰ صحابہ کرامؓ کا نمونہ تھے۔ اللہم احشرنا ہم دارقنا اتباع ہدیم قوله حتی تطلع الشمس فاد اطلعت قاهر۔ یعنی الی الصلوۃ۔ یہ چاشت کی نماز ہو گئی، یا مراد یہ ہے قاهر وانصرف الی البیت" اس صورت میں حدیث کو ترجمۃ الباب سے مناسبت نہ ہو گی،

باب فی صلوۃ النہار

اگلے ایک باب اور آرہا ہے اس کا مقابل "باب صلوۃ اللیل مشی مشی" اس پہلے باب میں مصنف جو حدیث لائے ہیں اس میں صلوۃ اللیل والنہار دونوں کا ذکر ہے صلوۃ اللیل والنہار مشی مشی، اور آنے والے باب کی حدیث میں صرف اللیل مذکور ہے، صلوۃ اللیل مشی مشی

یہ حدیث دراصل ابن عمرؓ سے مروی ہے۔
عن علی بن عبد اللہ البارقی عن ابن عمرؓ

حدیث الباب میں "النہار" کی زیادتی کی تحقیق

عن النبی صلی اللہ علیہ وسلم قال صلوۃ اللیل والنہار مشی مشی۔ ابن عمرؓ سے اس کو روایت کرنا بے متعدد رواۃ ہیں، علی بن عبد اللہ البارقی، نافع، طاؤس، عمرو بن دینار وغیرہ، ان رواۃ میں سے صرف علی بن عبد اللہ البارقی نے اس حدیث میں نہار کی زیادتی ذکر کی ہے، جس کو مصنف یہاں اس باب میں لائے ہیں، البارقی کے علاوہ دوسرے رواۃ کی روایت کو آنے والے باب میں لائے ہیں (جس میں والنہار کی زیادتی نہیں ہے) امام ترمذیؒ نے بھی ایسا ہی کیا ہے کہ دو باب الگ الگ قائم کئے، ایک باب میں عدم زیادتی والی حدیث لائے ہیں اور اس کو حسن صحیح فرمایا ہے اور دوسرے باب میں زیادتی والی روایت لائے ہیں اس کو غیر صحیح قرار دیا ہے اگرچہ انھوں نے یہ بھی فرمایا کہ علی بن عبد اللہ البارقی کی متابعت عبد اللہ العمریؒ کی ہے مگر چونکہ امام ترمذیؒ کے نزدیک عمری ضعیف ہیں اس لئے ان کی متابعت کا اعتبار نہیں کیا۔ امام ترمذیؒ کی طرح امام نسائیؒ نے بھی والنہار کی زیادتی کو خطا قرار دیا ہے اور امام بخاریؒ و مسلمؒ نے یہ حدیث صرف عمرو بن دینار و نافع کے طریق سے لی ہے، یعنی جس میں والنہار کی زیادتی نہیں ہے، ویسے

امام بخاریؒ نے اگرچہ ہزار کی زیادتی والی روایت کو صحیح بخاری میں نہیں لیا، لیکن انھوں نے ایک سوال کے جواب میں اس زیادتی کو ثابت مانا ہے، اور اسی طرح امام بیہقیؒ نے بھی اس کو صحیح قرار دیا ہے اور فرمایا کہ "البارقی" ثقہ راوی ہیں اور زیادتی ثقہ مقبول ہے، دراصل جمہور علماء شافعیہ و حنابلہ کا مسلک یہی ہے کہ میل و ہزار دونوں کی نماز مثنی مثنی افضل ہے۔ اس حیثیت سے یہ "ہزار" کی زیادتی والی روایت ان کے مسلک کے موافق ہے۔

یہ تو اس حدیث پر کلام ہوا محدثانہ یعنی من حیث السند اب فقہی حیثیت سے بھی سنیے۔ امام شافعی و احمد کے نزدیک

مسئلہ ثابۃ بالحدیث میں مسالک المذہب

نفل نماز مطلقاً خواہ لیلیہ ہو یا ہناریہ دو رکعت پڑھنا افضل ہے اور یہ حدیث ان کے نزدیک افضلیت پر ہی محمول ہے گو جائز اس سے کم بھی ہے اور زائد بھی۔ چنانچہ ان دونوں اماموں کے نزدیک تنفل برکعتہ و ثلث و خمس سب طرح جائز ہے، اور حضرت امام مالکؒ کے نزدیک نفل نماز صرف مثنی مثنی ہے، ان کے نزدیک نہ اس پر زیادتی جائز ہے اور نہ کمی، گو یا حصر جائز نہیں ہے۔ اور امام ابو حنیفہؒ کے نزدیک مثنی مثنی کا مطلب یہ نہیں کہ ہر دو رکعت پر سلام پھیرا جائے بلکہ اس سے مراد شفعاً شفعاً ہے یعنی نفل نماز شفعاً ہونی چاہیے نہ کہ وتر چنانچہ ان کے نزدیک تنفل برکعتہ یا ثلث جائز نہیں دیے۔ افضل ان کے نزدیک نوافل میں مطلقاً دن کی نفلیں ہوں یا رات کی چار چار رکعات ہے۔ ان کے نزدیک دن میں چار کیوں افضل ہیں اس کی دلیل ابو ایوبؓ کی وہ حدیث ہے جو "باب الاربع قبل الظهر" میں گزر چکی ہے جس کے لفظ یہ ہیں "اربع قبل الظهر لیس فیہن تسلیم تفتح لہن ابواب السماء" اور رات میں چار کے افضل ہونے کی دلیل وہ حدیث عائشہؓ ہے جو متفق علیہ ہے، امام بخاری و مسلم نے اس کی تخریج کی ہے آگے متن میں بھی آرہی ہے "کان رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم لایزید فی رمضان ولا فی غیرہ علی احدی عشرۃ رکعۃ یصلی اربعاً فلا تسأل عن حسنہن و طولہن ثم یصلی اربعاً ثم" نیز قیاس بھی یہی چاہتا ہے اس لئے کہ چار رکعات میں طول تحریمہ کی وجہ سے مشقت زیادہ ہے "والاجر علی قدر النصب" اور صاحبین کا مسلک یہ ہے کہ رات میں تو دو دو پڑھنا افضل ہے "لحدیث صلوۃ اللیل مثنی مثنی" اور ہزار کی زیادتی ضعیف ہے کا تقدم۔ اور دن کی نفلوں میں رباع رباع افضل ہے (اس کی دلیل امام صاحب کے مسلک میں موجود ہے۔ یہ ترجمہ الباقی اور باب کی حدیث اول پر کلام ہوا،

حد ثابن المثنی ثم قوله عن المطلب عن النبی صلی اللہ علیہ وسلم

اس سند میں شعبہ سے کئی ناموں میں غلطی ہوئی کما قال الترمذی فی باب التخشع فی الصلوۃ "ہذا ترمذی کی طرف رجوع کیا جائے آخری غلطی یہ

ہے کہ انھوں نے کہا ہے عن عبد اللہ بن الحارث عن المطلب حالانکہ صحیح اس طرح ہے عن ربیعہ بن

الحارث بن عبد المطلب عن الفضل بن عباس عن النبی صلی اللہ علیہ وسلم -

قوله الصلوة مشئی مشئی۔ اس میں دو احتمال ہیں (۱) رکعتیں رکعتیں ہر دو رکعت پر سلام (۲) ہر دو رکعت پر تشہد در میان میں سلام پھیرے یا نہ پھیرے۔ اس صورت میں آگے جو آ رہا ہے "ان تشهد فی کل رکعتین" یہ ماقبل کی تفسیر ہو جائے گی۔ وہو فی الاصل تشهد حذف احدی التائین "وان تبتا س ای تظہر البؤس والفاقة یہ کہ تو اپنی حاجت اور غصہ عالی اللہ کے سامنے ظاہر کرے۔ اور ایک نسخہ میں ہے "ان تبتا س باب تعامل سے بحذف احدی التائین کان فی الاصل «تبتا س»

قوله وتمسکَنَّ۔ فی الاصل تمسکن ای تظہر المسکنة

قوله وتقیع بیدیک۔ من الاتقاع ای ترفع یدیک للدعاء یعنی بہت خشوع خضوع کے ساتھ نماز پڑھ کر دونوں ہاتھ اللہ کے سامنے پھیلا کر بہت گڑ گڑا کر یا اللہ یا اللہ پکار کر دعائیں مانگنا۔

باب صلوۃ التسبیح

کیونکہ اس نماز میں تسبیحات بکثرت پڑھی جاتی ہیں اسی لئے اس نماز کا نام صلوۃ التسبیح و صلوۃ التایب رکھا گیا یہ بڑی بابرکت اور فضیلت والی نماز ہے۔ اس کے فوائد خود حدیث میں مذکور ہیں کہ اس سے دس قسم کے گناہ معاف ہوتے ہیں۔ چنانچہ حدیث میں آ رہا ہے عَفَا اللَّهُ لَكَ ذَنْبَكَ أَوَّلَهُ وَآخِرَهُ قَدِيمَهُ وَحَدِيثَهُ خَطَاؤُهُ وَعَثَاؤُهُ صَغِيرُهُ وَكَبِيرُهُ سَرَّهُ وَعَلَانِيَتُهُ: امام ترمذی کے کلام سے معلوم ہوتا ہے کہ حضرت عبداللہ بن المبارک اس نماز کا اہتمام فرماتے تھے اور اس کے فضائل بیان کرتے تھے: اس نماز کے طریقوں میں سے ایک طریقہ وہ ہے جس کو وہ خود اختیار فرماتے تھے جس کا بیان آگے آئیگا۔

حدیث صلوۃ التسبیح کی تخریج و تحقیق

صلوۃ التسبیح کی حدیث صحاح ستہ میں سے ابو داؤد، ترمذی ابن ماجہ میں ہے۔ صحیحین میں نہیں اور اصحاب السنن میں سے امام

نسائی نے اس کی تخریج نہیں کی، اس کے علاوہ یہ حدیث صحیح ابن خزمیہ، مستدرک حاکم میں موجود ہے۔ امام بیہقی نے اس کی تصحیح کی ہے اور ابن مندہ نے تو اس کی تصحیح میں ایک مستقل تصنیف فرمائی ہے۔ بیہقی فرماتے ہیں کہ عبداللہ بن المبارک صلوۃ التسبیح پڑھتے تھے اور ہر زمانہ میں صلحا اس کو ایک دوسرے سے لیتے چلے آئے ہیں۔ علماء کے تعامل و تداول سے مدثر مرفوع کو تقویت ملتی ہے۔ یہ حدیث متعدد صحابہؓ سے مروی ہے۔ خود مصنف نے اس کو یہاں تین صحابہؓ سے روایت کیا ہے۔ ابن عباسؓ، عبداللہ بن عمرؓ اور ایک انصاری صحابی بلا تعین اسم، حافظ ترمذی کی رائے یہ ہے کہ انصاری نے مراد جابر بن عبداللہ ہیں۔ اور حافظ ابن حجرؒ کی رائے یہ ہے کہ بظاہر وہ ابو بکشتہ الانصاری ہیں،

لیکن ابن الجوزی نے صلوٰۃ التبیح کی حدیث کو موضوعات میں شمار کیا ہے۔ اس پر بعد کے علما نے ان کا تعاقب کیا ہے۔ حافظ ابن حجر اور علامہ سیوطی وغیرہ نے لکھا ہے "اسماء ابن الجوزی، افوط ابن الجوزی، یعنی ابن الجوزی نے بہت مبالغہ سے کام لیا۔ اور برا کیا کہ اس کو موضوعات میں داخل کر دیا۔ موسیٰ بن عبدالعزیز راوی جس کی وجہ سے ابن الجوزی نے اس حدیث کو موضوع کہا ہے اول تو اس راوی کی بھی بن معین اور نسائی نے توثیق کی ہے، دوسرے یہ کہ ابراہیم بن الحکم نے صحیح ابن خزیمہ میں اس کی متابعت کی ہے، بذل المجہود میں ان امور کی تفصیل اور حوالے مذکور ہیں۔

عن ابن عباس ان رسول الله صلى الله عليه وسلم قال للعباس بن عبد المطلب يا عباس يا عماه ايا اعطيتك الا افعل بك عشر خصال۔ ترجمہ کیا میں تم کو دس چیزیں نہ بتاؤں اس سے مزید یا تو انواع ذنوب میں جو مستن میں مذکور ہیں (اور ہمارے یہاں شروع میں گزر چکے ہیں) یا اس سے مراد عشرہ تسبیحات ہیں اس لئے کہ قیام کے علاوہ باقی سب ارکان صلوٰۃ میں یہ تسبیحات دس دس مرتبہ ہیں۔

صلوٰۃ التبیح کی کیفیت
صلوٰۃ التبیح کا جو طریقہ اس حدیث مرفوعہ میں مذکور ہے وہ یہ ہے کہ تکبیر تحریر اور سبحانک اللہ کے بعد حسب معمول قرات سے فارغ ہو کر رکوع میں جانے سے قبل پندرہ بار تسبیحات پڑھے "سبحان الله والحمد لله ولا اله الا الله والله اكبر" اور طہرائی کی ایک روایت میں جیسا کہ حاشیہ ترمذی میں لکھا ہے "ولا حول ولا قوة الا بالله" کا اضافہ ہے پھر دس بار رکوع میں رکوع کی تسبیح کے بعد پھر دس بار قوم میں پھر دس دس بار دونوں مسجدوں میں، اور دس بار جلسہ میں السجدتین میں، اور دس مرتبہ سجدہ ثانیہ سے اٹھ کر جلسہ استراحت میں، یہ ایک رکعت میں تسبیحات کی تعداد پچھتر ہوئی۔ اور چاروں رکعات میں تین سو مرتبہ ہے، اور امام ترمذی نے حضرت عبداللہ بن المبارک سے جو کیفیت اس نماز کی نقل کی ہے اس میں اس طرح ہے "سبحانک اللہ" کے بعد قرات سے قبل پندرہ مرتبہ اور پھر رکوع میں جانے سے قبل دس مرتبہ، اس صورت میں حالت قیام میں بجائے پندرہ کے تعداد پچیس ہوئی۔ اس صورت میں سجدہ ثانیہ کے بعد جلسہ استراحت میں یہ تسبیحات نہیں پڑھی جائیں گی۔ لہذا مجموعی تعداد ایک رکعت میں پچھتر ہی رہے گی۔

باب رکعتی المغرب این تصلیان

اس سے قبل ابواب السہو کے بعد متصلاً باب التطوع فی البیت گذر چکا ہے جس میں یہ حدیث ہے "اجعلوا فی بیوتکم من صلوٰتکم ولا تتخذوها قبوراً" اور ایک باب آئندہ بھی آ رہا ہے باب القنوت فی الصلوٰت کے بعد متصلاً جس میں ملے میں نے اپنے گھر کی ایک ستورہ سے سنا ہے کہ حضرت مولانا محمد الیاس صاحب فرماتے تھے کہ ہر پانچ مرتبہ کے بعد ایک مرتبہ "لا حول ولا قوة الا بالله" بھی پڑھ لیا جائے،

یہ حدیث آ رہی ہے خیر صلوۃ المرء فی بیتہ الا المكتوبة

قولہ ہذہ صلوۃ البیوت ابن ابی سیسی اس میں متشدد ہیں ان کے نزدیک سنۃ المغرب مسجد میں جائز ہی نہیں، ویسے عندا الجہور مغرب کی کوئی تخصیص نہیں ہے بلکہ جملہ رواتب و نوافل یلیلیہ و نہاریہ سب کا گھر میں ہی پڑھنا بہتر ہے، للحدیث المذكور لیکن اگر گھر میں جا کر اشتغال کا اندیشہ ہو تو پھر مسجد ہی میں بہتر ہے و ہذا ہو مذہب الجہور و الامۃ السلتۃ۔ لیکن امام مالک اور سفیان ثوری فرق بین اللیلۃ و النہاریۃ کے قائل ہیں، نہاریہ سننیں فی المسجد اور لیلۃ فی البیت، ابن رشد نے اس فرق کی حکمت یہی بیان کی ہے کہ دن میں گھر میں جا کر اہل و عیال میں لگ جانے کا اندیشہ ہے، کان رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم یطیل القراءۃ فی الرکعتین بعد المغرب یعنی احیاناً ورنہ آپؐ نہیں کثرت سورہ کا نزول اور اخلاص پڑھا کرتے تھے حتیٰ یتفرق اہل المسجد یہ ہذہ صلوۃ البیوت کے خلاف ہے، جواب یہ ہے کہ ہو سکتا ہے آپؐ ایسا بیان جواز کے لئے یا کسی اور مصلحت سے کرتے ہوں گے یا کسی عذر پر محمول ہے۔

قال ابو داؤد رواہ نصر المجتہد عن یعقوب القسیمی مذکورہ بالا حدیث کے دوسرے طریق کو بیان کر رہے ہیں کہ یہ حدیث اس دوسری سند سے بھی مروی ہے، مجتہد اس شخص کو کہتے ہیں جس کے بدن پر جدری کے نشانات ہوں یعنی چچک کے۔ واسنہ مثله جو حدیث جس صحابی سے مروی ہوتی ہے وہ اس کی سند کہلاتی ہے

اوپر والی حدیث کے راوی صحابی ابن عباسؓ تھے۔ لہذا مطلب یہ ہوا کہ جس طرح پہلی سند ابن عباسؓ تک پہنچتی تھی اسی طرح دوسری سند بھی ان تک پہنچتی ہے، نصر مجتہد مصنف کے استاد نہیں ہیں، لہذا اس دوسری سند کی ابتداء نصر سے نہ ہوئی۔ اسی لئے آگے مصنف سند کی ابتداء کو بیان کر رہے ہیں، فرماتے ہیں قال ابو داؤد حدثنہ محمد بن عیسیٰ بن الطباع نا نصر المجتہد معلوم ہوا اس دوسری سند میں مصنف کے استاد محمد بن عیسیٰ ہیں وہ اس کو نصر سے روایت کرتے ہیں،

بانا چاہئے جو متن حدیث بلا سند کے یا ناقص سند کے ساتھ بیان کیا جاتا ہے اس کو تعلیق کہتے ہیں، پھر اس کے بعد جب اس سند کی تکمیل کرتے ہیں تو اس کو محدثین حضرات وصل سے تعبیر کرتے ہیں، ہذا مصنف کا کلام رواہ نصر المجتہد یہ تو تعلیق ہے اور پھر آگے حدثنہ محمد بن عیسیٰ یہ اس کا وصل ہے۔ پہلی سند میں یعقوب قسیمی سے روایت کرنے والے طلق بن غنم تھے اور اس دوسری سند میں نصر مجتہد ہیں۔

(تذنیبہ) بحمد اللہ تعالیٰ ہم کتاب کے شروع سے لے کر اب تک تقریباً ہر حدیث کی سند کی تشریح کرتے ہوئے آ رہے ہیں، اب ارادہ یہ ہے کہ کتاب الصلوۃ کے اخیر تک تو اس طریقے کو جاری رکھیں گے اس کے بعد اس سے آگے وقت کی قلت کی وجہ سے بالاستیعاب اسانید کی تشریح کا ارادہ نہیں ہے الا قلیلاً جہاں زیادہ ضرورت سمجھیں گے، واللہ الموفق حدثنہ احمد بن یونسؒ یہ حدیث ابن عباسؓ کا تیسرا طریق ہے۔ پہلے دو طریق سند تھے اور یہ طریق مرسل ہے

اس میں سعید بن جبیر تابعی کے بعد صحابی یعنی ابن عباس مذکور نہیں، لیکن اگے مصنف نے یعقوب قمی کا جو مقولہ نقل کیا ہے اس کا تقاضہ یہ ہے کہ یہ تیسرا طریق بھی مرسل نہ ہو بلکہ مسند ہو، کیونکہ یعقوب کہہ رہے ہیں کہ جو بھی حدیث میں اس مسند بیان کروں عن جعفر عن سعید بن جبیر عن النبی صلی اللہ علیہ وسلم تو اس کے بارے میں یہ سمجھو کہ وہ ابن عباس سے مروی ہے، صورتہ اگرچہ وہ مرسل ہوگی عدم ذکر صحابی کی وجہ سے لیکن فی الواقع وہ مسند ہوگی

باب الصلوة بعد العشاء

سنن و نوافل کا بیان اکثر تو گزری چکا، اب نمبر تھا قیام اللیل اور تہجد کا، چنانچہ اس کے بعد اسی کا باب آرہا ہے لہذا کہہ سکتے ہیں کہ یہ باب قیام اللیل کی تہید اور اس کی بسم اللہ ہے۔

عن عائشة قالت ما صلی رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم العشاء قط فدخل علی الاصلی أربع رکعات ثم حضرت عائشہ فرما رہی ہیں کہ حضور صلی اللہ علیہ وسلم عشاء کی نماز سے فارغ ہو کر جب بھی میرے پاس گھر میں تشریف لاتے تو چار یا چھ رکعات پڑھتے۔

ولقد مطرنا مرة باللیل فطرحنا له نطعاً فکافی انظر الی ثقب فیہ ثم ایک مرتبہ ایسا ہوا کہ عشاء کے وقت بارش ہوئی (جس کی وجہ سے زمین تر ہو گئی) اس لئے ہم نے اس جگہ ایک چمڑے کا مصلی بچھا دیا جس میں ایک سوراخ بھی تھا جس میں کو پانی باہر کی طرف نکلنے لگا و ما رأینہ من ثقب فی من ثیابہ قط میں نے نہیں دیکھا آپ کو بچانے والا ایسے کپڑوں کو مٹی سے بالکل فکا فی انظر وہ پانی نکلتا ہوا گویا میں اب دیکھ رہی ہوں، یا تو اس سے مقصود قوت حفظ اور یادداشت کو بیان کرنا ہے کہ یہ بات مجھے بہت اچھی طرح یاد ہے یا پھر تہجد کی محبت سے ہے کہ یہ گزشتہ واقعہ بیان کرتے وقت میری آنکھوں کے سامنے آگیا اور اس کی یاد تازہ ہو گئی، اللہ تعالیٰ ہمیں حضور صلی اللہ علیہ وسلم کی محبت اور آپ کے اتباع کی توفیق بخشے آمین، صاحب منہل نے طبرانی سے بروایت ابن عباس مرفوعاً نقل کیا ہے کہ جو شخص بعد العشاء چار رکعات نفل پڑھے جن میں پہلی دو رکعت میں سورہ کافرون اور اخلاص پڑھے اور اخیر کی دو میں تنزیل السجدہ اور تبارک الذی بیدہ الملک تو اس کا ثواب ایسا ہے جیسے یلہ القدر میں نماز کا ہوتا ہے، میں کہتا ہوں تقریباً اس کے ہم معنی ایک روایت موقوفہ سنن نسائی جلد ثانی صفحہ ۲۵۱ میں موجود ہے، واللہ الموفق

باب نسخ قیام اللیل

شروع میں صلوات خمسہ کی فرضیت سے قبل قیام اللیل فرض تھا۔ پھر ایک سال بعد منسوخ ہو گیا، فرضیت اور اس کا نسخ دونوں کا ذکر سورہ مزمل میں ہے، اذلی سورت میں فرضیت اور آخر سورت میں اس کا نسخ مذکور ہے، امت کے

حق میں تو نسخ پر گویا اجماع ہے۔ البتہ عبیدہ سلمانی وغیرہ بعض تابعین وجوب کے قائل تھے ولو قد رحلت شاة یعنی جتنی دیر میں بکری کا دودھ نکالا جاتا ہے لیکن یہ خلاف شاذ ہے اسی لئے اس کا اعتبار نہیں کیا گیا، یہ مضمون کتاب الصلوٰۃ کے بالکل شروع میں ابتدائی مباحث میں گزر چکا ہے۔ اور حضور اقدس صلی اللہ علیہ وسلم کے حق میں علماء کا اختلاف ہے بعض آپ کے حق میں بھی نسخ کے قائل ہیں اور بعض نہیں فریقین کا استدلال ومن اللیل فتہجد بے نافلہ لک سے ہے، جو نسخ کے قائل ہیں وہ کہتے ہیں کہ اس آیت میں تہجد کے نفل ہونے کی تصریح ہے اور جو وجوب کے قائل ہیں وہ کہتے ہیں نافلہ لک ای فریضة زائدة لک خاصة یعنی نفل کے لغوی معنی مراد ہیں۔ اصطلاحی نہیں۔

قرہ وناشئة اللیل اولہ یعنی رات کے شروع حصے میں نماز پڑھنا مراد ہے قال تعالیٰ ان ناشئة اللیل ہی اشد وطأ واقوم قیلاً یعنی رات کے اول حصے میں نماز پڑھ لینا زیادہ بہتر ہے بہ نسبت اس کے کہ اخیر شب میں اٹھ کر پڑھی جائے۔ اس لئے کہ سونے کے بعد پھر دوبارہ اٹھنا آدمی کے اختیار میں نہیں معلوم نہیں آٹھ کھل سکے گی یا نہیں و طأ کے معنی روندنے کے ہیں مگر یہاں مراد اس کے لازمی معنی ہیں یعنی قابو پانے کے اول شب کی نماز زیادہ قابو کی چیز ہے واقوم قیلاً قیل معنی قول یعنی تلفظ اور اقوم معنی درست یعنی اس وقت تلاوت قرآن زیادہ صاف اور صحیح ہوتی ہے نیز خدا کا اثر نہ ہو سکی وجہ) قوله ان لک فی النهار سبْحاً طویلاً یعنی رات میں ہماری عبادت کے لئے ابھی طرح وقت نکالا کیجئے اور دنیوی امور کے لئے دن میں بہت وقت فارغ ہے (وہ اس میں کیا کیجئے)

باب قیام اللیل

پہلے باب میں مصنف قیام اللیل کا منسوخ ہونا ثابت فرما چکے ہیں، میرے خیال میں اس ترجمہ کی غرض دفع توہم ہے کہ یہ نہ سمجھنا تہجد کا استحباب بھی منسوخ ہو گیا۔ نہیں! بلکہ وجوب منسوخ ہوا ہے

(فائدة) کیا تہجد کی نماز کے لئے یہ ضروری ہے کہ وہ سو کر اٹھنے کے بعد ہو؟ علماء کا اس میں اختلاف ہے بعض کہتے ہیں جو نماز بعد العشاء پڑھی جائے وہی تہجد ہے اور بعض کے نزدیک بعد النوم کی قید ہے، اور علامہ شامی فرماتے ہیں امارت میں صلوٰۃ اللیل کی جو ترغیب آئی ہے اس سے مراد تہجد ہے وہ فرماتے ہیں صلوٰۃ اللیل اور تہجد میں فرق ہے، صلوٰۃ اللیل یا قیام اللیل تو وہ نماز ہے جو بعد العشاء ہے خواہ بعد السام یا قبل النوم، چنانچہ طبرانی کی ایک روایت مرفوعہ ہے جس کے آخر میں یہ ہے وما کان بعد صلوٰۃ العشاء فهو من اللیل۔ لیکن تہجد بخود سے ماخوذ ہے جس کے معنی نوم کے ہیں اور تہجد کے معنی ہیں ازالۃ الجود ای النوم بتکلف بہ تکلف اپنی نیند زائل کرنا جیسا کہ نفقہ تاثم ہے جس کے معنی ہیں تحفظ عن الاثم ہذا تہجد وہی نماز ہوگی جو بعد النوم ہو (شامی ص ۱۷ ج ۱)

عن ابی ہریرۃ عن رسول اللہ صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم قال یعقد الشیطن علی قافیۃ رأس أحدکم

ثَلَاثَ عَشْرَةَ اِس حدیث میں تہجد کی فضیلت مذکور ہے وہ یہ کہ آپ فرما رہے ہیں جب آدمی سو جاتا ہے تو شیطان یہ حرکت کرتا ہے کہ اس کے سر کے پچھلے حصہ میں تین گرہیں لگاتا ہے۔ ہر گرہ پر ہاتھ مار کر یہ پڑھتا ہے عَلَیْکَ لَیْلٌ طَوِیْلٌ ابھی تجھ پر بڑی لمبی رات باقی ہے (لہذا پڑا سوتا رہ) یہ شرع تو اس صورت میں ہے جب کہ حدیث کو اس کے ظاہری و حقیقی معنی پر محمول کیا جائے۔ چنانچہ سارحہ جوتے ہیں وہ گرہیں وغیرہ گنڈوں (دھانگہ) میں لگاتے ہیں، اور اس کے مجازی اور لازمی معنی بھی مراد ہو سکتے ہیں یعنی روکنہ ہر گرہ سے مراد ایک روکنا ہے گویا وہ تین چیزوں سے روکتا ہے (۱) ذکر اللہ (۲) وضو و طہارت (۳) صلوٰۃ ۱۰ اب روکنے کا وہ جو بھی طریقہ اختیار کرے اس کو سب طریقے اور راستے معلوم ہیں، پس اگر وہ شخص رات میں خیندے اٹھا اور اس نے اللہ تبارک و تعالیٰ کا ذکر وغیرہ کیا تو اس کی برکت سے ایک گرہ کھل جاتی ہے۔ اس کے بعد اگر وہ صوم بھی کر لی تو دوسری گرہ بھی کھل جاتی ہے واللہ تعالیٰ اعلم والا اَصْبَحَ حَبِیْثُ النَّفْسِ کَسَلًا وَرَدَ (یعنی اگر یہ تینوں کام نہیں کئے) بلکہ سوتا رہ گیا حتیٰ کہ صبح کی نماز فوت ہو گئی، یا مطلب یہ ہے کہ تہجد فوت ہو گیا تو پھر وہ شخص صبح ایسی حالت میں کرتا ہے کہ اس کی طبیعت غیر منشرح اور کسل مند ہوتی ہے اگر تینوں کام نہیں کئے تھے تو کسل مندی بہت زیادہ ہوگی، اور اگر بعض کئے اور بعض نہ کئے تو اس میں اسی اعتبار سے کمی ہو جائے گی۔

ایک اشکال و جواب یہاں ایک اشکال ہے وہ یہ کہ حدیث میں آتا ہے لَا یَقُوْلُوْنَ اَحَدُکُمْ حَبِیْثُ النَّفْسِ وَ لٰکِنْ لِّیَقُوْلَ لِنَفْسِکَ اَحَدُکُمْ حَبِیْثُ النَّفْسِ یہ حدیث خود اسی کتاب سنن ابوداؤد میں کتاب الادب میں آ رہی ہے (بدل صفحہ ۵) اس کا جواب یہ دیا گیا ہے کہ منع خود اپنے بارے میں یہ لفظ بولنے سے ہے اور یہاں مستحکم یہ صفت دوسرے کے بیان کر رہا ہے لیکن اس میں یہ اشکال ہے کہ جو چیز اپنے لئے 'نا پسند ہو وہ دوسرے کیلئے بھی نا پسند ہونی چاہئے، لہذا صحیح جواب یہ ہے کہ اس لفظ کو بلا کسی محرک اور مصلحت کے استعمال کرنا مناسب نہیں، اور اگر کسی مصلحت سے ہو جیسے تغیر اور تحذیر جیسا کہ یہاں اس حدیث میں تو اس میں کچھ مضائقہ نہیں قالہ الحافظ (راجع صفحہ ۸) بندہ کے خیال میں اس کا جواب ایک اور بھی ہو سکتا ہے جو حضرت شیخ کی ایک تقریر سے اخذ ہے وہ یہ کہ منع جس مقام پر کیا گیا ہے وہ اور ہے وہ تو یہ ہے کہ کسی شخص کی طبیعت فساد معذہ کی وجہ سے یا زیادہ کھانے کی وجہ سے متلازم ہو (جو کبھی مثلاً ناگفتہ میں) تو وہاں یہ لفظ غیث استعمال نہ کرے اس لئے کہ غیثت کا لفظ بہت سخت اور شنیع ہے اس سے ذہن کا انتقال غیثت نفس اور باطن کی طرف ہوتا ہے حالانکہ وہ مراد نہیں، اور یہاں اس حدیث میں جس معنی میں یہ لفظ غیث استعمال کیا گیا ہے اس کے مناسب اس لئے کہ ترک ذکر و ترک طہارت سے نفس میں غیثت پیدا ہوتی ہے۔ واللہ تعالیٰ اعلم۔

قوله فان أبت فضعف وجهها الماء اس سے معلوم ہوا کہ سوتے کو جگانے کا آسان طریقہ یہ ہے کہ اس پر پانی کا چھینٹا مار دے فان ابی فضعف فی وجهہ الماء اس سے حسن معاشرت مستفاد ہو رہا ہے، زومین میں آپس میں بے تکلفی الفت و محبت قوله اذا یقظ الرجل اهلہ من اللیل فصلیا و صلی رکعتین کتباً فی الذاکرین والذاکرات اس سے بظاہر معلوم ہو رہا ہے کہ اگر کوئی شخص مرد ہو یا عورت تہجد کا اہتمام کرے خواہ دو رکعت ہی سے ہو تو اس مرد و عورت کا شمار

الذاکرین اللہ کثیرا والذاکرات (اعد اللہ لہم مغفرة واجرا عظیما) میں ہو جاتا ہے اللہم اجعلنا منهم

باب النعاس فی الصلوة

قوله فاستمعجم القرآن علی لسانہ فلم یذرمایقول فلیضطجع جو شخص قیام پیل کرے (اور پھر نماز پڑھتے پڑھتے اس کو اونگھ آئے گئے) پس دشوار ہو جائے قرآن کا تلفظ اس کی زبان پر اور یہ بھی خبر نہ رہے کہ میں کیا پڑھ رہا ہوں تو اس کو پھر لپٹ کر سو جانا چاہیے، جب تک طبیعت میں نشاط رہے تب تک نماز پڑھنی چاہیے، جیسا کہ آگے آرہا ہے لیصلی احدکم نشاطہ

باب آئی اللیل افضل

رات کا کونسا حصہ افضل ہے (تاکہ اسی حصے میں اٹھ کر عبادت کی جائے)

ان رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم قال یُنزلُ ربنا عزوجل کل لیلۃ الی سماء الدنیا حیث ینقی ثلث اللیل الآخرۃ الی آخر ثلث کی صفت ہے لیل کی نہیں۔ یعنی جب باقی رہ جاتا ہے رات کا ثلث اخیر۔ حدیث کا مضمون یہ ہے کہ اللہ تعالیٰ شازرات کے اخیر حصے میں آسمان دنیا پر نزول فرماتے ہیں اور یہ اعلان فرماتے ہیں کہ کوئی شخص جو مجھ سے دعا کرے اور میں اس کی دعا قبول کروں

یہ حدیث احادیث صفات میں سے ہے اس کا تعلق صفات باری سے ہے لیکن مشابہات میں سے ہے

احادیث صفات کے بارے میں مختلف مذاہب

اس کے معنی کی حقیقت کسی کو معلوم نہیں کیونکہ نزول و صعود اور انتقال من مکان الی مکان یہ اجسام کی صفت ہیں۔ اور اللہ تعالیٰ جسم اور لوازم جسم سے منزہ ہے، ایسے ہی ید اللہ اور الرحمن علی العرش استوی فرقہ مجسمہ و مشبہ جو اللہ تعالیٰ کو جسم ماننا ہے وہ تو اس قسم کی احادیث کو ان کے ظاہر پر محمول کرتا ہے (والعیاذ باللہ) یہ تو سر اسر کفر ہے۔ دوسرا فرقہ ہے معتزلہ اور خوارج کا انھوں نے ان احادیث کی صحت ہی کا انکار کر دیا ہے۔

اب رہ گئے اہل سنت والجماعت ان میں دو گروہ ہیں، متقدمین و متاخرین، متقدمین جن میں ائمہ اربعہ بھی داخل ہیں تفویض کے قائل ہیں، ان کا مسلک یہ ہے کہ ان احادیث کے مضمون کی حقیقت کا اعتقاد رکھا جائے اور ساتھ ہی یہ بھی ضروری ہے کہ ان کو ان کے ظاہری معنی پر محمول نہ کیا جائے، بلکہ یہ اعتقاد رکھا جائے کہ بیشک نزول اللہ کی صفت ہے مگر یہ وہ نزول نہیں ہے جیسا کہ اجسام کا ہوتا ہے، اب کیسا ہے سو اس کی حقیقت و کیفیت معلوم نہیں، امام مالک کا واقعہ مشہور ہے کہ کسی نے ان سے الرحمن علی العرش استوی کے بارے میں سوال کیا تو انھوں نے فرمایا الاستواء معلوم والکیف مجهول وال سوال حنہ بدعة و اخر جو اھذا المبتدع عن المجلس۔ اور متاخرین کا مذہب تاویل کا ہے یعنی نزول رب کے مراد

نزول رحمت رب ہے مثلاً، متاخرین نے تاویل کو تفویض پر اس لئے ترجیح دی تاکہ فرق باطلہ کا رد ہو جائے اور ان کو استدلال کا موقع نہ دیا جائے

باب وقت قیام النبی ﷺ مکن اللیل

قوله فما یجئ التَّحَرُّ حَتَّى یَفْرُغَ مِنْ حَزْبِهِ اس حدیث میں حضرت عائشہؓ نے حضورؐ کے وقت استیقاظ کی کچھ تعیین نہیں فرمائی، بلکہ یہ فرمایا کہ سحر ہونے سے پہلے پہلے آپؐ اپنے معمول اور وظیفہ سے فایغ ہو جاتے تھے۔ سحر کہتے ہیں تَنْبُیْلُ الصَّحْرِ کو یعنی رات کا سدس اخیر۔

قوله قَالَتْ كَانَ إِذَا سَمِعَ الصَّوَاخَ قَامَ فَصَلَّى مَرَّخَ یَمِیْنِ صَوْتٍ شَدِیدِ اس سے مرغ کی آواز مراد ہے۔ اور ایک روایت میں ہے إِذَا سَمِعَ الصَّارِخَ، کہتے ہیں حجاز میں مرغ نصف شب کے قریب بولنا شروع کرتا ہے جس کو ہمارے عرف میں مرغ کی اذان کہتے ہیں،

قوله مَا الْغَاةُ التَّحَرُّ عِنْدَی الْإِنَاثَةِ نہیں یا آپؐ کو وقت سحر نے جبکہ آپؐ میرے پاس ہوتے تھے مگر اس حال میں کہ آپؐ ناظم ہوتے تھے۔ یعنی جب آپؐ میرے پاس رات گزارتے تھے اور میری باری ہوتی تھی تو آپؐ معمول یہ تھا کہ آخر شب تک (صبح کے قریب) اپنے معمول سے فایغ ہو کر آرام فرمانے کے لئے لیٹ جاتے تھے۔ سحر سے مراد رات کا آخری چھٹا حصہ ہے (الما تقدم) ہنسل میں لکھا ہے کہ اس سے یہ معلوم ہوا کہ تہجد سے فایغ ہو کر آخر شب میں آرام کرنا سنت ہے کہ آپؐ معمول تھا اور یہی معمول حدیث میں حضرت داؤد علیہ السلام کا آیا ہے۔ کان ینام سُدَّ سَنَهُ اور اپنے حضرت داؤد کے اس معمول کی تعیین فرمائی ہے احب الصلوة الی اللہ صلوة داؤد واحب الصیام الی اللہ صیام داؤد یصوم یوما ویفطر یوما (آخر باب بخاری) بعض شراح کی رائے یہ ہے کہ نوم سے مراد اس حدیث میں مجازاً اضطجاع ہے اس لئے کہ ایک دوسری روایت میں اس طرح ہے فان كنت مستیقظة حدثنی والا اضطجع لیکن اضطجاع نوم کے منافی کتب ہے، آپؐ مختصر سی بات فرما کر سو جاتے ہوں گے، نیز یہ سونے کا معمول آپؐ غیر رمضان میں تھا اور رمضان میں آپؐ معمول تہجد وغیرہ سے فراغ کے بعد سحر کی تساول فرمانے کا تھا، اسی لئے امام بخاری نے دو باب الگ الگ باندھے ہیں باب من نَامَ عِنْدَ السَّحَرِ و باب من تَسَحَّرَ قَامَ یَنْمُ حَتَّى الصَّحْرِ (من المنہل)

قوله كَانَ النَّبِيُّ صَلَّى اللَّهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ إِذَا خَرَبَتْهُ امْرَأَتُهُ أَوْ إِذَا صَابَ امْرَأَتُهُ، یعنی جب آپؐ کو کوئی غم، فکر کی بات لاحق ہوتی تھی تو ناز پر مچنے لگتے تھے، اور یہی ممکن ہے کہ صلوة سے مراد دعا ہو، اور ایک روایت میں ہے حَزْبُهُ حَزْنُهُ، جب آپؐ کو کسی چیز میں غمگین کرتی تھی،

قوله سَمِعْتُ رَجُلًا یَقُولُ كُنْتُ أَبِیْتُ مَعَ رَسُولِ اللَّهِ صَلَّى اللَّهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ أَنِیْهُ یَوْضُوهُ وَ بَاحْتَهُ فَقَالَ سَلَنِي فَقُلْتُ مَرَّ فَنُكْتُ فِي الْجَنَّةِ أَوْ بِرِیْضِی أَمْ بِمِیْضِی، فرماتے ہیں کہ میں رات گزارتا تھا حضورؐ کے ساتھ (بظاہر کسی سفر کا واقعہ ہے ورنہ حضورؐ میں تو آپؐ اپنی ازواج کے پاس رات گزارتے تھے) آپؐ کے لئے وضو کا پانی لاتا تھا اور دوسری خدمت

کرتا تھا تو اس پر آپ نے فرمایا مانگ کیا مانگتا ہے میں نے عرض کیا کہ جنت میں آپ کا قرب و رفاقت، اس پر آپ نے فرمایا کہ اس کے علاوہ کچھ اور مانگ لے، میں نے عرض کیا اب میرا مطلوب تو یہی ہے فَاَعْتَنِي عَلَى نَفْسِكَ بِكَثْرَةِ السُّجُودِ مطلب یہ ہے کہ جم بھی اللہ سے دعا کریں گے اور کوشش کریں گے تمہاری فرمائش کے پورا کرنے میں، باقی تم بھی مطمئن ہو کر نہ بیٹھ جانا بلکہ اپنے نفس کی مخالفت کر کے نیک کاموں کو دعوت و بخود، نماز و طہر و عبادات میں لگے رہنا اور اس طور پر سیری مدد کرنا تاکہ دونوں کی کوشش ملکہ کام ہو جائے جیسے کوئی حکیم کسی مریض کے لئے دو اوتوز کرے کہ اس کو استعمال کرو اور ساتھ میں یہ بھی کہے کہ بھائی صرف دو اکے بھر دوسرے پر نہ رہنا بلکہ ہماری اس علاج میں دوسرے کے ذریعہ مدد کرتے رہنا،

قوله تتجافى جنوبهم عن المضاجع ان کے پہلو خوابگا ہوں سے جدا رہتے ہیں

یہ کون لوگ ہیں اس کے مصداق میں بذل اللجمود میں تفسیر طبری سے پانچ قول
مصداق آیت میں متعدد اقوال نقل کئے ہیں (۱) وہ لوگ جو صلوٰۃ عشا کی انتظار میں جاگے رہتے ہیں (۲) صلوٰۃ عشا

کے انتظار میں سوتے نہیں (۳) جو بین المغرب والعشا نماز میں مشغول رہتے ہیں (۴) قیام اللیل یعنی عشا کی طرف اشارہ ہے (۵) جو لوگ ذکر اللہ کے ساتھ رطب اللسان رہتے ہیں۔ آیت شریفہ میں ان لوگوں کے بارے میں جو مدعو مذکور ہے وہ یہ
 فَلَا تَقْلُقُوا نَفْسًا مَّا أَخِفْنَا لَهُمْ مِنْ ذُنُوبِهِمْ أَعْلَيْنَ کہ ان لوگوں کے لئے اللہ تعالیٰ نے آخرت میں جو اسباب راحت و عیش اور آنگھوں کی
 عُنْدُک تیار کر رکھی ہے اس کو کون جانتا ہے

باب افتتاح صلوٰۃ اللیل برکعتین

یعنی جب آدمی تہجد کی نماز شروع کرے تو ابتداء میں دو رکعت مختصر سی پڑھے اس کے بعد نماز کو طویل کر دے۔

اس میں مصلحت یہ ہے کہ نفس پر ایک دم
مشرع میں دو رکعت کو اختصار سے پڑھنے کی مصلحت بوجہ نہ پڑے بلکہ بتدریج اس کو ریاضت

و عبادت کی طرف لایا جائے (در اصل نفس کو بہلا بہلا کر اس سے کام لینا ہے) اور بعض شراح نے لکھا ہے کہ حدیث میں ہے کہ شیطان سونے والے کے سر میں تین گرہیں لگاتا ہے جنہیں سے ایک گرہ ذکر کی برکت سے اور دوسری وضو سے اور تیسری نماز سے کھلتی ہے (جیسا کہ کتاب میں پہلے گزر چکا) تو یہ دو رکعت جلدی سے مختصر سی اس لئے پڑھتے ہیں کہ وہ آخری گرہ جلدی سے کھلے اور شیطان کے مکر سے رہائی ہو اور پھر اس کے بعد الطینان سے لمبی نماز پڑھی جاسکے، حضرت شیخ رحمہ اللہ حاشیہ بذل میں لکھتے ہیں تعجب ہے کہ شراح حدیث نے بھی حدیث کے نکات و لطائف بیان کرنے میں کوئی کسر نہیں چھوڑی۔ فلتدوڑہم۔

قوله قال فیہما تہجوز یہ لفظ مصدر بھی ہو سکتا ہے (تہجوز) یعنی ان دو رکعتوں میں اختصار ہونا چاہیے اور فعل مضارع بھی ہو سکتا ہے (تہجوز) جو اصل میں تجوز تھا (اختصار کرے تو ان میں) اور امر کا صیغہ بھی ہو سکتا ہے تہجوز۔

عن عبد الله بن حبشي ان النبي صلى الله عليه وسلم سئل اى الاعمال افضل قال طول القيام اس كان قابل
وه حديث ہے جو ابواب لکوع میں گزر چکی ہے اقرب ما يكون العبد من ربه وهو ساجد ان ہی دو حدیثوں پر علماء کا وہ
مشہور اختلاف متفرع ہے کہ طول قیام افضل ہے یا کثرت سجود وقد تقدم مفصلاً

باب صلاة الليل مثنى مثنى

قريب ہی میں باب صلاة النهار گزر چکا اس کو دیکھیے

قوله فاذا خشى احدكم الصبح صلى ركعة واحدة وتوترله ما تقدم صلى

یعنی تہجد کی نفل میں دو دو رکعت پڑھتا رہے اور پھر جب تہجد کا
وقت ختم ہونے کے قریب ہو اور وتر کا نمبر آئے تو آخری شفعہ
دو گنا پڑھ کر پھیرنے کے بجائے اس کے ساتھ ایک رکعت اور ملائے تو یہ ایک رکعت سابق شفعہ کے ساتھ ملکر اس کو
وتر بنا دے گی، اس سے معلوم ہوا کہ وتر کی رکعات تین ہیں جیسا کہ حنفیہ کہتے ہیں، اس کی مفصل بحث انشاء اللہ تعالیٰ
باب قیام اللیل میں آئے گی

باب رفع الصوت بالقراءة في صلاة الليل

عن ابن عباس رضي قال كانت قراءة النبي صلى الله عليه وسلم على قدر ما يسمعه من في الحجرة
وهو في البيت اس حدیث کی دو تفسیریں کی گئی ہیں (۱) حجرہ اور بیت دونوں سے ایک ہی مراد ہے، اور مطلب یہ ہے آپ
تہجد میں قراءۃ اتنی آواز سے فرماتے تھے کہ جس کو وہی شخص سن سکتا تھا جو حجرہ ہی میں ہو، حجرے سے باہر آواز سنائی نہیں دیتی تھی،
(۲) حجرہ سے مراد صحن البيت یعنی وہ شخص سن سکتا تھا جو صحن حجرہ میں ہو اور آپ حجرے میں پڑھ رہے ہوں پہلی صورت میں نہایت
معمولی سا جہر اور دوسری صورت میں جہر معتدل

قوله ان النبي صلى الله عليه وسلم خرج ليلة فاذا هو بالی بکر يصلى يخف من صوته حضرت ابو بکر
تہجد میں قراءۃ بہت آہستہ کر رہے تھے جسٹو کا ان کے پاس کو گزر رہا تھا آپ سننے ہوئے چلے گئے، اسی طرح حضرت عمر کے پاس کو گزر رہا
تو وہ زیادہ زور سے پڑھ رہے تھے صبح کو جب یہ دونوں حضرات حضور کی مجلس میں حاضر ہوئے تو آپ نے ابو بکر سے
سوال کیا تو انھوں نے جواب میں عرض کیا اسعفت من ناجيت يا رسول الله کہ جس کے ساتھ میں مناجات کر رہا تھا بس
اسی کو سن رہا تھا (اور وہ پست سے پست آواز بھی سنتا ہے) پھر یہی سوال اپنے عمر سے کیا تو انھوں نے عرض کیا اوقط الوسان
واطره الشيطان اونگھنے والے کو بیدار کرتا ہوں اور شیطان کو دفع کرتا ہوں، آپ نے دونوں کا جواب سن کر حضرت ابو بکر سے تو

فرمایا کہ تم اپنی آواز بڑھاؤ اور حضرت عمرؓ سے یہ فرمایا کہ تم اپنی آواز ذرا پست کرو۔ اس حدیث سے معلوم ہوا کہ تلاوت قرآن سر کے مقابلہ میں جہر معتدل کے ساتھ افضل ہے۔ اور اس سے اگلی روایت میں حضرت بلالؓ کے بارے میں آ رہا ہے کہ حضورؐ نے ان سے فرمایا کہ کبھی تم اس سورت سے پڑھتے تھے اور کبھی اس سورت سے کچھ آیات ایک سورت کی اور چند آیات دوسری سورت کی، اس پر انھوں نے عرض کیا کلام الہی بہت شیریں ہے اس لئے کبھی ان آیات سے محظوظ ہوتا ہوں اور کبھی ان سے فقال النبی صلی اللہ علیہ وسلم کلکم قد اصاب تم سب نے درست کیا، اس روایت میں تو اسی طرح ہے، صاحب نہیں لکھتے ہیں محمد بن نضر کی قیام اللیل (تصنیف) میں ہے آپ نے بلالؓ سے فرمایا اقرا السورۃ علی وجہہا یعنی ایک ہی سورت کو اس کے قاعدے اور طریقے سے پڑھو کچھ یہاں سے کچھ وہاں سے ایسا نہ کرو، اسی لئے اس طرح کے غلط کرنے کو علما مکر وہ کہتے ہیں،

عن عائشۃ ان رجلاً قام من اللیل فقرأ فرفع صوته بالقرآن فلما أصبح قال رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم یرحمہ اللہ فلا ناکا ین من آیۃ اذ کونہا اللیلۃ کنت اسقطتہا۔ ان صحابی کا نام عبداللہ بن یزید انصاری ہے یہ رات کو تہجد میں تلاوت زور سے کر رہے تھے جس کی آواز حضورؐ تک بھی پہنچ گئی، اتفاق سے جو سورت اور آیات حضورؐ پڑھ رہے تھے وہی یہ صحابی بھی پڑھ رہے تھے۔ آپ کی چند آیات چھوٹ گئی تھیں (بھولے سے)، ان صحابی کے زور سے پڑھنے کی وجہ سے آپ کو وہ آیات یاد آئیں، آپ کو اس پر مسرت ہوئی اسی لئے آپ نے ان صحابی کو دعا دی،

قال ابو داؤد رواہ ہارون النحوی عن حماد بن سلمۃ فی سورۃ آل عمران فی الحروف وکائین من تنبیہ

قول ابو داؤد کی صحیح تشریح و تحقیق | ہارون نحوی نے مذکورہ بالا حدیث کو جس میں حضورؐ کا یہ کلام ہے یرحمہ اللہ فلا ناکا ین من آیۃ تم سورۃ آل عمران کی آیت شریفہ

و کائین من نہی قاتل معہ دیتین کثیر کے ذیل میں حروف یعنی اختلاف قرات کی مناسبت سے ذکر کیا ہے، میں کہتا ہوں جلیٰ ہذا القیاس امام ابو داؤد بھی اس حدیث کو اپنی اس سنن میں ابواب الحروف والقرات میں لائے ہیں۔ ہارون نحوی اور امام ابو داؤد دونوں کی غرض اس حدیث سے ایک ہی ہے یعنی و کائین من نہی الا یتۃ میں اختلاف قرات کو ذکر کرنا گو یا بطور نظیر کے اس حدیث کو پیش کر رہے ہیں کہ دیکھیے! ایک قرات اس میں کائین بھی ہے جیسا کہ اس حدیث شریف میں یہ لفظ وارد ہے اور ممکن ہے کہ اس حدیث میں بھی یہ لفظ دونوں طرح مروی ہو جیسا کہ قراتیں اس میں دو ہیں کائین (بد وزن فاعل) اور کائین، اول ابن کثیر کی قراۃ ہے اور ثانی تشدید کے ساتھ جمہور کی، اس مقام کی تشریح حضرت نے بذیل اسی طرح فرمائی ہے اور یہی صحیح ہے، اور صاحب عون المعبود نے اس کی شرح اور طرح کی ہے جو بظاہر صحیح نہیں۔ میرے نزدیک یہ مقام مشکل اور دقیق ہے، ان شاء اللہ تعالیٰ جو کچھ ہم نے یہاں لکھا ہے وہ صحیح ہے۔

لے اللہ تعالیٰ اس شخص پر رحم فرمائے چند آیات ایسی تھیں جو مجھ سے سناؤ ہو گئی تھیں اس نے (اس کی تلاوت لے) مجھ کو وہ آیات یاد دلادیں۔

عن عقبۃ بن عامر الجہنی رۃ قال قال رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم الجاہر بالقرآن کالجاہر بالصدقة والمسر بالقرآن کالمسر بالصدقة

الترجیح بین الجہر بالقراءة والمسر بہا | آپ نے قرأت بالجہر کو صدقہ بالجہر اور قرأت بالمسر کو صدقہ بالمسر کے ساتھ تشبیہ دی ہے۔ نہ ہر صدقہ بالجہر افضل ہے اور نہ ہی ہر صدقہ بالمسر افضل ہے بلکہ بعض صدقات بالمسر افضل ہیں اور بعض بالجہر اگرچہ اصل صدقہ میں بالمسر ہی ہے کما ورد حتی لا تقلم شمالہ ما تنفق یمینہ، لہذا قراۃ قرآن کو بھی اسی پر تیس کیا جائیگا، علماء نے صدقات نافذہ کو بالمسر اور صدقات واجبہ کو جہراً ادا کرنا افضل کھا ہے، اس لئے کہ زکوۃ شعار اسلام میں سے ہے اور شعار کو علی الاعلان ہی ادا کیا جاتا ہے، اور دوسری بات یہ بھی ہے کہ صرف زکوۃ دینے والے کو کوئی سختی نہیں کہتا، ہاں نقلی صدقات کرنے والے کو سختی کھا جاتا ہے اس لئے ایک جگہ جہر میں ریا کا احتمال ہے دوسری جگہ نہیں، ایسے ہی اگر قرأت میں ریا کا احتمال ہو یا کسی کی ایذا کا اندیشہ ہو تو سرّاً افضل ہوگی ورنہ جہراً افضل ہوگی، کیونکہ جہر کی صورت میں قرأت کا فائدہ متعدی ہے اس سے دوسرے لوگ بھی فیضیاب ہوتے ہیں خود قاری کے حق میں بھی مفید ہوتا ہے اس سے نشاط اور ذوق بڑھتا ہے قرآن پاک کی طرف توجہ میں اضافہ ہوتا ہے نیند کا اثر دور ہوتا ہے لیکن ریا وغیرہ کسی عارض کا اندیشہ ہو تو پھر سرّاً بڑھنا ہی افضل ہوگا۔ اس تفصیل سے معلوم ہوا کہ قرأت میں اصل جہر ہی ہے، بسر کو فضیلت کسی عارض کی وجہ سے ہوجاتی ہے، لیکن امام رمزی رحمہ اللہ اس حدیث کے ذیل میں فرماتے ہیں کہ اس حدیث کے معنی یہ ہیں کہ جو شخص قراۃ قرآن سرّاً کرتا ہے وہ افضل ہے اس شخص سے جو جہراً قراۃ کرے اس لئے کہ صدقۃ السرّ اہل علم کے نزدیک صدقۃ علانیہ سے افضل ہے، کیونکہ سر میں عجب کا اندیشہ نہیں بخلاف علانیہ کے اہل اللہ کو کتب میں کھا ہے کہ امام ترمذی کی مراد صدقہ سے صدقہ نافذہ ہے اسی کا یہ ضابطہ ہے کہ وہ سرّاً افضل ہے علانیہ سے اہل اللہ اس کے حاشیہ میں درمنثور سے نقل کیا ہے ابن عباس فرماتے ہیں کہ صدقہ نافذہ سرّاً علانیہ سے ستر درجہ افضل ہے اور صدقہ مفردہ علانیہ پچیس گونا افضل ہے سرّاً اور آگے لکھا ہے وکذلک جمیع الغرائض والنوافل فی الاشیاء کھا اہل اللہ اسی طرح امام نسائی نے باب باندھا ہے فضل الیتر علی الجہر، اس پر علامہ سند کی گھنٹے ہر حدیث سے تو بظاہر ہی معلوم ہو رہا ہے لیکن حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے حضرت صدیق اکبر سے فرمایا تھا کہ آواز کو قدر سے بند کر و اور عمر فاروق سے فرمایا تھا کہ اپنی آواز کو ذرا پست کر و اس سے معلوم ہوا کہ جہر معتدل افضل ہے اب دونوں میں تعارض ہو گیا، اس کا حل ایک تو یہ ہے کہ یوں کہا جائے کہ حدیث الباب میں جہر سے مبالغہ فی الجہر اور بسر سے مراد معتدل ہے اور یا یہ توجیہ کی جائے کہ یہ حدیث اس حالت پر محمول ہے جس کا مقتضی سر جو درۃ اللیل فی مدائتہ افضل ہے واللہ تعالیٰ اعلم اہ

باب فی صلوة اللیل

اس سے قبل مصنف کی طور پر صلوة اللیل یعنی تہجد کی فضیلت اور اس کا حکم وغیرہ امور بیان کر چکے ہیں، اب یہاں سے

خلاف بھی ہیں چنانچہ باب کی پہلی حدیث میں: یصلی من اللیل عشر رکعات ویوتر بحدیث جده اس کے بعد روایت میں ہے۔ یصلی من اللیل احدی عشرة رکعة یوتر منها بواحدة احناف کہتے ہیں اس کا مطلب یہ ہے گزشتہ دس رکعات میں سے آخری شفعہ کو ایک رکعت کے ذریعہ وتر بناتے تھے کما سبق فی باب صلوة اللیل مشی مشی، صلی رکعة واحدة وتر لہ ما قد صلی اس تشریح کے بعد اس قسم کی تمام روایات ان روایات مفصلہ کے مطابق ہو جائیں گی جنہیں وتر کی تین رکعات کی تشریح ہے، دراصل وتر کے سلسلے میں روایات دو قسم کی ہیں (۱) وہ روایات جن میں صلوة اللیل اور وتر دونوں کو ملا کر بیان کیا گیا ہے (۲) وہ روایات جن میں وتر کی رکعات کو راوی نے صلوة اللیل سے جدا کر کے بیان کیا ہے جس کی مثال اوپر بحث اول کے اخیر میں گذر چکی ہے۔

وتر کے بارے میں دو مشکل روایتیں دران کاحل

روایات مفصلہ تقریباً سب ہمارے موافق ہیں بجز ایک یاد کے

یعنی اس باب کی چوتھی حدیث جس میں ہے یوتر منها بخمس

لا یجلس فی شئی من الخمس حتی یجلس فی الآخرة فیسلم یہ روایت ایسی ہے کہ اس میں باوجودیکہ وتر کو صلوة اللیل سے جدا کر کے بیان کیا ہے اور وتر کی پانچ رکعات ذکر کی ہیں والجواب عنه مشکل ومع ذلک اجابوا عنه بجوابین اول یہ کہ مصنف نے آگے چل کر اس روایت پر کلام کیا ہے دیکھئے بذل المجہود جلد ثانی ص ۲۹۵ اس کے حاشیہ پر ایک نسخے سے نقل کیا ہے کہ امام ابو داؤد نے اس حدیث کے بارے میں فرمایا کہ اس میں رواۃ کا اختلاف واضطرار ہے۔ دوسرا جواب یہ ہے کہ اس حدیث کا مطلب یہ نہیں کہ پانچ رکعات مسلسل ایک سلام سے پڑھتے تھے بلکہ مطلب یہ ہے کہ اب تک تو یہ ہوتا رہا کہ آپ تہجد کی ہر دو رکعت پر سلام پھیر کر جلوس فرماتے یعنی آرام کے لئے (کیونکہ تہجد کی رکعات لمبی ہوتی تھیں جس طرح تراویح میں ہر چار رکعات کے بعد بیٹھتے ہیں جس کو ترویجہ کہتے ہیں) پھر جب آپ تہجد سے فارغ ہو گئے اور صرف وتر کی نماز باقی رہ گئی تو تھوڑی دیر حسب معمول آرام فرمانے کے بعد وتر کے لئے بیٹھتے لیکن اس وقت آپ صرف وتر کی تین رکعات پر اکتفا نہ فرماتے بلکہ اس کے شروع میں نفل کی مختصر سی دو رکعت بھی پڑھتے۔ پھر اس کے فوراً بعد بغیر جلوس للاسراۃ کے تین رکعات وتر کی پڑھتے، الحاصل یہاں نفیس جلوس کی نفی مراد نہیں بلکہ جلوس للاسراۃ الذی یکون بین الشفاعة التہجد اس تاویل میں کوئی بعد نہیں ہے اور یہ تمام بہر حال اختلاف روایات کی وجہ سے نازک اور محتاج تاویل اسی طرح ایک روایت اور ہے وہ بھی اپنے ظاہر کے لحاظ سے حنفیہ کے خلاف ہے اور وہ اس باب کی آٹھویں حدیث ہے جس میں یہ ہے کان یوتر بشعان رکعات لا یجلس الا فی الثامنة ثم یقوم فیصلی رکعة اخرى لا یجلس الا فی الثامنة والتاسعة ولا یسلم الا فی التاسعة اس سے معلوم ہوتا ہے کہ آپ نے کل نو رکعات پڑھی ایک ہی سلام سے نیز ہر دو رکعت پر قعود و تشہد بھی نہیں کیا جو شیخین کے نزدیک تو اگرچہ واجب نہیں لیکن امام محمد کے نزدیک واجب ہے۔ بہر حال اس روایت کا سیاق حنفیہ کے مسلک کے بظاہر بالکل خلاف ہے، والجواب عنه مشکلی اللہم الان یقال لا یجلس الا فی الثامنة میں مطلق جلوس کی نفی نہیں ہے بلکہ جلوس بدون اسلام کی یعنی آٹھویں رکعت سے قبل چھ رکعات تک ہر دو رکعت پر آپ بیٹھ کر سلام

پہرتے رہے لیکن آخری شفعہ جو تھا اس میں آپ نے رکعتین پر جلوس بدون اسلام فرمایا یعنی جلوس کر کے بغیر ہی سلام کے تیسری رکعت کے لئے کھڑے ہو گئے۔ پھر تیسری رکعت پوری کر کے اس پر سلام پھیرا۔ اس حدیث میں وتر کی دوسری رکعت پر ثامنہ کا اور تیسری پر ثانیہ کا اطلاق مجموع رکعات کے اعتبار سے کیا گیا ہے اور ہماری اس بات کی دلیل کہ آپ چھ رکعات تک ہر دو رکعت پر سلام پھیرتے رہے اس باب کی جو بیسویں حدیث ہے جس کے الفاظ درج ذیل ہیں

حدثنا عبد العزيز بن يحيى الحراني قال كان رسول الله صلى الله عليه وسلم يصلي ثلث عشرة ركعة بركعتيه

قبل الصبح يصلي ستا مثني مثني ويكبي اس روایت میں تصریح ہے کہ آپ چھ رکعات تک دو دو رکعت پڑھتے رہے

اب بحمد الله تعالى وعونه جملہ روایات مشککہ دوبارہ و ترجمہ بظاہر مسلک حنفیہ کے خلاف نظر آتی تھیں سب کا حل نکل آیا۔ اب رہ گیا مسئلہ ثلث کا کہ وہ وتر کے بارے میں کیا فرماتے ہیں؟ سودہ یہ ہے کہ امام مالک کا مسلک ہمارے قریب ہے ان کے نزدیک وتر کی ایک رکعت ہے لیکن اس سے پہلے ایک شفعہ پڑھ کر اس پر سلام پھیرنا واجب ہے۔ دوسرے فقہوں میں یہ بھی کہہ سکتے ہیں کہ ان کے نزدیک وتر کی تین ہی رکعات ہیں لیکن بسلا میں اور ہمارے یہاں بسلام واحد، ان کے یہاں فصل باسلام واجب ہے اور ہمارے یہاں وصل واجب ہے

شافعیہ و حنابلہ کے اور امام شافعی و احمد کے نزدیک وتر کے سلسلے میں بڑی وسعت ہے ان کے نزدیک ایسا ہر رکعت، ایسا ہر

نزدیک ادا وتر کے طریقے ثلث و خمس و سبع و تسع و باحدی عشرہ رکعت سب طرح جائز ہے البتہ گیارہ سے زائد جائز نہیں پھر ان کے یہاں وتر کی دو صورتیں ہیں، موصولہ و مفصولہ، فصل تو یہ ہے کہ ہر دو رکعت پر سلام پھیرا جائے اور اخیر میں ایک رکعت تنہا پڑھی جائے اور وصل کا مطلب یہ ہے کہ وتر کی جتنی بھی رکعات پڑھنا منظور ہو تین یا پانچ یا سات یا نو یا گیارہ ان سب کو ایک ہی سلام سے پڑھا جائے، پھر اس وصل کی دو صورتیں ہیں بتشہد واحد یعنی صرف آخری رکعت میں قعدہ و تشہد پڑھا جائے اور دوسری صورت ہے بتشہدین یعنی آخری رکعت اور باقی آخر دو میں قعدہ و تشہد کیا جائے، مثلاً اگر تیار تسع کرنا ہے تو نویں رکعت جو کہ آخری ہے اس میں قعدہ و تشہد پڑھ کر سلام پھیرے، یا اس طرح کرے کہ آٹھویں رکعت اور نویں رکعت دونوں میں قعدہ کرے اور سلام صرف آخری میں پھیرے، نیز ان دونوں کے یہاں یہ بھی اختیار ہے کہ جملہ صلوۃ اللیل کو وتر کی نیت سے پڑھا جائے، اور یہ بھی جائز ہے کہ شریع میں چند رکعات تہجد کی نیت سے پڑھے اور اخیر میں کچھ رکعات وتر کی نیت سے،

فہر بات ہے کہ جب ان کے یہاں اس قدر وسعت ہے تو ساری روایات ان کے مسلک پر بسہولت منطبق ہو سکتی ہیں، مخالف چونکہ اصول سے چل رہے ہیں اس لئے بعض روایات ان کے مسلک کے خلاف پڑتی ہیں جن کا حل اوپر گزر گیا۔ یہ وتر کی بحث ہم کتاب میں سے ہے اس کے لئے علمائے مستقل قلم اٹھایا ہے

حدثنا عبد الرحمن بن ابراهيم ونصر بن عاصم قال..... ويحك في سجوده قد رمايقرا احدكم خمسين آية

اور اس سے بعد والی روایت میں ہے ویسجد منجدة قد رمايقرا احدكم خمسين آية۔

شرح حدیث

اس جملے کی شرح میں دو قول ہیں ایک یہ کہ مراد یہ ہے صلوٰۃ اللیل میں آپ کے سجود بہت طویل طویل ہوتے تھے، اجتماع فی الدعاء کے لئے کماورد فاجتہد وافی الدعاء فبقین ان یتعجب لکم، سند احمد کی ایک روایت میں ہے عائشہؓ فرماتی ہیں کہ آپؐ سجود میں یہ پڑھتے تھے سُبْحٰنَكَ لَا اِلٰهَ اِلَّا انت اور ایک روایت میں ہے اللہم انی اعوذ بوضنک من سخطک وبمعافاتک من عقوبتک واهو ذبک منك لا اُحصى ثناء علیک انت کما اثبتت علی نقیصک۔

اور دوسری شرح اس کی یہ ہے کہ اس سے بعد الفراغ من الصلوٰۃ سجدة طویلہ مراد ہے، امام نسائی نے یہ دوسرے ہی معنی حدیث کے لئے ہیں۔ حیث ترجم علی الحدیث باب قدر السجدة بعد الوتر، لیکن سجدة شکر و سجدة تلاوت کے علاوہ تعبد بالسجدة المنفردة مختلف فیہ ہے۔ اس کے بارے میں جواز و عدم جواز دونوں قول ہیں۔ کتب فقہ کی طرف رجوع کر کے اس کی مزید تحقیق کی جائے۔ قولہ فقالت ما کان رسول اللہ صلی علیہ وسلم یزید فی رمضان ولا فی غیرہ علی احدی عشرة رکعة یہ حدیث متفق علیہ ہے، امام بخاری و مسلم نے اس کی تخریج کی ہے اس حدیث سے اہل حدیث و متکرمین تقلید تراویح کی آٹھ رکعات پر استدلال کرتے ہیں، ہمارے مشائخ یوں فرماتے ہیں کہ اس کا تعلق تہجد کی نماز سے ہے جو سارے سال پڑھی جاتی ہے۔ تراویح سے جو رمضان کے ساتھ خاص ہے اس کا تعلق نہیں ہے۔

قالت عائشة فقلت یا رسول اللہ انتام قبل ان تورث قال یا عائشة ان عیني تنامان ولا ينام قلبي۔

حدیث کی شرح میں دو قول

بعض شرح نے اس کی شرح یہ کی ہے کہ چونکہ حضور اقدس صلی اللہ علیہ وسلم کا مہول یہ تھا کہ عشا پڑھ کر آپؐ سو جاتے اور وتر تہجد سے فراغ پر سب سے اخیر میں پڑھتے تو چونکہ سونے کے بعد بیدار ہونا امر یقینی نہیں ہے اور اس میں وتر کے فوت ہونے کا اندیشہ ہے اسی لئے حضرت عائشہؓ نے عرض کیا کہ آپؐ وتر سے پہلے سو جاتے ہیں اس پر آپؐ نے ارشاد فرمایا کہ میری صرف آنکھیں سوتی ہیں قلب بیدار رہتا ہے، گو یا اس میں فوت ہونے کا اندیشہ نہیں، لیکن اس پر اشکال ہوتا ہے کہ پھر لیلۃ القدر میں آپؐ کی نماز کیوں قضاء ہوئی؟ گو یا اس اشکال کا جواب بھی دیا جاتا ہے لیکن ہمارے حضرت سہارنپوری نے بذل میں اس مطلب کو اسی لئے اختیار نہیں فرمایا بلکہ اس کی شرح دوسری طرح فرمائی ہے وہ یہ کہ آپؐ کیونکہ تہجد سے فراغ ہو کر وتر پڑھنے سے پہلے کبھی تھوڑی دیر سو کر آرام فرمایا کرتے تھے اور پھر بیدار ہونے پر بدون تہجد و وضو و تراویح فرماتے تھے۔ تو اس پر حضرت عائشہؓ نے سوال کیا کہ آپؐ سونے کے بعد بدون وضو و تراویح فرمائیے ہیں اس پر آپؐ نے یہ جملہ ارشاد فرمایا جس کا خلاصہ یہ ہے کہ غم انبیاء علیہم السلام ناقض وضو نہیں ہوتی،

احقر کا خیال ہے کہ شرح نے سوال عائشہؓ کا جو مطلب سمجھا وہ اس وقت تو درست تھا اگر وہ یہ سوال شرع شب

میں فرماتیں جب آپؐ عشا کے بعد آرام کرنے کیلئے لیٹتے تھے حالانکہ ایسا نہیں ہے بلکہ سیاق روایت سے تو بظاہر یہ سمجھ میں آتا ہے کہ ان کا

ملہ دلی اللکوب ص ۱۴۱ ولا يجوز سجدة المناجاة لعدم الثبوت وما ورد من الادعية عن النبي صلی اللہ علیہ وسلم فی السجرات فانما هی فی الصلوٰۃ لا المنفردة۔
ملہ وہ یہ کہ ابن عینی تناہان نو یہ اعم و اغلب کے اعتبار سے ہے یعنی اکثر و بیشتر ایسا ہوتا ہے اور کبھی کبھار اس کے خلاف بھی ہو جاتا ہے، یا یہ کہ جب جائے کہ لیلۃ القدر میں کا واقعہ نکوئی ہے، وہاں مناجات اللہ ایسا ہوا جس میں بہت سی مصالح تھیں،

یہ سوال آپ سے بچہ سے فراغ پر ہے۔ اس لئے اس مطلب کی صورت میں تو یہ سوال بے محل ہو جاتا ہے اور حضرت نے جو مطلب بیان کیا وہ اس پر موقوف ہے کہ آپ تہجد سے فارغ ہونے کے بعد وتر پڑھنے سے پہلے آرام فرماتے ہوں باقی اس میں کوئی استبعاد نہیں ہے اسی لئے صاحب منہل نے بھی اسی مطلب کو اختیار کیا ہے،

عن سعد بن هشام قال طلقت امرأتی فأتيت المدينة لابیع عقاراً کان لی بها فاشتري به السلاح فوسعد بن هشام فرماتے ہیں کہ میں نے اپنی بیوی کو طلاق دی اور پھر مدینہ منورہ آیا تاکہ وہاں جو میری زمین ہے اس کو فروخت کروں۔ اور پھر اس کے ذریعے ہتھیار خریدوں اور جہاد میں مشغول ہو جاؤں۔

ان صحابی نے قتل اور انقطاع عن الدنیا کا ارادہ کیا تھا، اور یہ کہ سب چھوڑ چکا کر بس ساری عمر جہاد میں لگانی ہے، لیکن چونکہ یہ چیز طریق سنت کے خلاف ہے اس لئے دوسرے صحابہ نے ان کو اس سے منع کر دیا۔

قالت هشام بن عامر الذی قتل یوم أحد الذی قتل عامر کی صفت ہے جو سعد بن هشام راوی حدیث کے دادا ہیں قالت نعم المرء کان عامراً فرماتے لگیں تیرا دادا عامر بڑا اچھا آدمی تھا۔ قوله وكان اذا صلى صلوة داوم علیہا حتی کہ آپ نے ایک مرتبہ عصر کے بعد ظہر کی سنتوں کی قضاء فرمائی تو وہ بھی آئندہ ہمیشہ ہی پڑھتے رہے،

قوله ولو كنت اكلتها لانيتهما حتى اشفاهابه مشافهة

مضمون حدیث

سعد بن هشام نے حضرت ابن عباس سے حضور کی تہجد کی نماز اور وتر کے بارے میں سوال کیا تھا، اس پر انھوں نے فرمایا تھا کہ اس کی تفصیل جتنی تمہیں عائشہ سے معلوم ہو سکتی ہے اتنی کسی اور سے نہیں ہو سکتی، چنانچہ وہ حکیم بن النعمان کو اپنے ساتھ کران کی خدمت میں گئے۔ حضرت عائشہ نے اس کی پوری تفصیل بیان فرمادی۔ سعد بن هشام یہ تفصیل سن کر پھر ابن عباس کے پاس آئے اور وہ تفصیل ان کو بھی سنائی انھوں نے سن کر قسم کھا کر فرمایا ہذا والله ہوالحدیث واقعی اس کی صحیح تفصیل یہی ہے جو انھوں نے بیان کی۔ اور ابن عباس نے یہ بھی فرمایا کہ اگر میری عائشہ سے بول چال ہوتی تو ان سے میں یہ تفصیل بالمشافہہ جاکر سنتا، اس پر سعد نے کہا کہ اگر مجھے پہلے سے معلوم ہوتا کہ تمہاری ان سے بول چال نہیں تو میں تم سے آکر یہ ساری تفصیل بالکل نہ سنا تا، یہاں پر اشکال ہے کہ جبران سلم فوق ثلث ممنوع ہے تو پھر ابن عباس نے ایسا کیوں کیا؟

ایک اشکال وجواب

جواب یہ ہے کہ جبران سلم یعنی ترک تکلم مطلقاً ممنوع نہیں ہے۔ بلکہ ممنوع اعضاء اور ترک تکلم عند اللقار ہے، حضرت ابن عباس نے ایسا نہیں کیا بلکہ یہ کیا کہ ان سے ملاقات ہی نہیں کی کہ جبران سلم کی نوبت آتی، دوسرا جواب یہ ہے کہ اگر تسلیم کر لیا جائے کہ انھیں نے ان سے عند اللقار ترک تکلم کیا ہے تو یہ ترک تکلم ان کا اپنی کسی ذاتی اور نفسانی غرض کی وجہ سے نہیں تھا، بلکہ امر دین کی وجہ سے تھا، وجہ اس کی یہ ہے جیسا کہ مسلم شریف کی روایت میں تصریح ہے ابن عباس فرماتے ہیں کہ میں نے عائشہ کو کو علی اور معاویہ رضی اللہ تعالیٰ عنہما کے باہمی نزاع میں دخل دینے سے منع کیا تھا مگر انھوں نے نہیں مانا بلکہ حضرت معاویہ کا ساتھ دیا

جو ابن عباس کے نزدیک جائز نہ تھا۔ اور ترک حکم اگر کسی کے عصیان کے پیش نظر ہو تو جائز ہے۔

حد ثنا محمد بن بشارنا یحییٰ بن سعید عن قتادة بن..... لا یجلس فیہن الا عند الثامنة فیجلس فیذکر اللہ ثم یدعو ثم یسلم اس سے پہلی روایت تمام عن قتادة تھی اور یہ سعید عن قتادة ہے
دوم روایت پر تنبیہ | ہمام کی روایت میں یہ تھا کہ ثامنہ میں جلوس تو فرماتے تھے لیکن سلام نہیں پھیرتے تھے مگر تاسعہ میں اسی طرح اور دوسری روایات میں بھی ہے لیکن یہ سعید کی روایت سب کے خلاف ہے کہ آپؐ انھوں نے رکعت پر سلام پھیرتے تھے ثم یصلی رکعتین وہو جالس ثم یصلی رکعة یہ اس روایت کا دوسرا دہم ہے اور تمام روایات کے خلاف ہے اس لئے کہ رکعتیں جالساً آپؐ وتر کے بعد پڑھتے تھے اور یہاں قبل ان وتر مذکور ہے

قوله ویسلم تسلیمة واحدة شدیدۃ یکاد یوقظ اہلہ یعنی ایک سلام آپؐ اتنی زور سے پھیرتے تھے کہ گھر والے سوتے اٹھ جائیں۔
تسلیمہ واحدہ میں امام مالک کی دلیل | جن ابواب میں مصنف نے ارکان صلوٰۃ کو بیان کیا تھا وہاں ایک باب — باب فی السلام گذر چکا ہے جس میں مصنف نے عبداللہ بن مسعود کی روایت سے تسلیمتین کی حدیث کا بیان کیا ہے وعن شامالہ ذکر فرمائی تھی وہاں یہ بات گزر چکی کہ ائمہ ثلاثہ نماز میں تسلیمتین کے قائل ہیں اور امام مالک تسلیمہ واحدہ کے۔ یہی حدیث ان کی دلیل ہے۔ وہاں تسلیمہ واحدہ کی روایت کے بارے میں ایک جواب گذر چکا ہے کہ وہ جہر شدید پر محمول ہے یعنی ایک سلام آپؐ بہت زور سے کہتے تھے تسلیمہ ثانیہ کی نفی مقصود نہیں ہے،

قوله عن زلادة بن اوفی عن سعد بن هشام عن عائشة بهذا الحديث وليس في تمام حدیثہ

یہ جو روایات چل رہی ہیں ان سب کا مدار بہترین حکیم پر ہے۔ بہز کے تلامذہ متعدد ہیں (۱) ابن عدی (۲) یزید بن ہارون (۳) مروان بن معاویہ (۴) حماد بن سلمہ، — ان تمام روایات میں زلادۃ بن اوفیٰ اور عائشہؓ کے درمیان کوئی واسطہ نہیں تھا۔ سب روایات بلا واسطہ ہیں۔ لیکن یہ آخری حماد بن سلمہ کی روایت اس میں ان دونوں کے درمیان سعد بن ہشام کا واسطہ ہے اور واسطہ ہونا بھی چاہئے اسی کے بارے میں مصنف فرما رہے ہیں ولس فی تمام حدیثہم حماد کے مقابلہ میں دوسرے رواۃ کی حدیث یعنی سند حدیث تام نہیں ہے، اصل عبارت اس طرح ہے ولس حدیثہم بتمام۔

قوله کان یصلی من اللیل ثلث عشرة رکعة یوتر بتسبع نورکات تہجد کی مع وتر کے اور دوستہ فجر کی اور رکعتیں جالساً بعد ان وتر پر کل تیرہ رکعات ہو گئیں

قوله کان یوتر بتسبع رکعات ثم اوتر بتسبع یعنی شریعت میں آپؐ تہجد کی نورکات مع ان وتر پڑھتے تھے پھر جب منصرف لاحق ہو گیا، تو بجائے نو کے سات رکعات پڑھنے لگے۔

قال ابو داؤد روی الحدیثین خالد بن عبد اللہ الواسطی مثله حدیثین سے مراد ایک تو یہی حدیث جس میں

چل رہے ہیں یعنی حدیث علقمۃ عن عائشۃ اور دوسری حدیث اس سے پہلی، حدیث ابی سلمۃ بن عبد الرحمن عن عائشۃ ان دونوں حدیثوں کو خالد بن عبداللہ نے روایت کیا مثل حماد بن سلمہ کے یعنی جس طرح حماد اس کو روایت کرتے ہیں محمد بن عمرو سے اس طرح خالد بھی اس کو روایت کرتے ہیں محمد بن عمرو سے،

حد ثنا وہب بن بقیۃ عن خالد بن خالد کہ روایت کا حوالہ دیا تھا۔ خالد چونکہ مصنف کے استاذ نہیں ہیں بلکہ استاذ الاستاذ ہیں لہذا یہ اوپر والی روایت تعلیق ہوئی۔ تعلیق کے بعد مصنفین کی عادت ہے کہ اس کا وصل کرتے ہیں۔ یعنی سند کا ابتدائی حصہ ذکر کر کے سند کی تکمیل کرتے ہیں۔ چنانچہ مصنف نے کہا حد ثنا وہب بن بقیۃ عن خالد بن عمرو پر اگر گزشتہ سند ناقص کی تکمیل ہو گئی۔

اب اس کے بعد مصنف نے ایک دوسری مستقل سند شروع کی جس کی ابتدا ابن المشی سے ہے لیکن یہاں ہمارے نسخے میں اس سے پہلے عارضہ نقل لکھی ہوئی ہے جس کی کوئی وجہ نہیں ہے کیونکہ ناہن المشی سے تو مستقل سند شروع ہو رہی ہے لہذا یہ عارضہ ناہن پر غلط ہے دوسری غلطی یہ ہے کہ جب ابن المشی سے سند کی ابتدا ہو رہی ہے تو پھر اس کے شروع میں نا کہ بجائے حد ثنا پر ارجاعی قلم سے ہونا چاہیے جس طرح ابتدا سندیں ہوا کرتا ہے چنانچہ بعض قلمی نسخوں میں اسی طرح ہے، کذا حقۃ شیخنا فی البذل وتبعہ صاحب المنہل بدون العروالیہ واما صاحب المعون فوقع فی الوهم لاجل ہذہ النسبۃ فظن عارضۃ نقل ہنا صحیحاً وشرح السند حسب ہذہ النسبۃ بان خالداً وعبداللہ اعمالی کلا ہما یرویان عن ہشام فجعل ہشاماً ملحقاً بالسندین ثم تحریر وکتب لم نجد ردایۃ وہب بن بقیۃ عن خالد عن ہشام فی اطراف الفری قال صاحب البذل متفقاً کلامہ کیف یوجد فی الاطراف مالا وجودہ واللہ تعالیٰ اعلم۔

توضیح جنہ یہ وہی اضطرار ہے جو بعض روایات میں بعد رکعتی الفجر ہے اور یہاں یہ قبل رکعتی الفجر ہے اس کا مستقل باب اس سے قبل کتاب میں گزر چکا ہے،

فرما جاء بلال فاذا نه بالصلوة ثم يفتي وربما شككت ثم يخفاً کہتے ہیں نوم خفیف کو جس کو ہمارے عرف میں آنکھ گھنے سے تعبیر کرتے ہیں کہا جاتا ہے اغفیت اخفاء ای نمت نوماً خفیفاً، مطلب یہ ہے کہ آپؐ و ترکے بعد دو رکعت ٹھیکر ہڈ کر جمع کی سنتوں سے قبل تھوڑی دیر کے لئے لیٹ جاتے مگر وہ اتنا مختصر وقت ہوتا تھا کہ بسا اوقات ایسا ہوتا کہ جہاں آپؐ لیٹے فوراً ہی بعد بلال نماز کی اطلاع کے لئے آجاتے یہاں تک کہ مجھے شک ہوتا تھا کہ آپؐ کی آنکھ لگی بھی ہے یا نہیں۔ ابو داؤد کاسیان واضح نہیں ہے نسائی کی روایت کا واضح ہے یہ مطلب ہم نے اسی کے مطابق لکھا ہے

حتى اسنّ أو لحمّ (یہ شک راوی ہے کہ اس نے یہ لفظ کہا تھا یا یہ) یہاں تک کہ جب آپؐ بوڑھے ہو گئے یا بدن بجاری ہو گیا (جو بعضوں کو بڑھاپے میں ہو جاتا ہے)

مَنْ آپؐ صلی اللہ علیہ وسلم کی صفات میں ہے یا نہیں؟ یہ بحث اس سے قبل غالباً دو جگہ گزر چکی ہے،

حد ثنا محمد بن بشار..... عن الفضل بن عباس قال
بث ليلة عند النبي صلى الله عليه وسلم روايات كثيرة وشعبه
سے معلوم ہوتا ہے کہ یہ مہیت کا واقعہ عبد اللہ بن عباس سے متعلق ہے جیسا کہ
صحیحین اور دوسری کتب حدیث میں ہے، عن ابن عباس قال بث عند خالتي يمينه
اور یہاں اس روایت میں اس کی نسبت ان کے بھائی فضل بن عباس کی طرف ہو رہی ہے، یہ
روایت اس طرح صحاح ستہ میں سے صرف ایک جگہ یہاں ابو داؤد میں ہے۔ اور محمد بن نضر
کی قیام اللیل میں بھی ایک جگہ اسی طرح ہے، یا تو اس کو دم کھا جائے یا ممکن ہے تعدد قصہ ہو
(منہل)

قال جعفر بن مسافر في حديثه ودعتين جالساً بين
الاذنين اذانين سے مراد اذان و اقامت ہے۔

وہم روایت پر تنبیہ | اس روایت میں جالساً کی زیادتی وہم راوی ہے۔ صبح کی سنتیں جو کہ
اذان و اقامت کے درمیان ہوتی ہیں آپ سے ان کا جالساً پڑھنا ثابت
نہیں بلکہ رکعتیں جالساً تو آپ و تر کے بعد سنتوں سے قبل پڑھتے تھے یا پھر اس کو عذر پر محمول کیا جائے

حد ثنا احمد بن صالح في قوله قتلت كان يومئذ ماربعة وثلاث وسبث
ورثت في یہی ہے وہ جامع اور واضح روایت جس کا حوالہ ہم نے باب کے شروع میں دیا تھا قولہ ولم
يكن يؤتى فتحاً او كسراً کے ساتھ اس کی تفسیر خود کتاب میں آ رہی ہے اى لم يكن يدع يعنى آپ نہیں
ترک فرماتے تھے۔ واصل یہ وقرئ يتر وقرأ مثل وقرأ يعبد وقرأ کے ہے، اثبات واداس میں خلاف تپاس ہے، چنانچہ
قرآن کریم میں ہے وَاللّٰهُ مَعَكُمْ وَلَنْ يَفْزِكَ اَعْمَالُكُمْ اس کے معنی نقص یعنی کم کرنے کے ہیں یہاں مراد اس سے ترک کرنا ہے
راوی یہ کہہ رہا ہے کہ آپ صبح کی سنتیں کبھی نہیں چھوڑتے تھے بلکہ ہمیشہ پڑھتے تھے،

عن زيد بن خالد الجهني انه قال لا رُفِقَ رسول الله
صلى الله عليه وسلم زيد بن خالد فرماتے ہیں کہ میں نے اپنے دل میں کہا کہ میں حضور
کی آج رات کی نماز کو ضرور بالضرور دیکھوں گا، بظاہر یہ بات انھوں نے دن میں سوچی ہوگی،
کہ آج رات کو یہ کام کرنا ہے۔ پھر رات کو دیکھنے کے بعد اب اس کو نقل کر رہے ہیں،
فَتَوَشَّطَتْ عَتَبَتَهُ اَوْ فَسَطَاطَهُ پس میں نے (جب رات ہوئی تو)
آپ کی چوکھٹ کو (زیر سر کیا) اور اس کو تکیہ بنایا، یا خیمے کو (شک راوی ہے) بظاہر

یہ سفر کا واقعہ ہے لہذا غتبہ کی نسبت فسطاط کا افظ ہی رائج معلوم ہوتا ہے (منہل) ثم صلی رکعتین طویلین طویلین طویلین آپ نے شروع میں تو دو رکعت مختصر سی پڑھیں اس کے بعد دو رکعتیں بہت ہی لمبی پڑھیں طویلین کا لفظ تین مرتبہ مبالغہ کے لئے (ادریہ نہ سمجھنا کہ یہ چھ رکعات ہو گئیں) اسکے بعد پھر دو رکعت پہلی سے کم یعنی مختصر پڑھیں اس کے بعد دو رکعت پھر اور مختصر پڑھیں۔

حدثنا القعنبي عن مالك عن مخزومه ثم یہ اس باب کی آخری حدیث ہے۔

قوله فاضطجعت في عرض الوسادة عرض بفتح العين وسكون الراء وقيل هو بالضم بمعنى الجانب. والصحيح الاول.

شرح حدیث ابن عباس اپنے رات گزارنے کا واقعہ اس طرح بیان کر رہے ہیں کہ میں تکبیر کی چوڑائی میں اس پر سر رکھ کر لیٹ گیا۔ حضور اور حضرت میمونہ دونوں تکبیر کی لمبائی میں ایٹھ سر رکھ کر لیٹ گئے۔ اکثر شرح کے نزدیک سادہ سے اس کے معروف معنی مراد ہیں یعنی تکبیر، اور بعض علماء جیسے علامہ باجی ادرائیلی سے منقول ہے کہ یہاں سادہ سے مراد تکبیر نہیں بلکہ فراش (بستر) ہے اور مطلب یہ بیان کیا کہ بستر کے طول میں وہ دونوں لیٹ گئے اور اس کے عرض میں ابن عباس، لیکن کسی لفظ کے معنی موضوع نہ چھوڑ کر دوسرے معنی مراد لینا بغیر کسی مجبوری کے درست نہیں۔

الحمد لله باب فی صلوة اللیل پر کلام پورا ہو گیا، یہ باب بہت طویل ہے اس میں مصنف نے تقریباً ثلثون حدیثا ذکر کی ہیں اتنا طویل باب غالباً اس کتاب میں کوئی اور نہیں ہے والحمد لله اولاً و آخراً

باب مَا يُؤْمَرُ بِهِ مِنَ الْقَصْدِ فِي الصَّلَاةِ

باب سابق چونکہ بہت مجاہدہ اور ریاضت والا باب تھا اور مجاہدہ و ریاضت کے سلسلہ میں بعض لوگ افراط و تفریط میں مبتلا ہو جاتے ہیں۔ غالباً اسی مناسبت سے مصنف یہ باب لائے ہیں جس میں قصد یعنی اعتدال و میانہ روی کا مضمون ہے اور یہ اس لئے تاکہ عمل پر موانعت و مداخلت ہو سکے۔ افراط کی صورت میں کسی کام پر مداومت مشکل ہے، اور اصل یہی ہے کہ جو نیک کام شروع کیا جائے اس کو نباہنے کی کوشش کی جائے خیر اللعل ما دیم علیہ، کان رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم

علیہ چونکہ آپ اس طرح بیٹے تھے کہ داہنی کروٹ لینے کی صورت میں استقبال قبلہ ہو جائے تو ایک تکبیر پر تینوں کے سر رکھنے کی شکل بظاہر یہ ہوگی کہ تکبیر طویل میں شرقاً و غرباً رکھا ہوا تھا اور عرض اس کا جنوب و شمال میں تھا۔ آپ اور حضرت میمونہ تکبیر کے طول میں سر رکھ کر اس طرح بیٹے کہ سر مغرب کی جانب اور قدمین مشرق کی جانب ہو گئے۔ اور ابن عباس تکبیر کے عرض کی اس جانب جو شمال کی طرف تھا بجانب شمال پاؤں پھیلا کر لیٹ گئے۔ کیونکہ اگر عرض کی اس جانب میں بیٹیں گے جو بجانب جنوب ہے تو پاؤں قبلہ کی جانب ہو جائیں گے، کیونکہ مدینہ میں قبلہ بجانب جنوب ہے۔

اِذَا عَمِلَ عَمَلًا اَثْبَتَهُ -

باب کی پہلی حدیث کا مطلب یہ ہے کہ نفلی عبادات خواہ وہ نماز ہو یا کوئی اور عمل اتنی ہونی چاہئے جس کا تحمل ہو سکے۔ اس لئے کہ اگر کوئی عمل محل سے زائد شروع کیا گیا تو یقیناً آدمی کی طبیعت اس سے اکتائے گی اور وہ اس کے ترک پر مجبور ہوگا، اور جب وہ عمل مجبور و متروک ہوگا تو منجانب اللہ اس پر جو ثواب ملتا تھا وہ بھی موقوف ہو جائیگا۔ فان الله لا يَمَلُّ حَتَّى تَمَلُّوا میں منفرہ مشاکلہ کو استعمال کیا گیا ہے، مثل قوله تعالیٰ وجزاء سینیۃ سینیۃ مثلہا، ظاہرات ہے کہ برائی کا بدلہ اگر برابر برابر ہو تو وہ خود برائی نہیں ہے لیکن وہ چونکہ صورت اس کے مشابہ ہوتا ہے اس لئے اس کو سینیۃ کہہ دیا گیا، مثلاً اور سائنہ، مخبر مترادف الفاظ ہیں اکتانا، تنگ دل ہونا، یہاں اس کے لازمی معنی مراد ہیں یعنی ترک، قال صاحب المنہل وفيہ دلیل للبحر علی ان قیام کل اللیل مکروہ وکرہہ مالک اولائم قال لا باس بہ ما لم یضرب ذلک بصلوۃ الصبح انتہی

عن علقمۃ قال سألت عائشۃ کیف کان حمل رسول الله صلى الله عليه وسلم کَانَ عَمَلُهُ وَيَمْنَعُهُ
ویمۃ المطر الدائم فی سکون آہستہ آہستہ مسلسل بارش، جس کو بارش کی جھڑی کہتے ہیں، جو برسات کے موسم میں کبھی کبھی لگتی ہے
باب کی یہ آخری حدیث متفق علیہ ہے اور ترمذی میں بھی ہے (قال المنذری)

دو حدیثوں میں دفع تعارض | اگر کوئی کہے کہ کان مللہ دیمۃ یہ حدیث اس حدیث متفق علیہ کے خلاف ہے جس میں یہ ہے عائشہ فرماتی ہیں کان یصوم حتی نقول لا یفطر ویفطر حتی نقول لا یصوم، بعض مہینوں میں آپ مسلسل روزہ رکھتے اور بعض میں مسلسل افطار فرماتے، جواب یہ ہے کہ مقصد تو یہ ہے کہ آپ کے اعمال میں دوام اور تسلسل ہوتا تھا، یہ بھی تو تسلسل اور دوام ہی کی ایک صورت ہے، آپ کی عادت مستمر یہ تھی کہ کسی زمانے میں صوم کا تسلسل اور کسی میں افطار کا تسلسل ہمیشہ اسی طرح ہوتا رہا یہ نہیں کہ ایک بار تسلسل ہو کر ختم ہو جائے اور پھر شروع نہ ہو،

باب تفریع ابواب شہر رمضان

یعنی ماہ رمضان سے متعلق ابواب و احکام کی تفصیل و تجزیہ منجملہ ان احکام کے ایک صلوۃ التراويح ہے۔ چنانچہ سب سے پہلے اسی کو بیان کرتے ہیں،

باب فی قیام شہر رمضان

قیام اللیل کا اطلاق تہجد کی نماز پر اور قیام رمضان کا اطلاق تراویح پر ہوتا ہے، جیسا کہ حدیث میں ہے، من صام رمضان وقام غفرلہ ما تقدم من ذنبہ -

لفظ رمضان کے استعمال کا طریقہ اور وجہ تسمیہ | مصنف نے شہر رمضان کہا صرف رمضان نہیں کہا، امام بخاری نے

ترکتاب الصوم کے شروع میں اس پر مستقل باب قائم کیا ہے بل یقال رمضان اذ شہر رمضان ومن رأى كنه واسعا وصل
ایک روایہ ضعیفہ میں ہے جس کی تخریج ابن عدی نے الکامل میں کی ہے حضرت ابوہریرہ سے مروی ہے انھوں نے فرمایا کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا کہ رمضان
اسم من اسماء اللہ تعالیٰ ولكن قولوا شہر رمضان۔ چنانچہ مالکیہ کا مسل اسی پر ہے ان کے نزدیک بغیر اضافہ شہر کے اس کا استعمال
مکروہ ہے۔ اور بہت سے شافعیہ یہ کہتے ہیں کہ وجود قرینہ کی صورت میں مطلق رمضان بولنا جائز ہے ورنہ مکروہ ہے، مثلاً جبار
رمضان، دخل رمضان کہنا مکروہ ہے، اور قسار رمضان کہنا صحیح ہے۔ لیکن عند المجہور ہر صورت میں صحیح ہے

رمضان کی وجہ تسمیہ میں دو قول ہیں (۱) یہ رمضان یعنی شدۃ الحر سے ماخوذ ہے۔ جب اہل عرب نے اسکا شہور کو لغت قدیمہ
سے نقل کیا اور مبینوں کے نام ازسرنو ان زمانوں اور موسموں کے اعتبار سے تجویز کئے جن میں وہ بیٹے واقع ہوتے تھے تو جس ماہ کا
نام رمضان تجویز کیا اس وقت وہ مہینہ گرمی میں واقع تھا، (۲) اور دوسرا قول یہ ہے کہ چونکہ یہ ماہ یعنی اس کے احوال و وظائف
ذنوب کا رمض یعنی حرق کر دیتے ہیں اسی لئے اس کو رمضان کہا گیا یعنی گناہوں کو جلا دینے والا مہینہ،

من صام رمضان وقامہ ایماناً واحتساباً۔ ایمان کے لغوی معنی تصدیق کے ہیں

یعنی جو شمس رمضان کے روزے اور اس کی تراویح اعتقاد اور تصدیق کیساتھ عمل میں لائے روزے
شرح حدیث کی تصدیق یہ ہے کہ اس کو فرض اور رکن اسلام سمجھ کر رکھے، اور تراویح کی تصدیق یہ ہے کہ اس کو
رسول اللہ کی سنت سمجھے۔ حاصل اس کا یہ ہے کہ ان دونوں کاموں کو اعتقاد اور عظمت و اہمیت کے ساتھ کرے سرسری طور
سے محض مادۃ و تقریحا نہیں۔ اور احتساب کے معنی میں طلب ثواب کے، یعنی یہ کام صرف حسبۂ بقدر کرے۔

غفرلہ ما تقدم من ذنبہ اور مسند احمد کی ایک روایت میں وما تأخر کی زیادتی ہے۔ اس کے اگلے پچھلے سب گناہ
معاف ہو جاتے ہیں۔ ابن المنذر نے اس کو کرم پر محمول کیا ہے خواہ وہ گناہ صغائر ہوں یا کبائر، امام نووی فرماتے ہیں مجہول اہل سنت
والجماعت نے اس کو صغائر کے ساتھ مقید کیا ہے اس لئے کہ کبائر بغیر توبہ واستغفار کے محض حسنات سے معاف نہیں ہوتے،
یعنی صرف حسنات پر کبائر کی معافی کا کوئی وعدہ نہیں، اللہ تعالیٰ اپنی طرف سے معاف فرمادیں وہ امر آخر ہے (دیغفر مادون
ذلك لمن يشاء) اور کبائر میں بھی جو حقوق العباد کے قبیل سے ہیں وہ بغیر اصحاب الحقوق کی معافی کے معاف نہیں ہوتے (الا یہ کہ
اللہ تعالیٰ اپنی طرف سے صاحب حق کو راضی کر دیں کچھ دیکر)

فتوٰی رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم والا مر علی ذلك ثم كان الا مر علی ذلك فی خلافة ابی بکر

وصدا من خلافة عمر

روایات الباب کا تجزیہ مصنف قیام رمضان کے بارے میں تین صحابہ کی روایات لائے ہیں، ابوہریرہ، عائشہ
صدیقہ، ابوذر، ابوہریرہ کی حدیث میں تو صرف تراویح کی ترفیل اور اس کی فضیلت
نکدہ ہے، آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کی تراویح پڑھنے کا اس میں ذکر نہیں، حدیث عائشہ میں گو آپ کی تراویح پڑھنے کا ذکر ہے لیکن

صرف درات میں اور تیسری حدیث یعنی حدیث ابو ذر میں تفصیل ہے وہ یہ کہ آپؐ پورے ماہ رمضان میں تین مرتبہ تین راتوں میں تراویح پڑھائی، لیکن عائشہؓ کی حدیث جو بخاری میں ہے اس میں بھی تین مرتبہ تراویح پڑھانا مذکور ہے، لہذا کہا جائیگا کہ ابو داؤد میں عائشہؓ کی روایت مختصر ہے۔ دوسرا فرق ان دونوں روایتوں میں یہ ہے کہ حضرت عائشہؓ کی حدیث سے بظاہر معلوم ہوتا ہے کہ آپؐ نے تراویح در راتوں میں تو ایسا (بلا فصل کے) پڑھائی، اور ابو ذر کی حدیث میں تصریح ہے کہ آپؐ تراویح لیالی مفصولہ میں پڑھائی (در میان میں ایک رات چھوڑ کر) لیکن چونکہ عائشہؓ کی حدیث میں وصل کی تصریح نہیں اس لئے اس کو بھی فصل ہی پر محمول کیا جائیگا تاکہ تعارض نہ ہو۔

تراویح کی ابتداء بہر کیف اس روایت مفصلہ میں یہ ہے کہ آپؐ نے ایک مرتبہ رمضان کی تیسویں شب میں صحابہ کرام کو ٹلٹیل تک مسجد میں جماعت سے نماز پڑھائی، پھر چوبیسویں شب میں صحابہ نے آپؐ کا انتظار کیا لیکن آپؐ حجرہ الحصر (اپنے معتکف) سے باہر تشریف نہیں لائے، پھر چوبیسویں شب میں آپؐ نے نصف لیل تک نماز پڑھائی اور چوبیسویں شب میں نہیں پڑھائی، پھر تیسری مرتبہ ستائیسویں شب میں بڑے اہتمام سے مردوں و عورتوں کو جمع فرما کر شروع رات سے لیکر اخیر رات تک پڑھائی حتیٰ کہ بعض صحابہ کو یہ اندیشہ ہوا کہ سحری کھانے کا بھی موقع ملے گا یا نہیں، حتیٰ خشیتاً ان تلقوننا الفلاح فلعل سے مراد سحری _____ اس کے بعد جاننا چاہئے کہ یہاں پر دو بحثیں ہیں، (۱) نفس تراویح (۲) عدد رکعات تراویح۔ نفس تراویح کے سلسلہ میں تو گذر چکا کہ حضورؐ نے اس پر مواظبت نہیں فرمائی بلکہ صرف تین رات میں پڑھنا ثابت ہے گو آپؐ کا یہی چاہتا تھا کہ اس پر مواظبت کی جائے مگر خوف انصراف کی وجہ سے مواظبت نہیں فرمائی، (فتاۃ) مولانا عبدالحی صاحب التعلیق المحمدیؒ میں تحریر فرماتے ہیں کہ آپؐ نے اگرچہ اس پر علناً مواظبت نہیں فرمائی لیکن مواظبت کے محبوب اور پسندیدہ ہونے کو ظاہر فرمایا ہے، پس یہ بھی ایک قسم کی مواظبت ہے، یعنی مواظبت حکمیہ، اور سنیت کا مدار مطلق مواظبت پر ہے لہذا اس سے مستفاد ہوا کہ تراویح سنت مؤکدہ ہے۔ اور یہی بات بعینہ جماعت کے بارے میں کہی جائے گی کہ آپؐ اسی نماز کو ہمیشہ جماعت ہی کے ساتھ پڑھانا چاہتے تھے، لہذا اس نماز کے لئے جماعت بھی سنت ہوئی۔ نیز آپؐ جملہ لیالی رمضان میں اس کو پڑھانا چاہتے تھے اس سے معلوم ہوا کہ یہ تمام رمضان کی سنت ہے۔ نہ جیسا کہ بعض فقہار سے منقول ہے کہ تراویح رمضان میں بعد ختم قرآن کے سنت ہے اس کے بعد مستحب۔ انتہی کلام

بحث ثانی _____ یعنی عدد رکعات کی دو شکلیں ہیں، اول عدد رکعات فی العہد النبوی، دوم عدد رکعات فی العہد الفاروقی،

(عدد رکعات فی العہد النبوی) صاحب بذل الجہد فرماتے ہیں آپؐ سے لیالی ثلثہ میں جو تراویح پڑھانا کتب صحاح میں مروی ہے ان میں تعداد رکعات کیا تھی؟ صحاح کی روایات اس سے ساکت ہیں، البتہ عہد فاروقی میں جو تراویح ہوتی تھی اس کی تعداد رکعات روایات میں مذکور ہے۔ انتہی

پھر اس کے بعد حضرت نے ان روایات کو ذکر فرمایا ہے۔ میں کہتا ہوں کہ اہل حدیث کو یہ بات تسلیم نہیں کہ صحاح میں حضورؐ کی تعداد رکعات مذکور نہیں۔ وہ صحیح بخاری و مسلم کی وہ حدیث جو سنن ابوداؤد میں بھی گزر چکی جس میں حضرت عائشہؓ فرماتی ہیں ما کان رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم یزید فی رمضان ولا فی غیرہ علی احدی عشر رکعة وہ اس کو عام مانتے ہیں اور کہتے ہیں تراویح کی نماز اس کے علاوہ کوئی دوسری مستقل نماز نہیں ہے۔ لیکن چارے اکثر علماء کو اس سے اتفاق نہیں۔ چنانچہ لایع الدراری میں حضرت گنگوہی سے منقول ہے کہ اس حدیث میں حضورؐ کا دائمی معمول بیان کیا گیا ہے۔ تراویح جو کہ ماہ رمضان کے ساتھ خاص ہے وہ اس سے علیحدہ ہے

نیز صحاح ستہ کے علاوہ دوسری کتب حدیث میں آپؐ کی رکعات کی تعداد موجود ہے۔ چنانچہ اس سلسلہ میں درود جابرؓ میں اول حدیث جابرؓ صلی رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم فی رمضان لیلة ثمان رکعات والوتر رواہ محمد بن جریر فی قیام اللیل۔ درود امین غزیریہ وابن حبان فی صحیحہا قال النبیوی فیہ عیسیٰ بن حارثہ و یوسف بن عیسیٰ بن حارثہ۔ ثانی حدیث ابن عباس رضی اللہ عنہما کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم یصلی فی شہر رمضان فی غیر جماعۃ عشرین رکعة رواہ ابن ابی شیبہ و عبد بن حمید فی مسندہ والطبرانی فی معجمہ الکبیر قال البیہقی تفرد بہ ابو شیبہ ابراہیم بن عثمان (جد ابی بکر بن ابی شیبہ) و یوسف بن عیسیٰ بن حارثہ۔ مولانا حبیب الرحمن الاغظی کی عدد رکعات تراویح کے سلسلے میں ایک مستقل تالیف ہے (ادو) وہ تحریر فرماتے ہیں اس میں اختلاف ہے کہ حضور اقدس صلی اللہ علیہ وسلم کے قول یا فعل سے عدد رکعات ثابت ہے یا نہیں؟ اس میں دو جماعتیں ہیں، ایک جماعت جس میں ابن تیمیہ، علامہ سیوطی، علامہ سبکی وغیرہ ہیں وہ ثبوت کے قائل نہیں اور دوسری وہ جو قائل ہے۔ اس میں مولانا قاضی خان اور امام محمدی کو شمار کیا ہے۔ نیز وہ تحریر فرماتے ہیں کہ اس سلسلے میں ابن عباس کی حدیث کو پیش کرنا غلط نہیں ہے وہ روایت اتنی ضعیف نہیں ہے کہ اس کو بالکل نظر انداز کر دیا جائے، وہ گو سند ضعیف ہے لیکن امت نے اس کی تلقین بالقبول کی ہے۔ چنانچہ عہد فاروقی سے لیکر اب تک اس پر عمل ہو رہا ہے۔

ادھر طرف الشذی میں مولانا انور شاہ کشمیری کی رائے یہ لکھی ہے کہ آپؐ سے تراویح آٹھ رکعات ہی ثابت ہے اور آپؐ

مذہب اس حدیث کی سند میں امام ابوبکر بن ابی شیبہ کے دادا ابراہیم بن عثمان ابو شیبہ البغسی الکوفی قاضی واسطہ ہیں۔ حافظ نے تقریب میں ان کو مرتکب لکھا ہے، ترمذی ابن ماجہ کے رواد میں سے ہیں، میزان الاعتدال میں ہے کذب شیعہ وعن ابن معین یس ثقتہ وقال احمد ضعیف۔ قال البخاری سکتوا عنہ احد معلوم ہوا امام بخاری اور امام احمد نے اس کی شدید تضعیف نہیں کی اسی طرح ترمذی کتاب التلخیص فی باب فی الفراءۃ علی الجنازة بغایت۔ الکتاب کی حدیث کی سند کے رواد میں یہ ابراہیم بھی ہے تو اس کے بارے میں مصنف فرماتے ہیں یس سندہ بذاك القوی (اس حدیث کی سند کچھ زیادہ قوی نہیں ہے) لہذا مولانا الاغظی کا یہ فرمانا کہ یہ حدیث ایسی ضعیف نہیں ہے کہ اس کو بالکل ہی نظر انداز کر دیا جائے بالکل صحیح ہے

سے رمضان میں تہجد و تراویح دو نمازیں الگ الگ ثابت نہیں ہیں بس ایک ہی نماز تھی جو غیر رمضان میں تہجد اور ماہ رمضان میں تراویح کہلاتی ہے۔ فرق ان دونوں میں صرف یہ تھا کہ تراویح کی رکعات میں طول زیادہ ہوتا تھا اور وہ باجماعت مسجد میں رات کے شروع حصے میں ہوتی تھی اور تہجد کی نماز اخیر شب میں بغیر جماعت کے۔ نیز عرف الشذی میں لکھا ہے کہ اس میں بھی شک نہیں کہ ائمہ اربعہ میں سے کسی کے یہاں تراویح بیس رکعات سے کم نہیں بلکہ امام مالک کے نزدیک تو چھتیس رکعات ہیں (جس کی وجہ آگے آئے گی)، ان حضرات ائمہ اربعہ کا مؤخذ علی عمر فاروق ہے جس کی امت نے تلقی بالقبول کی ہے۔

عدد و رکعات فی التہجد الفاروقی ————— موطا مالک میں ہے حضرت عمرؓ نے اپنے زمانے میں ابی بن کعب اور تمیم داری رضی اللہ تعالیٰ عنہما کو حکم فرمایا کہ وہ دونوں مل کر لوگوں کو تراویح پڑھایا کریں، علامہ زرقانی فرماتے ہیں سنن سعید بن منصور میں ہے کہ حضرت عمرؓ نے ابی بن کعب کو امام الرجال اور تمیم داری کو امام النساء مقرر فرمایا، اور محمد بن نصر کی "قیام اللیل" میں بجائے تمیم کے سلیمان بن ابی حمزہ کا نام مذکور ہے، حافظ ابن حجر فرماتے ہیں شاید یہ اختلاف اوقات کا فرق ہے۔

پھر اس میں اختلاف ہے کہ ابی بن کعب کتنی رکعات پڑھاتے تھے۔ موطا مالک میں بطریق مالک سائب بن یزید کی روایت ہے کہ انہ کان یصلی بہما احدی عشر رکعة، لیکن حافظ ابن عبد البر نے اس کو کوہم قرار دیا ہے اور فرمایا کہ موطا کی روایت کے ساتھ مالک متفرد ہیں، اس کے علاوہ سائب بن یزید کی روایت کے جملہ طرق میں احدی وعشرین رکعة وارد ہے، یا پھر اس کی تاویل کی جائے کہ ابتداء میں گیارہ رکعات پڑھاتے ہوں گے بعد میں اکیس پر استقرا ہو گیا۔ علامہ زرقانی فرماتے ہیں تاویل ہی مناسب ہے، وہم قرار دینا صحیح نہیں، اس لئے کہ مالک اس کے ساتھ متفرد نہیں ہیں، بلکہ سنن سعید بن منصور میں غیر طریق مالک سے بھی احدی عشر رکعة مروی ہے، انتہی۔ باقی یہ صحیح ہے کہ اکثر روایات میں سائب سے احدی وعشرین رکعة ہی مروی ہے چنانچہ بیہقی نے بسند صحیح سائب بن یزید سے روایت کیا کہ کانوا یقومون علی عہد عمر بعشرین رکعة وعلی عہد عثمان وعلی مشاہدہ اسی طرح سائب بن یزید کی روایت مصنف ابی بکر بن ابی شیبہ اور محمد بن نصر کی "قیام اللیل" میں ہے کہ کانوا یقومون فی عہد عمر بعشرین رکعة (یہ کلام تو سائب کی روایت سے متعلق تھا) ————— دوسری روایت موطا میں یزید بن رومان کی ہے کہ کان الناس یقومون فی زمان عمر بن الخطاب فی رمضان بثلاث وعشرین رکعة۔

ان کے علاوہ بھی سنن بیہقی اور مصنف ابی بکر بن ابی شیبہ میں متعدد روایات و آثار ہیں، جن کو علامہ شوق نیوی نے آثار السنن میں اور وہاں سے بعض کو اوجز المسالك اور بذل الجہود میں نقل کیا ہے۔

اسی طرح امام ترمذی فرماتے ہیں، واكثر اهل العلم علی ما روی عن عمر وعلی وغیرہما من اصحاب النبی

صلی اللہ علیہ وسلم عشرین رکعة

علہ کذا فی المنہل لیکن اس روایت میں عہد عثمان وعلی کا اضافہ درج ہے تصانیف بیہقی میں نہیں ہے قالہ النبیوی فی تعلیق آثار السنن لیکن

آگے امام ترمذی کے کلام میں عمرؓ کے ساتھ علی کا لفظ آ رہا ہے ۱۲

مجموعہ روایات اور کلام شراح کو سامنے رکھنے سے معلوم ہوتا ہے کہ عہد فاروقی میں ابتداءً گیارہ رکعات ہوتی تھیں رکعات کے طول کے ساتھ چنانچہ موطائیں ہے وکان البقارئی یقرأ بالمشین حتی کنا نفتحہ علی المصنوع من طول القيام ثم کہ ایک ایک رکعت میں تترتو آیات امام پڑھتا تھا حتی کہ بعض لوگ نماز میں لکڑی کے سہارے سے کھڑے ہوتے تھے اور صبح صادق کے قریب تراویح سے فراغت ہوتی تھی۔ علامہ زرقاتی ابن حبان سے نقل کرتے ہیں ابتداءً میں تراویح گیارہ رکعات تھی قراۃ طویلہ کے ساتھ جب لوگوں کو اس میں گرانی ہونے لگی تو قراۃ میں تخفیف کر دی گئی اور اس کے بجائے رکعات میں اضافہ کر دیا گیا۔ اور قراۃ متوسطہ کے ساتھ علاوہ وتر کے بیس رکعات ہونے لگی، پھر مزید قراۃ میں تخفیف کی گئی اور رکعات میں اور اضافہ کر کے ان کو چھتیس کر دیا گیا وتر کے شفعہ کے علاوہ اور کل انتالیس رکعات ہو گئیں۔ چنانچہ اہل مدینہ کا عمل اسی پر تھا۔

اور امام نووی فرماتے ہیں کہ اہل مدینہ کے اس اضافہ کی وجہ یہ ہوئی کہ اصل اہل مکہ تراویح کی بیس رکعات پڑھتے تھے اور ہر چار رکعت کے بعد ترویجہ میں بیت اللہ شریف کا طواف کرتے تھے اور آخری یعنی ترویجہ خامسہ کے بعد نہیں کرتے تھے (لہذا تراویح کے درمیان میں ان کے چار طواف ہو جاتے تھے) اہل مدینہ نے اہل مکہ کی رسمیں یہ کیا کہ ایک طواف کے مقابلہ میں چار رکعات کر کے چار طوافوں کے بدلہ میں سولہ رکعات کا اضافہ کر دیا، جس سے تراویح کی رکعات بجائے بیس کے چھتیس ہو گئیں (من المنہل) عرف الشذی میں لکھا ہے کہ اہل مدینہ ہر چار رکعات کے بعد ترویجہ میں منفرداً منفرداً چار چار رکعات پڑھتے تھے جس طرح اہل مکہ ہر ترویجہ کے بعد ایک طواف کرتے تھے۔ پھر لکھتے ہیں کہ عہد فاروقی میں تعداد رکعات روایات تو یہ سے چار طرح ثابت ہے، گیارہ رکعات، تیرہ رکعات، اکیس رکعات، تیس رکعات مع اوتر لیکن اخیر میں استقرار عشرین رکعات پر ہی ہوا، اور وہ جو شیخ ابن الہمام فرماتے ہیں کہ بیس رکعات میں آٹھ سنتہ ہیں اور باقی بارہ رکعات مستحب ہیں لم یقل بہ أحد بلکہ صحیح یہ ہے کہ خلفائے راشدین کی سنتہ بھی سنتہ الشریعہ ہے (شرعی طریقہ سنتہ نبوی) اصولیین نے تصریح کی ہے کہ حضور کا طریقہ اور آپ کے خلفاء کا طریقہ بھی سنت کا مصداق ہے اور حدیث شریف میں ہے علیکم بسنتی وسنتہ الخلفاء الراشدین لہذا عمل فاروق بھی سنت ہے۔ انتہی

اور مولانا عبدالحی المتعلیق المجدد میں حدیث عائشہؓ ماکان یزید فی رمضان ولا فی غیرہ علی احدی عشرۃ رکعۃ کے تحت حدیث ابن عباسؓ عشرین رکعۃ والی کو ذکر فرماتے کے بعد لکھتے ہیں، اور وہ جو بعض علماء جیسے زلفی، ابن الہمام، سیوطی، زرقاتی نے کہا ہے کہ یہ حدیث ابن عباسؓ باوجود ضعف کے عائشہؓ کی حدیث صحیح کے معارض ہے لہذا صحیح کو اختیار کرتے ہوئے غیر صحیح کو مطروح قرار دیا جائیگا (ان حضرات کی) یہ بات منظور نہیں ہے اس لئے کہ اگرچہ یہ درست ہے کہ حدیث ابن عباسؓ ضعیف اور حدیث عائشہؓ صحیح ہے، لیکن راجح کا افذا اور مرجوح کا ترک اس وقت متعین ہے جبکہ جمع بین الرادیتین ممکن نہ ہو اور یہاں ایسا نہیں ہے بلکہ جمع کی شکل یہ ہے کہ یوں کہا جائے حدیث عائشہؓ غالب حال پر محمول ہے کما صرح بہ الباجی وغیرہ فی شرح الموطا اور حدیث عائشہؓ قال القسطلانی فی شرح البغاری وجمع الہیبتی منہا بانہم كانوا یقومون باحدی عشرۃ ثم قاموا بعشرین وادروا بثلاث، وقد عدوا ما وقع فی

زمزم سر رضی اللہ تعالیٰ عنہ کا لا جماع اھ (تعلیق آثار السنن)

ابن عباس بعض احیان پر انتہی۔

(فائدہ) سنن ابوداؤد میں باب القنوت فی الوتر میں ایک روایت ہے جس میں عہد فاروقی کی تراویح کا ذکر ہے، اس میں ہمارے نسخہ میں تو اس طرح ہے ان عمربن الخطاب رضی اللہ عنہ جمیع الناس علی ابی بن کعب فکان یصلی لہم عشرين لیلة ولا یقت بہم الا فی النصف الباقی لیکن سنن ابوداؤد کا وہ نسخہ جو مطبع مجتبائی میں حضرت شیخ البندک تصحیح کے ساتھ طبع ہوا ہے، اس نسخہ کے حاشیہ پر اور اسی طرح بذل الجہود کے حاشیہ پر بھی نسخہ کی علامت بنا کر عشرين لیلة کے بجائے عشرين رکعة ہے اسی جگہ حاشیہ پر یہ عبارت بھی لکھی ہے کہ ذاتی نسخہ مرقومہ علی الشیخ مولانا محمد اسحاق رحمہ اللہ تعالیٰ۔ لہذا کہہ سکتے ہیں کہ سنن ابوداؤد میں عہد فاروقی کی تراویح کی تعداد عشرين رکعة مذکور ہے۔

سید منصور بن علی ناصف (من علماء الازہر) التاج الجامع للاصول فی احادیث الرسول کے مترتب و مصنف خود اس کی شرح میں کہتے ہیں "ان روایات مختلفہ میں کوئی تعارض نہیں ہے جو سکتا ہے اولاً صحابہ کرام قلیل رکعات پر اکتفا کرتے ہوں پھر بعد میں ان کی یہ رائے ہوئی ہو کہ یہ صلوۃ اللیل ہے جس میں کوئی تحدید نہیں ہے۔ حضور صلی اللہ علیہ وسلم بھی اس کے طول کو بتدریج بڑھاتے رہے جتنی کہ تیسری رات میں اخیر شب تک اپنے یہ نماز پڑھی، کافی حدیث ابی ذر رضی اللہ عنہ اس لئے ان حضرات نے بھی تراویح کی بیس رکعات کر دیں، اور پھر اسی پر مداومت کی۔ پس یہ صحابہ کرام کی اجماعی رائے ہوئی جس کو انھوں نے فعل حسن سمجھ کر اختیار کیا۔ فہو عند اللہ حسن لحدیث ہمارا المؤمنون حسنا فہو عند اللہ حسن رواہ الامام مالک رحمہ اللہ تعالیٰ۔ پس اس وقت تمام بقاء اسلامیہ کا مدار تراویح میں بیس رکعات پر ہے۔ انتہی۔

فقلت یا رسول اللہ لو نقلتہا قیام ہذا اللیلۃ قال فقال ان الرجل اذا صلی مع الامام حتی ینصرف حیسب لہ قیام لیلۃ آپ نے دوسری رات میں تراویح نصف لیل تک پڑھائی۔ اس پر ابو ذر رضی اللہ عنہ نے زیادتی کی درخواست کی کہ اگر اس پر آپ کچھ اور اضافہ فرمادیں تو کیسا اچھا ہو!

شرح حدیث

آپ نے فرمایا کہ آدمی جب فرض نماز (عشاء و فجر) امام کے ساتھ یعنی جماعت سے پڑھتا ہے پھر تک کہ امام نماز سے فارغ ہو یعنی پوری نماز پڑھ لے تو اس کو پوری رات قیام کا ثواب ملتا ہے، لہذا جب تم لوگ عشاء و فجر میرے ساتھ جماعت سے پڑھتے ہو تو پوری رات کا ثواب تو مل ہی گیا اور اس تراویح کا ثواب مزید بڑا رہا (پھر در کیا چاہیے) دوسری شرح اس حدیث کی یہ ہے اذ اصلی مع الامام سے مراد تراویح کی نماز ہے کہ جو شخص امام کے پیچھے پوری تراویح پڑھ لے (ایسا نہ ہو کہ درمیان میں چھوڑ کر چلا جائے۔ بلکہ اس کے دل میں یہ ہو کہ جب تک بھی امام نماز پڑھائے گا ہم اس کے پیچھے پڑھتے ہی رہیں گے) تو اس صورت میں اس شخص کو پوری رات نماز پڑھنے کا ثواب ملتا ہے۔ سبحان اللہ دیکھئے نیت المؤمن خیر من عملہ یہ دوسرا مطلب زیادہ صحیح معلوم ہوتا ہے۔ حضرت نے بذل میں اسی کو ترجیح دی ہے۔ اس میں "حتی ینصرف" یہ جملہ اس مطلب کے زیادہ مناسب ہے۔

کان اذا دخل العشر احیی اللیل وشد المیز آپ عشرہ اخیرہ میں احیاء لیل فرماتے یعنی رات کا اکثر حصہ عبادت میں گذارتے۔ اور ازار مضبوطی سے باندھ لیتے اس سے یا تو ظاہری معنی یعنی اعتزال عن النساء مراد ہے کہ اپنا ازار کس کر باندھ لیتے تھے اور (مبستری کے لئے) جلی ازار نہ فرماتے تھے، اور یا اس سے تشبیہ ازار اور مجاہدہ فی العبادت مراد ہے۔ اس لئے کہ مزدور جب اپنا کام شروع کرتا ہے تو تنگی وغیرہ اچھی طرح ادھر کو کر کے باندھ لیتا ہے

حدثنا احمد بن سعید الهمدانی فقال النبی صلی اللہ علیہ وسلم اصابوا ونعم ما اصابوا۔

آپ نے فرمایا ٹھیک کر رہے ہیں اور بہت ہی اچھا کر رہے ہیں۔

اس سے معلوم ہوتا ہے کہ حضرت ابی بن کعب نے حضور کے زمانہ میں بھی تراویح کی امامت کی ہے **ایک اشکال وجواب** یہ بات روایات شہیرہ کے خلاف ہے۔ مشہور روایات سے تو یہ معلوم ہوتا ہے کہ حضور کے زمانہ میں تو حضور نے تراویح خود بنفس نفیس پڑھائی ہے اور ابی بن کعب کو امام تراویح حضرت عمر نے اپنے دور خلافت میں بنایا تھا۔ اس کا ایک جواب تو یہ ہے کہ اس حدیث کی سند میں مسلم بن خالد الزنجی ہے جو ضعیف ہے (کما قال المصنف) اور دوسرا جواب یہ دیا گیا ہے کہ حضرت عمر کے زمانہ میں تو ابی بن کعب کو انھوں نے باقاعدہ امام تراویح بنایا تھا اور حضور کے زمانہ میں وہ از خود مختصر سی جماعت کو اپنی ساتھ لیکر تراویح پڑھا دیتے تھے۔ لہذا یہ بات اس مشہور راہ کے خلاف نہیں ہے۔ الحمد للہ تراویح کا باب پورا ہوا

باب فی لیلة القدر

ما قبل سے مناسبت لیلة القدر کو بعض محدثین کتاب الصلوۃ میں ذکر کرتے ہیں جیسا کہ مصنف نے کیا اور ایسا ہی امام مسلم نے کیا۔ اور بعض مصنفین اس کو کتاب الصوم میں ذکر کرتے ہیں کما فعل الامام البخاری والامام الترمذی وکل وجہ، اگر یہ دیکھا جائے کہ اس رات کا وقوع ماہ رمضان میں ہوتا ہے اس لحاظ سے کتاب الصوم اس کے مناسب ہے۔ اور اگر یہ دیکھا جائے کہ اس شب کا جو اہم عمل اور وظیفہ ہے یعنی نماز و نوافل تو اس کے مناسب کتاب الصلوۃ ہے

وجہ تسمیہ لیلة القدر کی وجہ تسمیہ میں دو قول ہیں (۱) قدر بمعنی التقدير اس لئے کہ اس شب میں بعض سالانہ نگوینی امور و احکام طے ہوتے ہیں آجال و ارزاق وغیرہ اور فرشتوں کو ان سے مطلع کیا جاتا ہے۔ ہر ایک کی اجل، کہ اس سال میں کس کس کو مرنا ہے اور کس کو کتنی روزی ملے گی،

(۲) قدر بمعنی مرتبہ یعنی عظیم مرتبہ والی رات، علامہ شامی لکھتے ہیں فقہاء نے تصریح کی ہے کہ یہ رات افضل الیالی ہے سال کی تمام راتوں میں سب افضل، حضرت سعید بن المسیب فرماتے ہیں جو شخص اس رات میں عشاء کی نماز باجماعت پڑھے تو سمجھے کہ اس شخص کو اس رات کی عبادت کا حصہ مل گیا، اور امام شافعی کے کلام میں عشاء و فجر دونوں مذکور ہیں۔ انتہی

لیکن ظاہر ہے کہ کامل حصہ تو اخلاص کے ساتھ پوری رات ہی جاگنے سے حاصل ہوگا۔

(۳) قدر بمعنی تنگی، کمافی قولہ تعالیٰ فظن ان لن نقد علیہ اور تنگی یہاں یا تو علم کے اعتبار سے ہے کہ کسی کو اس شب کا تعین کے ساتھ علم نہیں ہے، اور یا اس لحاظ سے کہ فرشتوں کا اس میں ازدحام ہوتا ہے گویا فضا تنگ ہو جاتی ہے واللہ تعالیٰ اعلم

اس عطیہ خداوندی
کا سبب و منشا

یہ رات انعام خداوندی ہے اس امت پر اس انعام کا سبب ظاہری کیا ہوا موطا مالک کی روایت ہے کہ ایک مرتبہ حضور اقدس صلی اللہ علیہ وسلم نے گذشتہ امتوں کی عمریں کو دیکھا کہ وہ بڑی لمبی لمبی ہوئی ہیں پانچ سو سال سے بھی زائد تو آپ نے خیال فرمایا کہ پھر میری امت کے اعمال ان کے برابر نہیں ہو سکتے تو آپ

سمے اس تاثر پر اس امت کو یہ نعمت عطا کی گئی، یہی تھی اور ابن ابی حاتم نے روایت کیا کہ ایک مرتبہ حضور نے بنی اسرائیل کے ایک شخص کا ذکر فرمایا کہ وہ ایک ہزار سال تک جہاد فی سبیل اللہ کرتا رہا۔ اس پر مسلمانوں کو تعجب ہوا تو اس پر سورہ قدر نازل ہوئی، (النجم ۱۰) منع مشر حد۔

مذکور ہے جس پر امام ترمذی نے غزالیہ کا حکم لگایا ہے۔ اس کا مضمون یہ ہے کہ کسی شخص نے حسن بن علی رضی اللہ عنہما کو طعن دیا ان کی صلح پر حضرت معاویہ کے ساتھ اور کہا مَوَدَّتْ وَجُوۃُ الْمُؤْمِنِیْنَ تو نے مسلمانوں اور بنو ہاشم کا چہرہ سیاہ کر دیا۔ تو اس پر انھوں نے فرمایا ایسا مت کہہ تجھے خبر بھی ہے کہ حضور نے ایک مرتبہ خواب میں اپنے منبر شریف پر امر ابو امیہ کو دیکھا جس سے آپ نکلے ہوئے (لاجل انتقال الخلفاء من بنی ہاشم الی بنی امیہ) تو اس پر اللہ تعالیٰ نے آپ کو لیلۃ القدر عطا فرمائی اور سورہ قدر نازل ہوئی، راوی حدیث کہتا ہے کہ ہم نے ابو امیہ کی مدت خلافت کو حساب لگا کر دیکھا تو وہ ٹھیک ایک ہزار ماہ ہوتی ہے (جس سے حضرت حسنؓ کی بات کی تصدیق ہوئی کہ یہ رات آپ کو خلافت بنی امیہ کے بدلہ میں عطا ہوئی ہے

بذل میں علامہ شامی سے نقل کیا ہے کہ اللہ تعالیٰ جس کو چاہتے ہیں وہ اس رات کو دیکھ بھی لیتا ہے۔ اور جو دیکھے اس کو چاہے کہ اس کا انشاء نہ کرے اور اخلاص کے ساتھ دعا کرے۔ علما نے اس رات کی کچھ علامات بھی لکھی ہیں، باب کی پہلی حدیث میں آگے ان کا ذکر آ رہا ہے،

علم وہ اس طرح کہ بنو امیہ کی خلافت ۴۰ سالہ ہو کر ختم ہوئی ہے، ان کا آخری ضلیف مردان بن محمد ۳۳ھ میں قتل ہوا جبکہ بنو امیہ کی خلافت کا تسلسل ۱۰۰ھ سے شروع ہوتا ہے ایک سو پچیس میں سے چالیس نکالنے کے بعد بانو ۶ سال رہ جاتے ہیں اور چونکہ درمیان میں عبداللہ بن الزبیر کی بھی خلافت آئی ہے جو آٹھ سال اور آٹھ ماہ ہے (جس کو نکالنا ہے) بانو ۶ سال میں سے آٹھ سال اور آٹھ ماہ نکالنے کے بعد تراسی سال اور چار ماہ باقی رہتے ہیں، اور تراسی سال چار ماہ کے پیچھے پورے ایک ہزار ہوتے ہیں (جن کے برابر یہ ایک رات یعنی لیلۃ القدر ہے) لیکن اس پر ایک اشکال ہے وہ یہ کہ عبداللہ بن الزبیر کی مدت خلافت کا استثناء کہاں صحیح ہے۔ ان کی خلافت سے بنو امیہ کی خلافت کا تسلسل ختم نہیں ہوا تھا، ان کے دور خلافت میں جو کہ مجاہد عراقی پر تھی مردان عبدالملک بن مردان کی خلافت شام اور مصر پر قائم رہی۔ واللہ تعالیٰ اعلم۔ (تحفۃ الاصول) احقر کہتا ہے کہ یہ تو صحیح ہے کہ تسلسل منقطع نہیں ہوا تھا لیکن کمال خلافت میں خلل تو واقع ہو گیا تھا، ۱۲

اس شب کی تعیین میں اقوال علماء

اس رات کی تعیین میں بڑا اختلاف ہے۔ بذل میں حافظ ابن حجر سے اس کی تعیین میں چھیالیس قول نقل کئے ہیں۔ ہم ان میں سے جو زیادہ مشہور ہیں اور خصوصاً ائمہ اربعہ کے مابین صرف دو لکھیں گے۔ اس رات کے بارے میں بعض علمائے لکھا ہے کہ یہ اس امت کے ساتھ خاص ہے، ایک قول یہ ہے کہ یہ رات اٹھائی گئی۔ روافض یہی کہتے ہیں کیونکہ ایک روایت میں ہے کہ آپ نے فرمایا **ثَوْرُ فِئْتُ** جواب یہ ہے آپ کی مراد یہ ہے کہ اس رات کی تعیین اٹھائی گئی، اور ایک قول یہ ہے کہ یہ رات حضور صلی اللہ علیہ وسلم کے زمانے میں صرف ایک مرتبہ پائی گئی، عراقی الفضلح میں ہے کہ حضرت عبداللہ بن مسعود کی رائے یہ ہے کہ یہ رات تمام سال میں دائر رہتی ہے اور یہی امام ابوحنیفہ سے مروی ہے۔ محی الدین ابن عربی فتوحات مکہ میں تحریر فرماتے ہیں کہ یہی رائے میری ہے۔ اس لئے کہ میں نے اس کو کبھی شعبان میں اور کبھی ماہ ربیع میں اور اکثر دہشتہ ماہ رمضان میں دیکھا ہے و تراور غیر دو تہ دونوں راتوں میں،

دوسرا قول امام صاحب کا یہ ہے کہ ماہ رمضان میں دائر رہتی ہے۔ یعنی خاص طور رمضان ہی کے ساتھ ہے لیکن متعین نہیں گھومتی رہتی ہے، صاحبین فرماتے ہیں رمضان کے ساتھ خاص ہے اور متعین ہے لیکن معلوم نہیں کہ کونسی ہے۔ اس پر قرعہ اختلاف یہ لکھا ہے کہ اگر کوئی شخص اپنے غلام کے عتق کو لیلۃ القدر پر معلق کرے کہ جب لیلۃ القدر ہو تو وہ آزاد ہے تو اگر اس نے یہ بات مثلاً پندرہ رمضان کو کہی تو صاحبین کے نزدیک اس کا غلام آئندہ سال رمضان کی اسی تاریخ کو آزاد ہوگا، بخلاف امام صاحب کے کہ ان کے نزدیک آئندہ رمضان پورا گزرنے پر عید کی رات کو غلام آزاد ہوگا، کیونکہ ہو سکتا ہے کہ گذشتہ سال جب اس نے عتق کو معلق کیا تھا اس سال یہ رات پندرہ تاریخ سے پہلے ہی گزری ہو اور اس سال یعنی آئندہ سال یہ رات رمضان کے اخیر میں آئے اسلئے جب تک رمضان کا پورا ماہ نہیں گزر جائے گا اس وقت تک عتق واقع نہ ہوگا،

صاحبین کی دوسری روایت یہ ہے کہ یہ رات رمضان کے نصف اخیر میں مستقل ہوتی رہتی ہے، امام شافعی فرماتے ہیں ارجح الیالی اکیسویں شب ہے یعنی سب سے زائد تو رفع اکیسویں شب کے بارے میں ہے، امام مالک واحد فرماتے ہیں عشرہ اخیرہ کی راتوں میں دائر رہتی ہے۔ حضرت ابی بن کعب کے نزدیک ستائیسویں شب متعین ہے جیسا کہ آگے روایت میں آرہے ہیں اور یہی قول مجہور علماء کی طرف منسوب ہے،

فان صاحبنا سئل عنہا فقال من یقیم الحول یصیبہا صاحب سے مراد ابن مسعود ہیں مسلم کی روایت میں اس کی تصریح ہے، وہ یہ فرماتے ہیں کہ جو شخص پورے سال کی راتوں میں قیام کرے وہی بالیقین اس کو پا سکتا ہے (کیونکہ وہ سارے سال میں دائر رہتی ہے) اس پر ابی بن کعب نے فرمایا کہ اللہ تعالیٰ ابن مسعود پر رحم فرمائے ان کو یقین ہے اس بات کا کہ وہ رات ماہ رمضان میں ہے اور ستائیسویں شب ہے لا یشک فیہ یعنی وہ انشاء اللہ بھی نہیں کہتے تھے کیونکہ انشاء اللہ عام طور سے غیر یقینی بات میں بولا جاتا ہے قلت یا ابا المنذر۔ یہ ابی بن کعب کی کنیت ہے اتنی علمت ذلك آپ کو یہ کیسے معلوم ہوا اس شب کی علامات قلت لیز ما الایۃ لیلۃ القدر کی علامت کیا ہے انھوں نے کہا اس کی علامت یہ ہے کہ

اس رات کی صبح کو آفتاب اس طرح طلوع ہوتا ہے جیسے پلیٹ ہوتی ہے کہ جس میں شعاعیں نہیں ہوتیں، اور یہ بھی کہہ سکتے ہیں جیسا کہ بعض روایات میں ہے کہ جو دھوئیں رات کے چاند کی طرح ہوتا ہے، چاند میں بھی شعاعیں نہیں ہوتیں، اور یہ اس لئے کہ اس رات میں ملائکہ کی کثرت ہوتی ہے آسمان سے اترنا اور چڑھنا تو ان کے اجسام لطیفہ اور پر عائل ہو جاتے ہیں جس سے سورج کی روشنی میں کمی آجاتی ہے، علما نے کچھ اور بھی علامات لکھی ہیں، مثلاً یہ کہ رات بہت صاف اور روشن ہوتی ہے جیسے چاند کھل رہا ہو اور اس میں ایک خاص سکون سستا سا محسوس ہوتا ہے نہ اس رات میں زیادہ سردی ہوتی ہے نہ زیادہ گرمی بلکہ معتدل ہوتی ہے، ایک علامت یہ بھی لکھی ہے کہ اس میں رجم شیاطین (ستارے کا ٹوٹ کر شیطان کے گٹنا) نہیں ہوتا ہے، نیز ہر چیز شجر و حجر سجدہ کرتی ہوئی نظر آتی ہے (یہی کل شئی ساجداً) ہر جگہ روشنی اور انوار پائے جاتے ہیں حتیٰ کہ تاریک سے تاریک جگہ میں بھی۔

یہاں حدیث میں جو علامت سورج سے متعلق بیان کی گئی ہے اس میں یہ سوال ہوتا ہے کہ اس علامت کے بیان سے کیا فائدہ ہوایہ تو بعد میں رات گزرنے پر پائی جاتی ہے، جواب یہ ہے کہ فائدہ یہ ہے کہ جس کو یہ رات نصیب ہوئی ہوگی وہ اس علامت کو دیکھ کر اللہ کا شکر ادا کرے گا اور آئندہ اس کے حصول میں کوشش کرے گا،

قال كنت في مجلس بني سلمة وانا اصغرهم فقالوا من يسأل لنا رسول الله صلى الله عليه وسلم عن

ليلة القدر..... فنخرجت فوافيت مع رسول الله صلى الله عليه وسلم صلوة المغرب ثم

مضمون حدیث

عبداللہ بن اُنیس انصاری فرماتے ہیں میں ایک دن قبیلہ بنو سلمہ کی ایک مجلس میں شریک تھا اور میں اہل مجلس میں سے سب چھوٹا تھا تو وہ آپس میں کہنے لگے کون ہو جو ہمارے لئے حضورؐ سے جا کر لیلۃ القدر کے بارے میں سوال کرے اور یہ کہیں تاریخ کی صبح کا واقعہ ہے۔ عبداللہ بن اُنیس کہتے ہیں (میں نے سوچا کہ میں امر کام کو انجام دوں) چنانچہ میں اس مجلس سے نکل چلا۔ اور حضورؐ کے ساتھ مغرب کی نماز میں نے پائی، اور نماز سے فارغ ہوتے ہی میں حضورؐ کے حجرہ کے دروازہ پر جا کر کھڑا ہو گیا۔ جب حضورؐ کا وہاں کو گزر ہوا تو مجھ سے فرمایا کہ تم بھی اندر آ جاؤ (بظاہر اس لئے کہ یہ کم عمر تھے) میں بھی اندر داخل ہو گیا اور حضورؐ کے پاس بیٹھ گیا، اتنے میں حضورؐ کے سامنے عشاء (شام کا کھانا) لایا گیا (بظاہر حضورؐ نے کھانے میں شرکت کا اشارہ فرمایا ہوگا) لیکن میں دیکھتا ہوں اپنے آپ کو کہ اپنا ہاتھ روکتا تھا اس کھانے سے بوجہ اس کے قلیل ہونے کے پس جب آپ کھانے سے فارغ ہو گئے تو مجھ سے فرمایا لاؤ درجہ کو میرے جوتے (اس سے معلوم ہوا کہ آپ نے کھانا جوتے اتار کر بیچہ کر نوش فرمایا تھا) آپ نے دریافت فرمایا شاید تم کسی کام سے آئے ہو، بندے نے عرض کیا جی ہاں اور پھر آنے کی عرض بیان کی۔ اس پر آپ نے دریافت فرمایا کہ آنیوالی رات کو نسی رات ہے، میں نے عرض کیا یا یسویں رات ہے آپ نے فرمایا بس یہی لیلۃ القدر ہے (اور یہ فرما کر آگے بڑھ گئے) پھر ذرا پیچھے کو لوٹے اور فرمایا، یا اس کے بعد آنے والی رات یعنی تیسیویں شب ہے،

حدثنا احمد بن يونس نا زهير..... قال قلت يا رسول الله ان لي بادية اكون فيها وانا اصلي

فيها بحمد الله ثم عبداللہ بن اُنیس (وہی گزشتہ حدیث کے راوی) فرماتے ہیں کہ ایک مرتبہ میں نے حضورؐ سے عرض کیا

یا رسول اللہ میرا ایک جنگل ہے (بظاہر کھیت مراد ہے) اسی میں رہتا ہوں اور میں بحمد اللہ تعالیٰ وہاں نماز (اجماعت) پڑھتا ہوں میں یہ چاہتا ہوں کہ رمضان المبارک کی ایک رات یہاں آپ کے پاس مسجد نبوی میں گزاروں تو آپ مجھے بتا دیجئے کہ کونسی رات گزاروں آپ نے تیسویں شب متعین فرمائی۔ ان کے بیٹے کہتے ہیں کہ پھر میرے والد صاحب یہ کرتے کہ بائیس تاریخ کو عصر کی نماز اپنے کھیت پر پڑھ کر وہاں سے چلتے اور مسجد نبوی میں حاضر ہو جاتے۔ اور اس وقت سے لیکر صبح کی نماز تک مسجد ہی میں رہتے۔ صبح کی نماز سے فارغ ہو کر مسجد کے دروازے پر اپنی سواری موجود پاتے اور اس پر سوار ہو کر اپنی قیام گاہ پر واپس آ جاتے

منہل میں لکھا ہے کہ محمد بن نصر کی روایت میں اتنی زیادتی ہے کہ آپ نے ان محالی سے یہ بھی فرمایا کہ اس شب میں یہاں اگر نماز پڑھا کرو۔ پھر اگر جی چاہے تو اخیر ماہ تک اس معمول کو کرتے رہو نہ جی چاہے تو نہ سہی،

عن ابن عباس عن النبی صلی اللہ علیہ وسلم قال التمسوها فی العشاء الا و اخر من رمضان فی تاسعة

تبعی و فی سابعة تبعی و فی خامسة تبعی

شرح حدیث

فی تاسعة تبعی الخ یہ بدل واقع ہو رہا ہے فی العشر سے آپ نے پہلے فرمایا کہ لیلة القدر عشرہ اخیرہ میں تلاش کرو اب آگے یہ اس کا بیان ہے کہ عشرہ اخیرہ کی ان راتوں میں، تاسعة تبعی یعنی باقی رہنے والی راتوں میں سے نویں رات میں (تمناش کرو) اس کا مصداق رائج قول کی بنا پر اکیسویں شب ہے اس لئے کہ میں دن گزرنے کے بعد اب یقینی طور پر جو راتیں باقی رہ گئی ہیں وہ تو ہی ہیں دس کا ہونا تو غیر یقینی ہے، لہذا عشرہ مالک والے مجہور، اس کا مصداق اکیسویں شب تو اس صورت میں ہے کہ آخر ماہ سے راتیں گنتا شروع کی جائیں لیکن اگر گنتی کی ابتدا عشرہ اخیرہ کے شروع سے کریں تو پھر تاسعة تبعی کا مصداق اکیسویں شب ہوگا،

علیٰ ہذا القیاس سابعہ تبعی کا مصداق ایک صورت میں تیسویں شب اور ایک صورت میں ستائیسویں ہوگا، اور خامسة تبعی کا مصداق دونوں صورتوں میں پچیسویں شب ہوگا،

(فائدہ) حدیث میں اکیسویں شب کو تاسعة تبعی سے تعبیر کیا فی اللیلة الحادیۃ والعشرین نہیں کہا، وہ اس لئے کہ عرب لوگوں کی عادت ہے کہ وہ نصف ماہ تک تو تاریخ بیان کرنے میں ایام ماضیہ کا اعتبار کرتے ہیں مثلاً گیارہویں شب کو کہیں گے الحادیۃ عشر، اور نصف ماہ گزرنے کے بعد تاریخ کبھی تو ایام ماضیہ کے لحاظ سے ذکر کرتے ہیں مثلاً اکیس تاریخ کو الحادیۃ والعشرون لکھتے ہیں اور کبھی ایام ماضیہ کے اعتبار سے اکیسویں شب کو التاسعة الباقیہ یا تاسعة تبعی کہتے ہیں جیسا کہ یہاں حدیث میں ہے، اور علامہ طبری نے تاسعة تبعی کی تفسیر بائیسویں رات سے کی ہے، جیسا کہ آگے باب میں ابو سعید خدری کی حدیث میں مذکور ہے، اگر مہینہ تیس کا لگائیں اور گنتی کی ابتداء اخیرہ سے کریں تو تاسعة تبعی کا مصداق بائیسویں شب ہی ہوتا ہے اس پر مزید کلام درج کیا گیا

علہ قولہ انزل لیلة ثلاث وعشرین، زاد ابن نصر فی روایۃ فصلہا فیہ فان احببت ان تستتم آخر الشهر فاضل وان احببت فکلف اھ

باب فیمن قال لیلة احدى وعشرين

لیلة القدر کی تعیین کے سلسلے میں مصنف نے چار باب قائم کئے ہیں، اکیسویں شب، سترھویں شب، ستائیسویں شب، ستیع اواخر، جس کے مصداق میں کئی قول ہیں، جو اپنی جگہ آئیں گے۔

عن ابی سعید الخدری قال قال رسول الله صلى الله عليه وسلم يعتكف العشر الاوسط من رمضان آپ رمضان کے درمیان عشرہ میں اعتکاف فرمایا کرتے تھے اور بیس تاریخ کی شام کو اعتکاف سے نکل آتے تھے، ایک مرتبہ ایسا ہوا کہ آپ نے بیس کی شام کو فرمایا کہ جن لوگوں نے میرے ساتھ اعتکاف کیا ہے درمیان عشرہ کا وہ عشرہ اخیرہ کا بھی اعتکاف کریں اسلئے کہ مجھ کو یہ رات یعنی لیلة القدر بتادی گئی تھی (کہ فلاں شب ہے) پھر اس کی تعیین بھلا دی گئی (البتہ اس کی علامت یاد رہی) وہ یہ کہ اس رات کی صبح کو جب آپ صبح کی نماز کا سجدہ کریں گے تو پانی اور مٹی میں کریں گے (اور یہ علامت ابھی تک پانی نہیں گئی) چنانچہ وہ لوگ آپ کے ساتھ عشرہ اخیرہ کے اعتکاف میں ٹھہر گئے، آگے راوی کہتا ہے کہ عشرہ اخیرہ کی پہلی ہی شب یعنی اکیسویں شب میں مدینہ منورہ میں بارش ہوئی اور مسجد نبوی کی چھت کیونکہ چھپر کی تھی وہ نیکی (اور جس جگہ آپ سجدہ کرتے تھے وہاں گارا ہو گیا) صبح کی نماز جب آپ نے وہاں پڑھی تو پیشانی پر مٹی لگ گئی (گو یا لیلة القدر کی علامت کا تحقق ہو گیا، فالحمد لله على ذلك)

بظاہر اس حدیث میں اختصار ہے ورنہ مسلم شریف کی حدیث میں جو ابو سعید خدری ہی سے مروی ہے اس طرح ہے کہ ایک مرتبہ آپ نے رمضان کے عشرہ اولی کا اعتکاف کیا پھر عشرہ وسطی کا اور پھر آگے وہی ہے جو یہاں ابو داؤد کی روایت میں ہے،

عن ابی سعید الخدری قال قال رسول الله صلى الله عليه وسلم التمسوها في العشر الاواخر من رمضان قلت ما التاسعة والسادسة والخامسة قال اذا مضت واحدة وعشرون فالتی تليها التاسعة ثم تاسعة سے مراد تاسعہ باقیہ ہے علی هذا القیاس سابعہ وخامسہ، جیسا کہ گذشتہ حدیث میں گذر چکا فی تاسعہ تبقی ثم اور تاسعہ باقیہ وسابعہ باقیہ وخامسہ باقیہ ہر ایک کی تفسیر گذشتہ باب کی حدیث ابن عباس کے ذیل میں گذر چکی۔ اس حدیث میں بیچ اضافہ ہے کہ شاگرد نے اساذ سے سوال کیا کہ تم حساب ہم سے لاندہ جانتے ہو اس لئے بتادیجئے کہ تاسعہ سابعہ وغیرہ کا مصداق کیا ہے انھوں نے جواب دیا کہ اکیسویں شب کے بعد جو رات آئے وہی اس کا مصداق ہے یعنی بائیسویں شب،

اس تفسیر میں ایک قوی اشکال ہے وہ یہ کہ اس سے قبل دالی روایت میں تاسعہ کی تفسیر اکیسویں شب ایک اشکال وجواب کے ساتھ گذر چکی ہے اور یہ موجودہ ترجمہ الباب بھی اکیسویں ہی شب پر ہے، لہذا یہ تفسیر ترجمہ البنا کے بھی خلاف ہے اور تفسیر سابق کے بھی، اس کا ایک جواب تو یہ ہے کہ حضرت ابو سعید خدری نے حساب کی ہولت کے لئے ہینہ تیس دن کا لگا کر بتایا کہ اس صورت میں تاسعہ کا مصداق یہ ہے لیکن ظاہر ہے کہ ہینے کا تیس کا ہونا یقینی بات نہیں، اسلئے ہینہ انیس کا لگاتے ہوئے اس میں سے ایک دن کم کر دیا جائے پھر وہ بائیس کے بجائے اکیسویں شب ہو جائے گی، دوسرا جواب اس کا وہ ہے

جو علامہ زرقانی نے دیا کہ تاسعہ کا مصداق تو بانیسویں شب ہی ہے لیکن حدیث کا مطلب یہ ہے کہ میلۃ القدر کو تلاش کرو اس شب میں جس کے بعد تاسعہ باقی رہ جائے، اور وہ رات جس کے بعد تاسعہ یعنی بانیسویں رات آرہی ہے وہ ظاہر ہے کہ اکیسویں ہی شب ہے (من البذل بتوضیح) ہمارے حضرت شیخ نور اللہ مرتدہ فرماتے تھے کہ مجھے زرقانی کا جواب پسند ہے

قال ابوداؤد لا ادري اخفى على منه شئ ام لا غالبا امام ابوداؤد کو بھی یہی اشکال ہو رہا ہے جو ہم نے اوپر لکھا کہ بانیس کے ساتھ تفسیر کیسے صحیح ہو سکتی ہے۔ مصنف کہہ رہے ہیں سمجھ میں نہیں آتا کہ کیا ہوا حدیث مجھے اچھی طرح یاد نہیں رہی یا کوئی اور بات ہے مثلاً کسی راوی کی طرف سے کوئی وہم۔ واللہ تعالیٰ اعلم

باب مَنْ رَوَى فِي السَّبْعِ الْاَوَاخِرِ

تحریر میلۃ القدر فی السبع الاواخر سبع الاخر کے مصداق میں چند قول ہیں (۱) اخیر کے سات روز یعنی تیسویں رات سے اخیر ماہ یعنی انتیس تک (۲) السبع بعد العشرین یعنی عشرۃ اخیرہ کی شروع کی سات راتیں از اکیس تا سانس (۳) اسبوع رابع (رمضان کا آخری یعنی چوتھا مہفتہ) از بانیس تا اٹھائیس (۴) آخری سات کا عدد یعنی ۲۷ (تیسویں شب) ایک ماہ میں سات کا عدد تین مرتبہ آتا ہے ۲۷، ۱۷، ۷ ان تینوں میں آخری سانس ہے،

اب یہاں یہ اشکال ہوگا کہ یہ حدیث التمسوہا فی العشر الاواخر کے خلاف ہے۔ جواب یہ ہے کہ ممکن ہے آپ کو اولایہ بتایا گیا ہو کہ میلۃ القدر عشرۃ اخیرہ میں ہے اور بعد میں یہ بتایا گیا ہو کہ عشرۃ اخیرہ میں سے سبع الاخر میں ہے (سبع الاخر بھی تو عشرۃ اخیرہ کا ایک فرد ہے) یا یہ کہا جائے کہ قوی شخص کو آپ نے عشرۃ اخیرہ فرمایا ہو اور ضعیف کو سبع الاخر۔ اور امام شافعی کا جواب تو مشہور ہے جس کو امام ترمذی نے بھی نقل کیا ہے وہ یہ کہ آپ نے سائل کے حسب سوال جواب دیا جس نے کہا یا رسول اللہ ہم میلۃ القدر کو فلاں شب میں تلاش کریں آپ نے فرمایا ہاں اسی میں تلاش کرو کسی نے کسی دوسری رات کے بارے میں دریافت کیا کہ کیا اس میں تلاش کریں آپ نے فرمایا ہاں اسی میں تلاش کرو (منہل)

دفع تعارض بین الحدیثین

باب مَنْ قَالَ سَبْعَ وَعِشْرُونَ

یہی حافظ نے مہرور کا مسلک لکھا ہے، ابی بن کعب تو اس کو معلقا کہتے تھے جیسا کہ گذر چکا۔ اسی طرح بیہقی وغیرہ میں بن ہبک کی حدیث ہے کہ حضور کی خدمت میں ایک شخص آئے اور عرض کیا یا نبی اللہ انی شیخ کبیر علیہ قیام میں مجھ پر بیت شاق ہے اس لئے مجھے تو بس آپ ایک رات بتادیجئے جس میں مجھے میلۃ القدر ملنے کی توقع ہو تو اس پر آپ نے فرمایا علیک بالتابعۃ کہ عشرۃ اخیرہ کی ساتویں رات کو اختیار کر۔ اسی طرح مسند احمد میں ابن عمر سے مروی ہے من کان متحیبا فلیتحرھا لیلۃ سبع وعشرین (منہل)

باب من قال ہی فی کل رمضان

یہ ترجمہ بلفظ الحدیث ہے۔ اور میرے خیال میں اس کے دو مطلب ہو سکتے ہیں (۱) لیلة القدر رمضان ہی میں ہے، اور رمضان کی ہر رات میں اس کا امکان ہے یعنی پورے ماہ میں دائر رہتی ہے، عشرہ اخیرہ یا کسی اور رات کے ساتھ خاص نہیں (کما عکس عن ابی صنیفہ) دوسرا مطلب یہ کہ ہر سال کے رمضان میں پائی جاتی ہے کسی خاص رمضان کی قید نہیں (لہذا وہ جو ایک قول ہے کہ لیلة القدر حضورؐ کے زمانے میں صرف ایک بار پائی گئی تھی اس کے بعد نہیں وہ غلط ہے۔ الحمد للہ لیلة القدر کے اجواب پورے ہو گئے۔ اللہ تعالیٰ اپنے فضل و کرم سے اور حدیث شریف کی اس خدمت کے مفیل میں اس شب میں عبادات کا حفظ وافر ہمیں نصیب فرمائے آمین،

باب فی کم یقرأ القرآن

اب یہاں سے مضمون بدل رہا ہے اور ماقبل کے مناسب دوسرا مضمون شروع ہو رہا ہے اسلئے کہ ماقبل سے ربط

ما قبل میں قیام اللیل اور شب قدر کا ذکر تھا، اب یہاں سے یہ بیان کر رہے ہیں کہ آدمی کو روزانہ قرآن پاک کی کم سے کم اندر زیادہ سے زیادہ کتنی مقدار پڑھنی چاہئے، اور قراءۃ قرآن کا بہترین محل قیام اللیل یعنی تہجد کی نماز ہے۔ ماقبل سے یہی مناسبت ہے،

قوله اقرأ فی سبع ولا تزيدن علی ذلک آپ نے ان صحابی کو سات روز میں ایک ختم کی اجازت دی اور اس پر اضافہ سے منع فرمایا لیکن یہ منع تحریم کے طور پر نہیں بلکہ یہ بھی نبی شفیقت ہے تاکہ مشقت نہ اٹھانی پڑے اور ایک مقدار پر نہاںہ و دوام ہو سکے۔ چنانچہ اس سے آگے حدیث میں ان ہی صحابی کو ان کے اصرار پر آپ نے بجائے سات دن کے تین دن میں ایک ختم کی اجازت مرحمت فرمادی اور فرمایا لا یفتقہ من قرأ فی اقل من ثلاث یعنی تین دن سے کم میں ختم کرنے والا فہم معنی اور تدبیر کے ساتھ نہیں پڑھ سکتا ہے،

مہل میں حضرت عائشہ کی ایک حدیث نقل کی ہے ان النبی صلی اللہ علیہ وسلم کان لا یختم القرآن فی اقل من ثلاث رواہ ابو سعید من طریق الطیب بن سلیمان عن عمر عن عائشہ اسی طرح سنن سعید بن منصور کے حوالے سے بسند صحیح اثرا بن مسعود نقل کیا ہے اقرأ القرآن فی سبع ولا تقرؤہ فی اقل من ثلاث

مشہور بین العلماء یہ ہے کہ تین دن سے کم اور چالیس روز سے زائد میں ختم نہیں ہونا چاہئے، پس کم سے کم تین دن میں اور زیادہ سے زیادہ چالیس روز میں ایک ختم ہو جانا چاہئے۔ روزانہ تین پاؤ پارہ پڑھنے سے چالیس روز میں ایک ختم ہو جائے گا،

امام نووی فرماتے ہیں اس حدیث میں اقتصاد فی العبادۃ کی طرف رہنمائی ہے اور یہ کہ قرآن کریم کی تلاوت تدبیر کیساتھ ہونی

چاہئے۔

ختم قرآن میں سلف کا معمول

اسکے بعد وہ لکھتے ہیں تلاوت قرآن میں سلف کے معمول مختلف رہے ہیں اپنے اپنے حال اور فہم کے اعتبار سے چنانچہ بعض کی عادت ایک دن میں ختم کی رہی ہے اور بعض کی بیس دن میں اور بعض کی دس دن

میں اور اکثر کی سات دن میں اور بہت سوں کی تین دن میں، اور کچھ کی ایک دن رات میں، بعض کی صرف ایک رات میں، اور بعض کی ایک دن رات میں تین ختمات کی، اور بعض کی آٹھ ختمات کی، اس سے زائد کسی کی عادت د معمول ہمارے علم میں نہیں ہے وہ فرماتے ہیں آدمی کو اپنی مشغولی اور فرصت کے لحاظ سے تلاوت کی ایک مقدار مقرر کر لینی چاہیے جس پر مداومت ہو سکے جو حضرات تعلیم یا دلالت کے امور انجام دیتے ہیں ان کو اسکا لحاظ رکھتے ہوئے مقدار تلاوت متعین کرنی چاہئے تاکہ ان دوسری ذمہ داریوں میں خلل واقع نہ ہو، قولہ فناقصی و ناقصہ یعنی حضورؐ مجھ سے مقدار تلاوت کم کرنے کی کوشش کرتے رہے اور میں آپ سے مدت ختم میں کمی کراتا رہا

قولہ عیسیٰ بن شاذان کہ "یسعی بن شاذان بڑے بھمدار ہیں۔"

باب تحزیب القرآن

تحزیب حزب سے ماخوذ ہے، حزب روزانہ کے معمول اور وظیفہ کو کہتے ہیں جس کو درجہ دہی کہتے ہیں، یعنی روزانہ کی مقدار تلاوت متعین کرنا۔

باب سابق میں ایک حدیث گزری ہے کہ آپؐ نے عبداللہ بن عمرو بن العاصؓ سے فرمایا قرآن پاک سات روز میں ختم کیا کرو اور اس پر زیادتی مت کرنا، اسی کے پیش نظر عام طور سے صحابہ کرام و دیگر علماء و قراء نے قرآن کریم کی سورتوں کو سات حصوں میں منقسم کیا ہے، چنانچہ مشہور ہے کہ قرآن میں سات منزلیں ہیں، ہر منزل ایک دن کا وظیفہ ہے، منزل تو ہمارے عرف میں کہتے ہیں قدیم اصطلاح میں حزب کہتے ہیں جیسا کہ ترجمۃ الباب میں ہے اور آگے حدیث میں بھی آ رہا ہے کیف تحزیبون القرآن مزید کلام دہیں آئے گا،

قُلْتُ مَا أُحْزِبُهُ لَا تَقْلُ مَا أُحْزِبُهُ سائل کے سوال کے جواب میں ابن ابیہانہ نے کہا میں وظیفہ کے طور پر قرآن کی مقدار متعین نہیں کیا کرتا ہوں (بلکہ جتنا سہولت ہو سکا پڑھ لیا) اس سے بظاہر یہ مفہوم ہوتا ہے کہ وہ تعین مقدار کو پسند نہیں کرتے تھے، اسی لئے انھوں نے کہا کہ ایسا مت کہو یہ تو حضورؐ سے ثابت ہے،

كَانَ كُلَّ لَيْلَةٍ يَأْتِينَا بَعْدَ الْعِشَاءِ

ہمارے پاس (دل بستگی اور بات چیت کرنے کے لئے) حضورؐ روزانہ بعد العشاء تشریف لایا کرتے تھے اور ہمارے خیمہ کے پاس کھڑے کھڑے ہی بلا تکلف دیر تک باتیں کرتے رہتے تھے، جس کی وجہ سے

مضمون حدیث

مراد حق بین القدمین کی نوبت آتی تھی یعنی کبھی اس پاؤں پر بوجھ ڈال کر کھڑے ہوتے کبھی اس پر، اور زیادہ تر آپ جو ذکر تذکرہ فرماتے تھے وہ اُن نا انصافیوں اور زیادتیوں کا ہوتا تھا جو آپ نے اپنی قوم قریش سے برداشت کی تھیں،
 ثم یقول لا سواء کنا مستضعفین مستذللین ہم اور وہ یعنی کفار قریش مکہ کے قیام میں یعنی قبل ہجرت برابر درجہ کے نہیں تھے۔ بکہ ہم لوگ اس وقت ضعیف و کمزور اور خستہ حال تھے۔

فلما خرجنا الی المدینۃ کانت سبجال الحرب بیننا و بینہم ہجر جب ہم ہجرت کر کے مکہ سے مدینہ چلے آئے (تو یہاں اگر ہمیں قوت و شوکت حاصل ہو گئی) تو لڑائی اور مقابلہ کے ڈول ہمارے اور ان کے درمیان مشترک ہو گئے یعنی کبھی ہماری باری ہوئی ڈول ڈال کبانی کھینچنے کی اور کبھی ان کی،

ندال علیہم ویدالون علینا یہ جملہ اولی ہی کے ہم معنی ہے، کبھی دولت و غلبہ ہمیں ہوتا اور کبھی ان کو۔ محاورہ عرب میں کہا جاتا ہے اذیل لنا علی اعدائنا یعنی ہمیں اپنے اعداء پر فتح حاصل ہوئی۔ یہ دراصل دولت یعنی غلبہ سے ماخوذ ہے۔

فلما کانت لیلۃ ابطأ عن الوقت الذی کان یأتمنا فیہ یعنی ایک دن ایسا ہوا کہ جس معینہ وقت میں آپ آیا کرتے تھے اس سے دیر کر دی۔ جب تشریف لائے تو ہم نے تاخیر کے بارے میں دریافت کیا تو آپ نے فرمایا اس کی وجہ یہ ہوئی کہ میرا چور و زائد کا ورد اور وظیفہ ہے وہ رہ گیا تھا اس کو پورا کرنے میں دیر ہوئی۔ اس سے روزمرہ کا وظیفہ و معمول مقرر کرنے کی اہل معلوم ہو گئی۔ اسی کو تحزیب کہتے ہیں ہذا ترجمۃ الباب ثابت ہو گیا،

سألت اصحاب رسولی اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کیف تحننون القرآن یعنی تم قرآن کریم کے کتنے حصے کرتے ہو یعنی یومیہ پڑھنے کی مقدار کیسے مقرر کرتے ہو اس سوال کے جواب میں انہوں نے بتایا کہ ایک دن تین سو سورتیں اور دوسرے دن پانچ اور تیسرے دن سات سو سورتیں اور چوتھے دن نو سو سورتیں اور پانچویں دن گیارہ سو سورتیں اور چھٹے دن تیرہ سو سورتیں اور ساتویں دن مئیں تمام سو سورتیں (جو چھتر سورتیں)

اس تقسیم ہی کا نام تحزیب ہے اور اس کو قرا کے عرف میں تحزیب فنی بشوق کہتے ہیں
تحزیب فنی بشوق کی تشریح
 فنی بشوق میں سات حروف ہیں ہر منزل و حزب جس سورت سے شروع ہے اس سورت کے نام کا پہلا حرف اس مجموعہ حروف (فنی بشوق) میں لے لیا ہے، چنانچہ پہلی منزل سورہ فاتحہ سے شروع ہوتی ہے جس کے شروع میں فاء ہے، اور دوسری منزل مائدہ سے شروع ہے اس کے لئے میم ہے، تیسری منزل سورہ یونس سے شروع ہے اس کے لئے یاء ہے، چوتھی منزل سورہ بنی اسرائیل سے شروع ہے اس کے لئے باء ہے، اور پانچویں سورہ شعراء سے اس کے لئے شین ہے، اور چھٹی سورہ واقعات سے اس کے لئے واء ہے، اور ساتویں منزل سورہ ق سے ہے۔

قولہ ثم قال فی سبع لہوئیل من سبع آپ اجازت دینے میں سات دن سے نیچے نہیں اترے یعنی اس مجلس میں

ورنہ اس سے پہلے گزر چکا ہے کہ آپ نے ان کو تین دن تک کی اجازت دیدی تھی۔

قوله انی ابن مسعود رجل فقال انی اقرأ المفضل فی رکعة حضرت ابن مسعود سے ایک شخص نے آکر کہا
داشار اللہ مجھے قرآن اتنا پختہ یاد ہے، میں مفصل کی تمام سورتیں ایک ہی رکعت میں پڑھ لیتا ہوں۔ اس شخص کا نام ہیک بن سنان
ہے (کافی روایہ مسلم) اس پر عبداللہ بن مسعود نے فرمایا اَهَذَا كَهَذَا الشَّعْرَ اشعار کی طرح جلدی جلدی پڑھ لیتا ہوگا،
هَذَا کے معنی اسراع شدید کے ہیں۔ بہت تیزی اور جلدی سے کوئی کام کرنا، یہاں پر یہ اشکال ہوتا ہے کہ شعر تو بہت بنا سنا کر
اطمینان سے پڑھا جاتا ہے اس میں جلدی کہاں ہوتی ہے۔ جواب یہ ہے یاد کرنے کے لئے جو اشعار پڑھے جاتے ہیں وہ مراد ہے، وہ جلدی
ہی پڑھے جاتے ہیں، اور ایک ہوتا ہے انشاء شعر یعنی دوسروں کو سنا کر شعر پڑھنا یہ واقعی ترنم اور ترتیل کیساتھ ہوتا ہے
ونثرًا کنثر الدقل اور جس طرح گھنیا قسم کی کھجور دن کو درخت سے جھاڑ دیتے ہیں اسی طرح تو بھی کرتا ہوگا، دقل وہ گھنیا قسم
کی کھجور ہے جو درخت پر لگے لگے ہی خشک ہوگئی ہو اور آہستہ سے درخت کو ہلانے سے ہی وہ ساری ایک دم جھڑ جاتی ہوں،

اور پھر انھوں نے فرمایا لکن النبی صلی اللہ علیہ وسلم کان یقرأ النظائر السورتین فی رکعة تو اور بخاری شریف
کی ایک روایت کے لفظ اس طرح ہیں، لقد عرفت النظائر التي كان النبی صلی اللہ علیہ وسلم یقرن معا بینہن
یعنی میں خوب پہچانتا ہوں ان سورتوں کو جن کو حضورؐ دو دو کو ملا کر ایک رکعت
میں پڑھا کرتے تھے۔ اور پھر انھوں نے بیس سورتیں ذکر کیں جن کو آپ دس رکعات
میں پڑھتے تھے، (جن کی تفصیل حدیث میں مذکور ہے) مطلب یہ ہے کہ اسے ہندہ نذر

حضور صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم کا معمول
تہجد میں کن سورتوں کی تلاوت کا تھا

تو تہجد سورتیں ایک رکعت میں پڑھ لیتا ہے مالا لکہ حضور اکرم صلی اللہ علیہ وسلم صرف بیس سورتوں کو دس رکعات میں پڑھتے تھے
الحاصل قرآن کریم کو ترتیل اور تدریج سے پڑھنا چاہیے، یہ بھاگ دوڑ ٹیک نہیں خلاف سنت ہے،
یہ حدیث صحیحین اور دوسری کتب حدیث میں بھی ہے لیکن ان میں ان سورتوں کی تفصیل اور ان کا مصداق مذکور نہیں
ہے، اسی لئے امام نووی شرح مسلم میں لکھتے ہیں سنن ابو داؤد میں ان سورتوں کی تعیین مذکور ہے ان سورتوں کو نظائر اس لئے کہا
کہ یہ مضمون کے لحاظ سے ملتی جلتی ہیں اور بعض نے لکھا ہے کہ نظائر اس لئے کہا کہ مقدار آیات میں یہ سورتیں تقریباً برابر ہیں لیکن یہ صحیح نہیں
مذکورہ بالا حدیث کا سبب بھی وارد ہے جو یہاں مذکور نہیں صحیح مسلم اور ترمذی کی روایت میں ہے وہ یہ کہ یہ شخص ابن مسعودؓ
کی خدمت میں آیا اور اگر یہ سوال کیا کہ آپ اس تہجد کو کس طرح پڑھتے ہیں فیہا انہما من ماء غیر آسین پوچھا کہ آسین ہے یا
یا سِن تو اس پر انھوں نے فرمایا وکل القرآن قد احصیت غیر هذا الحرف کیا اس حرف کے علاوہ باقی ساری قرأتوں

ملا امام نووی لکھتے ہیں اس سے معلوم ہوا کہ آپ کا معمول تہجد میں مقدار تلاوت کا عام طور سے یہ تھا جو اس حدیث میں مذکور ہے اور وہ جو بعض
روایات میں سورہ بقرہ وال عمران وغیرہ لم یسجدوا کا ذکر آتا ہے تو وہ بعض اوقات پر معمول ہے جو نادر ہے ۱۲

سے تو واقف ہے اور کیا تو نے سارا قرآن پڑھ لیا ہے اس پر اس شخص نے وہ کہا جو یہاں ابوداؤد کی حدیث میں مذکور ہے ،
قال ابوداؤد هذا تالیف ابن مسعود اور حدیث میں ان میں سورتوں کی جو ترتیب مذکور ہے وہ چونکہ ہمارے
پاس جو یہ مصحف عثمانی ہے اس کی ترتیب کے خلاف ہے اس لئے مصنف فرما رہے ہیں کہ مذکورہ بالا ترتیب مصحف ابن مسعود کے
مطابق ہے ، ان کے مصحف میں فاتحہ کے بعد بقرہ اور اس کے بعد سورہ نساء اور پھر آل عمران ہے
جاننا چاہئے مشہور یہ ہے کہ آیات کی ترتیب توقیفی ہے یعنی مسوع من اٹ سع اور سورتوں کی ترتیب صحابہ کرام کی اجتہادی
اور مختلف فیہ ہے۔ علماء نے لکھا ہے کہ مصحف علی کی ترتیب علی ترتیب انزل ہے۔ اس میں سب سے پہلے سورہ اتر ہے ثم المذثر ثم النجم
ثم المزمل ،

ہمارے اکابر کے عمل بالسنۃ کی مثال حضرت شیخ فرماتے تھے کہ جس روز بذیل الجہود میں اس مقام کی شرح لکھی گئی تو حضرت
سہارنپوری نے فرمایا "موی ذکر یا ایک پرچہ پر یہ سورتیں اسی ترتیب سے لکھ دینا آج
تہجد میں اسی ترتیب سے پڑھ لیں گے" اتنی سبحان اللہ! کیا خوب فرمایا عمل بالحدیث کا جذبہ ایسا ہی ہونا چاہئے۔ حضرت امام محمد
ابن حنبل سے بھی منقول ہے کہ وہ ہر حدیث پر کم از کم ایک مرتبہ ضرور عمل فرماتے تھے ،

من قرأ الآيتين من آخر سورة البقرة في ليلة كفتاه

شرح حدیث جو شخص سورہ بقرہ کی اخیر کی دو آیتیں آمن الرسول سے سورہ ختم تک کسی رات میں پڑھ لے تو اس کے
لئے یہ پڑھنا قیام اللیل سے کفایت کرے گا ، یعنی اس کے قائم مقام ہوگا ، یا یہ مطلب ہے کہ قیام اللیل
(تہجد) میں ان دو آیتوں کا پڑھنا کافی ہو سکتا ہے ، یا یہ مطلب ہے کہ شیطان کے شر سے بچنے کے لئے کافی ہوگا ، یا آجین و انس سب کے
شر سے بچنے کے لئے کافی ہوگا ، یا اعتقاد سے متعلق جو آیات قرآنہ ہیں ان سب کی طرف سے یہ دو آیتیں کافی ہیں ، یہ سب مطالب
شرع نے لکھے ہیں ، ان دو آیتوں کی احادیث میں بڑی فضیلت آئی ہے۔ حضرت علیؓ فرماتے ہیں میں نہیں جانتا کہ کوئی ایسا
سمجھدار آدمی بھی ہوگا جو ان کو پڑھے بغیر سو جاتا ہو ،

ومن قام بعشر آيات لم يكتب من الغافلين جو شخص دس آیات تہجد کی نماز میں پڑھ لے وہ غافلین میں
شمار نہیں ہوتا ، (بذل) اور ہو سکتا ہے کہ مطلق پڑھنا مراد ہو بغیر ہی نماز کے۔ کما یظهر من کلام بعض الشراح
ومن قام بالآية كتب من المقطورين جو ایک ہزار آیات کسی رات میں پڑھے اس کے لئے اجر و ثواب کا قطار
انبار کے انبار ہوں گے) لکھا ہے کہ قطار بارہ ہزار رطل کا ہوتا ہے اور کہا گیا ہے کہ بارہ سواقیہ کا اور ایک اوقیہ چالیس درہم کا
ہو تبہ یعنی اس کے وزن کے برابر اجر و ثواب ، اور ایک روایت میں ہے کہ ایک قطار اتنا بڑا ہے کہ اس کے لئے یہ دنیا کافی نہیں
اس میں سمانہیں سکتا (منہل)

قال ابوداؤد ابن حَجَّيْرَةَ الاَصْفَرُ حاصل یہ کہ سند میں جو ابن حجر نے آئے ہیں وہ ابن حجر الاصفہانی کے ہاتھ سے

جن کا نام و نسب یہ ہے عبداللہ بن عبدالرحمن بن حمیرہ، یہ الاصفرا س لئے ہیں کہ یہاں نسبتہ الی الجدد ہے اور اس لادى کے جو والد ہیں یعنی عبدالرحمن بن حمیرہ وہ ابن حمیرہ الاکبر کہلاتے ہیں،

عن عبداللہ بن عمرو رضی اللہ عنہ قال اتی رجل رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم فقال اقرأ فی یہ اقرار باب انفال سے ہے یعنی مجھ سے پڑھو ایسے مطلب یہ کہ پڑھنے کو بتائیے، آپ نے فرمایا تین سورتیں پڑھ لیا کہ مجلہ ان سورتوں کے جن کے شروع میں الف، ل، رہے، یا یہ لفظ الرا، (مفرد ہے) مراد اس سے بھی وہی ہے۔ اور وہ پانچ سورتیں ہیں، حود، یوسف، ابراہیم، الحجر، یونس،

فقال حکیرت یسعی واشتد قلبی وغلفہ لسانی وہ صحابی کہنے لگے کہ میں اب بوڑھا ہو گیا ہوں اور میرا قلب ٹھوس اور جامد ہو چکا ہے یعنی ذہن اور حافظہ کمزور ہو گیا ہے اور زبان بھی بھاری ہو گئی سہولت نہیں ملتی، اس کے بعد آپ نے اس کو ذوات خم کا مشورہ دیا اس لئے کہ یہ سورتیں پہلی سورتوں سے چھوٹی ہیں،

من المسبحات جن سورتوں کے شروع میں یسبح یا یسبح یا یسبح مذکور ہے اور یہ سات سورتیں ہیں، سبحان الذی اتری الحدید، الاحشر، الصف، الجمعہ، التغابن، الاعلیٰ، ترمذی کی ایک روایت میں ہے ان النبی صلی اللہ علیہ وسلم کان یقرأ المسبحات قبل ان یرقد یقول ان فیہن ایتہ خیر من الف آیۃ افلح الروی یجمل یا تو یہ رجل کی تصنیف ہے یا راجل کی (پیدل چلنے والا) کیونکہ یہ شخص آپ کی خدمت میں پیدل چل کر آیا تھا سوار نہیں تھا،

باب فی عدد الآی

سورتوں کی آیات کو شمار کرنا، مقصود بظاہر اس کا جواز بیان کرنا ہے اور یہ کہ یہ فعل عبث نہیں ہے بلکہ اس میں تو ایک طرح کا اہتمام پایا جاتا ہے، گزشتہ ایک باب میں گزر رہے کہ جو شخص دس آیات پڑھے تو اس کو اتنا ثواب ملتا ہے اور جو تئو آیات پڑھے اس کو اتنا ثواب ملتا ہے۔ اس میں بھی آیات کے عدد کا ذکر ہے

سورة من القرآن ثلثون آیۃ تشفع لصاحبها حتی غفر له قرآن کریم کی تیس آیات ایسی ہیں جو اپنے پڑھنے والے کی سفارش کرتی ہیں یہاں تک کہ اس کی مغفرت کر دیجائے گی،

یہ شفاعت یا تو حقیقی ہے، قرآن کریم کا شافع و شفیع ہوتا بعض احادیث سے ثابت ہے، یا مجازی ہے | **شرح حدیث** باعتبار سبب کے یعنی اس کا پڑھنا نجات کا سبب ہوگا، حضور کی شفاعت کی وجہ سے اور حتی غفرہ میں ماضی مضارع کے معنی میں ہے۔ تحقق وقوع یعنی امر یقینی ہونے کی بنا پر اس کو ماضی سے تعبیر کیا ہے، اگر یا یوں سمجھو کہ ایسا ہو چکا، یہ سورت شفاعت کہاں کر گئی، ایک شارح نے لکھا ہے کہ یا تو قبر میں کر گئی یا قیامت میں، اور ظاہر اول ہے اسلئے

کہ بعض روایات سے اس سورت کا عذاب قبر سے نجات کا ذریعہ ہونا ثابت ہے ،

باب تفریع ابواب السجود وکسجدۃ فی القرآن

قابل میں چونکہ تلاوت قرآن کے ابواب گزرتے ہیں اسی کی مناسبت سے یہاں سجود القرآن کو بیان کر رہے ہیں ،

یہاں پر چار بحثیں ہیں (۱) سجدۃ تلاوت کا حکم (۲) سجود القرآن کی تعداد (۳) سجدۃ تلاوت کا طریقہ اور اس کی کیفیت (۴) سامع پر سجدہ واجب ہونے کے شرائط ،

ابحاث اربعہ

بحث اول سجدۃ تلاوت حنفیہ کے نزدیک واجب ہے ، ائمہ ثلاث کے نزدیک مستنہٰ مؤکدہ ہے ، امام احمد کی ایک روایت یہ ہے واجبة فی الصلوۃ سنتہ خارجہ ، امام بخاری نے بھی ایک ترجمۃ الباب سے اس کا غیر واجب ہونا ثابت کیا ہے ، حنفیہ نے صیغہ امر سے وجوب پر استدلال کیا ہے ، جیسے **وَأَسْجُدْ** ، اور **وَأَسْجُدْ** و **اقْتَرِبْ** وغیرہ ، اور مجہور نے استدلال کیا ہے **اَنْزَلْنَاهُ** وہ فرماتے ہیں جیسا کہ بخاری میں ہے **اَنْصَا نَمُزُّ بِالْسُجُودِ فَمَنْ سَجَدَ فَقَدْ اَصَابَ وَمَنْ لَمْ يَسْجُدْ فَلَا اِثْمَ عَلَيْهِ** حنفیہ کہتے ہیں کہ یہ حدیث موقوف ہے بحجت نہیں

بحث ثانی سجود قرآن کی تعداد لدیث بن سعد ، اسحاق بن راہویہ اور بعض شافعیہ جیسے ابن المنذر ، اسی طرح بعض مالکیہ جیسے ابن حبیب کے نزدیک پندرہ ہے ، اور یہی ایک روایت امام احمد سے ہے ، اور مجہور علماء ائمہ ثلاث کے نزدیک ان کی تعداد چودہ ہے ، لیکن حنفیہ کے نزدیک اس طور پر کہ سورہ ص میں سجدہ ہے اور سورہ حج میں دو سجدہ نہیں ، اور شافعیہ و حنابلہ کے نزدیک سورہ حج میں دو ہیں اور سورہ ص میں نہیں ، اور امام مالک کے نزدیک سجود کی تعداد کل گیارہ ہے ، مفصل میں عند مجہور جو تین سجدہ ہیں وہ ان کے قابل نہیں ، اور علامہ عینی نے لکھا ہے کہ امام شافعی واحد کے نزدیک ص میں سجدہ ہے لیکن وہ اس کو عزائم سجود سے نہیں مانتے ۔ چنانچہ وہ اس کے استحباب کے خارج صلوۃ میں قابل ہیں داخل صلوۃ میں نہیں

بحث ثالث امام شافعی کے نزدیک سجدۃ تلاوت جو خارج صلوۃ ہو اس میں قریمہ و تسلیم دونوں ہیں ، اور امام احمد کے نزدیک تسلیم ہے قریمہ نہیں ، اور حنفیہ و مالکیہ کے نزدیک بغیر قریمہ و تسلیم کے ہے ، بس انشاء کہہ کر سجدہ میں چلا جائے اور تکبیر کہہ کر سر اٹھائے ، ہمارے یہاں ظاہر الروایت یہی ہے وروی الحسن عن ابی حنیفۃ ان لا یکبر عند الاخطاط وایصح ظاہر الروایت کذا فی التذیل

بحث رابع امام مالک و احمد کے نزدیک سجود علی السامع تین شرائط کے ساتھ مشروط ہے ، الاستماع یعنی آیت سجدہ کو قصد کے ساتھ سننا ، اگر بغیر قصد کے آیت سجدہ سننے میں آجائے تو وہ معتبر نہیں ، سجود اتالی یعنی اصل تلاوت کرنے والے کا سجدہ کرنا ، اگر اسی نے سجدہ نہیں کیا تو پھر سامع پر سجدہ نہیں ، اہلیۃ الامامۃ فی التالی السامع ، یعنی تلاوت کرنے والے میں سامع کا امام بننے کی صلاحیت ہو ، ہذا مود پر عورت کی تلاوت سے یا صبی کی تلاوت سے سجدہ نہ ہوگا ، اس اختلاف کی طرف اشارہ خود مصنف نے بھی کیا ہے آنے والے باب میں ،

بحث خامس یہاں ایک بحث اور رہ گئی وہ یہ کہ سجدہ تلاوت کے لئے طہارت شرط ہے یا نہیں؟ جمہور علماء اور ائمہ اربعہ کے یہاں طہارت شرط ہے، شعبی اور محمد بن جریر طبری کے نزدیک شرط نہیں، امام بخاری کا سیلان بھی اسی طرف ہے (و قد تقدم في الجزء الاول تحت حديث لا يقبل الله صلوة بغير طهور) چنانچہ امام بخاری نے ایک ترجمہ الباب کے ضمن میں تعلیقاً فرمایا و كان ابن عمر يسجد على غير وضوء لیکن اس میں صحیح بخاری کے نسخے مختلف ہیں، بعض میں علی غیرو وضوء اور بعض میں علی وضوء ہے، علامہ عینی فرماتے ہیں ابن عمر سے دونوں طرح کی روایتیں مروی ہیں، تعلیق کی شکل یہ ہے کہ ممکن ہے سجدہ تلاوت کے لئے وہ طہارت کبریٰ کو ضروری سمجھتے ہوں اور طہارت صغریٰ کو غیر ضروری، یا یہ کہ حالت اختیار میں طہارت کے قائل ہوں اور حالت ضرورت و مجبوری میں عدم طہارت کے، واللہ تعالیٰ اعلم،

حدثنا محمد بن عبد الرحيم ابن البرقي انه قوله عن عمرو بن العاص ان النبي صلى الله عليه وسلم اقرأه خمس عشرة سجدة في القرآن ثم یہ باب کی پہلی حدیث ہے اور بہت جامع ہے اس لحاظ سے کہ اس میں سجود القرآن کی کل تعداد مذکور ہے اور یہ کہ وہ پندرہ ہیں اور اس میں ایک روایت مصنف نے تعلیقاً ذکر کی ہے، عن ابی الدرداء مرفوعاً جس میں یہ ہے کہ کل سجود القرآن گیارہ ہیں، اس روایت کی امام ترمذی نے تخریج کی ہے یہ دوسری روایت ضعیف ہے کما قال المصنف، امام ترمذی نے بھی اس کی سند پر کلام کیا ہے، اور باب کی پہلی حدیث کی تخریج مصنف کے علاوہ ابن ماجہ دارقطنی، حاکم، بیہقی نے بھی کی ہے، اس کے بھی بعض روایات پر اگرچہ کلام ہے جیسے الحارث بن سعید اور عبداللہ بن نمین لیکن امام نووی اور مسند زری نے اس کی تحسین کی ہے، کما فی المنہل۔

صحیحین بخاری و مسلم میں کوئی حدیث مجھے ایسی نہیں ملی جس میں سجود القرآن کی مجموعی تعداد مذکور ہو، بلکہ متفرق طور پر چند سجود سے متعلق روایات ہیں اور باقی سے کوئی تعرض ہی نہیں نہ نفيًا نہ اثباتاً،

یہ حدیث اسحاق بن راہویہ، لیث بن سعد، امام احمد فی روایت کے تو موافق ہے ہی کیونکہ ان کے نزدیک سجود القرآن کی تعداد یہی ہے جو اس میں مذکور ہے اور مجبور کے تقریباً موافق ہے۔ البتہ مالکیہ کے خلاف ہے، شافعیہ کے موافق تو اس لئے ہے کہ ان کے یہاں سورہ ج میں دو سجود ہیں اور سورہ ص کا سجدہ بھی وہ مانتے ہیں۔ لیکن یہ کہتے ہیں کہ وہ غیر عزائم سے ہے جس کا حکم ان کے یہاں یہ ہے کہ نمازیں تو نہیں کیا جائیں، خارج صلوٰۃ اگر تلاوت ہو تو کیا جائیگا، اور حنفیہ کے موافق اس لئے ہے کہ یوں کہا جائے گا کہ اگرچہ آئیں سورہ ج میں سجدتین مذکور ہیں، لیکن دوسرے دلائل سے یہ ثابت ہے کہ سورہ ج کے سجدتین میں سے سجدہ ثانیہ جو آخر سورت میں ہے وہ سجدہ تلاوت نہیں بلکہ سجدہ صلوٰۃ ہے اس لئے کہ وہ مقرون بالركوع ہے، اور ہمارے علماء کا استقراء یہ ہے کہ قرآن کریم میں جہاں سجدہ کا ذکر رکوع کے ساتھ ہے اس سے سجدہ صلوٰۃ مراد ہے، مثل قوله تعالى واسجدی وارکعی مع الراکعین،

امام محمد موطا میں فرماتے ہیں کہ عمر اور ابن عمر رضی اللہ تعالیٰ عنہما سے تو یہی مروی ہے کہ ج میں سجدتین ہیں لیکن ابن عباس اس سورت میں ایک ہی سجدہ مانتے تھے اور

عن عقبہ بن عامر قال قلت لرسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم فی سۃ الحج سجدتان قال نعم ومن لم یسجد ہما فلا یقرأ ہما اور بعض روایات میں فلا یقرأ ہما ہے ، یعنی جس کا ارادہ سجدہ کرنے کا نہ ہو تو اس کے لئے یہی بہتر ہے کہ وہ یہ سورت ہی نہ پڑھے یا آیت سجدہ نہ پڑھے ، شرع نے لکھا ہے اس لئے کہ تلاوت قرآن تو امر مستحب ہے اور سجدہ تلاوت کم سے کم سنتہ مؤکدہ کما عند الشافعی ورنہ واجب ہے کما عند الحنفیہ اور جو فعل مستحب سبب بنے ترک واجب یا ترک سنتہ کا اس کا نہ کرنا ہی بہتر ہے ،

یہ حدیث حنفیہ کے خلاف ہے لیکن ضعیف ہے کما قال الترمذی وغیرہ اس لئے کہ اس کی سند میں ابن ہبیبہ اور مشرح بن اغان ہیں اور وہ دونوں ضعیف ہیں ،

باب من لم یزال سجود فی المفصل

جیسا کہ مالکیہ کا مسلک ہے کما تقدم ، جمہور فرماتے ہیں حدیث الباب ضعیف ہے ۔ ابو قتادہ اور مطر و زانی کی وجہ سے اور سورہ الشقاق میں سجدہ ہونا ابو ہریرہ کی حدیث مرفوعہ سے صحیح بخاری میں ثابت ہے ، اور سنن ابو داؤد میں ابو ہریرہ ہی کی حدیث سے سورہ الشقاق اور سورہ اقرأ میں ، اور ابو ہریرہ ہی کی حدیث مرفوعہ سے سند بزار اور دارقطنی میں سورہ النجم میں سجدہ ہونا ثابت ہے ، اور یہ تینوں سجدے مفصل کے ہیں ، جس کی نفی ابن عباس فرما رہے ہیں والمثبت ادلی من النافی نیز ان تینوں حدیثوں کے راوی جیسا کہ اوپر معلوم ہو چکا ابو ہریرہ ہیں جو سنیہ میں اسلام لائے ہیں جبکہ حضرت ابن عباس یہ فرما رہے ہیں کہ حضورؐ نے ہجرت کے بعد سے اب تک ان سورتوں میں سجدہ نہیں کیا ، واضح رہے کہ خود مصنف نے آئے والے ابواب سے مفصل میں سجود کا ہونا ثابت فرمایا ہے

ہذا تحول الی المدینۃ یہ ابن عباس نے بظاہر اس لئے فرمایا کہ خود ابن عباس کی حدیث میں سورہ النجم میں حضورؐ کا اور تمام مسلمین و مشرکین بلکہ تمام جن و انس کا سجدہ کرنا قبل ہجرت بخاری وغیرہ کی صحیح روایات سے ثابت ہے ، جیسا کہ آگے ہمارے یہاں بھی آ رہا ہے ،

عن زید بن ثابت قال قرأت علی رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم النجم فلم یسجد بہا سورہ النجم میں چونکہ دوسری صحیح احادیث سے آپؐ کا سجدہ کرنا ثابت ہے اس لئے اس کا جواب یہ ہوگا ، (۱) لم یکن متوفئاً (۲) لم یکن الوقت صالحاً للسجدة (۳) لا وجوب علی الفور بل يجوز فیہ التراخی ،

قال ابو داؤد وكان زید بن ثابت لا مام فلم یسجد مصنف علیہ الرحمہ حضورؐ کے سورہ النجم میں سجدہ نہ کرنے کی وجہ بیان فرما رہے ہیں کہ دراصل قاری زید بن ثابت تھے تو چونکہ یہاں اس موقع پر خود امام نے سجدہ نہیں کیا تھا اسی لئے حضورؐ

علہ ام سے مراد امام صلوة نہیں بلکہ امام قراۃ ہے یعنی نبوت اور پیشوا گویا قاری قرآن پیشوا ہے اور ساری قاری کے تابع ہے سجدہ کرنے میں ، کذا استفاد من روایات النبی و ذکرہا صاحب المنہل ۱۳

صلی اللہ علیہ وسلم نے بھی نہیں کیا، اب رہا یہ سوال کہ زیدؓ نے کیوں سجدہ نہیں کیا سوا اس کے جو بات وہی ہو سکتے ہیں جو اوپر گذرے، یہ مسئلہ ابتدائی مباحث میں گذر چکا کہ بعض علماء کے نزدیک دسہم الامام مالک والامام احمد و مسلم اسامع مشروط ہے سجدہ تالی (تساری) کے ساتھ، یہاں چونکہ وہ شرط نہیں پائی گئی تھی اس لئے آپ نے سجدہ نہیں کیا، یہی بات امام ترمذی نے فرمائی ہے، و تاول بعض اہل العلم ہذا الحدیث فقال انما ترک ابنی صلی اللہ علیہ وسلم السجود لان زید بن ثابت لم یسجد اہ

باب من رأى فيها سجوداً

یہ باب پہلے باب کا مقابل ہے، پہلا باب مالکیہ کے موافق تھا اور یہ باب مجہور کے موافق ہے،

عن عبد الله ان رسول الله صلى الله عليه وسلم قرأ سورة النجم فسجد فيها ومسا بقى احد من القوم الا سجد فاحذ رجل من القوم كفاً من حصاً او تراب فرفعه الى وجهه وقال يكفيني هذا

مضمون حدیث ایک مرتبہ آپ نے سورہ نجم تلاوت فرمائی پس سجدہ کیا آپ نے اس کی وجہ سے، اور سب لوگوں نے بھی سجدہ کیا۔ اہل مجلس میں سے کوئی باقی نہ رہا۔ سجدہ کرنے سے سوائے ایک شخص کے کہ اس نے بجائے سجدہ کے یہ کیا کہ اپنے ہاتھ میں کبوتریاں یا مٹی لے کر اس کو اپنے چہرے کی طرف لے گیا۔ (اور اس پر اپنا سر رکھ دیا کما فی روایۃ المحکم) اور کہا کہ بس مجھے تو یہی کافی ہے، یعنی زمین پر سجدہ کرنے کی ضرورت نہیں راوی کہتا ہے اس شخص کو میں نے اس واقعہ کے بعد دیکھا کہ وہ کفر کی حالت میں قتل کیا گیا۔

شرح حدیث یہ شخص امیہ بن خلف تھا کما فی روایۃ البخاری فی کتاب التفسیر اور یہ جنگ بدر میں مارا گیا اس شخص کی تعیین میں اور بھی اقوال ہیں جو ماضیہ بخاری میں مذکور ہیں، لیکن اصح اور راجح اسی قول کو لکھا ہے۔

اور نسائی کی روایت میں مطلب بن ابی دواء کے بارے میں ہے وہ خود فرماتے ہیں کہ میں نے سجدہ نہیں کیا تھا۔ اس لئے کہ میں اس وقت تک اسلام نہیں لایا تھا (بعد میں مشرف باسلام ہوئے رضی اللہ تعالیٰ عنہ) اب سجدہ نہ کرنے والے دو شخص ہوئے۔ امیہ بن خلف اور مطلب بن ابی دواء، حالانکہ یہاں روایت میں عبد اللہ بن مسعود نے ایک ہی شخص کے بارے میں صبر کیا ہے، جواب یہ ہے کہ ممکن ہے انھوں نے صرف ایک ہی کو دیکھا ہو اس لئے ایک ہی کا استعمال کیا، اور دیا ایک کی تخصیص انھوں نے اس اعتبار سے کی جو جو یہاں روایت میں مذکور ہے فاذکفنا من تراب یعنی سجدہ نہ کرنے والے تو دو تھے لیکن تمہی میں مٹی لے کر اس پر سر رکھنے والا ایک ہی شخص تھا،

یہ واقعہ مکہ مکرمہ کا ہے قبل ہجرت کس فی روایت البخاری عن ابن مسعود، اور بخاری میں ابن عباس کی روایت میں یہاں تک تصریح ہے کہ آپ کے ساتھ مسلمین و مشرکین، جن و انس بھی نے سجدہ کیا، آپ نے تو سجدہ باری تعالیٰ کے امتثال امر میں کیا اور اس لئے کیا کہ اس سورت کے شروع میں عظیم نعمتوں کا ذکر ہے ان کے شکر میں آپ نے سجدہ کیا اور مسلمین نے سجدہ آپ کے اتباع میں کیا۔

رہا سوال یہ کہ مشرکین نے سجدہ کیوں کیا؟ اس کی مختلف وجوہ بیان کی گئی ہیں، **سجدہ مشرکین کا منشأ** بعض نے کہا کہ چونکہ اس سورت میں اصنام ملات و عزی وغیرہ کا ذکر تھا تو اس سے خوش ہو کر وقتی طور پر آپ کی موافقت میں انہوں نے بھی سجدہ کر لیا، اور حضرت شاہ ولی اللہ صاحب دہلوی قدس سرہ نے حجتہ اللہ بالنفس میں یہ تحریر فرمایا ہے (کافی حاشیۃ اللامع) کہ اس وقت اس بابرکت مجلس میں اولاد و تجلیات باری کا ایسا ظہور ہوا جس سے حق کا ایسا وضوح و انکشاف ہوا کہ مشرکین بھی اس کے تسلیم کرنے پر مجبور ہوئے، لیکن پھر بعد میں جہاں تھے وہیں آگئے۔

حضرت اقدس گنگوہی کی رائے مجدی ہے جیسا کہ الکوکب الدری میں مذکور ہے۔ اور حضرت سہارنپوری نے بذل الہود میں ایک مشہور قصہ نقل فرمایا ہے جس کو شراح حدیث تو یہاں اس حدیث کی تشریح میں اور حضرات مفسرین سورہ حج کی آیت شریفہ وَاٰتٰتٰنَا مِنْ قَبْلِكَ مِنْ وَكُوْلٍ وَلَا تَنْفَعُ الْاِلٰهَ الشَّيْطَانُ فِيْ اٰمْنِيَّتِهٖ كَذٰلِكَ يُدْعٰى اِلٰى الْاِغْوٰى اِذَا خَشِيَ الْعَنٰى جی میں ذکر کرتے ہیں جس کا ترجمہ یہ ہے، نہیں بھیجا ہم نے آپ سے پہلے کوئی رسول یا نبی مگر یہ کہ جب وہ آیات (وحی) تلاوت کرتا یعنی لوگوں کو پڑھ کر سناتا تو شیطان اس کی تلاوت میں العنا کرتا رہا ہے یعنی اپنی طرف سے وحی میں غیر وحی کا القاء اور غلط کر دیتا ہے

اور وہ واقعہ یہ ہے جس کو ابن ابی حاتم اور ابن جریر طبری اور جلال الدین محلی نے تفسیر جلالین میں، اور محمد بن اسحاق صاحب المغازی نے سیرت میں اور موسیٰ بن عقبہ نے مغازی میں، سعید بن جبیر سے مرسل اور سعید بن جبیر عن ابن عباس مسند روایت کیا ہے کہ آپ مکہ مکرمہ میں سورہ نجم تلاوت فرما رہے تھے۔ جس وقت آپ اس آیت پر پہنچے اَفَرَأٰی اٰیٰتِ الْاَلٰتِ وَالْعُزٰی وَنَسَاۃَ الْاَلْبٰتِ الْاَخْرٰی العنٰی الشَّیْطٰنُ عَلٰی سَاۡدِہٖ تَمَکُ الْفَرٰیقِ الْعٰلِیَ وَاِنْ شَآءَہُمْ لَمَسْتَعْجٰی یعنی شیطان نے آپ کی زبان سے (لات و عزی وغیرہ اصنام کی مدح میں) یہ کلمات جاری کر دیئے کہ یہ بلند پرواز پرندے ہیں اور تحقیق کہ ان کی شفاعت کی امید کی جاتی ہے۔

اس پر مشرکین بہت مسرور ہوئے اور کہنے لگے کہ اس نبی نے آج تک ہمارے بتوں کی تفسیر نہیں کی تھی آج کی ہے۔ اس لئے وہ بھی آپ کی موافقت میں سجدے میں چلے گئے (یہ واقعہ سجدہ مشرکین کا منشأ ہے)

اس واقعہ کی صحت کے بارے میں شروع ہی سے علماء میں اختلاف رہا ہے، ایک جماعت اس واقعہ کا انکار کرتی ہے۔ جن میں قاضی ابوبکر ابن العربی اور قاضی عیاض وغیرہ ہیں۔ وہ فرماتے ہیں کہ یہ قصہ تین گھڑت اور زنادقتہ و ملاعدہ کی اختراع ہے، اسرائیلیات کے قبیل سے ہے۔ اس کی کوئی اصل نہیں یہی رائے شیخ عبدالحق محدث دہلوی کی ہے، لمعات شرح مشکوٰۃ میں وہ فرماتے ہیں "مدح اصنام تو کفر صریح ہے۔ حضور کی زبان مبارک سے عدا تو کیا سہوا بھی صادر نہیں ہو سکتی۔ اسی لئے اس واقعہ کا ذکر نہ تو کتب صحاح میں ہے اور نہ دوسری تصنیفات حدیثیہ میں، بلکہ بعض اہل سیر اور ان مورخین نے نقل کیا ہے جو حکایات غریبہ کے نقل کرنے کے شوقین ہوتے ہیں"۔ اسی طرح حضرت شاہ ولی اللہ صاحب نے اپنے تراجم بخاری میں اور حضرت اقدس گنگوہی نے الکوکب الدری میں تحریر فرمایا ہے کہ اس قصہ کی کوئی اصل نہیں ہے،

لیکن حافظ ابن حجر اس قصہ کو بے اصل ماننے کے لئے تیار نہیں ہیں۔ اور فرماتے ہیں علی قواعد المحدثین اس واقعہ کا انکار مشکل ہے کیونکہ جب اس واقعہ کے طرق کشیدہ ہیں اور ان طرق کے مخارج بھی متعدد ہیں خواہ ضعیف ہی سہی تو پھر اس کی کوئی اصل ضرور ہے۔ خصوصاً جبکہ میں کہہ چکا ہوں کہ اس کی تین سندیں علی شرط الصحیح ہیں گو مرسل ہیں۔ اور مرسل حدیث محبت ہے عند المجہور خصوصاً بعد الاعتقاد

وہ فرماتے ہیں باقی یہ بھی ماننا پڑیگا کہ یہ واقعہ اپنے ظاہر پر قطعاً محمول نہیں ہے لہذا اس کی تاویل ضروری ہے۔ پھر حافظ نے اس کی چھ سات توجیہات ذکر کیں۔ جن میں سے بعض کو انھوں نے خود ہی ناپسند کر کے رد کر دیا ہے (۱) یہ کلمات مدحیہ آپ کی زبان سے اس وقت جاری ہوئے جبکہ آپ اونگھ کی حالت میں تھے (جو اختیاری حالت نہیں) پھر جب آپ کو پتہ چلا کہ یہ کیا ہو گیا تو اللہ تعالیٰ نے اپنی صحیح آیات کو محکم فرما دیا اور شیطان کے القائی کلمات کو رد اور منسوخ کر دیا کلمات اللہ تعالیٰ فینسخ اللہ ما یلقی الشیطان ثم یحکم اللہ آیاتہ (۲) مشرکین کی عادت تھی کہ جب وہ اپنے آہلہ کا ذکر کرتے تھے تو وہ ان کے لئے یہ کلمات مدحیہ استعمال کرتے تھے، آپ بھی چونکہ یہ کلمات سنتے تھے اس لئے آپ کے حافظہ میں یہ بیٹھ گئے تھے اسی لئے جب آپ سورہ نغم کی یہ آیات تلاوت فرما رہے تھے تو بلا قصد آپ کی زبان سے صادر ہو گئے (۳) آپ نے یہ کلمات تو بجا پڑھے تھے یعنی کفار کی زبردستی کے لئے قاضی عیاض نے اس جواب کو پسند فرمایا ہے، خصوصاً اس لئے بھی کہ اس زمانے میں کلام فی الصلوٰۃ جائز تھا، (۴) جب آپ پڑھتے پڑھتے کفار کے آہلہ کے ذکر پر پہنچے تو مشرکین کو یہ خطرہ ہوا کہ کہیں یہ (محمّد صلی اللہ علیہ وسلم) اب آگے کلمات مذمت نہ فرمادیں اس لئے کفار نے جلدی سے اپنی طرف

ملے یہ توجیہ قتادہ سے مروی ہے قاضی عیاض نے اس کو رد کر دیا لایزال لایزال للشیطان علیہ فی النوم ایضا۔

سے آپ کی تلاوت میں ان کلمات کو غلط کر دیا جیسا کہ ان کی عادت تھی غلط کرنے کی قال تعالیٰ لا تسمعوا لهذا القرآن والغفنیہ اور اس الفاظ کی نسبت شیطان کی طرف اس لئے کی گئی کہ حامل اس پر وہی تھا (۵) ثلاث الغرانیق العلیٰ وان شفاعتہن لتقرننہن یہ دو آیتیں تھیں کلام پاک کی (جواب منسوخ التلاوة ہیں) اور الغرانیق العلیٰ سے مراد صرف ملائکہ تھے اور مطلب یہ تھا کہ فرشتے تو اللہ تعالیٰ کے مقبول بندے ہیں جن کی صرف سفارش کی امید کی جاسکتی ہے، اس سے زیادہ وہ کچھ اور نہیں کر سکتے (یعنی اگر وہ العباد باشند بنات اللہ ہوتے (لکا قالوا) تو پھر اس سے زائد پرتا در ہوتے) لیکن کفار نے تک کا اشارہ بجائے ملائکہ کے مذکورہ بالا اصنام یعنی لات وعزی اور منات کی طرف سمجھا اور اس سے خوش ہوئے کہ آج ہمارے آلہہ کی مدح ہوئی (لہذا اس غلط فہمی کو دور کرتے ہوئے ان آیات کو منسوخ ہی کر دیا گیا) (۶) آپ اس سورت کو خوب ترتیل کے ساتھ ٹھہر ٹھہر کر پڑھ رہے تھے جب آپ ذکر آلہہ پر پہنچے تو شیطان نے ایک دم آپ کے مسکتے میں ان کلمات کو آپ کے نغصہ و لہجہ میں اس طرح بڑھ دیا جس سے سامعین یہ سمجھے کہ یہ کلمات بھی آپ ہی نے پڑھے ہیں، حالانکہ فی الواقع آپ نے نہیں پڑھے تھے، اس توجہ کو اکثر علما نے پسند کیا ہے حافظ کہتے ہیں وهذا حسن الوجہ۔ یہ پہلے لکھا جا چکا کہ حضرت اقدس گنگوہی نے انکو کب الدری میں فرمایا ہے کہ اس واقعہ کی کوئی اصل محقق نہیں ہے اب سوال یہ ہو گا کہ پھر آیت کریمہ و ما ارسلنا من قبلك من رسول ولا نبی الا اذا تمسخی الایۃ کا کیا مطلب ہو گا؟ جواب یہ ہے کہ تفسیر بیان القرآن دیکھی جائے اور حضرت گنگوہی قدس سرہ کی ایک تالیف منیف جس کو حضرت شیخ کے والد مولانا محمد نجفی صاحب نے لطائف رشیدیہ کے نام سے طبع کرایا تھا جس میں بعض آیات قرآنیہ کا مطلب بیان فرمایا گیا ہے، اسکی طرف بھی رجوع کیا جائے

باب السجود فی ص

عن ابن عباس قال لیس من عزائم السجود یہ ابن عباس کی اپنی لئے ہے۔ وقد رأیت رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم یسجد فیہا یہ ہماری دلیل ہے اس لئے کہ بغیر آیت سجود کے سجدہ کرنا کسی کے یہاں مشروع نہیں۔ عن ابی سعید الخدریؓ انہ قال قرأ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم وهو علی المنبر ص آیت پہلی بار سورہ قس میں سجدہ کیا معلوم ہوا کہ اس میں آیت سجود ہے

علہ وہ اس لئے کہ اس صورت میں شیطان کا کوئی تسلط یا تصرف حضور صلی اللہ علیہ وسلم پر نہیں پایا جاتا بلکہ شیطان کا اپنا ایک فعل ہے نیز یہ ابن عباس کی تفسیر کے موافق ہے کہ انھوں نے تمہنی اور اُمّیۃ کے تفسیر تلاوت کے ساتھ کہ ہے علی فارمین کی ہولت کے لئے رسالہ مبارکہ کے یہاں قدرے نقل کرتا ہوں وہ بڑا سوال، اذا تمسعی یعنی شیطان فی المینۃ کے معنی مع تحقیق ردایۃ جلالتین جو اسکی تفسیر میں دار ہے، ارشاد ہو۔ الجواب ترجمہ آیت کا مذکورہ کون وجہ ہے کہ پوچھتے ہو اگر وجہ اشکال لکھ دیتے تو سبتر تھا، غیر مکتھا ہوں جس وقت پڑھتا ہے ڈالتا ہے شیطان اسکی قرات میں، جلالتین نے تو ایسی خطرات رکھ دی کہ عقل نقل کے خلاف ہے (اس کے بعد حضرت نے اس واقعہ کی ایک توجہ لکھی، پھر آگے تحریر فرماتے ہیں) میں کہتا ہوں کہ اگر یوں کہا جائے کہ قراءۃ میں الفاظ کرنے سے یہ مراد ہے کہ لکھا کہ جو قراءۃ ہو جیتی ہے اس میں مغتری لوگ کہہ انرا کہ کہ کم زیادہ حسب خواہش کر کے جاسکتا ہے جس سے حیزات انبیاء علیہم السلام پر طعن کا موقع ہو جائے تو کیا حرج ہے یہ تصور کرنا کہ میں وقت قراءۃ کے الفاظ کر دیتا ہے اس شخص میں وقت کا ترہینہ کیا ہے؟ بلکہ قرآن میں تحریف کرنا مراد ہے الی آخر افاد ۱۷

ولکنی رأیتکم تشترقتم للعبادة، لیکن جب میں نے تم کو دیکھا کہ تم سجدہ کے لئے تیار ہو گئے، ہو اس لئے آپ نے منبر پر سے اتر کر سجدہ کیا، اس سے یہ لازم نہیں آتا کہ آپ کا ارادہ سجدہ کر نیکا نہیں تھا بلکہ ہو سکتا ہے کہ یہ مطلب ہو کہ ابھی فی الحال سجدہ کر نیکا ارادہ نہیں تھا کیونکہ سجدہ علی الفور واجب نہیں، نیز امام طحاویؒ نے مجاہد سے نقل کیا کہ ابن عباس سے سورہ ص کے سجدہ کے بارے میں سوال کیا گیا تو انہوں نے فرمایا اولئک الذین ہدی الشرفہ فہدایہم اقتدہ یعنی قرآن کریم میں اللہ تعالیٰ نے حضور اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کو امور و مکلف فرمایا ہے اس بات کا کہ وہ انبیاء سابقین کی سیرت کو اختیار کریں اور انبیاء سابقین میں حضرت داؤد علیہ السلام بھی ہیں اور ان کے سجدہ کرنے کا اس سورت میں ذکر ہے واضح رہے کہ حضرات شافعیہ بھی اس سورت میں سجدہ کے قائل ہیں لیکن وہ اس کو غیر عزائم سے قرار دیتے ہیں جیسا کہ ابتدائی مباحث میں گذر چکا ہے۔

باب فی الرجل یسمع السجد وھو راكب

اور حاشیہ کے نسخہ میں ترجمہ کے الفاظ میں اتنا اضافہ ہے ادنی غیر مسئلۃ عن ابن عمر رضی اللہ تعالیٰ عنہما ان رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم قرا عام الفصح سجدۃ یعنی حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے ایسی سورۃ تلاوت فرمائی جس میں آیت سجدہ تھی یا ممکن ہے صرف آیت سجدہ ہی پڑھی ہو بیان جواز کے لئے اس لئے کہ صرف آیت سجدہ پڑھنا خلاف اولیٰ ہے لہذا ہم تفصیل کی وجہ سے۔

فوجد الناس کلہم منهم الراکب والساجد فی الارض حتی ان الراکب یسجد علی یدہ اس سے معلوم ہوا کہ سجدہ تلاوت سواری پر بالایک جائز ہے جب وہ طہار و منہم الحنفیہ کا مذہب یہی ہے، ہاتھ کے اوپر یا زمین کے اوپر سر رکھنے کی ضرورت نہیں صرف اشارہ کافی ہے، لیکن حنفیہ کے یہاں اس کی تصریح ہے کہ سجدہ علی الدابہ اس صورت میں جائز ہے جبکہ سواری ہی پر پڑھایا سنا ہو لہذا اگر تلاوت زمین پر کی ہو تو سواری پر سجدہ جائز نہیں، نیز فقہانے لکھا ہے کہ اگر زحام کی وجہ سے زمین پر سجدہ نہ کر سکے تو غیر ارضی مثلاً فخذ وغیرہ پر کرنا جائز ہے اور اگر کوئی شخص زمین کے اوپر ہاتھ رکھ کر سجدہ کرے تو ایسا بلا مذکر نامکروہ ہے لیکن سجدہ صحیح ہو جائیگا عندا یمینہ ج ۲۔

مسئلۃ الباب میں مالکیہ یہ کہتے ہیں کہ سجدہ تلاوت راکب یا مسافر کے لئے تو جائز ہے اور جو مسافر شرعی نہ ہو اس کو سواری سے اتر کر سجدہ کرنا ضروری ہے۔ (منہل)

قوله فی سجد وھو راكب ھو حق لا یجد احدنا مکانا لموضع جہتہ۔

مطلب یہ ہے کہ حضور صلی اللہ علیہ وسلم اپنی مجلس میں تلاوت فرماتے تھے تو جب اس میں آیت سجدہ آتی تھی اور آپ سجدہ کرتے تھے تو اس وقت مجلس میں جتنے بھی حاضر ہوتے تھے سبھی سجدہ کرتے

شرح حدیث

اور سجدہ کرنے والوں کا، مجوم ہو جاتا تھا یہاں تک کہ سجدہ کیلئے سر رکھنے کی بھی جگہ نہیں رہتی تھی، اور طبرانی کی ایک روایت میں اس طرح ہے کہ جب اہل مکہ نے اسلام ظاہر کرنا شروع کیا تو ایسا ہوتا تھا کہ آپ ﷺ تلاوت فرماتے اور سجدہ کرتے تو سب لوگ سجدہ کرتے حتیٰ سجد الرجل علی ظهر الرجل، پہلی حدیث کے ضمن میں گذر چکا کہ عند الزحام غیر ارض پر سجدہ کرنا (نخوذ وغیرہ پر) جائز ہے۔

اس حدیث کو ترجمۃ الباب سے مناسبت نہیں ہاں حاشیہ والا نسخہ اگر لیا جائے تو بیشک مطابقت ہو جائے گی

کان الشوریٰ یعجبہ هذا الحدیث سفیان ثوری کو یہ حدیث پسند تھی، آگے مصنف اعجاب کی وجہ بیان کر رہے ہیں کہ اس حدیث میں اس بات کی تصریح ہے کہ آپ ﷺ سجدہ میں جلتے وقت تکبیر کہتے تھے، بخلاف دوسری احادیث کے کہ ان میں یہ نیادتی نہیں ہے۔

سجدہ تلاوت میں سہرا ٹھہرتے وقت تکبیر بالاتفاق ہے اور جاتے وقت ظاہر الروایۃ میں ہے اور غیر ظاہر الروایۃ میں نہیں والا دل صبح۔

سجدہ تلاوت کا طریقہ مع اختلاف ائمہ ابتدائی مباحث میں گذر چکا ہے۔

بَابُ مَا يَقُولُ إِذَا سَجَدَ

سجدہ تلاوت اگر فرض نماز میں ہو تو بہتر یہ ہے کہ اس میں سبحان ربی الاعلیٰ پڑھے اور اگر خارج صلوٰۃ ہو یا نفل نماز ہو تو اختیار ہے خواہ وہ دعا پڑھے جو حدیث میں مذکور ہے یا سبحان ربی الاعلیٰ، اور بعض کہتے ہیں یہ بہتر ہے سبحان ربنا ان کان وعد ربنا لمفعولا جیسا کہ سورہ بنی اسرائیل کے آخر میں ہے ان الذین اوتوا العلم من قبلہ اذا یسئلیہم بخبرون للاذقان ثم یقولون سبحان ربنا ان کان وعد ربنا لمفعولا۔

عمل بالروایا کی مثال | اور ترمذی شریف کی ایک روایت میں ہے ابن عباس فرماتے ہیں کہ آپ ﷺ کے پاس ایک شخص آیا اور اس نے اپنا خواب بیان کیا کہ میں نے دیکھا کہ ایک درخت کے نیچے کھڑے ہو کر میں نے نماز پڑھی اور آیت سجدہ پر میں نے سجدہ کیا تو اس درخت نے بھی سجدہ کیا میں نے غور سے سنا کہ وہ درخت سجدہ میں یہ دعا پڑھ رہا تھا (دعا ترمذی میں مذکور ہے) ابن عباس فرماتے ہیں اس قصہ کے بعد ایک روز میں نے حضور ﷺ کو دیکھا کہ آپ ﷺ سجدہ تلاوت میں وہی اذکار پڑھ رہے تھے جو اس شجر نے پڑھے تھے۔

بَابُ فَمِنْ يَقْرَأُ السَّجْدَةَ بَعْدَ الصُّبْحِ

عن ابی نعیمۃ الہیجعی قال لما بعثنا الرکب۔

شرح حدیث

بعشنا مجہول و معروف دونوں ہو سکتا ہے اگر مجہول ہے تو الکرکب مغسوب بنزع الخافض ہوگا تقدیر یہ ہوگی لہذا بعشنا فی الکرکب یعنی جب ہم بھیجے گئے ایک قافلہ میں۔ اور معروف کی صورت میں مطلب یہ ہوگا جب ہم نے بھیجا قافلہ کو یعنی ہماری قوم نے بھیجا ایک قافلہ کو (جس میں بھی تھا) قال کنت اقص بعد صلوۃ الفصح تو میں صبح کی نماز کے بعد لوگوں میں وعظ و نصیحت کی بات کیا کرتا تھا اور آیت سجدہ پر سجدہ بھی اسی وقت کیا کرتا تھا خنہانی ابن عمرو فلم انتہ ثلاث مکررات مجھے ابن عمر نے اس وقت سجدہ کرنے سے منع فرمایا لیکن میں نہیں رکا اور اس کی تین بار نوبت آئی۔

مذاہب المم

حنابلہ کے نزدیک اوقات مکروہہ میں سجدہ تلاوت ناجائز ہے بلکہ صبح ہی نہ ہوگا اور مالکیہ کے نزدیک مکروہہ ہے (گو ہو جائیگا) اور شافعیہ کے نزدیک مطلقاً جائز ہے کیونکہ ان کے نزدیک نفل ذات السبب تمام اوقات میں جائز ہے، حنفیہ کے نزدیک یہ ہے کہ اگر تلاوت وقت مکروہہ ہی میں کی ہو تو سجدہ بھی اسی وقت کر سکتے ہیں اور اگر تلاوت غیر مکروہہ وقت میں کی تو پھر وقت مکروہہ میں سجدہ کرنا مکروہہ ہے لہذا یہ حدیث حنابلہ و مالکیہ کے موافق ہے حنفیہ و شافعیہ کے خلاف ہے، جواب یہ ہے کہ یہ حدیث ضعیف ہے ابو بکر راوی کی وجہ سے۔

فائدہ:- البوتیمہ کا نام طریف بن محالد ہے اور یہ راوی ثقہ ہیں۔

عہ یعنی وقت طلوع
و وقت غروب اور نصف النہار
و ابعد الغروب و بعد العصر مطلقاً

باب استحباب الوتر

عن علی رضی قال قال رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم یا اہل القرآن اوتروا

شرح حدیث

اس میں تمام مسلمین شامل ہیں اس لئے کہ تمام مسلمان اہل الایمان بالقرآن ہیں لیکن حضرت ابن مسعود نے اس حدیث کو اس کے ظاہر پر محمول کیا جیسا کہ اگلی روایت میں آرہا ہے۔ اور ترمذی میں ہے اسحاق بن راہویہ فرماتے ہیں اس حدیث میں وتر سے مراد قیام اللیل ہے جیسا کہ باب قیام اللیل میں گذر چکا کہ اکثر احادیث میں جملہ صلوۃ اللیل پر وتر کا اطلاق کیا گیا ہے۔ لہذا مطلب یہ ہوا کہ قیام اللیل کے اصل مخاطب حفاظ قرآن ہیں حافظوں کو چاہیے کہ وہ رات کو تہجد میں تلاوت قرآن کیا کریں یہی قرآن کی قدر دانی ہے اور اس سے استفادہ کی ایک خاص شکل، واللہ تعالیٰ اعلم۔

عن خارجۃ بن خذافۃ العدوی قال خرج علينا رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم فمنا

ان اللہ تعالیٰ تدا مدمکم بصلوۃ الخ اسی انعم علیکم و زادکم صلوۃ بعض روایات میں (طہرانی وغیرہ) زادکم صلوۃ ہی وارد ہوا ہے قال تعالیٰ امدکم بالانعام و بنین و جنت و عیون، اللہ تعالیٰ نے تمہارے لئے یعنی تمہارے

ثواب کو بڑھانے کے لئے ایک نماز بڑھا دی ہے۔

وجوب وتر کی دلیل | اس حدیث سے صاحب ہدایہ وغیرہ نے وجوب وتر پر استدلال کیا ہے اس لئے کہ نوافل اور تقویات میں تو کوئی تحدید ہی نہیں ہے زیادتی تو محدود چیز میں ہوا کرتی ہے اور مورد نماز فرض ہی ہے بعض کو اس پر اشکال ہے کہ مزید کے لئے یہ ضروری نہیں کہ وہ مزید علیہ کی جنس سے ہو بلکہ امداد کے معنی ہیں ایسی زیادتی جس سے مزید علیہ کی تقویت ہوتی ہو، اسی لئے شیخ ابن الہمام فرماتے ہیں کہ وجوب وتر پر استدلال اس سے اگلی حدیث سے بڑنا چاہیے جو آگے کتاب میں آ رہی ہے الوتر حق فمن لم یوتر فلیس متئا۔ حدثنا القعنبي عن مالك بن اسحق عن اس حدیث پر کلام باب الحی افضة علی الصلوات میں گذر چکا ہے، کیونکہ یہ حدیث وہاں بھی گذری ہے۔

باب کم الوتر

قوله والوتر ركعة من آخر الليل، عدد ركعات وتر پر کلام باب قیام اللیل میں تفصیل کے ساتھ گذر گیا یہ حدیث ابن عمر کی اس سے قبل باب صلوة اللیل مشنی مشنی میں بطریق نافع گذر چکی ہے بلفظ فاذا خشی احدکم الصبح صلی ركعة واحدة لتوتر له ما قد صلی، جس سے صاف طور پر حنفیہ کے مسلک کی تائید ہوتی ہے۔

عن ابی ایوب الانصاری قال قال رسول الله صلى الله عليه وسلم.... ومن احب ان یوتر بواحد فلیفعل یہ حدیث بظاہر صریح دلیل ہے ایثار برکعت کے جواز کی، اس کا جواب یہ ہے حافظ ابن حجر فرماتے ہیں صحیح یہ ہے کہ یہ حدیث موقوفاً ثابت ہے مرفوعاً نہیں، میں کہتا ہوں کہ جب یہ بات ہے تو پھر ہم حدیث ہو قون کا معارفہ کریں گے دوسری حدیث ہو قون سے موطا محمد میں ہے عن ابن مسعود ما اجزأت ركعة قط، ابن الصلاح فرماتے ہیں حضور صلی اللہ علیہ وسلم سے ایثار برکعت ثابت نہیں ہے، اسی طرح حدیث النہی عن البیترا مشہور ہے جس کو حافظ ابن عبد البر نے موطا کی شرح التہمید میں بسندہ الی ابی سعید الخدری مرفوعاً ذکر کیا ہے، نیز دارقطنی کی روایت ہے عن ابن مسعود مرفوعاً وثن اللیل ثلاث کو وتر النهار صلوة المغرب (من البذل والنہل)

باب ما یقرأ فی الوتر

عن عبد العزیز بن جریر قال سألت عائشة أم المؤمنين بای شیء کان یوتر رسول الله

صلى الله عليه وسلم..... قال وفي الثالثة بعث هو الله احد والمعوذتين۔

حدیث الباب پر کلام | یہ حدیث عائشہ سے قبل ابی بن کعب کی حدیث میں نقل ہوا لہذا کیا تہ معوذتین مذکور

نہیں ہے، یہ حدیث ضعیف ہے اس لئے کہ عبدالعزیز بن جریج کا سماع عائشہ سے ثابت نہیں ہے اور اس روایت میں اگرچہ سائل عائشہ موجود ہے (جو سماع پر دال ہے) لیکن کہا گیا ہے کہ تفریح سماع کی خطا ہے ضعیف راوی کی طرف سے نیز یہ خلاف معیار بھی ہے اس سے لازم آئیگا کہ رکعت اخیرہ پہلی رکعتوں سے طویل ہو جائے، لیکن الکوکب الدرّی میں لکھا ہے کہ کچھ مضائقہ نہیں، تطوعات میں (ومنها الوتر) ہر شفعہ مستقل نماز ہوتی ہے۔

صاحب المنہل لکھتے ہیں معوذتین کی زیادتی کئی روایات سے ثابت ہے، محمد بن نصر نے بھی قیام اللیل میں اس روایت کی تخریج کی ہے، اور شافعیہ و مالکیہ کے نزدیک بھی رکعات و وتر میں ان سب سورتوں کا پڑھنا سنت ہے، اور حنفیہ و حنابلہ معوذتین کی زیادتی کے قائل نہیں ہیں اھ۔

بعض روایات میں ان سورتوں کے علاوہ بھی دوسری سورتیں مروی ہیں چنانچہ محمد بن نصر کی روایت میں ہے حضرت علی فرماتے ہیں کہ حقیر و وتر میں نو سورتیں پڑھتے تھے فی الاولیٰ الہکم الشکار وانا انزلناہ فی لیلة القدر، واذ انزلت

صلوة الوتر میں کون کونسی
سورتیں پڑھنا منقول ہے

وفی الثانیة والعمر واذ اجاب نصر اللہ والفتح وانا اعطیناک الکوثر وفی الثالثہ قل یا ایہا الکافرون وتبت ید ابی لبب وقل ہو اللہ احد، اور سعید بن جبیر کے بارے میں روایت ہے کہ وہ پہلی رکعت میں خاتمة البقرة اور دوسری میں انا انزلناہ فی لیلة القدر اور کبھی قل یا ایہا الکافرون اور تیسری میں قل ہو اللہ احد، اور ابی بن کعب کو حضرت عمر نے امام تراویح بنایا تو وہ پہلی رکعت میں انا انزلناہ فی لیلة القدر اور دوسری میں قل یا ایہا الکافرون اور تیسری میں قل ہو اللہ احد پڑھتے تھے (من المنہل) اور ترمذیؒ میں ہے کہ حضرت عثمان و تر کی ایک رکعت میں ایک قرآن ختم کرتے تھے۔

باب القنوت فی الوتر

قنوت کے ایک معنی منجملہ اس کے معانی کے دعا کے بھی ہیں اور یہاں اس سے دعا فی محل مخصوص مراد (منہل)

حدثنا قتیبہ بن سعید نا ابوالاحوص عن ابی اسحق عن برید بن ابی مریم عن ابی العزولہ قال قال الحسن بن علی علیہ السلام کلمات اقولہن فی الوتر اللہم اھدنی فیمن ہدیت الی۔ قنوت کے بارے میں مصنفؒ نے دو باب قائم کئے ہیں ایک قنوت فی الوتر اور ایک چند باب آگے۔ قنوت فی الصلوات۔ یعنی فی الفرائض۔

اس کے بعد آپؐ سمجھیے کہ قنوت کی دو قسمیں ہیں ایک قنوت دائمی (جو پورے سال پڑھا جائے) اور ایک قنوت نازلہ (جو صرف حوادث کے وقت پڑھا جائے) ثانی کا تعلق یعنی اس کا محل فرائض (فرض نمازیں) ہے لہذا وہ باب جو آگے آرہا

وہ تو ہوا قنوت نازلہ کا۔ اور یہ باب جو یہاں مذکور ہے یہ اس کا مقابل یعنی قنوت دائمی ہے۔

پھر اس میں اختلاف ہو رہا ہے کہ قنوت دائمی کا محل کیا ہے آیا وتر ہے یا صلوٰۃ الفجر حنفیہ وحنابلہ کے نزدیک اس کا محل وتر ہے اور شافعیہ و مالکیہ کے نزدیک اس کا محل صلوٰۃ الفجر ہے۔

اس کے بعد آپ سمجھیے کہ قنوت میں پانچ مسائل اختلافی ہیں (۱) قنوت وتر میں مشروع ہے یا نہیں (۲) صلوٰۃ الفجر میں مشروع ہے یا نہیں (۳) قبل الکر کو عہے یا بعد الکر کو عہے (۴) قنوت کے لئے کونسی دعا مختار عند اللہ ہے (۵) قنوت نازلہ تمام نمازوں میں مشروع ہے یا صرف صلوٰۃ الفجر میں۔ اور دو بحثیں اور ہیں (۱) قنوت فی الوتر کے دلائل (۲) قنوت فی الفجر (دائم) کے دلائل۔

بحث اول۔ حنفیہ و حنابلہ پورے سال قنوت فی الوتر کے قائل ہیں اور شافعیہ قنوت فی الوتر کے قائل صرف رمضان کے نصف اخیر میں ہیں وہی روایت عن مالک و عند التیمیہ فی القنوت وتر کہ۔

بحث ثانی۔ امام شافعی و مالک کے نزدیک قنوت فی الفجر پورے سال مشروع و سنت ہے۔

ثالث۔ عند الشافعی و احمد بعد الکر کو عہ مطلقاً و عند مالک قبل الکر کو عہ مطلقاً و عندنا الحنفیہ الفرق بین قنوت الوتر و قنوت النازلہ فالاول قبل الکر کو عہ و الثانی بعدہ۔

رابع۔ حنفیہ و مالکیہ کے نزدیک دعا قنوت میں اولی سورۃ الخلق و سورۃ الحمد ہے اللہم انا نستعینک و نستغفرک و نؤمن بک و نتوکل علیک و نشتی علیک الخیر و نشکرک و لا نکفرک و نخلع و نترک من یفکرک (یہ سورۃ الخلق ہے) اللہم ایاک نعبد و لک نعسی الخ (یہ سورۃ الحمد ہے) اور ایک روایت امام مالک سے یہ ہے کہ دونوں دعاؤں کو جمع کیا جائے اور ہمارے یہاں بھی ایک قول یہی ہے کہ دونوں کو جمع کرنا بہتر ہے اور شافعیہ و حنابلہ کے نزدیک مختار و راجح اللہم اھدنی فیمن ہدیت الخ ہے جو کہ حدیث الباب میں مذکور ہے اور یہ حدیث سنن اربعہ اور مسند احمد کی حدیث ہے۔ شافعیہ و حنابلہ کی دلیل ہے اور حنفیہ کی دلیل ترجیح دعائیں مراسیل ابی داؤد کی روایت مرسلہ ہے خالد بن ابی عمران (تابعی) سے روایت ہے کہ آپ کی خدمت میں حضرت جبریلؑ تشریف لائے و علمہ القنوت اللہم انا نستعینک الخ نسیہ ابن ابی شیبہ نے بھی اس کو روایت کیا موقوفاً علی ابن مسعود اور ابن السنی نے موقوفاً علی ابن عمر اور درمنثور میں بحوالہ محمد بن نصر و طحاوی ابن عباس سے روایت ہے کہ عمر بن الخطابؓ قنوت میں یہ دو سورتیں پڑھتے تھے۔ اللہم انا نستعینک الخ

لہ فاخرجہ ایضاً من خزینۃ دین حبان و امامک و والدہ قطنی و البیہقی من طرز یزید عن ابی انوراء و رواہ البیہقی ایضاً من طریق موسیٰ بن عقبہ

عن عبد اللہ بن علی عن الحسن و زاد بعد قولہ تبارک و تعالیٰ و صلی اللہ علی النبی محمد قال النوری فی شرح المہذب انہا زیادۃ بسند صحیح و حسن اھ

ورود الی قنات فی التعلیم بابہ مستطیع فان عبد اللہ بن علی لم یلق الحسن بن علی بن ابی طالب

فائدہ: علامہ سیوطی نے درمنثور کے اخیر میں سورۃ الناس کے بعد ایک سرخی قائم کی ہے ذکر مآوردہ فی سورۃ
الطلع وسورۃ العنجد اور پھر اس کے ذیل میں ثابت کیا کہ بعض صحابہ حضرت ابی بن کعب والی موسیٰ اشعری وغیرہ کے مصحف
میں سورۃ الناس کے بعد یہ دو سورتیں مزید پائی جاتی ہیں۔ بسم اللہ الرحمن الرحیم اللہم انا نستعینک الی قولہ من بعدک
بسم اللہ الرحمن الرحیم اللہم یا ایاک نعبد ویاک نستعین لیکن انہوں نے اس پر اپنا کوئی تبصرہ یا شروع میں کوئی تہدید بیان نہیں کی
بظاہر یہ دونوں سورتیں قرأت شاذہ غیر متواترہ کے قبیل سے ہیں اسی لئے صرف بعض مصاحف میں ہیں۔ مصحف عثمانی جو
متواتر اور اجماعی ہے اس میں نہیں ہیں۔

خامس۔ قنوت نازلہ امام شافعی کے نزدیک تمام صلوات میں مشروع ہے اور حنفیہ کے یہاں اس میں تین قول ہیں۔
فی جمیع صلوات، فی الصلوۃ الجہریہ، فی صلوۃ الخیر فقط۔ والرأج ہو الاخیر۔ اور ابن قدامہ حنبلی نے بھی اسی کو ترجیح دی ہے لیکن
الروض المربع (فی فقہ الحنابلہ) سے معلوم ہوتا ہے کہ شافعیہ کی طرح ان کے یہاں بھی سب نمازوں میں مشروع ہے۔
بعد اللہ مباحث خمسہ تو ہو گئے اب اخیر کی دو باتیں باقی رہ گئیں، قنوت فی الوتر اور قنوت فی الفجر کے ثبوت کے دلائل۔
سادس۔ قنوت فی الوتر جس کے حنفیہ اور حنابلہ قائل ہیں اس کا باب اور اس کی احادیث سنن اربعہ میں ملتی ہیں۔

اور امام نسائی نے قنوت فی الوتر کے بجائے ترجمۃ الباب الدعاء فی
الوتر قائم کیا ہے۔ اور اس میں یہی دو حدیثیں جو سنن ابی داؤد میں ہیں یعنی
حسن بن علی اور علی کی حدیث ذکر کی ہیں اور انہوں نے ان دونوں حدیثوں پر

قنوت فی الوتر کے بارے میں حدیثین کا طرز عمل

کوئی نقد بھی نہیں کیا ہے، اس کے علاوہ امام نسائی نے دوسرے مقام پر ابی بن کعب کی بھی حدیث ذکر کی ہے جس میں
قنوت فی الوتر مذکور ہے مگر اس میں انھوں نے رواۃ کا اختلاف ثابت کیا ہے اس کے تین طریقوں میں سے صرف ایک
طریق میں قنوت فی الوتر مذکور ہے باقی دو میں نہیں۔ اور امام ترمذی نے قنوت فی الوتر کا باب قائم کر کے اس میں انھوں
نے یہی حدیث الباب یعنی حسن بن علی کی حدیث ذکر کی اور اس پر حسن کا حکم لگایا اور فرمایا ولا یصرف عن النبی صلی
اللہ علیہ وسلم فی القنوت شیئاً احسن من هذا اور ہمارے امام ابو داؤد نے قنوت فی الوتر کے باب میں تین
حدیثیں ذکر کی ہیں حسن بن علی کی حدیث اور دوسری علی کی ان دو پر تو کوئی نقد نہیں کیا اور تیسری حدیث ابی بن کعب
کی ہے اس میں انہوں نے رواۃ کا اختلاف واضطراب ثابت فرما کر اس کو غیر ثابت اور ضعیف کہا ہے، اور امام
بیہقی نے السنن الکبریٰ میں امام ابو داؤد کا کلام اور ان کی رائے نقل کر کے اس کی تائید کی ہے، لیکن علامہ
ابن الترمکانی نے الجوہر النقی میں امام ابو داؤد کی رائے کا تعقب کرتے ہوئے حدیث ابی کو ثابت قرار دیا ہے۔

واضح رہے کہ صحیحین (بخاری و مسلم) میں قنوت فی الوتر کی کوئی حدیث نہیں ہے اور ہونی بھی نہ چاہیے لہذا
کہ امام احمد بن حنبل فرماتے ہیں رکما حکى عنه الحافظ ابن القيم، لم یصح عن النبی صلی اللہ علیہ وسلم فی قنوت الوتر

قبل الركوع وبعده شيء (منہل) لیکن امام بخاری نے ابواب الوتر میں باب القنوت مطلقاً قائم کیا ہے جس میں فی الوتر یا فی الفجر کی کوئی قید نہیں لگائی جس سے بعض شراح کی رائے یہ ہے کہ امام بخاری کا میلان قنوت فی الوتر کی مشروعیۃ کی طرف ہے اس کے برعکس صحیح بخاری میں اگرچہ قنوت فی الفجر کی حدیث موجود ہے لیکن انھوں نے قنوت فی الفجر پر کوئی باب مستند نہیں فرمایا۔ ہمارے حضرت شیخ کی رائے یہ ہے کہ امام بخاری قنوت فی الفجر دائماً کے قائل نہیں ہیں۔

سابع۔ قنوت فی الفجر یعنی دائماً جس کے شافعیہ و مالکیہ قائل ہیں اس کے ثبوت اور دلائل پر کلام ہم انشاء اللہ تعالیٰ باب القنوت فی الصلوات کے ذیل میں کریں گے۔ واللہ الموفق۔

حدثنا عبد الله بن محمد النفيلي نا زهير بن ابواسحاق باسناد لا ومعناه۔

شرح السند

پہلی سند میں ابواسحاق کے شاگرد ابوالاحوص تھے اور یہاں زہیر بن پہلی سند میں ابواسحاق سے روایت کرتے ہیں ابواسحاق کی سند سابق کے ساتھ اور اسی مضمون کے ساتھ لیکن دونوں روایتوں میں فرق ہے جس کو مصنف آگے بیان کرتے ہیں وہ یہ کہ ابوالاحوص کی روایت میں اقولہن فی الوتر خود حسن بن علی کا قول ہے، اور زہیر کی روایت میں ہے ابوالنحوراء کہتے ہیں کہ ان کلمات کو حسن بن علی وتر میں پڑھا کرتے تھے۔ اس صورت میں یہ مقولہ ہوا ابوالنحوراء کا۔ پھر اس میں دو احتمال ہیں ایک یہ کہ وہ ان کلمات کو وتر میں حضورؐ کے حکم کے مطابق پڑھتے تھے۔ اور دوسرا یہ کہ وہ ان کو از خود اپنی رائے سے وتر میں پڑھا کرتے تھے، اور ابوالاحوص کی روایت کے ظاہر سے یہ معلوم ہوتا ہے کہ حضورؐ ہی نے ان کو یہ کلمات وتر میں پڑھنے کو بتائے تھے۔ بہر حال حضرت حسن اس دعا کو وتر میں پڑھا کرتے تھے یہ بات تو متیقن ہے لیکن رہا یہ کہ حضورؐ ہی نے وتر میں پڑھنے کو فرمایا تھا یہ یقیناً امر نہیں۔ (وہذا بحمد اللہ غایۃ توضیح و تحقیق لہذا المقام اخذتہ من کلام صاحب المنہل)

عن علی ابن رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کان یقول فی آخر وترہ، یہ باب کی دوسری حدیث ہے۔ آخر وتر کے مطلب میں چند احتمال ہیں (۱) آخری رکعت میں تشہد کے بعد (۲) حالت قیام میں قراءت کے بعد رکوع سے قبل دعا قنوت کیساتھ یا صرف یہی دعا (۳) وتر سے فارغ ہونے پر سلام کے بعد جیسا کہ بعض روایات میں اس کی تصریح بھی ہے لہذا یہی مطلب رائج ہے۔

قال ابو داود روی عیسی بن یونس عن سعید بن ابی عمرو بن قتادة۔

یہاں سے مصنف ایک تیسری حدیث ذکر کرتے ہیں (حدیث ابی بن کعبؓ) لیکن تعلیقاً، کیونکہ عیسی بن یونس مصنف کے استاذ نہیں ہیں بلکہ استاذ الاستاذ

ہیں اور اس تیسری حدیث کو مصنف اس لئے ذکر کر رہے ہیں کہ اس میں ایک نئی بات مذکور ہے جو پہلی دو حدیثوں میں نہیں تھی

یعنی محل قنوت چنانچہ اس روایت میں ہے ان رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم قنّت فی الوتر قبل الركوع۔

حدیث ابی ہریرہ مصنف کا نقد لیکن مصنف کی تحقیق یہ ہے کہ ابی بن کعب کی اس حدیث میں قنّت فی الوتر کی زیادتی ثابت نہیں ہے بلکہ اس حدیث کا صرف اتنا حصہ ثابت ہے

کہ حضور و ترکی تین رکعات پڑھتے تھے پہلی رکعت میں سبح اسم ربک الاعلیٰ اور دوسری میں قل یا ہیا الکافرون اور تیسری میں قل ہوا اللہ احد جیسا کہ دوسری کتب حدیث نسائی وغیرہ میں یہ مضمون ہے۔

یہ تو یقین کے ساتھ نہیں کہا جاسکتا کہ مصنف قنوت فی الوتر کے اصلاً قائل ہی نہیں ہیں اس لئے کہ مصنف حنبلی ہیں اور امام احمد ہے منقول ہے کہ قنوت فی الوتر کے سلسلے میں کوئی حدیث ثابت نہیں لیکن اس کے باوجود وہ قنوت فی الوتر کے قائل تھے اس لئے کہ حضرت عمر رضی اللہ تعالیٰ عنہ پورے سال و تر میں قنوت پڑھتے تھے (حکذا حکى عن احمد بن حنبل) ایسے ہی باب کے شروع میں مصنف نے حسن بن علی کی حدیث ذکر کی ہے جس سے قنوت فی الوتر ثابت ہوتا ہے۔ اسی طرح دوسری حدیث یعنی علی کی اس سے بھی یہی ثابت ہوتا ہے، غرض کہ مصنف کے قنوت فی الوتر کے قائل ہونے کے یہ معنی نہیں ہیں کہ وہ اس سلسلے کی جملہ احادیث کو صحیح مانیں۔

الاضطراب الواقع فی السند کی تشریح اس حدیث میں مصنف رواۃ کا اختلاف واضطراب ثابت کر رہے ہیں اس تمام اختلاف واضطراب کا حاصل جو مصنف نے بیان کیا یہ ہے کہ

اس حدیث کا مدار سعید بن عبد الرحمن بن ابی ہریرہ پر ہے اور پھر ان سے روایت کرنے والے دو ہیں قتادہ اور زبید ہر ایک کے متعدد تلامذہ ہیں اور وہ تلامذہ آپس میں مختلف ہیں اور وہ اختلاف یہ ہے کہ بعض رواۃ اس حدیث میں قنوت کو ذکر کرتے ہیں اور بعض نہیں نیز بعض نے اس میں ابی کو بھی ذکر نہیں کیا اور حدیث کو مرسل روایت کیا۔

اولاً قتادہ کو یحییٰ سعید بن ابی عمرو نے قتادہ سے اس حدیث میں قنوت فی الوتر قبل الركوع ذکر کیا، ہشام دستوائی اور شعبہ نے قتادہ سے اس میں قنوت کو ذکر نہیں کیا، پھر ابن ابی عمرو کے تلامذہ بھی آپس میں ان سے روایت کرنے میں متفق نہیں ہیں صرف یحییٰ بن یونس اس میں ان سے قنوت ذکر کرتے ہیں، یزید بن زریع اور عبد اللہ بن محمد بن بشر یہ تینوں ابن ابی عمرو سے قنوت ذکر نہیں کرتے۔

لے اس کے کہنے کی ضرورت اس لئے پیش آئی کہ شروع میں بندہ یہی سمجھتا رہا کہ مصنف بھی قنوت فی الوتر کے بعض دوسرے ائمہ کی طرح قائل نہیں ہیں اس لئے کہ مصنف نے ابی بن کعب کی اس حدیث کو جس میں قنوت فی الوتر کی تصریح ہے بڑی قوت و شدت کے ساتھ رد کیا ہے اور پھر آگے تک کرتے ہی چلے گئے۔ فقط واللہ اعلم۔

یہ اس پر ابن الزکائی فرماتے ہیں یحییٰ بن یونس ہدیت ثقہ راوی ہیں اور زیادہ ثقہ معتبرہ خصوصاً جبکہ یحییٰ کا شاہد بھی موجود ہے نسائی کی روایت میں ۱۲

اس کے بعد اب زبید کی روایت کو لے لیجئے۔ مصنف فرما رہے ہیں وحدیث زبید رواہ سلیمان الاعمش وشعبة ابو زبید کے اکثر تلامذہ ان سے اس حدیث میں قنوت فی الوتر کو ذکر نہیں کرتے اور وہ اکثر یہ ہیں، اعمش، شعبہ، عبد الملک، جریر بن حازم بلکہ صرف شعبة نے زبید سے قنوت کو ذکر کیا ہے اور مسعر سے روایت کرنے والے حفص ابن غیاث ہیں (اور اس میں بھی یہ اشکال ہے کہ حفص کی مسعر سے جو مشہور روایت ہے وہ اس طرح نہیں) لہذا ہو سکتا ہے کہ یہ حفص کی روایت (جس میں قنوت مذکور ہے) غیر مسعر سے ہو۔

قال ابو داؤد ویروی ان ابیہ کان یقنت فی النصف من شہر رمضان، یہ تعلق ہے اس کا وصل آگے مصنف خود ہی بیان کر رہے ہیں مصنف کی غرض اس کے نقل کرنے سے یہ ہے کہ حدیث ابی میں ذکر قنوت ثابت نہیں اس لئے کہ اگر وہ ثابت ہوتا جیسا کہ بعض راویوں نے اس کو ذکر کر دیا ہے تو پھر حضرت ابی اس کے خلاف کیسے کرتے۔

حدثنا احمد بن محمد بن حنبل یہ تعلق سابق کا وصل ہے یعنی پہلی روایت مصنف نے بغیر سند کے بیان کی تھی، یہاں سے اس کی سند بیان کرتے ہیں مگر یہ روایت ضعیف ہے کیونکہ اس کی سند راوی مجہول پر مشتمل ہے حدثنا شجاع بن مخلد ابو اس روایت میں پہلی روایت کی تویض و تفصیل ہے۔

عن الحسن ان عمر بن الخطاب رضی اللہ تعالیٰ عنہ لجمع الناس علی ابی بن کعب فکان یصلی لمہم عشرين لیلة رکعات تراویح کے بیان میں گذر چکا کہ یہاں ابو داؤد کے بعض نسخ میں عشرين لیلة کے بجائے عشرين رکعات ہے اور یہ وہ نسخہ ہے جس کو حضرت مولانا احمد علی صاحب محدث سہارنپوری حجازی سے نقل کر کے یہاں لائے تھے اور اسی نسخہ میں انہوں نے مکہ مکرمہ میں حضرت شاہ محمد اسحاق صاحب رحمۃ اللہ علیہ سے پڑھا تھا۔

ولایقنت بہم الا فی النصف الباقی، حضرت ابی لوگوں کو صرف بیس روز تک تراویح پڑھاتے تھے اور بیس میں سے صرف نصف باقی میں وتر مع القنوت پڑھاتے تھے اور نصف اول یعنی شروع رمضان سے پندرہ تاریخ تک قنوت فی الوتر نہیں پڑھتے تھے بلکہ نصف باقی یعنی پندرہ سے بیس تک پڑھتے تھے (کذا فی المنہل) اور حضرت نے بذل میں بیس دن کی تنصیف کی ہے یعنی دس روز (عشرہ اولی) میں نہیں پڑھتے تھے اور نصف باقی یعنی عشرہ ثانیہ میں قنوت پڑھتے تھے۔ اور پھر تیسرے عشرہ میں تو چلے ہی جاتے تھے تراویح بھی مسجد میں نہ پڑھاتے تھے۔

قال ابو داؤد..... وهذا ان الحدیثان یدلان علی ضعف حدیث ابی الخ قنوت فی الوتر کے بارے میں ابی بن کعب کی حدیث کو حنفیہ تو ثابت و صحیح مانتے ہیں اور اس سے پورے سال قنوت فی الوتر کی ثابت کرتے ہیں۔ لیکن مصنف رحمہ اللہ اس حدیث کی تضعیف کے درپے ہیں وہ اس طرح کہ یہ حدیث ابی جو کہ مرفوع ہے اگر

لے اس پر ابن الترمذی نے اعتراض کیا کہ قنوت ہے مصنف نے خود ابی قریب میں فطر بن غلیظہ کی روایت زبید سے نقل کی جس میں ذکر قنوت موجود ہے

ثابت ہوتی تو پھر خود حضرت ابی اس کے خلاف عمل کیوں کرتے کیونکہ ان کا عمل تو یہ ہے کہ وہ رمضان کے صرف نصف باقی میں قنوت فی الوتر پڑھتے تھے جیسا کہ ان دو حدیثوں سے ثابت ہو رہا ہے

مصنف کے کلام پر نقد | مصنف کے اس دعویٰ تضعیف کا جواب حضرت نے بذلل میں علامہ ابن الترمکانی سے یہ نقل فرمایا ہے کہ یہ دونوں حدیثیں خود ضعیف ہیں پھر ان کے ذریعے سے حدیث ابی کی تضعیف کیسے ہو سکتی ہے اس لئے کہ حدیث اول کی سند میں ایک راوی مجہول ہے (عن بعض اصحابہ) اور حدیث ثانی کی سند میں انقطاع ہے کیونکہ حسن بصری کا سماع عمرہ سے ثابت نہیں۔ واللہ تعالیٰ اعلم۔

مصنف کے کلام پر اور بھی کچھ نقد ہے جو گذشتہ حاشیہ میں ظاہر کر دیا گیا ہے۔

باب فی الدعاء بعد الوتر

كان رسول الله صلى الله عليه وسلم اذا سلم في الوتر قال سبحان الملك القدوس آپ وتر کے بعد یہ دعا مذکور پڑھتے تھے اور بعض روایات میں یہ ہے کہ اس کو آپ تین مرتبہ پڑھتے تھے پہلی اور دوسری بار آہستہ اور تیسری مرتبہ میں آواز کو بلند اور دراز کرتے تھے۔ اور بعض روایات میں کلمات مذکورہ کے بعد یہ بھی ہے رب الملك والروح۔ اور ایک روایت میں بجائے الملك القدوس کے سبحان ربی القدوس وارد ہے، سوال یہ ہے کہ یہ دعا کہاں ہے یہ تو تسبیح اور ذکر ہے، جواب یہ ہے کہ مصنف کی مراد ترجمۃ الباب میں دعا سے عام ہے، دعا یا ذکر جو بھی ہو اور یا یہ کہا جائے کہ اللہ تعالیٰ کی حمد و ثناء یہ عین دعا ہے الشاء علی الکبریم دعاء۔ ایک روایت یاد پڑتی ہے الفضل الدعاء الحمد للہ۔

عن ابی سعید الخدری قال قال رسول الله صلى الله عليه وسلم من نام عن وتره او نسيه فليصله اذا ذكره۔ اس حدیث کو ترجمۃ الباب سے کوئی مناسبت نہیں صاحب مہمل لکھتے ہیں ممکن ہے بعض ناخین سے ترجمۃ الباب نقل کرنے سے رہ گیا ہو۔ باب من نام عن وتره او نسيه۔

اس حدیث میں امر بقضاء الوتر مذکور ہے جو وجوب وتر کی دلیل ہے، فقہاء وتر کے تو سب امر قائل ہیں خواہ وجوب کے قائل نہ ہوں۔

لے (تنبیہ) حضرت نے بذل میں مصنف کے قول علی ان الذی ذکر فی القنوت پر لکھا ہے اسی کو نہ قبل الركوع، بندہ کی رائے یہ ہے کہ مصنف کا نقد من قبل الركوع پر نہیں ہے بلکہ ذکر قنوت فی الوتر پر ہے یعنی ابی کی حدیث مرفوعہ میں قنوت فی الوتر قبل الركوع اس بارے میں علامہ کی زیادتی ثابت نہیں ہے، واللہ تعالیٰ اعلم ۱۲ یہ بحث اور مقام اس کتاب میں جیسے طلبہ کے لئے فدا مشکل اور دقیق تھا جو اللہ تعالیٰ کے فضل سے کھلا گیا۔ نا محمد للہ۔

وترکی قضا کب تک ہے

لیکن اس میں اختلاف ہے کہ وتر کی قضا کب تک ہے اس میں متعدد اقوال ہیں (۱) صحابہ کرام و تابعین کی ایک جماعت جس میں امام مالک و احمد بھی ہیں ان کے نزدیک وتر کی قضا مالم یصل الصبح ہے (صبح کی نماز پڑھنے سے پہلے پہلے اس کے بعد نہیں) یہی ایک روایت امام شافعی کی ہے لیکن امام مالک کے نزدیک طلوع فجر کے بعد صبح کی نماز تک وتر کا وقت ادا ہی ہے نہ کہ قضا (۲) حنفیہ کا مذہب اور شافعیہ کا قول مشہور یہ ہے کہ وتر کی قضا ہمیشہ ہے کسی زمان کے ساتھ خاص نہیں کہ اس کے بعد پھر قضا نہ ہو البتہ حنفیہ کے نزدیک اوقات مکروہہ میں پڑھنا جائز ہے شافعیہ کے یہاں جائز ہے۔

اس میں اور بھی بعض مذاہب ہیں مثلاً ابراہیم غنی کے نزدیک وتر کی قضا صرف الی طلوع الشمس ہے طلوع شمس کے بعد نہیں اور حسن، طاؤس، مجاہد وغیرہ کے نزدیک وتر کی قضا صرف زوال تک ہے اس کے بعد نہیں، سعید بن جبیر کہتے ہیں وتر کی قضا طلوع فجر کے بعد دن میں کسی بھی وقت نہیں بلکہ آئندہ رات آنے پر اس کی قضا کی جائے اس لئے کہ وتر رات کی نماز ہے تو عمل اللیل کو عمل النہار بنانا درست نہیں۔

بعض احادیث سے (مسند احمد وغیرہ کی) حضور اقدس صلی اللہ علیہ وسلم کا وتر کو طلوع فجر کے بعد صلوۃ فجر سے قبل پڑھنا ثابت ہے غالباً اسی لئے مالکیہ کا مذہب یہ ہے کہ وتر کی نماز طلوع فجر کے بعد نماز صبح سے قبل ادا ہی ہے قضا نہیں کیا تقدم قریناً (ملخصاً من المنہل) اس مسئلے میں (وتر کی قضا کب تک ہے) بذل المجہود میں علماء کے آٹھ مذاہب نقل کئے ہیں جن میں سے اکثر اوپر گزر چکے۔ ابن حزم ظاہری کا مذہب یہ لکھا ہے کہ نوم و نسیان کی صورت میں (جیسا کہ حدیث میں مذکور ہے) وتر کی قضا ہمیشہ کر سکتے ہیں لیکن عمدتاً ترک کرنے کی صورت میں قضا ممکن ہی نہیں ہے۔

پس ائمہ اربعہ کا مذہب یہ ہوا کہ امام مالک و احمد نے نزدیک وتر کی قضا صبح کی نماز تک ہے، حنفیہ و شافعیہ کے نزدیک اس کی قضا ہمیشہ ہے۔

باب فی الوتر قبل النوم

مشہور حدیث ہے "اجعلوا آخر صلوٰتکم باللیل و تنوّل" (رواہ الشیخان وغیرہما) لیکن یہ امر استحبائی ہے اسی لئے آپ نے بعض صحابہ کو جیسے ابو ہریرہ (ان کے حال کے مناسب) بعد العشاء قبیل التہجد وتر پڑھنے کی ہدایت فرمائی کہ عن ابی ہریرۃ او صافی خلیلی صلی اللہ علیہ وسلم بسلامت وان لا اناہم الا علی و تنوّل اس کی وجہ بعض نے یہ لکھی ہے کہ حضرت ابو ہریرہ رات کے کافی حصہ تک حفظ احادیث میں مشغول رہتے تھے (گویا وہ طالب علم تھے) نہ معلوم بغیر شب میں آنکھ کھلے نہ کھلے اس لئے آپ نے ان کو وتر قبل النوم کی ہدایت فرمائی تھی، ایسے ہی فقہاء کرام

بھی تاخیر وتر کے بارے میں لکھتے ہیں لمن یثق بالانتباه۔

اخذ هذا بالحذر واخذ هذا بالقوة۔ یعنی صید لق اکبر نے احتیاط کو اختیار کیا کہ وتر کو عشاء کے بعد ہی پڑھ لیتے ہیں، اور عمر فاروق نے عزیمت اور ہمت کی بات اختیار کی (کہ وتر کی نماز اخیر شب میں پڑھتے ہیں۔

عن ابن عمر ان النبی صلی اللہ علیہ وسلم قال بادروا الصبح بالوتر تنجد کے بعد صبح ہونے سے پہلے جلدی سے وتر پڑھ لو۔ وتر کب تک پڑھ سکتے ہیں اس کی تفصیل گذشتہ باب میں گذر چکی۔

اجعلوا آخر صلوتکم باللیل و ترا

مصنف کی ایک عادت ہم نے یہ انداز لگایا ہے کہ مصنف بسا اوقات باب کے اخیر میں ایسی حدیث لاتے ہیں جو آنے والے باب کے مناسب ہو اس کی کچھ نظیریں ہمارے ذہن میں

ہیں یہاں بھی مصنف نے کچھ ایسا ہی کیا اس لئے کہ آگے نقض الوتر کا باب آ رہا ہے اور اس کا تعلق اسی حدیث یعنی اجعلوا آخر صلوتکم ان سے ہے۔

باب فی نقض الوتر

یہ ایک مشہور اور اختلافی مسئلہ ہے، ائمہ اربعہ میں تو کوئی اختلاف نہیں ہے البتہ قرن اول میں اختلاف رہا ہے بعض صحابہ علی عثمان، ابن مسعود نقض وتر کے قائل تھے اسی طرح ابن عمر بلکہ ابن عمر تو اس پر عمل بھی کرتے تھے کافی مسند احمد اور ائمہ حدیث میں سے اسحق بن راہویہ بھی اسکے قائل ہیں۔

مسئلہ نقض وتر کی توضیح نقض وتر کا جو مسئلہ ہے اس کی بنا دو حدیثوں پر ہے۔ (۱) اجعلوا آخر صلوتکم (۲) لا وتران فی لیلۃ۔ اس کی توضیح یہ ہے کہ آپ نے فرمایا وتر

کی نماز رات کی تمام نمازوں میں سب سے اخیر میں پڑھو لہذا تہجد کے بعد پڑھو اب اگر کسی شخص نے بعد العشاء وتر پڑھ لئے اور بعد میں تہجد کے وقت بیدار ہوا تو اب یہ شخص کیا کرے اگر تہجد کی نماز پڑھتا ہے تو حدیث ملا کہ خلاف ہوتا ہے اور اگر اس حدیث کی رعایت کرے تو تہجد سے محروم رہتا ہے اور اگر یہ کرے کہ تہجد پڑھنے کے بعد حدیث ملا کی رعایت میں اخیر میں دوبارہ وتر پڑھتا ہے تو حدیث ملا کے خلاف ہوتا ہے کہ ایک رات میں وتر دو مرتبہ نہیں پڑھنے چاہئیں۔

تو اس مشکل کا حل بعض علماء نے یہ نکالا کہ نقض وتر کر دیا جائے یعنی شروع رات میں جو وتر کی نماز پڑھی تھی اس کو توڑ دیا جائے جس کی صورت یہ ہوگی کہ تہجد شروع کرنے سے قبل ایک رکعت نماز اس نیت سے پڑھے کہ اس کو میں وتر کی رکعات میں جو شروع شب میں پڑھی تھی شامل کرتا ہوں، اب وہ سابق وتر کی نماز بھائے وتر

ہونے کے شفع ہو گئی (یہی مطلب ہے نقض و ترکا) اس کے بعد اب یہ شخص آرام سے تہجد کی نماز پڑھ لے اور پھر اخیر میں تہجد کے بعد وتر بھی پڑھ لے۔ اس صورت میں تہجد سے بھی محروم نہ رہا اور ان دونوں حدیثوں کے بھی خلاف نہیں ہوا، اسحق بن راہویہ اس کے قائل ہیں اور مسند احمد کی روایت سے معلوم ہوتا ہے کہ حضرت ابن عمر بھی ایسا کر لیا کرتے تھے

جمہور کی دلیل ائمہ اربعہ اور جمہور جو نقض و ترک کے قائل نہیں ہیں وہ یہ فرماتے ہیں کہ آدمی کے اختیار میں یہ کہاں ہے کہ وہ سابق وتر کو توڑ سکے وہ تو آسمان پر بھی پہنچ گئے الیہ یصدق الکلم الطیب والعل

الصالح یفصد لہذا اگر وہ شکل اختیار کرے گا جو قائلین نقض کہتے ہیں، تو سابق وتر بھی باقی رہے گا اور یہ ایک رکعت جو درمیان میں پڑھی ہے یہ دوسرا وتر ہو جائے گا اور پھر تہجد کے بعد جو وتر پڑھے گا وہ تیسرا وتر ہو جائیگا اور یہ چیز خلاف مقصود ہے حدیث میں تو دو وتر پڑھنے کی ممانعت ہے اور یہاں اس صورت میں تین ہو رہے ہیں غرض کہ حدیث مذک کے بھی خلاف ہوا اور حدیث مذک کے بھی لاحول ولا قوۃ الا باللہ۔

جمہور علاریہ فرماتے ہیں، اجمعلوا آخر صلوتکم و تراہ میں امر صرف استحباب کے لئے ہے وجوب کے لئے نہیں لہذا اگر کسی شخص نے عشاء کی نماز کے بعد وتر پڑھ لئے تھے اور پھر بعد میں تہجد کے وقت بیدار ہوا تو وہ بلا تکلف تہجد کی نماز پڑھ لے اور کچھ کرنے کی ضرورت نہیں (نقض و ترک وغیرہ)

عن قیس بن طلح قال زادنا طلق بن علی فی یوم من رمضان امسی عندنا و افطوا بنو قیس بن طلح کہتے ہیں کہ ایک دن میرے والد یعنی طلق (اپنے محلہ اور قیام گاہ سے) ہمارے یہاں رمضان کے مہینہ میں تشریف لائے اور شام تک ہمارے ہی پاس رہے روزہ افطار فرمایا اور تراویح بھی ہم سب کو پڑھائی اور وتر، اس کے بعد اپنے یہاں اپنے محلہ کی مسجد میں جا کر باقی تراویح پڑھائی (تراویح کی کچھ رکعات باقی رہ گئی ہوں گی) اور پھر جب وتر کا نمبر آیا تو (چونکہ خود وتر پڑھ چکے تھے اس لئے) حاضرین میں سے کسی ایک کو وتر پڑھانے کے لئے آگے بڑھادیا اس نے وتر کی نماز پڑھائی اور خود وتر نہ پڑھانے کی وجہ یہ بیان فرمائی کہ میں نے حضور النور صلی اللہ علیہ وسلم سے سنا فرماتے تھے لاوتنآن فی لیلة اس کی ترکیب ہم نے حاشیہ میں لکھ دی ہے۔

باب القنوت فی الصلوات

ترجمہ الباب کی توضیح اس باب میں قنوت نازلہ کا بیان ہے جو عند اکثر تمام فرض نمازوں میں مشروع ہے اسی لئے مصنف جمع کا صیغہ لائے، فی الصلوات، بخلاف قنوت دائمی کے کہ وہ جن ائمہ کے نزدیک فرض نماز میں

مشرع ہے صرف فجر کی نمازیں ہے باقی نمازوں میں نہیں، البتہ امام ترمذی نے قنوت فی الفجر کا باب باندھا ہے اس سے وہی قنوت دائمی مراد ہے امام ترمذی شافعی مسلک ہیں اور شافعیہ اس کے (قنوت فی الفجر) قائل ہیں اور ہمارے امام ابو داؤد حنبلی ہیں اور حنابلہ قنوت فی الفجر کے قائل نہیں ہیں غالباً اسی لئے انھوں نے قنوت فی الفجر کا باب نہیں باندھا۔ اس سے پہلے قنوت فی الوتر کا جو باب گذرا ہے وہاں یہ بات گزر چکی کہ امام شافعی و مالک سال کے سال قنوت فی الصبح کے قائل ہیں۔

شافعیہ کے دلائل اور ان کا جواب | قائلین قنوت فی الصبح کے پاس دو طرح کی دلیلیں ہیں بعض تو وہ ہیں جو کتب صحاح میں موجود ہیں ان میں سے بعض کو مصنف نے اس

باب میں ذکر کیا ہے، ان کا جواب تو ہمارے پاس یہ ہے کہ ان روایات میں صبح کی نماز کی تخصیص نہیں ہے کسی روایت میں پانچوں نمازوں میں قنوت مذکور ہے، اور کسی میں تین نمازوں میں، اور بعض صرف دو نمازوں میں، حالانکہ یہ حضرات قنوت فی غیر الصبح کے قائل نہیں ہیں نما ہو جو ابہم عن القنوت فی غیر الصبح نہ ہو جو ابنا عن القنوت فی الصبح۔

دوسری قسم کی احادیث وہ ہیں جن میں صبح کی نماز کی تخصیص موجود ہے جن میں سب سے اہم حضرت انس کی وہ حدیث ہے جس کو دارقطنی اور حاکم نے متعدد طرق سے روایت کیا ہے و صحیح الحاکم ان النبی صلی اللہ علیہ وسلم قنت شہراً یبدعو علیہم شتم ترکہ فاما فی الصبح فلم یزل یقنت حتی فارق الدنیا اس کا جواب ہماری طرف سے یہ دیا گیا ہے کہ اس کی سند میں ابو جعفر رازی ہے جس کی اکثر ائمہ نے تضعیف کی ہے نیز خطیب نے کتاب القنوت میں روایت کیا ہے کہ حاکم بن سلیمان کہتے ہیں ہم نے انس سے سوال کیا بعض لوگ کہتے ہیں کہ حضور صلی اللہ علیہ وسلم فجر میں ہمیشہ قنوت پڑھتے رہے تو انہوں نے جواب دیا کذبوا انما قنت رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم شہراً واحداً۔ اور اس کی سند میں اگرچہ قیس بن الرزیع ہے جس کی یحییٰ بن سعید نے تضعیف کی ہے لیکن ان کے علاوہ بہت سے ائمہ نے ان کی توثیق کی ہے اور وہ ہر حال ابو جعفر رازی سے کسی طرح کم درجہ نہیں ہیں بلکہ اس سے اوثق ہیں یا کم از کم برابر کی قال الحافظ ابن القیم، اس لئے کہ جن ائمہ نے ابو جعفر کی تضعیف کی ہے وہ زائد ہیں ان سے جنہوں نے قیس کی تضعیف کی ہے۔

دوسری توجیہ اس کی ہماری طرف سے یہ کی گئی ہے کہ لم یزل یقنت۔ کا مطلب یہ ہے کہ ہمیشہ آپ عند النوازل قنوت پڑھتے رہے ہر روز بلا کسی حابطہ کے پڑھا مگر اد نہیں اور یہ مطلب اس لئے لے رہے ہیں تاکہ انس کی دوسری روایت کے خلاف نہ ہو اس صورت میں دونوں روایتیں اپنی جگہ درست ہو جاتی ہیں

حنفیہ کے دلائل | اور مانعین (حنفیہ حنابلہ) کے پاس جو دلائل ہیں ان کی تفصیل نقب الراہ اور فتح القدر اور کسی قدر بذل الجہود میں موجود ہے، چند دلائل ہم لکھتے ہیں، امام ترمذی نے باب القنوت

فی الفجر ترجمہ قائم کیا اور اس میں برابر بن عازب کی حدیث مرفوعہ کان یقنت فی صلوٰۃ الفجر والمغرب ذکر کو کہ فرمایا بعض اہل علم قنوت فی الفجر کے قائل ہیں اس کے بعد "باب ترک القنوت" ترجمہ قائم کیا اور اس میں ابوالمالک شجعی کی حدیث قلت لابی یا ابت انتک قد صلیت خلف رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم وابی ہکرم وعمر وعثمان وعلی بن ہشام بالکوفۃ نحو من خمس سنین اکاذب ایقنوتون قال ای بنی محدث قال ابو عیسیٰ ہذا حدیث حسن صحیح والعمل علیہ عند اکثر اہل العلم اسی طرح امام نسائی نے اولاً متعدد ابواب قنوت فی الفجر الفتن کے (بہر فرض نماز کا علیحدہ علیحدہ قائم کئے اور بعد میں ترک القنوت قائم کیا اور اس میں دو حدیثیں ذکر کیں ایک ہی ابوالمالک شجعی کی دوسری انس کی ان النبی صلی اللہ علیہ وسلم قنت شہراً یدعو علی من احیاء العرب شتم متروک ایسے ہی ہمارے پاس ابو ہریرہ کی وہ حدیث ہے جس کی ابن حبان نے تخریج کی کان رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم لایقنت فی الصبح الا ان یدعوا لقوم او علی قوم ایسے ہی انس کی اسی مضمون کی حدیث جس کی تخریج خلیب نے کتاب القنوت میں کی ہے ان النبی صلی اللہ علیہ وسلم کان لایقنت الا اذا دعا لقوم او علی قوم رواہ ابن خزیمہ وصحیح۔

مشتبہ قنوت کی طرف سے ایک بات یہ کہی گئی ہے کہ جن روایات میں یہ ہے "شتم متروک" اس سے نفس قنوت کا ترک مراد نہیں ہے بلکہ دعا مخصوص کی نفی ہے یعنی مخصوص قبائل پر لعن کی نفی مراد ہے جس کا قرینہ یہ ہے کہ صحیح مسلم کی روایت میں ہے فخرزل لیس لك من الامر الا یہ جواب یہ ہے کہ یہی مطلب آپ فجر کے علاوہ دوسری نمازوں میں کیوں جاری نہیں کرتے ان میں نفس قنوت کی نفی کے آپ کیوں قائل ہیں واللہ تعالیٰ اعلم مذکورہ بالا روایات کے لینے میں ہم نے خاص طور سے سہل، شرح البوداؤد کو سامنے رکھا ہے ان کا کلام نہایت مرتب اور جامع ہے فجزاہ الشکر خیر۔

قنوت فی الصبح کی روایات پر شیخ ابن الہمام نے فتح القدیر میں جرحاً وتعلیلاً تفصیلی کلام کرنے کے بعد طریق نسخ کو اختیار کیا ہے (کہ آپ شروع میں صبح کی نماز میں قنوت پڑھتے تھے بعد میں ترک کر دیا تھا) اور ہمارے بعض علماء نے ان روایات کا جواب بیان محل سے دیا ہے یعنی یہ کہ وہ احادیث قنوت عند النوازل پر محمول ہیں لہذا نسخ ماننے کی ضرورت نہیں۔

حدثنا ابو ہریرۃ قال قال واللہ لاقتربن بکم صلوٰۃ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم۔

بخدا میں حضورؐ کی نماز تمہارے قریب ضرور کروں گا یعنی میں تمہیں ایسی نماز پڑھ کر دکھاؤں گا (تعلیماً) جو حضور صلی اللہ علیہ وسلم کی نماز کے بہت قریب اور اس کے مشابہ ہوگی

شرح حدیث

اللہم نج الولید بن الولید، یہ خالد بن الولید کے برادر ہیں جنگ بدر کے قیدیوں میں سے تھے اداۃ

کے بعد اسلام لائے تھے کسی نے پوچھا کہ پہلے ہی کیوں نہ اسلام لائے جواب دیا تاکہ تم لوگ یہ نہ سمجھو کہ قید سے بچ کر اسلام لایا ہے مشرکین نے ان کو مکہ میں روک لیا تھا۔

اللهم نج سلمة بن هشام۔ یہ ابو جہل بن ہشام کے بھائی ہیں سابقین الی الاسلام میں سے ہیں حبشہ کی ہجرت کی اور پھر مکے آئے تو ابو جہل نے ان کو قید کر کے ہجرت الی المدینہ سے روک دیا۔ یہ دو ہو گئے تیسرے ان کے ساتھ عیاش بن ابی ربیعہ بھی تھے کافی روایت البخاری، انہوں نے آپس میں صلاح کی اور قید سے نکل کر بھاگ لئے۔ حضور صلی اللہ علیہ وسلم کو کسی طرح اس کا علم ہو گیا تو آپ نے ان کے لئے عشاء کی نماز میں ایک ماہ تک قنوت نازلہ پڑھی جیسا کہ حدیث الباب میں ہے۔

اللهم نج المستضعفين من المؤمنين۔ وہ مکہ و مسلمان جن کو مشرکین مکہ نے روک رکھا تھا جیسے عمار بن یاسر اور ان کے والدین یا سر و سیمہ وغیرہ جن کو مشرکین مکہ تپتی ہوئی ریت پر لٹاتے تھے آپ کا ان پر گذر ہوتا تو فرماتے صبرا آل یا سرفات موعداکم الجنة، اے یاسر کے گھر والو صبر کرو تم سے جنت کا وعدہ ہے اللہم اشدد وطأتک علی مضر۔ اے اللہ اپنی گرفت سخت کر قبیلہ مضر کے کفار پر واجعلہا علیہم سنین کسینی یوسف۔ ہذا ضمیر وطأة کی طرف راجع ہے اے اللہ اپنی گرفت کو ان پر قحط سالی بنادے جیسی قحط سالی یوسف علیہ السلام کے زمانے میں ہوئی تھی۔

اوستراہم قد قتلوا ایک دن آپ نے یہ دعا نہیں پڑھی تو ابو ہریرہؓ نے سوال کیا کہ آج کیوں نہیں پڑھی تو اس پر آپ نے فرمایا دیکھتے نہیں کہ جن لوگوں کے لئے ہم دعا کرتے تھے وہ لوگ رہائی پا کر آگئے ہیں

عن ابن عباس قتل رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم شہراً متتابعاً فی الظہر والعصر والعشاء والعشاء وصلوة الصبح..... علی رعل وذکوان وعصية۔ انہوں نے ستر قرار کو بُر معونہ میں شہید کر دیا تھا اسی کو سریۃ القراء کہتے ہیں یہ واقعہ ستر میں پیش آیا، ستر اصحاب صفہ جو سب کے سب قاری قرآن تھے ان کے ساتھ رعل ذکوان نے غد کیا اور ان کو دھوکہ دیکر قتل کر دیا جس پر حضور صلی اللہ علیہ وسلم کو بڑا رنج و غصہ تھا اور آپ ایک ماہ تک مسلسل قنوت نازلہ پڑھتے رہے جس پر یہ آیت نازل ہوئی (کافی روایت مسلم) ایس لک من الامر شیء اویتوب علیہم اویعذبہم فانہم ظالمون، اس آیت کے نزول پر آپ نے قنوت پڑھنا موقوف کر دیا۔ بحمد اللہ اس باب پر کلام پورا ہو گیا۔

باب فی فضل التطوع فی البیت

اس مضمون کا ایک باب ابواب الجود سے قبل بھی گذر چکا ہے۔

عن زید بن ثابت ر: احتج رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم فی المسجد حجرة، آپ نے مسجد کے ایک کونہ میں حجرۃ الحمیر بنایا، حجرۃ الحمیر کا ذکر روایات میں کثرت سے آتا ہے۔ یعنی کھجور کے بوریہ کو مسجد کے ایک گوشہ میں کھڑا کر کے مستطک بنالیتے تھے، جیسے آج کل اعتکاف کے لئے لوگ پردے آویزاں کرتے ہیں۔

فکان رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم یخرج من اللیل فیصلی فیہا، عبارت میں بظاہر تقدیم و تاخیر ہے (کہ فی البذل) مطلب یہ ہے کہ آپ حجرۃ الحمیر میں سے یا ہر نکل کر بعض راتوں میں نماز پڑھاتے تھے، اس سے تراویح کی نماز مراد ہے جس کی روایات قریب ہی میں گذری ہیں۔

اجعلوا فی بیوتکم من صلواتکم ولا تتخذوا مقبوراً، یہ حدیث اس سابق باب میں گذر چکی ہے جس کا حوالہ اوپر دیا گیا ہے۔ ای الصدقة افضل قال جہد المقتل، کو نسا صدقہ افضل ہے؟ آپ نے فرمایا نادار شخص کی کوشش اور محنت یعنی جو صدقہ آدمی محنت مزدوری کر کے دے وہ سب سے افضل ہے کہ اپنی احتیاج و ضرورت کے باوجود دوسروں کو ترجیح دے رہا ہے، اس کے بالمقابل ایک اور حدیث ہے جو کتاب الزکوٰۃ میں آئے گی، - خیر الصدقة ما کان عن ظہر غنی، ان دونوں میں تطبیق انشاء اللہ تعالیٰ وہیں آئے گی۔ باب العث علی قیام اللیل، اس باب کی حدیثیں قریب ہی میں گذری ہیں۔

باب ثواب قراءة القرآن

یہاں سے مصنف فضائل قرآن بیان کرنا شروع کر رہے ہیں، چنانچہ اس سلسلے کے چند باب قائم کئے لیکن مصنف نے یہاں شروع میں کوئی موٹی سرخی اور عنوان قائم نہیں کیا، امام بخاری و ترمذی نے کتاب فضائل القرآن اور البواب فضائل القرآن، اس کلی عنوان کے تحت متعدد ابواب لائے ہیں۔

تفضیل بعض القرآن علی بعض | کا مسئلہ مختلف فیہ ہے یعنی یہ اعتقاد کہ فلاں سورۃ فلاں سورۃ سے افضل ہے جائز ہے یا نہیں! بعض علماء جیسے ابوالحسن اشعری، قاضی ابوبکر باقلانی نے اس کا انکار کیا ہے اس لئے کہ مفضول ناقص ہوتا ہے افضل سے حالانکہ یہاں سب کا سب کلام اللہ ہے اللہ کی صفت ہے، پھر بعض کے بعض سے افضل ہونے کے کیا معنی! لیکن اکثر علماء ظواہر احادیث کی بنا پر اس کے جواز کے قائل ہیں پھر قائلین جواز کا اس میں اختلاف ہے کہ یہ فضیلت کس لحاظ سے ہے بعض کہتے ہیں کہ اس کا تعلق الفاظ و معانی سے نہیں بلکہ کثرت اجر و ثواب سے ہے اور بعض کہتے ہیں کہ ثبات نہیں بلکہ اسی اعتبار سے ہے اس لئے کہ اللہ تعالیٰ کی وحدانیت اور اس کی صفات پر جو دلالت آیۃ الکرسی اور آخر سورۃ حشر (وہو اللہ الذی لا الہ الاہو عالم الغیب والشہادۃ ہو الرحمن الرحیم الآیۃ) اور سورۃ اخلاص میں پائی جاتی ہے وہ سورۃ تبت

میں ظاہر ہے کہ نہیں ہے۔

اور اشعری یہ فرماتے ہیں انہ لا یتنوع فی ذاتہ بل بحسب متعلقانہ بندے کے ذہن میں بھی پہلے سے یہی بات آتی تھی اور میرے خیال میں اس کی تشریح یہ ہو سکتی ہے کہ بعض قرآن کو بعض پر فوقیت فی حد ذاتہ اور کلام باری ہونے کے لحاظ سے تو ہے نہیں اس حیثیت سے تو سب برابر ہے البتہ سورتوں کے آثار و خواص اور بندوں کی حاجات کے لحاظ سے بعض کو بعض پر فوقیت ہو سکتی ہے مثلاً تعوذ (جھاڑ پھونک) کے لحاظ سے معوذتین سے بڑھ کر کوئی سورۃ نہیں، ایسے ہی باری تعالیٰ کی صفات و کمالات اور وحدانیت جس کی معرفت کے ہم لوگ محتاج ہیں ایسی احتیاج واقعہ ابولہب کی معرفت کی طرف نہیں ہے پس یہ بعض سورتوں کی بعض پر فضیلت مضامین کے تنوع کے ساتھ عباد کی احتیاج کے لحاظ سے ہے نہ کہ ادار معانی اور الفاظ و تعبیر کے لحاظ سے چنانچہ تبت ید ابی لب کے اندر جو مضمون بیان کیا گیا ہے یعنی دعا بار خیر ان اس کے لئے اس سے بہتر تعبیر نہیں ہو سکتی جو اس سورۃ میں موجود ہے ایسے ہی بیان وحدانیت کے لئے جو طرز تعبیر و اسلوب سورۃ اخلاص میں استعمال کیا گیا ہے اس سے بہتر کوئی دوسری تعبیر نہیں ہو سکتی۔ (ملخصاً من القسطانی ص ۴۲۲ بزیادہ)

عن عثمان ان النبی صلی اللہ علیہ وسلم قال خیرکم من تعلم القرآن وعلمہ۔

شرح حیث شرح اشکال وجواب تم نور الانوار میں پڑھ چکے ہو کہ قرآن لفظ اور معنی کے مجموعہ کا نام ہے

وہو اسم للنظم والمعنی جمعاً، اس حدیث میں خادم القرآن کی فضیلت بیان کی گئی ہے پس یہ خدمت یا صرف الفاظ قرآن کی ہوگی ان کو پڑھنا، پڑھانا، یاد کرنا، ان کی تصحیح و تجوید اور یا یہ خدمت قرآن کے معنی کی ہوگی کہ اس کے معانی و معارف کو سمجھنا اور سمجھانا، تفسیر و تشریح کرنا اس سے احکام کا استنباط کرنا وغیرہ وغیرہ، اور یا یہ خدمت دونوں کو جامع ہوگی لہذا یہ نہ سمجھا جائے کہ اس حدیث کا مصداق صرف مکتب کے حافظ جی ہیں پھر اس تعلیم کے مراتب ہیں حقوق تعلیم کی ادائیگی اور کمال اخلاص کے اعتبار سے، اور ظاہر ہے کہ اس کے فرد اکمل جناب رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم ہیں ثم الاشبه قالاشبه۔

بعض شروح میں لکھا ہے کہ اگر کوئی کہے اس حدیث کا مقتضی یہ ہے کہ قاری و مقرئ فقہ (عالم دین) سے افضل ہو حالانکہ علم اور علماء کے فضائل میں سیکڑوں احادیث وارد ہیں جواب یہ ہے کہ اس حدیث میں خطاب صحابہ کرام کو ہو رہا ہے (گو حکم عام ہے) جو کہ قرآن کریم کو فہم معنی کے ساتھ پڑھتے تھے ثواب جو شخص عالم و فقہ ہونے کے ساتھ قاری و مقرئ بھی ہو ظاہر ہے کہ وہ افضل ہوگا اس سے جو صرف عالم و فقہ ہو چنانچہ ابواب الامامة میں گذر چکا ہے و اقراہم کان اعلمہم کہ صحابہ کرام میں جو جتنا بڑا قاری ہوتا تھا اتنا ہی بڑا وہ عالم ہوتا تھا مانظ ابن حجر لکھتے ہیں کہ خیریت و افضلیت کا مدار نفع متعدی کی کثرت اور اس کی قلت پر ہے (لحدیث خیر الناس

من یفیع الناس) لہذا جس کا نفع اور فیض زیادہ ہوگا اس کا مرتبہ بھی زیادہ ہوگا (اور ظاہر ہے کہ عالم فقیہ کا فیض اعم و اشمل ہے قاری محض کے فیض سے)

اور یا یہ کہا جائے کہ یہاں من مقدار ہے ای من خیر کم اس سے صغر ختم ہو جائے گا جیسا کہ اس نوع کی اور بعض احادیث میں یہ جواب دیا جاتا ہے۔

من قرأ القرآن وعمل بما فیہ السس والدالاجایوم القیمة الخ جو شخص قرآن کریم کو بہت شوق سے سیکھے اور اس کو بہت اچھی طرح ترتیل کے ساتھ پڑھے اور اس میں جو اخلاق و آداب و احکام ہیں ان سب پر عمل کرے، اور بعض شراح نے بقرا القرآن کی شرح ای حفظہ عن ظہر قلب سے کی ہے یعنی قرآن پاک کو اس نے زبانی یاد کیا ہو، تو اس کے والدین کو بروز قیامت ایسا تاج پہنایا جائے گا جس کی روشنی اور چمک اس آفتاب سے بھی زیادہ ہوگی جو آفتاب کہ (بالغرض) تمہارے گھر میں ہو پس کیا لگن ہے تمہارا اس شخص کے بارے میں جس نے خود یہ کام کیا یعنی قرات قرآن اور اس پر عمل یعنی جب قاری قرآن کے والدین کے ساتھ یہ اعزاز و اکرام کا معاملہ کیا جائے گا تو خود اس قاری یا حافظ کا اعزاز و اکرام کتنا ہوگا، صاحب منہل لکھے ہیں وهذا اشارة الى ان ثواب القاری بلغ مبلغاً عظیماً لا تعیط به العقول فلا یعلم قدر عظمہ الا اللہ تعالیٰ، اس حدیث میں ترغیب اپنی اولاد کو تعلیم قرآن کی اور ان کو تاکید اس پر عمل کرنے کی۔ مع السفرة الکرام البررة۔

شرح حاشیہ

سفرہ سافر کی جمع ہے جیسے کاتب کی جمع کتبه و زنا و معنی سفر بمعنی کاتب سے ماخوذ ہے یعنی وہ فرشتے جو لوح محفوظ سے صحیفہ نقل کرتے ہیں بعض نے اس کا ترجمہ میر منشی سے کیا ہے

اور کہا گیا ہے کہ اس سے مراد ملائکہ رسل ہیں یعنی وہ فرشتے جو انبیاء علیہم السلام اور اللہ تعالیٰ کے درمیان واسطہ اور سفیر ہوتے ہیں اس صورت میں سافر بمعنی سفیر ہوگا جس کا مصدر سفارة ہے (منہل وغیرہ) اور توردۃ باڑ کی جمع ہے بمعنی نیوکاں لہذا اس کے معنی ہوئے صلحاء و اتقیا، جو شخص ماہر قرآن ہے وہ ان ملائکہ کے ساتھ ہوگا، قرآن شریف کا ماہر وہ کہلاتا ہے جس کو یاد بھی خوب ہو اور پڑھتا بھی خوب ہو اور اگر معانی و مراد پر بھی مطلع ہو تو پھر کیا کہنا، ملائکہ کے ساتھ ہونے کا یہ مطلب ہے کہ وہ بھی قرآن شریف کے لوح محفوظ سے نقل کرنے والے ہیں اور یہ بھی اس کا نقل کرنے والا اور پہونچانے والا ہے تو گویا دونوں ایک ہی مسلک پر ہیں یا یہ کہ حشر میں ان کے ساتھ اجتماع ہوگا (فضائل قرآن مجید) یا کبھی کبھی منازل جنت میں معیت ہونا مراد ہے وھو لیشتد علیہ فلہ اجران جو شخص نقل زبان کیوجہ سے الفاظ قرآن بہولت ادا نہیں کر پاتا یا یاد کی کمی کیوجہ سے بہولت نہیں پڑھ سکتا اس کے لئے دواجر ہیں، ایک اجر قرات اور دوسرا اجر مشقت باقی اس سے یہ لازم نہیں آتا کہ اس کا مرتبہ ماہر بالقرآن سے بڑھ جائے ماہر کا مرتبہ تو بہت اونچا ہے جو پہلے بیان کیا جا چکا۔

الا نزلت علیہم السکینۃ ای الرحمة او ملائکة الرحمة ادا حصل بہ السکون یعنی کوئی ایسی شئی جس سے سکون قلب حاصل ہو، اس حدیث کی شرح رسالہ فضائل قرآن ص ۳۳ سے بھی دیکھی جاسکتی ہے۔

ایکم یعجب ان یفقدوا الی بطحان والعقیق یہ دو مشہور بازار اور منڈیاں ہیں مدینہ منورہ میں کومادین بلند کوہان والی زہرا دین خوش رنگ اور چمک دار یہ شنیہ ہے زہراء کا جو شتی ہے زہرۃ سے جس کے معنی خوبصورتی اور رونق کے ہیں وان ثلث فثلث مثل اعدادھن من الابل، حق ضمیر آیات کی طرف راجع ہے بظاہر تقدیر عبارت اس طرح ہے مثل اعداد الآیات اعداد من الابل اور تین آیتوں کا سیکنہ تین ناقہ سے بہتر ہے مثل اعدادھن من الابل کے تین مطلب ہو سکتے ہیں (۱) صلم جبراً یعنی اسی طرح چلتے رہے تین آیات افضل ہیں تین اونٹنوں سے اور چار چار سے اور پانچ پانچ سے الی آخرہ (۲)

شرح جسد

ناقہ تو ادنیٰ (مادہ) کو کہتے ہیں اور اہل سے مراد اونٹ (نر) بعض مرتبہ آدمی کو اونٹوں میں مادہ کی حاجت ہوتی ہے اور بعض مرتبہ نر کی اس لئے اہل کو صمدہ ذکر فرمایا یعنی چاہے وہ لے لو اور چاہے یہ (۳) تیسرا مطلب یہ ہے ایک آیت ایک ناقہ اور ایک اہل (دونوں کے مجموعہ) سے افضل ہے اور دو آیتیں دو ناقہ اور دو اہل سے افضل ہیں اور تین آیتیں تین ناقہ اور تین اہل سے افضل ہیں یعنی ناقہ اور اہل دونوں کا مجموعہ مراد ہیں باقی یہ سب تمثیل اور تقریب الی فہما العلیل ہے ورنہ ایک آیت تمام دنیا سے بھی افضل ہے رکعتا الفجر خیر من الدنیا وما فیہا۔

باب فاتحة الكتاب

آم القرآن وآم الكتاب والسبع المثانی، یہ سب سورہ فاتحہ کے اسماء ہیں، اس سورہ کے بہت سے نام ہیں وکثرة الاسماء تدل علی شرف المسمی، الوافیہ، الکافیہ، الشافیہ، سورۃ الشفاء، سورۃ الاساس، سورۃ الصلوۃ، سورۃ السؤال، سورۃ الشکر، سورۃ الدعاء (بذل من التفسیر الکبیر) اور سبع مثانی کہنے کی وجہ سے لکھی ہیں، سبع تو اس لئے کہ سات آیات ہیں اور مثانی مشنی کی جمع ہے بمعنی مکرر یا تو اس لئے کہ اس سورہ کا نزول مکرر ہے ایک مرتبہ مکہ مکرمہ میں اور ایک مرتبہ مدینہ منورہ میں۔ اور یا اس لئے کہ یہ سورہ مکرر سہ کر پڑھی جاتی ہے یعنی سب نمازوں میں پڑھی جاتی ہے۔

عن ابی سعید بن المعلی ان النبی صلی اللہ علیہ وسلم متربہ وهو یصلی فندعاه الخ۔ ان صحابی کا نام الحارث بن یفیع ہے یہ نماز پڑھ رہے تھے حضور ان کے پاس کو گزرے اور ان کو پکارا مگر یہ نماز میں بو لے نہیں نماز سے فارغ ہونے کے بعد حاضر ہوئے آپ نے فرمایا ما منعک ان تجیبنی۔

اختلاف روایتین

یہ حدیث بخاری میں بھی اسی طرح ہے یعنی یہ کہ یہ قصہ ابو سعید بن المعلی کا ہے لیکن ترمذی

میں بروایت ابو ہریرہ یہ ہے کہ یہ واقعہ ابی بن کعب کا ہے کہ وہ نماز پڑھ رہے تھے حضورؐ کا گزر ان کے پاس کو ہوا۔ نہ ہٹتی فرماتے ہیں کہ یہ واقعہ دونوں کے ساتھ پیش آیا، حافظ ابن حجر کی بھی یہی رائے ہے اس لئے کہ دونوں حدیثوں کا مخرج اور سیاق مختلف ہے یہاں بعض راویوں سے ایک اور وہم ہوا ہے جس کی طرف حافظ نے اشارہ کیا ہے، حافظ فرماتے ہیں کہ وہ جو کہا گیا ہے کہ یہ قصہ ابو سعید خدری کے ساتھ پیش آیا یہ وہم ہے۔

اجابة البني في الصلوة كالحكم شرعي | اس کے بعد جانتا چاہیے ائمہ اربعہ کے نزدیک اجابة البني نماز کی حالت میں بھی واجب ہے خواہ وہ نماز فرض ہی کیوں نہ ہو لیکن بطلان صلوٰۃ میں اختلاف ہے تقریباً سبھی ائمہ کے اس میں دونوں قول ہیں لیکن معتز عند الشافعیہ والمالکیہ عدم بطلان ہے ورنج الطحاوی البطلان والقول الثاني للمعتز عدم البطلان۔

باب من قال هي من الطول

ترجمة الباب میں دو احتمال | الطول جمع ہے طول کی جیسے الکبر جمع ہے کبریٰ کی، اسکے بعد سمجھیے کہ اس ترجمہ الباب میں دو احتمال ہیں دو قول ہیں اول یہ کہ ہقی ضمیر راجع ہے فاتحہ کی طرف اور مطلب یہ ہے کہ سورہ فاتحہ طول یعنی لمبی سورتوں میں سے ہے یعنی باعتبار معانی کی کثرت و جامعیت کے نہ باعتبار لفظوں کے (دوسرا قول آگے آ رہا ہے)

عن ابن عباسؓ قال اوتي رسول الله صلى الله عليه وسلم سبعاً من المثاني الطول، اس حدیث سے معلوم ہوا کہ سبع مثانی طول میں سے ہے اور باب سابق میں گذر چکا کہ سبع مثانی کا مصداق فاتحہ ہے پس دونوں حدیثوں کو ملانے سے معلوم ہوا کہ سورہ فاتحہ طول میں سے ہے، اور دوسرا قول یہ ہے کہ ترجمہ الباب میں ہقی ضمیر سبع مثانی کی طرف راجع ہے اور لفظ من زائد ہے اور الطول سے مراد سبع طول ہے مطلب یہ ہوا کہ سبع مثانی سبع طول ہیں دراصل حضرت ابن عباس کے سبع مثانی کے مصداق میں دو قول ہیں اول وہ جو باب سابق میں گذر چکا (یعنی سورہ فاتحہ) اور دوسرا قول یہ ہے کہ سبع مثانی سے مراد سبع طول ہیں یعنی قرآن پاک کے شروع کی سات لمبی سورتیں از سورہ بقرہ تا سورہ توبہ۔

واوتي موسى ستاً فلما اتى الاول رفع ثننتان وبعين اربع، موسى عليه السلام کو توراۃ جو عطا کی گئی تھی وہ کل چھ تختیوں پر لکھی ہوئی تھی جب انہوں نے ان کو پھینکا (جب کہ وہ طور سے مناجات رب

سے فارغ ہو کر آئے اور دیکھا کہ ان کی قوم عبادتِ عجل کرنے لگی تو ان میں سے دو تختیاں آسمان پر اٹھالی گئیں اور چار باقی رہ گئیں اس سلسلے میں روایات مختلف ہیں ایک روایت میں یہ ہے تو رات کے سات حصے تھے ان میں سے چھ حصے اٹھائے گئے اور صرف ایک حصہ یعنی صبح باقی رہ گیا، ایک دوسری روایت میں یہ ہے کہ اس کے کل چھ حصے تھے جن میں سے پانچ اٹھائے گئے اور صرف ایک حصہ یعنی سدس باقی رہ گیا (بذل عن الد المنثور)

باب ماجاء فی آیت الکرسی

قلت اللہ ورسولہ اعلم ابتداءً جواب ادباً نہیں دیا کہ حضور ہی ارشاد فرمائیں اور یا اس لئے کہ یہ سوچا ہو کہ ممکن ہے جس آیت کو میں اعظم سمجھتا ہوں آپ کے نزدیک ایسا نہ ہو

وقال لیہن لك یا ابا المنذر العلم العلم ترکیب میں فاعل ہے فعل مذکور کا۔ اے ابو المنذر تمہیں تمہارا علم مبارک ہو لیکن امر کا صیغہ ہے اور بعض نسخوں میں لیکن ہمزہ کے ساتھ ہے اور وہی اصل بھی ہے، یہاں کتاب میں تخفیفاً اس کو حذف کر دیا گیا ای لیکن العلم ہنیئاً لك، صنی اس چیز کو کہتے ہیں جو انسان کو سہولت بغیر مشقت کے حاصل ہو ھنؤ ھنؤ ھنؤ باب کرم سے اور ھنیئ ھنیئ باب صبح سے وھنؤ ھنیئ باب ضرب سے آتا ہے اور اسی سے ھنیئۃ بھی آتا ہے جو کہ تقزیۃ کی ضد ہے، کسی مبارکباد دینا اور کسی کی خوشی پر اظہارِ مسرت کرنا

شرح نے لکھا ہے کہ اس حدیث سے معلوم ہوا کہ افسرِ اعلیٰ اور استاذ کے لئے مناسب ہے کہ وہ گاہے اپنے شاگرد اور ماتحت سے جس میں صلاحیت دیکھے امتیازاً کوئی سوال کرے تاکہ اس کی فضیلت اور خوبی دوسرے پر ظاہر ہو اور وہ بھی اس سے منتفع ہو نیز استاذ یا کسی اور بڑے کا اپنے فضلاء اصحاب اور لائق شاگردوں کی تعلیم کرنا، اور ایسے ہی کسی کے سامنے اس کی مدح کرنا جبکہ اس میں مصلحت ہو اور کوئی مضرت کا پہلو نہ ہو (مدوح کا اعجاب نفس میں مبتلا ہونا) اور یہ کہ آیت الکرسی قرآن کریم کی عظیم ترین آیت ہے اور یہ کہ بعض آیات کی تفصیل بعض پر جائز ہے۔ (وقد تقدم شی من التفصیل والاختلاف فیہ)

باب فی سورۃ الصمد

عن ابی سعید الخدری ان رجلاً سمع رجلاً یقول قل ھو اللہ احد ایک شخص نے ایک دوسرے شخص کو دیکھا کہ وہ رات کو نماز میں بس ایک ہی سورۃ یعنی سورۃ احصاں بار بار پڑھتا رہا اس کے علاوہ اور کوئی سورۃ اس نے نہیں پڑھی جب صبح ہوئی تو یہ سننے والا شخص حضور کی خدمت میں آیا اور اس چیز کا تذکرہ آپ سے کیا اور

ذکر اس بنا پر کیا کہ وہ صرف ایک سورۃ پر اکتفا کرنے کو قلیل مقدار سمجھ رہا تھا۔ بذل الجہود میں لکھا ہے کہ اس قصہ میں سابع خود راوی حدیث ابو سعید خدری ہیں اور قاری (تلاوت کرنے والا) ان کے اخیانی بھائی قتادہ بن النعمان ہیں انہا لتعلو لثلاث القرآن، سورۃ قل ہو اللہ ثلاث قرآن کے برابر ہے اس میں تین احتمال ہیں یا باعتبار ثواب کے اور یا باعتبار مضمون کے اول کی تشریح یہ ہے کہ عمل کا ایک تو اصل اجر ہوتا ہے جس کو اجر اصلی سے تعبیر کرتے ہیں، اور اجر المضاعف (احسنہ بعشر امثالہا الی سبع مائۃ ضعف) جس کو (علی لسان اہل الدرس) اجر الغامی کہتے ہیں تو مطلب یہ ہوا کہ سورۃ اخلاص کا اجر الغامی ثلاث قرآن کے اجر اصلی کے برابر ہے، اور دوسرے مطلب کی توضیح یہ ہے کہ قرآن پاک میں موٹے موٹے تین مضمون بنائے گئے ہیں، عقائد، احکام، اخبار و قصص (گذشتہ انبیاء اور امتوں کے احوال و واقعات) اس چھوٹی سی سورۃ میں ان تین میں سے عقائد یعنی توحید و صفات باری مذکور ہیں اسی لحاظ سے اس سورۃ کو ثلاث قرآن فرمایا گیا ہے، اور تیسرا احتمال اس جملے کے معنی میں یہ ہے کہ اس شخص نے اس سورۃ کو بار بار اس کثرت سے پڑھا کہ مقدار میں وہ دس پاروں کے برابر ہو گئی، مثلاً ایک ہزار مرتبہ پڑھا

بَابُ فِي الْمَعُودَتَيْنِ

اس میں داؤ کا کسرہ اور فتحہ دونوں جائز ہیں (بذل عن المرقاة) أَلَا أَعْلَمُكَ خَيْرَ سُوْرَتَيْنِ قُرْءَانًا ۖ وہ دوسو تیں جو سب سے بہتر ہیں یعنی باب استعاذہ میں جنات و شیاطین اور ان کے مفر سے بچنے کے لئے اُنھیں پیر فی مسودت بیہما جذا پس نہیں دیکھا آپ نے مجھ کو کہ میں زیادہ خوش ہوا ہوں ان دوسو توں کا نام سنکر یا عقبہ کیف رأیت یعنی تم نے دیکھا بھی کہ یہ دو چھوٹی چھوٹی سورتیں بڑی سورتوں کے قائم مقام ہو گئیں جو صبح کی نماز میں عام طور سے پڑھی جاتی ہیں) دوسرا مطلب اس کا یہ بھی ہو سکتا ہے کہ آپ نے ان صحابی کو جس غرض کے لئے ان سورتوں کی تعلیم فرمائی تھی (دفع و سادس و خطرات یا خوف و ہراس وغیرہ) اس کے بارے میں آپ اُن سے دریافت فرما رہے ہیں کہ بتاؤ اب قلب کی کیفیت کیا ہے یعنی فائدہ محسوس ہوا یا نہیں۔

بَابُ كَيْفَ يَسْتَحَبُّ التَّرْتِيلُ فِي الْقِرَاءَةِ

ترتیل بمعنی تائی یعنی ترک الجملہ یعنی قرآن کریم کو ٹھہر ٹھہر کر پڑھنا حروف و حرکات کو ابھی طرح ظاہر کر کے حضرت گنگوہی کی تقریر الکوکب الدری میں لکھا ہے ترتیل کا درجہ بہت اونچا ہے تکثیر تلاوت سے، اور پھر آگے لکھا ہے اللہ تعالیٰ ہی توفیق دینے والا ہے اپنے پسندیدہ طریقوں کی، اور حضرت شیخ محاسبیہ کو کب میں حضرت شاہ عبدالعزیز کی تفسیر سے نقل کرتے ہیں کہ ترتیل سات چیزوں کی رعایت کا نام ہے، تسبیح الحروف، مراعاة الوقت

انہار الشد والمدا، استباح الحركات، تزيين الصوت، التاثر بآيات الرغبة والرهبة اه اور ان ساتوں امور کی تشریح شیخؒ نے اپنی اردو تصنیف فضائل قرآن مجید میں فرمائی ہے۔ يقال لصاحب القترآن۔

صاحب قرآن کا مصداق | صاحب قرآن کی تفسیر بذل اور عون العبود میں اس شخص سے کی ہے جو قرآن کریم کی تلاوت کا اہتمام کرتا ہو مع العمل بہ اور صاحب منہل نے اس

کی تفسیر حافظ قرآن کے ساتھ کی ہے خواہ وہ حافظ پورے کلام مجید کا ہو یا بعض کا اور عمل کی قید سبھی نے لکھی ہیں حضرت شیخؒ نے حاشیہ کو کب میں لکھا ہے کہ ملا علی قاری نے بعض قرائن روایات حدیثیہ وغیرہ سے اس بات پر لکھے ہیں کہ صاحب قرآن سے مراد حافظ ہی ہے۔ مقبول حدیث یہ ہے جنتی جب جنت میں داخل ہو رہے ہوں گے تو اس وقت جو ان میں حافظ قرآن ہو گا یا یہ کہیے کہ جو تلاوت قرآن کا اہتمام کرنے والا ہو گا اس سے کہا جائے گا۔ اقترأ وارلق الخ جس طرح تو دنیا میں تلاوت قرآن کرتا تھا ترتیل کے ساتھ اسی طرح یہاں تلاوت کرتا جا اور پڑھتا جا فان منزلک عند اخراية تقروها پس تحقیق کہ تیری منزل تیری قراءۃ کی آخری آیت پر ہوگی پس اگر اس نے تمام قرآن پڑھ لیا تو گویا وہ تمام منازل طے کر کے سب سے اعلیٰ منزل پر پہنچ گیا۔

درجات جنت | کیونکہ حدیث میں ہے کہ درجات جنت آیات قرآنیہ کے برابر ہیں (رواہ البیہقی فی الشعب من حدیث عائشہ مرفوعاً) علماء نے لکھا ہے کہ آیات قرآنیہ کی تعداد چھ ہزار تو بالاتفاق ہے اس سے زائد میں اختلاف ہے قیل دہجئیس وقیل چھ سو چھیاسٹھ وقیل غیر ذلک۔

اور کہا گیا ہے کہ جنت کے درجات حروف قرآن کے برابر ہیں اور حروف قرآن الف والفاء وخمسة وعشرون الفاً یعنی دس لاکھ پچیس ہزار ہیں قال بعض المفسرین (منہل) اس پر ایک اشکال ہوتا ہے وہ یہ کہ جو حافظ تمام قرآن پڑھ کر سب سے اونچی منزل پر پہنچ جائیگا تو پھر اس میں اور منازل انبیاء میں کیا فرق رہ جائیگا۔ جواب یہ ہے کہ ہر منزل منازل جنت میں سے بشمار درجات پر مشتمل ہے لہذا اس طور پر فرق ہو جائے گا (الکوکب الدرر)

اور صاحب منہل نے اس حدیث کی شرح میں ایک دوسرا طریقہ اختیار کیا ہے وہ یہ کہ ان احادیث کا حاصل یہ ہے کہ ان درجات عالیہ کا حصول اس شخص کے لئے ہو گا جو قرآن پاک کا حافظ ہو اور اس کو آداب و ترتیل کے ساتھ پڑھتا ہو اور اس کے معانی میں تدبر اور اس کے مقتضی پر عمل پیرا ہو اور ان اوصاف کا حصول بطریق اتم و اکمل والا حضور اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کے لئے ہے اور پھر آپؐ کے بعد آنے والے ائمہ کے لئے جیسے جیسے جن کے مراتب ہوں گے دین اور معرفت یقین میں پس ان میں سے ہر ایک قراءۃ کرے گا جنت میں جیسی قراءۃ وہ دنیا میں کرتا تھا اور اس کے معانی میں تدبر اور مقتضی پر عمل کرتا تھا۔ انتہی کلامہ، اس تقریر و تشریح کے بعد تو مساوات کا اشکال ہی ختم ہو جاتا ہے۔

فائدہ ۱۰۔ اقترأ وارلق الخ پر بندے کے ذہن میں ایک اشکال آیا تھا وہ یہ کہ "پڑھتا جا اور پڑھتا جا" سے تو بظاہر

یہ معلوم ہوتا ہے کہ ان منازل عالیہ کا حصول جنت میں جو قراءۃ ہوگی اس پر ہوگا حالانکہ آخرت تو دار الجزاء ہے نہ دار العمل، اس لئے بندہ نے اس کا مطلب یہ لیا کہ اقرأ وارتق میں قراءۃ بالفعل مراد نہیں ہے بلکہ اس میں اشارہ ہے اس کی طرف کہ تجھ کو جو اس وقت یہ منازل حاصل ہو رہے ہیں یہ نتیجہ اور ثمرہ ہے تیری اس قراءۃ و ترتیل کا جو تو دنیا میں کرتا تھا۔ لہذا مطلب یہ ہوا کہ اپنی قراءۃ فی الدنیا کی جزاء میں اس وقت عروج کرتا ہوا چلا جا، لیکن بعد میں جب اس حدیث کی شروحات دیکھی تو معلوم ہوا کہ قراءۃ فی الجنۃ ہی مراد ہے اور اپنے اشکال کا جواب یہ سمجھ میں آیا کہ یہ قراءۃ جو وہاں ہوگی وہ بطریق عمل اور تکلیف نہ ہوگی بلکہ بطریق تشویق و تفریح ہوگی۔ کہ اپنی لذت اور شوق پورا کرنے کے لئے پڑھ اور چڑھ، اس سے یہ بھی سمجھ میں آ گیا کہ قارئ قرآن جو دنیا میں قراءۃ کا عادی و شوقین تھا اس کو اس ترتیل و تجوید کے ساتھ تلاوت کا موقع جنت میں بھی دیا جائیگا فلتلہ الحمد والمناۃ وہاں تو سارے ہی بڑے سے بڑے قراء موجود ہوں گے تو جب پڑھنے کا موقع دیا جائے گا تو سننے کا کیوں نہیں۔

عن قتادۃ قال سألت انساً عن قراءۃ النبی صلی اللہ علیہ وسلم فقال کان یبسم مدّاً، یعنی

جن حروف میں مد اور اطالت کی صلاحیت ہوتی ہے ان میں اطالۃ فرماتے (منہل)

شرح حدیث یعنی حروف مدہ ولین کو حسب قواعد مد کے ساتھ پڑھتے تھے۔ حروف مدہ تین ہیں، الف (یہ ہمیشہ ساکن ہی ہوتا ہے) واو اور با جبکہ ساکن ہوں اور ماقبل کی حرکت ان کے موافق

ہو واؤ سے قبل ضمہ اور یا سے قبل کسرہ، ایسے ہی واو و یا جب ساکن ہوں اور ان سے قبل فتح ہو جیسے خَوْفٌ صَیْفٌ، اس صورت میں ان دونوں کو حرفین کہتے ہیں اگر ان کے بعد سکون آئے تو ان کو بھی مد کے ساتھ پڑھا جاتا ہے اور اگر واو اور یا پر حرکت ہو تو اس صورت میں وہ غیر مدہ کہلاتے ہیں جیسے واذا اور یضربے حروف مدہ کی اصل مقدار تو ایک الف کے بقدر ہے جس کو مد اُصلی کہتے ہیں لیکن جب ان کے بعد ہمزہ یا سکون ہو تو اس وقت مد میں اضافہ ہو جاتا ہے اور اس کی مقدار دو یا تین الف سے چار اور پانچ الف تک ہو جاتی ہے اور اس کو مد فرعی اور مد زاید بھی کہتے ہیں اور مد زاید کی پھر متعدد قسمیں ہیں جن کی تفصیل کتب تجوید میں موجود ہے۔ ایک الف کی مقدار کا اندازہ ضم اصبع سے کیا گیا ہے یعنی جتنی دیر کھلی انگلی کے بند کرنے میں یا بند انگلی کے کھولنے میں لگتی ہے یہ حدیث صحیح بخاری میں بھی ہے اور وہاں اس پر یہ اضافہ ہے ثم قرأ بسم اللہ الرحمن الرحیم بسم اللہ ویسمد بالرحمن ویسمد بالرحیم یعنی التہ کے لام کو کھینچتے تھے اور ایسے ہی الرحمن کے میم کو اور الرحیم کی حاء کو اس میں پہلے دو مد تو اُصلی ہیں اور پھر اندازاً مد ہے سکون کی وجہ سے۔

تلاوت میں مد کی رعایت رکھنے میں مصلحت و حکمت یہ لکھی ہے کہ اس کی وجہ سے تدبیر معانی و تفکر میں مدد ملتی ہے (منہل) اور فضائل قرآن میں شیخ نے شاہ عبدالعزیز صاحب سے نقل کیا ہے کہ تشدید اور

فتح مکہ کے روز ناقہ پر سوار ہونے کی حالت میں سورہ فتح پڑھ رہے تھے ترجیع کے ساتھ یعنی آواز کو حلق میں لوٹانے کے ساتھ، اس میں حافظ ابن حجر نے دو احتمال لکھے ہیں ایک یہ کہ یہ ترجیع ناقہ کی حرکت لمبی کی وجہ سے پیدا ہوئی تھی، دوسرا یہ کہ موضع مد میں اشباع مد کی وجہ سے، عارف ابن ابی حجر فرماتے ہیں ترجیع سے مراد تحسین الصوت ہے نہ کہ ترجیع الغناء یعنی جس طرح گانے میں آواز کو حلق میں لوٹا لوٹا کے پڑھتے ہیں اس لئے کہ یہ چیز خشوع کے منافی ہیں جو کہ مقصود تلاوت ہے۔

عن البراء بن عازب قال قال رسول الله صلى الله عليه وسلم زينوا القرآن بأصواتكم. اپنی تلاوت قرآن کو مزین کرو اور اچھی آوازوں سے یا یہ کہ قرآن کریم کی زینت کو ظاہر کرو اچھی آوازوں سے (بذل) زینت سے مراد یہ ہے کہ ترتیل و تجوید سے اور زبانی آواز سے پڑھے اور راگ میں پڑھنا (گانے کی طرح) قرآن کو اس طرح کہ زیادتی و نقصان جو حرفوں میں یا حرکات میں حرام ہے (مظاہر حق) کہا گیا ہے کہ اس حدیث میں قلب ہے یعنی اس میں صنعت قلب کو اختیار کیا گیا ہے کافی تو ہم عرضت الناقه علی الخوض والاصل عرضت الخوض علی الناقه. اس لئے کہ فریضی شعور کو پیش کیا جاتا ہے ذی شعور پر نہ کہ برعکس، اسی طرح یہاں بھی مراد یہ ہے زینوا أصواتکم بالقرآن، لیکن یہ قول صحیح نہیں اس لئے کہ حدیث الباب میں حاکم کی روایت میں زیادتی ہے فان الصوت الحسن یزید القرآن حسناً، اس سے معلوم ہوا جس طرح یہاں روایت میں ہے وہی اصل ہے البتہ جس روایت میں اس کا عکس وارد ہوا ہے (کما قبل) اس کو کہنا چاہئے کہ وہاں قلب ہوا ہے (بذل و ہنل)

بقیہ سنہ ۱۲۸۵
حضرت الحاج القاری المقرئ مولانا عبدالرحمن صاحب پانی پتی المکی نور اللہ مرقدہ فوائد مکیہ کے آخر میں تحریر فرماتے ہیں۔
(عناذلہ) تمام اوقاف پر سانس توڑنا باوجود دم ہونے کے ایسا نہ چاہئے، قاری کی مثال مثل مسافر اور اوقاف کو مثل منازل کے کہتے ہیں تو جب ہر منزل پر بلا ضرورت ٹھہرنا فضول اور وقت کو ضائع کرنا ہے تو ایسا ہی ہر جگہ وقف کو نا فاعل عیث ہے جتنی دیر وقف کریگا اتنی دیر میں ایک دو فکرم ہو جائیں گے، البتہ لازم مطلق پر اور ایسے ہی جس آیت کو مابعد سے تعلق اعتقادی نہ ہو ایسی جگہ وقف کرنا ضروری اور مستحسن ہے انتہی حضرت اقدس گنگوہیؒ رواد الطغیان فی اوقاف القرآن... (جو کہ اہل حدیث کے ایک فتوے کے رد میں ہے) میں حدیث ام سلمہؓ بطریق ابن جریر کے بارے میں تحریر فرماتے ہیں کہ وہ منقطع ہے کما قال الترمذی اور ہمارے زمانہ کے اہل حدیث حدیث مرسل و منقطع کو حجت نہیں مانتے پھر انہوں نے اس سے کیسے استدلال کیا، پھر حضرت اگے تحریر فرماتے ہیں مگر ہم لوگ چونکہ مرسل و منقطع ثقہ کو معتبر جانتے ہیں ہم پر شرح اس حدیث کی ضروری ہے وہ یہ کہ حضرت ام سلمہؓ نے قرابت رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کو بیان فرمایا تو یہ نہیں کہا کہ تمام قرآن میں آپ اس طرح کرتے تھے اور خاص ایک طریقہ قراءہ اور وقف ہر آیت پر آپ کی قراءت کو حصر نہیں کیا تاکہ اس سے معلوم ہو کہ آپ نے اس کے خلاف نہیں کیا تو ہم کہتے ہیں کہ آپ نے ایمان ایسے بھی پڑھا ہے اور ایمان دوسری طرح بھی پڑھا ہے جو کہ اجماع قرون ثلاثہ سے معلوم ہوا الی آخرہ (تالیفات رشیدیہ ص ۲۷ مطبوعہ پاکستان لاہور)

وقال قتیبہ ہونی کتابی عن سعید بن ابی سعید،

شرح السند

اس اختلاف رواۃ کی جس کو مصنف بیان کر رہے ہیں توضیح یہ ہے کہ اس حدیث کی سند میں مصنف علیہ الرحمہ کے تین استاد ہیں آپس میں ان کی سندوں میں اختلاف ہے جس کا نقشہ اس طرح ہے ابو الولید عن اللیث عن ابن ابی ملیکہ عن ابن ابی نہیک عن سعد بن ابی وقاص عن النبی صلی اللہ علیہ وسلم. قتیبہ عن اللیث عن ابن ابی ملیکہ عن سعید بن ابی سعید عن النبی صلی اللہ علیہ وسلم. یزید بن خالد عن اللیث عن ابن ابی ملیکہ عن سعید بن ابی سعید عن النبی صلی اللہ علیہ وسلم. لیکن قتیبہ کی سند جو ان کے حفظ میں ہے وہ عن سعید کے بجائے عن سعد بن ابی وقاص ہی ہے، جس طرح ابوالولید کی روایت میں ہے نیز واضح رہے کہ ابوالولید کی روایت سند متصل ہے اور اسی طرح قتیبہ کی بھی وہ روایت جو ان کے حفظ میں ہے اور یزید بن خالد اور قتیبہ کی دوسری حدیث (جو کتاب سے ہے) منقطع بھی ہے اور مرسل بھی اس لئے کہ ابن ابی ملیکہ کی اصل روایت ابن ابی نہیک سے ہے نہ کہ سعید سے۔ اور مرسل اس لئے کہ سعید بن ابی سعید المقبری تابعی ہیں نہ کہ صحابی (بذل ومنہل) بذل میں لکھا ہے کہ اس سند کی تشریح میں صاحب ال... سے غلطی ہوئی ہے۔

لیس منا من لم یفتن بالهتوان.

حدیث کی تشریح میں قوال علماء بالیسط

تغنی کی تفسیر میں چند قول ہیں، متبادر معنی تو اس کے عنناء اور نخبہ کے ہیں جو ایک مستقل فن ہے علم موسیقی جس کے مخصوص اوزان ہوتے ہیں اور اس طرح پڑھنے کو قراءۃ بالالمان کہتے ہیں جس کو بعض علماء حرام کہتے ہیں اور بعض مکروہ اور بعض مباح بلکہ مستحب، امام مالک کی طرف کراہت یا تحریم منسوب کیجاتی ہے اور بعض نے امام شافعی اور حنفیہ کی طرف جواز کو منسوب کیا ہے اور شافعیہ میں سے فورانی کی طرف استعجاب منسوب ہے۔
نہجیوں کی طرف سے کہا گیا ہے کہ یہ (قراءۃ بالالمان) مورث رقت ہے موجب خشیت ہے استماع قرآن کی طرف کشش پیدا کرنے والا ہے، مانعین کہتے ہیں یہ چیز خشوع اور تحزن و تدبر کے منافی ہے جس کے لئے قرآن کریم موضوع ہے (من المنہل وغیرہ) چونکہ قراءۃ بالالمان مختلف فیہ ہے اس لئے اس حدیث کی شرح بجائے اس کے تحسین صوت کے ساتھ کرتے ہیں جو بالاتفاق مستحب ہے۔ مظاہر حق میں اس حدیث کے تحت لکھا ہے یعنی نہیں ہے ہمارے کامل طریقہ پر وہ شخص کہ نہ خوش آوازی کرے ساتھ قرآن کے یعنی خوب ہے خوش آوازی کرنی قرآن پڑھنے میں بشرطیکہ تفسیر حرف کی یا حرکت یا تدکیر کی شدت کی یا اور طرح سے نہ ہو اور راگ (گانا) کے طور پر بھی نہ ہو اور جو شخص کہ پڑھے

لہ کذا استفاد من المنہل لیکن مصنف کے کلام سے یہ نہیں معلوم ہوتا کہ قتیبہ کی روایت میں ابن ابی نہیک کا واسطہ مذکور ہے یا نہیں، واللہ تعالیٰ اعلم۔

قرآن کو جان کر راگ میں تو حرام ہے پڑھنا اور اس معنی کی تائید گزشتہ حدیث زینو القرآن باصواتکم سے بھی ہو رہی ہے اور یہ معنی تغنی کی اصل لغت کے بھی قریب ہیں اس لئے کہ قرآن کا غنا ایسی ہے کہ اس کو قواعد تجوید کے مطابق پڑھا جائے اس میں یقیناً تحمیں موت ہے، دوسری تفسیر اس کی استغناء سے کی گئی ہے امام طحاوی نے بھی مشکل میں اس کی کوراج قرار دیا ہے یعنی صاحب قرآن کی ساری توجہ قرآن کی طرت ہونی چاہئے اور قرآن کی وجہ سے اس کو استغناء عن الناس حاصل ہونا چاہئے یا استغناء عن الكتب السماویۃ یعنی باقی کتب سماویہ توراۃ وانجیل وغیرہ سے، اور تیسرے معنی اس کے جسر بالقرآنۃ کے لکھے ہیں (شاید اس لئے کہ گانا عامتہ بلند آواز سے ہوتا ہے) اور ایک معنی ایک تحزن کے لکھے ہیں یعنی قرآن کریم کو درد کے لہجے سے پڑھنا جس کی تاثیر قلب پر زیادہ ہوتی ہے اور ایک تفسیر اس کی کشف الہتم کے ساتھ کی گئی ہے تو ضح اس کی یہ ہے کہ انسان کو جب کوئی ناگوار اور رنج و غم کی بات پیش آتی ہے تو بسا اوقات وہ اپنے غم کو غلط کرنے کے لئے اشعار وغیرہ گنگنا لگتا ہے اس سے ذرا دل بہلتا ہے یہ عام اور دنیا دار لوگوں کا حال ہے اور ایک مرد مومن کا حال یہ ہونا چاہئے کہ جب اس کو کوئی رنج کی بات پیش آئے تو وہ اپنے غم کو بجائے واپس اشعار کے قرآن پاک کے نغمہ کے ساتھ یعنی اس کی خوش الحانی کے ساتھ دور کرے گویا مسلمان کے لئے دل کی تسلی اور اس کو بہلانے کے لئے قرآن پاک کی تلاوت ہونی چاہئے۔

قرآنۃ بالالحان کی تحقیق و اختلاف علماء
 قرآنۃ بالالحان کی سلسلہ میں اب تک جو کچھ لکھا گیا ہے عربی شروح حدیث سے لیا گیا ہے جس کی ترجمانی ہندو نے کی ہے اور احقر کو چونکہ فن تجوید اور اس کی اصطلاحات سے بخوبی واقفیت نہیں ہے اس لئے میں یہ چاہتا تھا کہ یہ مضمون کسی صاحب فن کے الفاظ میں لکھا جائے ایک ضرورت سے فوائد ملے کی طرف رجوع کیا گیا اس میں یہ مضمون بھی اتفاق سے مل گیا جس کو میں نے بہت جامع پایا اس لئے اس کو حاشیہ میں لے لیا گیا ہے۔

لے حضرت تاجی صاحب (صاحب فوائد مکید) نے فرماتے ہیں قرآن شریف کو الحان اور انغام کے ساتھ پڑھنے میں اختلاف ہے بعض حرام بعض مکروہ بعض مباح بعض مستحب کہتے ہیں، پھر اطلاق اور تعلیق میں بھی اختلاف ہے مگر قول محقق اور معتبر یہ ہے کہ اگر قواعد موسیقیہ کی لحاظ سے قواعد تجوید کے بگڑ جائیں تب تو مکروہ یا حرام ہے ورنہ مباح ہے یا مستحب اور مطلقاً تحمیں موت سے پرہیز رعایت قواعد تجوید کے مستحب اور مستحسن ہے جیسا کہ اہل عرب عموماً خوش آوازی اور بلا تکلف بلا رعایت قواعد موسیقیہ جن سے وہ ذرا بھر بھی واقف نہیں ہوتے اور نہایت ہی خوش آواز سے پڑھتے ہیں اور یہ خوش آوازی ان کی طبیعت اور جبلت ہے اسی واسطے ہر ایک کا لہجہ الگ الگ اور ایک دوسرے سے ممتاز ہوتا ہے، ہر ایک اپنے لہجہ کو ہر وقت پڑھ سکتا ہے بخلاف انغام کے کہ ان کے اوقات مقرر ہیں کہ دوسرے وقت میں نہیں بنتے اور نہ لہجے معلوم ہوتے ہیں یہاں سے معلوم ہو گیا کہ نغم اور لہجہ میں کیا فرق ہے طرز طبیعت کو لہجہ کہتے ہیں بخلاف نغم کے، اب یہ بھی معلوم کرنا ضروری ہے کہ (بقیہ اگلے صفحہ پر)

عن ابی ہریرۃؓ ان رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم قال ما اذن اللہ لشیء ما اذن لنبی حسن

الصوت یتغنی بالقرآن۔

شرح حدیث

اَذِنَ یَا اَذِنَ اَذِنَا بمعنی استماع کان لگا کر توجہ سے سننا یعنی نہیں سنتے ہیں اللہ تعالیٰ کوئی آواز اتنی توجہ سے جیسے کہ سنتے ہیں اپنے اس نبی کی آواز کو جو خوش الحانی سے قراءہ کرے۔ نبی چونکہ عام ہے اس لئے قرآن سے مراد بھی عام ہی لینا چاہئے یعنی نفس قراءہ چونکہ قرآن مصدر بھی آتا ہے بمعنی قراءہ لہذا مراد کسی نبی کا مطلق آسمانی کتاب پڑھنا ہے یا قرآن سے معروف معنی مراد لئے جائیں اور نبی سے مراد حضور اقدس صلی اللہ علیہ وسلم بیچھربہ یہ تغنی کی تفسیر ہے جو کسی راوی کی طرف سے مدرج ہے اس حدیث میں اَذِنَ سے مراد رضا اور قبول ہے ورنہ اللہ تعالیٰ تو ہر سی بات کو خوب اچھی طرح سنتے ہیں کوئی بات ان پر پوشیدہ نہیں بلکہ یوں کہئے کہ اَذِنَ کے معنی تو کان لگا کر سننے کے ہیں اللہ تعالیٰ کان یا اور کسی آلہ کے محتاج ہی نہیں اس لئے اَذِنَ یہاں مجازی معنی میں مستعمل ہو رہا ہے۔

باب التشدید فی حفظ القرآن ثم نسیہ

ما من امر ی یقرأ القرآن ثم ینساہ الا لقی اللہ یوم القیامۃ اجذم۔ یعنی جو شخص قرآن پاک سیکھے اور اس کو پڑھے، یاد کرے یعنی حفظ کرے اور پھر بعد میں اس کو ترک کر کے بھلا دے اس کے بارے میں وعید ہے (جو آگے آرہی ہے)

انعام کے کہتے ہیں وہ یہ ہے کہ تحسین صوت کے واسطے جو خاص قواعد مقرر کئے گئے ہیں ان کا لحاظ کر کے پڑھنا یعنی کہیں گھٹانا کہیں بڑھانا کہیں مدلی کرنا کہیں نہ کرنا کہیں آواز کو پست کرنا کہیں بلند کرنا کسی کلمہ کو سختی سے ادا کرنا کسی کو نرمی سے کہیں رونے کی سی آواز نکالنا کہیں کچھ کہیں کچھ جو جانتا ہو وہ بیان کرے البتہ جو بڑے اس فن کے ماہر ہیں ان کے یہ قول سنے گئے ہیں کہ اس سے کوئی آواز خالی نہیں ہوتی ضرور بالضرور کوئی نہ کوئی قاعدہ موسیقی کا پایا جائے گا خصوصاً جب انسان ذوق و شوق میں کوئی چیز پڑھے گا باوجودیکہ وہ کچھ بھی اس فن سے واقف نہ ہو مگر کوئی نہ کوئی نظم سرزد ہوگا اسی واسطے بعض محتاط لوگوں نے اس طرح پڑھنا شروع کیا ہے کہ تحسین صوت کا ذرہ بھر بھی نام نہ آوے کیونکہ تحسین صوت کو لازم ہے نظم اور اس سے اعتنا طے اور یہی بعض اہل امتیاز اہل عرب کو کہتے ہیں کہ وہ تو گائے پڑھتے ہیں حالانکہ یہ تحسین کسی طرح ممنوع نہیں اور نہ اس سے منفربے۔ غلامہ اور ماہرین ہمارا یہ ہے کہ قرآن شریف کو تجوید سے پڑھنا اور فی الجملہ خوش آواز سے پڑھے اور قواعد موسیقیہ کا خیال نہ کرے کہ موافق ہے یا مخالف اور صوت حروف اور معانی کا خیال کرے اور معنی اگر نہ جانتا ہوتا تاہی خیال کافی ہے کہ مالک الملک عزوجل کے کلام کو پڑھ رہا ہوں اور وہ سن رہا ہے اور پڑھنے کے آداب مشہور ہیں احقر کہتا ہے حضرت تاجی صاحب کی تحقیق سے استفادہ ہوا کہ قواعد موسیقیہ اور قواعد تجوید میں بالکل یہ تخالف نہیں ہے فی الجملہ دونوں جمع بھی ہو سکتے ہیں۔ ۱۲

نسیان قرآن سے مراد دوسری تفسیر اس حدیث کی یہ کی گئی ہے کہ نسیان سے مراد نسیان الفاظ نہیں ہے بلکہ ترک العمل بامانی القرآن ہے کہانی تو کہ تعالیٰ کہ لکھ آیتا فنیستہا صاحب منہل نے اولیہ ثانی معنی لکھے ہیں اور پھر و تحمل سے اول معنی لکھے ہیں اور حضرت سہارن پوری نے بدل میں صرف اول معنی لکھے ہیں اور یہ بھی لکھا ہے کہ نسیان سے مراد حنفیہ کے نزدیک یہ ہے کہ دیکھ کر بھی نہ پڑھ سکے اور شافیہ کے نزدیک یہ ہے کہ زبانی نہ پڑھ سکے۔

صاحب منہل لکھتے ہیں کہ یہ حدیث شافیہ کے لئے حجت ہے جو یہ کہتے ہیں کہ نسیان قرآن کبیر ہے جس کی تلافی توبہ سے اور اس کو دوبارہ یاد کرنے سے ہوتی ہے خواہ وہ قلیل ہو یا کثیر اور مالکیہ کے نزدیک قدر واجب (ما تجوز بہ الصلوۃ) کا نسیان حرام ہے اور ما زاد علی القدر الواجب کا نسیان مکروہ ہے۔

اجزم کی تفسیر میں چند قول ہیں، مقطوع سید جس کو ٹونڈا کہتے ہیں، مقطوع الحجۃ میں لہ عذر۔ صاحب جذام خالی لید عن الخیر

بَابُ انْزَالِ الْقُرْآنِ عَلَى سَبْعَةِ أَحْرَفٍ

یہ ترجمہ بلفظ الحدیث ہے اور یہ حدیث متفق علیہ بلکہ جملہ صحاح ستہ میں موجود ہے الا ابن ماجہ (مندری) ملا علی قاری فرماتے ہیں یہ حدیث بالاتفاق متواتر ہے تو اتراً معنوياً، بعض محدثین کہتے ہیں لفظاً بھی متواتر ہے اس لئے کہ یہ حدیث بایں الفاظ اکیس صحابہ سے مروی ہے، لیکن حاکم کی ایک روایت میں بجائے علی سبعة احرف کے علی ثلاثہ احرف ہے اس کا دلیل یہ کی گئی ہے کہ شروع میں تین کی اجازت دی گئی تھی بعد میں سات تک کی اجازت دیدی گئی، اور انزال سے مراد حدیث میں اجازت من الرسول ہی ہے اس لئے کہ نزول تو قرآن کا لغت قریش پر ہوا تھا بعد میں اجازت کے ذریعے اس میں توسیع کی گئی۔

حدیث الباب کے معنی کی تحقیق میں اشباع کلام اس حدیث میں بہت سی ابحاث ہیں، اور جزالہ سالک میں شیخ نے دس ذکر فرمائی ہیں سب سے نازک اور اہم بحث اس میں تحقیق معنی کی ہے کہ سبعة احرف سے مراد کیا ہے، ملا علی قاری فرماتے ہیں اس میں اکتالیس قول ہیں جن میں سے اکثر مجموع ہیں، زیادہ مشہور اور صحیح ان میں سے چار پانچ معنی ہیں۔

(اول)۔ شکل نایدی منہا کہ یہ متشابہات میں سے ہے اس کے معنی مرادی معلوم نہیں ہیں اس لئے کہ حرف متعدد معنی میں استعمال ہوتا ہے، حرف ہجا (الف، با، تا وغیرہ) کلمہ، معنی، جہت، یہ پہلا قول ابن سعدان نحوی سے منقول ہے (ثانی) تادیۃ المعنی باللفظ المترادف یعنی یہ سبع طرق و تعدد باعتبار الفاظ مترادف کے ہے مثلاً قل یا یہا الکافرون

قل للذين كفروا، قل لمن كفر۔ علامہ سیوطی نے آقان میں نقل کیا ہے کہ حضرت ابن مسعودؓ ایک شخص کو سورہ دغان پڑھا رہے تھے جب اس میں یہ لفظ آیا ان سَجَرَةَ التَّرْقُومِ طعام الاثیم تو لفظ الاثیم اس کی زبان سے ادا نہیں ہو رہا تھا وہ کہتا تھا طعام الیتیم، اس پر حضرت ابن مسعودؓ نے فرمایا استطیع ان تقول طعام الفناجر قال نعم قال فانسل یعنی تو طعام الفناجر ہی پڑھے، حافظ ابن عبد البرؒ نے اس قول کو اکثر علماء کی طرف منسوب کیا ہے، لیکن واضح رہے کہ اس معنی کے لئے ایک بڑا مضبوط ہر یک ہے۔ وہ یہ جیسا کہ حافظ ابن حجر وغیرہ نے لکھا ہے لکن الاباحۃ المذکورۃ لم یقع بالتشہی بل ذلك مقصور على السماع من الرسول صلى الله عليه وسلم یعنی یہ تعبیر باللفظ مترادف اپنے اختیار سے نہیں ہے کہ جہاں جی چاہے ایک لفظ کو دوسرے لفظ مترادف سے بدل دے بلکہ یہ موقوف ہے سماع پر یعنی اس لفظ مترادف کا حضور صلی اللہ علیہ وسلم یا صحابہ کرام سے منقل ہو نا ضروری ہے۔

(ثالث) سبۃ اعراف سے مراد سبع لغات ہے، دراصل عربی زبان بہت وسیع ہے وہاں ہر قبیلے کی زبان لغت الگ ہے، قبیلوں میں شاعر بھی الگ الگ ہیں جیسا کہ تم نے نحو کی کتابوں میں پڑھا ہوگا، علی لفظہ ہذیل، علی لفظہ بنی سبط، علی لفظہ بنی تميم وغیرہ وغیرہ، اور یہ اختلافات لغات کبھی تو الفاظ مستعملہ کے لحاظ سے ہوتا ہے کہ ایک لفظ ہے اس کو ایک قبیلہ والے استعمال کرتے ہیں اور دوسرے نہیں کرتے اور کبھی یہ اختلاف اعراب کے اعتبار سے ہوتا ہے، اول کی مثال جیسے تَابُوت اور تابوہ، حضرت عثمانؓ نے جمع قرآن کے لئے حن حضرات کو مستعجب فرمایا تھا ان میں تین قرشی تھے (سعید بن العاص، عبد الرحمن بن الحارث بن ہشام، عبد اللہ بن الزبیر) اور ایک غیر قرشی زید بن ثابت انصاری رض، حضرت عثمانؓ نے فرمایا تھا کہ اگر تمہارا آپس میں کسی قراءۃ یا لفظ میں اختلاف ہو جائے تو قریش کو لے لینا اس لئے کہ نزول قرآن کا لغت قریش پر ہوا ہے، چنانچہ ان حضرات کا اختلاف ہوا لفظ تابوت میں قرشی حضرات کہتے تھے کہ یہ لفظ تابوت ہے اور حضرت زید فرماتے تھے کہ تابوہ ہے حضرت عثمانؓ کی طرف رجوع کیا گیا انہوں نے فرمایا تابوت لکھو لفظ قریش یہی ہے (ترمذی شریف ص ۱۳) اور ثانی کی مثال جیسے ان هذان لساحران، اس میں دو قراءتیں ہیں ان هذین، (جو قواعد مشہورہ کے موافق ہے) اور ان هذان، بعض قبائل میں تشنیہ تینوں حالات میں الف، ہی کے ساتھ ہوتا ہے اور اعراب تشنیہ کا تقدیر ہی ہوتا ہے، اس تیسرے معنی پر یہ اشکال کیا گیا ہے کہ لغات عرب تو سات سے بہت زائد ہیں واجب عندہا ان المراد افصحها، پھر اس میں اختلاف ہے کہ یہ سب لغات قبیلہ قریش ہی کے بطون سے ہیں یا اس سے عام، قبیل کلہا من بطون قریش، اور کہا گیا ہے کہ یہ سات لغات قبیلہ مضر کی ہیں اور انہی کے بمخلہ قریش بھی ہیں اور قبیلہ مضر کی وہ سات شاخیں یہ ہیں۔ ہذیل، کنانہ، قیس، قضیہ، تیم، ارباب، اسد بن خزیمہ، قریش۔

لیکن اس کا یہ مطلب نہ سمجھا جائے کہ ہر کلمہ قرآن سات طرح پڑھا جاتا ہے اس لئے کہ کہا گیا ہے قرآن میں

کوئی کلمہ ایسا ہے ہی نہیں جو سات طرح پڑھا جاتا ہو الا الشیء القلیل مثل عبد الطاعوت، بلکہ یہ سات لغات پورے قرآن میں پھیلے ہوئے ہیں بعضہ بلغۃ قریش وبعضہ بلغۃ ہذیل وبعضہ بلغۃ ہوازن وبعضہ بلغۃ یمن۔ (رابع) سبۃ احرف سے قراءت سبہ مشہورہ متواترہ مراد ہیں، لیکن کمی بن ابی طالب فرماتے ہیں کہ جو لوگ یہ سمجھتے ہیں کہ ان مشہور قراء کی قراءتیں جیسے نافع، عاصم وغیرہ یہی احرف سبہ کا مصداق ہیں بالکل غلط ہے بلکہ قراءت سبہ تو ان احرف سبہ ہی میں کا ایک جز ہے ورنہ لازم آئے گا کہ ان قراءت سبہ کے علاوہ جو قراءت دوسرے ائمہ سے منقول ہیں وہ قرآن نہ ہوں اور یہ قطعاً غلط ہے اس لئے کہ جن ائمہ متقدمین نے قراءات میں تصنیفات لکھی ہیں جیسے ابو عبیدہ قاسم بن سلام، ابو حاتم سجستانی، ابو جعفر طبری ان حضرات نے ان قراءات سبہ کے علاوہ بھی اور بہت سی قراءات ان سے دو گنی چو گنی لکھی ہیں پھر ان قراءات کو آپ کیا کہیں گے ان سب کا انکار لازم آئے گا۔

حضرت شیخ الحدیث اور علامہ جزیری کی رائے
ہمارے حضرت شیخ تقریر بخاری میں فرمایا کرتے تھے کہ میرے نزدیک راجح یہی ہے کہ اس سے قراءات سبہ مراد ہیں اگرچہ حافظ ابن حجر نے تو اس شخص کو جاہل بتایا ہے جو یہ کہے کہ اس سے قراءات سبہ مراد ہیں لیکن میرے نزدیک

لہ علامہ جزیری نے بھی اس حدیث کو اسی معنی پر محمول کیا ہے وہ فرماتے ہیں کہ تیس سال تک تمام قراءتوں کے اختلافات میں تدبر کرنے کے بعد یہ مطلب میرے ذہن میں آیا ہے کہ سبۃ احرف سے سات طرح کا تغیر لغتی مراد ہے پھر انہوں نے ان تغیرات سبہ کی تفصیل و تشریح فرمائی ہے جو حسب ذیل ہے (۱) حرکات میں تغیر ہو لیکن لفظ کی صورت اور معنی میں بالکل تغیر نہ ہو جیسے بالبحخل اور بالبخخل، القدس اور القدس، یحسب اور یحسب (۲) اعراب اور معنی میں تغیر ہو جائے لیکن صورت میں تغیر نہ ہو جیسے قراءۃ متواترہ میں فتلق آدم من ربہ کلیم اور آدم من ربہ کلیم (۳) حروف اور صورت میں تغیر ہو جائے لیکن معنی میں نہ ہو۔ الصراط، الشراط، بسطۃ، بسطۃ (۴) حروف اور معنی میں تغیر ہو جائے لیکن صورت میں نہ ہو جیسے تتلوا اور تبلوا، ننجیک اور ننجیک (۵) حروف اور معنی اور صورت میں تغیر ہو جائے جیسے اشد منکم اور اشد منہم ولایا قبل اور ولایتا، فاسعوا فامضوا (۶) تقدیم و تاخیر کا تغیر جیسے فیقتلون و یقتلون اور یقتلون و یقتلون (۷) حروف کی کمی اور زیادتی کا تغیر جیسے و اوصی و وصی، والذکر والانشی۔ وما خلق الذکر والانشی یہ وہ سات طرح کا تغیر اور ہے اصولی اختلافات جیسے اظہار اور روم اشہام اور ادغام تقیم اور ترقیم مد اور قصر ملالہ اور فتح تحقیق و تسبیل اور بدل و نقل سوان میں لفظ اور معنی میں کوئی تبدیلی نہیں ہوتی صرف کیفیت میں تبدیلی ہوتی ہے پس یا تو یہ تغیر ہی نہیں اگر ہے تو قسم اول میں داخل ہے (ماخوذ از عنایت رحمانی شرح شاطبیہ مصنف حضرت قاری فتح محمد صفا پانی پتی مہاجر مدنی رحمۃ اللہ علیہ ملاحظہ فرمائے مولانا زین العابدین صفا الحدیث الاظمی)

اس قول کو اختیار کرنے کی وجہ یہ ہے کہ یہ قراءات سب کی سب محفوظ و مضبوط ہیں، منقول و مروج ہیں، جیسا کہ خود قرآن کہتا ہے اَنَّا نَحْنُ نَزَّلْنَا الذِّكْرَ وَاَنَّا لَهُ لِعَافِیُونَ، اور اگر احرف سبعہ سے دوسرے معانی مراد لئے جائیں تو وہ سب قراءات محفوظ کہاں ہیں؟ انتہی کلام۔

حضرت گنگوہی کی رائے لیکن حضرت اقدس گنگوہی کی تقریر بخاری لایع الدراری ص ۲۵ میں لکھا ہے کہ اقرب یہ ہے اولاً قرآن کریم لغت قریش پر نازل ہوا پھر بعد میں اس میں آپ کی طرف سے زیادتی طلب کی گئی اس کا اضافہ ہو گیا اور ایک سے زائد لغت پر پڑھنے کی اجازت دیدی گئی اس اضافہ و اجازت ہی کو مجازاً انزل سے تعبیر کر دیا گیا، اور اس سے قراءات سبعہ مراد نہیں بلکہ یہ قراءات تو لغت واحدہ ہیں اور ایک ہی لغت کے الفاظ مختلفہ میں کیا تیسیر ہو سکتی ہے جبکہ مقصود اس سے تیسیر ہے انتہی۔

(خاص) یہاں ایک رائے ہمارے حضرت شاہ ولی اللہ صاحب قدس سرہ کی ہے وہ یہ کہ یہاں سبعہ سے مراد تحدید نہیں ہے بلکہ تکثیر ہے (مشہور ہے کہ اکائیوں میں سات کا عدد اور دہائیوں میں ستر کا عدد بسا اوقات تکثیر کے لئے ہوتا ہے) اور یہ سبعہ احرف جملہ معانی مذکورہ سابقہ کو شامل ہے یعنی یہ تعدد وجوہ و اختلاف عام ہے خواہ لغات مختلفہ کے لحاظ سے ہو خواہ قراء کی قراءات مختلفہ کے قبیل سے (جو کبھی مخارج حروف کے اعتبار سے ہوتا ہے اور کبھی مدہ و ترخیم و ترقیق وغیرہ صفات کے لحاظ سے) اور چاہے الفاظ مترادف کے لحاظ سے ہو غرض کہ یہ تمام صورتیں و شکلیں سبعہ احرف کے مصداق میں داخل ہیں۔

ان قلت سمیعاً علیماً عزیزاً حکماً یعنی اگر تم سمیعاً علیماً کے بجائے عزیزاً حکماً پڑھ دو تو کچھ حرج نہیں۔ مسند احمد کی روایت میں ہے فان اللہ کذلک اللہ تعالیٰ ایسے ہی ہیں یعنی یہ سب اللہ ہی کی صفات ہیں ایک کی جگہ اگر دوسری آجائے تو کیا حرج ہے۔ مالم تغتم آیتہ رحمۃ بعد ذاب او آیتہ عذاب برحمتہ یعنی مثلاً اگر رحمت کی آیت چل رہی ہو اور تم اس کو شدید العقاب پر لا کر ختم کر دیا اگر عذاب کی آیت چل رہی ہو اور تم اس کو غفور رحیم پر لا کر ختم کر دو تو یہ صحیح نہیں اس لئے کہ اس سے تو نظم قرآن میں بھی خلل واقع ہوتا ہو اور معنی میں بھی تغیر پیدا ہوتا ہے۔ منہل میں علامہ عینی سے نقل کیا ہے کہ یہ گنجائش شروع میں تھی لیکن جب مصحف عثمان میں موجودہ ترتیب قرآن پر اجماع ہو گیا تو پھر اب کسی کے لئے جائز نہ ہو گا کہ سیمع علیم کی جگہ عزیز حکیم۔ قصداً کہے ہاں اگر بلا قصد تغیر زبان سے اس طرح صادر ہو جائے تو پھر کچھ حرج نہیں لم تبطل مملوۃ ۱۷

ایک اشکال و جواب اس پر ایک اشکال ذہن میں آتا ہے وہ یہ کہ آپ نے تو کوشش فرما کر مختلف

لے اس کا جواب یہ ہو سکتا ہے کہ جس پر انزال ہوا ہے وہ تو محفوظ ہے یعنی لغت قریش، اور اس کی حفاظت کا وعدہ فرمایا گیا ہے ۱۷

لغات میں تلاوت کی اجازت حاصل فرمائی تھی امت پر تیسیر کے لئے تو جب یہ تیسیر منصوص من الشارع ہو گئی تو پھر بعد والوں کو اس کے خلاف پر اجماع کرنا کیسے درست ہو گیا۔ جواب اس کا یہ ہو سکتا ہے کہ بیشک آپ کے زمانہ میں تو اس کو وسیع سے تیسیر حاصل ہوئی لیکن بعد میں اس کو وسیع نے جب عمومی اختلاف و نزاع کی شکل اختیار کر لی جو خلاف مقصود تھی تو حضرت عثمان کے زمانہ میں صحابہ کرام کے باہمی مشورے سے باتفاق رائے ایک لغت پر استقرار ہوا جو کہ رافع نزاع ہو کر تسکین و تیسیر کا باعث ہوا و کان هذا الاستقرار والاجماع بالہام من اللہ تعالیٰ والفقائے فکان خیراً محضاً واللہ سبحانہ و تعالیٰ اعلم، الحمد للہ علی احسانہ کہ اس باب پر کلام پورا ہوا جس کو سمجھانے اور آسان کرنے میں ہمیں کافی محنت کرنی پڑی۔ اللہ تعالیٰ ہمیں قرآن پر عمل اور اس کی پوری پوری قدر دانی کی توفیق نصیب فرمائے واللہ الموفق ولاقوۃ الا باللہ العلی العظیم۔

بَابُ الدَّعَاءِ

اب یہاں سے آخر کتاب الصلوٰۃ تک دعاؤں کے ابواب آرہے ہیں، گویا مصنف نے کتاب الصلوٰۃ کا اختتام دعاؤں پر کیا، یہ باب کافی وسیع ہے اس سے مصنف کی غرض دعا کی فضیلت و اہمیت اور اس کے آداب کو بیان کرنا ہے، اس باب میں تقریباً بیس حدیثیں لائے ہیں پہلی حدیث نعمان بن بشیرؓ کی ہے جس کے لفظ یہ ہیں:

عن النبی صلی اللہ علیہ وسلم قال الدعاء ہی العبادۃ قال ربکم ادعونی استجب لکم، یہ حدیث سنن اربعہ و مسند احمد کی روایت ہے اس میں حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے دعا کو عین عبادت قرار دیا ہے اور پھر اس کی تائید و دلیل میں قرآن کریم کی آیت شریفہ تلاوت فرمائی اول تو آپ کا ارشاد ہی امت کے لئے کافی دوائی ہے پھر مزید برآں آپؐ نے اپنے قول کو کلام الہی سے مدلل بھی فرمایا ہے جس سے دعا کی اہمیت اور زیادہ بڑھ گئی۔ لیکن شاید کوئی مسئلہ بھی ایسا نہیں جس میں علماء کا اختلاف نہ ہو، دعا کے بارے میں بھی اختلاف ہو گیا کہ دعا افضل ہے یا ترک دعا و سکوت، یہ بحث ہم اخیر میں بیان کریں گے۔

اس باب کی احادیث سے جو آداب دعا مستفاد ہو رہے ہیں ان میں سے بعض نمایاں یہ ہیں (۱) دعا کی ابتداء ایسے ہونی چاہیے کہ اولاً

احادیث الباب سے مستفاد ہونے والے آداب دعا

لے ابھی ایک بات ذہن میں آئی کہ آخر اتنا اختلاف کیوں ہے اور متجاہب ذہن میں یہ آیا کہ اس اختلاف کا منشاء قلب علم اور قلب دلائل نہیں ہے بلکہ وسعت علم اور کثرت ادلہ ہے جس امام نے بھی جو قول اختیار کیا اس کے پاس اس کی دلیل ہے۔ سبحان اللہ! بشریت کی جامعیت اور علم امت کی فراوانی، علم کا اندازہ لگائیے۔ میں تو کہتا ہوں کہ جب جزئیات اور مسائل فرعیہ میں دلائل تحقیقات کا یہ حال ہے عقائد کا یہ حال ہوگا الحمد للہ الذی ہدانا للإسلام و ما کان منہتدی لولا ان ہدانا للشر۔ ۱۲

داعی اللہ تعالیٰ کی حمد و ثناء بجا لائے پھر صلوٰۃ علی النبی صلی اللہ علیہ وسلم اس کے بعد اپنا مقصود اللہ سے مانگے (من الحدیث الثالث) (۲) گو دعا بغیر رفع یدین کے بھی ہوتی ہے اور ہمیشہ رفع یدین کا موقع بھی نہیں ہوتا لیکن بہر حال رفع یدین کے ساتھ دعا کرنے میں اہتمام زیادہ معلوم ہوتا ہے چنانچہ اس باب کی دسویں حدیث میں ہے اللہ تعالیٰ شرمیلے ہیں اس بات سے شرماتے ہیں کہ کوئی بندہ ان کی طرف ہاتھ پھیلائے اور وہ ان ہاتھوں کو خالی ٹوٹا دیں۔ (الحدیث العاشر) (۳) جب رفع یدین کے ساتھ دعا کی جائے تو دعا کے ختم پر اپنے ہاتھوں کو چہرے اور آنکھوں پر پھیر لے تفادیل کے طور پر کہ گویا ایس کوئی چیز ملی ہے جس کو ہم اپنی آنکھوں سے لگا رہے ہیں اور اس کی قدر کر رہے ہیں جیسا کہ ارشاد ہے ادعوا للہ وانتم موقنون بالاجابة۔ (حدیث) (۴) رفع یدین اس طرح کرے کہ پھیلیاں آسمان کی طرف ہوں اور ان کی پشت زمین کی طرف اکثر علماء کی رائے تو یہی ہے، اور بعض علماء کی رائے جن میں شیخ ابن حجر مکیؒ بھی ہیں یہ ہے کہ جو دعا جلیب خیر و منفعت کے لئے ہو اس میں تو اسی طرح ہونا چاہئے، اور جو دعا دفع شر کے لئے ہو اس میں بہتر یہ ہے کہ ظہور کفین الی السماء ہوں اور بطون کفین الی الارض۔ اور اس میں قلب حال کی طرف اشارہ ہے جیسا کہ استقامت کے خطبہ میں تحویل ردا کرتے ہیں (حدیث ۷ و ۸) (۵) لیعزم المسألة، یعنی دعا، عزم اور پختگی کے ساتھ مانگنی چاہئے اس طرح نہ کہے کہ یا اللہ اگر تو چاہے تو ایسا کر دے غرض کہ کمال احتیاج کا اظہار ہونا چاہئے دعا میں تعلیق بالشیئہ کو بعض نے مکروہ اور بعض نے حرام لکھا ہے لہذا بہت کوشش کے ساتھ دعا مانگنی چاہئے اور اللہ تعالیٰ سے قبولیت کی پوری امید رکھنی چاہئے اس لئے کہ اس کی دعا کریم ذات سے ہے بعض علماء سے منقول ہے کہ آدمی کو اپنی تقصیر کا احساس مانع دعا نہ ہونا چاہئے اس لئے کہ اللہ تعالیٰ نے تو اپنی بدترین مخلوق ابلیس کی بھی دعا رد نہیں فرمائی۔ قال رب انظر فی الی یوم یبعثون قال انک من المنظرین (۶) کان علیہ الصلوٰۃ والسلام یتعجب المجامع من الدعاء ایسی دعائیں اختیار کرے جو خوب جامع ہوں یعنی مقاصد دارین پر مشتمل ہوں یا یہ کہ جمیع مؤمنین و مؤمنات کے لئے ہوں یا یہ کہ جملہ آداب دعا پر حاوی ہوں اس لئے کہ دعا احکم الحاکمین سے کی جا رہی ہے اس لئے فضولیات کی دعا، یا ایسی دعا جس میں فضول الفاظ ہوں خلاف ادب ہے، سب سے جامع اور مانع دعائیں وہی ہو سکتی ہیں جو ماثور اور منقول ہیں اس لئے کہ حضور اقدس صلی اللہ علیہ وسلم کے برابر کوئی انسان فصیح اور بلیغ اور زیادہ علم رکھنے والا نہیں ہو سکتا، صاحب منہل نے چند جامع دعائیں نمونہ لکھی ہیں (۱) ربنا اتنا فی الدنیا حسنة وفی الآخرة حسنة وقنا عذاب النار (۲) اللهم اکنفی بجلالک عن حرامک واغننی بفضلك عن سواک (۳) اللهم انی استلک الجنة وما قرب الیہا من قول او عمل واعوذ بک من النار وما قرب الیہا من قول او عمل (۴) اللهم انی استلک من العین کما عاجلہ واجلہ ما علمت منه وما لم اعلم (من المنہل)

جامع ترین دو ماثور دعائیں

میں کہتا ہوں علماء نے لکھا ہے قرآن پاک کی دعاؤں میں سب سے جامع

مذکورہ بالا دعاؤں میں سے پہلی دعا ربنا انتا فی الدنیا حسنة الخ ہے،

اور ادعیه ماثورہ من الحدیث میں سب سے جامع دعا وہ ہے جس کو امام ترمذی نے حضرت ابو امامہؓ سے نقل کیا ہے وہ فرماتے ہیں کہ ایک مرتبہ ہم نے حضور صلی اللہ علیہ وسلم سے عرض کیا کہ آپ نے ہمیں بہت سی دعائیں سکھائی ہیں مگر وہ سب یاد نہیں ہیں تو اس پر آپؐ نے فرمایا کہ میں تم کو ایسی دعا بتاتا ہوں جو تمام دعاؤں کو جامع ہے اللہم

انا نسألك من خير ما سألك منه نبيك محمد صلى الله عليه وسلم ونعوذ بك من شر ما استعاذ منه نبيك محمد صلى الله عليه وسلم وانت المستعان وعليك البلاغ ولا حول ولا قوة الا بالله (مسال

الترمذی هذا حدیث حسن غریب دنی تحفۃ الاحوذی، ص ۳۶۶) واخرہ الطبرانی فی الکبیر، اس دعا کی جامعیت میں کوئی کلام نہیں جیسا کہ خود حضورؐ ارشاد فرما رہے ہیں، تحفۃ الاحوذی میں علامہ شوکانی سے نقل کیا ہے ولا شیء اجبجج ولا انفع من هذا الدعاء، ہمارے حضرت شیخ نور اللہ مرقدہ بھی اس دعا کے بڑے معتقد تھے اور اس کی بہت زیادہ ترغیب فرمایا کرتے تھے۔ اور حضرت ابو امامہؓ جو اس دعا کے راوی ہیں ان کا بڑا احسان مانتے تھے کہ

انہوں نے حضور صلی اللہ علیہ وسلم سے اتنی بڑی جامع دعا دریافت کر کے ہم تک پہنچائی، میں نے حضرت مولانا تھانویؒ کے ایک مکتوب گرامی میں دیکھا کہ آپؐ نے مکتوب الیہ کے حق میں دعائیہ کلمات اس طرح تحریر فرمائے، اللہ تعالیٰ

آپ کو داریں کی ملاوت نصیب فرمائے، دراصل تنگی اور مشقت کوئی چیز نہیں اگر دل میں ملاوت ہو اور ملاوت

مرتب ہوتی ہے مبر و شکر پر، پس میرے خیال میں یہ دو چیزیں بنیادی اور معیاری ہیں حدیث کی دعا ہے اللہم

اجعلنی صبوراً واجعلنی شکوذاً نیز حدیث میں ہے ما أعطینی احد عطاءً اوسع من الصبر، صبر کا میدان

اتحاد وسیع ہے کہ تمام مصائب اور ناخوشگوار باتوں کو لپیٹ کر رکھ دیتا ہے (۱)، يستجاب لاحدکم ما لم یفعل

دعا میں جلد بازی نہ کرے کہ یہ کہنے لگے کتنے روز سے دعا کر رہا ہوں اب تک قبول نہیں ہوئی اگر ایسا سوچے گا

یا زبان سے کہے گا تو پھر قبولیت دعا کا کوئی وعدہ نہیں ہے۔

کونسی دعا قابل قبول ہے

علامہ قسطلانی نے شرح بخاری میں قبولیت دعا کے بارے میں ایک

نکتہ لکھا ہے وہ یہ کہ باری تعالیٰ کا قول ادعونی استجب لکم مجھ کو پکارو

میں تمہاری سنوں گا اس میں اشارہ اس بات کی طرف ہے کہ جو شخص اللہ تعالیٰ سے دعا کرتا ہے لیکن اس کے قلب

میں ایک ذرہ برابر اعتماد ہو اپنے مال پر یا جاہ پر یا اپنے دوست احباب پر یا اپنی کوشش پر تو اس نے فی الحقیقت

اللہ تعالیٰ کو صرف اپنی زبان سے پکارا ہے دل سے نہیں اور اس کے قلب کا اعتماد اپنے مقصود کی تحصیل میں غیر اللہ

پر ہے اور اگر آدمی اللہ تعالیٰ کو ایسے وقت میں پکارے جس میں اس کا قلب قطعاً غیر اللہ کی طرف ملتفت نہ ہو تو

پھر ظاہر یہ ہے کہ اس کی دعا ضرور قبول ہوگی۔ انتہی کلام۔ استغفر کہتا ہے کہ حدیث میں ہے جو شخص اسم اعظم کیساتھ دعا کرتا ہے وہ ضرور قبول ہوتی ہے حضرت جنید بغدادیؒ نے منقول ہے کہ کسی نے ان سے اسم اعظم کے بارے میں دریافت کیا کہ وہ کونسا ہے تو انہوں نے فرمایا کہ اسم اعظم لفظ اللہ ہے لیکن اس کی ایک شرط ہے وہ یہ کہ ان تقول اللہ وليس في قلبك سواه۔ معلوم ہوا اصل چیز دعا میں توبہ اور کمال احتیاج و افتقار الی اللہ ہے۔

دعا افضل ہے یا ترک دعا | اس کے بعد آپ سمجھیے کہ جمہور علماء کی رائے تو یہی ہے کہ دعا مانگنا سنت و تفویض (رضا بقضائے) ہے اور وہ عین عبادت ہے۔ لیکن بعض صوفیاء کو اس سے اتفاق نہیں وہ فرماتے ہیں کہ ترک دعا و تفویض اولیٰ ہے، علم بحالی اولیٰ من سوالی۔ یہ

حضرات فرماتے ہیں تسلیم اور رضا بقضائے اصل ہے۔ اور بعض کی رائے یہ ہے کہ دوسروں کے لئے تو دعا اولیٰ ہے اور اپنے حق میں تفویض اختیار کرنا اولیٰ ہے یا یہ کہیے کہ اگر اپنے ساتھ دعا میں دوسروں کو بھی شریک کرے تب تو دعا کرنا اولیٰ ہے ورنہ تفویض اولیٰ ہے اور ایک قول یہ ہے کہ کسی وقت اگر کوئی خاص باعث اور محرک دعا کا پایا جائے تب دعا اولیٰ ہے ورنہ عام حالات میں ترک دعا اولیٰ ہے۔ جمہور کے مسلک پر ایک اشکال ہوتا ہے کہ حدیث شریف میں ہے من شغلہ ذکری عن مسئلتی اعطیتہ افضل ما اعطى السائلین، کہ جو میرے ذکر میں مشغول ہونے کی وجہ سے مجھ سے سوال نہ کر سکے تو اس کو میں دعا دے دوں گا کہ وہ میرے ذکر سے بھی زائد عطا کرتا ہوں۔ اس سے بظاہر ترک دعا کا افضل ہونا معلوم ہوتا ہے۔ جواب یہ ہے کہ ہاں جس شخص کا حال یہ ہو کہ اس کو اللہ تعالیٰ کے جلال و صفات کی معرفت میں استغراق رہتا ہو تو یہ حالت اس کے حق میں دعا سے افضل ہے (قططانی) حافظ نے بھی فتح الباری میں کتاب الدعوات کے شروع میں ان چیزوں سے بحث کی ہے وہ لکھتے ہیں۔

قائلین تفویض (ترک دعا) کی دلیل | ایک جماعت کہتی ہے ترک دعا و سکوت اولیٰ ہے اور آیت کریمہ ادعونی استجب لکم کے جواب میں وہ یہ کہتے ہیں

کہ وہاں دعا سے مراد عبادت ہے اور قرینہ اس کا آخر آیت ہے ان الذین یستکبرون عن عبادتی الایۃ۔ ورنہ دونوں فقرے بے ربط رہ جائیں گے۔ اسی طرح حدیث شریف الدعاء هو العبادۃ کا مطلب یہی ہے کہ دعا نام عبادت کا ہے پس اس آیت میں امر بالدعاء سے مقصود امر بالعبادت ہے، جمہور کہتے ہیں آیت کریمہ اپنے ظاہر پر ہے دعا سے دعا ہی مراد ہے رہا اشکال عدم ربط کا سوا اس کا جواب یہ ہے کہ دعا ایک خاص قسم کی عبادت ہے اور آیت ثانیہ میں لفظ عبادت مذکور ہے جو مطلق اور عام ہے جب عام کا انتفاء ہوگا تو خاص کا انتفاء بطریق اولیٰ ہوگا، آگے حافظ لکھتے ہیں کہ ابوالقاسم قشیری (جو مشاہیر صوفیاء و اکابر اولیاء میں سے ہیں) نے اپنے رسالہ (رسالہ قشیریہ) میں اس مسئلہ میں اختلاف لکھا ہے اور مسلک جمہور یعنی اختیار دعا ہی کو ترجیح دی ہے

اور تیسرا قول یہ نقل کیا ہے کہ بعض کہتے ہیں اولیٰ یہ ہے کہ زبان سے تو داعی ہو اور قلب سے راضی بقضاء ہو اور پھر انہوں نے اپنی رائے یہ لکھی ہے کہ اولیٰ یہ ہے کہ جس وقت سالک اپنے دل میں اشارہ پائے دعا کا تو دعا اولیٰ ہے اور جس وقت اشارہ پائے ترک دعا کا اس وقت ترک دعا اولیٰ ہے، اس پر حافظ ابن حجر فرماتے ہیں کہ یہ تو بڑے لوگوں کی باتیں ہیں انہی کا اشارہ قلبی معتبر ہے عام لوگوں کے لحاظ سے تو پہلا قول ہی بہتر ہے (الدعا باللسان والرضا بالقلب)

اکمال الشیم شرح تجویب الحکم میں دعا کے مسئلے پر صوفیاء کے طریق پر سیر حاصل بحث کی ہے، دعا کی حقیقت اس کے اقسام عارف اور غیر عارف کی دعا میں فرق ایسے ہی دعا اور ترک دعا و تسلیم میں کس کو ترجیح ہے بہت عمدہ مضمون ہے اس کا مطالعہ کیا جائے چند مسطور اس کی یہاں نقل کرتا ہوں۔ حدیث میں وارد ہے۔ الدعاء مع العبادۃ..... لیکن وہ سالک جس کو ابھی تک اپنے نفس سے خلاصی نصیب نہیں ہوئی دعا اور سوال کرنے ہی کو مقصود سمجھنے لگے تو یہ اس کی خطا ہے وجہ یہ ہے کہ جب تک نفس موجود ہے دعا اور سوال میں بھی نفسانیت موجود ہے کہ نفس اپنے حظوظ اور مزوں کا سوال کرے گا اور نیز نظر و توجہ قلب کی وہ حاجت ہوگی نہ حق تعالیٰ کی بندگی۔

عارفین کی دعا و عبادت کا مغز ہے | بخلاف عارفین کے کہ انکی دعا البتہ عبادت کا مغز ہے اس لئے کہ عبادت کا مقصود اظہار افتقار و احتیاج ہے اور دعا و سوال کرنا یہ عین افتقار اور احتیاج کا ظاہر کرنا ہے پس عارف کامل کا نفس فنا ہو جاتا ہے نفسانی غرض ان کی کچھ نہیں ہوتی الی آخرہ (اکمال الشیم ص ۱۶۴)

سیکون قوم یعتدون فی الدعاء، یہ حدیث کتاب الطہارۃ باب الاسراف فی الوضوء میں گزر چکی اور اعتدال فی الدعاء کے معانی بھی وہاں گزر چکے ہیں۔

حدثنی عبد اللہ بن عباس عن رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم قال لا تشتر والجد، دیواروں پر ان کو آراستہ کرنے کے لئے پردے مت ٹانگو کیوں کہ اس میں اسراف اور تفاخر پایا جاتا ہے جو متکبرین کا طریقہ ہے لیکن اگر یہ لٹکانا ضرورتاً و مصلوۃ ہو مثلاً لدفع الحرج والبرد، تو جائز ہے (مہل) احقر کہتا ہے کہ یہاں دو چیزیں ہیں ایک ستر جدار کسی دیوار یا چھت کو آراستہ کرنے کی غرض سے اس پر پردہ آویزاں کرنا وہ تو ظاہر ہے کہ تفاخر اور زینت کے لئے ہوتا ہے وہ تو بہر حال ممنوع ہے اور دوسری چیز ہے تعلیق البستر علی البلب یہ عامۃ ضرورت اور مصلحت ہی کے لئے ہوتا ہے مثلاً حجاب کی ضرورت، اور اس کا ثبوت بہت سی احادیث سے ہے مثلاً عرض الوقت والی حدیث میں گزر چکا (باب الدعاء فی الركوع والسجود) ان رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کشف الستار والناس

مصنف خلف ابی بکر الحدیث ایسے ہی حضرت عبداللہ بن مسعود سے حضورؐ نے فرمایا تھا اذک علی ان یرفع الحجاب الخ رواہ مسلم ایسے ہی حضرت ابو ذر کی حدیث میں فروع ہے من کشف ستراً فادخل بعمرہ فی البیت الخ رواہ الترمذی، باقی ہاں یہ کہہ سکتے ہیں کہ یہ دروازہ والا پردہ بھی قیمتی اور پر تکلف نہ ہونا چاہیے۔

من نظر فی کتاب اخیه بغیر اذنتہ فانہما ینظر فی النار، جو شخص دوسرے کی کتاب میں بغیر اس کی اجازت کے دیکھے تو وہ آگ میں دیکھ رہا ہے یعنی ایسی چیز کو دیکھ رہا ہے جو ذریعہ اور سبب ہے آگ میں پہنچانے کا یا یہ مطلب ہے کہ جس طرح آگ کی طرف مسلسل دیکھنے سے بچا جاتا ہے (کیونکہ یہ آنکھ کیلئے مضرب ہے) اسی طرح اس سے بھی پرہیز کرنا چاہئے، کتاب سے کیا مراد ہے؟ بعض نے کہا اس سے وہ خط یا تحریر مراد ہے جو کسی کی ذاتی ہو اور اس میں راز کی بات ہو صاحب منہل کہتے ہیں بلکہ اس میں عموماً علمی کتابیں بھی اس میں داخل ہیں اور یہ کتاب علم نہیں ہے بلکہ حفظ مال ہے کتاب آدمی کا اپنا قیمتی مال ہے اور کتاب علم تو یہ ہے کہ جس چیز کا سوال کیا جائے اس کو باوجود علم کے نہ بتانا۔

فاذا فسر غم فامسحوا بھا وجوہکم، اس حدیث کے بارے میں مصنف نے فرمایا کہ: جمیع طرق ضعیف ہے اسی لئے بعض علماء دعا کے بعد مسح الوجہ بالیدین کے قائل نہیں ہیں، صاحب منہل لکھتے ہیں کہ اس حدیث کے شواہد روایات حدیثیہ میں موجود ہیں (شم ذکرھا) اسی لئے جمہور اس کے قائل ہیں، ان ربکم حی کوہم حیؑ بروزن علیؑ اس میں دو یا میں اول مکسور ثانی مشدد یہ حیار سے ماخوذ ہے (حیوہ سے نہیں) لیکن حیار تو مقولہ افعال سے ہے اس لئے اس سے اس کے لازمی معنی مراد میں یعنی احسان و انعام و هذا التوجیہ مشہور فی مثل هذه الاما صاف الی اطلق علی اللہ تعالیٰ مثل الرحمة والغضب۔ ان یودھما مفسراً، مفسر بمعنی خالی، یقال بیت صفراى خال عن التاع ورجل صفراى یدین ای خال من الخیر (ترجمہ) بیشک اللہ تعالیٰ بڑے کریم اور شرمیلے ہیں جب کوئی بندہ ان کی طرف ہاتھ پھیلاتا ہے تو اس بات سے شرماتے ہیں کہ ان کو خالی والپس کریں سبحان اللہ کس قدر امید افزا حدیث ہے اللہ تعالیٰ عمل کی توفیق عطا فرمائے۔

عن انس بن مالک قال رأیت رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم یدعو ھنکذا بباطن کفہ وذا ھو ھما ظاہر کفین سے آپ دعا استقار میں فرماتے تھے کہما تقدم فی محلہ، اور بعض محدثین نے فرمایا کہ ظاہر کفین سے آپ دعا استقار میں بھی نہیں کرتے تھے بلکہ صورت حال یہ ہے کہ آپ استقار میں مبالغہ فی الرفع کرتے تھے اور ہاتھوں کو اونچا کرتے کرتے سر تک لیجاتے تھے جس کی وجہ سے ہاتھوں کی ہتھیلیاں نیچے کی طرف ہو جاتی تھیں اور ان کی پشت اوپر کی طرف۔ عن ابن عباسؓ قال المسئلة ان ترفع یدیک مذ و منکبک والاستغفار ان تشیر باصبع واحدة والابتہال ان تمسک یدیک جميعاً۔

شرح حدیث

اس حدیث میں تین قسم کی دعاؤں کے تین طریقے ذکر کئے گئے ہیں (۱) عام حالات میں جو دعا خیر کیجاتی ہے اس کا طریقہ تو یہ ہے کہ رفع یدین کرے حذاء المنکبین یعنی اس میں زیادہ مبالغہ نہ کرے (۲) وہ دعا جو معاصی اور اپنے گناہوں سے استغفار کے لئے ہو اس کے بارے میں یہ ہے کہ دعا کے وقت ایک انگلی سے اشارہ کرے یا تو سباً للنفس الآثمة والشیطن جیسے کالی دینے کے وقت غصہ میں انگلی چلاتے ہیں یعنی نفسِ آثمة کی ڈانٹ کی طرف اشارہ، یا اشارة الی التوحید یعنی خدا و وحدہ لا شریک کی طرف اشارہ اے اللہ ہماری دعا سن لے (۳) کوئی ناگہانی آفت اور مصیبت آگئی اس کے دفعیہ کے لئے گڑگڑا کر دعا کرنا اس میں رفع یدین مبالغہ کے ساتھ کرے (مبالغہ لفظ مد سے سمجھ میں آتا ہے اس سے پہلے رفع کا لفظ تھا) اور کہے یا اللہ یا اللہ۔

بهذا الحديث قال فيه والاهتمام هكذا، ابن عباس کی پہلی حدیث قول تھی اور یہ فعلی ہے انہوں نے ہاتھ اٹھا کر دکھائے۔ وجعل ظہورہما مایلی وجہہ، ظہور کفین کو اوپر اور بطون کفین کو نیچے کی طرف کیا جیسا کہ پہلے گذرچکا بعض علماء کی رائے ہے کہ دعا خیر میں ہتھیلیاں چہرے کی طرف ہونی چاہئیں اور دعا بر دفع شر میں اس کا برعکس، اور یہ بھی ممکن ہے کہ اس سے مقصود یہ نہ ہو بلکہ مبالغہ فی الرفع مراد ہو جس کی صورت ابھی اوپر مذکور ہوئی۔

عن انس انه كان مع رسول الله صلى الله عليه وسلم جالساً... فقال النبي صلى الله تعالى عليه وسلم لقد دعا الله باسمه العظيم اى اور اس سے اگلی حدیث میں آ رہا ہے اسم الله الاعظم فی ہاتین الایتین والہکم الہ واحد لا الہ الاہوالرحمن الرحیم وفاتحة سورة آل عمران الم الله لا الہ الاہوالہی القیوم۔

اسم اعظم کی بحث

بہت سی روایات سے معلوم ہوتا ہے کہ اسمِ الہیہ میں ایک اسمِ اہم اعظم ہے جس کا خاصہ یہ ہے کہ اس کے ساتھ جو بھی دعا کی جائے گی وہ قبول ہوگی لیکن اس کی تعیین کسی حدیث میں نہیں آئی بلکہ اس طرح آتا ہے کہ اس آیت میں ہے اور فلان آیت میں ہے اسی لئے اسکی تعیین میں علماء کا بھی اختلاف ہو گیا، چند قول ہیں بعض ان میں سے یہ ہیں (۱) الہی القیوم (۲) لا الہ الاہوالہی اسم اعظم (۳) رب (۴) لا الہ الاہورب العرش العظیم (۵) اللہ، حضرت جنید بغدادیؒ سے منقول ہے کہ اسم اعظم لفظ اللہ ہے لیکن اس کی ایک شرط ہے وہ یہ کہ ان تقول اللہ ولیس فی قلبک سواہ یعنی جس وقت اللہ کہہ کر اس کو پکارے تو اس وقت دل میں سوائے اللہ تعالیٰ کے اور کوئی چیز نہ ہو۔ اور بعض علماء کی رائے یہ ہے کہ حدیث میں اہم اعظم کا لفظ آیا ہے تو یہاں پر افصل کا صیغہ تفضیل کے لئے

بدل میں مجھے ساری دنیا بھی ملے تو یہ مجھے پسند نہیں۔ وہ بات یا تو یہی جملہ ہے جو یہاں حدیث میں مذکور ہے یا خاص طور سے لفظ اخفی جس میں یا بشکلم کی طرف اضافہ ہے اور یا ممکن ہے (جیسا کہ صاحب منہل نے لکھا) کہ اس کے علاوہ کوئی اور بات بھی آپ نے ان سے ارشاد فرمائی ہو جس کو عمر نے معلومہ ذکر نہیں فرمایا تھا خرو غیرہ آفات نفس سے بچنے کے لئے واللہ اعلم۔

عن سعد بن ابی وقاص قال ستر علی النبی صلی اللہ علیہ وسلم وانا دعوی باصبغی، اس سے بظاہر اشارہ بالمسحہ مراد ہے تشہد میں، حدیثوں میں تشہد کو بھی دعاء سے تعبیر کیا گیا ہے اور اصبعین مراد دونوں ہاتھوں کی مسحہ ہیں لا اصبعین من ید واحدة (کذا فی تقریر الکتب کو بھی) اجد اجد دراصل وجد تھا واد کو ہمزہ سے بدلا گیا ہے، یہ محابی چونکہ تشہد میں دو انگلیوں سے اشارہ کر رہے تھے اس لئے آپ نے فرمایا ایک انگلی سے اشارہ کرو۔ فان الذی تدعوہ واحد کیونکہ وحدانیت ہی کی طرف تو اشارہ ہے اس کے مناسب ایک ہی انگلی ہے۔

تنبیہ۔ یہ باب اور اس پر کلام محمد اللہ رحمہ ہو گیا۔ ایک بات ذہن میں آئی خیال ہوا اس کو لکھ دیا جائے ممکن ہے پڑھنے والوں کو فائدہ ہو وہ یہ کہ جو دعاء بے پرواہی اور غفلت کے ساتھ کیجاتی ہے وہ اللہ کے یہاں قبول نہیں ہوتی، حدیث شریف میں ہے ان اللہ تعالیٰ لایستجیب دعاء من قلب غافل لولہ رواہ الترمذی من حدیث ابی ہریرۃ مرفوعاً، لہذا اس کا خیال رکھنا بہت ضروری ہے۔ بخلاف نماز کے کہ وہ غفلت کے ساتھ بھی قبول ہو جاتی ہے یا ہو سکتی ہے جس کی وجہ بظاہر یہ ہے کہ نماز کی ہیئت کذا یہی ہی عبادت ہے ہاتھ جوڑ کر کھڑے ہونا، بار بار جھکنا، اشرف الاعضاء پیشانی کو زمین پر رکھنا وغیرہ وغیرہ، دوسری بات یہ ہے کہ دعاء میں جس حاجت کا سوال کیا جاتا ہے وہ تو پیش ہوتی ہی ہے لیکن اس کے ساتھ یہ بھی ہونا چاہئے کہ دعاء کو عبادت سمجھ کر کیا جائے، امتثال امر کی بھی نیت ہو، احتیاج اور افتقار الی اللہ کی صفت موجود ہو، جو دعاء اس طو پر ہوگی اس میں مداومت پائی جائے گی اور حصول غرض کے بعد بھی منقطع نہ ہوگی جیسا کہ بندگی کا تقاضہ ہے (دراصل صوفیاء کرام کا منشا بھی یہی ہے وہ بھی یہی فرماتے ہیں کہ دعاء اگر ہو تو اس کیفیت کے ساتھ ہو محض حفظ و نفس کا حصول اس سے مقصود نہ ہو اور یہی وہ دعاء ہے جس کو - مح العبادۃ - فرمایا گیا ہے واللہ الموفق لما یحب یرضی۔

باب التبیح بالحصی

اور امام نسائی نے ترجمہ قائم کیا ہے۔ باب عقد التبیح، اور اس میں انہوں نے عبد اللہ بن عمرو بن العاص کی حدیث ذکر کی ہے دایت رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم یعقد التبیح اور ایک دوسرے طریق میں اس طرح ہے یعقدہن سیدہ، اور ہمارے یہاں اسی باب میں آ رہا ہے یعقد التبیح بیمنہ نیز

یسیرہ بنت یاسر کی حدیث مرفوع میں آرہا ہے وان یعتدن بالانامل فانھن مسئولات مستغفقات، عقد کا ترجمہ تو گرہ لگانا ہے لیکن یہاں مراد اس سے عقد بمعنی شمار کرنا ہے اس لئے کہ بسا اوقات شمار کرتے وقت بھی دھاگہ وغیرہ میں گرہ لگاتے ہیں۔ ان روایات سے معلوم ہو رہا ہے کہ انامل پر شمار کرنا اولیٰ ہے نسبت جوہر اور کنسکریوں پر شمار کرنے کے تاکہ بروز قیامت وہ گواہی دیں اور نیز تاکہ ذکر کی برکت ان کو حاصل ہو، آپ کے قول و فعل سے تو عقد بالانامل ہی ثابت ہے اور کنسکریوں اور گھٹیوں پر شمار کرنا یہ آپ کی تقریر سے ثابت ہے کافی حدیث الباب۔ و بین یدہا نوئی اوحصی۔ اسی طرح آگے کتاب میں کتاب النکاح کے اخیر میں ابوہریرہ کے بارے میں راوی کہتا ہے وهو علی سریر لہ معہ کیس فیہ حصی اونیوی دھو یسیح بہا۔

نیز ان احادیث سے اذکار و تسبیحات کا کنسکریوں وغیرہ پر شمار کرنے کا جواز ثابت ہو رہا ہے، اور اسی پر علماء نے سجدہ 'موجود' (تسبیح) کو قیاس کیا ہے اس لئے کہ ان دونوں میں فرق منظوم اور غیر منظوم کا ہے، منظوم میں اور بھی زیادہ سہولت ہے بلکہ بعض روایات میں اس تسبیح کی ترغیب آئی ہے چنانچہ سند الفردوس (للدہلی) میں سیدنا علی بن رضی عنہ مرفوعاً مروی ہے نعم المذکور السبحة، اور علامہ سیوطی نے تو اس کے بارے میں ایک مستقل جزاء تالیف کیا، المنحة فی السبحة، اور اس میں انہوں نے اس کے ثبوت میں بہت سے آثار روایت کئے ہیں، بادل میں لکھا ہے سجدہ کو موصوفیاء، سوط الشیطان کہتے ہیں، اور حضرت جنید بغدادیؒ کے ہاتھ میں اخیر تک تسبیح رہی جس پر پڑھتے تھے اور فرماتے تھے کہ جس شیء کی بدولت ہم یہاں تک پہنچے ہیں اس کو کیونکر ترک کر سکتے ہیں، البتہ صاحب منہل نے صاحب مدخل سے تسبیح کے بارے میں ایک اور ہدایت و تنبیہ نقل کی ہے جو اپنی جگہ درست ہے وہ یہ کہ سجدہ کو قاعدہ میں استعمال کیا جائے اس کو قلاہہ کی طرح لٹکانا یا کنگن کی طرح ہاتھ پر لپیٹنا اور گفتگو باتیں کرنے کے ساتھ ساتھ اس کو گھماتے رہنا گویا تسبیح بھی پڑھ رہے ہیں اور باتیں بھی ہو رہی ہیں یا معتاد طریقہ سے ہٹ کر بہت بڑی بڑی تسبیح جو نا وغیرہ امور اور طریقے سب غلط اور بدعت ہیں اور شہرت طلبی کی چیزیں ہیں، اللہ تعالیٰ حفاظت فرمائے۔

ابنہ دخل مع رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم علی امراً لا ینبغی یدہا نوئی اوحصی تسبیح بہ۔ ممکن ہے اس سے مراد حضرت جویریہؓ ہوں جن کا قصہ آگے بھی آرہا ہے یا کوئی اور عورتوں اگر وہ آپ کی محرم تھیں تب تو کوئی اشکال نہیں، اور اگر اجنبیہ تھیں تو ہو سکتا ہے کہ یہ واقعہ قبل الحجاب کا ہو یا یہ کہنے کے دخول فی البیت روایت کو مستلزم نہیں (بدل)

قال ابوذر یا رسول اللہ ذہب اصحاب الدثور بالا جور، دثور دثر کی جمع ہے بمعنی مال کثیر اور آجور

اجر کی جمع ہے۔

شرح حدیث

مضمون حدیث تو واضح ہے، صحابہ کرام نے پیش نظر چونکہ ہر وقت دارِ آخرت رہتی تھی اسی کی فکر میں رہتے تھے اور آپس میں امورِ آخرت میں ہی تنافس کرتے تھے یعنی اعمالِ صالحہ میں ایک دوسرے سے بڑھنا چاہتا تھا وہی ذلک فلیتنافس المیتنافسون آپ نے فرمایا میں تم کو ایسے کلمات بتاتا ہوں تذکرہ بہن من سبقك۔ کہ ان کے ذریعہ سے تم ان لوگوں کے مرتبہ تک پہنچ جاؤ گے جو تم سے آگے ہیں یعنی مرتبہ میں ولا یلحقك من خلفك اور جو لوگ مرتبہ میں تم سے پیچھے ہیں وہ تم تک نہیں پہنچ سکیں گے الا من احذ بہن عملك یعنی الایہ کہ وہ بھی تمہاری طرح عمل کرنے لگیں یعنی ان کلمات کو بڑھنے لگیں آگے وہ کلمات حدیث میں مذکور ہیں، ہر فرض نماز کے بعد ان کلمات کو اہتمام سے پڑھنا چاہئے سرسری طور سے نہیں بلکہ معنی کی طرف دھیان رکھتے ہوئے اس کا اختیار ہے کہ سنتوں سے فارغ ہو کر پڑھیں یا فرضوں اور سنتوں کے درمیان، آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے ان کلمات کی ترغیب بہت سی احادیث میں عمومی طور پر بھی فرمائی ہے اور خصوصی طور پر اپنی لاڈلی بیٹی سیدۃ نسا را بجنۃ فاطمۃ الزہراء رضی اللہ تعالیٰ عنہا کو بھی جیسا کہ صحاح کی روایات میں مشہور ہے، مشہور نام ان کلمات کا تسبیحاتِ فاطمہ ہے اور بعض حدیثوں میں ان کو معقبات سے تعبیر کیا گیا ہے معقبات لایغیب قائلہن یہ تسمیہ یا تو اس لئے ہے کہ ان کو نمازوں کے عقب یعنی بعد میں پڑھا جاتا ہے اور یا اس لئے کہ یہ کلمات آپس میں ایک دوسرے کے بعد آتے ہیں یعنی پڑھنے میں، میں تم سب کو نصیحت کرتا ہوں کہ کم از کم اور کچھ نہ ہو سکے تو ہر فرض نماز کے بعد ان کو ضرور پڑھا کریں اور اسی طرح رات کو چار پائی پر لیٹنے کے بعد سونے سے قبل اس وقت میں اگر کوئی تکیاں دوڑ کرنے کی نیت سے پڑھے تو اس کا بھی فائدہ ہوتا ہے بہت سوں کا تجربہ ہے۔ حدیث میں آتا ہے کہ ان کا ثواب بہت ہے اور وقت ان میں بہت کم خرچ ہوتا ہے واللہ الموفق۔

باب ما یقول الرجل اذا سلم

بعینہ یہی ترجمہ ہے ترمذی شریف کا، اور امام بخاریؒ نے کتاب الصلوٰۃ میں ترجمہ قائم کیا ہے۔ باب الدعاء قبل السلام۔ اور کتاب الدعوات میں۔ باب الدعاء بعد الصلوٰۃ۔ صاحب مشکوٰۃ نے کہا۔ باب الذکر بعد الصلوٰۃ فرض نماز کے بعد دعاء سے متعلق یہ یہاں پر چند ہمیش میں، فرض نماز کے بعد دعاء شروع ہے یا نہیں، یا یہاں پر چند ہمیش میں، فرض نماز کے بعد ذکر (اور ادو تسبیحات) شروع ہیں یا نہیں اگر یہ چیزیں مشروع ہیں تو پھر فوراً بعد السلام یا رواتب کے بعد فرض نماز کے بعد دعائیں منقول ہیں وہ کیا ہیں، فرض نماز کے بعد رفع یدین کے ساتھ امام اور مأمومین کا ایک ساتھ دعاء کرنا

ثابت ہے یا نہیں یہ کل چار بحثیں ہیں جو اس مقام کی شروح حدیث دینے سے سمجھ میں آئی ہیں۔ یہ تجزیہ اس مقام کے سمجھنے میں معین ہوگا۔

بحث اول۔ مولانا ادریس صاحب کاندھلوی التعلیق النبیح میں تحریر فرماتے ہیں دعاء بعد الصلوٰۃ کا امر تو قرآن کیم میں موجود ہے فاذا فرغت فانصب والی ربک فارغب (علی تفسیر ابن عباسؓ) اس کے انکار کی تو گنجائش ہی نہیں ہے اسی طرح ذکر بعد الصلوٰۃ بھی مامور بہ من اللہ تعالیٰ ہے فاذا قضیت الصلوٰۃ فاذکروا للہ قیاماً وقعوداً وعلیٰ جنوبکم اللہ فتح الباری میں ہے وسئل الاوزاعی هل الذکر بعد الصلوٰۃ افضل ام تلاوة الضرائف فقال لیس شیء یعدل الضرائف ولكن کان هدی السلف الذکر اه حافظ ابن حجر ترجمۃ البخاری ۱۰ باب الدعاء بعد الصلوٰۃ کے تحت لکھتے ہیں اس ترجمۃ الباب سے مصنف رد فرما رہے ہیں ان لوگوں کا جو یہ کہتے ہیں کہ فرض نماز کے بعد دعاء مشروع نہیں لحدیث مسلم عن عائشہؓ کان النبی صلی اللہ علیہ وسلم اذا سلم لا یثبت الا قدراً یقول اللہم انت السلام ومنک السلام تبارکت یا ذا الجلال والاکرام (ظاہر ہے کہ ان کلمات کے کہنے میں ایک منٹ بھی نہیں صرف ہوتا تو جب آپ نماز کے بعد اپنی جگہ ٹھہرتے ہی نہیں تھے تو پھر دعاء کیسے پڑھ سکتے ہیں) اس کا جواب حافظ نے یہ دیا ہے کہ اس حدیث میں راوی کی غرض یہ ہے کہ نماز کے بعد آپ مستقبل قبلہ صرف اتنی دیر ٹھہرتے تھے اور اگر دعاء مانگنی ہوتی تھی تو رخ بدل کر بیٹھتے تھے (یہ ہو مصرح فی الروایات) مطلق جلوس کی نفی مقصود نہیں ہے حافظ ابن قیم کے بارے میں بھی یہ مشہور ہے کہ وہ بھی بعد المکتوبہ دعاء کے قائل نہیں ہیں اور نہ ان کے شیخ ابن تیمیہ اس کے قائل تھے وہ یہ فرماتے ہیں کہ احادیث میں نماز سے متعلق جو دعائیں وارد ہیں ان کا اصل محل بعد التہجد قبل السلام ہے ان احادیث میں رد برسرہ مراد آخر صلوٰۃ ہے بعد السلام نہیں وہ کہتے ہیں کہ میں نے اپنے شیخ ابن تیمیہ سے اس کے بارے میں رجوع کیا تو انھوں نے فرمایا حیوان کا دُبر اس کا داخلی جڑ مہ نہ کہ خارجی حصہ اسی طرح یہاں بھی یہی مراد ہے وہ فرماتے ہیں اور دوسری بات یہ ہے کہ صلوٰۃ محل رحمت ہے محل مناجات ہے لہذا اصل وقت دعاء کا وہی ہے نماز سے باہر آنے کے بعد دعاء کا کیا موقع ہے البتہ یہاں ایک لطیف نکتہ اور ہے وہ یہ کہ نماز کے بعد اذکار ماثورہ جو پڑھے جاتے ہیں ان کے بعد نمازی اگر صلوٰۃ و سلام بھی پڑھ لے اور پھر دعاء مانگے تو اس میں کوئی حرج نہیں لیکن اس صورت میں یہ دعاء بعد الصلوٰۃ نہ ہوتی بلکہ بعد الذکر ہوتی یعنی نماز کے علاوہ ایک دوسری عبادت کے بعد ہوتی حافظ ابن حجر نے علامہ ابن قیم کی اس رائے کو قوت سے رد کیا ہے اور بہت سی حدیثوں سے دعاء بعد السلام کو ثابت کیا ہے۔

بحث ثانی۔ نماز کے بعد ذکر اور تسبیحات کی مشروعیت پر سب کا اتفاق ہے اس سے کسی کو انکار نہیں رہی یہ بات کہ اذکار و ادب سے پہلے بول یا بعد میں سو اس میں جہور کے نزدیک اطلاق ہے کچھ تنگی نہیں، چنانچہ حافظ

حافظ ابن حجر ^{فتح الباری} میں لکھتے ہیں وفی ہذہ الاحادیث ان الذکر المذکور علی الصلوۃ المکتوبۃ ولایؤخر الی ان یصلی لمراتبہ لما تقدم والله اعلم۔ خود ابن قیم کے نزدیک بھی اذکار مشروعہ کو بعد السلام پڑھ سکتے ہیں جیسے آیۃ الکرسی اور معقبات و معوذات، ابن قیم کا اختلاف اگر ہے تو دعائیں ہے اسی طرح ہمارے حضرت شاہ ولی اللہ صاحب دہلوی قدس سرہ کی بھی رائے ہے (کمافی معارف السنن) کی جملہ اذکار و اوراد مآثورہ فرض نماز کے بعد قبل السنن پڑھ سکتے ہیں لیکن شیخ ابن الہمام رحمۃ اللہ علیہ کی رائے (کمافی فتح القدير) بڑی قوت سے یہ ہے کہ ان اذکار کو رواتب کے بعد پڑھنا چاہئے مکتوبات اور رواتب کے درمیان فصل نہیں ہونا چاہئے ہم نے اپنے بعض اساتذہ کو دیکھا کہ وہ تسبیح فاطمہ بعد السلام پڑھتے تھے اور بعض کا معمول سنتوں کے بعد پڑھنے کا تھا۔

بحث ثالث۔ ترمذی شریف میں ابو امامہ کی حدیث ہے کہ آپ سے سوال کیا گیا کونسی دعا زیادہ قبولیت رکھتی ہے آپ نے فرمایا جوف اللیل الاخر و دبر الصلوات المکتوبات، یعنی اخیر شب کی دعا اور فرض نمازوں کے بعد کی دعا، ذکر الامام النووی فی کتاب الاذکار ص ۵۷۔ نماز کے بعد کی متعدد دعائیں یہاں کتاب (سنن ابو داؤد) میں مذکور ہیں ان سب کو حفظ کرنا چاہئے جتنی بھی یاد ہو سکیں بہتر ہے مصنف نے اس باب میں چھ سات دعائیں ذکر کی ہیں (۱) و زاد کاتب مغیرہ رضی اللہ عنہ کہتے ہیں کہ حضرت معاویہ نے حضرت مغیرہ بن شعبہ کو خط لکھ کر دریافت کیا کہ حضور اقدس صلی اللہ علیہ وسلم نماز کے بعد کیا دعا پڑھتے تھے تو مغیرہ نے مجھ سے جواب میں لکھوایا کہ آپ یہ دعا پڑھتے تھے لا الہ الا اللہ وحده لا شریک لہ لہ الملك ولہ العمد و هو علی کل شیء متدیر اللهم لا مانع لما اعطیت ولا معنی لما منعت ولا یفیع ذال العبد منك العبد (اخبرہ الشیخان ایضاً) بعض روایات میں ہے کہ اس دعا کو آپ نماز کے بعد تین مرتبہ پڑھتے تھے۔

(۲) عبد اللہ بن الزبیرؓ منبر پر بیٹھ کر فرماتے تھے کہ حضور نماز سے فراغ پر یہ دعا پڑھتے تھے، لا الہ الا اللہ وحده لا شریک لہ لہ الملك ولہ العمد و هو علی کل شیء متدیر لا الہ الا اللہ مخلصین لہ الدین ولو کافروں اهل المغنۃ والفضل والثناء الحسن لا الہ الا اللہ مخلصین لہ الدین ولو کافروں الکافریں (اخبرہ الشیخان ایضاً) اور مسلم کی روایت میں ہے یتول بمسوتہ الاصلی، یعنی یہ دعا آپ ذرا بلند آواز سے پڑھتے تھے، آخری جملہ کا مطلب یہ ہے کہ ہم اپنی عبادت کو اللہ کے لئے خالص کرتے ہیں اور اس میں غیر کو شریک نہیں کرتے، (نہ شرک اصغر نہ شرک اکبر) اگرچہ کافر لوگ ہمارے اس اخلاص فی العبادت کو کشائی ناپسند کرتے ہوں۔ (۳) زید بن ارقمؓ فرماتے ہیں حضور اقدس صلی اللہ علیہ وسلم نماز کے بعد یہ دعا پڑھتے تھے اللهم ربنا ورب کل شیء انا شہید انک انت الرب وحدک لا شریک لک اللهم ربنا ورب کل شیء انا شہید اننا شہید ان محمدًا عبدک و رسولک اللهم ربنا ورب کل شیء انا شہید ان العباد کلہم اخوة اللهم ربنا ورب کل شیء

اجعلنی مخلصاً لك واهلی فی كل ساعة فی الدنیا و الآخرة یا ذا العجلال والاكرام اسمع واستجب الله اكبر
الله اكبر اللهم فوز السموات والارض قال سليمان بن داود رب السموات والارض الله اكبر الله
اكبر حسبی الله ونعم الوكيل الله اكبر الله اكبر (اخرجه النسائی والدارقطنی ایضاً)

(۴) حضرت علی فرماتے ہیں آپ نماز کے سلام کے بعد یہ دعا پڑھا کرتے تھے اللهم اغفر لی ما قدمت وما
اخفرت وما اسررت وما اعلنت وما انت اعلم به منی انت المقدم والمؤخر لا اله الا
انت (اخرجه مسلم ایضاً البخاری من حدیث ابی موسی الاشعری) (۵) ابن عباس رضی اللہ تعالیٰ عنہما فرماتے ہیں حضور صلی
دعا مانگتے تھے رب اعنی ولا تعن علی وانصر فی ولا تنصر علی وامكر لی ولا تمكر علی واهد فی ولا یسر هدی
الی وانصر فی علی من بغی علی اللهم اجعل لی شكراً، لك ذكراً، لك راحباً، لك مطوعاً، اليك مخبتاً
او منیباً رب تقبل توبتی واغسل حوبتی واجب دعوتی وثبت حجتی واهد قلبی وسدد لسانی واسأل
سخیمۃ قلبی (اخرجه الترمذی ایضاً) (۶) حضرت عائشہ فرماتی ہیں حضور اقدس صلی اللہ علیہ وسلم نماز کے سلام کے
بعد یہ دعا پڑھا کرتے تھے اللهم انت السلام ومنك السلام تبارکت یا ذا العجلال والاكرام، ترجمہ اے
اللہ تو ہر عیب و نقص سے سالم و محفوظ اور سلامتی من الآفات الدنیویۃ والاخریۃ آپ ہی کی طرف سے ہے
تیری طرف سے خیر اور بھلائی خوب اور کثرت سے ہے اے عظمت و احسان والے اور مسلم و ترمذی کی روایت سے
معلوم ہوتا ہے کہ یہ دعا آپ مستقبل قبلہ پڑھتے تھے، اور اس سے آگے جو حدیث کتاب میں آرہی ہے یعنی حدیث
ثوبان اس میں اتنا زائد ہے کہ آپ اس دعا سے پہلے تین بار استغفار پڑھتے تھے، مسلم کی روایت میں ہے کہ
اوزاعی سے سوال کیا گیا کیف الاستغفار تو انہوں نے فرمایا استغفر اللہ، استغفر اللہ۔

امام ترمذی نے ایک اور دعا ذکر کی ہے فرماتے ہیں وروی انه كان يقول سبحان ربك رب العزة
عما يصفون وسلاماً على المرسلين والحمد لله رب العالمين (اخرجه ابوالیعلی الموصلی عن ابی ہریرۃ قال
قلنا لابی سعید حل حفظت عن رسول اللہ شیئاً كان يقول بعد ما سلم) (۸) اور صاحب مشکوٰۃ نے "باب الذکر بعد الصلوٰۃ"
میں ایک یہ حدیث بھی ذکر کی ہے عن سعد بن ابی وقاص انه كان يعلم بنیه هؤلاء الكلمات ویستول
ان رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم كان يتعوذ بهن ذكراً للصلوٰۃ اللهم انی اعوذ بك من العجبی
واعوذ بك من البخل واعوذ بك من ارذل العمر واعوذ بك من فتنة الدنيا وعذاب العتبر۔
(رواه البخاری)

امام نووی نے کتاب الاذکار میں نماز کے بعد کی دعاؤں میں مندرجہ ذیل دعائیں بھی ذکر کی ہیں (۹) کعب
بن عجرہ سے روایت ہے کہ حضور نے فرمایا معقبات لا یغیب قائلهن دبر کل صلوٰۃ، یعنی وہ کلمات جن کا پڑھنے

والا ناکام نہیں رہتا ہر فرض نماز کے بعد ۳۳ مرتبہ سبحان اللہ، ۳۳ مرتبہ الحمد للہ، ۳۳ مرتبہ اللہ اکبر (۱۰) عقبہ بن حافر فرماتے ہیں آپ نے مجھے حکم فرمایا اس بات کا کہ ہر نماز کے بعد میں سوختین پڑھا کروں۔ اور ایک روایت میں بالمعقودات ہے جمع کے صیغہ کے ساتھ) لہذا مناسب ہے کہ ان دو سورتوں کے ساتھ قل ہو اللہ احد بھی شامل کر لے قالہ النووی (۱۱) حضرت معاذ بن جبلؓ سے روایت ہے کہ ایک روز آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے میرا ہاتھ پکڑ کر فرمایا واللہ اتی لا جبتک اور پھر یہ فرمایا کہ میں تم کو وصیت کرتا ہوں کہ اس دعا کو نماز کے بعد بھی نہ چھوڑنا اللھم اعننی علی ذکرک وشکرك وحسن عبادتک (یہ اخیر کی دونوں حدیثیں اس کتاب کے آئندہ باب میں آرہی ہیں) (۱۲) حضرت انسؓ سے روایت ہے کہ حضور صلی اللہ علیہ وسلم نماز پورا ہونے پر دہنا ہاتھ پیشانی پر رکھ کر یہ دعا پڑھتے تھے۔ اشھد ان لا الہ الا اللہ الرحمن الرحیم اللھم اذهب عنی الھم والحزن، (۱۳) حضرت انسؓ سے روایت ہے کہ آپ نماز سے فراغ پر یہ دعا پڑھتے تھے اللھم اجعل خیر عمری اخراً وخیر عملی خواتمہ واجعل خیر ايامی يوم القاتک (۱۴) حضرت ابو بکر صدیق رضی اللہ تعالیٰ عنہ سے روایت ہے آپ صلی اللہ علیہ وسلم نماز کے بعد یہ دعا پڑھتے تھے۔ اللھم انی اعوذ بک من الکفر والھفوت وعذاب القبر (ان تینوں حدیثوں کو روایت کیا ابن السنی نے)

بحث رابع۔ خلاصہ اس کا یہ ہے کہ فرض نماز کے بعد بعد السلام رفع یدین کے ساتھ دعا کرنا بعض احادیث مرفوعہ سے ثابت ہے جن کی تحقیق اور حوالہ آگے مضمون میں انشاء اللہ آ رہا ہے جو ظاہر ہے کہ اس کے استنباب کے لئے کافی ہے۔ اس پر حضرت مولانا محمد یوسف بنوری نے معارف السنن میں کلام فرمایا ہے اور اس سلسلہ کی روایات کو مع حوالہ کتاب مذکور میں جمع کیا ہے۔ اور ایسے ہی مولانا عبدالرحمن مبارک پوری (مشہور اہل حدیث) نے بھی تحفۃ الاحوذی شرح ترمذی میں ان روایات کو مع سند کے ذکر کیا ہے اور ابتداء بحث میں انہوں نے یہ لکھا ہے کہ علماء اہل حدیث کا اس میں اختلاف ہو رہا ہے کہ فرض نماز کے بعد رفع یدین کے ساتھ امام اور مقتدیوں کا ایک ساتھ دعا کرنا ثابت ہے یا نہیں، ایک جماعت اس کو بدعت کہتی ہے کہ کسی صحیح حدیث میں حضور صلی اللہ علیہ وسلم سے اس طرح ثابت نہیں ہے، اور ایک جماعت جواز کی قائل ہے اور ان لوگوں نے پانچ حدیثوں سے استدلال کیا ہے

(۱) عن ابی ہریرۃ عن ان رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم رفع یدیه بعد ما سلم وهو مستقبل القبلة فقال اللھم خلصن الولید بن الولید وعیاش بن ابی ریعۃ وسلمۃ بن ہشام الخ (ذکرہ الحافظ ابن کثیر فی تفسیرہ) نقلاً عن ابن ابی حاتم وابن جریر بسند یاتلک وفی سندہ علی بن زید بن جعدان وہو متکلم فیہ

(۲) عن محمد بن یحییٰ الاسلمی قال رأیت عبد اللہ بن الزبیر ورأی رجلاً رافعا یدیه

قبل ان یفرغ من صلوۃ فلما فرغ منهما قال ان رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم لم یکن یرفع

یدیدہ حتی یفرغ من صلوٰتہ (ذکرہ السیوطی فی رسالۃ فض الوعاء وقال رجالہ ثقات قلت و ذکرہ الحافظ البیہقی فی مجمع الزوائد وقال رواہ الطبرانی و رجالہ ثقات انتہی) (۳) حدیث النس عن النبی صلی اللہ علیہ وسلم انہ قال ما من عبد بسط کفیه فی دبر کل صلوٰۃ ثم یقول اللہم الہی والہ ابراہیم واسحق و یعقوب والہ جبریل میکائیل و اسرافیل اسألك ان تستجیب دعوی فانی مضطرب و تعصمی فی دینی فانی مبتلی و تنالنی برحمتک فانی مذبذب و تنق عنی الغمض فانی متمسک، الا کان حقاً علی اللہ ان لا یرد یدیدہ خاشعین (اخرجہ الحافظ ابو بکر ابن السنن فی عمل الیوم واللیلہ) (قال صاحب التحف) قلت فی سندہ عبد الغزیز بن عبد الرحمن القرشی قال فی المیزان اتہمہ احمد و قال النسائی و غیرہ لیس بثقة اھ مختصراً۔

(۴) حدیث الاسود بن عبد اللہ العامری عن ابيہ قال صلیت مع رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم الفجر فلما سلم انصرف و رفع یدیدہ و دعا۔ قال صاحب معارف السنن اخرجہ ابن ابی شیبہ فی مصنفہ و الاسود هذا ابن عبد اللہ بن حاجب بن عامر من رجال ابی داؤد ذکرہ ابن حبان فی الثقات و قال الذہبی بحمدہ الصدوق، کما فی التہذیب اھ۔

(۵) ما اخرجہ الطبرانی فی الكبير عن ابن عباس، و فی الاوسط عن ابن عمر قال صلی رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم الفجر ثم اقبل علی القوم فقال اللهم بارک لنا فی مدينتنا و بارک لنا فی مَدَننا و صاعنا، ذکرہ السیوطی فی الوفاء ۳، و رجالہما ثقات کما قالہ (کذا فی معارف السنن ۱۳۲) لیکن اس آخری حدیث میں رفع یدین کی تصریح نہیں ہے، لیکن ظاہر یہی معلوم ہوتا ہے کہ یہ دعا بھی رفع یدین کے ساتھ تھی کیونکہ نماز کے بعد لوگوں کی طرف متوجہ ہو کر تھی اور دعا میں رفع یدین آداب دعا میں سے ہے۔

صاحب تحفہ لکھتے ہیں نیز مجوزین نے عموماً سے بھی استدلال کیا ہے وہ اس طرح کہ صلوٰۃ مکتوبہ کے بعد دعا کرنا مندوب اور مرغب فیہ ہے (قال الحافظ فی الفتح اخرج الطبرانی من روایۃ جعفر بن محمد الصادق قال الدعاء بعد المکتوبۃ افضل من الدعاء بعد النافلۃ کفضل المکتوبۃ علی النافلۃ) اور آپ سے دعا بعد المکتوبہ ثابت بھی ہے اور رفع یدین مستقل آداب دعا میں سے ہے نیز حضور سے بہت سی احادیث میں رفع یدین فی الدعاء ثابت ہے اور بعد المکتوبہ رفع یدین فی الدعاء سے منع کسی بھی حدیث سے ثابت نہیں ہے بلکہ رفع کا ثبوت موجود ہے۔

صاحب تحفۃ الاحوذی نے اس سلسلہ کی روایات حدیثیہ اور ان پر حرج و تعدیل ذکر کرنے کے بعد اخیر میں لکھا ہے کہ اس پر علامہ سیوطی کا ایک مستقل رسالہ بھی ہے، «فض الوعاء فی احادیث رفع الیدین فی الدعاء» اور قول راجح میرے نزدیک یہ ہے کہ رفع یدین فی الدعاء بعد الصلوٰۃ جائز ہے اس میں کچھ حرج نہیں انشاء اللہ تعالیٰ، واللہ تعالیٰ اعلم۔ لیکن اس پر شدت سے مواظبہ کرنا امر واجب کی طرح اور ترک کرنا یو لے پر نکیر کرنا یہ صحیح نہیں، انتہی کلامہ

اسی طرح ہمارے حضرت مولانا الحاج الشاہ اشرف علی تھانوی نور اللہ مرقدہ کا بھی اس میں ایک مستقل رسالہ ہے عربی میں "استجاب الدعوات عقیب السلوات" جو دراصل تلخیص ہے ایک مالکی عالم کی تالیف، مسلک السادات الی سبیل الدعوات کی جس کا اردو ترجمہ فرمایا ہے حضرت مولانا مفتی محمد شفیع صاحب نے جو کہ امداد الفتاویٰ جلد اول کے اخیر میں ملحق ہے اصل رسالہ کی تالیف ۱۳۲۱ھ میں ہوئی اور حضرت تھانویؒ نے اس کی تلخیص ۱۳۵۴ھ میں فرمائی ہے، اس کے خطبہ میں حضرت تھانویؒ تحریر فرماتے ہیں، "مسلک السادات الی سبیل الدعوات" میں عموماً احکام دعاء کی تحقیق اور بالخصوص دعاء کا مستجاب ہونا ہر منفرد اور امام و جماعت کے لئے (احادیث معتبرہ اور مذاہب اربعہ کی روایات فقہیہ سے) ثابت ہے میں نے اس رسالہ کا خلاصہ لکھ دیا تاکہ ان بے باک لوگوں کی زبان بند ہو جو دعاء بعد نماز پر بدعت ہونیکا حکم کرتے ہیں اھ۔ احقر اس رسالہ سے یہ سمجھا ہے کہ رفع یدین کے ساتھ دعاء بعد المکتوبہ بعض صحیح احادیث سے ثابت ہے یعنی احیاناً اور اس پر مداومت و موظبت یہ امت کے تعامل و توارث (اس رسالہ میں استصحاب حال کا لفظ ہے) سے ثابت ہے اور جملہ مذاہب اربعہ کی کتب فقہیہ میں اس کا ثبوت ملتا ہے۔ واللہ تعالیٰ اعلم۔ الحمد للہ علی احسانہ مباحث اربعہ پورے ہو گئے، نسأل اللہ التوفیق لنا وللسلمین ولسأل اللہ ربنا رضاه والجنۃ آمین والحمد للہ رب العالمین۔

باب فی الاستغفار

عن ابی بکرہ الصدیقؓ قال قال رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم ما اصر من استغفر وان عاد فی الیوم سبعین مرة، قلت واخرجه الضحا الترمذی وقال حدیث غریب انما نعرف من حدیث ابی لیسۃ اھ دراصل اصرار علی المعصیۃ کسی گناہ کو بار بار کرنا، بڑی سخت چیز ہے خواہ وہ معصیت صغیرہ ہی کیوں نہ ہو اور جو گناہ کبھی کبھار ثابت ہو وہ چاہے کبیرہ ہو اتنا سخت نہیں ہے لیکن اس حدیث میں یہ فرما رہے ہیں کہ استغفار اتنی مؤثر شئی ہے کہ وہ اصرار علی المعصیت کو بھی بے اثر اور کالعدم کر دیتی ہے، حضرت نے بذل میں لکھا ہے استغفار سے مراد صرف تلفظ باستغفر اللہ نہیں ہے بلکہ ندامت کے ساتھ توبہ کرنا مراد ہے اس لئے کہ توبہ واستغفار کا تحقق بغیر ندامت کے ہوتا ہی نہیں ہے اھ اس حدیث سے معلوم ہوا کہ اگر کوئی گناہ توبہ کرنے کے بعد بھی صادر ہو جائے یا ہوتا رہے تب بھی اس خیال سے توبہ ترک نہیں کرنی چاہیئے کہ ایسی توبہ سے کیا فائدہ! توبہ بہر حال مفید ہے جیسا کہ خود اس حدیث میں مذکور ہے۔ مقصود اس حدیث سے یہ ہے کہ گناہوں کی کثرت کے باوجود آدمی کو اللہ تعالیٰ کی رحمت سے مایوس نہیں ہونا چاہئے اور یہ مطلب نہیں کہ بار بار گناہ کرتے رہو اور پھر بعد میں توبہ واستغفار کر لو توبہ جب ہی ہوگی جب اُٹھ نہ کرنے پر حزم ہو پھر اس کے باوجود بھی اگر

گناہ صادر ہو جائے تو دوبارہ استغفار کرنا چاہیے حدیث میں ہے لولا انکم تذنبون لخلق اللہ خلفا یذنبون ویغفر لہم (رواہ الترمذی عن ابی ایوب مرفوعاً) اس حدیث سے مقصود بھی ترغیب فی الاستغفار ہے۔
 دینی حدیث آخر کلمہ خطاؤں و خیر الخطائین التوابون۔ عن الاغیر المزینی نہ قال قال رسول اللہ صلی اللہ تعالیٰ علیہ وآلہ وسلم انہ لیغان علی قلبی وانی لاستغفر اللہ فی کل یوم مائتہ مرۃ قلت والحدیث اخرجه ایضاً سلم وروی سلم عن ابن عمر ان رسول اللہ صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم قال یا ایہا الناس توبوا الی اللہ فانی التوب الیہ فی الیوم مائتہ مرۃ۔

شرح حاشیہ

انہ لیغان علی قلبی غین بمعنی غیم (بادل) میرا قلب ابر آور (خبار آور) ہو جاتا ہے، یعنی بعض حاجات و ضروریات بشریہ میں مشغول ہو جانے کی وجہ سے اور یا توجہ الی الخلق و مصالح امت میں ہنمک ہو جانے کی وجہ سے قلب کی یہ کیفیت ہو جاتی ہے (جو حدیث میں مذکور ہے) حالانکہ ان دو میں سے اول کا تو کم از کم مباحات کا درجہ ہے اور ثانی تو عین عبادت ہے ہی، لیکن ظاہر ہے کہ توجہ الی الخلق جل و علا کے مقابلہ میں توجہ الی الخلق کا درجہ کم ہے گو وہ بھی اپنی عبادت ہے بلکہ آپ کا فرض منصبی ہے۔

میں نے حضرت شیخہ سے سنا کہ حضرت مولانا محمد الیاس صاحب نور اللہ مرتدہ فرماتے تھے کہ عوام اور ہر قسم کے لوگوں کے ساتھ ملنے اور گفتگو کرنے میں بہت سا وقت لگانا پڑتا ہے جس سے بعض وقت دل میں ایک قسم کی کدورت و کثافت محسوس ہونے لگتی ہے جو بعد میں ذکر اور مراقبہ سے دور ہوتی ہے اور اظہار ہے کہ جتنا قلب و باطن صاف و شفاف ہوگا اتنی ہی جلدی اس پر غبار کا اثر ظاہر ہوگا جتنا سفید کپڑا ہوتا ہے اتنی ہی جلدی اس پر سیل ظاہر ہوتا ہے اور حضور اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کے صفا و باطن کا تو پوچھنا ہی کیا۔

بذل میں حضرت گنگوہیؒ کی تقریر سے نقل کیا ہے... وکان ترقیہ کل لحظۃ یؤیدہ ان السابق منہ کان معصیۃ و منقصۃ یعنی حضور اکرم صلی اللہ علیہ وسلم ہر آن اور لحظہ بلحظہ باطنی و روحانی ترقی پر تھے دیکھا قال تعالیٰ ولما خزۃ خیر لک من الادلی، تو اس ترقی کی وجہ سے آپ جس درجہ پر پہنچتے تھے تو اس سے نیچے کے درجہ کا جب تصور فرماتے تھے تو اس کو اپنے حق میں تقصیر سمجھتے ہوئے اس پر استغفار فرماتے تھے اور عموماً المعبود میں ہے علامہ سیوطیؒ فرماتے ہیں کہ یہ حدیث اُن متشابہات میں سے ہے جس کے معنی معلوم نہیں، اور اصحی امام لغت اس حدیث کی تفسیر پر اگر رک گئے اور فرمایا کہ اس کا تعلق حضور صلی اللہ علیہ وسلم کے علاوہ کسی دوسرے کے قلب سے ہوتا تو میں اس پر کلام کرتا، علامہ سندھیؒ بھی یہی لکھ رہے ہیں کہ حضور اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کے قلب الطہر کے پیش نظر اس کلام کی حقیقت معلوم نہیں بھلا حضور صلی اللہ علیہ وسلم کے مرتبہ تک کس کے وہم و گمان کی رسانی ہو سکتی ہے پس اتنا کہا جاسکتا ہے کہ آپ کو کوئی ایسی حالت پیش آتی تھی جو دماغی

ہوتی تھی استغفار کی طرف جس پر آپ سومر تہہ ہر روز استغفار پڑھتے تھے تو پھر دوسروں کا کیا حال ہونا چاہیے
واللہ تعالیٰ اعلم۔

عن ابن عمر قال ان کنا لنعد لرسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم فی المجلس الواحد مائة مرة رب اغفر لی وتب علی انک انت التواب الرحیم۔ ایک ہی مجلس میں ہم آپ کے استغفار کو شمار کرتے تھے سومر تہہ اس میں کثرت استغفار کی ترغیب ہے کہ جب آپ باوجود معصوم ہونے کے استغفار کی اتنی کثرت فرماتے تھے تو ہمارا کیا حال ہونا چاہیے۔ استغفار کی یہ کثرت آپ تعلیم امت کے لئے اور فسخ بجد بیک واستغفرہ کے امتثال میں فرماتے تھے، اس حدیث سے یہ بھی مستفاد ہو رہا ہے کہ آپ استغفار احمیانا آواز سے بھی پڑھتے تھے جبھی تو دوسرے اس کو شمار کرتے تھے۔ میں نے اپنے ایک قدیم استاذ سے سنا وہ فرماتے تھے کہ میں گنگوہی حضرت اقدس گنگوہیؒ کی خدمت میں ان کے دھال سے چند ماہ پہلے حاضر ہوا تو اس وقت میں نے دیکھا کہ آپ خانقاہ شریف میں چار پائی پر تشریف فرما تھے اور بالجہر استغفار پڑھ رہے تھے۔ یہ واقعہ میں نے جبرت کے لئے لکھا ہے کہ دیکھئے اول تو خود سرور کائنات صلی اللہ علیہ وسلم استغفار کا کس قدر اہتمام فرما رہے ہیں اور پھر اسی طرح آگے چل کر ہمارے اکابر بلکہ اکابر کے بھی اکابر، واللہ الموفق لما یحب ویرضی، باقی استغفار کے معنی معافی چاہنے کے ہیں جیسے ایک مجرم حاکم کے سامنے حاضر ہو کر اپنے جرم کا اعتراف کرتے ہوئے اس سے معافی چاہا کرتا ہے اور اگر استغفار میں یہ کیفیت نہ ہو صرف زبانی ہو تو پھر یہ استغفار خود ہی تفسیر بن جاتا ہے جس کے لئے ایک دوسرے استغفار کی ضرورت ہے چنانچہ رابعہ بصریہ فرماتی ہیں، استغفار نایمحتاج الی استغفار کثیرہ (المصن المصین)۔

سأل قتادة أنسا ای دعویٰ کان یدعو بها النبی صلی اللہ علیہ وسلم اکثر حضرت انسؓ سے سوال کیا گیا کہ حضور اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کونسی دعا زیادہ مانگتے تھے تو انہوں نے جواب دیا کہ زیادہ تر آپ دعا یہ مانگتے تھے اللهم انتانی الدینا حسنة وفی الاخرة حسنة وتنا هذا ب النار زیاد راوی کہتے ہیں کہ حضرت انس کا معمول یہ تھا کہ اگر ان کو مختصر سی صرف ایک ہی دعا مانگنی ہوتی تپ تو اسی دعا پر اکتفا فرماتے اور اگر بہت سی دعائیں مانگنی ہوتی تو ارد دعاؤں کے ساتھ وہ یہ دعا بھی ضرور پڑھتے یہ دعا بہت جامع ہے حضرت امام بخاری رحمہ اللہ تعالیٰ نے تو اس دعا پر مستقل باب قائم کیا ہے، باب قول النبی صلی اللہ علیہ وسلم ربنا آتنا فی الدینا حسنة۔ یہ پہلے گزر چکا کہ قرآن کریم کی دعاؤں میں سب سے زیادہ جامع دعا یہی ہے اور حدیث کی دعاؤں میں سب سے زیادہ جامع دعا وہ ہے جو حضرت ابو امامہ سے مروی ہے جو ہمارے یہاں، باب الدعاء، میں گزر چکی حسنة کی تفسیر میں بہت سے اقوال ہیں کسی تفسیر کی کتاب میں دیکھ لے جائیں۔

عن اسہام بن العکم قال سمعت علیاً ؓ وحدثنی ابو بکر وصدق ابو بکر، یعنی مجھے ان کے

صدق کا پورا اعتقاد ہے (ایک لئے ان سے حلف نہیں لیتے تھے)

صلوٰۃ التوبہ و صلوٰۃ الحاجۃ | اس حدیث پر امام ترمذیؒ نے ترجمہ قائم کیا ہے، "باب الصلوٰۃ عند التوبہ"، اور فرمایا "هذا حديث حسن لا ينفرد الا من هذا الوجه"۔

اسی طرح امام ترمذیؒ نے ایک اور باب باندھا ہے، "ما جاء في صلوٰۃ الحاجۃ"، اور اس میں انہوں نے حضرت عبداللہ بن ابی اوفیٰ کی حدیث ذکر فرمائی ہے جس میں یہ ہے کہ حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے ارشاد فرمایا جس شخص کو کوئی غام حاجت ہو اللہ کی طاعت یا اس کے کسی بندے کی طرف تو اس کو چاہئے کہ اچھی طرح وضو کرے پھر دو رکعت نماز پڑھے اس کے بعد اللہ کی حمد و ثنا پور درود پڑھے پھر یہ دعا پڑھے لا الہ الا اللہ العلیم الکرم سبحان اللہ رب العرش العظیم والحمد للہ رب العالمین اسألك موجبات رحمتك وعزائم مغفرتك والغنيمة من كل بر والسلامة من كل اثم لاتدع لي في نيا الاغفرته ولاهما الا فرجته ولا حاجة هي لك رضى الا قضيتها يا ارحم الراحمين۔

عن الصناجعي عن معاذ بن جبل ان رسول الله صلى الله عليه اخذ بيده وقال يا معاذ والله اني لاحبك واوصاني بذلك معاذ الصناجعي۔ منہل میں لکھا ہے کہ اس آخری جملہ میں اشارہ ہے اس طرف کہ یہ حدیث مسلسل ہے اہ میں کہتا ہوں صرف اس سے تو تسلسل ثابت نہیں ہوتا گو یہ صحیح ہے کہ یہ حدیث اپنے بعض طرق کے لحاظ سے مسلسل ہے۔

الحديث المسلسل اور اس کی تعریف | چنانچہ حضرت شاہ ولی اللہ صاحب دہلوی قدس سرہ نے اس حدیث کو اپنے رسالہ الفضل البین فی المسلسل من حدیث النبی

الایم۔ میں ذکر فرمایا ہے اور اس حدیث میں تسلسل اس بات میں ہے کہ جس طرح حضور اقدس صلی اللہ علیہ وسلم نے یہ حدیث حضرت معاذ کو انا احبک فقل فرما کر سنائی اسی طرح حضرت معاذ نے اپنے شاگرد صناجعی (عبدالرحمن بن عسیلہ) کو یہ حدیث انا احبک فقل کہہ کر سنائی اور پھر اسی طرح صناجعی نے اپنے شاگرد کو یہ حدیث یہی جملہ (انا احبک فقل) کہہ کر سنائی و ہذا الی آخرہ یہاں تک کہ حضرت شاہ ولی اللہ صاحب کو ان کے استاذ شیخ ابو طاہر مدنی نے یہ حدیث اسی طرح سنائی پھر شاہ صاحب سے نیچے بھی یہ سلسلہ یوہنی چلتا رہا حتیٰ کہ ہم نے بھی یہ حدیث اپنے استاذ شیخ الحدیث حضرت مولانا محمد زکریا کاندھلوی قدس سرہ سے ۱۳۹۷ھ میں جو میری مشکوٰۃ کا سال تھا اسی طرح سنی۔

احادیث سلسلہ بکثرت ہیں اور بعض ان میں ایسی ہیں کہ ان کا تسلسل ناقص ہے درمیان میں ہی منقطع ہو گیا جیسے الحدیث المسلسل بالاولیۃ کہ اس کا تسلسل سفیان بن عیینہ پر آکر منقطع ہو گیا اس سے آگے صحابی تک نہیں ہے

نیز یہ بھی ضروری نہیں کہ جو حدیث کسی ایک شیخ کی سند کے لحاظ سے مسلسل ہو وہ دوسری اسانید کے لحاظ سے بھی مسلسل ہو چنانچہ حدیث معاذ ابو داؤد کی سند کے لحاظ سے مسلسل نہیں ہے۔

اور حدیث مسلسل وہ ہے جس کی سند کے تمام رواۃ کسی خاص صفت میں مشترک ہوں یا جس کی سند کے تمام رواۃ نے کسی خاص چیز کا التزام کیا ہو اس خاص صفت کا تعلق خواہ الفاظ ادار سے ہو جیسے ہر راوی بوقت روایت یوں کہے حدثنی فلاں قال سمعت فلاں۔ ابتداء سند سے اخیر تک، یا راوی کی کسی حالت سے اس کا تعلق ہو خواہ وہ حالت قولی ہو یا فعلی اول کی مثال حدیث الباب ہے اور ثانی کی مثال جیسے قبض لمحیہ حضرت انس کی حدیث میں ہے کہ ایک مرتبہ حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے تقدیر کے بارے میں فرمایا کہ بغیر اسکے ایمان کی حلاوت نصیب نہیں ہو سکتی لا یجبد العبد حلاوة الا ییمان حتی یومن بالقدح خیرہ شربہ حلوة ومصرۃ قال انس وقبض رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم علی لحيته وقال امنت بالقدح اور اس وقت آپ نے اپنی دائرہ کو مسی میر لیکر فرمایا امنت بالقدح اور پھر ہر راوی نے اپنے شاگرد کو یہ حدیث اسی طرح سنائی۔

سنائے کہ احادیث مسلسلہ اکثر ضعیف ہی ہیں اور ان احادیث میں صحیح ترین حدیث الحدیث المسلسل

بقراءة سورة الصف ہے (قالہ الحافظ)

دعاء میں تکرار کا استحباب عن عبد اللہ ان رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کان یعجبہ ان یدعو ثلاثا ویستغفر ثلاثا۔ آپ کو یہ بات پسند تھی کہ ہر دعائیں

بار مانگی جائے اس لئے کہ اس میں کمال احتیاج کا اظہار ہے اور یہ چیز اہتمام پر دلالت کرتی ہے اور شان عبدیت کے بہت مناسب ہے، امام بخاری نے اس پر مستقل باب قائم کیا ہے، باب تکریر الدعاء۔ اور اس میں انہوں نے وہ حدیث ذکر فرمائی جس میں حضور پر سحر کرانے کا واقعہ مذکور ہے جس کے اخیر میں ہے عن عائشہ نہ قالت سحر ابنی صلی اللہ علیہ وسلم فدعا دواعی جب آپ پر سحر کیا گیا (اور آپ کو اس سے مطلع بھی کر دیا گیا) تو آپ نے اس کے ازالہ کی اللہ تعالیٰ سے بار بار دعا فرمائی (اور ظاہری تدبیر بھی فرمائی جو بخاری شریف کے اسی باب میں مذکور ہے اور اس تدبیر میں بھی اللہ تعالیٰ سے ہی کامل رابطہ رہا) اور آپ کو اللہ تعالیٰ نے شفاء عطا

فرمائی۔ عن ابی موسیٰ الاشعری قال کنت مع رسول اللہ صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم فی سفر فلما دلفونا من البدینۃ کبر الناس ورفعوا اصواتہم، آپ نے ان حضرات کو ذکر بالجہر سے روکا، غالباً انہوں نے مبالغہ فی الجہر کیا ہوگا اسی لئے آپ نے منع فرمایا ورنہ نفس جہر تو مشروع ہے چنانچہ تلاوت قرآن بالجہر بالاجماع مشروع ہے اسی طرح آمین اور دعاء بالجہر بھی لیکن جہر اور سر کے مواقع ہوتے ہیں نہ ہر وقت جہر اولیٰ ہے اور نہ ہر وقت سر کہی وہ اور کہی یہ، اب راستہ میں چلتے چلتے ان سب نے ذکر جہری شروع کر دیا آپ

نے ان کو اس سے روک دیا۔

اور یہ منہی منہی نبی ارشاد و شفقت ہے چنانچہ اگلی روایت میں آرہا ہے یا مہا الناس اذ بقوا علی انفسکم کہ اپنے حال پر رحم کرو یعنی اتنی مشقت کیوں اٹھاتے ہو ایک تو سفر اور قطع مسافت کی مشقت دوسری یہ ذکر جہر کی۔

ذکر بالجہر کا ثبوت

اسی کتب کی کتاب الجنائز باب الدفن باللیل میں ایک حدیث آ رہی ہے حضرت جابر بن عبد اللہ سے جس کا مضمون یہ ہے کہ حضور اقدس صلی اللہ علیہ وسلم مدینہ کے قبرستان میں ایک شخص کو دفن کرنے کے لئے خود بنفس نفیس اس کی قبر میں اترے اُگے روایت میں یہ ہے راوی کہتا ہے ہم نے دیکھا کہ یہ شخص (جس کی قبر میں حضور اترے تھے) وہ تھا جو ذکر بالجہر کیا کرتا تھا، فاذا هو الرجل الذی کان یرفع صوته بالذکر (بذل ۱۹۷)۔

اس زمانہ کے معتدل اہل حدیث بھی ذکر جہری پر نکیر نہیں کرتے بلکہ تحریک رأس عند الذکر پر کرتے ہیں لیکن ان بیچاروں کو کیا خبر دراصل اس کا تعلق تجربہ سے ہے اور یہ علاج کے طور پر ہے ذکر کی تاثیر بڑھانے کے لئے دیے صوفیاء کے پاس اس کا مأخذ بھی ہے حدیث سے، کیا تشہد میں کلمۃ التوحید کے وقت اشارہ بالسبحہ مشروع نہیں ہے خصوصاً مالکیہ کے یہاں تو اس اشارے میں تحریک ابعیناً و شمالاً بھی مستحب ہے ان الذی تدعونہ بینکم و بین اعناقکم جس کو تم پکارتے ہو وہ تمہارے اور تمہاری۔

سوار یوں کی گردنوں کے درمیان میں ہے

شرح حدیث

یہ کنایہ ہے غایتِ قرب سے لیکن قرب و بُعد کا تعلق چونکہ مکان اور جہت کے اعتبار سے ہوتا ہے اور اللہ تعالیٰ مکان سے منزہ ہیں اس لئے یہ قرب باعتبار علم باری کے ہے نہ باعتبار ذات باری کے، پس حاصل اس کا یہ ہوا کہ اللہ تعالیٰ تم سے اور تمہارے احوال سے اس قدر واقف اور مطلع ہیں جیسے اقرب ترین چیز سے واقفیت ہوا کرتی ہے۔

ثم قال رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم یا ابا موسیٰ الا ادلک علی کنز من کنوز الجنة فقلت وما هو قال لا حول ولا قوۃ الا باللہ، والحدیث اخرجه البخاری والترمذی الا یضاً، کنز سے مراد ایسا عمل جس کے ذریعے ثواب عظیم حاصل ہو جنت میں، ثواب عظام کو خزانہ کے ساتھ تشبیہ دی گئی ہے، ابن بطال اس حدیث کی شرح میں فرماتے ہیں آپ اپنی امت کو بہتر سے بہتر حال پر دیکھنا چاہتے تھے جب آپ نے دیکھا کہ یہ لوگ کلمۃ اخلاص کو بلند آواز سے پڑھ رہے ہیں اور نیکی میں کوشش کر رہے ہیں تو آپ نے ان کو مزید اس کلمہ کی تلقین بھی فرمائی تاکہ توحید کیساتھ ایمان بالقدر بھی تازہ ہوتا رہے (اس لئے کہ

لاحول الخ کا حاصل ایمان بالقدر ہے، احقر کہتا ہے اور یہ بھی کہہ سکتے ہیں کہ لاحول میں چونکہ اعتراف توفیق ہے کہ یہ سب کچھ نیکی اللہ کی مدد اور اس کی توفیق سے ہو رہی ہے تو یہ اعتراف اس نعمت کا شکر ہوا اور شکر سے نعمت میں اضافہ ہوتا ہے اور وہ زوال سے بھی محفوظ ہو جاتی ہے۔

من صلی علی واحدہ صلی اللہ علیہ عشرًا یہ حدیث اور اس سے اگلی حدیث اور اس کی شرح کتاب الاذان میں۔ باب ما یقول اذا سمع الموزن میں گزر چکی ہے لا تدعوا علی انفسکم ولا تدعوا علی اولادکم بعض مرتبہ آدمی پریشان ہو کر اپنے آپ کو یا اپنی اولاد کو بددعا دینے لگتا ہے اس سے منع کیا جا رہا ہے کہ کہیں ایسا نہ ہو کہ یہ تمہارا بددعا دینا ساعت استجابت میں واقع ہو کر قبول ہو جائے۔

بَابُ الصَّلَاةِ عَلَى غَيْرِ النَّبِيِّ صَلَّى اللَّهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ

عن جابر بن عبد الله ان امرأة قالت للنبي صلى الله عليه وسلم صل على وعلى زوجي

صلى الله عليك وعلى زوجك۔

ترجمہ الباب والے مسئلہ پر
فقہی حیثیت سے مدلل کلام
اس میں صلوٰۃ علی غیر النبی استقلالاً پایا گیا جو کہ بعض علماء و منہم الامام احمد ابن منیل رحمہ اللہ کے نزدیک جائز ہے مستدلاً بهذا الحدیث و بقولہ تعالیٰ وصل علیہم ان صلواتک سکن ہم اور عند الجمهور جائز نہیں، منہل میں ہے قاضی عیاض، شفاء، میں فرماتے ہیں صلوٰۃ و سلام انبیاء کے ساتھ خاص ہیں اور دلیل خصوصیت میں علماء ان دو آیتوں کو پیش کرتے ہیں، لا تجعلوا دعاء الرسول بینکم کدعاء بعضکم بعضا اور یا ایہا الذین امنوا صلوا علیہ وسلموا تسلیماً۔

غیر انبیاء یعنی صحابہ کرام و تابعین کے لئے تو آیات قرآنہ کے اشارہ سے مستفاد ہوتا ہے کہ ان کے حق میں دعائے ترقی و ترقم و غفران ہے قال تعالیٰ (یقولون ربنا اغفر لنا ولاخواننا الذین سبقونا بالایمان) وقال تعالیٰ (والذین اتبعوهم باحسان رضی اللہ عنہم ورضوا عنہ) نیز صلوٰۃ و سلام علی غیر النبی استقلالاً صدر اول میں رائج نہ تھا بلکہ یہ ایجاد و احداث ہے و رافض و اہل تشیع کی، چنانچہ وہ کہتے ہیں علی علیہ الصلوٰۃ والسلام، علی اور حضور کے ساتھ مساوات کا معاملہ کرتے ہیں، اور تشبہ بابل البدع ممنوع ہے، صاحب منہل لکھتے ہیں شعب الایمان للبیہقی اور سنن سعید بن منصور میں ابن عباس سے منقولاً مروی ہے لا تجوز الصلوٰۃ والسلام علی غیر نبینا محمد من الانبیاء (یعنی صلوٰۃ و سلام دونوں کا مجموعہ حضور کے علاوہ کسی دوسرے نبی کے لئے جائز نہیں چہ جائیکہ غیر نبی) ملا علی قاری فرماتے ہیں شاید یہ ان آیات سے مستفاد ہے جن میں حضور

کے علاوہ دوسرے انبیاء کے حق میں صرف سلام کا میضہ استعمال کیا گیا ہے، سلام علی نوح فی العالمین، سلام علی ابراہیم، سلام علی موسیٰ و ہارون، سلام علی المرسلین، اور حضور صلی اللہ علیہ وسلم کے حق میں فرمایا گیا ہے صلوا علیہ وسلموا تسلیما (صلوۃ و سلام دونوں کو جمع کیا گیا ہے) لیکن حدیث الباب جمہور کے مسلک کے خلاف ہے اسی طرح وہ روایت بھی جو کتاب الزکوۃ میں باب دعاء المصدق للاہل الصدقہ میں آری ہے، اللہم صلی علی آل ابی اوفیٰ نیز واضح رہے کہ امام ابو داؤد و حنبلی ہیں اسی لئے انہوں نے مذہب احمد کو ترجمۃ الباب اور حدیث الباب سے ثابت کیا ہے۔

جمہور کی جانب سے اس حدیث کا جواب یہ ہے کہ صلوۃ جو بمعنی تعظیم و تکریم ہے وہ حضورؐ کے ساتھ خاص ہے اور صلوۃ بمعنی دعاء و رحمت و برکت یہ آپؐ کے ساتھ خاص نہیں ہے (گو بعض کے نزدیک یہ بھی مکروہ ہے) اور دوسرا جواب اس حدیث کا یہ دیا جاتا ہے کہ غیر نبی پر صلوۃ بالاستقلال ہمارے اور تمہارے لئے مکروہ ہے لیکن اگر خود حضور صلی اللہ علیہ وسلم ایسا کریں تو چونکہ یہ خود حضورؐ ہی کا حق ہے اس لئے آپؐ کو اختیار ہے کہ اپنا حق دوسرے کو دیدیں **حضرت امام بخاری کی رائے** امام بخاریؒ نے بھی اس سلسلہ میں باب باندھا ہے۔ "حل یصلی علی غیر نبی صلی اللہ علیہ وسلم اس پر حافظ ابن حجر لکھتے ہیں اس غیر کے مصداق میں دوسرے انبیاء بھی داخل ہیں اسی طرح ملائکہ اور عام مؤمنین۔ پھر اس کے بعد حافظ نے ہر ایک پر الگ مستقل حاکم کیا ہے یعنی صلوۃ علی الانبیاء اور صلوۃ علی الملائکہ اور صلوۃ علی المؤمنین مع اختلاف علماء ودلائل، اور اس قسم ثالث کے ذیل میں مختلف اقوال نقل کرنے کے بعد ایک قول یہ لکھا ہے وقالت طائفة تجوز مصلیاً (یعنی ولو استقلالاً) وهو مقتضى صیغ البخاری الی آخر ما بسط من الدلائل۔ لہذا جو مذہب امام احمد کا ہے وہی امام بخاری کا بھی ہے۔

باب الدعاء بظهر الغیب

حدثني ام الدرداء قالت حدثني سيدي ابوالدرداء، یہ ام الدرداء یہی ہیں ابوالدرداء کی، ام الدرداء دو ہیں ایک صفری جو تابعیہ ہیں جن کا نام نجیمہ ہے اور کہا گیا جیمہ اور ایک ام الدرداء الکبریٰ ہیں جن کا نام خیرہ بنت ابی حدرد ہے اور یہ صحابیہ ہیں، یہاں سند میں صفری مراد ہیں نہ کہ کبریٰ بلکہ ان سے تو صحاح ستہ ہی میں کوئی روایت نہیں ہے (منہل) قالت الملائكة آمین و لاک بمثل و الحدیث احسبہ مسلم ایضاً، جو شخص کسی کے لئے اس کے پس پشت جو بھی دعاء خیر کرتا ہے تو فرشتے اس کی دعاء پر آمین کہتے ہیں اور کہتے ہیں و لاک بمثل یعنی اور تجھ کو بھی اللہ تعالیٰ یہی چیز نصیب فرمائے شراح نے لکھا ہے اور

پس پشت ہی کے حکم میں یہ بھی ہے کہ کسی کے لئے سر دعار کرے جس کو وہ نہ سن رہا ہو اگرچہ اسی مجلس میں ہو یا اسی دسترخوان پر ہو۔

اپنے لئے ملکہ سے دعار کرانہ کی شکل | اس حدیث سے مستفاد ہو رہا ہے کہ اگر کوئی شخص اپنے لئے کسی معاملہ میں فرشتوں سے دعار کرنا چاہے تو اس کی صورت

یہ ہے کہ وہی دعار اپنے کسی مسلمان بھائی کے لئے اس کے پس پشت کرے، مہنل میں لکھا ہے کہ بعض سلف سے منقول ہے کہ وہ ایسا ہی کیا کرتے تھے (یعنی جب کسی چیز کی دعار اپنے لئے کرنی ہوتی تو پہلے وہی دعار کسی دوسرے کی نیت سے کرتے)

عن عبد اللہ بن عمر و بن العاص رضی اللہ تعالیٰ عنہما ان رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم قال اسرع الدعاء اجابة دعوة غائب۔ اس کی وجہ یہ ہے کہ ایسی دعار میں اخلاص زیادہ ہوتا ہے اس لئے جلدی قبول ہوتی ہے۔

ثالث دعوات مستجابات لاشک فیہن، مستجابات یا مرفوع ہے اور خبر ہے مبتداء کی اور لاشک فیہن یا تو تاکید خبر ہے یا خبر ثانی ہے اور یا یہ مستجابات مجرور ہے اور دعوات کی صفت ہے اور لاشک فیہن اس کی خبر ہے، دعوة الوالد ودعوة المسافر ودعوة المظلوم، اس دعوت میں دعار بالخیر اور دعار بالشر دونوں داخل ہیں، ایسے ہی یہ دعار خواہ اپنے لئے ہو یا دوسرے کے لئے، اور مظلوم سے مراد عام ہے خواہ مسلم ہو یا کافر، صاحب ہو یا فاجر، چنانچہ مسند ابوداؤد طیالسی کی روایت میں تصریح ہے۔ وان کان فاجلاً ففجوراً علی نفسه، اور مسند احمد وغیرہ میں ہے۔ ولو کان کافراً۔ (مہنل)

ان النبی صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم کان اذا خاف قوما قال اللهم انا نجعلک فی نعورهم ونعوذک من شرورهم، یہاں پر یہ سوال ہوتا ہے کہ حضور اکرم صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم تو جن و انس کے شر سے محفوظ ہیں پھر آپ کو خون کیسا؟ جواب یہ ہے کہ بہر حال آپ بشر تھے خون انسان کی طبیعت کا خاصہ ہے اور یا یہ کہا جائے کہ آپ کا یہ خون اپنے اصحاب کے لحاظ سے تھا اور یا یہ کہا جائے کہ یہ تعلیم امت کے لئے تھا کہ ان کو چاہئے کہ خوف کے وقت میں یہ دعار پڑھیں۔

حضور اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کی شجاعت | ورنہ آپ کی شجاعت کا تو یہ عالم تھا کہ حدیث میں آتا ہے ایک مرتبہ رات کے وقت مدینہ والوں نے کچھ شور کی آواز

سنی جس سے سب گھبرا گئے کہ یہ کیسی آواز آ رہی ہے اس پر جناب رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم ابو طلحہ کے گھوڑے پر اپنی تلوار کے ساتھ سوار ہو کر تنہا مدینہ سے باہر نکلے چلے گئے یہ دیکھنے کے لئے کہ یہ شور کیسا ہے

اور تھوڑی ہی دیر میں آپ واپس لوٹ کر آئے یہ فرماتے ہوئے لم تر أعوا. لم تر أعوا کہ درود مت ہم دیکھ آئے کوئی بات نہیں ہے صلی اللہ تعالیٰ علیہ وعلیٰ آلہ واصحابہ وبارک وسلم تسلیماً کثیراً

باب الاستخارة

یہاں پر چند بحثیں ہیں ۱۔ استخارہ کے لغوی معنی ۲۔ استخارہ کب کرنا چاہئے ۳۔ استخارہ کب تک کرنا چاہئے ۴۔ کن امور کے لئے استخارہ ہوتا ہے ۵۔ استخارہ سے قبل رکعتیں پڑھنے کی مصلحت ۶۔ استخارہ کے بعد کیا کرے ۷۔ استخارہ کی حدیث کس درجہ کی ہے ۸۔ استخارہ کا مختصر طریقہ۔

امور ثمانیہ متعلقہ باستخارہ | اس کے لغوی معنی ہیں اللہ تعالیٰ سے خیر طلب کرنا اس کام میں جس کا ارادہ ہو رہا ہے، اور بعض شراح نے اس طرح لکھا ہے یعنی امر میں

میں سے جو نسا امر خیر ہو اس کو اللہ تعالیٰ سے طلب کرنا جس کا طریقہ حدیث شریف میں یہ بیان کیا گیا ہے کہ استخارہ کی نیت سے دو رکعت نفل نماز پڑھ کر وہ دعا پڑھے جو حدیث میں آرہی ہے اور اس دعا سے پہلے باری تعالیٰ کی حمد و ثنا اور حضور صلی اللہ علیہ وسلم پر صلوٰۃ و سلام بھیجے۔

اذا هم احدکم بالامر، اس سے معلوم ہوا کہ جو چیز قابل مشورہ و استخارہ ہو اس میں استخارہ کام کے ارادہ کے فوراً ہی بعد کر لینا چاہئے تاکہ شروع ہی سے اللہ تعالیٰ کی طرف سے امر خیر کی رہنمائی ہو ورنہ اگر استخارہ میں دیر کجا نیگی تو ہو سکتا ہے نفس کا میلان پہلے ہی کسی ایک طرف ہو جائے اور استخارہ سے بعد میں پورا فائدہ رہنمائی کا حاصل نہ ہو، نیز استخارہ مباحات کے لئے ہوتا ہے واجبات و مستحبات کے لئے نہیں البتہ جو واجبات موسعہ ہیں جن میں تاخیر جائز ہے ان میں استخارہ تعیین وقت وغیرہ مصالح کے لئے ہو سکتا ہے مثلاً یہ کہ یہ کام اس سال کیا جائے یا آئندہ سال عبادات میں استخارہ اصل فعل کے اعتبار سے نہیں ہوتا بلکہ وقت یا کیفیت وغیرہ کے لحاظ سے ہوتا ہے، استخارہ کے بعد جس چیز پر النشراح صدر ہو اس کو بغیر اترار ہوائے نفسانی اختیار کر لینا چاہئے ایک دو دفعہ میں النشراح نہ ہو تو سات مرتبہ تک کرتا رہے (جیسا کہ

لے صحیح بخاری میں ہے کان یلتئ الاستخارة فی الامور کلھا، عارف ابن ابی حمزہ فرماتے ہیں یہ عام مخصوص عنہ البعض ہے اس لئے کہ واجب یا مستحب کے فعل میں استخارہ نہیں ہوگا اور حرام و مکروہ کے ترک کے لئے استخارہ نہ ہوگا بلکہ امر مباح میں یا اس مستحب میں جس کے مقابل ایک دوسرا مستحب سامنے ہو تو اس میں استخارہ ہو سکتا ہے کہ کونسا ان میں اختیار کرے یا یہ کہ کونسا پہلے کرے حافظ ابن حجر فرماتے ہیں اسی طرح امر واجب بخیر فیہ یا وہ واجب جو موعود ہو ۱۲۔

ایک حدیث مرفوعہ میں وارد ہے جس کو ابن السنی نے روایت کیا ہے (بذل) اور حافظ ابن حجر فتح الباری میں لکھتے ہیں استخارہ کے بعد کیا کرے اس میں اختلاف ہے (۱) ابن عبد السلام فرماتے ہیں یفضل بالتفق یعنی جو ہو سکے وہی کر لے (الشارع النورانی میں خیر ہے) اور امام نووی فرماتے ہیں استخارہ کے بعد جس چیز پر الشراح مصدر ہو اس کو کر لے آگے حافظ نے خود اپنی رائے یہ لکھی ہے کہ استخارہ کے بعد اگر الشراح اس چیز پر ہو جن چیز میں اس کی خواہش و رغبت پختہ طور پر استخارہ سے پہلے تھی تو اس کو نہ کرے۔ علامہ شافعیؒ لکھتے ہیں بعض مشایخ سے منقول ہے استخارہ کے بعد آدمی کو چاہیے با وضو مستقبل قبلہ ہو کر سوجائے پس اگر خواب میں سفیدی یا سبزی دیکھے (ہزارنگ) تو اس کام کو کر گذرے کہ اس میں خیر ہے اور اگر سیاہی یا سرخی دیکھے تو سمجھے اس میں شر ہے اور اس سے بچے۔

فلیکع رکعتین من غیر فريضة فرض نماز کی نفی سے معلوم ہوا کہ نماز سنت کے بعد بھی استخارہ کر سکتے ہیں بشرطیکہ اس میں استخارہ کی بھی نیت کی ہو ورنہ نہیں (قالہ النووی) اور بعض کہتے ہیں اس کے لئے مستقل ہی نماز ہونی چاہیے، ولیمقلل اللہم فی استخیرک بعلمک واستقدرک بمقدرتک واسألتک من فضلک العظیم فانک تقدر ولا اقدر وتعلم ولا اعلم وانت علام الغیوب اللہم فان کنت تعلم ان هذا الامر (یسمیہ بعینہ الذی یرید) خیر لی فی دینی ومعاشی ومعادی وعاقبتہ امری فاقدرہ لی ویسرہ لی وبارک لی فیہ اللہم وان کنت تعلمہ شراً لی مثل الاول فاصرفنی عنه واصرفہ عنی واقدر لی الخیر حیث کان شہ ارضی بہ اوقال فی عاجل امری وآجلہ، یہ دعا یاد کر لینی چاہئے اسی لئے یہاں نقل کی ہے، مثل الاول کا مطلب یہ ہے کہ یوں کہے فی دینی و دنیاوی اور آخری جملہ کا مطلب یہ ہے کہ تم کو اختیار ہے کہ عاجل امری وآجلہ کہو یا اس کے بجائے معاشی وعاقبتہ امری کہو۔
علمائے لکھا ہے کہ صلوۃ الاستخارہ کی پہلی رکعت میں سورہ کافرون اور دوسری میں سورہ اخلاص پڑھے تو بہتر ہے اور یا پہلی رکعت میں وربک یخلق ما یشاء ویختار ما کان لہم الخیرۃ سبحان اللہ وتعالی عما یشرکون وربک یعلم ما نکین صدورہم وما یعلنون اور دوسری میں وما کان لہم من ولا مؤمنۃ افاقتضی اللہ ورسولہ امراً ان یکون لہم الخیرۃ من امرہم ومن یصل اللہ ورسولہ فقد ضلّ ذلاً لا مبیثاً، اور بعض علماء فرماتے ہیں اور اکل یہ ہے کہ وہ سورتیں بھی پڑھے اور یہ آیات بھی۔

دعا استخارہ سے قبل رکعتیں میں مصلحت علماء نے یہ لکھی ہے کہ استخارہ کا مقصد یہ ہے کہ ہمیں دین کرنا دونوں کی خیر حاصل ہو جائے اور اس مقصد عظیم کا حصول بادشاہ کے دروازہ کے کھٹکھٹائے بغیر ممکن نہیں

اور اس قرع باب کی صورت نماز سے بہتر کوئی نہیں ہو سکتی۔ استخارہ کی یہ حدیث صحیح مسلم کے علاوہ باقی سب صحاح ستہ میں موجود ہے امام ترمذی فرماتے ہیں حدیث حسن صحیح غریب لا العرفہ الامن حدیث عبدالرحمن بن ابی الموالم دھو شیخ مدنی ثقہ روی عمدہ غیر واحد من الائمہ اہ لیکن امام احمد نے اس حدیث کی تضعیف کی ہے اور اس کو منکر قرار دیا ہے وہ فرماتے ہیں اس حدیث کو ابن المنکدر سے ابن ابی الموالم کے علاوہ کسی اور نے روایت نہیں کیا لیکن تقریباً دوسرے تمام ائمہ نے ان کی توثیق کی ہے۔ ابن ابی عدی کہتے ہیں حدیث الاستخارہ متعدد صحابہ سے مروی ہے ابو ایوبؓ، ابو سعیدؓ، ابو ہریرہؓ، ابن مسعودؓ وغیرہ۔ وہ فرماتے ہیں اور ان میں سے کسی حدیث میں نماز کا ذکر نہیں ہے سوائے حدیث ابو ایوبؓ کے ولہم یقتد بکعتین ولا یقولہ من عنید الطریضۃ (نہل) نیز سعد بن ابی وقاصؓ کی حدیث مرفوع ہے من سعادۃ ابن ادم استخارۃ اللہ (آخر جہد احمد وسندہ حسن) اور ترمذی شریف میں ہے من حدیث ابی بکر الصدیقؓ عن ان النبی صلی اللہ علیہ وسلم کان اذا اراد امرًا قال اللہم خذنی واخترنی اور طبرانی میں حضرت انسؓ کی حدیث مرفوع میں ہے ماخاب من استخار (فتح الباری ۱۵۱) اس سے معلوم ہوا استخارہ کا ایک مختصر طریقہ یہ ہے کہ جب تک اپنا مقصد حل نہ ہو یہ دعا رجو ابھی گزری اس کو پڑھتے رہنا چاہیے۔ میں نے اپنے استاد محترم حضرت مولانا اسعد اللہ صاحب رحمۃ اللہ علیہ سے سبق میں سنا تھا ماخاب من استخار ولا یندم من استشار اس کا جزو اول تو حدیث سے ثابت ہے ابھی قریب میں گزرا ہے لیکن اس کا جزو ثانی کسی روایت میں تلاش کے باوجود نہیں ملا۔

باب فی الاستعاذۃ

دعائیں دو طرح کی ہوتی ہیں اول وہ جو جلب منفعت کے قبیل سے ہوں جن میں امور خیر کو طلب کیا جاتا ہے ثانی وہ جو دفع مضرت کے قبیل سے ہوں جن میں شر اور ضرر سے پناہ چاہی جائے۔ اب تک مصنف قسم اول کو بیان کر رہے تھے اب یہاں سے قسم ثانی کو بیان کرتے ہیں (فائدہ) غالباً امام نسائی پر دفع مضرت کا پہلو غالب تھا انہوں نے سنن صغریٰ کے اخیر میں ایک مستقل عنوان "کتاب الاستعاذۃ" کا قائم کیا ہے اور پھر اس کے تحت میں پہلی سول باب استعاذہ کے سلسلہ میں قائم کئے ہاں نوع اول کی روایات و ادعیہ کو انہوں نے "کتاب الصلوۃ" میں ذکر کیا ہے یعنی وہ دعائیں جو صلوۃ سے متعلق ہیں خواہ تشہد کے بعد قبل السلام والی دعائیں ہوں یا بعد السلام والی۔

سنن ابوداؤد میں کتاب الدعوات مستقل نہیں ہے انہوں نے زیادہ تر دعائیں یہاں کتاب الصلوۃ کے اخیر میں ذکر کی ہیں اور کچھ دعائیں نوم سے متعلق "کتاب الادب" کے ضمن میں ذکر کی ہیں۔

سب سے زیادہ دعاؤں کا ذخیرہ کس کتاب میں؟
 صحاح ستہ میں سب سے زیادہ دعاؤں کا ذخیرہ میرے علم میں سنن ترمذی میں ہے اس کی کتاب الدعوات بڑی طویل ہے تقریباً تیس صفحات پر مشتمل ہے اور صحیح بخاری کی کتاب الدعوات تقریباً بیس صفحات کے اندر ہے بعض حضرات محدثین نے صرف دعاؤں پر مستقل تصنیفات بھی فرمائی ہیں جو مشہور و معروف ہیں۔

ایک زرین نصیحت
 میرا مشورہ کہیے یا نصیحت یہ ہے کہ ہر طالب علم کو چاہئے کہ وہ ترمذی شریف کی کتاب الدعوات کو سامنے رکھ کر سب دعائیں از اوّل تا آخر پڑھے اور دورانِ قراءۃ جو نئی دعا کو اپنے حال کے زیادہ مناسب سمجھے یا جو دعا زیادہ پسند آئے اس قسم کی سب دعاؤں کو ایک کاپی (بیاض) میں نقل کر لے اور پھر اس سے ان دعاؤں کو یاد کرتا رہے اور بڑھتا رہے، واللہ الموفق و ہموالہم۔

كان يقول اللهم اني اعوذ بك من شئ ما عملت ومن شئ ما لم اعمل اور بعض روایات میں من شئ ما علمت ومن شئ ما لم اعلم بھی آیا ہے، یہاں یہ سوال ہوتا ہے کہ جو عمل کیا ہی نہیں تو اس کا شر ہے کہاں؟ کہ اس سے پناہ مانگی جائے، جواب اس سوال کا حدیث کی شرح سے معلوم ہو جائیگا۔

شرح حیشد
 ما عملت ای من السيئات وما لم اعمل ای من الحسنات، یعنی جو نیک کام کرنے چاہئیں تھے اور نہیں کئے تو اس نہ کرنے پر جو خرابی اور شر مرتب ہو سکتا ہے اس سے پناہ چاہتا ہوں، اور یا مطلب یہ ہے کہ میں ہر چیز کے شر سے پناہ چاہتا ہوں خواہ اس میں میرے عمل اور کسب کو دخل ہو یا نہ ہو، مثلاً کسی میں صفت جبن ہے یا صفت بخل ہے جو غیر اختیاری اور غیر کسی ہے تو اس صفت کی وجہ سے جو خرابی مرتب ہو سکتی ہے اس سے پناہ چاہتا ہوں، اور یا یہ کہیے کہ بعض مرتبہ دوسرے کی معصیت سے بھی نقصان اٹھانا پڑتا ہے قال تعالیٰ واتقوا فتنۃ لا تصيبن الذين ظلموا منكم خاصة۔ لہذا اس سے بھی پناہ مانگنے کی ضرورت ہے۔

نیز بعض مرتبہ انسان کو شش کر کے کسی معصیت سے بچ جاتا ہے لیکن اس بچنے پر بھی شر مرتب ہو سکتا ہے وہ یہ کہ مثلاً اس بچنے کو بچانے فضل خداوندی سمجھنے کے اپنی ذات کی طرف منسوب کرنے لگے، یا اس معصیت سے بچنے کے بعد اپنے کو دوسرے سے افضل سمجھنے لگے (یہ سب توجہات ہو سکتی ہیں)

عن ابی الیسر ان رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کان یدعو اللهم انی اعوذ بك من الهمم واعوذ بك من التردی واعوذ بك من الفرق والحرق والهرم واعوذ بك ان يتخبطنی الشیطان عند الموت، اور پناہ چاہتا ہوں میں آپ کی اس بات سے کہ مجھ کو شیطان عین موت کے وقت خطی اور مجنون بنادے اور میرے دین کو خراب اور فاسد کر دے۔ اس حدیث میں ہدم اور تردی وغیرہ امور سے پناہ چاہی

گئی ہے حالانکہ یہ چیزیں اسباب شہادت میں سے ہیں؟ جواب یہ ہے کہ یہ چیزیں بہت سخت قسم کی ہیں بعض مرتبہ انسان کو ان پر مبرک کرنا مشکل ہو جاتا ہے تو شیطان کو بہکانے کا اچھا موقع مل جاتا ہے اور وہ آدمی کو ناشکری اور بے مبری میں مبتلا کر دیتا ہے جو سر اسر دین کا نقصان ہے۔

ومن سئى الاستقام، شدید قسم کے امراض سے پناہ چاہتا ہوں، آپ نے مطلق استقام سے پناہ نہیں طلب کی بلکہ سئى الاستقام سے! علامہ طیبیؒ فرماتے ہیں دراصل بات یہ ہے امراض اور مصائب پر اللہ تعالیٰ کے یہاں اجر و ثواب بہت ہے لیکن جو امراض زیادہ سخت ہوتے ہیں جیسے سل، استقام اور امراض مزمنہ طویلہ تو ان میں چونکہ جزع فزع اور بے مبری کا اندیشہ ہوتا ہے اس لئے صرف ان ہی سے حافیت طلب کی گئی ہے اور جو امراض معمولی بلکہ پھلکے تھے ان پر چونکہ مبر آسان ہے اس لئے ان سے پناہ نہیں چاہی گئی دار آخرت کے ثواب عظیم حاصل کرنے کی غرض سے۔

يا ابا امامة مالي اراك جالساً في المسجد في غير وقت الصلوة قال هموم لزممتي وديون يارسول الله قل اذا أصبحت واذا اميتت، اللهم اني اعوذ بك من الهم والحزن واعوذ بك من العجز والكسل واعوذ بك من الجبن والبخل واعوذ بك من غلبة الدين وقهر الرجال. قال ففعلت ذلك فاذهب الله همي وقضى عني ديني، یہ دعاء دعا ادا قرض کے نام سے مشہور ہے چنانچہ امام نووی نے اس حدیث کو کتاب الاذکار میں دعا قضاء الدين، عنوان کے تحت ذکر کیا ہے اور انہوں نے اس کو صرف سنن البوداؤد کی کیطرف منسوب کیا ہے اسکے علاوہ انہوں نے ایک دعا ادا قرض کی سہولت کے لئے اور ذکر کی ہے وہ یہ کہ ایک مکاتب حضرت علیؓ کی خدمت میں آیا اور عرض کیا کہ میں ادا کتابت سے عاجز ہو گیا ہوں میری حالت کیجئے انہوں نے فرمایا میں تجھ کو وہ دعا بتاتا ہوں جو حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے مجھ کو تعلیم فرمائی تھی اگر تجھ پر پہاڑ کے برابر بھی قرض ہوگا تو اللہ تعالیٰ اس کو ادا کرادیں گے یہ دعا پڑھا کر اللهم اكفني بخلالك عن حرامك واعنني بفضلك عن سواك (رواہ الترمذی) اسی طرح ترمذی شریف میں حضرت ابوہریرہؓ کی حدیث ہے کہ حضورؐ نے مجھ سے فرمایا لا حول ولا قوة الا باللہ کثرت سے پڑھا کر اس لئے کہ یہ جنت کے خزانوں میں سے ہے، اس پر مکحول شامی فرماتے ہیں کہ جو شخص لا حول ولا قوة الا باللہ ولا منجى من الله الا اليه پڑھے گا اس کے تشر قسم کے نقصانات اور مضرتیں رفع ہوں گی جن میں ادنیٰ درجہ فقر ہے۔

لہ چنانچہ ایک حدیث میں آتا ہے کہ آخرت میں جب اصحاب العبادات والمصاب کمان کے مصائب پر اجر ملے گا تو اس وقت اصحاب العافیہ یہ تین کریں گے کہ کاش دنیا میں ہمارے بدن کی کمال قیمتیوں سے کاٹ دی جاتی تاکہ اس کا ثواب اس وقت یہاں ملتا۔

جاتا چاہیے دعا کے کچھ آداب اور شرائط ہیں جو کتابوں میں مذکور ہیں، امام نوویؒ نے کتاب الاذکار کے اخیر میں ایک باب "آداب الدعاء" کے عنوان ہی سے قائم کیا ہے اسی میں یہ اختلاف بھی لکھا ہے کہ دعا افضل ہے یا سکوت وہ فرماتے ہیں کہ مذہب مختار جس پر تمام فقہاء اور محدثین اور جماہیر علماء سلفا و خلفا ہیں یہ ہے کہ دعا مستحب ہے، یہ بحث ہمارے یہاں بہت تفصیل سے باب الدعاء کے شروع میں گذر چکی ہے امام نوویؒ نے امام غزالیؒ کی احیاء سے نقل کیا ہے، آداب الدعاء عشرۃ اور پھر ان کو بیان کیا، اور لکھا ہے کہ شرائط دعا میں سے یہ ہے کہ آدمی کی روزی اور کھانا پینا حلال ہو اور آداب میں سب سے اہم اور مؤثر حضور قلب ہے، حضرت امام بخاریؒ نے اس سلسلہ کا ایک باب یہ بھی قائم فرمایا ہے "باب الوضوء عند الدعاء" اور اس میں یہ حدیث ذکر کی ہے کہ حضرت ابو موسیٰ اشعریؒ فرماتے ہیں کہ ایک روز جناب رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے پانی طلب کیا اور وضوء فرمائی اور پھر دونوں ہاتھ اٹھا کر یہ دعا مانگی اللھم اغفر لعبیدی عامری یہ عبید ابو موسیٰ اشعری کے چچا کا نام ہے ایک غزوہ میں ان کے تیرا کر لگا تھا اسی میں انتقال ہوا، انتقال کے وقت انہوں نے اپنے بھتیجے ابو موسیٰ اشعریؒ سے فرمایا کہ میرا سلام حضور کی خدمت میں عرض کرنا اور میری طرف سے استغفار کی درخواست کر دینا (حاشیہ بخاری) اس سے معلوم ہوا دعا کے آداب میں سے ایک ادب با وضوء ہونا بھی ہے (کسی خاص دعا کے اہتمام کے وقت)

میں بھی اپنے لئے اور اپنے والدین کے لئے خواہ وہ والدین نسبی ہوں یا روحانی اور جملہ اصول و فروع اور اقارب و احباب کے لئے حضور اقدس صلی اللہ علیہ وسلم کے وسیلہ سے مغفرت تمامہ اور الفوز بالجنتہ والنجاة من النار چاہتا ہوں، اللھم منی الدعاء وعلیک الاجابة۔

وهذا آخر کتاب الصلوة، وبہ قد تم الجزء الثانی من الدر المنصور علی سنن ابی داؤد۔

نالحمد لله اولاً و آخراً والصلوة والسلام علی نبیہ و آلہ و سلم وادائیہ۔

محمد عاقل عفا اللہ عنہ

۲۰ جمادی الاولیٰ ۱۴۱۷ھ یوم الجمعہ

عَنْ ذِكْرِ الصَّالِحِينَ تَنْزِلُ الرَّحْمَةُ

سَمَحُ عُمَى

جامع شریعت و طریقت

قدوة السالکین عمدة الواصلین حضرت اقدس
شیخ الحدیث مولانا محمد زکریا صاحب قدس سرہ

جس میں

حضرت ممدوح کی تعلیم، تدریس، تصنیف، تالیف، خدمتِ احادیث،
معاملات، عبارتِ تلاوت، ریاضتِ سخاوت اور دیگر امتیازی
صفات ذکر کی گئی ہیں، نیز اکابر خاندانِ نبھوت والہ و صاحبِ جادہ
اعمام گرامی قدر کے احوال اور حضراتِ اساتذہ کرام کے حالات
سیرِ قلم کئے ہیں۔ مدرسہ مظاہر علوم کا تقاریر، اکابرِ مدرسہ کے
افلاص، تقویٰ، قناعت اور علمی، عملی تفصیل و کمال کے احوال
جمع کئے ہیں۔

تالیف
محمد عاشق الہی بلندر شہری عفا اللہ عنہ